...یا ! — — "بعض" روشن خیال" اور شعبدہ نواز زیادہ نہ گھبرائیں ' زمانہ اپنی بساط اُلٹ چکا ہے - جاہلیت کے چمن میں بہار شروع ہوگئی ہے نقاب اور حجاب اوراقِ پارینہ بن چکے ہیں - نحوست کا رنگ کا نام "آرٹ" پڑ چکا ہے - فاحشہ کے لیے ... کے بجائے طرح طرح کے نام تجویز ہو چکے ہیں ، اور "ترقی" کے نقطۂ کمال تک پہونچنے میں کسر بس اتنی ہی رہ گئی ہے کہ یہاں بھی ... کی پوجا شروع ہو جائے ' زہرہ کے عریاں مجسمے گھر گھر ڈرائنگ روم کی زینت بن جائیں ' اور کام دیوی کے مندروں میں از سرِ نو چہل پہل نظر آنے لگے !

نمازِ جماعت غیروں کی نظر میں

"مومن مسلم پر دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے کہ اپنا رخ کعبہ کی طرف کرے ' اور نماز ادا کرے - نماز دین (اسلام) کا رکن دوم ہے - نماز کے وقت اگر دنیائے اسلام پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے ' تو نمازیوں کے متحد المرکز دائروں کا ایک پورا سلسلہ نظر آئیگا جسکا مرکز مکہ میں خانہ کعبہ ہوگا ، اور جسکا بڑھتا ہوا رتبہ کسطرح زیگ سیرالیونا (افریقہ کے مشرقی سرے) سے کینٹن (چین) تک اور ٹوبولسک (روس) سے کیپ ٹاؤن (افریقہ) کے جنوبی نقطہ تک" (ہسٹری آف دی عربس)

(انقلاب)

اتنے بڑے عالمگیر اتحاد کی دولت ' کیا کسی کانفرنس ' کانگریس ' لیگ ، جمعیۃ کو مدعو کیجیے ، جو آپ کو ہر روز ، اور دن میں بھی پانچ پانچ مرتبہ حاصل ہے اسکی مثال کسی اور قوم ، ملت ، مذہب کے پاس ہے ؟ پھر وسعتِ رقبہ ' تعداد و کمیت کے علاوہ کیفیت اور عمق کو لیجیے :—

"وقار ، سادگی اور ترتیب کے اعتبار سے یہ نماز باجماعت اپنا جواب نہیں رکھتی - جس وقت نمازی مسجد میں صف بستہ سیدھے کھڑے ہوتے ہیں ' اور امام کی تمام حرکات و سکنات کی اقتدا کرتے ہوں ، تو یہ نظارہ ہمیشہ موثر ہوتا ہے - ڈسپلن کی مشق کی حیثیت سے اس نماز جماعت کا بہت بڑا اثر مغرور و متکبر فرزندان بادیہ پر پڑا ہوگا - اسی نے ان میں مساوات معاشری اور یکجہتی کا احساس پیدا کیا - اسی نے اسلامی بھائی چارہ کو نشو و نما دی ، جسکی اصولی تعلیم محمدؐ کے دین نے بجائے نسبی رشتہ داری کے دی تھی " (ایضاً ، ص ۱۳۲)

جو برکتیں اور نعمتیں غیروں ، اور منکروں کو نظر آ رہی ہیں ' حیف ہے کہ خود ہم میں سے کتنوں نے انکی طرف سے اپنی آنکھیں پھوڑ رکھی ہیں !

غلطیہائے مضامین مت پوچھ !

ریڈیو کا مقصد صحیح خبروں کی اشاعت ہے ، لیکن ناشر کے غلط انتخاب سے ریڈیو نادانستہ اور بلا قصد ، کتنی شدید غلطیوں اور کیسی صریح گمراہیوں کا ذریعہ بن جاتا ہے ' اسکا کچھ اندازہ ذیل کے اقتباسات سے ہوگا - دہلی ریڈیو اسٹیشن ، بچوں کے سلسلہ نبیوں کے قصہ کا شروع کیا ... اور ہر طرح سے قابل داد تھا - لیکن دیکھیے کہ ناشر کے غلط انتخاب نے کس طرح سفید کو سیاہ بنا دیا :—

" مسلمانوں کے قرآن شریف اور عیسائیوں کی انجیل اور یہودیوں کی توریت میں بابا آدم اور حضرت حوّا کا قصہ ایک ہی طرح بیان کیا گیا ہے "

خدا معلوم عیسائیوں کی انجیل کا وہ کون سا نسخہ ہے جس میں تخلیق آدمؑ و حوّاؑ کے قصے بیان ہوئے ہیں ؟ اور پھر یہ کہنا کہ قرآن اور بائبل دونوں میں یہ قصہ "ایک ہی طرح" بیان ہوئے ہیں ، دونوں کتابوں پر کیسا ظلم ہے !

" مسلمان اور عیسائی اور یہودی کہتے ہیں کہ ..... خدا نے آدم کی بائیں پسلی سے اماں حوّا کو پیدا کر دیا "

قرآن میں "بائیں پسلی" کا ذکر اشارۃً بھی نہیں -

" قرآن مجید میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم کو خدا نے پیدا کیا تو شیطان آسمان کے فرشتوں کو پڑھایا کرتا تھا "

صراحۃً نہیں ، کنایۃً سہی ، تفصیلاً نہیں ، اجمالاً سہی ، یہ ذکر موجودہ تیس پاروں والے قرآن مجید کے کس پارہ کے کس رکوع ، کس آیت میں ہے ؟ حضرت آدمؑ کے

" ایک بیٹے کا نام حام تھا ، اور ایک بیٹے کا نام سام تھا "

خدا معلوم یہ کس تحقیق کا نتیجہ ہے کہ حام اور سام کو بجائے نوحؑ کے آدمؑ کی فرزندی میں دیدیا گیا !

" ایک دن ہابیل قابیل میں لڑائی ہوئی اور ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو مار ڈالا "

بھائیوں کی لڑائی کا حال معلوم نہیں کس تاریخ میں درج ہے - قرآن تو اسکے برعکس یہ صاف کہتا ہے کہ ایک بھائی (ہابیل) نے اشتعال کے باوجود بھی لڑنا بالکل گوارا نہ کیا - اور زیادتی تمامتر دوسرے بھائی (قابیل) کی رہی -

" ہابیل نے بھی ایسا ہی کیا کہ مٹی کھود کر قابیل کی لاش اسکے اندر دبا دی "

قاتل و مقتول کی ترتیب تمامتر الٹ دی گئی ہے ! سیلون میں

" اب بھی حضرت آدم کے قدم کا نشان موجود ہے ..... اور حضرت حوّا کی قبر جدہ میں ہے "

ان دونوں باتوں کا کوئی ثبوت موجود نہیں -

" حضرت ادریس بھی بہت مشہور پیغمبر تھے ، نجوم یعنی جوتش اور رمل اور جفر وغیرہ انھیں کی ایجاد ہیں "

غیر شرعی اور حرام علوم کو اللہ کے پیمبروں کی جانب منسوب کرنے سے بڑھ کر ڈھٹائی اور جسارت اور کیا ہوگی - اسکے بعد حضرت نوحؑ کے واقعات زندگی ، نیز طوفان نوحؑ کے سلسلہ میں جو بے سر و پا کہانیاں سنائی گئی ہیں ، اسلام ان سے بری اور بالکل بری ہے - یہ سرنٹ چند موٹی اور نمایاں باتیں عرض کر دی گئیں ، باقی جو روایتیں ضعیف و مشتبہ ہیں ، انکی تفصیل کی گنجائش کہاں سے لائی جائے !

دولت کا عذاب

" پہلے تو کثرت آبادی کے نتیجہ کے طور پر ، اور پھر اسکے بعد جو ذرائع معاش پیدا ہو گئے ان کے اضافہ کے بعد ... شروع ہوتا ہے اسکے

اور ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ اس فن کو ترقی دے کر رہیں گے۔ چنانچہ جو لوگ اس سے دلچسپی رکھتے ہوں، وہ مزید معلومات "انڈین میجک سرکل" کلکتہ سے طلب فرمائیں"۔

یہ خلاصہ ہے ایک اعلان کا، جو انڈین میجک سرکل کے آنریری سکریٹری کی طرف سے انگریزی روزناموں میں شائع ہوا ہے! چلیے، جادو کا بھی جادو تعلیم یافتہ دماغوں پر چل گیا۔ "جادو" اور "ٹونے ٹوٹکے" یہ وہ لفظ تھے، جن سے ہم آپ شرماتے تھے، اور جن کا نام بھی پڑھے لکھوں کی صحبت میں زبان پر لانے سے جھجکتے تھے، لیکن ذہن کو چونکہ نام خالص انگریزی طرز کے مل گئے، اس لیے اب "انڈین میجک سرکل" معزز ہے، اور Magician's Club of Madras میں ممبری باعث فخر! دلیل جواز یہ ہے کہ مغرب میں بھی تو ایسے کلب قائم ہیں! اور اس دلیل کے آگے ہماری ساری منطق بے دست و پا، اور ہماری "روشن خیالی" سرنگوں! عہد جاہلیت کے خرافات میں سے کون سا جزئیہ ایسا ہے، جو اس عصر "علم" و بیداری میں نئے سرے سے زندہ ہو کر نہ رہیگا؟ سحر و کہانت، کو آپ اپنے نزدیک ہمیشہ کے لیے دفن کر چکے تھے، دیکھیے وہ تک کس کس طرح ابھر رہے ہیں! جادو، شاعری کی دنیا میں بہت دنوں تک "جگایا" جا چکا، اب اس کی جاگ کا وقت واقعات کی دنیا میں آ گیا!

ترک "جبر"

" لاہور۔ ۲۵ مارچ۔ تقریباً چار ماہ کے بعد آج پنجاب اسمبلی میں پرائمری ایجوکیشن بل پر پھر بحث جاری ہوئی۔ گزشتہ موقع پر متعدد ارکان اسمبلی نے مخلوط تعلیم سے متعلق دفعات پر اعتراض کیا تھا، اور صوبہ کے اسلامی حلقوں میں اظہار ناراضگی کیا گیا تھا، اور اخبارات نے بھی مخالفت کی تھی۔

آج بحث کے دوران میں آنریبل میاں عبد الحی وزیر تعلیم نے اعلان کیا کہ چونکہ عامہ مخلوط تعلیم کے خلاف ہے اور پریس، اور پلیٹ فارم سے اس کے خلاف صدائے آواز اٹھائی گئی ہے، اس لیے حکومت لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم پر زور نہیں دیگی ...... ہاں اگر والدین یا سرپرست اپنی مرضی سے ان لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں بھیجنا چاہیں تو رکاوٹ نہیں ہوگی، البتہ حکومت انھیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کریگی۔ آپ نے اس امر کا بھی انکشاف کیا، کہ پچھلے سال میں ۲۰ ہزار لڑکیاں لڑکوں کے اسکول میں داخل ہو چکی ہیں"۔

گویا اتنی پرزور مخالفت اور شدید احتجاج کا نتیجہ صرف یہ نکلا، کہ مخلوط تعلیم پر فی الفور "مجبور" نہیں کیا جائیگا، سردست صرف ہموار چھوڑ دیا جائیگا! ——

گویا شراب نوشی پر کسی کو "مجبور" نہیں کیا جائیگا، میخواری سے احتیاط و اجتناب پر کوئی سزا سردست مقرر نہیں ہوگی، صرف شراب کی دوکانیں ہر طرح آراستہ و پیراستہ، دلکش و جاذب نظر گلی گلی کھول دی جائینگی، شاعروں، واعظوں، خطیبوں، ادیبوں کی زبان سے شراب کی مزیداریاں بیان ہوتی رہینگی، یہاں تک کہ جب لوگ خود اپنے شوق سے شراب خانوں پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں، تو ایک دم سے فرضیت میخواری کا اعلان کر دیا جائے! کیا خوب ہے یہ بیسویں صدی کی سیاست کا "ترک جبر"، جو مترادف ہے جبر کے!

ایک غلطی کی تصحیح

۲۸ کی سچی باتوں میں ایک جگہ آیت قرآنی کا آخری ٹکڑا ان الفاظ کے ساتھ درج ہوا ہے، انک انت العزیز الحکیم۔ صحیح الفاظ انک انت العلیم الحکیم ہونا چاہیے، لیکن کے غلط ہو جانے میں ترجمہ و تشریح میں بھی غلطی پیدا ہو گئی۔ اب عبارت ذیل کے اکر

"اختیار والے اور حکمت والے تو صرف آپ ہی ہیں کہ جسکے لیے الخ"

بجائے یوں پڑھا جائے:-

"علم والے تو صرف آپ ہیں۔ اور آپ ہی جسکے لیے الخ"

قرآن مجید کے باب میں چھوٹی سی چھوٹی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے، ان صاحب کا شکریہ جنھوں نے اس پر متنبہ فرمایا۔

کلکتہ کے جدید میئر

کلکتہ سے خبر آئی ہے کہ مشہور قومی کارکن، اور مسلم لیگ کے زبردست رکن، عبد الرحمن صدیقی ایم اے، ایم ایل ای، ایم۔ ایل۔ سی۔ کلکتہ کارپوریشن کے میئر منتخب ہو گئے ہیں۔ اور یہ حکومت بلدیہ کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو کسی شہری کے نصیب میں آسکتا ہے۔ یہ عبد الرحمن صدیقی (مسلم لیگ) وہی ہیں جو ایک زمانہ میں محمد علی کے مشہور و معروف انگریزی ہفتہ وار کامریڈ کے منیجر اور شاید اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اس رشتہ سے صدق کی بھی مخلصانہ مبارکباد قبول ہو۔

تصحیح نمبر ۳۰

پچھلے نمبر میں یوں تو غلطیاں متعدد رہ گئیں، لیکن ذیل کی دو غلطیوں نے تو بالکل ہی مطلب خبط کر دیا۔ انکی تصحیح بہرحال ضروری ہے!

صا سچی باتوں کے کالم ۲ کے شروع میں جو اقتباس درج ہے، اس کے آخر میں ایک فقرہ یوں درج ہے، "بنیادی مسائل کی تلاش ہی" الخ صرف فقرہ یہ تھا "بنیادی مسائل کے حل کی تلاش ہی" الخ

صلا کے آگے آخری پیراگراف سے ذرا اوپر یہ فقرہ درج ہے "کیا یہ سب غدار و وظیفہ خوار سرکار برطانیہ ہیں"؟ یہاں پوری عبارت مسخ ہو کر رہ گئی ہے صحیح عبارت یہ تھی:-

"کیا یہ سب غدار ملت و وظیفہ خوار سرکار انگلیس ہیں؟ لیکن اگر کوئی اسکے جواب میں، اسی طرز استدلال کی پیروی میں اس سے دوگنے اور سہ گنے ناموں کے مخالف علماء امت کے نام پیش کر کے یہ دریافت کرے کہ کیا یہ سب غدار ملت و وظیفہ خوار سرکار برطانیہ ہیں؟ لیکن درحقیقت یہ سوال و جواب دونوں" الخ

موسیقی کی تعلیم

ایک اطلاع ہے کہ اب ہمارے مدارس ثانویہ کی نچلی جماعتوں کے لیے موسیقی کا ایک پروگرام تعلیمی مرتب کیا گیا ہے! خدا ہم پر رحم کرے۔ موسیقی ایسے مسائل میں داخل ہے،

احتسابِ نفس

کل من علیہا فان ۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

۱۴۰۵ھ ختم ہو گیا اور اسی کے ساتھ ہماری آپ کی عمروں کی ایک اور منزل بھی طے ہو گئی ۔ خوش نصیب ہیں وہ جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہیں اور خسارہ میں رہے وہ جنھوں نے اس سال کے دن بھی غفلت سے گزارے اور اپنے نامۂ اعمال میں گناہ زیادہ درج ہوئے ——— افسوس ہے کہ ہم اپنے انجام سے کس قدر غافل ہیں ۔ دن نکلتا ہے اور چار پہر بعد شام ہو جاتی ہے پھر رات شروع ہوتی ہے اور کچھ دیر میں صبح ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح مہینے بھی آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں ۔ نئے سال کا آغاز ہوتا ہے اور پھر وہ بھی گزشتہ بن جاتا ہے ۔ ہم کو معلوم ہے کہ جو سال گزر گیا پھر وہ آتا نہیں ۔ بلکہ جو دن گیا اب اسکی واپسی کا بھی امکان نہیں ۔ لیکن ہم نہیں سوچتے کہ یہ ہماری زندگی کے وہ حصے ہیں جو ہم کو دار آخرت کی تیاری کے لیے دیے گئے تھے اور معلوم نہیں کہ اب اس مہلت کی کتنی مدت باقی ہے ۔ ایک سال ۔ ایک ماہ ۔ ایک دن ۔ بلکہ ایک گھنٹہ ، ایک منٹ اور ایک پل کا بھی اطمینان نہیں ۔ کچھ خبر نہیں کون دن ہمارے لیے اس دنیا کا آخری دن ہوگا اور کون گھڑی ہماری زندگی کی آخری گھڑی ۔

ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ موت اچانک آتی چلی جاتی ہے اور جب آ جاتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت دو چار منٹ کے لیے بھی اسکو ٹال نہیں سکتی ۔ خوشامد درآمد ، منت و سماجت سے بھی اس سے مہلت نہیں لی جا سکتی ۔
اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ۔

ہم کو یقین ہونا چاہیے کہ وہ آخری وقت ہمارے لیے بھی اچانک ہی آئیگا اور اسی وقت اس بڑے سفر کی تیاری کے لیے جس سے کبھی واپسی نہیں ہوتا ہے ۔ دو چار دن تو کیا ان منٹوں سکنڈوں کی بھی مہلت نہیں ملیگی ۔ بس اسی حال میں جیسے ہیں دنیا ہوگا ۔ حتیٰ کہ آخری غسل اور آخری لباس کا انتظام بھی دوسرے ہی کرینگے ۔ اور زمین کے نیچے ایک ایسے تنگ حجرے میں ہم کو اتار دیا جائیگا جس کا طول قریبا دو گز اور عرض پون گز سے زیادہ نہ ہوگا اسکے بعد سے وہی ہماری دنیا ہوگی ۔ وہاں تنہائی ہوگی اور بعض تو ایسی ہیں خدا کے جن باتوفیق بندوں نے حیات دنیا کو غفلت سے نہ گزارا ہوگا ، الٰہی فرائض کی ادائیگی میں جنھوں نے کوتاہی نہ کی ہوگی معصیات سے اپنے دامن بچانے کی جنھوں نے کوشش کی ہوگی اور علی ہذا جو اپنی خطاؤں اور گناہوں سے توبہ کرکے مولا عز و جل کو راضی کر چکے ہونگے انکے لیے اس حجرہ کی تنگی کشادگی سے اور تاریکی روشنی سے بدل جائیگی ، اور قدرت اس قبر ہی کو انکے لیے جنت کا ایک باغیچہ بنا دیگی ۔ لیکن جنھوں نے اپنی عمریں یہاں غفلت سے گزاریں اور خدا کو راضی کرنے کی کوئی فکر نہ کی انکے لیے وہاں صرف تنگی اور تاریکی ہی نہ ہوگی بلکہ خدائے قہار و جبار کی طرف سے ان پر طرح طرح کے عذاب یہ بھی یہیں سے شروع ہو جائیں گے اور وہ قبر ہی انکے لیے جہنم بن جائیگی ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم القبر اما روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار ۔ اگر اس سب پر ہمارا ایمان ہے اور یقیناً ہے تو چاہیے کہ اولیں لمحہ میں ہم اپنی گزشتہ زندگی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ فرائض الٰہیہ کی ادائگی میں ہم سے کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں ، کیا کیا گناہ ہم سے سرزد ہوئے ، اپنے خالق عز اسمہ اور اسکی مخلوق کے بارے میں ہم سے کس قدر تقصیرات ہوئیں ، پھر انکی تلافی کی کوشش کریں ۔ پچھلی معصیتوں اور خطاؤں سے توبہ و استغفار ، آیندہ کے لیے خلوص قلب کے ساتھ از سر نو عہدِ اطاعت کریں کہ صرف یہی چیز گناہگار کو گناہوں کی بد انجامی سے بچا سکتی ہے ؎

در دمندان گنہ را روز و شب
شربتے بہتر ز استغفار نیست

اور اگر ساری گذشتہ زندگی کا جائزہ لینا ہمارے لیے مشکل ہے تو کم از کم اس گزرے ہوئے سال ۱۴۰۵ھ کے اپنے اعمال نامہ پر ایک نظر ڈالیں اور سوچیں کہ جس بندہ کا اعمالنامہ اس قدر خراب اور سیاہ ہے وہ کس منہ سے اپنے پروردگار کے سامنے جائیگا اور اس پر کیا گزریگی جب سر محشر یہ نامہ اعمال اسکے ہاتھ میں دے کر کہا جائیگا ، اقرأ کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً (لے یہ اپنا نامہ اعمال پڑھ ، آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کیلیے کافی ہے) ۔

یہ وہ دن ہوگا کہ اس وقت کی ندامت تو یہ کچھ بھی فائدہ نہ دیگی اور نہ یہاں کی تقصیرات کی تلافی کی وہاں مہلت ملیگی ۔ رب العرش کی قسم اس دن انسان دنیوی زندگی کے ان دنوں اور فرصت کے ان لمحات کو بڑی حسرت سے یاد کریگا لیکن اس وقت کی یہ حسرت اسکے کچھ کام نہ آئیگی اور جزا و سزا کا سارا مدار بس اسی اعمالنامہ پر ہوگا جو اس دنیا سے ہمارے جانے کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا ۔

پس اے اخوان عزیز ! زندگی کے بقیہ دنوں کو غنیمت جانو ، اور آج ہی سے اپنے نامہ اعمال کے درست کرنے کی فکر میں لگ جاؤ ۔ خدائے ذو الجلال کے غضب کے شعلوں اور آخرت کی رسوائی سے بچاؤ کی یہی صورت ہے

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔ ربنا اغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔ وتب علینا یا مولانا انک انت التواب الرحیم (الفرقان)

قدردانانِ صدق

سے امید ہے کہ صدق کی توسیع اشاعت کے خیال کو فراموش نہ فرمائیں گے ۔

"ادارہ"

نئی کتابیں

(سلسلۂ اشاعت گزشتہ)

(۸) **خمسۂ کیفی** - از پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی - صفحہ ۷۰ - تقطیع ۱۸×۲۲ - قیمت ۸؍ - پتہ: انجمن ترقی اردو، دریا گنج - دہلی۔

ہندوستانیوں اور زبان دانوں میں اب پنڈت کیفی صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پیش نظر رسالہ انکی پانچ نظموں و نثر کا مجموعہ ہے، جو سب کے سب اردو ہی سے متعلق ہیں۔ ان میں سے دو مضمون ایک "اردو ہماری زبان ہے" دوسرا "اردو لسانیات" خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔ پہلا وہ لکچر ہے، جو کوئی ڈیڑھ دو سال ہوئے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے ہال میں، بہ سلسلۂ "اردو کانفرنس" دیا گیا تھا، اور دوسرا وہ توسیعی لکچر ہے، جو مصنف نے کئی سال ہوئے عثمانیہ یونیورسٹی کالج میں دیا تھا۔ یہ دونوں لکچر خطیبانہ نہیں، فاضلانہ انداز کے ہیں، اور ان میں بہت سی کام کی باتیں ادب اردو و لسانیات کی، دوسرے طلبہ کو ملیں گی۔ تیسرا لکچر "ہندو مسلمانوں کے کلچرل تعلقات" کے عنوان سے پٹنہ کے ایک جلسہ میں پڑھا گیا تھا، وہ بھی اپنے رنگ میں اچھا خاصہ ہے۔ کتاب ان لوگوں کے مقابلہ میں ایک پورا اور مسکت جواب ہے، جو اردو کو مسلمانوں کی مخصوص جائداد سمجھ رہے ہیں۔ رسالہ کا ایک ایک صفحہ انھیں بتا دیگا کہ ایک پیدائشی اور پشتہا پشت کا ہندو، "ہندوستانی" پر نہیں، اردو پر، ہندی آمیز اردو پر نہیں، اچھی خاصی دقیق و مغلق، "مفرس" اور "معرب" اردو پر کس بے تکلفی سے قادر ہے! سرورق پر مصنف کا نام نہ ہو، تو یہی پتہ چلنا دشوار رہے، کہ عبارت کسی "مولوی" قسم کے ادیب کی نہیں ہے! اردو کی پچھلی تاریخ میں بے شبہہ یہ مثال کوئی انوکھی نہیں، لیکن نسیم اور سرشار، سرور اور چکبست، نظر اور برق کا دور ختم ہو جانے . . . . کے بعد اب ایسی مثالیں تو خال ہی خال نظر آئیں گی۔ ۸؍ کی قیمت میں ایسا مجموعہ ہاتھ آجانا بالکل مفت ہے۔

(۹) **ارمغان جذب** - حصہ دوم - از جناب راگھویندر راؤ صاحب جذب - ۱۱۶ صفحات - چھوٹی تقطیع، مجلد - قیمت ۱۲؍ - پتہ: ادارۂ ادبیات اردو، خیریت آباد، حیدرآباد دکن

جذب، عالمپور (دکن) کے ایک وکیل ہیں اور شاعر بھی۔ ایک ہندو وکیل کا اردو شاعر ہونا یقیناً بہت سے لوگوں کو عجیب معلوم ہوگا، لیکن ہے یہ بہرحال ایک واقعہ ہی۔ اور واقعیت بھی خوشگوار۔ یہ مجموعہ انکی رباعیات کا ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ۱۲ صفحے کا جناب ماہر القادری کے قلم سے ہے، خصوصیات کلام جذب کے اجمالی اندازہ کے لیے بالکل کافی ہے:

"بعض رباعیاں سنسکرت اور بھاشا کے شعراء کے خیالات کا عکس ہیں اور بعض رباعیاں خود انکے دل و دماغ کے تفکر و تاثر کا نتیجہ ہیں۔ جذب صاحب کی رباعیوں کی سب سے بڑی خصوصیت سادگی اور سلاست ہے۔ خیالات سلجھے ہوئے، طرز بیاں اس قدر سادہ اور بے تکلف کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکے۔ جذب صاحب کی رباعیوں میں آپ خیام کی مستی اور سرمد کا جذب تلاش کرنے کی بیہودہ کوشش نہ فرمائیں۔ جذب کی رباعیاں اخلاقی اور ناصحانہ ہیں۔"

یہ شہادت کسی مزید تبصرہ کی حاجت باقی نہیں رکھتی۔

(۱۰) **دولت عثمانیہ** - جلد اول - از مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے - ضخامت ۵۴۰ صفحات - تقطیع ۲۰×۲۶ - قیمت [illegible] - پتہ: مینجر دار المصنفین - اعظم گڈھ۔

ہندی مسلمانوں کو ترکان عثمانیہ کے ساتھ ہمیشہ سے عقیدت و محبت رہی، لیکن ترکی تاریخ سے متعلق کوئی خاص کام جیسا چاہیے تھا، اب تک اردو میں مرتب نہیں ہو پایا تھا۔ دار المصنفین اردو خواں طبقہ کی طرف سے قابل تشکر ہے، کہ اس نے اپنے ایک سنجیدہ قلم رفیق کے ہاتھوں اس خدمت کو انجام دلا دیا۔ ابھی صرف پہلی جلد شایع ہوئی ہے۔ یہ تمہیدی مباحث کے بعد عثمان اول (۶۸۷ھ تا ۷۲۶ھ / ۱۲۸۸ء تا ۱۳۲۶ء) سے لیکر مصطفیٰ رابع (۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) تک ہے۔ دوسری جلد حال کی تاریخ پر ہوگی۔ نفس مسائل تاریخ کے لحاظ سے تنقید و تبصرہ تو کوئی تاریخ عثمانی کا ماہر خصوصی کر سکتا ہے، باقی کاوش و تفحص کا اندازہ ایک عامی بھی کر سکتا ہے۔ اور جہاں تک سلاست بیان اور شستہ طرز ادا کا تعلق ہے، دار المصنفین کا نام بجائے خود ایک ضمانت ہے۔ شروع میں فہرست مضامین خاصی مفصل ہے۔ کاغذ، کتابت و طباعت سب پسندیدہ۔

(۱۱) **احسن المقال فی رویت الہلال** - از مولوی عبید اللہ صاحب قادری - ضخامت ۶۴ صفحے - قیمت ۴؍ - پتہ: مولوی سید محمد المجیبی ناروی - مدرسہ شمس الہدیٰ - مہندرو - پٹنہ

مسئلہ رویت ہلال اور اسکے اطراف و متعلقات پر ایک عالمانہ بحث۔ نتائج کی صحت کا فیصلہ تو حضرات فقہا ہی کر سکتے ہیں، لیکن رسالہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر حال قابل مطالعہ ہر فریق کے لیے ہے۔

(۱۲) **مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج** - از مولوی محمد احتشام الحسن صاحب - ۳۵ صفحے - چھوٹی تقطیع، غالباً محصول کا ٹکٹ بھیجنے پر مصنف صاحب سے بستی نظام الدین اولیاء، دہلی کے پتہ پر مل جائے۔

یہ ایک درد مند باخبر عالم دین کے قلم سے، ضرورت تبلیغ، اہمیت تبلیغ و آداب تبلیغ پر سلیس و دلنشیں رسالہ ہے۔ مصنف صرف اہل قال نہیں اہل حال بھی ہیں۔ یعنی وہ خود، دعوت و تبلیغ کا پورا عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ رسالہ اس قابل ہے کہ ہر صاحب ایمان کی نظر سے گزرے۔

(۱۳) **مغربی تصانیف کے اردو تراجم** - از میر حسن صاحب ایم اے - ضخامت ۲۴۴ صفحات - مجلد - قیمت عہ؍ - پتہ: ادارۂ ادبیات اردو - رحمت منزل - خیریت آباد - حیدرآباد دکن۔

موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اور کوشش بڑی حد تک کامیاب ہے۔ مغربی تراجم کے ۱۸۰۲ء سے لیکر اس وقت تک مصنف نے چار دور قائم کیے ہیں۔ دور اول ۱۸۵۷ء تک، دور دوم ۱۸۸۵ء تک اور دور سوم ۱۹۱۴ء تک

[illegible]

دورِ جدید تک عہد حاضر - اور ہر دور کے ماتحت میں مجلسوں اور انجمنوں اور انفرادی کوششوں دونوں کا ذکر اپنے علم و تحقیق کے مطابق، بسط سے کیا ہے۔ مقدمہ چند ہی صفحوں کا ہے، لیکن بہت زیادہ قابل مطالعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کسی کوشش کی بھی تشفی صدی کا بالکل دعوے نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ کسی فرد واحد کا استقصاء کامل ہو سکتا ہے۔ مصنف کے فخر کے لیے یہ کافی ہے کہ انھوں نے اپنے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ مواد جمع کر دیا ہے۔ آئندہ اشاعتوں میں اضافہ و ترمیم کے موقع یقیناً انھیں ملیں گے، مثلاً یہ حسب ذیل ترجمے نظر نہیں پڑے:۔

۱- حرم سرا، ترجمہ رینالڈز کی (Loves of Harem) کا- از ریاض خیرآبادی
۲- جہانگیر، ترجمہ شکسپیر کے "Hamlet" کا- از منشی امتیاز علی بی اے
۳- معشوقۂ فرنگ، ترجمہ شکسپیر کے Romeo & Juliet کا- از محمد الہ پرشاد برق بی اے
۴- ترجمہ Confessions of a Thug کا- از شیخ حسن الزماں

اسی زمانہ میں اسلامیات پر بعض مستند انگریزی کتابوں کے اردو ترجمے ہوئے تھے۔ مثلاً سید امیر علی کی اے کریٹیکل اگزامینیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگس آف محمد یا ڈیون پورٹ کی "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" وغیرہا۔

عربی کانفرنس (بہرائچ)

۲۲-۲۳-۲۴- مارچ ۵۳ء کو بہرائچ میں عربی کانفرنس کا اجلاس نہایت شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ یو۔پی کے مختلف اضلاع سے معتبر علماء اور عربی مدارس کے نمائندوں نے شرکت فرمائی ۔۔۔

۲۲- مارچ بعد نماز ظہر مجلس مضامین کا اجلاس منعقد ہوا۔ پہلے محفوظ الرحمن نامی نے عربی کی اہمیت پر مختصر تقریر کی۔ پھر عربی کی عام اشاعت کے لیے اپنا مرتب کیا ہوا لائحہ عمل پیش کیا جو کافی بحث، ترمیمیں اور مختلف ترمیموں کے بعد منظور ہوا۔ اور کام کا آغاز کرنے کے لیے "مجلس ترقی عربی" کا قیام عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد (۱) عربی زبان کو مسلمانوں میں عام کرنا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عربی تعلیم کو سہل بنانا اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر عمل میں لانا۔

(۲) تمام تعلیمی اداروں خصوصاً مسلم طلبہ میں عربی لازمی طور پر رائج کرنے کی ہر ممکن و مناسب جد و جہد کرنا۔

(۳) تعلیم یافتہ اشخاص کو تھوڑی مدت میں قرآن پاک کے ترجمہ کرنے اور سمجھنے کے قابل بنانا۔

(۴) تمام اسلامی آبادیوں کے مدارس اور تمام مساجد میں قرآن پاک کا درس جاری کرانا۔

عہدہ دار صدر- مولانا ابو الحسن علی ندوی (لکھنؤ) نائبان صدر: مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری، و مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بریلی۔ ناظم عمومی- محمد محفوظ الرحمن نامی (بہرائچ) نائب ناظم: خواجہ خلیل احمد شاہ صاحب (بہرائچ)

طریق کار (۱) اس مجلس کا ایک عام اجلاس ہر سال کسی موزوں مقام پر ہوا کرے گا۔ (۲) اس مجلس کا حلقۂ عمل سردست صوبۂ یو۔پی و پنجاب ہوگا۔ دوسرے صوبوں میں کام شروع کرنے کے لیے اس صوبہ کو ترجیح دی جائے گی جہاں کام میں سہولت اور کامیابی کے زیادہ امکانات ہوں۔ (۳) اس مجلس کی شاخیں یو۔پی و پنجاب کے ہر ضلع میں قائم کی جائیں گی۔ (۴) مجلس کے کاموں کو پھیلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ عربی کے ہمدرد پیدا کیے جائیں گے، جو دو شعبوں میں تقسیم ہوں گے۔ (الف) کارکنان، جو عملی جد و جہد سے کام کو آگے بڑھائیں گے (ب) معاونین جو مالی امداد فرمائیں گے۔ (۵) مجلس کے کاموں کی سرانجامی کے لیے عربی مدارس کا رکن بنانا اور طلبہ کا تعاون زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ (۶) سردست مجلس کا دفتر (یو۔پی) میں نور العلوم بہرائچ اور (پنجاب) میں ادارہ دار الاسلام پٹھان کوٹ ہوگا۔

تجاویز ۲۲ مارچ کی شب کو اجلاس عام میں حسب ذیل تجاویز پیش ہو کر باتفاق رائے منظور ہوئیں۔ (۱) یہ جلسہ تمام عربی مدارس سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اشاعت عربی، تبلیغ قرآن کے لیے پوری جد و جہد کریں، اور مناسب اوقات میں کاروباری لوگوں کو عربی و قرآن پاک پڑھانے کا انتظام کریں۔ اور اپنے حلقۂ عمل میں عربی کو لازم بنانے کی کوشش کریں خصوصاً طلبہ کو مجبور کریں کہ وہ عربی گفتگو کیا کریں۔ (۲) یہ جلسہ تمام قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کیا کریں۔ (۳) یہ جلسہ تمام علماء اور ائمۂ مساجد سے درخواست کرتا ہے کہ اپنے حلقۂ اثر میں ترجمۂ قرآن پاک کے سنانے کا انتظام کریں۔ (۴) یہ جلسہ عالیجناب راجہ سید محمد سعادت علی خاں صاحب والی ریاست نانپارہ سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اپنے ہائی اسکول نانپارہ میں مسلم طلبہ کے لیے عربی لازم فرما دیں۔

محفوظ الرحمن نامی - دار الاسلام، پٹھان کوٹ (پنجاب)

شیخ شوکت حسین پرنٹر و پبلشر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق مرشد آباد گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۔ (اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبد القوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو:-
مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

چندہ:-
سالانہ
ششماہی
ممالک غیر سے سالانہ
قیمت فی پرچہ

صدق لکھنؤ

نمبر (۳) | دوشنبہ - ۱۱ - ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۰ - مئی ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

سنہ عیسوی ۸۵۰ ہے، اور سنہ ہجری ۲۳۵۔ اندلس کے تخت پر فرماں روا خلیفہ عبد الرحمن ثانی ہے۔ اسکی عدل گستری اور رعایا پروری کے قائل دوست دشمن سب۔ مسیحی رعایا ہے کہ روز بروز اسلام کی طرف کھنچی آتی ہے، اور وضع و قطع، تمدن و معاشرت میں دن پر دن مسلمان ہی بنتی جاتی ہے، کہ عین اسی زمانہ میں مسیحی "قوم پروروں" کی تحریک سے ردّ عمل شروع ہوتا ہے، اور مسیح کے "دوست" و "وفادار"، شام کو دشمن اور غدّار بن جاتے ہیں! تحریک کے بانی، اپنے ہم مذہبوں کے کان میں افسوں یہ پھونکتے ہیں، کہ کسی طرح مسلمانوں کو غصہ دلاؤ۔ اور یہ یوں آسانی سے تو غصہ میں آنے والے نہیں، انکے دین کو، اور انکے پیغمبر کو (نعوذ باللہ) بے تحاشا، پکار پکار کر، گالیاں دینا شروع کردو، جب تو یہ غصہ میں آئینگے، جب تو یہ جوش میں بھر جائیں گے، اور جب تو یہ ہمارے قتل کا فتوے دیں گے، تب درجۂ "شہادت" ملیگا، اور یہ تحریک خوب چمکیگی! ——

عمل شروع ہوا، اور "جنونِ شہادت" کے متوالے، دھڑا دھڑ بڑھنے اور گرنے اور موت کے گھاٹ اترنے لگے۔۔ دو مہینے کے اندر اندر "شہیدوں" کی تعداد گیارہ ہو!

خلیفہ حیران کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ ان بدبختوں کو آخر اس جنون کی سوجھی کیا۔ قاضیِ شہر الگ دم بخود، کہ بالکل بادیہ اور خواہ مخواہ یہ خودکشی کی تمنا کیسی۔ اور تو اور خود بڑے بڑے پادری اور لاٹ پادری ششدر کہ "شہادت" کی یہ عجیب و غریب قسم، دینِ مسیح کے کس حکم کی تعمیل ہے! فتوے پر فتوے دے رہے ہیں کہ اس تحریک میں شرکت ممنوع، اس میں اعانت جرم۔ لیکن عوام کا جوش سنتا کب ہے؟ —— جوش نے کب ہوش کی بات مانی ہے؟ —— حد یہ ہے کہ عورتیں بھی "مردانہ وار" میدان میں نکل آئیں۔ اور فلورا اور مریم اپنے دینی ارتداد پر تصدق ہوگئیں! ہفتوں سے گزر کر مہینے ہوئے، اور مہینوں کی مدت سالوں میں تبدیل ہوئی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ کا انتقال ہوگیا۔ اور نئے خلیفہ کا زمانہ آگیا۔ ہوتے ہوتے خود بانی تحریک یولاجیس کی نوبت آگئی، ۸۵۹ عیسوی میں۔ اور جب کہیں جاکر فتنہ کی آگ بجھی۔ —— اللہ بخشے مولوی عبد الحلیم شرر کو، زیادہ "ملاوہ" فلورا اور فلورنڈا کو تخیلی افسانوں سے نہیں، تاریخی واقعات سے بھر گئے ہیں!

کیسی گندی تحریک! چھی چھی! اور کیسے ناپاک مقاصد! توبہ توبہ! آپ کی نفرت بالکل صحیح، اور آپ کا لاحول پڑھنا بالکل واجبی۔ لیکن آخر دنیا میں اس کے بھی پرستار، اسکے بھی علمبردار پیدا ہی ہوتے رہے۔ اس نام کے لیے اور اس کام کے لیے بھی اپنے مال ہی کی نہیں، اپنی جانوں تک کی قربانیاں پیش کردینے والے ملتے ہی رہے، ایک کے بعد ایک نکلتے ہی رہے! کمی نہ ہوئی داد دینے والوں کی! قحط نہ پڑا داد لینے والوں کا! —— بس جب یہ تاریخی حقائق ہیں، امنی سکے، تو "ہمارے" کے ان تجربات پر حیرت کیوں کیجیے کہ فلاں اور فلاں، صدیق اور فاروق کا دل دکھانے کے شوق میں گولی کھا گئے، فلاں اور فلاں "بیلچہ" کی حمایت و نصرت میں سینہ پر گولیاں کھالیں، فلاں اور فلاں، عبارت اتنی کہ بس پکارتے پکارتے پھانسی کے تختہ پر چڑھ گئے! ——

پروپیگنڈا جو چاہے کر دکھائے، جس سیاہ کو کہئے سفید بنا دے، جس گناہ کو کہئے ثواب بنادے۔ محض جیل چلا جانا، ہتکڑی پہن لینا، پولیس کے ڈنڈے کی مار کھا لینا، بندوق کی گولیاں اپنے سینہ پر لے لینا، مر جانا، جان دے دینا، آخر کسی تحریک کی صداقت و حقانیت کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں؟ انھیں زیادہ سے زیادہ دلیل ہمت، جرأت و مردانگی کی قرار دے لیجیے، لیکن اور کسی بیہودہ سے بیہودہ تحریک کو بھی، جان دے بیٹھنے والے شیدائی اور فدائی

نہیں مل گئے ہیں؟ کربلا میں جان دے ڈالنے والے محض حسینی ہی تھے، یزیدی نہ تھے؟ بدر و اُحد میں سر کٹا دینے والے محض حمزہؓ تھے، ابوجہل نہ تھا؟

معاونینِ کرام سے

صدق و مدیر صدق کے ایک قدیم مخلص نے، پچھلی بار رمضان میں ۲۵ کا عطیہ، اعانت صدق کی مد میں عنایت فرمایا، اس تاکید شدید کے ساتھ کہ ان کا نام و نشان کہیں اخبار میں نہ آنے پائے۔ یہ مثال بالکل پہلی نہیں۔ وہ ایک اور صاحب بھی، یہ ابھی ہو چکے ہیں۔ بائیں ہاتھ میں جوش آیا، اور داہنی آنکھ پر اپنے خود پر نام و نشان کردیا۔ اس سے اپنے جذبۂ دیانت کو جو کچھ بھی تسکین ہو جاتی ہو، لیکن یہ صدا، ادب و نیاز ایسے تمام مخلصوں کی خدمت میں عرض ہے کہ امداد و قدر افزائی کا صحیح و مناسب، مؤثر طریقہ یہ نہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اس رقم سے تاکہ خریداروں کی فہرست ضرور بنا لی جائے۔ اصل مقصود تو پرچہ کی آواز کا، پیام کا، دور تک پہونچانا ہے، اور اسکے حلقۂ تبلیغ کو وسیع کرنا ہے، اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ناظرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے۔ یہ کہ دفتر میں رقم پہونچی ہے! آخری عطیہ ۲۵ کا جن کرم فرما سے وصول ہوا، انھوں نے کسی طرح فہرست خریداری عنایت نہ فرمائی، مجبوراً دفتر نے خود اپنی تجویز سے ۲۲ رعایتی خریداروں کے نام یکم مئی سے پرچہ جاری کردیا۔

حکمت و موعظت

شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید مناظر احسن صاحب آج کل تعطیل کے زمانہ میں اپنے وطن موضع گیلانی (بہار) میں ہیں۔ تازہ گرامی نامہ بھی حسب معمول، حقائق و معارف سے لبریز ہے۔ ذیل کا اقتباس، موصوف کی اجازت کے انتظار کے بغیر، بہ مسرت تمام نذر ناظرین ہے:

"آج کل گیلانی کے اس ویرانہ میں پڑا ہوں۔ عمر کا اڑتالیسواں سال گزر رہا ہے۔ گویا پچاس اچانک سامنے آگیا۔ اور جیسے یہ گزرتا رہا، کچھ نہیں معلوم کہ اس حساب سے کیا ہو۔ اب قبر کا دہانہ زیادہ پیش نظر رہتا ہے۔ دل میں ایک پرانا جذبہ سیاحت کا تھا لیکن تھوڑی سی سیاحت کے بعد معلوم ہوگیا کہ ہر جگہ وہی آسمان وہی زمین، وہی پانی وہی آدمی۔ اسکے وہی لوازم ساتھ ہیں جو مجھے اپنے گاؤں میں سب سے پہلے نظر آتے تھے۔ بہت کم اضافہ معلومات کا اس سیاحت کی راہ سے ہوا۔ اب البتہ ایک سفر اور درپیش ہے، اور اس میں توقع ہے کہ اس بے تکلی سے دوچار ہونا پڑیگا کہ ما اخفی لهم من قرة اعين کے متعلق، فلا تعلم نفس کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی لیے اُن پر ہنسی آتی ہے، اُنکی عقل پہ ہنسی آتی ہے، جنکا مطالبہ ہے کہ آئندہ وہی ہو یا اُسی کو ہونا چاہیے جو اس وقت ہے یا ہو رہا ہے۔ چونکہ مذہب اسکو موجودہ نظام سے مختلف قرار دیتا ہے اس لیے "اِمپاسیبل" (impossible) کا نعرہ لگا کر یہ اُس بندر کے انداز آنکھیں بند کیلیتے ہیں جس نے سانپ کے وجود کا انکار آنکھ میچ کر کردیا تھا۔ اس تخیل سے بڑا ذوق حاصل ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اسکے بعد جو کچھ آرہا ہے وہ پیش نظر دنیا سے بالکل مختلف ہوگا۔ کیسی عجیب باتیں ہونگی جس لیے کہا گیا ہے کہ آئندہ کی زندگی جب جنت کے مقام تک ترقی کر جائیگی، تو آدمی اُس سے تحویل نہ چاہیگا، جسکی وجہ اسکے تعبیری قرآن میں یہ ہے کہ رب کے کلمات لامحدود ہیں۔ بُرائی سے تو آدمی تھک جاتا ہے، لیکن لذت کی تو نئی وہی تجدید چاہیے۔"

اللہ استفادہ کی توفیق چاہنے والے، پڑھنے والوں سب کو نصیب کرے۔

ایک بزرگِ قوم کا ابتلاء

مولوی محفوظ الرحمٰن صاحب نامی، دتھپ بہرائچ (اودھ) میں نور العلوم کا اور دوسرے سفید کام کیتے رہے، اور اب پٹھانکوٹ (پنجاب) میں دار الاسلام کا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔ اپنے ایک مکتوب میں ضمناً لکھتے ہیں:—

"خیال تھا کہ یہاں مولانا ابو الاعلیٰ صاحب کا ساتھ ہوگا، تو اُن سے کافی فائدہ اٹھاؤنگا۔ گر وہ یہاں نہ ملے۔ پھر اسد صاحب کے آنے کی توقع ہوئی، اُن غریب کو احمد نگر سے رہائی نہیں ملتی۔ اُنکی بیوی بچے یہیں پڑے ہیں۔"

یہ اسد صاحب آسٹریوی نومسلم مولانا لیوپولڈ ویس محمد اسد، مترجم و شارح صحیح بخاری ہیں، جن کے علمی و تحقیقی کارناموں کا تذکرہ صدق اور سچ کے صفحات میں بار بار آچکا ہے۔ ان بیچارے کو سیاسیات سے کیا واسطہ۔ اور خدا معلوم وہ کس جرم میں احمد نگر میں نظر بند ہیں، سوا اسکے کہ کسی زمانہ میں جرمن رعایا تھے، اب تو مدت سے پنجاب میں رہا بستے، اور خاموشی کے ساتھ، ہر قسم کے شور و شغب سے الگ، مفید ترین علمی دینی خدمات میں لگے ہوئے تھے۔ حیرت ہے کہ پنجاب کا اسلامی پریس اس بیگناہ کی حمایت میں کچھ نہیں لکھتا، اور نہ مسلم ارکان اسمبلی، کونسل اور دوسرے معززین و عمائد کی طرف سے کوئی تحریک سننے میں آئی!

ہندو کی نعت

نظر آئے نہ جلوہ ہر گھڑی کیونکر محمدؐ کا
مکاں ہے دیدۂ و دل میں ہے اپنے گھر محمدؐ کا

کہے کیونکر نہ محبوب وہ عالم پھر جہاں سارا
کہ خود ہی عاشقِ صادق ہے جب داور محمدؐ کا

کس کو یقین آئیگا کہ یہ نعتیہ اشعار کسی مسلم کے نہیں، ایک ہندو کے قلم سے ہیں۔ دہلی میں اردو زبان کے ایک باکمال، منشی پیارے لال رونق گزرے ہیں۔ انتقال کو ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں۔ ۳۰-۲۵ سال اُدھر ایک ماہوار رسالہ کمال نامی زبان ہی کی خدمت کے لیے نکالا تھا۔ ایک دیوان رونق سخن کے نام سے مرتب ہوئی، چھپ چکا ہے۔ حال میں دوسرا مجموعہ کلام رونق کے نام سے کالستھ اردو سبھا دہلی نے شایع کیا ہے، اوپر کے شعر اسی میں درج ہیں۔ ہندوؤں میں کالستھوں اور کشمیری پنڈتوں نے اپنے آپ کو اس طرح اسلامی تمدن میں رنگ لیا تھا، کہ وضع و لباس، کھانے پینے، اور سب سے بڑھ کر زبان کے معاملہ میں، ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہا تھا۔ اور اس قسم کا کلام ان حضرات کے ہاں آج سے پشت دو پشت قبل عام تھا، لیکن سوال تو موجودہ نسل سے متعلق ہے۔

آج تو یہ لسانی، معاشرتی، وتمدنی اتحاد بھی خواب وخیال ہوگیا ہے۔ اور آج جب اس قدیم رنگ کے نمونے کہیں نظر پڑجاتے ہیں، تو حیرت ہی ہوجاتی ہے — اردو، در حقیقت ہندو مسلم اتحاد واشتراک کی سب سے بڑی ضامن اور ہندوستانی قومیت کے حق میں مہر کا کام دینے والی تھی۔ اور آج بھی جو اس سے بیگانے ہوچکے ہیں، اگر پھر سے اسکے اپنے ہوجائیں، تو وہی وقت پھر لوٹ سکتا ہے!

ہدایت کا شاہکار!

"جب کوئی اس ریاست میں گیا"

ایک سخت مشہور روشن خیال" و "ترقی پرور" لیڈر، جواہرلال نہرو نے حیدرآباد کی طرف انگشت اشارہ اٹھا کر کہا

"اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ کئی صدیاں قبل کی دنیا میں پہونچ گیا ہے۔ وہاں کے حالات کا کوئی رشتہ عصری حالات ومعیار سے نہیں ہے"

بیشک! بیشک! "دنیا" سے مراد اگر روس ہے، اور "عصری حالات ومعیارات" سے مراد لینن اور اسٹالن کے قائم کیے ہوئے معیارات، تو بیشک حیدرآباد ان ترقیوں سے تو ابھی صدہا سال پیچھے ہے۔ وہاں تو اب تک گلی گلی خدا کا نام دن میں پانچ پانچ وقت پکارا جاتا ہے، مسجدوں پر اب تک روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، مکہ اور مدینہ کی طرف زیارت کے لیے اب بھی اگر ہزاروں کے نہیں تو سیکڑوں کے غول کے غول ہرسال جایا کرتے ہیں، عصمت اب بھی قابل قدر ہے، عورت اب تک سوسائٹی کی مشترک جائداد نہیں، نکاح وسفاح میں فرق باقی ہے، شراب اور پانی ایک درجہ پر نہیں، سودخواری سے اب بھی شریف طبیعتیں جھجکتی ہیں۔

"وہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ شخصی آسائشوں پر صرف کرتی ہے"

اور اسکا کھلا ہوا ثبوت یہ موجود ہے، کہ وہاں کا بادشاہ اپنے کھانے اور کپڑے دونوں میں، اس بیسویں صدی عیسوی میں، یورپ کے "قرون وسطیٰ" کی نہیں، اپنے اسلام کے "قرون اولیٰ" کی یاد تازہ کیے ہوئے ہے!

"اور افادۂ عام کے لیے اسکے پاس کوئی روپیہ نہیں"

اور بھی تو یہ ہے کہ وہاں کے بڑے سے بڑے رؤسا وامراء نے نہ اپنی صاحبزادیوں کے لیے ہزارہا کے سالانہ صرف سے آکسفرڈ کی تعلیم لازمی قرار دی ہے، نہ انکی صاحبزادیاں چھٹیوں میں ہوائی جہاز پر ہندوستان آمد ورفت رکھتی ہیں، اور نہ وہ اپنی بیگمات کی صحت کی بحالی کے لیے مہینوں اور برسوں اٹلی اور سوئزرلینڈ میں قیام رکھتے ہیں، اور نہ اپنی علمی ہونی کتابوں سے لاکھوں کی آمدنی پیدا کرتے رہتے ہیں! آنند بھون! تیرا دوسرا نام سچ اور سچائی ہے!

گستاخ وزیر اعظم!

لندن کی اخبارات میں یہ خبر آب وتاب سے شایع ہوئی ہے کہ وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چیمبرلین نے اپنی فلاں تقریر میں اپنی بیگم صاحبہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"وہ میری سب سے بڑی دولت ہیں... اور انکا بڑا وصف انکی رازداری ہے" (اسٹیٹسمین۔ ۵ مئی ۱۹۳۸ء)

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں! وزیر صاحب، برطانیہ کے وزیر اعظم، کس کی مجال ہے کہ انکی زبان پکڑ سکے۔ ورنہ مشرق میں تو کون بیوی ہے جو شوہر کی رازدار، اور کون شوہر ہے جو بیوی کا "محرم راز" نہیں ہوتا؟ ایسے عام وصف کو منصب کے پبلشٹ نام سے یوں بیان کرنا، کہ گویا وہ کوئی بڑا نادر وصف تھا تو اس موصوفہ کی عزت افزائی ہوئی یا اور ہجو؟ پھر؟ اور پھر اپنی بیگم صاحبہ کو اپنی "سب سے بڑی دولت" کہکر تو وزیر موصوف نے سارے "روشن خیالوں" کی گردنیں شرم سے جھکا دیں، یہ "دولت" و "جائداد" کے کیا معنی؟ — وہی ٹھیٹھ مشرقیوں کی فرسودہ خیالی، کہ شوہر بیوی پر گویا حق ملکیت رکھتا ہے!

ایک مقدمہ کی روداد

اخبار بیں ناظرین کو یاد ہوگا، کہ مارچ ۱۹۳۷ء میں بیہو (علاقہ بہار) میں ہندوؤں مسلمانوں کے درمیان ایک بلوہ ہوا تھا۔ کئی شخص زخمی ہوئے تھے، اور بعد میں ایک زخمی ہندو کا انتقال بھی ہوگیا۔ اس پر صوبہ کا سارا ہندو پریس اس شور سے گونج اٹھا کہ مجرم صرف مسلمان ہیں۔ حکومت کانگریس کی تھی، گرفتار ۱۴۵ مسلمان ہوئے! عدالت میں قتل کی فرد جرم لگنے تک، اس ۱۴۵ کی تعداد میں سے کل ۴۳ ملزم رہ گئے، باقی کے خلاف کوئی ثبوت کیا معنی، شبہہ ثبوت ہی نہ تھا۔ اسلیے وہ سب چھوٹ گئے۔ سشن سے پہونچ کر ۱۰ اور چھوٹے۔ اب کل ۳۱ رہے۔ ہائی کورٹ میں ابھی مقدمہ شروع ہوا تھا کہ استغاثہ نے ان میں سے ۹ کے متعلق مایوس ہوکر مقدمہ واپس لے لیا۔ گویا ۱۴۵ سے گھٹتے گھٹتے مجرمین کی تعداد اب کل ۲۲ رہ گئی! ان بائیس کے متعلق بھی وکیل سرکار نے لوں کہ سزا کے قابل صرف ۳ ہیں! کہاں ۱۴۵ کی شورا شوری، اور کہاں ۳ کی بند گلی!! آغاز کا انجام! آخر یہ ہوا کہ ہائی کورٹ نے ان تینوں کو بھی رہا کردیا، کہ ان میں سے کسی ایک کے خلاف بھی ایک ذرہ ثبوت موجود نہ تھا! اور چیف جسٹس نے فیصلہ میں الفاظ یہ لکھے:

"گواہ برابر جھوٹی بنائی ہوئی اور سکھائی ہوئی شہادت کے ساتھ پیش ہوتے رہے۔ استغاثہ کی سعی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ دشمنوں کی ہلاکت کا سامان دروغ حلفیوں کے ذریعہ سے کیا جائے"

کوئی دل سے گڑھی ہوئی حکایت، اس آنکھوں سے گزری ہوئی واقعیت کا مقابلہ کرسکتی ہے!

پیام اقبالؒ

ورنگل (دکن) کے جوان ہمت بزرگوں وجوانوں نے مل کر، پچھلے ماہ یوم اقبال دھوم دھام سے منایا۔ تقریب سے موقع پر پیام، مدیر صدق سے بھی طلب ہوا تھا۔ الفاظ ذیل میں بھیج دیا گیا، اور وہی جلسہ میں سنا دیا گیا:—

"جس کی شاعری اول سے آخر تک ایک پیام ہی تھی، اس کی یادگار کے موقع پر پیام کوئی دو چار لفظوں کا کیا بھیجے! اقبال پر اس سے بڑھکر کوئی ظلم نہیں کہ اسے شاعر یا فلسفی یا کچھ اور قرار دیا جائے۔ وہ تمامتر پیامبر تھا، حقیقی اور سچا، حق کے پیمبر کا جانشین اور خادم۔ ساری زندگی گزار دی شرح وترجمانی میں اسی لاہوتی پیام کے، ناسوتیوں کی زبان میں، نئے نئے رنگ سے نئے نئے ڈھنگ سے، حکیمانہ عنوان سے، ادیبانہ شان سے"

ایک خادم قرآن

قرآن مجید کی خدمت ہندوستان میں بحمد اللہ مختلف طریقوں سے جاری ہے۔ ورنہ تحریف تنا اندکرداناً لہ لحافظون

کی تصدیق کسی نہ کسی رنگ میں برابر ہوتی ہی رہتی ہے۔ عمرآباد (ضلع شمالی ارکاٹ (علاقۂ مدراس) کے مدرسۂ دارالسلام میں اُستاذ تفسیر مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری (فاضل دیوبند) ہیں اور مدت سے خدمت قرآن میں لگے ہوئے ہیں۔ متعدد مفید تالیفات قرآن ہی کے موضوع پر تیار کر چکے ہیں، گو نوبت ابھی طبع و اشاعت کی نہیں آئی ہے۔ علاوہ دوسری کتابوں کے ایک جامع کتاب "اردو زبان اور تفسیر قرآن" کے نام سے تیار کر رہے ہیں جو تکمیل کے بعد ان شاء اللہ قابل دید ہوگی۔ اپنے ایک تازہ عنایت نامہ میں اس سلسلہ میں لکھتے ہیں

"اس کتاب کی ترتیب سے ... اس کی خدمت قرآنی کی تحقیق کرنی پڑی۔ اور اس سلسلہ میں غیر مادری زبان ... کی زبان میں نو اہم قرآن کا پتہ چل گیا ہے۔ تامل، ملیالم، تلگو، کنڑی میں بہت سی چیزیں مل گئی ہیں۔ اب میں نے مدراس کی حد تک موضوع کو عام کر دیا ہے۔ مدراس میں تفسیر کے نام سے ایک چیز جمع ہو گئی ہے۔ اب عربی، فارسی، اردو، تمام چیزوں کو جمع کر رہا ہوں۔ اردو زبان میں ایک عجیب و غریب تفسیر کا پتہ چلا ہے، "فیض الکریم" جو سو سال پہلے شروع ہوئی تھی اور اب تک اس کی تصنیف جاری ہے! پہلے مفسر نے سورۂ نساء تک لکھا۔ دوسرے نے ان کے انتقال کے بعد مائدہ تک۔ پھر تیسرے نے ان کی وفات کے بعد رحمٰن تک تحریر فرمایا۔ اور اب بحمد اللہ چوتھے مفسر زندہ و سلامت ہیں، اور لکھ رہے ہیں، اور سورۂ اعلیٰ تک پہونچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مکمل کرا دے۔

ایک مدراسی عالم نے تفسیر فتح العزیز (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) کا عربی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ مؤلف کے پوتے سے معلوم ہوا۔ مگر کتاب مفقود ہے، تلاش جاری ہے۔ بہرحال کام توسیع میں شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مکمل ہو جائے، اور پھر اصل کتاب "اردو زبان اور تفسیر قرآن" پر توجہ کر سکوں۔ اگرچہ اس کا بھی کام جاری رہتا ہے، کم از کم کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا، جس میں کچھ نہ کچھ معلومات نہ حاصل ہو جاتی ہوں۔"

یہ جامع کتاب مؤلف سلمہٗ پانچ سال سے لکھ رہے ہیں۔ اس میں تذکرہ اُن تمام حضرات کا ہوگا، جنکی اُردو میں

(۱) یا کوئی مستقل تفسیر ہو۔
(۲) یا کسی دوسری زبان کی تفسیر کا ترجمہ اردو میں ہو۔
(۳) یا کسی تفسیری مسئلہ پر ضخیم کتاب ہو۔
(۴) یا تاریخ تفسیر ہو۔
(۵) یا تنقید تفسیر ہو۔

ناظرین صدق میں سے جو صاحب کسی قسم کے معلومات اس باب میں بہم پہنچا سکتے ہیں، وہ ضرور جناب مؤلف سے مراسلت فرمائیں۔ مستقل اجر کی چیز ہے۔ ورنہ اس طرح کے کام افراد نہیں، پوری پوری جماعتیں مل کر انجام دیتی ہیں، مؤلف کی یہ ہمت بجائے خود کچھ کم قابل داد ہے کہ تن تنہا اتنا بڑا بار اُنہوں نے اپنے سر لے لیا۔ ہم لوگ اگر "درمے" اور "قدمے" نہیں، تو کم از کم "قلمے" "سخنے" تو انکی مدد کر ہی سکتے ہیں۔

بعض کرم فرماؤں سے

"حضرت کرم تو زید لطفکم و دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خالص اسلامی و ایمانی تعلق کی بنا پر ذیل کی درخواست پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ امید کہ آپ اپنے نہایت بیش قیمت وقت سے اولیں فرصت میں وقت نکال کر خالصۃً لوجہ اللہ اس کی طرف خاص خود توجہ فرما کر عنداللہ اجور اور ناچیز کو شکرگزاری کا موقع دینگے۔

ناچیز نے بڑی محنت سے .... کے متعلق محققانہ و جامع کتاب لکھی ہے جسکی جیبی فہرست روانہ خدمت عالی ہے۔ میں اپنی ساری محنت کو ناقص سمجھونگا اگر کتاب بغیر آپ کے مقدمہ کے شائع ہوئی۔ لہذا براہ کرم و عنایت اپنا ایک فتیح اور تحقیقی مقدمہ اپنے اللہ کریم کے لیے لکھکر روانہ فرمائیں۔ اسکے اجر میں کچھ کلام ہی نہیں۔ باقی چونکہ اس کا تعلق .... سے ہے، لہذا اس نیکی کا اجر بھی ڈیڑھ لاکھ گنا ملیگا .... کتاب بالکل تیار ہے۔ صرف آپ کے مقدمہ کا انتظار ہے۔ اگر اندرون ہفتہ دستیاب ہو جائے تو احسان پر احسان اور اجر پر اجر ہوگا۔ ٹکٹ جواب کے لیے ملفوف ہے۔"

یہ تازہ ترین نمونہ ہے اُن فرمائشوں کا جو تقریباً ہر مہینہ (بلکہ کبھی اس سے بھی جلد جلد) مدیر صدق کو موصول ہوتے رہتے ہیں۔ اور فرمائشیں صرف مذہبی کتابوں کے مقدمہ، دیباچہ، تقریظ تک محدود نہیں، سیرت، تاریخ، شعر، افسانہ و ادب، سیاسیات سب کے لیے فرمائشیں اسی طرح کی موصول ہوتی رہتی ہیں، اور اللہ اور رسول کے واسطے دلا دلا کر، گویا ایک سنگدل کو موم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جسکے وقت کی قیمت کل چند "بے" الفاظ ہیں! اور اکثر تو وہ "مدح" بھی دو چار مراسلتوں کے بعد "قدح" میں تبدیل ہو کر رہتی ہے! پھر مزید یہ کہ تعمیل ارشاد کم سے کم مدت میں، جلد سے جلد کی جائے! اور دیباچہ یا مقدمہ جو کچھ بھی ہو، کتاب کے اشتہار کا کام بہرحال دے سکے! اور اب آخری اضافہ یہ ہوا ہے، کہ مسودۂ کتاب کے پیش نظر ہونے کی بھی ضرورت نہیں، "اشتہار" یوں ہی آنکھ بند کر کے، محض مصنف کی شخصیت پر اعتماد کر کے لکھ دیا جائے! --- اللہ اور رسول کے تقیقے اسکے غریب مقدمہ نگار کو دلائے جاتے ہیں، خدا معلوم کہ نصف بھی کبھی مصنف غلام اپنے ضمیر کو بھی دیتے ہیں!

نئی "تعلیم"!

"کراچی ۸ مئی۔ وزیر صوبہ مسٹر جی ایم سید نے جو کانفرنس طلب کی تھی، بالآخر کل اُس نے ۱۲ ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کر دی جسکا کام یہ ہوگا، کہ اہل سندھ میں کسی طرح موسیقیت کی روح بیدار کرے۔

کمیٹی کے سپرد اس امر کی تحقیق ہوئی ہے کہ صوبہ کی تعلیمی درسگاہوں میں، مختلف درجوں اور منزلوں پر موسیقی کیونکر داخل کی جائے، اور گانے کا کورس بھی ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تیار کرنا اسکے سپرد ہوا ہے۔ کمیٹی ایک مہینہ میں اپنی رپورٹ وزیر تعلیم کے سپرد کر دیگی مع تخفیف معارف و ذرائع آمدنی۔ (ڈاک پریس)"

عورت کا مرتبہ اسلام میں

(زنانہ اسلامیہ کالج لاہور میں نواب بہادر یار جنگ کی تقریر)

نواب بہادر یار جنگ کی تقریر دو حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلے حصہ میں آپ نے بتایا کہ حضرت آدمؑ سے نبی آخر الزماںؐ تک جس قدر انبیاء کرام آتے رہے ہیں، اُنھوں نے اسلام کے سوا اور کچھ پیش نہیں کیا۔ اور یہ کہ نبوت کا جو سلسلہ پیدائش آدمؑ کے بعد شروع ہوا وہ انتہائی کمال کو پہونچ کر حضرت خاتم النبیینؐ پر ختم ہوا۔ آں حضرتؐ دنیا میں ایک آخری پیغام لائے۔ جسکے بعد کوئی پیغام نہ آیا اور جسکے قوانین نہ منقلب ہو سکتے ہیں نہ ٹل سکتے ہیں۔ لیکن جو اپنے اندر اتنی لچک رکھتے ہیں کہ سارے تغیرات ان میں سما سکتے ہیں۔ اور جو ہر زمانہ کا مذہب بن کر قائم رہ سکتے ہیں۔

اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ اگرچہ خدا کا تصور تمام ادیان میں موجود ہے، لیکن اسلام نے اس ان دیکھی ذات کو انتہائی پاک وصاف اور منزہ طریقہ سے پیش کیا ہے کہ کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی صفات کی تقسیم ممکن نہ خود اُسکی ذات کی تجسیم ممکن اور خدا کا تصور اس خالص صورت میں پیش کیا کہ نہ صرف تمام شکوک وشبہات دور کر دیئے بلکہ شخصیت پرستی کا امکان تک نہ رہنے دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو اُن کے اُنکی امت نے خدا کا بیٹا اور اُنکی ماں کو خدا کی بیوی بنایا، لیکن محمدؐ کو خدا نے اس رنگ میں پیش کیا کہ اگرچہ وہ تمام انبیاء کے سرتاج ہیں، لیکن ہم انکو عبدہ ورسولہ سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے مستورات کو انتباہ کیا کہ چونکہ وہ توہمات میں زیادہ گرفتار ہو جاتی ہیں لہٰذا اس بات کا خیال رکھیں کہ بزرگوں کی عزت وتعظیم سے توحید کو ٹھیس نہ پہونچے۔ اور خدا کے ساتھ ہماری وابستگی میں کوئی فرق نہ آنے۔

اسکے بعد نواب صاحب نے کہا کہ اسلام کی تعلیم اس قدر واضح وجامع ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اسلام کو آخری مذہب تصور کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ آپ نے کہا پہلے بھی دیگر اقوام نے عبادت کے طریقے وضع کیے لیکن اسلام نے اپنی عبادتوں میں نہ صرف بندہ وخدا کے تعلقات استوار رکھے ہیں بلکہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کو بھی مستحکم کیا ہے۔ پھر اسلام نے بڑائی اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ قرار دیا اور وطن۔ قوم۔ نسل۔ رنگ اور دولت وثروت کے تمام امتیازات یک قلم اُڑا دیے۔ اسکے بعد آپ نے نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ پر نہایت عالمانہ انداز میں بحث کی۔ اور بتایا کہ ان عبادات کی علت کیاہے اور ان میں کیا کیا حکمتیں اور بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ نہ صرف روحانی اور دینی لحاظ سے بلکہ دنیاوی اور اجتماعی لحاظ سے بھی۔

اس کے بعد نواب صاحب نے خواتین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اسلام نے سب سے بڑا احسان آپ پر کیا ہے۔ اسلام ہی نے عورت کے مرتبہ کو بلند کیا۔ اور قعر ذلت میں گری ہوئی عورتوں کو انکے مقام اعلیٰ تک پہونچایا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو اس لیے زندہ درگور کر دیا کرتے تھے کہ وہ کسی کے سسر یا کوئی ان کا داماد نہ کہلائے۔ اسلام نے اس فعل کو قتل سے تعبیر کیا اور اسے مٹایا۔ اس سے پہلے عورتوں کو خاوندوں کے مرنے کے بعد زندہ رہنے کا حق نہ تھا اور خاوندوں کی چتا پر ستی ہو جانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے صرف بیوہ ہی کو نہیں بلکہ مطلقہ کو بھی نکاح ثانی کا حق دیا۔ آج برادران وطن اپنی عورتوں کے لیے اس حق کو مجالس آئین ساز میں بھیک کے طور پر مانگ رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان خود ان حقوق سے فائدہ نہ اُٹھائیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ۱۶ اور ۱۷ سال میں بیوہ ہو جانے والی بعض مسلم لڑکیاں ماحول سے متاثر ہو کر عمر بھر دوبارہ شادی نہیں کرتیں لیکن اس طرح وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتی ہیں۔

دوسرے دھرم شاستر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ کسی مذہب میں بھی باپ کے مرنے کے بعد بیٹی کو، شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو۔ بھائی کے بعد بہن کو، بیٹے کے بعد ماں کو اس کے ترکہ میں حصہ نہیں ملتا۔ لیکن اسلام نے تم کو باپ، بھائی، شوہر، بیٹے اور ہر اُس رشتہ دار کے متروکہ میں شریک وسہیم ٹھہرایا ہے جس میں مرد کو حصہ مل سکتا ہے۔

اعتراض کیا جاتا ہے اور یہ اعتراض میں لاہور میں پیش پیش ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ایک حصہ ملتا ہے۔ دراصل یہ اعتراض بے خبری کی علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد کو ایک طرف سے حصہ ملتا ہے اور عورت کو دو طرف سے۔ اس لیے یہ کمی پوری کرنے کے لیے ترکہ میں عورت کو ایک اور مرد کو دو حصے دیے جاتے ہیں۔ مثلاً بیٹا جہیز لے کر نہیں جاتا۔ بیٹی جہیز لے کر شوہر کے گھر جاتی ہے، اور باپ کے ورثہ سے بھی پاتی ہے۔ اسی طرح عورت اپنے شوہر کے متروکہ ہی میں سے حصہ نہیں پاتی بلکہ اس سے مہر بھی وصول کرتی ہے اور شوہر صرف متروکہ پاتا ہے۔

اسکے بعد نواب صاحب نے بتایا کہ اسلامی معاشرت میں مرد اور عورت کا مقام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے۔ گویا جس طرح لباس، عزت، بچاؤ، حفاظت اور عیوب کو چھپانے کا باعث ہے، اسی طرح مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اس سے یہ بھی مترشح ہے کہ معاشرت میں مرد اور عورت میں مساوات ہے۔ البتہ ایک مقام پر مردوں کو "قوامون علی النساء" قرار دیا ہے اور یہ طبعی اور قدرتی فرق ہے۔

نواب صاحب نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ افسوس کہ اب ہمارا چراغِ خانہ شمع محفل بننے کی طرف مائل ہے اور یہ میلان دن بہ دن زیادہ ہو رہی ہے۔ شاید گھر کی چہار دیواری ہماری ماؤں بہنوں کو تنگ معلوم ہونے لگی ہیں اور وہ اپنے ذہن وجسم کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں۔ لیکن دنیا کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مشرق اور اسلام [illegible]

مراسلہ

ہماری منزل مقصود

درد دل کسی کا [illegible] سنانے بن نہیں آتی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا خطبۂ صدارت کانگریس ناظرین کی نظر سے گزرا ہوگا۔ مجھے اس خطبہ کو پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ آخر [illegible] علمائے کرام مسلمانوں کو کیا بنانا چاہتے ہیں [illegible] میں سے ایک [illegible] یہ ہیں:

"ہماری گیارہ سو برس کی مشترکہ تاریخ نے ہماری ہندوستانی [illegible] ہندوستانی [illegible] ہے۔ ہماری زبان، ہماری شاعری، ہمارا [illegible] ثقافت، [illegible] ہمارا لباس [illegible] اور ہماری زندگی [illegible] حقیقتوں میں ہماری مشترکہ [illegible] آثار نمایاں [illegible] — یہ مشترکہ دولت ہماری متحدہ قومیت کا ورثہ ہے اور ہم کو اس چیز کو چھوڑ کر اس زمانہ کی طرف لوٹنا نہیں چاہیے جبکہ ہماری یہ مشترکہ زندگی نہیں شروع ہوئی تھی۔ اگر ہم میں کوئی ایسے ہندو ہیں جو ہزار سال قبل کی ہندو زندگی کو تازہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ تخیل کی دنیا میں بسر کر رہے ہیں۔ اور اس قسم کے خیالات کی [illegible] سے زیادہ اہمیت نہیں۔ اسی طرح اگر کہیں ایسے مسلمان ہیں جو اپنی اس قدیم تہذیب و ثقافت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جو وہ ہزار سال قبل ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو وہ بھی خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ جتنی جلد بیدار ہو جائیں انکے لیے بہتر ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو مذہب کے احیا کے لیے جد و جہد کے قائل ہیں، لیکن معاشرتی مسائل میں احیاء و تجدید کو ترقی کے منافی خیال کرتے ہیں۔"

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گویا ہندوستان کے مسلمان اپنی جس تہذیب کی حفاظت کے لیے بے چین ہیں وہ مولانا کے خیال میں صرف وہ عادات و رسوم اور بود و باش کے وہ طریقے ہیں جو وسط ایشیا اور ایران سے آنے والے مسلمانوں میں پائے جاتے تھے۔ اُدھر تو یہ ستم، اِدھر مولانا نے زندگی کے معاشرتی مسائل کے حدود سے اسلام کو خارج کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو آزادی دے دی کہ زندگی کے ان مسائل میں تم زمانہ کے ساتھ بہتے چلے جاؤ کیونکہ احیاء [illegible] ترقی کے منافی ہے۔

ایک اور صاحب ہیں بڑے عالم اور سیاسی قیادت [illegible] بھی [illegible] لکھتے ہیں کہ [illegible] مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی کی تشکیل [illegible] خیال مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اسکی موجودگی میں ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو مشترکہ معاشی اغراض کے لیے جمع کرنے کے لیے بنیاد نہیں رہیگی۔ [illegible] مسلمانوں میں افتراق ہوگا اور انگریزوں کو فائدہ ہوگا۔"

[illegible] صاحب نے معاشی مسائل کے حدود سے اسلام کو [illegible] آؤٹ کرنے کا حکم [illegible] کر کے مسلمانوں پر وہ احسان فرمایا ہے جسکے بار سے مسلمانوں کی گردنیں ٹوٹ جائیں۔

[illegible] تیسرے صاحب نے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ گزشتہ [illegible] صدی میں اتحاد اسلامی کی تحریک یورپین [illegible] نے چلائی تھی تاکہ یورپ [illegible] ہم قوموں کو متحد کر کے اسلامی [illegible] غارت [illegible] آزمایا جا سکے۔ [illegible] علامہ جمال الدین افغانی، مفتی عبدہ، انور پاشا اور علامہ رشید رضا رحمہم اللہ جنھوں نے اسکے حصول کے لیے اپنا خون پانی ایک کر دیا اور [illegible] طور پر فرنگی مدبرین کا آلۂ کار بن کر جد و جہد میں لگے رہے!!

حیرت ہوتی ہے کہ کیا تاریخ آج پھر اپنا اعادہ کر رہی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ نیشنلزم اور قوم پرستی کی نفسیات ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ایک ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عرب کے قوم پرستوں نے یہی الزام عائد کیا تھا کہ اتحاد عرب کی تحریک کو جس کی حضرت رسالت پناہ کے زمانہ میں سخت ضرورت تھی برباد کرنے کے لیے ایک عجمی شخص نے نعوذ باللہ آپ کو اپنا آلۂ کار بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ نیشنلزم بھی انسان کے جذبۂ اتباع ہوائے نفس کی اجتماعی صورت کا ایک نام ہے اور اسی کا تقاضا ہے کہ [illegible] معاشرت و معاشیات اور سیاسیات کے میدان سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نکال اسکی جگہ ہوائے نفس کے احکام اور غیر اللہ کے امر کو [illegible] باشد۔

محمد علی عثمان ناشر

صدق - اکبر مرحوم کا ایک شعر غزل کا ہے ؎

نئی ترکیب اب شیطان کو سوجھی ہے اغوا کی
خدا کی حمد کیجے ترک، بس مجھکو برا کہیے

انگریزی سیاست، انگریزی قانون، انگریزی تمدن و معاشرت سے [illegible] تھا، وہ اس لیے اور محض اس لیے کہ وہ غیر اسلامی سیاست، قانون و معاشرت ہے اور اسلامی شریعت کے منافی۔ شیطان نے رفتہ رفتہ اس نیت، اس محرک کو نظروں سے دور کر کے نفس انگریز کو، بجائے خود مبغوض بنا دیا، اور انگریز دشمنی اور انگریز بیزاری خود ایک مستقل مقصود بن گئی۔ گویا اب نیت خدمت اسلام کی، رضائے حق کی، حصول جنت کی نہ رہی، بلکہ انگریز کے مقابلہ میں جد و جہد، بحیثیت جد و جہد، ہی قابل مقصود رہ گئی۔ اور اس میں اچھے اچھے علماء تک مبتلا ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انگریز کو یہ طور ہوا بنا کھڑا کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر بہتر سے بہتر [illegible] اور اسلامی تحریک کی مخالفت میں سب سے زیادہ چلتا ہوا فقرہ یہ کام کر جانے لگا، کہ اس تحریک کی تہ میں انگریز کا ہاتھ کام کر رہا ہے! تنظیم اسلامی کا خیال اس سبب قابل ترک ہے کہ یہ خیال انگریز کا پیدا کرایا ہوا ہے۔ اتحاد اسلامی کو اس سبب پاش پاش کر دینا چاہیے کہ اتحاد اسلامی سے ضمناً انگریزوں کو فائدہ پہنچ جائیگا۔ گویا حق و باطل کا پیمانہ اب صرف انگریز کی مخالفت و موافقت رہ گیا ہے! اور انگریز اگر دن کو دن کہے تو ہماری حریت نوازی اور ہمت و مردانگی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اسکی ضد میں دن کو رات کہے جانے پر اصرار کریں! جب تک یہ قوت ضرب اس ذہنیت پر نہ لگیگی، ہر سعی اصلاح اسی طرح معلق رہ جائیگی!

(بقیہ صفحہ ۴)

کانفرنس کے مباحثوں کے دوران میں یہ تجویز بھی آئی کہ جن استادوں کو گانے سے مناسبت ہے، انھیں سرکاری خرچ پر کسی ابتدائی تعلیم گاہ میں رکھ کر گانا سکھایا جائے تاکہ وہ خود اسے سکھا سکیں۔ مبارک ہو "روشن خیالوں" اور "سمجھداروں" کو "تعلیم" کا یہ نیا سازوسامان اور ترقی کا یہ نیا عنوان!

[illegible] سرشار ہو گیا

نمبر (۴) | دوشنبہ - ۱۸ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۷ مئی سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

اسٹیٹسمین کلکتہ کے انگریزی روزناموں میں شاید سب سے زیادہ معزز روزنامہ ہے۔ حال کے ایک سنڈے ایڈیشن میں ایک صفحہ پر نمایاں عنوانات کے ساتھ حالات درج ہیں تیرہویں صدی مسیحی اور ساتویں صدی ہجری کی، دہلی کی سلطانہ رضیہ کی۔ وسط صفحہ میں بڑی سی تصویر۔ سلطانہ گھوڑے پر سوار۔ چہرہ تمامتر کھلا ہوا۔ سر پر ٹوپی۔ لباس مردانہ۔ سواروں کا ایک غول جلو میں۔ مضمون تمامتر مدح و داد میں۔ —— یہ مدح آپ سمجھے، کیوں؟ اور یہ داد کس لیے؟ اس لیے کہ اس نے مسلمان ہو کر اسلام کے قانون حجاب کو توڑا، آزادانہ پردہ سے باہر نکلی۔ اس لیے کہ عورت ہو کر وہ مرد بنی، اور قانون فطرت سے بغاوت کی۔ گویا آج سے سات سو سال قبل، تحریک نسائیت کی علمبردار۔ چودھویں صدی ہجری کی "روشن خیالوں"، "تجدد نوازوں"، "آزادی پسندوں" کی پیشوا اور سردار!

——

شادی عرصہ تک نہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا، کہ ایک حبشی غلام پر منظور التفات زیادہ ہو گئی۔ بے حجابیاں خلوت سے گزر کر جلوت میں بار پانے لگیں۔ تاریخ کے الفاظ میں:

"یاقوت حبشی کہ میر آخور بود معتمد علیہ و صاحب نسبت گشت برتبہ کہ سلطانہ رضیہ در وقت سواری فیل و اسپ تکیہ بر بغل وی بازوے او می کرد۔ محسود امراء شد۔ و سلطان رضیہ از پردہ ستر بر آمد و لباس مردان پوشید و بے محابا قبا در بر و کلاہ بر سر داشتہ بر تخت می نشست۔"

نگاہیں اور دلوں سے زبانوں پر آئیں۔ ناخوشی بڑھی، شورش پھیلی۔ نوبت بغاوت کی پہونچی۔ انجام تخت سے معزولی و اسیری۔

"در اثنائے راہ امرائے ترک، وے را ... یافتہ ادرا بدہ تیغ گزرانیدند و سلطان رضیہ را جمال الدین یاقوت حبشی کہ ... شدہ بود گرفتہ در قلعہ تبرہندہ محبوس ساختند۔"

قسمت نے ایک بار پلٹا اور کھایا۔ سلطانہ کا افسوں ایک بڑے ترکی امیر ملک اختیار الدین پر چل گیا۔ اس سے عقد بھی ہو گیا۔ لیکن آخری نتیجہ دونوں کا قتل۔ سلطانہ کی مدت سلطنت کل ۳½ سال کی۔

——

سلطانہ کا نام محض مثال اور نمونہ کے طور پر ہے۔ تہذیب حاضر کی زبان پر آج عزت و احترام کے ساتھ نام کس کے آرہے ہیں؟ ناموری کس کے حصہ میں آرہی ہے؟ ان کے جو شریعت اسلامی سے غداری کرنے میں ممتاز ہیں، انکے جو قانون فطرت سے بغاوت کرنے میں پیش پیش ہیں، انکے جو اپنے نام مسلمانوں کے رکھ رکھ کر اپنے عقائد میں، معاملات میں، شعار میں بالکل غیر مسلم اور نامسلمان بن جائیں! کوئی شریف خاتون آج پردہ سے باہر نکل کے تو دیکھیے، دوسرے ہی دن اس کی تصویر، کھلے منہ اور بے حجابی کی پوری اداؤں کے ساتھ انگریزی اخبارات میں نکل جاتی ہے یا نہیں۔ اور اسی کے ساتھ جو کہیں کسی فلم میں "کام" کرنے لگ جائے، تو پھر تصویر کے ساتھ ساتھ اس کے سوانح حیات بھی بڑے بڑے معزز انگریزی روزناموں کے صفحہ پر موجود! کوئی فرماں روا، کوئی والیٔ ملک، کوئی بادشاہ، جتنی زیادہ زندگی کے کمل نظام یعنی قانون شریعت میں "ترمیم" کی جرأت کرے، اسی نسبت سے اس کی "اصلاحات" کا غلغلہ برپا کرنے کو، اس کی "روشن خیالی" کا پروپیگنڈہ کرنے کو، اسے "ہیرو" بنانے کو اخبارات، رسائل، نیوز ایجنسیاں سب کی سب حاضر و مستعد عمل! اور جتنا زیادہ کوئی دین پر مستقیم ہے، اسی قدر وہ مہذب دنیا میں گمنام، اور روشن خیال حلقوں میں بدنام! ہر طرف چرچا اس کی "رجعت پسندی"، "وتحجر" کے، ہر زبان پر ذکر ہے، تو اس کی "قدامت پرستی" اور "تنگ نظری" کے! —— اندازہ کیا یہ اعزاز و اکرام، فسق کی عزت و احترام، "فلاں بہرے" ... ت قبل، تب کسی ...

بہتر رسالہ اب تک گمنامی میں کیونکر پڑا رہا۔ دیوبند، ندوہ، مظاہر علوم، وغیرہ عربی کی مشہور درسگاہیں، حنفیہ کے زیر اہتمام، ہندوستان میں ایک دو نہیں، متعدد ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ان تمام درسگاہوں کے اساتذہ و طلبہ دونوں ایک بار اس رسالہ کا بغور مطالعہ فرمالیں۔ طلبہ کے لیے تو نہایت مفید ہی ہے، اساتذہ بھی نہ معلوم کتنا نفع اٹھا سکیں گے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور بدقسمتی کیا ہوگی کہ کسی کتاب کی ناقدری محض اس بنا پر کی جائے، کہ وہ ایک معاصر کے قلم سے نکلی ہے!

کفر نوازیوں کا صلہ

لاہور کے ایک مشہور رسالہ "[illegible]" ہندو کے چھپے ہوئے تازہ مضمون کا اقتباس:—

"آج ہندی مسلمانوں میں سے تقریباً ۹۰ فیصدی تو ضرور ایسے ہیں، جو ہندوؤں ہی کے گوشت و پوست ہیں۔ لیکن افسوس ہندوؤں سے اس درجہ منافرت و نفرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک جداگانہ قوم کہتے ہیں۔ اور انھیں آریہ اور ہندو نام سے بھی نفرت ہے۔ کبھی یہ ہندی بھائی ترکی اور ایرانیوں کی طرح اپنے اسلاف اور قومی خصوصیتوں کو بھی یاد کریں گے یا نہیں، اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے بھائیوں پر جو زیادتیاں ہوئیں، ان پر کبھی پشیمان ہونگے یا نہیں، اسکا علم اسے برتر و بالا ہی کو علم ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ صورت پیدا ہوئی تو یقیناً ہمارے بھائی آریہ سماج کے مشن کو احسانمندی اور شکرگزاری سے دیکھیں گے۔"

اب تو یہ راز آپ کی سمجھ میں آ گیا، کہ "اناترکی"، منا شاہ پہلوی، و "نیشنلسٹ" مسلمانوں کی عدالت، آریہ سماجیوں اور ہندوؤں کی بارگاہ میں کیوں اتنی مقبول ہو رہی ہیں؟ پردہ اٹھنے، صاف، صریح اقبال کے بعد، اب بھی آپ کی نظر دھوکا کھا رہی ہے یا نہیں؟ ولن ترضی عنک الیہود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتہم (یہود و نصاریٰ تو تجھ سے خوش و مطمئن ہو ہی نہیں سکتے، تاوقتیکہ تو انہیں کے طریقے نہ اختیار کرلے) کی ہمہ گیر صداقت صرف یہود و نصاریٰ تک محدود ہے؟ مشرکین تو بدرجۂ اولیٰ اس کلیہ کے تحت میں آ جاتے ہیں ——— اور پھر یہ حسرت بھی بہت خوب ہے کہ نئے مسلمان اپنی گذشتہ حماقتوں اور جہالتوں و وہم پرستیوں و خرافات پسندیوں کو گلے لگائے اور چمٹائے کیوں نہیں رہتے؟ اور تندرستی پاکر بھی بیماری کی جلن اور چبھن کی، دورہ کی تڑپ اور چبھن کی یاد کیوں نہیں منائے جاتے!

عجیب تجاہل

"مذہب تو انسان کو انسان سے اور خدا سے متحد کرتا ہے۔ کیا اسلام مسلمان کو صرف مسلمان سے متحد کرتا ہے اور ہندو سے جدا کر دیتا ہے؟ کیا پیغمبر کا پیام صلح صرف مسلمان مسلمان کے درمیان تھا، اور مسلموں اور غیر مسلموں یا ہندوؤں کے مقابلہ میں پیام جنگ؟ .... یقیناً یہ تعلیم اسلام کی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ خوب رہتے سہتے مجھے ایک دو نہیں بیس سال ہو چکے ہیں، کسی مسلمان کی زبان سے میں نے نہیں سنا، کہ اسلام، ہندوؤں کا مخالف دینی ہے؟" (گاندھی جی کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس)

خوب ہیں سوالات! جوابات سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود سائل سے چند سوالات الٹ کر رکھ دیئے جائیں۔ اگر سارے دین، دین حق ہی ہیں، تو آخر ایک نئے دین کے ظہور کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر ظاہر ہوا بھی تھا، تو آخر اسکے پیغمبر نے مع اپنے ساتھیوں کے پہلے تیرہ برس تک خود کیوں شدید تکلیفیں اٹھائیں، اور پھر آخر دس سال تک کیوں منکرین کے لیے تلوار کھینچی رکھی؟ فقر و فاقہ، بے خانمانی، جلاوطنی، کشت و خون، یہ سب کیوں گوارا رہا، جب شرک و توحید، اقرار رسالت و انکار رسالت، دونوں یکساں حق تھے؟ یہ ساری ہلاکتیں اور سارے مجاہدے بغیر کسی حقیقی اور گہرے اختلاف کے محض ایک نزاع لفظی، اقرار کی خاطر تھے؟ نور مطلق نے کیا صرف دن ہی کو روشن بنایا ہے؟ کیا اس کی روشنگری اور روشنی بخشی رات میں فنا ہو جاتی ہے؟ عالم حقیقی کیا صرف نیکوں ہی کو جزائے خیر دیگا؟ بدوں کو بھی اس کی ہمہ گیر رحمت نیکوں کے درجہ پر کیوں نہیں رکھ دیتی؟ ——— اسلام سب سے بڑا دشمن ہے، کفر کا، شرک کا، غیر صداقت کا، حق ناشناسی کا، تو یہ تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ دشمن ہوگا ہر تاریکی اور ظلمت کا، ہر بدی اور شر کا، ہر باطل دعوے کا، خود ساختہ معبودات کا، مادی و مجسم شکل میں انکے پرستاروں کو جب اور جہاں کہیں بھی دیکھ پائیگا، انھیں توڑیگا، پھوڑیگا، مٹائیگا، جلائیگا، کچل کر، دور پھینک کر رکھ دیگا۔

ترقی پسندوں کا جمود!

"فرانس کے کسی انتخاب میں عورتوں کو اب تک بھی ووٹ دینے کا حق نہیں ہے، گو بارہا انہیں یہ حق دلانے کی کوشش ہو چکی ہے۔ چیمبر آف ڈپوٹیز نے تو ایک بار بڑی اکثریت سے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ عورتوں سے یہ تہمت ہٹالی جائے، لیکن سینیٹ نے ویسی ہی بھاری اکثریت کے ساتھ اسے رد کردیا، اور اس کے بعد سے ہر بار اپنے فیصلہ پر نظرثانی سے انکار کر دیا ہے۔ اور یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس فیصلہ کے اصل ذمہ دار، کنسرویٹو نہیں، ریڈیکل ہیں!...

ان چند بڑے ملکوں میں سے، جہاں عورتوں کو ووٹ حاصل نہیں، ایک فرانس بھی ہے۔ اور اس پر بھی یہ فرانسیسی سیاسیات میں کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں۔ بعض ادارے اسے چلا ضرور رہے ہیں لیکن خود فرانسیسی عورتوں کو اپنے اس حق سے محرومی کی کچھ زیادہ فکر و پروا نہیں ہے، اور نہ انکے شوہروں اور بھائیوں ہی کو اسکا کچھ زیادہ غم ہے۔ حالانکہ فرانسیسی "فطری حقوق" کے بڑے زبردست علمبردار ہیں۔ کبھی نہ کبھی تو بہرحال فرانس میں عورتوں کو یہ حق ملکر رہیگا، لیکن فوری اور مستقبل قریب میں تو اسکی کوئی توقع ہے نہیں۔" (منرو کی "یورپی حکومتیں" Munro's European Governments ص ۲۷۳)

جرمنی، اٹلی، جاپان، کے معاملات "حریت نسواں" کے باب میں تو معلوم و معروف تھے ہی، یہ فرانس بھی آزادیوں، روشن خیالیوں، ترقی پسندیوں کے اتنے دعووں اور غلغلوں کے باوجود بھی جمود پسندوں اور فرسودہ خیالوں ہی کی صف میں نکلا!

دورِ تصویر پرستی

"ہمارے نوجوان [illegible]

خواتین اسلام کی بیداری

(از مولانا سعید احمد صاحب ایم اے اکبرآبادی ایڈیٹر رسالہ "برہان")

آج ہر طرف ایک شور و غل برپا ہے کہ اب مسلمان خواتین کی حالت وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ ان میں جہالت اور رسوم پرستی مفقود ہوتی جاتی ہے اور ان میں بجائے اس کے اب روشنی، روشن دماغی [illegible] اور بیداری کی حرارت پیدا ہو چلی ہے۔ اس حالت کی تبدیلی پر ہر کوئی خوش ہے، اور عورتیں بھی مسرور، لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا، اس پر کوئی غور نہیں کرتا کہ مسلمان خواتین کی بیداری واقعی اور اصلی بیداری ہے یا [illegible] کا پتا ہے۔ کوئی پوچھے آج کل مسلمان خواتین کی بیداری کی پہچان کیا ہے تو اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے سیاسی جلسوں کے پلیٹ فارموں پر نظر نہیں آتی تھیں، سینما گھروں میں انھیں کوئی بے نقاب [illegible] گلشن [illegible] ہو سکتا تھا۔ تھیٹروں اور سینماؤں [illegible] نظر آتی تھیں، احباب و اغیار کی محفلوں میں انھیں بے نقاب گشائی کرتے [illegible] افسوس ہوتی تھی کالجوں اور اسکولوں میں ان کی جگہیں خالی تھیں، اخبارات میں ان کے فوٹو شائع نہ ہوتے تھے، ادبی رسالوں میں ان کی [illegible] نگاری پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر برق پاشی نہ کرتی تھیں، وہ صرف [illegible] ہو کر رہنا جانتی تھیں۔ انھیں اپنے [illegible] نسوانی کی نمود [illegible] سے گھر سے باہر کسی اور میدان کی جستجو نہ تھی لیکن آج حالات نے پلٹا کھایا ہے۔ زمانہ آزادی کا ہے، مذہب اور اخلاق کی قید [illegible] برداشت نہیں کر سکتا ہے تو عورتیں ہی کیوں گھروں میں بند ہو کر رہیں۔ وہ بھی آخر مردوں کی طرح انسان ہیں۔ انھیں بھی حق ہے کہ گلزار ہست و بود کا ایک ایک پھول بہ نظر عمیق دیکھیں، اس کی رنگت اور بو سے قوت شامہ کی تواضع کریں۔ اور یوں عالم ہمہ تن ایک نغمۂ شعر و موسیقی ہے، عورتوں کو بھی فطرۃً یہ حق ہونا چاہیے کہ اس کے نغمہائے ساز و آواز سے کیف و سرور حاصل کریں۔ ان خیالات کی پختگی کا نتیجہ ہے کہ اب وہ دورِ جمود و جہل خواب پریشاں ہو کر نگاہوں سے غائب ہوتا جا رہا ہے اور بیداری کا اثر جتنا جتنا غالب ہوتا جاتا ہے، عہد حریت و آزادی کے اثرات زیادہ نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ آج مسلمان عورت کو تنگ خیالی و تنگ نظری کا طعنہ کون دے سکتا ہے۔ اب پلیٹ فارموں پر ان کی دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں۔ اور پس پردہ نہیں بلکہ کھلے اسٹیج پر سب کے سامنے۔ کالجوں کی رونق ان کے دم سے ہے۔ کلبوں میں ان کی خوش خلقی اور خوش تقریری کے چرچے ہیں۔ سینماؤں اور تھیٹروں کے دیکھنے کا کیا ذکر، انگلینڈ کے سابق وزیر اعظم کی لڑکی یا بہو فلم ایکٹرس بن سکتی ہے تو شریف گھرانوں کی تعلیم یافتہ مسلمان خواتین اس فخر سے کیوں محروم رہیں۔ آج گھروں میں انھیں دیکھا جا سکتا ہے، بازاروں میں وہ نہایت بیباکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ خرام کرتی ہوئی نظر آ سکتی ہیں۔ فوٹو ان کے چھپتے ہیں، مشاعروں میں شوخ غزلیں وہ سناتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ آج مسلمان خواتین نوجوان تہذیب و تمدن کی ان تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں جو اب تک صرف خواتین فرنگ کا حصہ تھیں یا کچھ تھوڑا بہت ان کا اثر ہندو خواتین میں بھی پایا جاتا تھا۔ سُن لیا آپ نے، یہ ہے خواتین اسلام کی بیداری۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس دورِ تفریح میں بھی ایسی نیک دل مسلمان خواتین کی کمی نہیں ہے جو واقعی آئیڈیل مسلم خاتون کہی جا سکتی ہیں اور جنھیں صحیح معنی میں بیدار دل و بیدار مغز کہا جا سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان غریبوں کو مسلمان خواتین کی نمائندگی حاصل نہیں۔ وہ گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں اور انھیں مسلم سوسائٹی میں کوئی وقیع درجہ میسر نہیں۔ جب کبھی مسلمان خواتین کی بیداری کا ذکر کیا جاتا ہے تو مثال میں وہ خواتین پیش کی جاتی ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود جدید تہذیب و تمدن کی خصوصیات سے پورے طور پر بہرہ اندوز ہو رہی ہیں اور جن کے حسن بے حجاب کا شہرہ ہندوستان کے حدود سے گزر کر امریکہ و یورپ تک پہنچ چکا ہے۔ اس بنا پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آج کل کے نزدیک مسلمان خواتین کی بیداری کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ اسلامی وضع قطع اسلامی آداب معاشرت اور اسلامی وضع قطع اسلامی آداب معاشرت اور اسلامی طریق بود و ماند چھوڑ کر مغرب کے رنگ میں رنگی جا رہی ہیں اور ان کا میدان عمل درونِ خانہ کے بجائے بیرونِ خانہ بنتا جا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلم خواتین کی یہ حالت کیا واقعی ان کی بیداری کی دلیل ہے کیا در اصل ان کی اس تبدیلی پر ہمیں خوش ہونا چاہیے جیسا کہ ہمارے آج کل کے مردانہ اور زنانہ جلسوں میں اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یا صورت حال پوری قوم کی روحانی و اخلاقی موت کی نشانی ہے اور اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

بعض لوگ عورتوں کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا عورتیں مردوں سے کم ہیں جو ایک چیز مرد کے لیے تو جائز ہو اور عورت کے لیے ناجائز۔ اس قسم کے اصحاب کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے نزدیک مذہب، اخلاق اور مذہبی پابندی کے لحاظ سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شریعتِ اسلام نے جن بُری باتوں کو مرد کے لیے ممنوع قرار دیا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ممنوع ہیں اور جو افعال حسنہ مرد کے لیے مستحسن سمجھے گئے ہیں وہ عورتوں کے لیے بھی مستحسن ہیں۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، شراب خوری، زناکاری، غداری و بے وفائی کی حرمت میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ مرد کے لیے جس طرح اجنبی عورت پر بُری نگاہ ڈالنا حرام ہے۔ عورت کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی اجنبی مرد کو بُری نیت سے دیکھے۔ یہی حال تعلیم اور معاشرت کا ہے۔ جدید تعلیم اپنے مخصوص ماحول اور نصاب کے ساتھ جس طرح مردوں کے لیے مضر ہے عورتوں کے لیے بھی اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ نقصان رساں ہے۔ اسی طرح مغربی معاشرت، مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ کپڑا زیادہ اُجلا اور صاف ہوتا ہے تو ایک معمولی سا دھبہ بھی اس میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر اس کی حیثیت کو بگاڑ دیتا ہے۔ عورت فطرۃً آئینہ تمثال ہے اور غالباً اسی بنا پر زبان نبوت نے اس کو قواریر (آبگینہ) کہا ہے اور انگریزی میں اسے صنفِ لطیف کہا جاتا ہے۔ اس میں اگر ذرا سی بھی بد اخلاقی اور بد تمیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ مردوں [illegible]

زیادہ اسکو برنا کرتی ہے اور اس کی اصل شرافت و نجابت کو سیہ کاروں کے طبقۂ ارذل میں شامل کر دیتی ہے۔

پس اگر کوئی مصلح یہ کہتا ہے کہ جدید تعلیم اور جدید تہذیب مسلمان عورتوں کے لیے زہر ہلاہل ہے تو اسکے معنی یہ ہرگز نہیں ہو سکتے کہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے ممنوع اور مردوں کے لیے جائز ہیں۔ اور نہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو سکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے کم رتبہ اور ان سے فروتر ہیں۔ اس عام مخالفت میں مرد و عورت کے فرق و امتیاز مراتب کا سوال اٹھانا سراسر بے موقع و بے محل ہے — جہاں تک اصل تعلیم کا تعلق ہے اس سے کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ اسلام جو دین فطرت ہے وہ اس ضرورت سے کس طرح انکار کر سکتا تھا لیکن یہ ضرور ہے کہ تعلیم تعلیم کے مقصد کے ماتحت ہو جس سے پاکیزہ اخلاق پیدا ہوں۔ اچھے برے کی تمیز ہو۔ زندگی کو کامیاب طریقہ سے بسر کرنے کی راہیں معلوم ہوں۔ اور جس سے ایک انسان تکمیل انسانیت کے مرتبۂ عظمیٰ سے شرف اندوز ہو سکے۔ جو تعلیم اس مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے وہی سچی اور اصلی تعلیم ہے۔ اور اسکے استحسان اور وجوب میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ہاں چونکہ تعلیم کا تعلق انسانی زندگی کے وظائف و اعمال سے ہے، اس لیے تعلیم شروع کرنے سے قبل یہ معلوم کر لینا ضروری ہوگا کہ طبعی قویٰ، فطری استعداد، اور اسباب، ماحول و عاملہ کے اعتبار سے مرد کے وظائف زندگی کیا ہیں اور عورت کے کیا۔ اگر آپ ان وظائف زندگی میں فرق و امتیاز نہیں کرتے تو اسکے صاف معنی یہ ہیں کہ آپ مرد کے مرد اور عورت کے عورت ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ انکار آپ کی فطرت ناشناسی کی کھلی دلیل ہے اور اب اس انکار کی بنیاد پر آپ کے جتنے مسلمات اور دعاوی ہوں گے وہ سب غلط اور بے بنیاد قرار دیے جائیں گے۔ عورت اور مرد کا صنفی اختلاف و تباین تو بڑی چیز ہے، آپ ایک صنف کے تمام افراد کے لیے یکساں حکم نہیں لگاتے۔ بہتیرے بچے جو طبعًا صنعت و حرفت کی طرف میلان رکھتے ہیں آپ تسلیم کرتے ہیں کہ ان سے لٹریچر یا علمی مہارت و قابلیت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو بچے فطرۃً لٹریچر کا ذوق رکھتے ہیں ان کو سائنس اور کیمیا کی اعلیٰ تعلیم دلانا وقت کو بیکار اور ضائع کرنا ہے۔ پس جب آپ خود مردوں کی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کر سکتے تو مرد و عورت کے صنفی اختلافات کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں۔

اسلام کا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ اس نے کسی حالت میں بھی فطرت کی صحیح صلاحیتوں اور انکے باہمی اختلافات کو ناقابل اعتنا نہیں قرار دیا۔ اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت تعلیم جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی۔ لیکن دونوں کی تعلیم کا مقصد جدا جدا ہے۔ مرد کی تعلیم کا مقصد ہے کہ وہ اپنے فرائض و وظائف زندگی سے واقفیت بہم پہنچائے اور نہ صرف واقفیت بلکہ اس میں اخلاق اور کیرکٹر کی اتنی مضبوطی پیدا ہو جائے کہ وہ بے تکلف اچھے اعمال کو اختیار اور برے اعمال کو ترک کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح عورت کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے وظائف و فرائض زندگی سے آگاہ ہو اور انکو صحیح طور پر

آپ پہلے عورت کے فرائض و وظائف حیات کی تحقیق و تنقیح کریں اور پھر اسکی روشنی میں انکے لیے ایک مکمل نصاب تعلیم کی تعیین کر دیں۔ یہ حقیقت فراموش نہ ہونی چاہیے کہ نصاب تعلیم کی تعیین بھی ایک نہایت ضروری امر ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ طریقۂ تعلیم کے ناقابل اطمینان ہونے کے باعث تعلیم پر ایسے نتائج مرتب ہو جائیں جو تعلیم کے مقاصد کے سراسر خلاف ہوں اور بجائے کعبہ کے طرف رہنمائی کرنے کے ترکستان کی طرف لیجائیں۔

تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی و متانت سے اس مختصر گزارش پر غور کیجیے اور پھر بتلائیے کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے کیا واقعی وہ مسلمان خواتین کی بیداری سے تعبیر کیے جانے کا مستحق ہے۔ مرد کی تعلیم کا کمال یہ ہے کہ وہ سچا طور پر مردانہ اوصاف و شمائل سے آراستہ ہو۔ اور عورت کی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ بالکل صحیح معنی میں مکمل عورت ہو۔ لیکن ہماری بچیوں کو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے کیا وہ انکی تکمیل نسائیت کر سکتی ہے؟ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ مخصوص ماحول میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے جو اثرات لڑکیوں پر مرتب ہو رہے ہیں وہ اسلامیت اور مشرقیت تو کجا خود انکے جوہر نسائیت کو بری طرح پامال کر رہے ہیں (باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

نمبر (۶) | دو شنبہ - ۲ - جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ر جون ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

کانگریسی روزنامہ نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ (۲۵ر مئی ۱۹۴۰ء) کے وقائع نگار خصوصی کی اطلاع ہے، کہ

"الٰہ آباد میں ہندوستان کے مشہور رقاص اودے شنکر نے جو آرٹ سنٹر کھول رکھا ہے، اُس میں شاگردوں کی تعداد اب ۳۱ تک پہونچی ہے - اور ان شاگردوں میں گورنمنٹ بیسک ٹریننگ کالج (الٰہ آباد) کے دو اُستاد بھی ہیں - یہ اُستاد جب یہاں سے باضابطہ "اُستاد جی" بن کر واپس ہوں گے، تو افادہ و استفادہ کا حلقہ گاؤں گاؤں تک وسیع ہو جائیگا - اس فن مُردہ کی عظمت از سرِ نو زندہ ہوگی، اور روحانیت اور خوشحالی کے سبق اس سے پھر تازہ ہو جائیں گے"!

گویا سرکاری ٹرینڈ ٹیچروں کے مضامین میں، ایک مضمون 'رقص' کی ٹریننگ کا اور اضافہ ہوا، اور جہاں انگریزی، حساب، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے ذریعہ سے دماغوں کی تاریکی کو روشنی سے بدلا جاتا ہے، وہاں اب ماسٹر صاحبان باضابطہ 'ناچ' بھی ہوا کریں گے، اور شاگردوں کو طبلہ، سارنگی، ستار، کے علوم و حقائق میں ماہر، اور ناچ، گت، توڑہ، نرت، کے رموز و نکات میں اُستادِ کار بنایا کریں گے!

چھوڑیئے اسے کہ شریعتِ اسلامی نے اسے کس نظر سے دیکھا ہے۔ اسے تو سنیئے کہ خود دانایانِ فرنگ" کیا کہہ چکے ہیں، کیا کہہ رہے ہیں - یہ تحقیق تو انھیں کی ہے، کہ

"رقص کی ساری جسمانی حرکتیں ایک حد تک تعلقات جنسی ہی کی ترجمان ہوتی ہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۷، ص۱)

اور یہ قول بھی انھیں کی زبان سے سننے میں آیا ہے، کہ

"ابتدائی رقص کی ناشائستہ حیثیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصلاً اس کا مقصد شہوانی ہی ہے - یہ دعوےٰ عالمگیر حیثیت سے تو ثابت نہیں، تاہم کسی حد تک ہر رقص تحریکِ شہوانی کا باعث تو ضرور ہوتا ہے" (ایضاً، ص۱۴)

اور یہ ارشاد کہ رقص بھی ایک قسم نشہ یا مستی کی ہے، کسی مولوی مُلّا نے کا نہیں، اُستادانِ مغرب ہی کا ہے:-

"عضلات کی وہ حرکت، جسکا سب سے بڑا مظہر عمل رقص ہے، وہ خود مستی ہی کی ایک قسم ہے، نہایت موثر و قوی" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۱۰، ص۳۵۸)

اور اس فن کی شرح بھی یہاں کی نہیں، وہیں سے آئی ہوئی ہے:-

"جو نوجوان عورت والز کی گت ۱۵ منٹ تک ناچ چکتی ہے وہ بالکل ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ شمپین پی چکی ہے" (ایضاً)

یہ فتوے تو عام ناچ سے متعلق ہیں، چہ جائیکہ مغرب کے جدید و مقبول ترین ناچ، فاکس ٹراٹ، والز، وغیرہ، جنکا لازمی جزو مرد و عورت کی ہم آغوشی ہے!

تاریخ اور تجربہ کو کہاں تک جھٹلایا جائیگا؟ مصر اور ہندوستان میں، جہاں ناچ کو مذہبی تقدس حاصل رہا ہے، وہاں کے مندروں کی کیا حالت، اخلاقی اعتبارات ہو کر رہی؟ یونان اور روما میں، جہاں رقص کو نیم مذہبی اور نیم تمدنی اہمیت حاصل تھی، کون سے فتنے تھے جو برپا ہو کر نہ رہے - اور زمانہ جدید میں جرمنی، فرانس، اور انگلستان میں جو کچھ گزرا، اُسکا عکس ان کے اہلِ قلم کے صفحات میں ملاحظہ ہو - فحش اور

لیکن یہ آرزوئیں، گزشتہ تمام صدیوں کے تجربات کے باوجود اور سالہا سال کی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد آخر حریف کے دل میں پیدا ہی کیسے ہوئیں؟ کیا دنیائے اسلام کا رجحان، توحید سے تثلیث کی جانب کچھ ہو چلا ہے؟ سوال کا جواب بھی خود حریف ہی کی زبان سے سنیے:-

"اسلام کی اجتماعی گرفت کے ڈھیلے پڑ جانے کی بہتیری شہادتیں موجود ہیں۔ عورتوں، خصوصاً شہری عورتوں میں یہ صورت حال زیادہ نمایاں ہے۔ چنانچہ پردے اور نقاب کا رواج گھٹ گیا ہے، شادی کی عمر بڑھ گئی ہے، عورت کو شوہر کے انتخاب میں زیادہ مواقع ملنے لگے ہیں، عورتیں کھیلوں اور تفریحوں میں زیادہ آزادی سے شریک ہونے لگی ہیں۔ عورتوں کے کلب قائم ہونے لگے ہیں، تعلیم کے مطالبات بڑھتے جاتے ہیں۔ مغربی صنعت و حرفت اور تہذیب جدید کے حیرت انگیز مادی پہلوؤں کی ترغیبات نے بھی اس انتشار و بے چینی کو اور تیز کر دیا ہے۔"

گویا تثلیث خوش ہو رہی ہے، کہ اہل توحید سے دینی و اخلاقی عصبیت رخصت ہو رہی ہے، تو یہی غنیمت ہے، فرنگی معاشرت و معیشت تو بے تکلف ان کے دلوں میں گھر کرتی جا رہی ہے! —— مبارک ہو تجدد نوازوں اور "روشن خیالوں" کو، کہ توحید و تثلیث کے درمیان جو خلیج ساڑھے تیرہ سو سال سے حائل چلی آ رہی تھی، وہ انکی سعی جمیل سے اب پٹ رہی ہے، اور مسلک تجدد، اسلام اور مسیحیت کے درمیان ایک پل کا کام دے رہا ہے۔ —— یہی فخر کسی زمانہ میں مدینہ کے منافقین کو بھی تھا، کہ ہم تو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مصالحت کے سفیر ہیں!

ارتداد سے واپسی

"استنبول۔ الاہرام کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ مجلس ملی کبیر میں ایک جدید قانون پیش کیا گیا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ بے شادی شدہ مردوں پر اور عورتوں پر ۱۰ فی صدی ٹیکس لگایا جائے۔ مردوں کے لیے ۲۳ تا ۵۰ کی اور عورتوں کے لیے ۲۱ تا ۴۵ کی عمر مقرر کی گئی ہے۔ قانون کی رو سے، اس طرح حاصل شدہ رقم کو کثیر العیال غریب خاندانوں پر تقسیم کر دیا جائیگا۔"

غیر معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کر جائیے، ذرا غور کیجیے، کیا صورت حال ہوگی جس نے اس قانون کو ضروری بنا دیا ہے۔ شادی بیاہ تو دنیا کا عام دستور ہے، اور اس کا تقاضا خود طبیعت بشری میں موجود رہتا ہے۔ اور پھر حکومتیں، عام معاشرتی معاملات میں دخل ہی نہیں دیا کرتیں، جب تک کہ فتنہ عام نہ ہو جائے۔ ضرور ہے کہ شادی نہ کرنے کی، ازدواج کی ذمہ داریوں سے بچنے کی، بلکہ نکاح کو دقیانوسی قید سمجھ لینے کی رو، جو "روشن خیال" یورپ سے چلی، وہ "روشن خیال" ترکی میں بھی پوری طرح اپنا گھر کر گئی، اور ترکی جوڑے، فرنگی جوڑوں کی طرح شادی بیاہ کو وبال اور جنجال سمجھ، اپنی شہوانی پیاس دوسرے ذریعوں سے بجھانے لگے۔ —— کسی شیطان کا چلایا ہوا یہ فلسفہ پھیل گیا، کہ جب دودھ روز کا روز بازار میں مل سکتا ہے، تو گھر میں پالنے کا کھڑاگ مول لینا حماقت ہے —— اور نکاح اور سفاح کا فرق دلوں دماغوں سے مٹ کر رہا! نتائج کے نکلنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی، نکلنے تو بہر حال قطعی اور یقینی تھے، ہوا یہ کہ جلد ہی نکل آئے۔ وہ یہ قوم کی آبادی جب گھٹنے لگی، اور نسبی پیوندی کے علاوہ، جب سلسلہ نسل خود اپنے ہاتھوں قطع ہونے لگا تو اب خود حکومت مجبور ہو گئی کہ شادی نہ کرنے پر جرمانے کرے، اور شادی پر انعام مقرر کر کے پھر نکاح کو رواج دے! —— دنیا کے ہزارہا تجربات میں ایک بار پھر اس تجربہ کا اضافہ ہوا، کہ طریقہ قومی فلاح و افراد کی بہبود دونوں کا وہی ہے، جو ساڑھے تیرہ سو سال قبل کے امی ﷺ بتلا گئے ہوئے ہیں، اور اسکے سوا جتنی راہیں ہیں، سب کی منزلیں ہیں ناکامیاں، نامرادیاں، بربادیاں۔

۳۰ سال قبل

مدراس کی ایک نامور خاتون ہیں مسز رادھا بائی سبارائن، سنٹرل اسمبلی کی ممبر، اور اپنے صوبہ کی مشہور کارکن۔ اسٹیٹسمین میں اپنی طالب علمی کے زمانہ کے حالات قلمبند کیے ہیں، لکھتی ہیں، لکھتی ہیں:-

"اس وقت لڑکیوں کا زنانہ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنا ہی بہت کم تھا۔ مردانہ کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ پڑھنا تو بالکل نئی ہی چیز تھی۔ ۱۹۰۹ء میں پہلی بار تین عیسائی لڑکیاں پریسیڈنسی کالج کے بی اے کلاس میں داخل ہوئیں۔ اسکے بعد رفتہ رفتہ بڑھتی گئیں۔ اور اب تو کوئی ۲۸۰ لڑکیاں، اکیلے اسی کالج میں لڑکوں کے ساتھ پڑھ رہی ہیں۔ میں ۱۹۱۰ء میں جب اپنے وطن منگلور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئی تو کالج کے اسٹاف اور ساتھ کے لڑکوں سے بہت شرماتی تھی۔ کلاس میں داخل ہونے کی کبھی میری ہمت ہی نہ پڑی۔ جب تک چپراسی کی زبان سے یہ نہ سن لیتی تھی کہ پروفیسر آگئے ہیں)۔ اور وہ ادھر گئے ادھر میں بھی فوراً باہر نکل آئی۔ میرے لیے کلاس میں سب سے الگ، ایک کونے میں ایک کرسی اور چھوٹی میز لگی رہتی تھی۔ اس پر بھی کبھی یہ ہوتا کہ جیسی کرسی بدل کر ٹوٹی کرسی رکھ دی جاتی کہ میں گر پڑوں، اور کبھی میرے بیٹھنے کی جگہ پر پنیں (Pins) کھڑی کر دی جاتیں۔ یا کرسی کی گدی یا تکیہ پر گوند لگا ہوا ملتا۔ اور میں جب اس قسم کی کرسی پر بیٹھتی یا باہر جا کر چپراسی سے دوسری کرسی کے لیے کہتی، تو دونوں صورتوں میں کلاس کے لڑکے ہاتھ سے میز پیٹنے لگتے، یا پیر کھٹکھٹانے لگتے۔ میں مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتی، اور اُستاد درگزر کر رہتے۔" (اسٹیٹسمین ۲۶ مئی ۱۹۶۰ء)

اس شرمیلی خاتون نے آخر سوچا بھی کیا، کہ اپنی دقیانوسیت کو اپنے ہاتھوں آج ختم کر بیٹھی ہیں؟ اور یہ رجعت پسند اور تاریک خیال انگریزی روزنامہ بھی خواہ مخواہ اپنے صفحات ان قدامت پرستوں کی داستانوں سے سیاہ کر رہا ہے!

عمل و نتائج عمل

شرمیلی خاتون کا بیان ابھی ختم نہیں ہوا۔ کچھ انکا ارشاد اور حاضر ہے:-

"پریسیڈنسی کالج (مدراس) کے میرے تجربات منگلور سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ میں ہسٹری کلاس میں تو اکیلی لڑکی تھی، لیکن کل کالج میں لڑکیوں کی تعداد ۱۶ تھی۔ منگلور کالج کی طرح یہاں بھی ہم لڑکیوں کی ایک دنیا بالکل الگ تھی، اور ہم اس کی دو کی عمارت

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

۵۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم، وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المومنون

اگر اللہ تمہارا ساتھ دے[۲۶] تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ ساتھ چھوڑ دے[۲۷] تو اسکے بعد[۲۸] کون ایسا ہے جو تمہارا ساتھ دے۔ اور صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ایمان والوں کو۔

۶۔ وما کان لنبی ان یغل، ومن یغلل یأت بما غل یوم القیمۃ، ثم توفی کل نفس ما کسبت وہم لا یظلمون

اور کسی نبی کی شان[۲۹] یہ نہیں کہ وہ خیانت کرے[۳۰]۔ اور جو کوئی خیانت کریگا وہ حاضر کریگا اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن[۳۱]۔ پھر ہر شخص کو پورا عوض ملے گا اُسکے کیے کا، اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا[۳۲]۔

بڑی سے بڑی آزاد جمہوریت بھی اسکی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ شورٰی کی اہمیت بھی آیت سے صحیح طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔ صاحب وحی تک کو شورٰی سے بے نیاز نہیں۔

۲۳ (بعد مشورہ، کسی خاص امر میں)

۲۴ (اور بے تامل و توقف اس پختہ فیصلہ پر عمل کر چلیے)

۲۵ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کو قناعت، صبر کی دولت لازوال حاصل ہے، اور خودکشی سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ پروفیسر ہِٹی لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں میں تسلیم و رضا کے وہ اوصاف موجود ہیں جن سے دوسرے مذاہب والے ناآشنا ہیں۔ اور خودکشی تو اسلامی ممالک میں شاذ ہی خال ہوتی ہے۔" ("ہسٹری آف دی عربس" ص ۱۲۹)

۲۶ (جیسا کہ معرکۂ بدر میں اُس نے دیا)

۲۷ (جیسا کہ معرکۂ احد میں اُس نے چھوڑ دیا)

۲۸ یعنی اُسکے ترک نصرت کے بعد۔

۲۹ یعنی یہ شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔

۳۰ بدر کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سرخ جبہ غائب معلوم ہوا، اس پر کوئی بول اُٹھا کہ رسول نے لیا ہوگا۔ یہ قول اگر کسی منافق کا تھا، تو اس میں رسول کی دیانت پر کُھلا ہوا حملہ ظاہر ہی ہے۔ اور اگر کسی نومسلم کی زبان سے نکلا، تو وہ اس غلط فہمی میں تھا کہ رسول کو چوری چھپے بھی حق تصرف حاصل ہے۔ آیت ہر مفروضہ کی تردید کر رہی ہے۔

۳۱ اس سے خائن کی مزید رسوائی مقصود ہے۔

۳۲ مقصود کلام یہ ہے کہ خائنوں کو تو حشر میں ذلیل و رسوا ہو کر رہنا پڑیگا۔ بجائے اسکے انبیاء کا اعزاز و اکرام قطعی ہے، ایسی حالت میں کسی نبی کی جانب خیانت منسوب ہی کیسے کی جا سکتی ہے؟

(بقیہ صفحہ ۳)

کے جغرافیہ سے بجز اپنے کلاس اور ایک مختصر آرام کرہ کے واقف نہ تھے۔ میں اپنے ہی کلاس کے لڑکوں تک سے واقف نہ تھی ... میرے دل میں اپنے اُستاد تاریخ و معاشیات مسٹر الکین کی بڑی عزت تھی لیکن بات چیت کبھی اُن سے بھی نہ کرتی تھی۔ ایک روز اُنکا رقعہ اس مضمون کا ملا کہ "آج مجھے مرتبہ میں قدیم اقوام کے معاشری حالات پر لکچر دینا ہے، اُمید ہے آپ بھی آئیں گے، جنکا سننا ممکن ہے تمہاری

طبیعت پر گراں ہو، اس لیے اگر آج کلاس میں نہ آؤ، تو غیر حاضری معاف رہیگی۔" آج کون اس احتیاط پسندی کو یاد کریگا جبکہ سینما میں ہر وقت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بے پردہ منظر لڑکیوں لڑکوں سب کے سامنے رہتے ہیں! ....

ہم لڑکیاں اپنے مختصر آرام کمرہ میں، جسکی یہ حالت تھی کہ ایک آئینہ تک بھی اس میں نہ تھا، خوب مزے سے آپس میں بات چیت کرتے رہتے۔ پاؤڈر، خوشبو، چہرے کے غازہ، وغیرہ کا کوئی ذکر نہ آتا تھا۔ آپس میں خوب ہنسی مذاق رہتا۔ اُسوقت لڑکوں میں سے کوئی آکر دیکھ لیتا، تو یقین نہ کرتا، کہ یہ وہی لڑکیاں ہیں جو کلاس میں اتنی بے زبان رہتی ہیں! مجال نہ تھی کہ ہماری ہنسی یا باتوں کی آواز اس کمرہ کے باہر تک جا سکے ... تعلیم ہم ایک اہم سنجیدہ چیز سمجھ کر حاصل کرتے تھے۔ تعلیم ہمارے لیے ذریعۂ تفریح نہ تھی"

یہ سب کچھ سہی لیکن جو بیج تعلیم یافتہ ماں ڈال گئیں، وہ آخر کب تک زمین میں دبا رہتا؟ کب تک نہ اُگتا؟ کب تک پھل نہ لاتا؟ شرم و حیا زیادہ سے زیادہ ایک نسل تک ساتھ دے سکتی تھی، اسکے بعد اسکے قائم رہنے کا امکان ہی کیا تھا۔ جو آج اس پر حیرت کی جا رہی ہے؟

مہاراجہ کشن پرشاد

دکن کے مہاراجہ سرکشن پرشاد مہاراجہ شاد کی خبر وفات، روزنامہ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اب پرانی ہو چکی۔ مہاراجہ مرحوم کی وفات سے ہندوستان میں شرقیت کا ایک ستون منہدم ہو گیا، اور اسلامی تہذیب و معاشرت کا ایک زبردست رکن چل بسا۔ حسن سلوک، داد و دہش، فقیر دوستی، تواضع، انکسار، شفقت علی الخلق کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ کتنے اہل حاجت کی پرورش، علانیہ بھی خفیہ بھی، اسی ایک در سے ہو رہی تھی۔ دربار مغلیہ کے بعض ہندو امراء کے حالات پڑھ کر حیرت ہوتی تھی، کہ کس طرح مسلمانوں سے گھل مل گئے تھے۔ مہاراجہ کی ذات انھیں روایات کا ایک عملی نمونہ تھی۔ صوفیہ کے ساتھ جو عقیدت تھی، سب کو معلوم ہے۔ اپنے کو ہمیشہ موحد کہتے رہے۔ توحید پرستی اسی سے ظاہر ہے۔ ذات محمدی کے ساتھ عقیدت اور والہانہ محبت کی گواہ نعتیہ نظمیں ہیں۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہوا ہو، اور عند اللہ مومن و مسلم ثابت ہوے ہوں۔

اسلامی نظامِ حکومت

(از سید محمد یوسف صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ایچ ڈی لٹ، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

مسلمانوں کی ذہنی پستی اور خود پر اعتماد کی کمی کا اس سے بڑھکر اور کون سا مظہر ہوسکتا ہے کہ آج اسلام اور اسلامی حکومت کے نظریہ کو یورپ کے بنائے ہوئے چند جامد پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وہ ذہنی غلامی جس میں کہ یورپ اپنے "بے جرم" ہونے کی وجہ سے ہمیشہ گرفتار رہا ہے اور رہیگا۔ بیداری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مغربی تمدن کے سیلاب کو خودی، خود آگاہی کے ساتھ روکنے کے بجائے اس امر کی کوشش کی جارہی ہے کہ "یورپ کی روشنی علم و ہنر" کو مسلمانوں کے سادہ اور حقائق اسلام سے بے بہرہ دماغوں پر کچھ اس طرح مسلط کردیا جائے کہ اسلامی ممالک بھی انسانی عقل کے پیدا کیے ہوئے نامکمل اور غیر یقینی نظریات کی جنگ کے لیے میدان کارزار بن جائیں۔ مختلف اور متضاد نظریات کے عارضی عروج و زوال کی تماشا گاہ نظر آئیں۔ اور بالآخر مسلمانوں کا وہ خرمن امن و سکون جو نہ صرف برسوں بلکہ صدیوں تک صرف ایک نظریۂ حیات کے ساتھ وابستہ رہنے سے ان کو حاصل ہوا تھا، مغرب کی برق تاباں کی نذر ہوجائے۔

اسلام اور دنیا کے دیگر مذاہب میں مابہ الامتیاز صرف یہ امر ہے کہ اسلام محض چند مذہبی رسوم و عبادات کا نام نہیں بلکہ اسلام ایک مکمل قانون حیات ہے۔ جو انسان کو طریقۂ عمل سکھانے کے ساتھ دماغی "تشکیل" پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ایک مخصوص "نقطۂ خیال" کا مالک بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اسلامی نظریات کو موجودہ دور کے کسی نظریہ کے تحت میں لانا ایک بنیادی غلطی ہے۔ اسلام خود ایک مستقل بالذات نظریۂ حیات ہے۔ اسکا دیگر نظریات کے ساتھ فرداً فرداً مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کو کسی دوسرے نظریہ کے ساتھ بالکل متحد نہیں قرار دیا جاسکتا۔

یہی وہ غلطی ہے جس میں آج بہت سے "مغرب زدہ" اصحاب نیز متعدد دانایان دین مبتلا ہیں۔ بلا سوچے سمجھے اس قضیہ کو ایک قضیہ متفق علیہ تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ اسلامی نظام ریاست یا تو جمہوریت (وہ جمہوریت جو اس وقت مغرب میں رائج ہے) کے تحت میں آجاتا ہے یا فسطائیت اور اشتراکیت کے تحت میں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ خیال وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو آزادی کا پرستار کہتے ہیں اور آزادی کی "علم برداری" کی خاطر اپنی تمام ذاتی خصوصیات قربان کرنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔ حقیقی آزادی دراصل تخیلی آزادی ہے۔ بدنی غلامی کا بادیکاٹ اتنا اہم نہیں جتنا کہ ذہنی نظریات... جو قوم ذہنی حیثیت سے آزاد نہیں وہ حقیقتاً قانونی طور پر آزاد ہونے کے بعد بھی غلام ہی رہنے کی مستحق ہے۔ مغرب کی ہر چیز سے نفرت کرنا... مغربی تمدن پر قناعت کرنا اور ہم خیال رہنا بالکل... سے زیادہ ہوتی اور گزشتہ ہندوستان کے محدود کے اندر ہیں۔ مثلاً چوکا بنانا، کھانا وغیرہ وغیرہ۔ گریہ ملانوں پارلیمنٹ کو Mother of Parliaments تسلیم کرنا اور ہر ہر تقلید میں بھی ...

یہاں اس کو نمونہ مان لینا یقیناً ایک عجیب سی بات ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ گو ایک ایسی قوم جو اپنا مذہب زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرنے سے قاصر ہو اور پھر وہ آج نو سو برس سے نظام چلی آتی ہو کوئی سیاسی نظریہ نہ پیش کرسکے تو وہ معذور ہے۔ اور اسکے لیے سوائے کوئی چارہ نہیں کہ وہ کسی بیرونی طرز حکومت کو جو اسکے مقصد مطلب ہو اپنالے۔ لیکن اگر مسلمان جو اپنے مذہب کی ہمہ گیری پر فخر کرتے ہیں اور صدیوں تک دنیا کے دور دراز حصوں میں اپنی سطوت کا پرچم لہرا چکے ہیں۔ کسی خارجی نظریہ کی طرف دوڑتے نظر آئیں تو اسکے معنی صرف ایک ہی ہوسکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنے ماضی کو بھول چکے ہیں۔ خودی کو کھو چکے ہیں۔ اپنے لیے خود کوئی شاہراہ عمل پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ اور صرف دوسروں کے نقش قدم پر چلنے اور انکی نقالی کرنے کو باعث نجات تصور کرتے ہیں۔

جیسا کہ مصنف الفخری نے اشارہ کیا ہے، ریاست اور حکومت کی دو قسمیں ہیں۔ اول دنیوی دوم دینی۔ یہ بات نہایت اہم اور خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ حکومت دینی اور حکومت دنیوی دو مختلف نوعیں ہیں۔ جو امور ایک صنف اور ایک نوع پر صادق آئیں، کوئی ضروری نہیں کہ دوسری نوع بھی ان کا مصداق بنے۔ جمہوریت، آمریت، فسطائیت، اشتراکیت وغیرہ وغیرہ یہ سب اقسام ہیں دنیوی حکومت کے۔ دینی حکومت کسی تقسیم کی اجازت نہیں دیتی۔

دینی اور دنیوی حکومت میں سب سے بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ دینی حکومت میں اقتدار (Supremacy) کسی ذات کا نہیں ہوتا۔ بلکہ اقتدار ہوتا ہے ایک مخصوص آئین الٰہی کا، ایک مخصوص نظام عمل کا۔

اسکے برخلاف دنیوی حکومت انسانوں کی حکومت ہوتی ہے خواہ وہ ایک شخص کی حکومت ہو یا چند افراد کی یا ایک مخصوص طبقہ کی یا جمہور عوام کی۔ ہر صورت میں اتنی بات عام پائی جائیگی کہ آئین اور لائحہ عمل کی (۱) تشکیل (۲) تنفیذ، دونوں انسانی عقل کے کام ہوتے ہیں۔ دینی حکومت میں آئین اور لائحہ عمل پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ صرف اسکی تنفیذ حکومت کا کام ہوا کرتا ہے۔ تشکیل میں اسکو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حکومت کے دو شعبے ہوتے ہیں۔ ایک تنفیذی جسکو عام طور پر عاملہ (Executive) کہتے ہیں۔ دوسرے (Legislative) یعنی تشکیلی۔ جہاں تک (Executive) کا تعلق ہے وہ ہر حکومت میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی کیساں ہوا کرتا ہے۔ اپنے منظور کردہ قوانین کے نفاذ و پابندی میں کوتاہی کرے وہ درحقیقت حکومت کہلانے ہی کی مستحق نہیں۔ حکومتوں کی نوعیت صرف (Legislative) یعنی تشکیلی شعبہ کی نوعیت کے فرق سے بدلا کرتی ہے۔ یہی وہ شعبہ ہے جو ایک دنیوی حکومت میں سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے لیکن ایک دینی حکومت میں بالکل غیر اہم بن جاتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ دینی حکومت میں سرے سے اسکا وجود ہی نہیں ہوتا، تو بیجا نہیں۔ یہ صرف دین کے کمال و نقصان پر موقوف ہے۔ اگر دین ایک مکمل نظام عمل کا حامل ہے تو یقیناً تشکیلی شعبہ بالکل بے معنی ہے۔ جس قدر دین میں نقصان ہوگا اسی قدر تشکیلی شعبے کی وقعت میں اضافہ ہوگا۔

آزادی کیا ہے؟ آزادی نام ہے چند پابندیوں میں مقید ہونے کا۔ حکومت کیا ہے؟ حکومت کہتے ہیں ان پابندیوں کے مجموعہ کو جو انسان اپنی فلاح و بہبود کی خاطر اپنے اوپر عائد کرتا ہے۔ ان پابندیوں کا زیادہ بہتر ہونا ...

قرآن کے الفاظ میں ان "حدود" کی تلاش انسان کے لیے فطری و ناگزیر ہے - ٹھیک اُسی وقت سے جبکہ انسان نے جنگلوں اور پہاڑوں کی زندگی کو چھوڑا اور باہم مل کر رہنا شروع کیا - انسان نے ان پابندیوں کی تلاش و جستجو شروع کی - اول اول ان حدود کی تعیین (legislation) اور ان کی تنفیذ دونوں کام اپنے ہی گروہ میں سے ایک سربراہ و شخص کے سپرد کیے - یہیں سے دنیوی حکومت کی ابتدا ہوتی ہے - ابتداءً ان حدود کی تعیین و تنفیذ کرنے والا (Executive) کہلایا - بعد میں بادشاہ بن گیا - یعنی قوانین کی تشکیل کا پورا پورا اختیار تنہا ایک شخص نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا - اسی سے کچھ ملتا جلتا نظام آمریت ہے - جس میں ایک سربراہ و ذی ہستی میں کے خلوص و غیر معمولی صلاحیتوں کی اکثر آبادی معترف ہوتی ہے - تمام نظام قانون کو ایک بڑی حد تک اپنی مرضی اور اپنی رائے سے چلاتی ہے اس کے مقابلہ میں ایک نظام جمہوری ہوتا ہے جس میں تشکیل قانون کا حق جمہور خود اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں - بہر کیف یہ سب فروعات ہیں - اسی بنیادی فرض کی ایک دنیوی حکومت قانون اور لائحہ عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوتی ہے اور اس قانون اور لائحہ عمل کی تشکیل اسکے لیے ضروری اور لابدی بھی ہوتی ہے - نیز اگر حکومت کو تشکیل قانون کا بالکل غیر محدود حق دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ اسکا ایسا ناجائز استعمال کرے جو عوام کے مفاد کے خلاف ہو - بہر حال دنیوی حکومت کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ صرف اس بنا پر ہیں کہ حکومت کی تشکیل قانون کے مسلم حق کو کس طرح محدود کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا - ایک دینی حکومت اس ضرورت سے بالاتر ہوتی ہے - وہ پہلے سے ایک مکمل نظام عمل کی حامل ہوتی ہے - اور اسی کی تنفیذ کی وہ دعویدار ہوتی ہے - لہذا دینی حکومت ان تمام اقسام یعنی جمہوریت، آمریت وغیرہ وغیرہ کا قسم نہیں بن سکتی -

دنیا میں دو قابل ذکر حکومتیں دینی ہیں - اول عیسائیت کی، دوم اسلام کی - عیسائی مذہبی حکومت ایک عرصہ تک قائم رہی، بالآخر اپنی چند اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے دنیاوی حکومت میں تبدیل ہو گئی - عیسائیت کی سب سے بڑی کمزوری اسکا کلیسائی نظام تھا - جس نے آخر کار اس مذہبی حکومت کا خاتمہ کیا - کتب سماوی یعنی وہ قانون و نظام عمل جس کی تنفیذ کی یہ حکومت دعویدار تھی، عوام کی نظروں سے ایک عرصہ تک پوشیدہ رہیں - بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پوشیدہ رکھی گئیں - کتاب آسمانی کے پڑھنے اور سمجھنے اور اس سے نظام اخذ کرنے کا حق "پیران کلیسا" نے اپنے لیے مخصوص کرا لیا - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مذہبی حکومت بجائے کسی آئین و قانون، بائبل کی حکومت نہ رہی بلکہ پیران کلیسا کی بادشاہت بن کر رہ گئی - اس نظام کلیسا کے خلاف ارتھن لوتھر نے آواز اٹھائی اور بالآخر سیاست کو مذہب سے پیچھا چھڑانا پڑا - حکومت اور کلیسا کی علیحدگی کے بعد اب یہ عیسائی حکومت قانونی طور سے دنیوی حکومت ہو گئی اور تشکیل قانون کا مصدر بجائے وحی ربانی کے عقل انسانی کی طرف منتقل ہوا -

اسلام نے شروع ہی سے اپنے اندر کسی نظام کلیسائی کی گنجائش ہی نہ رکھی - ہر بندہ کا تعلق اپنے رب سے جداگانہ ہے - کسی واسطہ کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں - احکام ربانی ہر شخص کے ہاتھوں میں ہیں - اور انکی تنفیذ ہر شخص کا انفرادی فرض ہے - اس لیے اسلام میں کبھی بھی ایک لوتھر کے پیدا ہونے کا امکان نہیں - ہاں البتہ اگر خانقاہ کے چند بے عمل و بیکار ملاؤں نے مذہب کی آڑ لیکر عوام کی عقل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور "پیران حرم" بننے کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے تو یقیناً محمد بن عبد الوہاب اور مصطفےٰ کمال ضرور پیدا ہوتے رہیں گے ....

اسلام ایک تھیوکریسی (Theocracy) یعنی مذہبی حکومت ہے جو دین ہے وہی عین سیاست ہے - ایک صحیح اسلامی حکومت کو نہ تو جمہوریت کہا جا سکتا ہے نہ آمریت و شخصیت - اس لیے کہ یہ سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب تشکیل قانون کی ضرورت درپیش ہو - اسلام تو ایک مکمل نظام عمل پیش کرتا ہے اور ایک اسلامی حکومت کا مقصد صرف اس نظام عمل کی تنفیذ ہو سکتا ہے - اسلامی حکومت کے محض تنفیذی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت لفظ "نائب" یا "خلیفہ" میں پایا جاتا ہے - امیر المومنین کا درجہ صرف ایک نائب اور عامل کا ہے یعنی اس کو تشکیل آئین کا کوئی (constitution) کا حق حاصل نہیں - اس کا منصب صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے حاکم بالادست کے احکام کی تعمیل خود کرے اور دوسروں سے کرائے - یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ "اسلامی حکومت" مسلمانوں کی حکومت کا نام نہیں - بلکہ حقیقت میں یہ نام "اسلامی حکومت" بھی کچھ موزوں و مناسب نہیں - صحیح اسلامی روح کا خیال رکھتے ہوئے مناسب یہ ہوگا کہ اس کو "اسلام کی حکومت" کہا جائے - اس لیے کہ "اسلام کی حکومت" میں اقتدار اسلامی آئین و قوانین کا ہوتا ہے - نہ کہ کسی ذات کا -

ایک اسلامی حکومت کو اس امر کی ضرورت نہیں کہ وہ ایک پارلیمنٹ یا سینٹ (Senate) قائم کرے جو شراب نوشی کو ممنوع کرنے کا قانون پاس کرے، کچھ روز تجربہ کرے، اور اسکے بعد پھر اپنے ہی پاس کردہ قانون کی تنسیخ کرے - اسلام کو اس بات کی ضرورت بھی نہیں کہ وہ اپنے اندر ایک ہندوستان جیسا ایک (Constitutional Committee) بنائے اور اسکے اندر بیٹھ کر فیض رحمانی کی بدولت اکثریت کے ووٹ سے شراب نوشی کو بند کرائے - اسلامی حکومت اس بات کی محتاج نہیں کہ اسکی پارلیمنٹ (Temple entry Bill) (Mosque entry Bill) کی طرح کسی (Divine Bill) پر غور کرے - اسلام میں کسی ایسی اسمبلی کی ضرورت نہیں جس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق کوئی بل پیش کیا جائے - اور (Divine Bill) پر دھواں دھار تقریریں ہوں - اسلامی حکومت کو کوئی جدید قانون وراثت بنانے کی ضرورت نہیں - اسلامی حکومت کے پاس پہلے سے ایک اٹل قانون تعزیرات موجود ہے - اس لیے اس کا امکان نہیں کہ وقتاً فوقتاً (Amendment Bills) یعنی ترمیم قانون کے مسودے پیش ہوتے رہیں - ایک اسلامی حکومت کے لیے کسی (Money Bill) کا تخیل ہی ممکن نہیں - ایک اسلامی حکومت کے لیے پہلے یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ زرعی پیداوار سے عشر یعنی دس فیصدی بڑھانے ... بڑھائی فی صدی سے زیادہ ٹیکس وصول نہیں کر سکتی - اس لیے اسلامی حکومت کے لیے کبھی کوئی ایسا وقت نہیں آسکتا کہ وہ ایک (Reduction Bill) شائع کرے اور کسانوں سے پچاس فی صدی کمی لگان کے وعدے کرے اور وہ بعد میں پورا کر سکے یا نہ کر سکے یہی کیا بلکہ اس کا امکان بھی نہیں کہ عارضی چھوٹ کے متعلق بھی کسی تجویز پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئے - اس لیے کہ عشر زمین کے رقبہ پر نہیں بلکہ واقعی زرعی پیداوار پر لیا جائیگا - (باقی)

میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں"

(رسالہ نگار، جون سنہ ۴۰ء، ص۶۳)

جو شخص کا اعلان اس صراحت کے ساتھ ارتداد کا ہے، وہ "قومی حیثیت سے" اب تک مسلمان ہے! قوم بھی اُسے مسلمان سمجھے جا رہی ہے اور وہ خود بھی شاید اپنے مسلمان سمجھے جانے پر مُصر ہے! ——— اس سے زیادہ صراحت و صفائی آخر اعلان ارتداد کی اور ممکن کیا ہے؟ ایک طرف اسے دیکھیے، اور دوسری طرف اسے سوچیے کہ دونوں نے کیا عجیب ترکیب ہے، قوم کی رواداری یا اس شخص کی دُشنائی؟ ——— اسلام اب گویا نام اپنے ذاتی عقیدہ کا بالکل نہ رہا، بلکہ ہندوؤں کے ہاں کی طرح ایک ذات پات ہے، کہ جو کچھ چاہیے سمجھیے، جو کچھ چاہیے کر لیجیے، جو عقیدہ اور خیال چاہیے رکھیے — اسلام ہر حال اور ہر صورت میں زندگی کے آخری سانس تک لپٹا اور چمٹا ہی رہیگا!

ابوجہل کا نیا پرزہ

"جو لوگ رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے، اس لیے قرآن میں واقعہ ابراہیم کا پایا جانا اس امر کی دلیل تو ضرور ہے کہ رسول اللہ نے اسے جھوٹ نہیں بیان کیا، یعنی اپنی طرف سے گھڑ کے نہیں بیان کیا، لیکن اسکا اثر نفس واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر بالکل نہیں پڑتا — کلام مجید میں اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ اسے کلام مجید میں درج ہونے کی وجہ سے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ عہد نبوی میں اس قسم کی روایتیں توریت و انجیل کے حوالے سے لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے کے لیے یہود و نصاریٰ کی طرف سے عام طور پر بیان کی جاتی تھیں، اور چونکہ توریت و انجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا، اس لیے رسول اللہ نے بھی ان کو محض اعتبار و بصیرت کے لیے بیان کر دیا، اور اس سے کوئی بحث نہیں کی کہ وہ صحیح ہیں یا غلط" (نگار، جون سنہ ۴۰ء، ص۶۹)

گویا قرآن مجید ہرگز ایسی کتاب نہیں، جس کا لفظ لفظ، حرف حرف الہامی ہو، بلکہ ایسی بھی نہیں، جیسے نیاز فتحپوری جیسے کسی انسان کے مرتب کیے ہوئے مستند و معتبر تاریخی مضامین ہوتے ہیں، بلکہ اس کے قصص و حکایات بس اُسی درجہ کا استناد رکھتے ہیں، جیسے چھوٹے بچوں کو ڈرانے اور بہلانے کے لیے جاہل مائیں اور نانیاں، بھوت پریت، دیو، پریوں کی کہانیاں سنایا کرتی ہیں؟ اور رسول اللہ باوجود ایک بلند اخلاق اور سچے انسان ہونے کے (نعوذ باللہ) اتنا بڑا تاریخی اور بے مثال جھوٹ بول گئے کہ سارے قرآن کو اپنی طرف سے گڑھ کے اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا! ——— گویا رسول سے متعلق لفظ بلفظ، حرف بحرف وہی تشخیص، جو سرداران جاہلیت، ابوجہل و ابولہب نے کی تھی کہ محمد ہیں تو صادق و امین، لیکن (نعوذ باللہ) افترا علی اللہ میں عمد، جری و بیباک"! ——— یہ معنی ہیں ابوجہل کے نئے پرزہ کے، بیسویں صدی عیسوی میں!

جنگِ فرنگ

"ہم لوگ ۲۰ جون کو لائن پر پہنچ گئے .... محسوسات کی لڑائی کہ ایک عارضی وقفہ میں آڑ سے ایک آواز آئی۔ ایک سپاہی دوسرے سے کہہ رہا تھا، "یار یہاں شہر امینس (Amieneus) میں کوئی میوہ نظر آتی" — دوسرے نے جواب دیا "تم نے تلاش ہی غلط جگہ کی" — ایٹن (Eton) کا پڑھا ہوا [illegible] آلٹران ([illegible]) مجھ سے پوچھ کر شہر میں کہ اولڈ بوائز کی دعوت میں گیا تھا، وہ واپس آگیا ہے، اور [illegible] وہی کر رہا تھا — ایک گولہ دفعۃً آکر پھٹتا ہے، اور دونوں بات کرنے والے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں" (A Brass Hat in no Man's Land ص۹۴)

روایت کسی دشمن یا مخالف کی زبان سے نہیں، خود برطانوی فوج کے افسر بریگیڈیئر جنرل کروزیئر کی زبان سے ہے [illegible] "تہذیب فرنگ" کے عنوان سے [illegible] — آج [illegible] کی تو خبر نہیں، [illegible] اسی شدت سے فرانس کی سرزمین پر [illegible] تھی! ——— لڑائیاں مسلمان بھی لڑے ہیں، [illegible] اپنی جنگوں کے فیصلے ہیں — بدر و حنین کے معرکوں کو چھوڑیے، اسکے بعد شام و عراق و ایران و مصر کے میدانوں کو لیجیے، ہمارے سپاہیوں کو بھی یہی تلاش رہا کرتی تھی؟ ہمارے جوان مجاہدوں کے لیے بھی "ساقی" "شاہد" کی [illegible] انتظامات رہا کرتے تھے؟

آزادی میں ناکامی

"پبلک زندگی میں عورت کے حصہ لینے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مرد سے مقابلہ اور مسابقت شروع ہو جائے، بلکہ عورت تو اسے مل جل کر اتحاد عمل و اشتراک عمل کی نیت سے انجام دینی چاہیے — عورت کا اہم ترین و مقدم ترین فرض اپنی اولاد کو بہ حیثیت بہترین خادم ملک و قوم کے تربیت دینا ہے ..... عورت اگر دل پر رکھ لے، تو اپنے گھر کے اندر سے، جہاں وہ مالک و ملکہ ہوتی ہے، بدیسی مصنوعات کو یکلخت دُور کر سکتی ہے" (تقریر مسز رادھا بائی سبرایان، ممبر مرکزی اسمبلی، مندرجہ روزنامہ ہندو، ۲ جون سنہ ۴۰ء)

اس نصیحت کی بھی خوب رہی! اسکے معنی تو یہ ہوئے کہ گویا عورت "آزاد" ہو کر بھی قید ہی رہے! وہی بچوں کی پرورش و پرداخت، وہی خانہ داری کے فرائض، وہی مردوں کے ساتھ دب کر اور بچ کر، صلح و آشتی سے کام کیے جانا۔ آخر ایسی "آزادی" سے حاصل کیا ہوا؟ آزادی کا سارا لطف تو مردوں سے مقابلہ و مسابقہ اور انہیں نیچا دکھانے ہی میں ہے، جب یہی لطف نہ حاصل ہوا، تو اس نئی آزادی سے پرانی قید ہی کیا بری ہے!

فطرت بشری اور مذہب

"شاعر اعظم" کی نظم پر جو مختصر تبصرہ "نئی شاعری" کے عنوان سے صدق نمبر ۳۸ میں شائع ہوا ہے، اُسے پڑھ کر فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی تحریر فرماتے ہیں:—

"شاعر اعظم" یا خادون کے معتقدات کے کلام کی آپ نے خوب خبر لی — جو بات میرے دل میں تھی، آپ نے سب ہی کچھ لکھ دیا۔

البتہ جن الفاظ سے آپ کا تعلق مدت ہوئی ٹوٹ چکا تھا، پھر انکے دوہرانے سے ایک نیا لطف ملا۔ اجتماعِ نقیضین ارتفاعِ نقیضین منطق کی ان اصطلاحوں کے استعمال کی نوبت غالباً ایک مدت کے بعد آئی ہوگی ۔۔۔۔

سچ کہتا ہوں جب مغرور و خیراتی عقل والوں سے سنتا ہوں کہ انسانی فطرت بدل جانے سے مذہب کا دنیا میں زندہ رہنا باقی نہیں رہ سکتا تو میں ہنستا ہوں، اس مسکین کی عقل پر ہنستا ہوں، یہ بھی نہیں جانتا کہ مذہب جس سوال کا جواب ہے وہ سوال [illegible] انسان ہے یعنی انسان اور اسکے خاص جذبات و احساسات، اسکی فطرت کی گہرائیوں سے دم بدم ابھرنے والے سوالات جنکا روکنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے، ان ہی کا جواب تو مذہب ہے۔ مذہب نے جو ان سوالوں کے حل کی انتہا کی ہے اسکے سوا جو راہ بھی اختیار کی گئی، یا کی جا رہی ہے، یا آیندہ کی جائیگی تفصیلاً نہ سہی اجمالاً ہر انسان میں اسکا فیصلہ موجود ہے اور وہ یہی جواب دے رہا ہے، لیے جانے دے رہا ہے۔ ممکن ہے لفظوں کے گورکھ دھندوں اور استعارات و تشبیہات کی بھول بھلیوں میں پھنسا کر چند دنوں کے لیے انفعالی و اثر پذیر نفوس کو بھٹکا لیا جائے لیکن فاعلانہ قوتوں کے رکھنے والوں نے ہمیشہ عنکبوت کے ان تاروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

"انسان بدل گیا ہے" جو پہلے تھا، اب نہیں رہا ہے! کیونکہ اسکا جوتہ بدل گیا ہے، ٹوپی بدل گئی ہے، جس گلاس میں پانی پیتا تھا وہ بدل گیا ہے، جس گھر میں رہتا تھا، اسکا نقشہ بدل گیا ہے۔ حالانکہ انسانیت کو ان چیزوں سے کیا تعلق ہے۔ جن صفات پر انسانیت کی بنیاد ہے، اور انسان کے جن صفات پر مذہب کی تعمیر ہوئی ہے خدا کی قسم وہ لازوال اور اٹل ہیں۔ جب تک آدمی ہے انھیں صفات کے ساتھ اسکا رہنا ضروری ہے۔ شیر کو کب تک گھاس کھلاؤ گے؟ اور مچھلی کو پانی سے باہر کرکے کب تک اسکو جلاؤ گے؟ "زمانہ بدل گیا، اس لیے مذہب کو بھی بدلنا چاہیے" اس عام مغالطہ کے خلاف بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ جزائے خیر دے، کہ آپ نے کھل کر پہلی دفعہ اس کا اظہار کیا، میں تو مدت سے اس مغالطہ کی بربادیوں پر جل رہا ہوں۔"

دشمن کی دوستی

"شملہ۔ ۳۰ مئی۔ پنڈت نہرو کی تنبیہ آمیز والی تقریر سے یہاں حکام کو بڑی طمانیت حاصل ہوئی ہے۔ دو فقروں کا خاص طور پر اثر حکام پر پڑا ہے۔ ایک تو اس کا، کہ ہندوستانی مرجانا قبول کریں گے لیکن ہٹلر یا کسی اور حملہ آور کی اطاعت نہ قبول کریں گے۔ دوسرے اس کا کہ خطرہ کے وقت، انگریز مرد، عورت، بچہ کا تحفظ ہر ہندوستانی اپنے فخر و مسرت کا باعث سمجھے گا ۔۔۔۔ عجب نہیں کہ پنڈت نہرو کی یہ تقریر لندن بھیج دی گئی ہو۔" (پانیر کا وقائع نگار خصوصی۔ یکم جون سنہ ۴۰ء)

پنڈت جی نے صحیح کہا یا غلط، اچھا کہا یا برا، سوال اسکا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ کوئی مسلمان لیڈر اس کا آدھا بھی کہتا، اور اُس کی تقریر بھی شملہ کے اعلیٰ سرکاری حلقوں سے داد و تحسین کے ساتھ لندن پہونچائی گئی ہوتی، تو اُس غریب کو "آزاد" قومی پریس کے ہاتھوں کے لمحے سکون کے نصیب ہوتے؟ کس زور سے ڈھول "اسلامی سرکار پرستی" "برطانیہ دوستی" "سامراج پسندی" کا نہ پیٹا گیا ہوتا! اور کوئی درجہ ملامت، تحقیر و تمسخر کا اُس ناشدنی "ٹوڈی" کے لیے اٹھا رہتا!

تین افسوسناک موتیں

پچھلی پندرھویں میں تین افسوسناک وفاتوں کی اطلاعیں آئیں۔ بھوپال میں [illegible] العلوم مولوی مفتی انوار الحق ایم اے نے انتقال کیا۔ مرحوم ایک مشہور عالم شمس العلماء مولانا عبد اللہ ٹونکی کے فرزند اور خود بھی بڑے صاحبِ علم تھے۔ ایم اے ہونے کے باوجود حبِ دین و حبِ مذہب میں غرق تھے۔ مدت دراز ہوئی "اثبات واجب الوجود" کے نام سے انگریزی کی ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ دینی و علمی مشاغل آخر عمر تک جاری رہے۔ سنہ ۳۵ء میں جب [illegible] نکلا تھا، تو بھوپال سے موصوف کے خطوط ہمدردی، حوصلہ افزائی، اور عملی اعانت کے آیا کرتے تھے۔ خود عالم ہونے کے ساتھ ہی دوسرے اہلِ علم کے سرپرست بھی تھے۔ اللہ مراتب عالیہ نصیب کرے۔

حیدر آباد دکن میں منشی لطیف احمد مینائی اختر یار جنگ بہادر نے وفات پائی۔ مرحوم اردو کے مشہور شاعر حضرت امیر مینائی کے صاحبزادہ اور خود بھی ایک خوش فکر (اگرچہ کم گو) شاعر تھے۔ پختہ سال تھے۔ صدق کے قدر افزا اور مدیر صدق کے کرم فرما۔ مدتوں دولت آصفیہ میں محکمۂ امور مذہبی کی نظامت و معتمدی پر سرفراز رہے اور اپنے زمانہ میں قابل قدر دینی خدمات انجام دیں۔ فیاض و مخیر تھے۔ خدا معلوم کتنوں کی خفیہ اور کتنوں کی علانیہ امداد کرتے رہے۔ اللہ بہتر سے بہتر درجات توفیق فرمائے۔

تیسری موت، لکھنؤ کے پرانے ادیب و زباں دان خواجہ عبد الرؤف عشرت کی ہے۔ مرحوم کی ساری عمر خدمت زبان و ادب میں گزری۔ اردو میں اچھے، دلچسپ اور شگفتہ لکھنے والے بہت سے ہیں، رنگین فقرے اور شوخ عبارتیں لکھنے والے اچھی خاصی تعداد میں ہیں، لیکن صحیح زبان لکھنے والے، لفظوں، محاوروں، ترکیبوں کی صحت کا لحاظ رکھنے والے بہت ہی کم ہیں، صرف چند، انگلیوں پر گننے کے قابل۔ انھیں معدودے چند میں ایک ذات مرحوم کی بھی تھی۔ بڑے باوضع، سادہ مزاج، بامروت، مشرقی تہذیب و تمدن کا ایک دلکش نمونہ تھے۔ عقائد میں پختہ، مذہبی اور دیندار۔ حق تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول کرے اور جوار رحمت خاص میں جگہ عطا فرمائے۔

(بقیہ صفحہ ۷)

حد تک بڑھ گیا کہ داری نے تو قرآنی جنت پہ صرف "حیوانی جنت" کا فقرہ چست کیا تھا، لیکن رقص کرنے والوں نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا، اور خاک بدہن بدزبان کے چٹکلے اور گھونسوں کے لگو سے بدتر انکی نگاہوں میں وہی جنت نظر آئی، جسکی دید کی تمنا میں تیرہ سو سال سے مسلمان انکے اکابر و اعاظم اس دنیا سے سفر کر رہے ہیں! ارشاد دن کو اگر رات کہے تو ماہ و پروین کے دیکھنے کا بھی غلغلہ بلند کر دینا چاہیے۔ ملوکیت کے زمانہ کی ان پیداواروں میں اسکی کتنی اچھی مثال پائی جاتی ہے؟ مجاز و استعارہ کا لطیفہ بھی خوب تراشا گیا ہے، اس آڑ میں جس لفظ سے جب چاہیے آپ اسکے دینی معنی کو پامال کر ۔۔۔

جاتا ہے، جو کچھ یہ چھپائے ہوئے ہیں)۔

۷۔ الذین قالوا لاخوانہم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرءوا عن انفسکم الموت ان کنتم صدقین۔

یہ لوگ ایسے ہیں کہ خود تو بیٹھے رہے[۲۷] اور اپنے بھائیوں[۲۸] کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے[۲۹]، تو قتل نہ کیے جاتے۔ آپ[۳۰] کہہ دیجیے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹا دو اگر تم سچے ہو[۳۱]۔

۸۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم

۹۔ یرزقون فرحین بما اتٰہم اللہ من فضلہ ویستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المومنین

۱۰۔

اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں، مردہ[۳۲] مت خیال کر[۳۳]، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں[۳۴] اپنے پروردگار کے پاس[۳۵]، اور انھیں رزق ملتا ہے[۳۶]۔ خوش ہیں اس چیز سے، جو اللہ نے انھیں عطا کی اپنے فضل سے[۳۷]، اور جو لوگ ان کے پیچھے والوں میں سے ابھی ان کے پاس نہیں آ پہنچے ہیں[۳۸] ان کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف ہونے والا اور نہ وہ مغموم ہونے والے ہیں۔ وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت[۳۹] وفضل خداوندی[۴۰] کے، اور بوجہ اسکے کہ اللہ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا[۴۱]۔

---

۲۷ (اور لڑائی میں شریک نہ ہوئے)

۲۸ بھائی، عقیدہ و دین کے اعتبار سے نہیں، وطن و نسب کے لحاظ سے۔

۲۹ (اور ہماری ہی طرح جنگ سے علیحدہ رہتے۔)

۳۰ (اے ہمارے پیغمبر!)

۳۱ یعنی اگر تمہارے خیال کے مطابق موت، معرکۂ جنگ میں جانے ہی سے ہوتی ہے، تو تم تو بہرحال جنگ سے احتراز کیے ہو، دیکھنا ہے کہ تم موت سے کب تک بچے رہتے ہو۔

۳۲ (عام انسانوں کی طرح)

۳۳ (اے مخاطب!)

۳۴ ایک حیات مخصوص کے ساتھ۔

۳۵ (اور اسکے مقرب ہیں)

۳۶ اُسی حیات برزخی کے مناسب۔

۳۷ یعنی اُنکے مراتب عالیہ۔

۳۸ (اگر کچھ روز بعد شہید ہو کر اُنکے پاس پہنچیں گے)

۳۹ نعمت یہ کہ انھیں پورا پورا اجر ملا۔

۴۰ فضل یہ کہ انعام و اکرام حق سے کہیں بڑھ کر ملا۔

۴۱ اس حقیقت کا اُنھیں عینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔

جنت و جہنم

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ العالی)

(بسلسلۂ صدق مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء)

"صدق" کے پچھلے نمبروں میں سے ۲۰ مئی کے پرچہ میں خاکسار کے جس عریضہ کو نقل فرما دیا گیا ہے، یوں تو مجھ پر بھی اُسکے سادہ الفاظ اور غیر مصنوعی احساسات کا اچھا اثر پڑا۔ لیکن اندیشہ ہوا کہ بعض اجمالی اشاروں سے لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ نہیں میرے متعلق بھی یہ خیال نہ کر لیا جائے کہ میں آخرت اور اسکے مادہ کو موجودہ دنیا سے اتنا مختلف خیال کرتا ہوں کہ الفاظ کے سوا قرآنی آخرت کے سلسلہ میں ایمان کسی معنی پر باقی نہیں رہتا، جیسا کہ پہلے بھی اور پچھلے دنوں میں بھی بعض خاص مغالطوں سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے عربی زبان کے جن الفاظ سے حق تعالیٰ نے جن معلومات کو عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے الفاظ کو تو تسلیم کر لیا، لیکن جب معنی کے سمجھنے کا وقت آیا تو انھوں نے خدا کے معلومات کو خدا ہی کے سپرد کرکے خود اپنے یا اپنے جیسے انسانوں کے ایجاد تخیلات پر اصرار کرنا ضروری خیال کیا۔ پرانے زمانہ میں اخوان الصفا کے مصنفین نے اور ہمارے ملک میں علیگڈھ کے سید صاحب نے اپنی تفسیر میں پادریوں کے اس پست فقرہ سے متاثر ہو کر کہ "قرآن کی جنت حیوانی جنت ہے" خصوصاً اس فقرہ میں پستی اس لیے اور زیادہ پیدا ہو گئی، کہ پادریوں کے دائرہ سے نکل کر علم و حکمت کے مدعیوں نے بھی ادعاءِ بے تعصبی کے ساتھ اسی کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا۔ محکومیت کے گھاؤ سے جن کے سینے مجروح تھے، پادریوں سے گزر کر جب انھوں نے دیکھا کہ دکاترہ کی زبانوں پر بھی یہ فقرہ جاری ہے، یہ بیچارے تلملا اٹھے، گھبرا کر

مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا ... عا کیے

مرعوبیت کے ابتدائی دوروں میں ان مبتلا ہونے والوں کی زبان و قلم سے جس قسم کا اول فول نکلتا رہا، اُسی کو اپنی کتابوں میں لکھتے چلے گئے۔ ان بندگان خدا نے ایک لمحہ کے لیے اس کی زحمت گوارا نہ کی کہ آخر "غیب" جسکی "ذات" ہی کے متعلق فلسفہ شک میں مبتلا ہے اور سائنس جسے اپنے حدود بحث سے خارج سمجھتی ہے، پھر اُسکے "صفات" کے متعلق ان علوم کی راہنمائی میں کیا بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن صرف یہ اتفاق کہ جس ملک کے باشندوں نے قرآن کی جنت کے متعلق یہ فقرہ تصنیف کیا تھا، اُسی ملک کے ہاتھ میں آج کل عقلی علوم کا جھنڈا ہے۔ ان مسکینوں نے سمجھا یا اور محض اسی اتفاقی واقعہ کی بنیاد پر سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو قرآن کی جنت پر انکا یہ اعتراض بھی سائنس ہی کا کوئی مسئلہ یا فلسفہ ہی کا کوئی نظریہ ہے۔

حالانکہ واقعہ کی کل نوعیت یہ تھی کہ صدوقی فرقہ (جسکے متعلق انجیل میں ہے کہ قیامت کے منکر تھے) اس فرقہ کے ایک مسخرے یہودی نے حضرت مسیح علیہ السلام سے مشہور استہزائی سوال جنت کے متعلق کیا تھا۔ یعنی سات شوہروں سے یکے بعد دیگرے ان کے مرنے کے بعد شادی کرنے والی عورت

"قیامت میں ان ساتوں میں سے کس کی بیوی ہوگی؟"

کہا جاتا ہے کہ اسی سوال کے جواب میں حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا

"قیامت میں شادی بیاہ نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کے مانند ہوں گے" (متی ۲۲: ۳۰)

یہ وہ انجیل کا ہی نظریہ ہے جسکی بنا پر عیسائی سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان انسان باقی نہیں رہتا، بلکہ جیسا کہ بعض مذاہب میں خیال ہے کہ آدمی مرنے کے بعد کبھی گھوڑا، اور کبھی چوہا وغیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے نزدیک مرنے کے بعد آدمی فرشتہ ہو جاتا ہے۔ گویا سارے مجاہدات اور ساری قربانیوں کا آدمی کو قدرت کی طرف سے یہ صلہ ملتا ہے کہ انسانیت اور اسکے سارے احساسات چھین لیے جاتے ہیں۔ یہ سزا بصورت جزا ممکن ہے کہ عیسائیوں کی فطرت کے مطابق ہو، لیکن جو واقعی انسان ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس عذاب کو آخر کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ بالکلیہ سلب ہو جانا تو بڑی بات ہے، آج اگر کسی کے انسانی احساسات میں کسی قسم کی کمی واقع ہوتی ہے تو ڈاکٹروں اور حکیموں کے دروازوں کی وہ خاک اڑا دیتا ہے، افریقہ سے بندر منگالے جاتے ہیں، اور آدمی کے انسانی احساسات کو زندہ کرنے کے لیے بندروں کے غدود سے کام لیا جاتا ہے، کروڑوں روپے کی دوائیں انسانی احساسات کی بیداری کے لیے خرچ ہو رہی ہیں، جنکے برباد اور ضائع کرنے کے لیے عیسائی مرہم [illegible] کرتے ہیں۔ اس عیسائی یا [illegible] جنت کا نام "روحانی جنت" رکھا گیا ہے۔

اور ہمارے مدعیان اس خالص عیسائی عقیدہ کو سائنس کا کوئی اہم مسئلہ قرار دے کر قرآن کے الفاظ کو اسی کی ترجمانی سے تعبیر و [illegible] کر دنیا کے سامنے اس [illegible] کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ ہم بھی آخرت کے متعلق ان ہی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جن پر ہمارے حکام کا ایمان ہے اور ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جن سے ہمارے آقاؤں کو انکار ہے۔

انجیل کے اس بیان کے سوا چونکہ عورت بھی یہودی اور عیسائی مذاہب میں جنت سے نکلنے کی وجہ اور دنیا کی ساری مصیبتوں، گندگیوں اور شرارتوں کا سرچشمہ ہے، اسی لیے بڑے بڑے پوپوں نے اپنی ماؤں اور بہنوں کو مجسم شیطان "مصدر گناہ"، "مطابق نجاست اور گندگی" قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت جو قرب الٰہی کا مقام ہے اس کی تقدیس کے لیے عورت کا وجود چونکہ ناپاک داغ تھا، اس لیے قرآنی جنت کا جو عنصر سب سے زیادہ عیسائیوں اور عیسائی مزاجوں کو گراں بلکہ اب تو قریب قریب انگارہ کی شکل اختیار کر چکا ہے وہ "حورعین" "ہم وازواجہم" وغیرہ کے بیانات ہیں، جس میں مردوں کے ساتھ جنت میں "عورتوں" کو بھی فی ظلال علی الارائک متکئون (چھاؤں میں چھپرکھٹوں پر تکیہ لگائے) کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، بلکہ مرد بیٹوں کی جنت کو اسلام نے عورت ماں کے قدموں کے نیچے ڈال دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذہب اور مذہبی علم و عمل جو انسانیت کے ارتقاء و تنزل سے بحث کرنے والا نظام ہے جیسا کہ ہر علم کی ایک غایت اور غرض ہوتی ہے، اسی طرح اسکی غرض و غایت کو متعین کرتے ہوئے، اسلام کہتا ہے کہ جو انسانی ہے وہ مذہبی عقائد و اعمال کی راہ سے نہ خدا بنتا ہے، اور نہ گھوڑا، نہ ہاتھی، نہ فرشتہ اور نہ شیطان، بلکہ انسان بہرحال انسان ہی باقی رہتا ہے، البتہ ناکمل انسان مکمل اور اسکی ناتشفی یا کنہ فطرت تشفی کی انتہائی منزلوں تک ارتقا کرتی ہوئی چلی جاتی ہے، اسی لیے قرآن انسان سے انسانی احساسات کے چھین جانے کا نام جنت نہیں رکھتا، بلکہ آدمی کی آنکھ جو کچھ دیکھنا چاہتی ہے وہ اسے دکھایا جائے گا۔ جو کان جو کچھ سننا چاہتے ہیں وہی سنایا جائیگا، زبان جو کچھ چاہتی ہے اسکی تکمیل کی جائیگی۔ الغرض انسان جو دراصل چند احساسات اور خواہشوں کا مجموعہ ہے اسکی تکمیل کی جائیگی، اس حد تک کی جائیگی جسکی کوئی اجتماعی یا انفرادی نظیر دنیا کے موجودہ نظام میں پائی نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ذات کی حد تک عالم آخرت کی دونوں ممالک (الجنۃ و النار) کے متعلق قرآن مجید نے تفصیل کے ساتھ ان کے موسم[1] آب و ہوا، دریا، پہاڑ، نباتات، حیوانات سب کا ذکر کیا ہے اور اسی لیے ہم ان ممالک میں بھی ان ساری چیزوں کو مانتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اس دنیا میں ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ہاتھوں سے چھو رہے ہیں، ان مسکینوں کی عقل پر کیا آفت آئی ہے کہ جب دوسری دنیاؤں میں انھیں چیزوں کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو [illegible] نظرتوں میں کیا وجہ انقباض سا پیدا ہوتا ہے۔ مفہوم کا انکار کرتے ہیں اور مجہول پر ایمان لانا چاہتے ہیں، لیکن جب ذات سے آگے بڑھ کر ان ہی چیزوں کی صفات کی قرآن تفصیل شروع کرتا ہے۔ مثلاً جنت کی بوتلوں کی تیاری، ایسے عنصر سے ہوگی جس کی تعبیر قرآن نے قواریر من فضۃ (شیشے جو چاندی کے ہیں) سے کی ہے یا دودھ کی نہروں کے پانی کو غیر آسن (نہ سڑنے والا) قرار دیتا ہے، یہی دودھ جو یہاں تھنوں سے نکل کر بہہ رہا ہے، نہروں میں بہنے لگے گا، یا یہی شکر جو یہاں پھولوں کے رس سے شہد کی صورت میں تیار ہوتی ہے، مکھی کے معدہ میں تیار ہوتی ہے، یا جنت کی فضاؤں میں تیار ہوگی، یا وہاں کے میوہ دار درختوں کے پھل فصلوں اور موسموں کی قید سے آزاد ہوں گے وہ غیر ممنون (نہ ختم ہونے والے ہونگے) نہ گھٹنے والے ہوں گے۔

اسی طرح کھانے کے ساتھ قضاء حاجت، پینے کے ساتھ پیشاب کی ضرورت، یا پسینہ کی کراہت، شباب کے ساتھ بڑھاپا، صحت کے ساتھ مرض، زندگی کے ساتھ موت، الغرض دنیا کی ہر مسرت کے پھول کے ساتھ جو کلفت کا کانٹا چھپا ہوا ہے، جب کہا گیا کہ انسانی زندگی جنت میں برائی کے ان پہلوؤں سے پاک ہوگی۔ اسی طرح جہنم کی ناری فضا کو بجائے روشن ہونے کے دھوئیں کی چھاؤں جیسی سیاہ، اسکی غذاؤں کو لا یسمن و لا یغنی من جوع (نہ فربہی پیدا ہو نہ بھوک کی تکلیف سے رہائی ہو) اس آگ میں سیاہ کوئلہ اور راکھ ہونے کے احساسات کو تیز کرنے کے لیے تروتازہ کھالیں آدمی میں پیدا ہونگی اور جہنمی نباتات میں اسی کی حرارت سے بالیدگی اور شادابی پیدا ہوگی وغیرہ وغیرہ صفاتی امور، تو یہی لوگ جو معلوم کو چھوڑ کر "روحانی جنت" کے مجہول تخیل کی طرف بھاگ رہے تھے، یکایک پلٹ پڑتے ہیں، اور چونکہ اس دنیا میں کوئی چیز ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ان کے یا انکے تحقیقی اساتذہ کے علم میں نہیں آئی ہیں اس لیے چیخ اٹھتے ہیں، ہم اسی پر ایمان لا سکتے ہیں یا لائیں گے جو ہمیں پہلے سے معلوم

---

[1] "لا یرون فیہا شمسا ولا زمہریرا" جنت کا موسم، و ظل من یحموم (دھوئیں کی چھاؤں) جہنم کا موسم، فی سموم (زہریلی لو) جہنم کی ہوا۔ و حمیم (آب گرم) گویا جہنم کی آب و ہوا کا یہ بیان ہوا۔ اسی طرح جنت کے میوؤں اور چشموں انہار، جہنم کے عین آنیۃ (گرم چشمے) وغیرہ جہنم کے پہاڑ صعود۔ اسی طرح جنات تجری من تحتہا الانہار جنتی نباتات۔ الغرض غسلین زقوم وغیرہ جہنمی نباتات، جہنم کے حشرات مثلاً سانپ بچھو وغیرہ کا ذکر حدیثوں میں ہے، و لحم طیر میں جنت کی چڑیوں کا۔ تفصیل مقصود نہیں ہے ورنہ قرآن و حدیث سے بآسانی ان دونوں ممالک کے جمادات، نباتات، حیوانات، آب و ہوا وغیرہ کا ذکر پیش کیا جا سکتا ہے۔

جو ہمیں پہلے سے معلوم ہوں۔ ان ذہنی آوارہ گردیوں کا آخر کوئی علاج ہے۔ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے عربی زبان کے جن الفاظ سے جو علم ہمیں عطا کرنا چاہا ہے، ہم اُن سے اپنے معلومات میں اضافہ بھی کرتے۔ یعنی جب ہم سے کہا گیا تھا کہ آخرت کے ممالک میں بھی جمادات و نباتات، دریا پہاڑ وغیرہ ہیں تو جو چیزیں ہم دیکھ رہے ہیں اُن ہی چیزوں کو ماننے میں ہمیں آخر عذر کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کہ یہاں تو یہ چیزیں ہو سکتی ہیں اور وہاں نہیں ہو سکتیں۔ یہ یہاں اور وہاں کا فرق کتنا عجیب ہے۔ ایک ایسا آدمی جو اس دنیا میں چند سال ہوئے آیا، وہ چند ہی سال بعد چلا جائیگا، وہ یہاں اور وہاں کی تقسیم آخر کس بنیاد پر کر رہا ہے۔ جو یہاں جو کچھ ہو سکتا ہے وہاں نہیں ہو سکتا، آخر اس قسم کی مضحک منطق کی بنا کیا ہے۔ بہرحال جو کچھ دکھایا جا رہا ہے جیسے وہی منوایا جاتا تھا، تو ماننے کے لیے اس سے زیادہ آسان مطالبہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن جن چیزوں کی ذات وہی بیان کی گئی تھی جو یہاں ہے … جنکے بتا رہے ہیں جنھیں نہ کسی کی آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ کسی دل پر اسکا خطرہ ہوا مثلاً ایسا شیشہ جو چاندی سے بنا ہو، یا ایسا عنصر جس میں شیشہ کی شفافیت اور چاندی کی چمک تو ہو لیکن چاندی کی کثافت اور شیشہ کی بے لوچی کا عیب نہ ہو، تو اپنے علم کے اضافہ سے محض اس بنیاد پر انکار نہ کرنا چاہیے کہ جو چیز آج نہیں معلوم ہوئی ہے وہ کبھی نہیں ہو سکتی۔ جو درخت یورپ میں اُگا وہ نہیں ہو سکتا وہ ہندوستان میں بھی نہیں پھل سکتا، آخر یہ بھی کوئی منطق ہے۔ قرآن میں ان ہی صفاتی عجائبات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "لا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین" (نہیں جانتا کوئی جو چھپائی گئی ہے اُن کی آنکھ کی ٹھنڈک) بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ جنت کے ہر لمحہ میں نئی عجیب صفات کا ظہور ہوگا وہ، جو پہلے لمحہ سے مختلف ہوگا۔ آیۂ قرآنی کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقا قالوا ہذا الذی رزقنا من قبل (جب دیے جائیں گے پھل اُن جنتیوں کو تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا) یعنی ذات تو اُن پھلوں کی وہی ہوگی جو انھیں دنیا یا جنت میں پہلے ملی تھی، مثلاً وہ آم ہی ہوگا یا سیب ہی ہوگا وغیرہ، لیکن صفاتی طور پر وہ تو ایسا … وہ ملتے جلتے۔ یعنی ذات میں … دوسرے پھل … نہیں ہونگے جو انھیں پہلے ملے ہونگے، بلکہ صرف صورت میں مشابہت ہوگی، اور صفات تاثیر مزہ میں بو میں … دوسری کیفیتوں میں ایسا فرق ہوگا جسے نہ کسی نے دیکھا تھا نہ سنا تھا، نہ سوچا تھا۔ اور یہ سلسلہ ہمارے تمام بیرونی و اندرونی احساسات میں جاری رہے گا۔ میں ذاتی طور پر جسمانی اور روحانی دو قسموں کا قائل نہیں ہوں بلکہ خالق کا وجود مخلوق کا وجود محض ان دو قسموں کا قائل ہوں۔ لیکن جو نہ روح کو جانتے ہیں اور نہ جسم کو سمجھ سکتے ہیں کہ واقع میں وہ کیا ہے، عرض ہے یا جوہر، خارجی حقیقت ہے یا ذہنی احساس، ان بیچاروں کی رعایت سے کہدیتا ہوں کہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کے انسانی مطالبات کی تکمیل اسی لامحدود طریقے سے ہوگی۔ مرحوم شاعر اسلام رحمہ اللہ نے

تپش ست زندگانی تپش ست جاودانی

میں اسی طرف اشارہ فرمایا، اور میں نے اپنے اس خط میں جو یہ اشارہ کیا تھا کہ جنت سے تحویل کا کوئی خواہشمند نہ ہوگا یہ دراصل سورہ کہف کی آخری آیتوں کا ماحصل ہے۔ جس میں اہل ایمان کے لیے فردوس کی مہمان نوازی کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے لا یبغون عنہا حولا (اہل فردوس اس فردوس سے باہر نکلنا نہ چاہیں گے) اسکے بعد قرآن کی مشہور آیت کلمات ربی کے متعلق ہے،

قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا	کہو! کہ اگر سمندر بھی خدا کے کلمات کے لیے روشنائی بنجائے تو سمندر ختم ہو جائے گا قبل اسکے کہ خدا کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اسی سمندر جیسا کسی اور

سمندر کا اضافہ نہ کریں"۔ اب تک میری سمجھ میں "کلمات رب" کی اس لامحدودیت کا تعلق جنت سے نکلنے کی خواہش کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، لیکن اچانک معلوم ہوا کہ پرانی چیزوں سے آدمی میں تھک جانے یا اکتا جانے کا جو جذبہ پایا جاتا ہے اسی کو پیش نظر رکھکر بتایا گیا ہے کہ جنت میں جب صفاتی عجائبات کا ظہور کلمات رب کے ذریعہ سے ہر دن بلکہ ہر وقت بلکہ ہر لمحہ میں نو بہ نو تازہ بتازہ طریقہ سے ہوتا رہیگا تو پھر جنت کی زندگی سے اکتانے کی آخر وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ حدیثوں میں اسی اجمال کی تفصیل مختلف تعبیروں کے ذریعہ سے کی گئی ہے جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

آدمی میں نئی نئی چیزوں کے دیکھنے کا جو بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے اور اس بنیاد پر کتنے ایسے ہیں جو اعزہ و اقارب سب کو لات مار کر دنیا کی سیر کے لیے نکل پڑتے ہیں لیکن چونکہ اپنے اس فطری جذبہ کا استعمال انھوں نے غلط طریقہ سے کیا اس لیے گھوم گھما کر جب گھر آتے ہیں اور لوگ پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنی سیاحت کے دوران میں کن نئی چیزوں کو دیکھا تو میں نے دیکھا ہے کہ اکثر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ آخر وہی دن وہی رات وہی ستارے وہی آفتاب وہی زمین وہی آسمان جو یہاں کہیں آدمی جائے انکے سوا اور کیا دیکھے گا۔ دنیا میں چار آنکھوں والے آدمی یا تین ٹانگوں والی مرغیاں کہاں نظر آئینگی۔ مجبور ہو کر ان جہاں دیدوں کو عموماً دروغ بیانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ ایک نئی چیز کے ذکر کے بعد انکے سفرناموں کی اکثر چیز ادھوری رہتی ہے۔ حال میں ایک سیاح سے جو سائیکل پر ہندوستان کا دورہ فرما رہے ہیں گیلانی میں ملاقات ہوئی کلکتہ سے دلی تک انکے معلومات میں صرف یہ اضافہ ہوا تھا کہ چلتے ہوئے انھوں نے ریلوے سواری کے شمالی پل کو لمبو کے قریب کی محرابوں کو گنا تھا اور واپسی میں ڈہری اون سون کے پل کے دروازوں کو شمار کرکے اپنے نوٹ بک میں درج کرکے اپنے سفر کی قیمت وصول کی تھی۔ اسکے سوا اس بیچارے کے پاس اور کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مئی اور جون کے اس مہینے میں سائیکل پر اس طرح مارے مارے پھرنا صحیح جذبہ کے غلط استعمال کا کتنا اچھا نمونہ ہے۔ حالانکہ

دلِ من مسافرِ من کہ خدا اش یار بادا　　(اقبالؒ)

کتنے عجیب عوالم اور کتنے غریب ممالک کا سفر آدمی کے سامنے ہے چاہے تو آرام و آسائش کے ساتھ اس سفر سے لذت اندوز ہو سکتا ہے اور چاہے تو اپنے اس سفر کو صرف دکھ درد تکلیف و مصیبت کی دوزخ بنا سکتا ہے۔ پورا پروگرام منزلوں کی تفصیل، ہر موڑ پر بھی نشانات لگا دیے گئے ہیں جسکا جی چاہے ان ہلاکت ناموں سے نفع اٹھائے اور جسکا جی چاہے اسکو ٹھکرا کر قدرت اور قدرت کے قوانین کی ٹھوکر کھاتا رہے، سفر سے گریز تو ممکن نہیں ہے، جیسے آج سے چالیس بیالیس سال پہلے مجھے اچانک قدرتی قوانین کے اس نظام میں لا کھڑا کیا ہے، وہی یوں ہی ایک نظام سے دوسرے نظام تک میں منتقل کرتا ہوا چلا جائیگا جس طرح اس دنیا میں آنے سے ہم اپنے آپ کو روک نہیں سکتے تھے آئندہ بھی ہم اپنے کو کہیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ میں نے اس اجمالی عریضہ کی کچھ تشریح کرنے بیٹھا تھا لیکن پورا مضمون ہی ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے سخت بیزار ہوں جو یورپ کے سائنس نما عیسائیت فروغ فلسفیہ سے متاثر ہو کر مجاز و استعارہ کی چادر اوڑھ کر "الجنۃ والنار" کے متعلق قرآنی الفاظ کی لفظی تصدیق کے ساتھ معانی کی تکذیب پر مصر ہیں۔ العیاذ باللہ ان میں سے بعضوں کا اصرار تو

صدق کا مستقبل

خریداران و قدردانان صدق کی خدمت میں، اس سے قبل ۸۔ اپریل کو میری جانب سے ایک اعلان اس مضمون کا پیش کیا گیا تھا کہ صدق کو ہفتہ وار کرنے کے بعد اس کے مصارف کے پورا کرنے کے لیے خریداروں کی تعداد میں معقول اضافہ کی ضرورت ہے، اور جب تک یہ اضافہ نہ ہوگا صدق کا مستقبل سخت خطرہ میں رہے گا۔

اس اعلان کو شایع ہوئے تقریباً ڈھائی ماہ گزر چکے، لیکن افسوس ابھی تک خریداروں کی مطلوبہ تعداد پوری ہونا تو درکنار، اس کی نصف بھی پوری نہ ہوئی۔ علاوہ اسکے صدق کی نئی جلد کے آغاز کے ساتھ متعدد پرانے خریداروں کے وی پی واپس آئے، جنکا نقصان بھی دفتر کو برداشت کرنا پڑا۔ ایسی حالت میں صدق کا مستقبل پھر خطرہ میں ہے۔ جنگ کی وجہ سے کاغذ و دیگر سامان طباعت کی غیر معمولی گرانی کے باعث ملک کے مشہور اور نامی مالی ساکھ رکھنے والے اخبارات کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، غریب صدق تو اس گرانی کے اثرات کا اور بھی متحمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کی آمدنی کا انحصار تمام تر خریداروں ہی پر ہے۔

خریداران و معاونین صدق کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر انکے نزدیک اس پرچہ کی زندگی ضروری ہے اور اسکے مضامین کی اشاعت کو وہ وقت کے اہم فرائض میں تصور کرتے ہیں، تو انکو اپنی اولیں فرصت میں اس کی توسیع اشاعت کی ہر ممکن کوشش عمل میں لانی چاہیے، اور ماہ جولائی کے اندر کم از کم ۲۵۰ خریداروں کا اضافہ بہرحال عمل میں آجانا چاہیے۔ بغیر اس مطلوبہ تعداد کی تکمیل کے آمد و خرچ میں عدم توازن اور مزید خسارہ کے متحمل نہ ہوسکنے کے باعث مجبوراً صدق کی اشاعت کو ملتوی کرنا پڑیگا۔

یہ اعلان بہت مجبور ہوکر اور انتہائی مالی نزاکتوں سے متاثر ہوکر کیا جا رہا ہے۔ صدق نے اب تک ہر قسم کے خسارے برداشت کیے، طلب منفعت کے مروجہ طریقوں سے بے نیاز و مستغنی رہ کر، خدمت دین کی امکانی کوشش کی، لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے پیمانہ بالکل لبریز ہوگیا ہے، حتیٰ کہ انہیں وجوہ سے ۲۴ر جون کے پرچہ کی اشاعت نہ ہوسکی، اور اسکے بجائے یہ پرچہ شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں خدا کے فضل سے امید ہے کہ میعاد معینہ کے اندر معاونین صدق اس تعداد کو پورا کردیں گے، تاکہ انکو اس دین کی خدمت کرنے والے پرچہ سے محروم نہ ہونا پڑے۔

خاکسار مہتمم صدق، لکھنؤ

معاصرین اور اعزازی ناظرین کرام کی خدمت میں

صدق کی مالی دشواریوں کے پیش نظر (جو اسی اشاعت میں ایک

کرنا پڑا ہے کہ جن معاصرین کی خدمت میں یہ پرچہ بغرض تبادلہ حاضر ہو رہا ہے انکی تعداد میں تخفیف کی جائے۔ امید ہے کہ وہ ہماری مشکلات کا اندازہ فرماکر ہمارے اس اقدام کو معاف فرمائیں گے۔

اس طرح اُن حضرات اور اداروں (جنکے نام صدق اعزازی طور یا رعایتی شرح پر بھیجا جاتا ہے) کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ انکی موجودہ میعاد کے خاتمہ کے بعد گنجایش نہ ہونے کے باعث نہ تو کسی کے نام اعزازی پرچہ جاری ہوسکے گا اور نہ رعایتی شرح پر۔

یہ اعلان اُس وقت تک کے لیے ہے جب تک کہ صدق مالی مشکلات کے بھنور میں ہے۔

(مہتمم صدق - لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۳)

دین میں لچک

"جس طرح آج ہم مسیحی عقیدہ تثلیث اور ولادت بغیر والد کے عقیدہ کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں، جو موجودہ نسل کے مذاق کے مطابق ہے، اسی طرح ہمیں لازم ہے کہ ہر عقیدہ کو پیش کرنے میں جدید ترین تحقیقات سے مطابقت کا لحاظ رکھا کریں۔ مسیحیت کی تبلیغ میں ہماری یہ خصوصیت، مسلمانوں کی تبلیغ اسلام کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کے عقائد میں احوال کے ماتحت ترقی کی گنجایش ہی نہیں۔ مسلمان مناظرین وقتی مصالح کا جتنا بھی لحاظ کریں، اس سے معذور ہیں کہ خود دین کے مسلمات میں کچھ رد و بدل کرسکیں" (مسلم ورلڈ نیو یارک، اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۸۱)

کیا خوب ہے عقائد و حقائق کے اندر یہ لچک! مسیحی مبلغ کس فخر و سادگی کے ساتھ کہہ رہا ہے، کہ کیا ہمارا دین بھی مسلمانوں کا سا دین ہے، جس کے اندر کوئی ترمیم و "ترقی" ہو ہی نہیں سکتی، ہم تو ہر زمانہ میں، زمانہ کے ارتقاد کے دوش بدوش، قدم بہ قدم، اپنے "ترقی پذیر" دین کے عقائد و مسائل کو پیش کرتے رہیں گے! ——— بیشک اسلام یہ لچک اپنے اندر کہاں سے لاسکتا ہے! یہ ہمت تو تجدد ہی کو مبارک رہے، کہ حریف، شکست خوردہ گر چالاک و پرفن حریف کے ایسے ہی پست فنون سے مرعوب ہوکر، جھوٹ قرآن کے دین اور شریعت کے آئین میں کاٹ چھانٹ، ترمیم و تحریف، گوارا کرکے، دنیا کے سامنے ایک "ترقی پذیر" و "ترقی یاب" اسلام پیش کرنے لگے ہیں!

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق
[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبد الماجد

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:- مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

ہفتہ وار

صدق لکھنؤ

نمبر (۹) | دوشنبہ - یکم جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۸ - جولائی سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

ذکر آج کی لڑائی کا نہیں جو ان سطور کی تحریر کے وقت دور شور سے جاری ہے، اُس لڑائی کے خاتمہ کا ہے جو ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۱۸ء تک اپنی پوری جولانیوں اور قیامت خیزیوں کے ساتھ لڑی جا چکی ہے۔ اور ذکر کرنے والا کوئی بیرونی، کوئی اجنبی نہیں۔ خاص الخاص یورپ اور برطانیہ کا مشہور اہل قلم و صاحب فکر ایچ۔ جی۔ ویلز ہے۔ صلح کے وقت، معاہدۂ ورسیلز کے وقت

"جنگ عظیم کے شروعات میں جو کچھ بھی فیاضیاں ظہور میں آئی ہوں، اس وقت تک انکا خاتمہ ہو چکا تھا۔ فاتحین کو صرف اپنے نقصانات کی فہرست یاد رہ گئی اور یہ نہ یاد رہا، کہ فریق ثانی پر بھی تو یہی گزر چکی ہے۔ جنگ کا واقع ہونا لازمی اور ناگزیر نتیجہ تھا یورپ کی متقابل قومیتوں کا، اور ان متقابل قوتوں کے اوپر کسی ترکیبی حاکم کے نہ ہونے کا۔ جنگ تو بالکل قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے آزاد و خود مختار قومیتوں کا، جبکہ رقبے چھوٹے ہوں اور فوجی ذرائع زبردست ہوں۔ جنگ عظیم اگر اس شکل میں نہیں، تو اسی کے مثل کسی دوسری شکل میں بہر حال ظاہر ہو کر رہتی جس طرح بیس یا تیس سال کے بعد اسکا چھڑنا، اور کہیں زیادہ تباہ کن شکل میں چھڑنا، یقینی ہے، بشرطیکہ کوئی سیاسی وحدت اسے روکنے والی اس درمیان میں نہ قائم ہو گئی۔" (ویلز کی "شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ" ص ۲۰۲)

اقتباس بالا کو ملاحظہ ہو، اور غور کے ساتھ سمجھنے والا کہتا ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم اس لیے نہیں برپا ہوئی کہ قیصر جرمنی پر جنون جنگ سوار تھا، یا برطانیہ اور فرانس کا فلاں وزیر یا روس کا فلاں امیر خون کا پیاسا ہو رہا تھا، خطا کسی خاص فرد، یا کسی پارٹی کی نہ تھی، خطا تھی، تو صرف یورپ کے پھیلے ہوئے، مقبول و رائج، نظام قومیت کی! اس نظام کی جس کے رو سے زمین کے بسنے والوں کو ایک ٹکڑی، ایک کو دوسری ٹکڑی سے الگ دکھاتی ہے، ہر ملک دوسرے ملک کو اپنا حریف و رقیب سمجھتا ہے، ہر قوم دوسری قوم کے ساتھ مقابلہ و مسابقت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتی ہے۔ ہر خطۂ زمین والا چاہا یہ کرتا ہے کہ رہیں تو ہم، بسیں تو ہم، راج کریں تو ہم سربلند ہوں تو ہم دولت کے خزانے زیادہ سے زیادہ سمیٹ سکیں تو ہم! ——— اُس جنگ کو چھوڑیے، اس جنگ کو لیجیے۔ آج کا حال، کل کے ماضی سے کچھ بھی مختلف ہے؟ آج کی انسان سوزیوں اور آتش افروزیوں کی تہ میں، بجز اس "وطنیت" و "قومیت" کے، کوئی اور جذبہ کار فرما ہے؟ ——— وہی جذبہ آپ میں بھی محض دوسروں کی دیکھا دیکھی پیدا ہو چکا ہے، اور آپ اسے اور زیادہ قوی ہی کرتے جاتے ہیں!

آگ آپ کی بہترین باندی ہے، بشرطیکہ آپ کے قابو میں رہے، اور آپ اُسکے قابو میں نہ آجائیں۔ پانی آپ کا بہترین خادم ہے، جب تک آپ اسپر حاکم ہیں اور وہ آپ پر حاکم نہیں۔ کھانا پکائیے، سردی میں گرمی حاصل کیجیے، پیاس بجھائیے، کھیتی جلائیے، یہ سارے کام آپ آگ اور پانی سے روزمرہ لیتے ہیں یا نہیں، لیکن وہی آگ اور پانی جہاں بے قابو ہوئے، کیا کسر جلانے اور ڈبانے میں اُٹھا رکھتے ہیں؟ ——— وطن دوستی، وطن کے ساتھ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے، حیوانات تک اسکے حصہ دار ہیں۔ اسکو بس اسی درجہ پر رکھیے، اسکو بس اسکی جگہ پر رہنے دیجیے۔ اور چین اور سکھ سے زندگی بسر کیجیے۔ لیکن جہاں آپ نے اسکو حاکم بنا لیا، اسے اپنی زندگی کے نصب العین کی حیثیت سے پیش کرنے لگے، اپنی خلافت الٰہی کو بھول کر اس زمین پرستی پر

عالمگیری پر توجہ دلانا مقصود ہے، ہمیں فقط اُس حکیم کا تعارف مقصود ہے جو افلاطون کا ہم رتبہ! اُس سے بھی بلند تھا

علی سن بی شناسم این گوہر دزدان حکمت را

افلاطون آہ گر می دید یو نانے کہ من دارم (التفہیمات)

امام عبد العزیز سے منقول ہے کہ:- ارسطو نے افلاطون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے، "الہ تانس وا انسان ما لہ مثال" خیال ہے یہ امام ولی اللہ دہلوی کے علو شان کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ عبد العزیز کو اپنے والد سے وہی نسبت ہے جو ارسطو کو افلاطون سے یا امام ابو یوسف کو امام ابو حنیفہ سے حاصل ہے۔"

الفاظ رسالہ نگار کے نہیں، ایک مشہور و معروف عالم دین کے ہیں، جو اپنے کو حکمت ولی اللہی کے پروپیگنڈے کے لیے (تبلیغ کے لیے نہیں، پروپیگنڈے کے لیے) وقف کیے ہوئے ہیں، اس لیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اتفاق سے دہلی کی خاک سے اُٹھے، اور اُسی خاک میں ملے، اور دہلی اسی بجاست دہلوی میں ہے۔ تو مولانا تعارف اس حکیم کا کرا رہے ہیں، اور اس حکیم کی عظمت کا پیمانہ اُنکے ہاتھ میں یہ ہے کہ وہ

"افلاطون کا ہم پلہ یا اُس سے بھی بلند تھا!"

گویا رسول عربی کے کسی نائب اجل اور خادم نامور کے لیے فخر و امتیاز کی سند اب یہ قرار پائی ہے کہ وہ یونان کے مشرک، عقلی آوارہ گردوں کے ساتھ مشابہت و مماثلت رکھتا ہے! اور اُس فرزند موحد کی "علو شان کی طرف" بڑے سا بڑا اشارہ ایک دوسرے مشرک کے ان الفاظ میں ملتا ہے کہ "وہ خدا تھا جس نے انسان کا جسم لیا، یا انسان تھا جو خدا بن گیا!" ——— دیوبند اور اہل سنت کو چھوڑیے، بریلی کے بڑے سے بڑے بدعتی اور "رہنما تمائی" کا تخیل بھی شرک نوازی کی ان بلندیوں تک پہونچا تھا؟

آزادوں کی غلامی

"دنیا کے ہر ملک میں خفیہ پولیس تو ہوتی ہے، لیکن اسکے علاوہ ایک اور پولیس خفیہ در خفیہ بھی ہے، جسکا پتہ بھی بجز ایک یا دو اعلیٰ افسروں کے اور کسی کو نہیں چلنے پاتا۔ اور جس کا کام انتہا سے زیادہ نازک و دشوار ہے۔ ممالک متحدہ (امریکہ) میں ایک مخصوص محکمہ ہے جسکا کام ہی صدر کی جان کی حفاظت کرنا ہے۔ محافظین کا یہ چھپا ہوا دستہ صدر کی نگہبانی، چوبیسوں گھنٹے، اس کی زندگی کے قدم قدم پر کرتے رہتا ہے۔ اس محکمہ کے لوگ، لندن، برلن، پیرس، روم اور دنیا کے ہر بڑے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔" (اسٹیٹسمین، ۱۶- جون ۱۹۳۸ء)

یہ جاسوسوں کی، خفیہ پولیس والوں کی نگرانی سے چپہ چپہ پر گھری ہوئی زندگی کس کی ہے؟ یہ باڈی گارڈ کی جوکسی اور پہرہ داری سے بال بال بندھی ہوئی زندگانی کس کی ہے؟ یہ لمحہ لمحہ اندیشہ آمیز کس کی جان کی منافع حفاظت کی؟ ——— دنیا کے متمدن کے سب سے زیادہ آزاد ملک و قوم کے صدر کی!

یہ شاہت اور فرماں روائی کبھی ہم نے بھی کی ہے۔ پوری پوری "ایمپائر" کبھی ہمارے زیر نگیں بھی رہی ہے۔ جاسوسی اور خفیہ طور و طریق سے بیا اُس وقت بھی ناآشنا نہ تھی۔ پھر کیا کبھی ابوبکرؓ خلیفۂ اول کو اس سایہ میں رہنے کی ضرورت پڑی تھی؟ کیا عمرؓ خلیفۂ دوم کے ارد گرد خفیہ گارڈوں کا جال بچھا رہتا تھا؟ کیا اموی فرماں روا عمر بن عبد العزیزؒ کو خزانہ کا لاکھوں روپیہ اس مد میں صرف کرنے کی ضرورت رہا کرتی تھی؟ دونوں تمدنوں کا فرق کتنا واضح اور کیسا کھلا ہوا ہے!

عقل پرست کی بے عقلی

"الہام خداوندی کو کسی ایک یا ایک سے زائد مخصوص زبانوں میں محدود کر دینا، خدا کی صفت کو محدود کر دینا ہے۔ اور چونکہ صفات ربانی عین ذات ربانی ہیں، اس لیے اس طرح گویا خدا کو محدود کر دینا ہوگا، جو عقیدۂ اسلام کے بالکل منافی ہے۔" (نگار، ۱۰ جون ص۶۸)

نکالا ہوا نتیجہ "عقیدۂ اسلام کے بالکل منافی" ہو یا نہ ہو ——— کیا نگار کے خیال میں بھی معیار حقانیت، عقیدۂ اسلام سے مطابقت ہے؟ ——— مقدمات دلیل خود تعلیلات عقل کے کب مطابق ہیں؟ چونکہ خدا نے پیغمبر صرف قال اور فارس حضرات کو بنا کر بھیجا، اس لیے وہ ساری مخلوقات انسانی کو پیغمبر بنانے پر قادر نہیں۔ چونکہ ایمان دولت ہر زمانہ میں صرف ایک محدود تعداد میں رہا کیے ہیں، اس لیے خدا سب کو راہ ہدایت دکھانے پر قادر نہیں! چونکہ خدا نے دن ہی کو روشن بنایا ہے، اس لیے وہ رات کو روشن بنانے پر قادر نہیں! چونکہ ابر ہی سے وہ بارش لاتا ہے، اس لیے بغیر ابر بارش پیدا کرنے پر قدرت ہی اُسے حاصل نہیں! غرض اسکی قوت و قدرت پر تحدید تو قدم قدم پر ہے ——— یہ نتائج دنیا میں آج تک کسی بڑے سے بڑے جاہل نے بھی نکالے ہیں؟

جاہل کا استدلال

"اس امر کا ثبوت کہ وحی کا تعلق کسی مخصوص زبان سے نہیں ہے، خود کلام مجید میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے، "فاوحیٰ ربک الی النحل" ظاہر ہے کہ شہد کی مکھی پر عربی یا عبرانی میں تو وحی نازل ہوئی نہ ہوگی، بلکہ اس سے مراد مکھی کی وہ فہم و ذکاوت ہوگی جسکے زیر اثر وہ پھولوں کا رس جا کر چوستی ہے۔ کلام مجید کو بھی وحی کہتے ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اسکو بھی رسول کی فہم و فراست سے تعبیر نہ کیا جائے۔" (نگار، بابت ۱۰ جون ص۶۹)

بے علم کی منطق آپ نے دیکھ لی؟ چونکہ قرآن مجید میں لفظ وحی کا ایک جگہ استعمال شہد کی مکھیوں کے سلسلہ میں ہے، اس لیے اب جہاں جہاں، اور جس سلسلہ، جس سیاق میں بھی یہ لفظ آئیگا، اُسکے معنیٰ وہی تمام ہو جائیں گے! گویا ایک لفظ کے کئی کئی معنی و مفہوم نہ قرآن میں آتے ہیں، نہ لغت عرب میں، نہ اردو، انگریزی، فارسی، کسی زبان کے ادب میں! قرآن کی تفسیر و ترجمانی کا حق ایسے محقق کو نہ حاصل ہوگا، تو اور کس کو ہوگا!

نجوم کی خرافات

"کراچی سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں سول ہسپتال کے ایک ڈاکٹر پر سید پال سے کسی جوتشی نے کہہ دیا کہ تمہارا مستقبل نہایت تاریک معلوم ہوتا ہے، کالا تک تم پر سخت مصائب نازل ہوں گی۔ اس دوران میں تم پاگل ہو جاؤ گے۔ اور اسکے بعد ملازمت سے برطرف کر دیے جاؤ گے۔ ڈاکٹر صاحب اس پیشگوئی سے اس قدر پریشان ہوئے کہ اُن کی نیند اڑ گئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ پریشانی جنون کے درجہ پر پہونچ گئی۔ آخر ایک روز وحشت کا زیادہ دورہ پڑا کہ اُنھوں نے خودکشی کر لی۔ ان کی جیب سے جو چٹھی نکلی ہے اُس میں اُنھوں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ میں پاگل پن اور ملازمت سے برطرفی پر خودکشی کو ترجیح دیتا ہوں!"

واقعہ اگر صحیح ہے تو نیا اور انوکھا نہیں۔ خدا جانے کتنے اچھے خاصے ہوش و حواس والے، پڑھے لکھے، ہر سال ایسے نجومیوں، جوتشیوں، رمالوں کے کہنے سننے میں آکر پاگل ہوتے رہتے ہیں، بیمار پڑتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کاٹ کا شکار رہتے ہیں۔

۱۹۲۶ء میں لکھنؤ میں سید جالب مرحوم دہلوی (اپنے زمانہ کے مشہور روزنامہ ہمدم کے ایڈیٹر) ایسے عاقل و فرزانہ کہ دوسروں کو سیدھی راہ پر چلا دیں، لیکن جب اپنا وقت آیا، تو ایک بنگالی جوتشی کے کہے میں آگئے۔ اُس نے کہا فلاں زمانہ، فلاں مہینہ، تمہاری زندگی کے حق میں بہت برا ہے۔ پیشگوئی سنتے ہی مرحوم پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ بتلائے ہوئے وقت کے انتظار میں رہنے لگے۔ اور وقت آتے ہی ایسے بیمار پڑے، کہ پھر نہ اُٹھے۔ راوی کے بیان کے مطابق کہ ادھر گنتی ختم، و وفات شناسی کی، کہ اُنھوں نے ایسے بیہودہ فن کے

سبق سکھانے ہی کو سرے سے حرام قرار دیا ہے

لطف و تفریح سے سبق

انسانی طویل تاریخ کا یہ ایک ناقابل انکار سبق ہے کہ قومیں جب لطف و تفریح کی زیادتیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں یا انکے لطف و تفریح کے مشاغل انکی روزانہ زندگی میں ذہنی صلاحیتوں سے کوئی صحت اور ربط قائم نہیں رکھ سکتے تو وہ زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ اسکی تازہ شہادت مارشل پیتان نے اپنی حالیہ نشری تقریر میں فرانس کی تباہی کے ہرجانے کے اسباب بیان کرتے ہوئے فراہم کی ہے۔ "۱۹۱۸ء کی فتح کے بعد سے لطف و تفریح کا جذبہ قربانی کے جذبہ پر غالب آگیا، اور باشندوں نے جتنا انہیں دیا جاتا تھا اُس سے زیادہ کا مطالبہ کیا اور جو کچھ اپنے کو بچانے رکھنے کی کوشش کی" (!!!)

اور اب تعلیمات جو مدارس میں ایسے "لطف و تفریح" کے مشاغل کو بڑھانے کے درپے ہو گئے ہیں، جن سے دماغی اور جسمانی صلاحیتیں فنا ہو جاتی ہیں — گانا، ناچ، مخلوط تعلیم، بے پردگی کی حوصلہ افزائی، مذہبی اور اخلاقی تعلیم سے لاپروائی، یہ سب ایسے ہی مشاغل ہیں — اور وہ تمام سرکاری اور خانگی ادارے جو رقص و سرود کی، جس سے صنفی جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں، حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، اور وہ سارے نوجوان جو ملک و ملت کی خدمت کے اداروں کے باوجود ایسے اداروں کی طرف کھنچ رہے ہیں اور اعلیٰ اخلاق سے دور ہو رہے ہیں، مارشل پیتان کے ان الفاظ کو غور سے سنیں۔

(رہبر دکن)

صدق نوازوں سے

دفتر صدق سے پھر اطلاع پہ اطلاع آرہی ہے، نوٹس پر نوٹس پہونچ رہے ہیں کہ پرچہ کی مالیات کی زبوں حالی حد تحمل سے باہر ہو چلی ہے، اور کوئی صورت آمد و خرچ میں تطابق کی نہیں! اکثر اصحاب کو معلوم ہوگا کہ دوسرے اخبارات و رسائل کے برخلاف صدق کے مالیات کا بار مدیر کی ذات پر نہیں بلکہ مہتمم کی جیب پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اُنکی ذمہ داری کب تک گوارا کی جا سکتی ہے؟

بمبئی کے ایک مخلص نے بہت عرصہ ہوا مشورہ دیا تھا کہ خسارہ کا بار پچیس روپیہ فی کس کے حساب سے چند صدق نوازوں کے درمیان تقسیم ہو جائے۔ یہ تجویز ۳۱- مارچ [illegible] کے پرچہ میں شایع بھی ہو چکی ہے۔ اس پر عمل کی ہمت اُس وقت تو بالکل نہیں ہوئی تھی، اور اب بھی دل ہچکچا ہی رہا ہے۔ دہلی کے ایک مخلص کی طرف سے بھی پچھلے سال اسی قسم کی تحریک ہوئی تھی۔ اب مجبوراً اُس کا بھی تجربہ کرنا پڑ رہا ہے۔ صدق نوازوں کی جماعت میں اگر چند حضرات بھی ایسے نکل آئیں، جو چار روپیہ سالانہ کے سودے کو پچیس روپیہ میں خریدا کریں، تو ان شاء اللہ سالانہ خسارہ کا پیٹہ پورا ہو جائیگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام مدیر صدق خود اپنا پیش کرتا ہے، اور ایک حصہ کا خریدار بنتا ہے۔ دوسرے کرم فرماؤں اور قدر افزاؤں کے اسمائے گرامی انہیں کالموں میں شایع ہوتے رہیں گے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ دفتر کی ضرورتیں فوری ہیں، اس لیے عجلت بہرحال ضروری ہے۔ آج کا ایک حصہ کل کے دو حصوں کے برابر ہوگا۔

مہتمم صاحب کا اصرار عرصہ دراز سے اُجرتی اشتہارات کے قبول کرنے کے لیے ہے۔ اس عرصہ میں بارہا بیرونی تاجروں نے نرخ اشتہارات دریافت کیا۔ جواب ہمیشہ یہی گیا، کہ یہاں سرے سے گنجایش ہی اشتہار کی نہیں، شرح و نرخ کا کیا سوال ہے۔ اب پہلی بار اس وضعداری کو توڑ کر اجازت دینی پڑتی ہے کہ ایسے اشتہارات، جو خلاف شریعت و مخالف تہذیب نہ ہوں، اُجرت پر قبول کیے جا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے اشتہارات اگر معمول پر نکلنے لگے، تو حصہ مضامین جو یوں ہی مختصر تھا، اب مختصر تر ہو کر رہیگا۔ لیکن پرچہ کی بقا و زیست کی خاطر یہ تلخ گھونٹ بھی حلق سے اتارنا ہی پڑ رہا ہے۔

نئی کتابیں

(۱) **تفہیمات** - حصہ اول - از مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی، ضخامت ۳۵۲ صفحے - تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت ۱۲/ مجلد ۱۴/ - پتہ، دفتر رسالۂ ترجمان القرآن - مبارک پارک - لاہور

صاحب "ترجمان القرآن" مولانا ابو الاعلیٰ صاحب کا تعارف ناظرین صدق سے کرانا تحصیل حاصل ہے - انکی دقتِ نظر، نکتہ سنجی، بہترین خدمات دین کا ذکر ان صفحات میں بار بار آچکا ہے - پیش نظر رسالہ ان کے ۲۳ مضامین کا مجموعہ ہے، جو اہم دینی عنوانات پر انکے ماہنامہ میں وقتاً فوقتاً نکلتے رہے ہیں - عنوانات اس قسم کے ہیں :-

(۱) ہدایت و ضلالت کا راز
(۲) جہاد فی سبیل اللہ
(۳) آزادی کا اسلامی تصور
(۴) ایمان بالرسالت
(۵) قرآن اور سنتِ رسول
(۶) نزول عذاب الٰہی کا قانون

انداز بیان نیز مغز و معنیٰ کے بہت ہی سرسری و ناقص اندازہ کے لیے ذیل کا اقتباس، مضمون جہاد فی سبیل اللہ سے ملاحظہ ہو :-

"عموماً لفظ جہاد کا ترجمہ انگریزی زبان میں (ہولی وار) مقدس جنگ کیا جاتا ہے، اور اسکی تشریح و تفسیر مدت دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوش جنون" کا ہم معنیٰ ہو کر رہ گیا ہے - اسکو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے، داڑھیاں چڑھائے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے، جہاں کسی کافر کو پاتا ہے، پکڑ لیتا ہے، اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے، کہ بول لا الٰہ الا اللہ، ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے .... لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ میں مشغول ہیں - انکی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار کے بھوکے، ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر پِل پڑے ہیں، اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں، خام پیداوار کے ذخیرے، نوآبادیاں بسانے کے قابل زمینیں، اور معدنیات کی کانیں ڈھونڈھتے پھرتے ہیں، تاکہ اپنی حرص کی کبھی نہ بجھنے والی آگ کے لیے ایندھن فراہم کریں - انکی جنگ خدا کی راہ میں نہیں، بلکہ پیٹ کی راہ میں ہے، ہوس اور نفسِ آوارہ کی راہ میں ہے" (ص ۶۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ فہرست عنوانات سے نیز اقتباسات سے مباحث کتاب کی نہ جامعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے نہ عمق و معنویت کا - کتاب عصر نامزر کے زہریلے اثرات کے حق میں بہترین تریاق ہے - اور آج اسلام کے اہم ترین مسائل کے باب میں، بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے اندازوں نے، تردد و اضطراب کی جو فضا پھیلا رکھی ہے، اس سب کا جامع اور نہایت تشفی بخش حل ان صفحات کے اندر موجود ہے - اللہ نے دور حاضر کے فلسفیات کے باب میں ابو الاعلیٰ صاحب کا سینہ خاص طور پر کھول دیا ہے، اور تجدد زدہ گروہ کے حق میں انکے قلم کی ایک ایک سطر آب حیات ہے - آیندہ مورخ جب کبھی اسلامی علم کلام کی مفصل تاریخ لکھے گا، تو کلامیات ابو الاعلیٰ کو یقیناً اس میں ایک ممتاز و اعلیٰ مقام ملیگا - اتنی گراں قدر کتاب کی قیمت کل ڈیڑھ روپیہ گویا بالکل مفت ہے - کاش ترجمہ ہو کر یورپ بھی یہ کتاب پہونچ سکتی!

(۲) **تاریخ ادب اردو** - مرتبۂ ادارۂ ادبیات اردو - ۱۶۵ صفحے - قیمت ۱۲/ - پتہ، سب رس کتاب گھر - رفعت منزل - خیریت آباد - حیدر آباد دکن -

تاریخ ادب اردو پر جیسی مفصل و محققانہ کتاب ہونی چاہیے، وہ تو اب تک نہیں ہو سکی ہے، تاہم دو چار مختصر و محدود کوششیں اس باب میں جو ہوئی ہیں، اپنی اپنی جگہ غنیمت ہیں - اسی سلسلہ کی ایک کڑی پیش نظر رسالہ بھی ہے - طلبہ کی ضروریات کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے، اور اس مقصد کے لحاظ سے کامیاب ہے -

کتاب تین حصوں پر تقسیم ہے - حصہ اول، زبان اردو کی تاریخ اور ادب اردو کے آغاز پر ہے - حصہ دوم میں دہلی، دکن، لکھنؤ اور پھر دہلی کے ادبی مرکزوں کی مختصر تاریخ آگئی ہے - حصہ سوم، دور حاضر سے متعلق ہے، اور اسی میں اردو صحافت پر بھی تبصرہ ہو گیا ہے - دکن کی ادبی کوششوں کا ذکر قدرۃً ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے، باقی دہلی، لکھنؤ، وغیرہ کا تذکرہ بھی اختصار کی ان حدود و قیود کے اندر تشنہ نہیں رہنے پایا ہے - زندہ مصنفین کے کارناموں سے البتہ اسکے صفحات خالی ہیں -

(۳) **صراط الحمید** - جلد اول - از مولوی شاہ محمد الیاس برنی صاحب ایم اے - ضخامت ۲۵۲ صفحے - تقطیع ۱۸×۲۲ قیمت ۴/ - پتہ، حکیم کمال احمد فاروقی صاحب - بیت السلام - سیف آباد - حیدر آباد دکن -

برنی صاحب کا یہ وہ مشہور سفرنامہ حجاز، عراق و شام ہے، جو اول بار آج سے ۱۲-۱۳ سال قبل شایع ہوا تھا - اور اس پر بہت مفصل تبصرہ بھی اسی زمانہ میں سچ میں نکل چکا ہے - اب مولف کی نظر ثانی، ترمیم اور اضافوں کے بعد از سر نو شایع ہوا ہے - آخر میں ۴۶ صفحے کا مفصل ضمیمہ "قصۂ چہار درویش" کے عنوان سے (مولف اور انکے تینوں رفیقوں کی سرگذشت حیات) بالکل نیا

ــــہ نئی کتابوں کے خاصے ڈھیر تھے، اور ناشرین و مصنفین کی طرف سے قدرۃً تبصروں کی جلدی ہو رہی تھی، دوسرے مضامین روک کر مجبوراً جلد جلد کتابوں کو نمٹایا گیا۔ اب بحمد اللہ ذخیرہ قریب ختم کے آگیا ہے - ان شاء اللہ ایک یا دو قسطوں کے بعد کتابوں کے تبصرے زیادہ زیادہ چھپنے کے بجائے کہیں کہیں، اور مقالات و مضامین کے لیے جگہ

اضافہ ہے، اور اصل کتاب ہی کی طرح دلچسپ۔ آپ بیتی یوں بھی دلکش ہوتی ہے، اور پھر جب اُس میں ادب، انشا اور درد دل کی چاشنی بھی مل جائے، تو اُس کی جاذبیت کا کہنا ہی کیا۔ فقہ و تصوف، جغرافیہ، سب ہی کچھ اس مجموعہ اوراق کے اندر موجود ملیگا، گو برنی صاحب کی صوفیت انکی تمام دوسری حیثیتوں پر غالب نظر آئیگی۔ اور کتاب دلچسپ تو اتنی ہے کہ ایک بار شروع کرکے پھر چھوڑنے کا جی ہی نہ چاہیگا۔ ذاتی حالات اور دوستوں کے تعلقات و روابط کے سلسلہ میں نیز نذر و نیاز وغیرہ بعض رسوم کے سلسلہ میں یقیناً بعض مقامات دل میں کھٹک پیدا کرینگے، لیکن کام کی باتیں اتنی زائد ملتی ہیں، کہ پڑھنے والا مصنف کی رَو میں بہتا چلا جاتا ہے اور ان کھٹکنے والے مقامات پر نظر کرنے اور ٹھہرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

(۴) **مجدد اعظم**۔ حصہ اول۔ از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ ضخامت ۳۶، صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶۔ مجلد۔ قیمت ہے۔ پتہ: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور۔

مشہور و معروف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی یہ مفصل سوانح عمری انکی شاخ لاہور کے ایک پُرجوش رکن ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے قلم سے ہے۔ اور قدرۃً اس میں ہر جگہ وہ غلو موجود ہے، جو پُرجوش عقیدتمند سوانح نگار کے قلم اور زبان اور قلب میں اپنے پیر و مرشد کی عقل کُل و ہادی سبل سے متعلق موجود ہوتا ہے۔ شروع میں فہرست مضامین بہت مفصل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ترتیب عنوانات کسی اعلیٰ خوش سلیقگی کا نمونہ نہیں۔ حالات تاریخی ترتیب سے بیان ہوتے ہوتے درمیان میں غیر متعلق چیزیں آجاتی ہیں۔ آجکل پروپیگنڈا کا زمانہ ہے، اور سوانح نگار نے نفسیات بشری کو پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ پھر بھی کتاب کو پوری طرح موثر بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی ہے۔ بلکہ اگر پڑھنے والا عمیق نظر رکھتا ہے، اور سطور کے ساتھ ساتھ بین السطور بھی پڑھ سکتا ہے تو صاحب سوانح کی کمزوریاں اور لغزشیں بغیر کسی خارجی شہادت کے، خود اس پر واضح ہوتی جائیں گی۔ مخالفین سلسلہ کا ذکر سوانح نگار نے جس تلخ لہجہ میں کیا ہے، اور جیسی جیسی برائیاں انکی جانب منسوب کردی ہیں، انکے بعد کتاب اگر تبلیغی حیثیت سے ناکام رہے، تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ علمی تحقیقات کا حصہ خصوصیت سے کمزور ہے۔ بروزِ احمد جس کی اہمیت کا چرچا اس شد و مد سے "احمدی" حلقوں میں ہوتا رہتا ہے، کہیں سے پتہ نہیں چلتا، کہ آخر اس میں کون سے عقلی یا نقلی دلائل درج تھے! یہ حصہ جون سنہ ۱۹۰۶ء تک سے متعلق ہے، باقی آٹھ سال کے سوانح غالباً حصہ دوم میں ہوں۔ کتاب بہرحال لکھی بہت محنت اور تلاش سے گئی ہے، اور جو لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں، کہ مرزا صاحب کی "روشن خیال امت" انھیں کس بہتر سے بہتر رنگ میں پیش کرتی ہے، ان کے لئے یقیناً کام کی ہے۔

(۵) **تاریخ گولکنڈہ**۔ از جناب عبد المجید صاحب صدیقی ایم اے (استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ) ضخامت ۲۵۰ صفحے۔ متعدد نقشے و تصاویر۔ قیمت عہ۔ پتہ: "سب رس" کتاب گھر خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

ہندوستان میں تاریخ اسلام کا ایک اہم باب تاریخ دکن ہے، اور اس عموم میں خصوصیت سلطنت گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کو حاصل ہے۔ اس عہد کی تاریخ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک خاص جزو ہے۔ ادارۂ ادبیات مستحق مبارکباد ہے کہ اُسکے حسن سعی سے ایک مستند تاریخ متوسط ضخامت اور خاصی تفصیل کے ساتھ اس عہد کی اُردو زبان میں وجود میں آگئی۔ جزئیات پر تحقیقی نظر کرنا اہل فن کا کام ہے۔ عام تبصرہ نگار کے نقطہ نظر سے، کتاب کی عام خوبی اسکی سفارش کے لیے کافی ہے۔ مقدمہ کے علاوہ کتاب پانچ حصوں میں تقسیم ہے۔ حصہ اول سلطنت کی تاسیس میں، حصہ دوم سلطنت کے استحکام میں، حصہ سوم سلطنت کے عروج میں، حصہ چہارم سلطنت کے زوال میں۔ حصہ پنجم گولکنڈہ کے تمدن کے بیان میں۔ اور ان میں سے ہر حصہ متعدد ابواب میں تقسیم ہے۔ حصہ چہارم میں اٹھارواں باب "ہندو وزیر سلطنت اور ان کی وزارت پر" اور حصہ پنجم کا باب اکیسواں، سیاست و معاشرت پر خاص طور پر سبق آموز و بصیرت افروز ہے۔

(۶) **مکالمات حکمیہ**۔ از حکیم محمد اسحاق صاحب۔ ۱۲۵ صفحے۔ قیمت ۸ر پتہ: کتبخانہ حکمیہ (حکیم محمد اسحاق صاحب) وزیرآباد پنجاب۔

رسالہ ہرمس اور فیثاغورس دو شخصوں کے درمیان، چھ مکالموں پر شامل ہے۔ موضوع کلام و سیاسیات ہے، اور مصنف کا مقصد فلسفیانہ مکالمہ کے پیرایہ میں کلام، تصوف و سیاسیات کے مہمات عقائد و مسائل کی تعلیم دینا ہے، لیکن طرز بیان اصطلاحات منطق اور فلسفہ قدیم کی اصطلاحات سے اس درجہ لبریز ہے، کہ اردو خوانوں میں شاید ہی کوئی اصل مطلب تک پہنچ سکے۔ بعض جگہ تو صاف یہ شبہہ ہونے لگتا ہے کہ تصنیف نہیں، ایک کسی یونانی مکالمہ کا ترجمہ ہے۔ بہرحال جنھیں اس قسم کے دقیق مباحث سے دلچسپی ہے، امید ہے کہ انھیں اپنے لطف کا سامان اس رسالہ میں مل جائے گا۔

(۷) **ضمیر**۔ از جناب محمد عبد الرحمن خاں صاحب (سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ)۔ ۷۰ صفحے۔ تقطیع ۱۸×۲۲۔ قیمت ۱۲ر پتہ: مکتبۂ ابراہیمیہ۔ حیدرآباد دکن۔

کتاب درحقیقت ایک ناول ہے، جدید طرز زندگی کے اجتماعی و اخلاقی پہلوؤں سے متعلق، اور چونکہ اظہار خیال شروع سے آخر تک مکالمہ ہی کے ذریعہ سے ہوا ہے، اس لیے اسے ڈراما بھی کہہ سکتے ہیں۔ ڈراما کے افراد، لندن اور مشرق کے مقیم لندن، زن و مرد ہیں، اور گفتگو کی جائے وقوع انگلستان اور ٹرکی کے مختلف مقامات ہیں۔ ڈراما کا موضوع تمامتر اخلاقی اور اصلاحی ہے، حسن و عشق کی چاشنی بہت ہلکی بلکہ برائے نام ہے۔ نوعیت مباحث کے اندازہ کے لیے ذیل کا اقتباس کافی ہوگا۔ یہ تقریر ایک ہندوستانی طالب علم مقیم لندن، ایک ترک دوست سے کر رہا ہے:۔

"محض یہ سمجھ کر کہ ہم یورپ میں ہیں، ہماری سیاسی و معاشرتی زندگی بھی بعینہ یورپ کے دیگر اقوام کے مماثل ہونا چاہیے، اگر ترکی قوم اپنے آپ کو ہر خصلت میں یورپ کا تابع اور ہم خیال بنا یورپ کا مطیع بنانا چاہتی ہے، تو سخت غلطی کرتی ہے۔

مراسلہ

انجمن حزب اللہ

[مولوی شاہ نذیر احمد صاحب کی انجمن حزب اللہ کی اسکیم مختلف اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ موصوف کے مراسلے ہوتے ہیں۔ پر صدق نے مختصراً بعض مشورے پیش کیے تھے۔ موصوف نے اسکے بعد جو مراسلہ ارسال فرمایا ہے وہ بجنسہ ذیل میں درج ہے]

جناب محترم مولوی صاحب

السلام علیکم۔ فقیر نے اسکیم "خانقاہ انجمن حزب اللہ کلکتہ" آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی، جواب بھی آپ کی طرف سے موصول ہوا تھا مگر جواب الجواب (جو ضروری تھا) بعض وجوہ کی بنا پر تحریر نہ کیا جا سکا۔ جو اب تحریر کیا جاتا ہے۔

جناب کا پہلا مشورہ کہ "اہل الرائے کا مشورہ مقدم رکھا جائے" بالکل صحیح ہے۔ بلکہ اسکیم مذکور کے بنیادی محرکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انفرادی کام دین کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسے اسکیم کے عملاً بروئے کار لانے سے جماعتی رنگ دے دیا جائے۔ اس لیے کہ فرداً فرداً خیالات دینی علم و ضرورت کے ہر رخ تقاضہ کو پورا کرنے کے بجائے نیک نیت ہونے کے باوجود بھی ایک جدید نقطۂ نظر پر چند افراد کو مجتمع کر کے بعض اوقات مفید سے زیادہ نامفید ہوتا ہے۔ ہمرے دین کی حفاظت و بقا کے سلسلہ میں فرد کا نہیں جماعت کا معاملہ ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔

"بڑی بڑی چند دار دار الی اسکیموں کے تجربے تو تلخ سی رہے ہیں"۔ جناب کے اس جملہ کے جواب میں گزارش ہے کہ ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی یونیورسٹی کا تصور ہے۔ جس میں متقدمین کے طرز پر ڈائرکٹ مجتہد پر نظری و عملی دونوں تعلیمیں دی جائیں، جو اقوام عالم اور امت مسلمہ کو نظری استدلال سے نہیں بلکہ عمل و حال سے اور قوت یقین سے دین پیش کرے۔ زندگی کے پورے بین الاقوال سوال پر عبور رکھتے ہوئے اس بین الاقوامی سوال کے کامل حل کی شکل میں آئین فطرت یعنی اسلام کو پیش کر سکے۔ آپ کا مدرسہ تنہا پرانا پرانا اور دین کو ایسے محض روایتی و تقلیدی رنگ میں تلقین کرنے والا واقع ہوا ہے کہ وہ موجودہ ذہن اور دین قیم کے درمیان وجہ تضاد بن کر حائل ہے۔ ضعف یقین کے باعث اور اس لیے کہ وہاں دینا کی بہت سی روایات کو ذہن میں بھرو دینے سے آگے اور کوئی مقصد ہی پیش نظر نہیں حق الیقین پیدا کرنا دین کو علمی غذائے روح بنانا شاید مدرسہ کے تصور سے بڑی دور نکل گیا ہے۔ یونیورسٹی نے روٹی کے مسئلہ سے آگے بڑھنا ضروری نہ سمجھا۔ کوششیں اگر دونوں مسلکوں کو ملانے کی ہوئی بھی تو محض ایک مجلس رسمی ضرورت کی پورا کرنے کی حد تک۔ محض بے یقین استدلال کی حد تک۔ اس سے کبھی دین زندہ ہو سکتا ہے؟

برادر گرامی، مرد مومن میں جب تک اتنا یقین نہیں آتا کہ وہ تصور کرے کہ زمین کا پورا گلوب اسکے سر پر رکھ دیا گیا ہے اور وہ اللہ اکبر کہکر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اسے لے کر کھڑا ہو گیا ہے' ہاں جب تک یہ یقین مرد مومن کے اندر نہیں آتا، وہ دین کی ضرورت کا پورا اندازہ کیا کر سکیگا۔ یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ [illegible] "کافۃ للناس" [illegible] کا ناگہانی حوصلہ کے سوا ایسے پورا ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ [illegible] فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کوئی شخص دیوانہ نہیں ہو جاتا تب تک اللہ کے دین کی خدمت نہیں کر سکتا۔

برادر گرامی اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ ایک وقت تھا کہ انسانی تاریخ مختلف ممالک کے مختلف اجزائے تاریخ کا نام تھی۔ مگر آج یہ منظر بدل گیا ہے کہ انسانی مکمل تاریخ قریباً ختم ہو کر صرف ایک عام بین الاقوامی برادری کا تصور گہرا ہو رہا ہے۔ تمام دنیا قریباً ایک ہی نقطۂ نظر کی طرف آ رہی ہے آج ان بے تار برقیوں، ریڈیو، ٹیلیفونوں اور ایسے ہی دیگر اسباب نے تمام انسانی تفکر و تدبر، تخیل و تصور کے طریقوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ اب کسی خاص ملک کا کوئی خاص نقطۂ نظر قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ وقت امت مسلمہ کے لیے ایک ایسی تحریک کا وقت ہے جو اسلام کے ہمہ گیر اخلاقی و روحانی معاشرت و سیاست کی شکل میں نذر کرے۔ [illegible] کی ابتدا ہے۔

اب آپ سے یہ گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل اوقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر مانگتے ہوئے اس اسکیم کی [illegible] فرمائیں۔ دینداروں کی بے بصیری کے باعث تقلید کفار پر رضامندی، جاہ پسندیوں کی اطاعت جاگیرداروں کی بے یقینی، امت مسلمہ کی عربیت و ترکیت، افغانیت وایرانیت پر سلامیت کے بجائے قناعت اور اقوام عالم کے لامذہب ہو کر خدا سے گریزاں ہو کر حی علی الفلاح کی صدا، غرض سب پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے۔ لہجہ میں احترام ہو وحشت و خشونت نہ ہو۔

سید ابو الاعلیٰ صاحب نے بھی کچھ نہ کچھ لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ باقی بھی کئی اہل قلم کے قلب میں اس یقین کو پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جاری ہے۔

اسکیم کے دو چار لاکھ روپئے کے پھیلاؤ کو ناقابل عمل مطلق تصور نہ فرمائیں اصل مشکل یہ رفع کرنے کی کوشش فرمائیں کہ دینی نقطۂ نظر سے تدبر فرمائیے مندرجۂ صدر ضرورت کے تمام پہلوؤں کو سمجھ لیں۔ آج اکثر اہل الرائے مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ دین کی حفاظت و اشاعت کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ کیا کرنا چاہیے اور کس جامعیت کے ساتھ، اسکے تمام پہلوؤں پر پوری نظر نہیں۔ ابھی گزشتہ سفر کے دوران میں فقیر کو یہ معلوم کرنے کا موقع ہوا کہ کسی جگہ ضرورت بالا کے بعض جزوں کو پورا کرنے کی شخصی مساعی عملاً بھی جاری ہیں مگر اس سے فقیر کے خطرات میں اضافہ ہوا اس لیے کہ اگر ان مساعی میں ایک جامع مرکزیت پیدا نہ کی جائے تو بڑا خطرہ ہے کہ دور عباسی کے متکلموں فرقوں کی طرح یہ مساعی کئی فرقے مستقبل میں بن جائیں۔ فردی کوشش اور وہ بھی محض استدلال سے اسکے سوا کیا نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ

دعاگو و دعا جو فقیر نذیر احمد۔ دفتر انجمن حزب اللہ
۱۳۵ پارک اسٹریٹ۔ پی۔ او۔ سرکس۔ کلکتہ

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" مرشدآباد بلیس۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

وطن کے قریب ہی۔ اب پہاڑ پر جانا لازمی نہیں خیال کیا جاتا، ہے۔ اصلی ضرورت دماغ اور جسم کو کامل آرام پہونچانے کی ہے۔ جو کوئی سی بھی معتدل ہو، بشرطیکہ تازہ ہو۔ بہترین صورت یہ ہے کہ وہاں چلے جایئے جہاں دل چاہا نے کہ آپ کے عزیز و دوست موجود ہوں۔ (ریڈرس ڈائجسٹ۔ نیویارک۔ بابت ماہ جون ۱۹۴۶ء)

لیجئے اب تو امریکہ سے تصدیق ہوگئی، کہ طریق علاج وہی ٹھیک ہے، جو اب تک ہمارے یہاں رہا تھا۔ یعنی مریض کو کھلے ہوا سے اور نسبۃً تفریح اور ٹھنڈک کے مقام میں، دوستوں اور عزیزوں کے درمیان رکھنا، گھر سے دور نہیں، گھر والوں ہی کے درمیان۔ لہذا انھیں سے تیمارداری کرانا، دل بہلانے کے لیے انھیں کو گرد و پیش رکھنا۔ نہ یہ کہ ادھر تشخیص دق کی ہوئی، ادھر مریض کو پہاڑ پر جانے کو کہ دیا، چاہے مریض نے عمر بھر پہاڑ کی صورت نہ دیکھی ہو، اور پہاڑ کے "معالجہ" سے "بالکل ہی نا آشنا ہو، اور بیوی، بچوں، عزیزوں سے چھڑا، تیمارداری تمامتر "پیشہ ور" نرسوں" کے سپرد ہوگئی۔ — "صاحب" کی تقلید کی آگ خود صاحب ہی کے جوتیوں سے کیسی سرد ہوکر رہتی ہے!

ایک شرک نواز مولانا

"عرصہ سے میری تمنا رہی، کہ حضرت مولانا شیخ الہند کی یادگار جامعہ ملیہ دہلی میں قائم ہونی چاہیے اور وہ احیاء حکمت ہندیہ یا احیاء حکمت دہلویہ یا احیاء حکمت [illegible] اللہیہ کی صورت میں ہو۔" (مولانا سندھی)

حکمت ولی اللہی، جس کا شور و شغب اتنے روز سے سننے میں آرہا تھا، آخر اُس متن کی شرح بھی خود صاحب متن کی زبان سے ہوکر رہی، کہ وہ مترادف ہے "حکمت دہلویہ" یا "حکمت ہندیہ" کے! اور لفظ جب اُسکے احیاء کا بولا جائیگا، تو معنی اُس سے حکمت ہندیہ یا حکمت وطنیہ کے احیاء کے مراد ہونگے! اگر یہ مقصود یہی وطن اور ہندوستان کے حکمت و فلسفہ کی اشاعت ہے، اور لقب اور نقاب اسکے لیے ولی اللہ دہلوی کو ٹھہرا لیا گیا ہے! — اور ایسا اکثر ہوتا ہی آیا ہے، شاعروں نے بارہا یہ کہا ہے،

نام اُس کا آسمان ٹھہرا لیا تحریر میں!

معاملہ اگر تحریک وطنیت ہی تک رہا تو غنیمت ہے۔ لیکن خدا کے لیے مولانا کی تحریروں کو ذرا غور و تامل سے پڑھا جائے۔ آخر یہ کیا بات ہے، کہ موضوع تحریر کچھ بھی ہو، کسی نہ کسی نہج سے، دعایت مشرک قوموں کے حکمت و فلسفہ کی ضرور ہی ملیگی؟ "ویدانت فلاسفی" کی عظمت کا کلمہ تو مولانا علانیہ پڑھتے ہیں، باقی کہیں مدح ملیگی یونانیوں کی، کہیں رومیوں کی، کہیں کلدانیوں کی، اور کہیں چینی ترکیوں کی! موقع مدح پر ذکر ملیگا کہیں اسکندر کا، کہیں اندر پرست کا، کہیں رواقا کا، کہیں بابل کا، اور کہیں [illegible] کا [illegible]۔

سب آخر مبتدا ہے کس خبر کا؟ سوال یہاں مولانا کے سیاسی خیالات و اجتہادات کا سطلق نہیں، صرف اسکا ہے، کہ آخر شرک نوازیوں کی بھی کوئی حد ہے؟

والدین کی ذمہ داری

"پروفیسر... تاریخ ہیں ایک خاص قابلیت کے مالک ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کی یہ المناک بدنصیبی ہے کہ ہمارے اندر جو لوگ قابلیت حاصل کر لیتے ہیں، وہ پورا اس زبان اُس تہذیب اور اُس معاشرت کو بھول جاتے ہیں، جسے انھوں نے اپنی ماں کے آغوش میں سیکھا تھا۔ نتیجہ یہ لوگ انگریزی کے سوا نہ کسی زبان میں لکھتے ہیں، اور نہ پڑھتے ہیں۔ پروفیسر... بھی ہماری اسی بدنصیبی کا ایک نمونہ ہیں، جنھوں نے صاحب بہادر کی زبان میں کتاب لکھی تھی، اور اس کا ترجمہ... صاحب نے اصلاح ترجمہ کرکے اردو خواں طبقہ کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا"

(ایک فوجداری تبصرہ کا [illegible])

تبصرہ نگار نے جو گرفت کی گئی ہے، بالکل صحیح ہے۔ لیکن قصور اس میں زیادہ خود ان لوگوں کا نہیں جو اپنی زبان بھلا دیتے ہیں، بلکہ اصلی ذمہ داری اُنکے والدین پر ہے جو شروع سے ماحول ہی ایسا رکھ دیتے ہیں کہ وہ اپنی زبان، اپنی تہذیب، اپنی معاشرت سب کو بھول کر رہیں۔ آنکھ کھولتے ہی انھیں ماں کا آغوش نصیب ہی کب ہوتا ہے، جسے وہ آگے چل کر بھلائیں۔

• تو اگر چڑھوا آیا، تعلیم بھی سرکار نے!

آنکھ کھلی، تو ولایتی قسم کی نرسوں کے گود میں۔ ذرا پلے اور بڑھے تو گورنس کے سپرد ہوگئے۔ اور بڑے ہوئے تو ہیرو، ہیرو، وغیرہ کے اسکول میں داخلہ کے لیے لندن بھیج دیے گئے۔ یا اگر ہندوستان ہی میں رہے، تو انگریزی، وضع و لباس کے ساتھ، انگریزی آداب و معاشرت کے ساتھ کسی یورپین اسکول، بلکہ اُسکے بورڈنگ میں داخل کر دیے گئے۔ جہاں اذان کی آواز تک کانوں میں نہ پڑسکے۔ پھر بالغ ہونے پر تو جو صحبتیں میسر آئیں، کہاں تک اُنکی تشریح کی جائے۔ ان حالات میں تو انھیں سرتاسر اجنبی ہو جانا چاہیے اپنے وطن، اپنے مذہب، اپنی معاشرت سے۔ عقوبتی مبت مناسبت جو کچھ اپنی چیزوں سے باقی رہ جاتی ہے، حیرت اسی پر ہے۔

"دو صدق نوازوں کے عطیے"

نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے کہ گذشتہ اشاعت میں، صدق نوازوں سے صدق کے لیے جو اپیل کی گئی تھی، اُس کو لبیک کہنے میں صدق کے مخلص جناب سید مرتضیٰ علی صاحب (شملہ) اور جناب محمد یوسف صاحب اسسٹنٹ انجینیر .... شاہجہانپور، نے پیشقدمی فرمائی اور ۲۵، ۲۵ روپیہ کا ایک ایک حصہ ہر دو حضرات نے خرید فرمایا ہے۔ اگر دیگر صدق نوازوں نے اسی طرح اپنی توجہ مبذول فرمائی تو ان شاء اللہ بہت جلد صدق کی حالت سنبھل جائیگی۔

سرمایۂ اردو میں ایک قابلِ قدر اضافہ

"سٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری"

(از عبدالماجد)

پڑھنے کے لیے سب ہی راہیں کھلی ہیں، بہرحال اردو کا سابقہ تو انگریزی کے ساتھ پڑ چکا اور تقدیرِ الٰہی کا یہ نوشتہ آج سے ڈیڑھ سو برس ادھر پورا ہو چکا کہ اردو خوانوں کو لکھائی اور پڑھائی میں، اوسط اور اعلیٰ امتحانات میں، بڑی تجارت میں، وکالت میں، سرکاری اور نیم سرکاری عہدہ داری میں، غرض زندگی کے ہر شعبے میں مجبوراً "دوست نگر" صاحب" ہی کی زبان کا ہو کر رہنا پڑ گیا۔

حیرت ہے کہ ضرورت اتنی صریح اور واضح اور شدید بھی، اب تک اردو میں کوئی قابلِ ذکر لغت موجود نہ تھا جس سے ہمارے انگریزی زبان کی طویل و عریض فرہنگ الفاظ ہی کی پوری پیمائش ہو سکے۔ --- انگریزی کی کنایات، تلمیحات، محاورات، استعارات کا پوری طرح سمجھنا الگ رہا --- ایک ڈاکٹر فیلن کا لغت البتہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ رومن حروف میں چھپا ہوا۔ سو ظاہر ہے کہ انگریزی زبان اتنی مدت میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ بعد کے لوگوں نے تھوڑی بہت کوشش کی بھی تو کاروباری نقطۂ نظر سے اور ان کی ہمتیں بھی مدرسہ کے طلبا کی محدود ضرورتوں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

ضرورت اور علمی حلقوں میں شدید ضرورت عرصۂ دراز سے چلی آ رہی تھی کہ انگریزی کا کوئی جامع، مبسوط نہ سہی اوسط ہی درجہ کا مفصل لغت اردو میں، اور اردو رسم الخط میں موجود ہو۔ مدتیں اسی آرزو میں گزر گئیں۔ تا آنکہ جس جواں ہمت خادمِ اردو کے نصیب میں یہ سعادت ازل سے لکھی جا چکی تھی، اُسکے ہاتھوں یہ خدمت انجام پا کر رہی۔ مولوی عبدالحق (اور اب ڈاکٹر عبدالحق بی اے ڈی لٹ۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو (نئی دہلی) کی ذات زبان اردو سے ملک کو روشناس کرانا "سورج کو چراغ سے دکھانا" ایک عمر ہوگئی کہ اپنے کو خدمتِ اردو کے پیچھے فنا کیے ہوئے ہیں۔ فطرتِ الٰہی کی مردم شناسی پر حرف آ جاتا اگر ایسی اہم و عظیم الشان خدمت اُنکے سوا کسی اور کے ہاتھوں انجام پاتی۔

آکسفرڈ انگلش ڈکشنری اس وقت انگریزی زبان کا مبسوط ترین، جامع ترین، مستند ترین لغت ہے۔ اسکا ایک اختصار "شارٹر" کے نام سے ہے، دو ضخیم مجلدات میں، اور پھر اس اختصار کا ایک "ایجاز" بھی "کنسائز آکسفرڈ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس موجز کے ایجاز کا یہ حال ہے کہ اسکی بھی ضخامت ۱۰۲۶ صفحات کی ہے اور ہر صفحہ میں دو کالم۔ جملہ عنوانات (مستقل و ضمنی) کی تعداد لاکھ ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ پہنچتی ہے! --- ڈاکٹر عبدالحق کی ہمت اس پر مستعد اور توجہ اسی پر مستعد ہو گئی کہ اس بحرِ ذخار کو اردو کے دامن میں سمیٹ لیا جائے!

کام نہ ایک شخص کے کرنے کا اور نہ چند مہینوں میں ہو جانے کا۔ کام کا پہلا دور ختم نہ ہو سکا کہ ایک پوری جماعت اہلِ علم و تحقیق کی ہوتی، جو دوسرے مشاغل سے فارغ [illegible]

کا تھوڑا تھوڑا دفتر کے کارکنوں کا ایک پورا "دانش خانہ" مہیا ہوتا، جب کہیں جا کر یہ کام کہیں ہو پاتا۔ اردو غریب کے نصیب میں یہ انتظامات کہاں؟ ہمت کا کمال دیکھیے کہ مولوی عبدالحق نے اپنے بیسیوں دوسرے علمی، تعلیمی، تصنیفی مشاغل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نظامت انجمن ترقی اردو کی دماغی کام کاج کے ہوتے ہوئے "بیرونِ در" (OUTDOOR) دوڑ دھوپ کے ساتھ اس کام کا بھی بیڑا اٹھا لیا، اور دو ہی چار رفیقوں کی معیت میں اس ہفت خواں کے سفر پر چل کھڑے ہوئے! اللہ نے وقت میں اور ہمت میں برکت دی۔ رفیق دو ہی ایک سہی، اگر خوب کام کے نکلے۔ خصوصاً جامعہ عثمانیہ کے ڈاکٹر عابد حسین۔ نتیجہ اس کتاب کی صورت میں ظاہر ہوا جس پر سرسری تبصرہ کی یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں۔

کتاب کا نام "اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری" ہے۔ ضخامت لمبی چوڑی تقطیع کے ۱۵۱۲ صفحات اور کوئی ۲۵ صفحے دو ضمیموں کے اور ۶ صفحوں کا دیباچہ۔ کل ضخامت گویا ۱۵۵۰ صفحات کی۔ ہر صفحہ میں دو کالم۔ اردو کی چھپائی ٹائپ کی۔ ٹائپ جلی نہیں خفی ہے، اس لیے گنجائش بہت زیادہ نکل آئی ہے۔ کاغذ اہتمام کے ساتھ باریک رکھا گیا ہے، اس لیے کتاب ایک جلد میں آ گئی ہے، ورنہ حقیقتہً پڑھنے کا مسالہ اتنا ہے کہ دو مجلدات سے کم کفایت نہ کرتے۔ دیباچہ کا اقتباس ملاحظہ ہو، اس سے ایک طرف فاضل مرتب کی کوششوں اور کاوشوں کا کچھ اندازہ ہوگا اور دوسری طرف کتاب کے کچھ خصوصیات بھی روشنی میں آ جائیں گے:۔

"کہنے کو تو یہ نظرثانی تھی لیکن حقیقت میں از سرِ نو ترجمہ کرنا پڑا۔ شاید ہی کوئی لفظ ہوگا جو حک و اصلاح سے بچا ہو۔ بڑی احتیاط یہ کی گئی ہے کہ انگریزی لفظ کے لیے اردو لفظ، انگریزی محاورہ یا روزمرہ کے لیے اردو محاورہ یا روزمرہ، انگریزی مثل کے لیے اردو مثل اس طرح بٹھائی جائے کہ انگریزی کا صحیح مفہوم پوری طرح ادا ہو جائے۔ لفظ کی تشریح تو آسان ہے لیکن لفظ کے لیے ویسا ہی لفظ اور محاورہ کے لیے ویسا ہی محاورہ لانا مشکل کام ہے۔ بعض اوقات ایک ایک لفظ کے لیے بیسیوں کتابوں کے ورق الٹنے پڑتے تھے۔ بول چال یا عامیانہ الفاظ کے لیے اردو میں بھی اسی قسم کے لفظ تلاش کرنے پڑتے تھے۔ علمی اصطلاحوں کے لیے پیشہ وروں کی اصطلاحیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانی پڑتی تھیں۔ ایسی صورتوں میں اکثر اوقات کتابیں اور لغات کام نہیں دیتی تھیں۔

اسی طرح انگریزی الفاظ کے معانی کے نازک فرق بھی اردو مترادف الفاظ سے ظاہر کیے گئے ہیں۔ جن الفاظ کے مختلف و متعدد معنی ہیں، وہاں ہر معنی کا نمبر شمار دیا گیا ہے تاکہ معانی کا امتیاز صاف طور پر نظر آ جائے۔ اور ہر معنی کا فرق مثالیں دے کر ظاہر کیا گیا ہے۔ کیونکہ محض تشریح کر دینے سے نہ تو پورا مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور نہ اس کا صحیح استعمال معلوم ہوتا ہے۔"

(رشتہ دیباچہ)

دشمنِ ایمان "نگار"

(۱)

کیا ہندوستان یا پاکستان میں کوئی ایک بھی مسلمان موجود ہے، جو "نگار" کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری کو مسلمان سمجھتا ہو؟ ہم تکفیر مسلمین کے سخت دشمن ہیں لیکن نیاز صاحب نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ جسکی بنا پر ہم انہیں مسلمان سمجھ سکیں، ملاحظہ ہو نگار جون ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱:-

"کلام مجید کو میں نہ کلام خداوند سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام مانتا ہوں، اور اس مسئلہ پر اس سے قبل کافی نگارش پیش کر چکا ہوں"

اسی مضمون میں ایک جگہ یہ شخص لکھتا ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء کے جو قصے درج ہیں، وہ ضروری نہیں کہ صحیح ہوں۔ وہ ہرگز تاریخی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ بعض قصے کہانیاں عوام کی زبان پر تھیں۔ جن کو رسول اللہ نے محض تذکیر و بصیرت کے لیے بیان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی شاید مسلمانوں پر احسان رکھنے کے لیے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

"میں رسول اللہ کو بلند ترین اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے"

یعنی اسلام و ایمان کے علاوہ منطق وغیرہ سے بھی یہ شخص کنارہ کش ہو چکا ہے۔ وہ رسول اللہ صلعم کو بلند اخلاق اور سچا انسان کہتا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی قرآن کو اللہ کا کلام نہیں، بلکہ رسول اللہ کی تصنیف بتاتا ہے حالانکہ سارا قرآن ان تصریحات و دعاوی سے بھرا ہوا ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے۔ کسی بندے کا نہیں۔

گویا نیاز فتحپوری کے نزدیک رسول اللہ صلعم ایک بلند اخلاق اور سچے انسان ہونے کے باوجود (بقول صدق :-

(نعوذ باللہ) اتنا بڑا تاریخی اور بے مثال جھوٹ بول گئے کہ سارے قرآن کو اپنی طرف سے گڑھ کر اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا۔

نیاز کا یہ قول دیکھ کر بے اختیار اسکے بزرگ "ابوجہل" اور "ابولہب" یاد آ گئے۔ جنہوں نے بالکل یہی کہا تھا جو آج انکا جانشین کہہ رہا ہے۔ جاہلیت قدیمہ کے ان دو علمبرداروں نے کہا تھا کہ محمد بلا شبہ صادق و امین ہیں۔ لیکن قرآن خدا کا کلام نہیں، محمد (نعوذ باللہ) اللہ پر افترا باندھ رہے ہیں۔
جاہلیتِ جدیدہ کا یہ فرزند بھی بعینہ یہی کہہ رہا ہے۔ (انقلاب)

(۲)

نگار (لکھنؤ) کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری کو اپنی گمراہانہ بدعقیدگی کے لیے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اب ان کے متعلق حضرت سالک نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ وہ قرآن کو اللہ کا نہیں، بلکہ انسان کا کلام مانتے ہیں۔ سبحان اللہ انسانی شکل میں کیسے کیسے گدھے جلوہ افروز ہیں۔ اس پر ایک شعر ہو گیا ملاحظہ ہو

کلام حق کو جو تو اک بشر سمجھتے ہیں
خرد وران جہاں ان کو خر سمجھتے ہیں
(زمیندار)

ایک حیا سوز وبا

کچھ عرصہ سے لاہور کے مغرب زدہ اصحاب میں اپنی تعلیم یافتہ نوجوان بہنوں اور بیٹیوں کو ناچ گانے کا شوق ترقی کر رہا ہے۔ اپنی "روشن خیالی" کے جوش میں یہ لوگ آرٹ اور موسیقی کے نام پر سوسائٹیاں اور کلب قائم کرتے ہیں۔ ان کے باقاعدہ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جن میں اعلیٰ گھرانوں کی دوشیزائیں اپنا ناچ دکھاتی اور گانا سناتی ہیں۔ ان جلسوں میں ہر خاص و عام ٹکٹ کے معاوضہ کی رقم خرچ کر کے شریک ہو سکتا ہے۔ کالجوں کے نوجوان طلبہ اور طالبات تفریح پسند مرد اور عورتیں اور انکے علاوہ اوباش و اعلیٰ "اجتماعیت" افراد بلا تکلف ان جلسوں میں جاتے ہیں، اور وہاں سے جو خیالات و جذبات لے کر آتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

چند ماہ ہوئے لالہ لاجپت رائے ہال میں ہندو "روشن خیالوں" نے ایک اسی قسم کے جلسۂ رقص و سرود کے انعقاد کا انتظام کیا اور اسکا خوب اشتہار دیا لیکن عین وقت پر بعض ہندو نوجوانوں کے زبردست مظاہرہ کی وجہ سے جلسہ ملتوی کرنا پڑا۔ اسکے بعد کچھ عرصہ سکون رہا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ انہی لوگوں نے ۲۶ رجون کو وائی۔ ایم۔ سی ہال میں اس قسم کا جلسہ منعقد کر ہی ڈالا۔ جس میں تین ہندو لڑکیاں ناچیں۔ متعدد ہندو لڑکیوں نے گانا سنایا۔ ایک مسلمان کہلانے والی فلم ایکٹرس نے بھی اپنا ناچ دکھایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس ہم مغرب زدہ اصحاب کے اس غیرت کش شوق کو ایک حیا سوز اخلاقی وبا کہنے کے لیے مجبور ہیں۔ صحیح الخیال ہندو و مسلمان بزرگوں کو اسکے انسداد کی طرف فوراً متوجہ ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ مرض بہت جلد لا علاج اور ناقابل انسداد ہو جائیگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابھی تک یہ لوگ صرف روشن خیال شریف ہندو گھرانوں ہی کی لڑکیوں کو نچانے میں کامیاب ہوئے ہیں، لیکن واضح رہے کہ اس وبا کے اثرات سے مسلمانوں کے "روشن خیال" گھرانے بھی پوری طرح محفوظ نہیں، بلکہ ان میں اس وبا کے پھیلنے کے زبردست امکانات موجود ہیں اور اسلامی تہذیب و شرافت کے لیے یہ بات بہت زیادہ ناقابل برداشت اور نقصان رساں ہوگی۔ اس لیے مسلمانوں پر اس وبا کے انسداد کا فرض سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے۔
(پیغام صلح)

(بقیہ صفحہ ۵)

کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (تاکہ تمہارے چند سرمایہ دار اور امراء ہی کے بیچ نہ گھومتی رہے) گاندھی جی نے گدائی کے انسداد کا جو نسخہ تجویز کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور وہ وہی نسخہ ہے جو آپ سے تیرہ سو سال پہلے عرب کے بزرگ و برتر نے اپنے پیغمبر کی معرفت نوع انسان کو دیا تھا۔ جس قوم نے جب بھی اس پر عمل کیا فائدہ اٹھایا۔ (زمزم)

کو سنیے ..... مرداش ربا کی اس روایت اور اسلامی روایت کا پس منظر بالکل ایک ہے ... قرآن میں ابراہیم کے باپ کا نام آزر بتایا گیا ہے اور مرداش ربا کی روایت میں تیراہ ہے .... بعد کو لوگوں نے زیب داستان کے لیے وہ سب کچھ اضافہ کرلیا جو مرداش ربا اور کلام مجید کی روایات میں پایا جاتا ہے" (نگار، جون سنہ ۶۰ء، صفحہ ۶۲)

کیا قرآن نام ہے "زیب داستان کے لیے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصوں" کا؟ بولہبی جسارت اور ابوجہلی جہالت سے قطع نظر کیجیے۔ کیا کسی قرآنی روایت کی تکذیب اور تکذیب نہ سہی تضعیف کی یہ بھی کوئی دلیل ہے؟ دلیل قوی نہ سہی دلیل ضعیف سہی کہ وہ روایت پوری یا ادھوری دوسری قوموں کی الہامی کتابوں میں، تاریخوں میں، نوشتوں میں موجود ہے؟ کیا اس جاہل کے نزدیک قرآن نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ جو بھی روایت بیان کریگا، اس کی تائید نہ کسی تاریخ سے ہوسکیگی، نہ اس کی شہادت میں کوئی کتبہ پیش ہوسکے گا؟ پھر آخر یہ "مرداش ربا" کے نام کی رٹ کیوں لگی ہوئی ہے؟

اس کو بھی چھوڑیے۔ خود یہ مرداش ربا آخر ہے کیا بلا؟ نیاز اس منتر کو بار بار اس طرح جپ رہا ہے کہ گویا یہ کوئی گرز البرز شکن ہے کہ اسکے پڑتے ہی نعوذ باللہ اسلام کا دماغ پاش پاش ہو جائیگا۔ لفظ کے معنی تفسیر اعظم یا تفسیر کبیر کے ہیں۔ کتاب عبرانی زبان میں ہے، ضخیم مجلدات میں، تخمیناً ڈھائی ہزار سال قبل کی لکھی ہوئی، علماء اسرائیل و شارحین توریت کے قلم سے۔ "جناب علامہ" جو بار بار اس بے تکلفی سے اسکا حوالہ دے رہے ہیں، اس کتاب کو سمجھ کر پڑھ تو یقیناً چکے ہونگے۔ سمجھ کر نہ سہی بے سمجھے ہی کبھی بار اسکی تلاوت سے مشرف ہوئے ہیں؟ تلاوت کو بھی جانے دیجیے محض زیارت کب اور کہاں نصیب ہوئی ہے؟ عبرانی زبان میں تبحر نہ سہی، "حرف شناسی" کی نوبت بھی کبھی آئی ہے؟ اصل عبرانی کو بھی چھوڑیے، ترجمہ کس زبان میں مطالعہ شریف میں آیا ہے؟ یونانی میں، لاطینی میں، جرمن میں، فرنچ میں؟ اچھا یہ بھی نہ سہی، انگریزی میں؟ انگریزی کی تعلیم بھی، حضور والا نے کس یونیورسٹی میں، کس کالج میں، کتنے دن کے لیے اتنی پائی ہے کہ علمی کتابوں کے مطالب، بے تکلف نہ سہی، باتکلف ہی سمجھ سکیں؟ اللہ کے ناشکر گزار بندہ! جس کتاب کا نام اس عبارت کے ساتھ ایک بار نہیں، پانچ بار لکھا ہے اور انگریزی اور اردو دونوں حروف میں لکھا ہے، کم از کم اسکا صحیح املا تو کسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ تفسیر کی کتاب کو عبرانی میں "مرداش" نہیں "مدراش" کہتے ہیں، جسکا مادہ "درش" ہے جتنا وقت اپنے ہاتھ سے اپنی نلائقیت کا ڈھول پیٹنے میں صرف ہوتا ہے، کاش اسکا کوئی حصہ واقعی حصول علم میں بھی صرف کیا ہوتا!

جہل مرکب کی مثال

"قرآن کو اس معنی میں خدا کا کلام کہنا کہ اسکا ایک ایک لفظ خدا کی زبان سے ادا کیا ہوا لفظ ہے، حد درجہ جاہلانہ عقیدہ ہے، جس سے ایک طرف خدا کے تصور وحدانیت کو صدمہ پہنچتا ہے اور دوسری طرف رسول کی عظمت کو" (نگار، بابت جولائی سنہ ۶۰ء، صفحہ ۶۳)

یہ "حد درجہ جاہلانہ عقیدہ" آپ سمجھے کیا ہے؟ یہ عقیدہ کہ قرآن خدا کا کلام ہے؟ دلیل پہلی یہ کہ جو خدا متکلم ہو، وہ واحد کیسے ہو سکتا ہے؟ واحد ہونے کے لیے تو خدائے ناطق کا نہیں، خدائے ساکت و صامت کا وجود ضروری ہے! دلیل دوسری یہ کہ رسول نے اگر اللہ کا پڑھایا ہوا سبق دہرا دیا تو اس میں بات ہی کیا ہوئی، بات تو جب ہے، کہ وہ خود اپنے دل و دماغ سے گڑھ کر کوئی تعلیم، کوئی دین، کوئی قرآن پیش کرتا! ——— جہل مرکب کی اس سے بڑھ کر حیرت انگیز و عبرت انگیز مثال آپ کی نظر سے کہیں گزری ہو؟

"سچ پوچھیے تو یہ رسول کی عظمت کے منافی ہے کہ جو کچھ وہ کہے وہ خود اس کے دماغ کا نتیجہ نہ ہوتا" (صفحہ ۶۴)

"اگر قرآن کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف خدا کا بنایا ہوا ہے، تو پھر اس میں رسول اللہ کا کیا کمال ہے اور خود ان کے ذاتی شرف پر اس سے کیا روشنی پڑتی ہے"؟ (صفحہ ۶۴)

"کہا جاتا ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا دنیا میں جواب نہیں، اور اگر کوئی خدا کا کلام ہو سکتا ہے، تو واقعی اسکو ایسا ہی فصیح و بلیغ ہونا چاہیے، لیکن اس سے رسول اللہ کی ذہنی بلندی یا قوت اختراع کیا ثابت ہوتی ہے؟ (۶۴)

گویا نیاز خاں رسول اللہ صلعم کی عظمت کے جب قائل ہونگے جب حضور کو سرے سے منصب رسالت و سفارت ہی سے برطرف کر دیا جائے! — جون کے مہینہ کے متن کفر و ارتداد کی شرح در شرح جولائی کے مہینے میں آپ نے دیکھ لی؟

"میں سمجھتا ہوں کہ رسول کی عظمت کا اقتضا یہی ہے کہ قرآن کو انھیں کا کلام سمجھا جائے" (صفحہ ۶۵)

یعنی نیاز خاں بھی قرآن کو محمد کے باہمی تصانیف کی بابت بالآخر وہی سمجھے، جو ابولہب اور ابوجہل تیرہ سو برس پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے، اور جو ہر مارگولیس اور سر راجپال آج بھی سمجھے ہوئے ہے!

دلیل کا کمال

"میں واقعی مسلمان ہوں" (نگار بابت جولائی صفحہ ۵)

یہ اس نے کہا، جسے اصرار ہے اپنی کفریات کی اشاعت پر، اور جو برابر کہے جا رہا ہے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں، تصنیف محمدی ہے۔ آپ خوش ہونگے کہ کہنے والے نے بہرحال کسی طرح اپنے مسلمان ہونے کا اقرار تو کیا۔ لیکن ابھی خوش نہ ہوجیے، متن کی شرح بھی اسی زبان میں حاضر ہے:-

"آپ کو میرے اسلام کی طرف سے صرف اس لیے شبہ ہے کہ میرے عقائد تمام عقائد سے علیحدہ ہیں، لیکن عام عقائد کا اختلاف ایک شخص کو اس جماعت یا قوم سے علیحدہ نہیں کر سکتا جس میں اس کا نشو و نما ہوا ہے۔ اس لیے جب تک میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں، دنیا میں کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ مجھے ملت اسلامی کے دائرہ سے خارج کردے، خواہ میرے عقائد کچھ ہی کیوں نہ ہوں" (صفحہ ۵)

اب فرمائیے،

نیازؔ اور زبانِ خلق

(۱) موتمر مسلم نوجوانانِ دکن کی مجلس عاملہ کا جلسہ بمقام شاہراہِ عثمانی حیدرآباد۔ دکن زیر صدارت مولوی خلیق احمد صاحب نعمانی صدر موتمر منعقد ہوا۔ ارکین کی تعداد کثیر شریک تھی۔ مجلس عاملہ نے دو قراردادیں باتفاق آرا منظور کیں جو حسب ذیل ہیں۔۔۔۔۔

اسکے بعد موتمر نے دارالترجمہ کے مسئلہ پر تبصرہ کیا۔ اب جبکہ دارالترجمہ کی حیثیت ثانوی ہو گئی ہے "ناظر ادبی کی خدمت کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے یہ قرارداد منظور کی۔" موتمر مسلم نوجوانانِ دکن کا اجلاس عاملہ اس افواہ پر اپنی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ دارالترجمہ کے ناظر ادبی کی خدمت پر مسٹر نیاز فتحپوری کا تقرر کیا جانے والا ہے جنکے مذہبی رجحانات ہر طبقہ میں بنظر نفرت و حقارت سے دیکھے جاتے ہیں اور کسی طرح اس اسلامی مملکت میں کسی جگہ حاصل کرنے کے وہ اہل قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ موتمر کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ اس خدمت پر جامعہ عثمانیہ کے کسی ایسے فارغ التحصیل کا تقرر کیا جائے جو اپنی ادبی خدمات کے لحاظ سے اپنی اور جامعہ کے نام کو روشن کرتے رہیں۔

موتمر عوام مسلمین سے بھی پُر زور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ رسالہ نگار کا بالکلیہ مقاطعہ کر دیں۔ نیز حکومت سرکار عالی سے توقع ہے کہ نگار کے داخلہ کو ممالک آصفیہ میں مسدود کر دیگی جسکی پالیسی مسلمانوں کی مسلسل دل آزاری کا باعث رہی ہے۔ (دکن نیوز)

(۲) حیدرآباد۔ ۳۰ امرداد۔ بتاریخ ۲۷ امرداد ۱۳۴۵ف روز سہ شنبہ مسلمانانِ دبیر پورہ کا ایک جلسہ ہوا جس میں حسب ذیل ریزولیوشن منظور کیا گیا "رسالہ نگار ماہ جون ۱۹۳۶ء میں درج ہے کہ "کلام مجید کو میں نہ کلام خدا سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام سمجھتا ہوں" اس پرچہ میں اسی طرح کے اور بھی گمراہ کن مضامین ہیں۔ اس سے عام طور پر کم علم مسلمانوں اور طلبۂ مدارس وغیرہ کے بدعقیدہ اور گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ ہے لہذا یہ جلسہ اپنی مہربان اسلامی حکومت سے یہ استدعا کرتا ہے کہ رسالہ نگار لکھنؤ مرتبہ نیاز فتحپوری کا داخلہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں بند کیا جائے اس رسالہ میں عرصہ سے اس طرح کے دل آزاری کے مضامین تمام مذاہب کے خلاف شائع ہوتے ہیں۔" اس رزولیوشن کی ایک ایک نقل معتمد صاحب مجلس علماء دکن، صدر المہام بہادر امور مذہبی و دبیر مجلس صاحب انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کی خدمت میں روانہ کی گئی اور اس فتنہ کے انسداد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ (دکن نیوز)

(۳) حیدرآباد۔ ۳۰ امرداد۔ آج بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری معتمد مجلس علماء دکن نے "نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون" کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ ہر زمانہ میں منکرینِ قرآن پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے کیفر کردار کو پہنچتے رہے۔ ان حشرات الارض کے شور و پکار سے اللہ کا نور نہ بجھا ہے اور نہ قیامت تک بجھے گا۔

وعظ کو جاری رکھتے ہوئے معتمد صاحب مجلس علماء دکن نے بیان فرمایا کہ مسلمانو تم یہ نہ سمجھنا کہ عمر ابن ہشام کے چیلے دنیا سے مفقود ہو گئے ماہ جون کے رسالہ "نگار" میں قرآن حکیم کے متعلق وہ ساری باتیں دہرائی گئی ہیں جن کو اُنکے پیشرو نے کہا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ کھلے دشمنوں سے ملت بیضا کو اتنا نقصان کبھی نہیں پہونچا جتنا کہ ان نام نہاد مسلمانوں سے جن کے قلوب عمر ابن ہشام کے پیرو اور عتبہ اور ولید کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔" مولانا نے دوران میں یہ بھی فرمایا کہ خدا کرے یہ خبر غلط ہو کہ اس دشمن خدا و رسول کو سلطنت اسلامیہ آصفیہ میں کوئی خدمت دی جا رہی ہے۔ ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ اس "رسالہ نگار" سے قطع تعلق کرے اور ارباب حکومت کو چاہیے کہ ایسے دل آزار پرچہ کو فوراً ممنوع الداخلہ قرار دے کر مسلمانوں کی عام بے چینی کو رفع فرمائیں۔

آخر میں موصوف نے وعظ کے اختتام پر کہا کہ مسلمانو! آؤ خلوص دل سے دعا کریں کہ حق تعالیٰ جلالۃ الملک آصف سابع کو بعید جاہ و جلال دیر گاہ سلامت رکھے کہ جن کے عہد میمنت میں ہر قسم کے شر و رد فتن سے ہم محفوظ رہیں اور حضور کی ذات گرامی حامل ملت بیضا ہے۔ (دکن نیوز)

(۴) حیدرآباد۔ یکم شہریور۔ ایک محضر جس پر مسلمانوں کے متعدد دستخط ہیں "دکن نیوز" کے نام بغرض اشاعت وصول ہوا ہے۔ محضر میں مسلمانوں نے حکومت سرکار عالی سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ رسالہ نگار کو ممنوع الداخلہ قرار دے۔ (دکن نیوز)

(۵) حیدرآباد۔ ۲۔ شہریور۔ معلوم ہوا ہے کہ رسالہ "نگار" کو حیدرآباد میں ممنوع الداخلہ قرار دینے کی کارروائی حکومت کے پیش نظر ہے۔ (دکن نیوز)

(۶) مجلس مشاورت دائرۃ الاصلاح کم شہریور کو بعد نماز عصر طریقت منزل چیلا پورہ منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی:۔۔۔

"نیاز فتحپوری جو بظاہر مسلمان اور بحقیقت ایک پیکر طاغوت و کفر ہے اور جسکی تحریری گمراہیاں آئے دن فدایانِ شریعت مطہرہ کے زخمی دلوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ مسلمان انکے قلمی فتنوں کو ایک ساعت کے لیے بھی برداشت کریں۔ کیونکہ ساڑھے تیرہ سو سالہ کی زندگی اس حقیقت کو واشگاف کرتی چلی آئی ہے کہ امت کو بیرونی دشمنوں نے اس قدر نقصان نہیں پہونچایا جسقدر اندرونی اور داخلی فتنوں سے۔ نیاز کا وجود، اُنکی تحریریں سب اسی دوسری قسم کے فتنوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ حمیت، غیرت، اور ناموس شریعت بیضا کی حفاظت مسلمان کی زندگی کا تنہا ثبوت ہے۔ پرستارانِ دین برحق کا فرض ہے کہ وہ اس امر کا ثبوت عاجلاً جلد دیں کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام یا قرآن حکیم کے خلاف کسی دریدہ دہن کے ایک حرف گستاخانہ کے سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ "نگار" کا پڑھنا، اُسکا خریدنا یکلخت بند کر دیں اور حکومت کو متوجہ کریں کہ تعلیمی اداروں میں نگار کا داخلہ فوراً بند کر دیا جائے کیونکہ اسکے مطالعہ سے طلبہ کے گمراہ ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ آخر میں حکومت کے ارباب بست و کشاد کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر نیاز کو سلطنت اسلامیہ آصفیہ میں کسی خدمت پر مامور کرنے کا خیال ہے تو وہ اسے بخیال احترام اسلام ترک فرما دیں۔ جو شخص دینی اپنی گستاخیوں کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے، سے ایک اسلامی سلطنت کیوں پناہ دے جسکا شعار اب تک صرف اسلام پروری رہا ہے۔" (از ترجمان انجمن[illegible])

دشمنِ ایمان نگار

(۳) حق - (لکھنؤ)

نیاز صاحب فتحپوری کا قلم اسلام اور معتقدات اسلامی کے بارے میں آج سے نہیں، عرصہ سے اپنی خرافات نگاری میں ضرب المثل ہو چکا ہے، لیکن جون ۶۲ع کے نگار میں تو انھوں نے کمال ہی کر دیا ہے۔ "آتش فرود" کے زیر عنوان انھوں نے صاف و صریح الفاظ میں قرآن مجید کے الہام ربانی و کلام خداوندی ہونے سے صاف انکار کر دیا ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ یہ انسان کا کلام ہے اور اس میں ہر قسم کی سنی سنائی روایات جو تاریخی اعتبار سے غیر مستند ہیں درج ہیں۔ نیاز صاحب کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"......

نیاز صاحب کے اس اعلان کے بعد ان کے اسلام و ایمان کی کیا توجیہ و تاویل کی جا سکیگی؟ اور انکا نام مسلمانوں کی مردم شماری کے رجسٹر میں کس حیثیت سے باقی رہ سکے گا؟ نیاز صاحب کو ہمیشہ سے جدت نگاری کا شوق رہا ہے، لیکن افسوس کہ انکے اس دعوے میں کوئی ندرت و جدت نہیں۔ اسلام کے جتنے منکرین و معاندین گزرے ہیں، ابو جہل و ابولہب سے لیکر آج کے مارگولیس و دیگر متعصب مستشرقین سب یہی دعوے کر چکے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ ایک انسان کا ہے۔ ہاں نیاز صاحب اس لحاظ سے ضرور منفرد ہیں کہ انھوں نے اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے وہ دعوے کیا کہ جو کسی بے راہ سے بے راہ مسلمان فرقہ کے کسی نام لیوا نے نہیں کیا۔

نیاز صاحب کے مضمون میں حسب معمول پیغمبروں کا ذکر بے ادبی کے انداز میں ہے۔ کہیں بھی کوئی تعظیمی لفظ انکے لیے نہیں لکھا گیا بلکہ محض رسول اللہ و ابراہیم پر اکتفا کی گئی ہے۔ لیکن اس بے ادبی کی اس گستاخی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں جو اس مضمون میں آگے چل کر ظاہر ہوتی ہے۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں :-

"میں قرآن کی کسی حکایت کو محض اس بنا پر کہ اسے الہام خداوندی سمجھا جاتا ہے صحیح تسلیم نہیں کر سکتا، کیونکہ الہام کا تعلق الفاظ سے مطلق نہیں۔ لیکن چونکہ میں رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بول سکتے تھے، اس لیے قرآن میں واقعہ ابراہیم کا پایا جانا اس امر کی دلیل تو ضرور ہے کہ رسول اللہ نے اسے جھوٹ نہیں بیان کیا، یعنی اپنی طرف سے گڑھ کے نہیں بیان کیا، لیکن اس کا اثر نفس واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر نہیں پڑتا۔"

ایک طرف تو جناب نیاز مسلمانوں پر احسان کر کے (یا شاید اُن کے جوش سے مرعوب ہو کر) رسول اللہ صلعم کو بلند اخلاق کا سارٹیفکٹ عطا کرتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بول سکتے تھے، دوسری طرف اس کا دعوے بھی ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں بلکہ انسان کا کلام ہے اور ایسا کلام جس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتوں کو درج کیا گیا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر (نعوذ باللہ) کوئی جھوٹ ہو سکتا ہے کہ رسولؐ نے اپنی تصنیف کو خدا کی طرف منسوب کر دیا اور قرآن میں ایک جگہ بھی اشارۃً یہ چیز نہ آنے دی کہ یہ میری تصنیف ہے۔ اس سے بڑھ کر کذب کی (نعوذ باللہ) مثال اور کیا مل سکتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ نیاز صاحب نے اس معاملہ میں بھی اپنے پیشرو ابوجہل و ابولہب وغیرہم کی تقلید کی ہے جو ایک طرف تو حضور مقبول صلعم کو "امین" بھی کہتے تھے، اور دوسری طرف انکے لائے ہوئے قرآن کو سحر، شاعری یا اسی قسم کے دوسرے انسانی کمالات کا نتیجہ ٹھہرا کر اسکے الہامی ہونے سے انکار کرتے تھے۔ ابو جہل و ابولہب کو ہر شخص کافر و منکر سمجھتا ہے لیکن آج ہمارے امین نیاز صاحب اپنے اسی دعوے کو لیکر اٹھے ہیں اور ساتھ ہی مسلمان ہونے کی باریک نقاب بھی چہرہ پر ڈالے ہوئے ہیں تاکہ اپنی تحریر کے ان عواقب سے محفوظ رہیں جو ایسے گستاخ نگاروں کو پیش آتے رہتے ہیں۔

آج سے چند سال قبل نیاز صاحب نے صاف و صریح الفاظ میں اپنی اس قسم کی گستاخ نگاریوں پر اظہار ندامت کیا تھا اور ایک علیحدہ توبہ نامہ شائع کر کے امت اسلامیہ سے گڑگڑا کر معافی مانگی تھی۔ قوم کے حافظہ کو شاید انھوں نے بہت ہی ضعیف سمجھا ہے، یا شاید انکے نزدیک اب مسلمانوں کے دل سے حمیت اسلامی ختم ہو گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ نیاز صاحب کو اپنے اس اندازہ کی غلطی بہت جلد معلوم ہو گی۔ اور مقامات کا ذکر نہیں، خود لکھنؤ کے مسلمان باوجود اپنے شدید باہمی اختلافات کے اتنے بے حس نہیں ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے "نفتہ کالم" والوں کی غیر اسلامی اور بعض غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ انتہائی دل آزار تحریروں سے متاثر نہ ہوں۔ مسلمانوں کا ہر فرقہ اور ہر جماعت یقیناً اسکے خلاف اظہار ناراضی کریگا۔

(۴) مدینہ

"علامہ" نیاز فتحپوری نے جون کے نگار میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا تھا

"کلام مجید کو میں نہ کلام الٰہی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"

یہ تحریر نگار کے صفحات اُلٹتے وقت سرسری طور پر ہماری نظر سے بھی گزری تھی، لیکن ہم نے اسے مطلق قابل اعتناء نہیں خیال کیا تھا کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ نیاز صاحب کے مشہور توبہ نامہ کے بعد اب مذہب کے متعلق ان کے "اجتہادات" کی کہیں کوئی کوڑی نہیں اُٹھتی ہے اور انکی کسی بات کا نوٹس لینا حقیقت میں ضیاعِ وقت ہے لیکن معلوم ہوتا ہے ملک میں ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو نیاز صاحب کے اثر کے متعلق کچھ حسن ظن رکھتے ہیں یا اپنی غیرت ایمانی سے مجبور ہو کر مذہب کے متعلق انکے ہفوات کا بھی جواب دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ انھیں میں غالباً مولوی محمد ادریس صاحب رفیق دار المصنفین بھی ہیں جن کا ایک طویل مضمون نیاز صاحب کے مذکورۂ بالا "الہام" کی تردید میں معاصر "زمزم" کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر ہمیں اس لحاظ سے تو خوشی ضرور ہوئی ہے کہ اس میں نیاز صاحب کے اوہام و خرافات کی مدلل تردید کر دی گئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ افسوس بھی ہوا کہ انھوں نے خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت ایک ایسے شخص کا جواب دینے میں صرف کیا جو مطلق لائق اعتناء نہیں ہے اور جواب کے لیے بھی اسکی وہ بات منتخب کی جبکہ

کلمہ گو کے قلب پر مطلق اثر نہیں ہو سکتا ہے۔ نیاز صاحب بلا شبہ کسی زمانہ میں بہت سے سادہ لوحوں کے نزدیک "مصلح امت" اور "مجدد وقت" تھے لیکن مسلمانوں کی عمومی چشم نمائی کی تاب نہ لاکر "اصلاح و تجدید" سے انہوں نے گڑگڑا کر معافی مانگ لی اور اسکے بعد ڈھیل پاتے ہی پھر اسکا غلغلہ بلند کرنے لگے تو ان کے معتقدوں اور نیاز مندوں نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا کہ نیاز صاحب اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے کتنے پانی میں ہیں۔ اور ان کا اصلاح و تجدید کا غلغلہ تمام شہرہ اور گرمی بازار کے علاوہ اور کسی مقصد کیلئے نہیں ہے۔ ایسے شخص کو دار المصنفین جیسے ادارہ کے کسی رکن کو اس درجہ اہمیت دینا کہ اس کی تحریر کا جواب شائع کیا جائے کسی حال سے مناسب نہیں ہے اور نہ نیاز صاحب کی ایسی قدر افزائی کے مستحق ہیں وہ ہرگز مستحق نہیں ہیں۔ بہر حال اب تو مضمون شائع ہو چکا ہے لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ رفقائے دار المصنفین آئندہ اپنے قلم کی طاقت کو بے موقع استعمال کرنے سے پرہیز کریں گے۔ مذہب پر اعتراضات کا جواب دینا علماء کی ایک اہم خدمت ہے اور بلا شبہ یہ خدمت دار المصنفین کے رفقاء ہی زیادہ بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں لیکن قلم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا بھی ضروری ہے کہ اعتراض اور اعتراض کرنے والے کی نوعیت کیا ہے۔ ہر اعتراض جواب کے قابل نہیں ہوتا اور نہ ہر اعتراض کرنے والا قابل توجہ ہوتا ہے۔ بہر حال نیاز صاحب اور ان کے اعتراضات سے مذہب کے متعلق کوئی شبہ نہ وہ اپنے امیدوں کی خاطر خواہ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کوئی سمجھدار آدمی ان کی تحریروں سے شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ پھر خواہ مخواہ ان کے پیچھے کیوں وقت ضائع کیا جائے۔

مراسلہ

نیاز فتحپوری کا تجدید ارتداد

"کلام مجید کو میں نہ کلام خدا سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام سمجھتا ہوں اور اس مسئلہ میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں۔"

یہ ہے نیاز فتحپوری کا وہ تازہ کلام جو اخبار صدق لکھنؤ میں شائع ہوا اور جسے اخبار رہبر دکن نے اخذ کیا۔

نیاز فتحپوری طبقۂ اسلام میں ایک مرتد کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں ہیں۔ بارہ تیرہ سالہ مذہبی دل آزاری کا حامل لٹریچر دے کر ان کا توبہ نامہ کہ جو انہوں نے بعض حساس مسلمانوں کے احتجاج کے باعث شائع کیا تھا، اور پھر اس سے سرتابی یہ ایسی باتیں نہیں جن کو مسلمان اس قدر جلد فراموش کر دینے۔ مسلمانوں کو تو کافی طور پر اندازہ ہو گیا ہے کہ مذہب اسلام میں نیاز فتحپوری کا کیا موقف ہے۔ نیاز نے جو کچھ کہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں۔ خود ان کو بھی اسکا اعتراف ہے اور وہ بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ "اس مسئلہ میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں" گویا وہ اپنے اس لٹریچر کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کر رہے ہیں جس میں انہوں نے اپنے ارتداد کو ثابت کرنے میں پورا زور قلم دکھایا ہے۔ ایسی صورت میں آج جو کچھ کلام اللہ اور اس کے رسول کی نسبت نیاز صاحب نے اظہار خیال کیا ہے اگر مسلمان اسکو ارتداد سمجھتے ہیں تو میں یہ کہوں گا یہ تو تجدید ارتداد ہے۔ افسوس تو ہم کو ان پر ہے جن کا ضمیر بے حسی کے متعدی مرض میں مبتلا ہو چکا ہے جن کی نظریں نگار کے صفحات پر مذہب، بانی مذہب، خدا اور کلام خدا کے خلاف توہین آمیز مضامین پڑھتے ہوئے گزرتی ہیں مگر ان پر ان کا اتنا اثر بھی نہیں ہوتا جتنا اوراق پر سپیدی۔ اگر یہ غلط ہے اور ایسے مضامین سے ان کو صدمہ پہونچتا ہے اور ان کا دل بھی دکھتا ہے تو میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ پھر نگار کی خریداری سے [illegible] معاونت و حوصلہ افزائی کیا معنی رکھتی ہے۔ جو اپنے طاقت قلم کے خود غلط گھمنڈ میں آ کے [illegible] دل آزار مضامین کے گندہ لٹریچر فراہم کر رہا ہے جو نئی پود کے اخلاق کو تباہ اور اسکی مذہبیت کو گمراہی [illegible] کے گڑھے میں جھونک رہا ہے۔

کاش مسلمان اب بھی اس کا احساس کرتے [illegible] کہ نیاز فتحپوری جیسے [illegible] مذہبی دل آزارانہ مضامین کا حامل ہے اور ایسی اہانت سے [illegible] بانی اسلام کی توہین اور خدا اور کلام خدا کی اہانت کی اشاعت [illegible] کیونکہ ایسی اہانت دردا دری [illegible] ایک ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

حکیم سید عبد الحی ضیاء۔ حیدرآبادی

(بقیہ صفحہ ۵)

(۲) **نماز**۔ ۱۶ صفحے۔ قیمت [illegible] بالغ مبتدیوں کے لیے مکتبہ جامعہ
(۳) **نظمیں**۔ ۱۵ صفحے۔ قیمت [illegible] دہلی کے رسالے مکتبہ جامعہ کی ہر شاخ سے مل سکیں گے۔
(۴) **سلاطین آصف جاہی کی مذہبی رواداری** - از مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب۔ ۱۲ صفحے۔
موضوع نام سے ظاہر ہے۔ پتہ درج نہیں۔
(۵) **صدائے حرم**۔ سالنامہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ۔ ۲۱۰ صفحے۔ پتہ: مولوی محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ۔ قرول باغ۔ نئی دہلی
مکہ معظمہ کے قدیم ترین اور مشہور دار العلوم مدرسہ صولتیہ کی مفصل و دلچسپ سالانہ روداد۔ علاوہ مدرسہ کے مفصل و سبق آموز حالات کے اور بھی بہت سے معلومات اور دلچسپیوں کا مجموعہ۔ "خشک" اعداد سے کہیں زیادہ اور کام کی باتیں بھی اس میں مل جائیں گی۔

نمبر ۱۲ | دوشنبہ - ۲۹ - جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۵ - اگست سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

زمانہ (کانپور) اردو کا ایک قدیم ادبی و علمی رسالہ ہے۔ اُس کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس:-

"سلطان مریم بیگم، قوم کی ارمنی اور مذہب عیسوی کی پیرو تھیں غازی الدین حیدر کی مسند نشینی کے تیسرے سال ۱۸۱۸ء میں انکی ماں انکو کانپور سے لیکر لکھنؤ آئیں، اور گومتی کے اس پار کلیہ چید تاباد میں ایک کرایہ کا مکان لے کر فروکش ہوئیں۔ غازی الدین حیدر اسی طرف ہواخوری کو جایا کرتے تھے۔ پورے ایک سال تک انگریزی پوشاک زیب تن کیے سڑک پر کھڑی ہوکر جناب عالی کو سلام کرتی رہتیں"۔

اودھ کے فرماں روا جیسے کچھ تھے، تھے۔ ان کی عشرت پسندیوں، عیش پرستیوں کی داستانیں تو اتنی بار سنی اور پڑھی جا چکی ہیں، کہ ان کی زندگی ان کی بدنامی کی، نام متعارف شے کی طرح سب کو معلوم ہو چکی ہے۔ کبھی یہ بھی تو سن لیجیے کہ خود ان کا شکار کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے کھیلا جاتا تھا۔ کیسی کیسی تدبیریں سے کمندیں ان پر ڈالی جاتی تھیں ——— یا آج خراسان وہی اسی مٹی کے تھے، جس سے ہنری ہشتم اور جارج دوم و جارج سوم اور چارلس دوم کا بنا تھا۔

"نواب وہ کہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بالآخر تیر نشانہ پر بیٹھا۔ ایک روز اس گل رعنا کی بوے الفت نواب کے دماغ میں سما گئی۔ اسی روز نصف شب گزرنے کے بعد ہیرکلو نواس کو مع جان و اثاثے ڈولی میں بٹھلا کر لے آیا"۔ ان کی بیٹی انھیں مس صاحبہ کی والدہ کے گھر میں گھی کے چراغ جل گئے،

نصیبے کھل گئے۔ ہیرکلو سے فرمانے لگیں،

"ہم تو ناامید ہو کر کانپور واپس جانے کا ارادہ ہی کر رہے تھے اور حبیب بلند اقبال صاحبزادی، صبح کو پانچ ہزار نقد سے مالا مال اور زین کے مرصع زیورے لدی ہوئی چھپا چھم واپس آئی ہیں تو "اس وقت ان کی ماں کی حالت بیان سے باہر تھی۔ فرط مسرت سے جامہ میں نہ سماتی تھیں، صحن میں سجدۂ شکر بجا لاتی تھیں"

دنیا کے جس بدنام و بدکار طبقہ کو ہم آپ سارے شرفا حقارت سے دیکھتے ہیں، کیا وہاں کامیاب صاحبزادوں کی مائیں کچھ اس سے زیادہ خوش ہوتی ہیں؟

زیور و جواہر، نقد و جنس، انعام و اکرام کی اب کوئی حد نہ تھی۔ بادشاہ کیسے ہی سہی، بہرحال تھے تو مسلمان ہی۔ آخر ایک روز:

"حضرت عباس کی حاضری اپنے ہاتھ سے کھلائی۔ اور مذہب اسلام کی تلقین کی۔ انھوں نے بظاہر خوشی کلمۂ طیبہ پڑھا۔ پھر فرمایا! ہم نے تمھیں بیگم کیا۔ انھوں نے نذر پیش کی۔ ابن بطولہ اسلام ان کا نام سلطان مریم بیگم رکھا"۔

ارمنی چھوکری اب بادشاہ بیگم بنی۔ شاہی محل، شاہی ڈیوڑھی شاہی ساز و سامان، اب سب ہی کچھ میسر تھا۔ بادشاہ نے وفات ۱۸۲۷ء میں پائی۔ ۲۰ سال بعد یہ بیگم صاحبہ دق میں مبتلا ہوئیں۔ جب امید زیست نہ رہی، تو

"ایک وصیت نامہ تحریر کرکے رزیڈنٹ اودھ کے پاس بھیج دیا کہ میری ماں نے طمع زر میں مجھ کو ایک مسلمان کے دامن سے وابستہ کر دیا تھا۔ اس وقت بہ وجہ مجبوری میں نے اوپری دل سے اسلام قبول کر لیا تھا مگر تہ دل سے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہی۔ اور ہنوز زندگی طریق پر صدق دل سے قائم

کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور یہ میدان اپنے کنبہ اور خاندان کا ہے

"..... ایثار کی مشق سب سے پہلے اپنے عزیزوں، کنبہ والوں ہی پر ہونی چاہیے ..... اور جب یہ مشق پختہ ہو جائے، تو باہر والوں کو بھی جزو خاندان سمجھ کر اُن کے ساتھ ایثار کا برتنا آسان ہو جائیگا۔ بغیر گھر میں اس کی مشق کیے، اور اس مشق میں پختہ ہوئے باہر والوں کے ساتھ اسکا برتنا ممکن نہیں۔" (ہریجن، ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء ملخصاً)

ایثار کی تعلیم بجائے خود کس حد تک صحیح ہے، اور اسکے حدود عمل کیا کیا ہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ یہاں تعلق اسکے صرف اس پہلو سے ہے، کہ گاندھی جی اسے دنیا میں پھیلانے سے قبل، خاندان اور کنبہ کے اندر پھیلانے پر زور دے رہے ہیں۔ اور یہ بالکل صحیح طریق کار ہے۔ شریعت اسلامی نے بعینہٖ اسی طریق فطری کے مطابق، نیکی کرنے، احسان و سلوک، خدمت کرنے کی ابتدا، گھر والوں سے رکھی ہے۔ قرآن مجید بار بار زور دیتا ہے "قرابت والوں" "ذوی القربیٰ" "اولوالارحام" کے حقوق پر۔ اور احادیث میں تو صراحت کے ساتھ یہ مضمون ملتا ہے کہ بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر پیش آنے والا ہو۔ شریعت نے دنیا کے وسیع میدان میں قدم رکھنے سے قبل ہمارے اخلاق، دیانت و معاملات کے لیے اپنے فرزندوں کی اصلی تعلیم گاہ حقیقی ٹریننگ اسکول خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اور یہیں سے نکاح کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ نکاح ہی تو وہ رشتہ ہے، جو خاندان کو پیدا کرتا ہے۔ باپ اور بیٹے، میاں اور بیوی، بھائی اور بہن، سسرال اور میکے کے سارے تعلقات محبت کی بنیاد نکاح ہی پر ہے ——— تہذیب جدید کا ابلیس بھی اس نکتہ کو خوب سمجھے ہوئے ہے۔ معاشرتی زندگی میں وہ سب سے پہلے اسی ادارہ پر ضرب لگاتا ہے، اور سب سے پہلے اسی کی اہمیت کو نگاہوں میں خفیف کر دکھاتا ہے۔ اُسکے ناول، اُسکے ڈرامے، اُسکے سنیما، اُسکے رسالے، غرض اسکے پروپیگنڈا کے سارے ہیکڑوں کا زور، مختلف عنوانوں اور اسلوبوں سے اسی نقطہ پر صرف ہوتا ہے، کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس تعلق کو ضعیف، اور اسے صرف ایک یادگار دقیانوسیت سطح بین نظروں اور عجلت پسند دماغوں میں کر دکھایا جائے۔ بس اس کے بعد میدان صاف ہے!

تہذیب کے مرض

"ہم سب کو اسکا افسوس ہے کہ ہمارے نوجوان جو فوج میں بھرتی ہو کر ہندوستان جاتے ہیں اُن کے درمیان امراض خبیثہ کا پھیلاؤ کچھ کم نہیں ہے۔"

یہ بات مسٹر چرچل (موجودہ وزیر اعظم برطانیہ) نے ..... کوئی چھ سال قبل پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں کہی تھی کہ اس صورت حال میں ترقی کیا "اصلاح" ہوئی ہے، کہ ۱۹۳۸ء کی بابت افواج ہند کے متعلق جو سرکاری رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے، اُس میں اعداد ذیل نظر آتے ہیں:-

۱۹۳۳ء میں گورے سپاہیوں میں امراض خبیثہ کے بیماروں کی تعداد ۲۳٫۸ فی ہزار تھی۔
۱۹۳۸ء میں " " " ۳۳٫۵ فی ہزار پہنچی!

یعنی پانچ سال کے عرصہ میں، روک تھام کی ساری کوششوں کے بعد، کمی نہیں بلکہ ۱۰ فی ہزار کا اضافہ! اور یہ سب کچھ اُس وقت جبکہ بیماری کے چھوت لگنے پانے سے متعلق سارے آلات اور دوائیں۔ اور بہتر سے بہتر سرکاری انتظامات موجود

بلکہ بقول لیڈر (اور اسی سے اس شذرہ کے معلومات ماخوذ ہیں):-

"کوئی حکومت اس سے بہتر انتظامات نگرانی کے کر ہی نہیں سکتی، جیسے حکومت ہند، ہندوستان میں گورے سپاہیوں کے لیے رکھتی ہے۔"
(۱۵ - جولائی ۱۹۴۰ء)

مرض سے بڑھ کر عجیب علاج مرض سرکاری معالجین کے حسب تشخیص ہیں۔ رپورٹ میں ہے:-

"امراض خبیثہ کی روک تھام کے ناکام رہنے کا بڑا سبب ہندوستان میں یہ ہے کہ فوجی بارکوں کے باہر معاشرتی دلچسپیوں، رنگینیوں، خصوصاً زنانہ صحبتوں کا فقدان ہے۔"

کیا خوب! غالب نے شاید ایسے ہی کسی موقع پر "اہل تدبیر کی واماندگیاں" دیکھ کر کہا تھا!

آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں!

مساجد میں خاکساروں کی پناہ گزینی

خاکسار "مجاہدوں" نے حکومت پنجاب سے مقابلہ کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے باہر سڑک اور بازاروں میں مارچ کرتے ہیں لیکن جب پولیس انکو گرفتار کرنے کے لیے پہونچتی ہے تو یہ مجاہد (جنکا مطاع مطلق "امام" ہمیشہ بیچارے "ملا" کو مسجد میں روپوشی اور خیراتی روٹی کھانے کا طعنہ دیا کرتا تھا) بھاگ کر کسی قریب کی مسجد میں روپوش ہو جاتے ہیں اور محلہ والوں کی روٹیوں پر گزارا کرتے ہیں تاکہ پولیس مسجد کے احترام کے خیال سے وہاں انکو گرفتار نہ کر سکے اور اگر پولیس نے ایسا کر دیا تب تو انکو پروپیگنڈے کا موقع مل جائے کہ دیکھو مسلمانو! ان پولیس والوں نے مسجد میں ہمیں گرفتار کر کے "مداخلت فی الدین" کر ڈالی۔ خاکساروں کے اس طرز عمل نے ایک نیا مسئلہ یہ پیدا کر دیا ہے کہ آیا اس طرح مساجد کو بطور پناہ گاہ کے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اسکے جواب میں خاکساروں کے حامیوں نے عجیب عجیب علمی و فقہی موشگافیاں فرمائی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نماز پنجگانہ، اذکار و اشغال، اور نوافل و تلاوت قرآن پاک کے علاوہ مساجد دیگر مصالح اسلامیہ کے لیے بھی استعمال کی جا سکتی ہیں۔ لیکن خاکساروں کی ان حرکات کو "مصالح اسلامیہ" میں شمار کرنا اس مقدس عنوان کی بھی توہین کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ حکومت پنجاب کے ساتھ اس ٹکراؤ میں "ادارہ علیہ" کے کچھ مصالح ہوں یا علامہ مشرقی کے سمجھانے اور بتلانے سے اسلام کا کوئی فائدہ ہو — لیکن پوری بصیرت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام اور اس پر ایمان لانے والی "امت مسلمہ" اس میں کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ کھلی ہوئی مضرتیں ہیں۔

ذرا حاضر حواس ہو کر سوچیے کہ "من دخلہ کان آمنا" کی غلط تاویل کر کے اپنے لوگوں کو جو قانونی مجرم ہوں یا حکومت سے خود مقابلہ کر کے اور قانون شکنی کر کے گرفتاری سے بچنے کے لیے مساجد کی پناہ لیتے ہوں، مساجد کو پناہ گاہ بنانے کی اجازت مسلمانوں نے دیدی تو اسکا نتیجہ خدانخواستہ یہ ہوگا کہ بعض حالات میں مجبور ہو کر حکومت مساجد میں بھی گرفتاریاں شروع کر دیگی جس سے مسلمانوں کو سخت روحانی اذیت بھی ہوگی اور اس میں بلووں تک کے اندیشے ہونگے — پھر اسکے نتائج یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حکومت مساجد کی تعمیر یا اُسکے محل و موقع کے لیے سخت اور نامناسب رویہ اختیار کرلے۔

(باقی صفحہ ۔۔ پر ملاحظہ ہو)

رزم فرنگ

نمبر ۲

(از عبدالماجد)

یہ بلائیں کیا کیا اور کن کن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں، ان کی جزئیات و تفصیلات کو تو چھوڑیے، اتنا بہرحال مصنف کی تحقیق سے ثابت ہے کہ

"سپاہیوں کی بہت بڑی اکثریت کو بازاری عورتوں سے بچا رکھنا ناممکن تھا" (ص۲۴)

آگے ان دواؤں اور تدبیروں کا ذکر ہے، جن سے حرام کاری کے بعد بھی اس کے نتائج بد سے نجات ممکن ہے۔ اس لیے کہ نفس حرام کاری سے بچنا تو مصنف کے تجربہ میں ممکن ہی نہیں۔ اس طرف سے تو وہ مایوس ہیں۔

"بدقسمتی سے، جنگ کے زمانہ میں، عفت شعاری ممکن ہی نہیں معلوم ہوتی" (ص۳۱)

بلکہ ایک بڑے تجربہ کار فوجی افسر کے زمانہ میں عفت شعاری ممکن

"بدکاری و امراض خبیثہ تو جنگ سے پیدا ہی ہوتے ہیں، اس کے لازمی نتائج کے طور پر ہیں" (ص۳۱)

لیکن جب تدابیر و نتائج دکانوں کی طرف سے بھی وہ کچھ ایسے ہی سے ہیں کہ یہ ممکن نہیں رہا کہ جو تلاش و ہوس اس فرض کے لیے مہیا رہتی ہیں، ان کے بہم پہنچانے ہونے رہیں اور کوئی بیمار صحت رہنے نہ پائے؟

"تجربہ سے یہ طریقہ بھی عملاً بے اثر ثابت ہو چکا ہے" (ص۳۲)

البتہ بیماری کو وبائی صورت دینے اور عام آبادی کے درمیان اس کے پھیلنے کی راہ میں جو امر ایک تجربہ کی بنا پر مانع ثابت ہو سکا ہے، وہ شراب کی بندش ہے۔ نشہ بازی اور ان امراض خبیثہ کے پھیلاؤ میں گویا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جوں جوں شراب نوشی پر قید لگتی جاتی ہے، اسی نسبت سے یہ وبائیں بھی قابو میں آتی جاتی ہیں۔

"یہ حقیقت نزاع و مناقشت سے بالکل بالاتر ہے کہ بیماری کی چھوت کے پھیلانے میں دخل عظیم شراب نوشی کو ہے" (ص۳۲)

شراب کے باب میں قرآن مجید نے بھی دو باتیں کہی ہیں (رجس من عمل الشیطان) ایک یہ کہ یہ بجائے خود ایک گندی چیز ہے، دوسرے یہ کہ یہ ایک شیطانی محرک ہے۔ تجربہ سے بھی یہ خوب ثابت ہو گیا ہے کہ علاوہ ان نقصانات کے جو شرب کی ذات میں ہیں، یہ بہت سے دوسرے مفاسد کا ذریعہ، پیش خیمہ بھی ہیں۔ اور یہ ایک صاف تصدیق و توثیق ہے ارشاد قرآنی کی۔

اسکے بعد مصنف کچھ طبی تدابیر کی بحث میں پڑ گئے ہیں، اور کئی صفحات اسی کی نذر کر دیے ہیں۔ ان سب کو نظرانداز کر جائیے۔

امراض خبیثہ فوج میں سرے سے پیدا ہی کیوں ہوں؟ اصل سوال تو یہ ہے۔ لیکن جواب بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ ان امراض کو کہیں لینے تھوڑے ہی جانا ہے۔

"امراض خبیثہ اور حرام کاری کا تو چولی دامن .... کا ساتھ ہے۔ جس طرح جنگ اور حرام کاری لازم و ملزوم ہیں، اور حکام کی طرف سے اس پیشہ، زنا و حرام کاری کی روک تھام ہوتا الگ رہا، انھیں اس کا جاری رکھنا قرین مصلحت معلوم ہوا ہے۔

بریگیڈیر جنرل کروزیر کا بیان ہے، کہ جتنی بڑی فوج اسی نسبت سے کسبیوں اور آوارہ عورتوں کی لین ڈوری ساتھ ساتھ" (ص۳۸)

آگے پچھلی جنگ عمومی کے مشاہدات ہیں۔

"فرانس میں کسبیاں ہر ہر جگہ موجود تھیں۔ پیرس خود کہنا چاہیے کہ بس ایک عظیم الشان قحبہ خانہ بن کر رہ گیا تھا۔ بہت سے اور شہر خصوصاً (یہاں پانچ شہروں کے نام ہیں) تو حرام کاری کے مرکز تھے۔ ادھر جرمنی زیر حسب بیان ہرشفیلڈ، اسٹراسبرگ اور (۱۳ شہروں کے نام اور درج ہیں) سب کسبیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ قحبہ خانوں کے دروازوں پر سپاہیوں کی قطار در قطار اپنی اپنی باری کی منتظر کھڑی رہتی تھیں، اور افسروں کے لیے ہوٹل اور ریستوران موجود تھے۔ کھانے کی میز پر جو "مینو" (فہرست طعام) سامنے آتا، عموماً یہ ہوتا کہ اس میں پہلے تو شرابوں کی قسمیں درج ہوتیں، اور پھر یہ ہوتا، کہ عورتوں کی فیس اتنے وقت کے لیے اتنی ہے اور اتنی دیر کے لیے اتنی" (ص۳۸)

یہ سرگزشت تو فرانس، جرمنی، بلجیم وغیرہ کی تھی۔ اب خاص انگلستان کا حال ملاحظہ ہو۔

"انگلستان تک میں حرام کاری اس زور کی پھیلی کہ اس کی کوئی نظیر نہ انیسویں صدی میں ملتی ہے، نہ اس وقت تک بیسویں صدی میں، بقول انگلش ریویو (بابت مئی ۱۹۱۶ء) "بازاری چھوکریوں کی تعداد بڑھ گئی ہے کہ مشکل چھو کر سکے۔ جو میلوں سپاہیوں تک چھوت پھیلاتی چلی جا رہی ہے"۔ (ص۳۹)

پھر یہ چھوت گھروں کے اندر اتنی پھیلی کہ بازار والیاں شرما کر رہ گئیں۔

"خانگیوں نے اس سے کہیں زیادہ بیماری پھیلائی جتنی کسبیوں کے ذریعہ سے پھیلی" (ص۳۹)

برطانیہ کے تو نہیں، لیکن جرمنی کی بابت تو متعدد جہاں کہیں ایک حد تک موجود و محفوظ ہیں۔ ایک ہزار بیماری زدہ جرمنی سپاہیوں کی بابت تحقیق ہوئی تو نتیجہ ملا کہ ۵۸ فی صدی بیماری کارخانوں میں کام کرنے والیوں کے ذریعہ سے پھیلی۔ اور اسکا ایک چوتھائی کسبیوں کے واسطے صرف ۲۲ فی صدی (ص۲۹)

ٹھیٹھ اسلامی تمدن کو چھوڑیے، ہندوستان کے موجودہ ملے جلے تمدن کو لیجیے، جس میں اسلامیت کا عنصر ضعیف کیا معنی، ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں، وہاں بھی اس صورت حال کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ آئندہ دس بیس برس میں مخلوط تعلیم، مخلوط معاشرت، بے حجابی، اور سینما کی برکتوں سے جو کچھ بھی ہو جائے۔ سوال اس وقت کی بابت ہے۔

آگے مصنف صاحب فرماتے ہیں کہ بیماری کا خوف بڑا خوف ہے۔ عموماً خوف ہے جو لوگوں کو ہوش و حواس کی حالت میں کسبیوں کے پاس جانے سے روکے رہتا ہے۔ بچپن سے تو آدمی کان میں پڑی رہتی ہیں کہ کسبی بیماری کا گھر ہوتی ہے۔

"جنگ کے زمانہ میں یہ خیل ہی سرے سے بدل جاتا ہے۔ سپاہی، بلکہ شہری سب کے رنگ ڈھنگ

رسائل و اخبارات

بقیہ صلا

(۱) ہمدرد صحت ۔ روحانی علاج نمبر۔ ضخامت ۲۰۰ صفحے۔ قیمت ۱۲؍
پتہ ہمدرد دواخانہ۔ لال کنواں۔ دہلی

دہلی کا مشہور طبی رسالہ ہمدرد صحت، اپنے مفید و عالمانہ، خصوصی نمبروں کے لیے خاص شہرت رکھتا ہے۔ ابھی اس نے بہت سے کام کا ایک مخصوص ہپناٹزم نمبر نکالا ہے۔ ہپناٹزم کے علمی پہلوؤں سے متعلق اردو میں بے شک گویا کچھ نہ تھا۔ ہمدرد صحت نے یہ بار، خاصہ ذخیرہ اپنی زبان میں اب مہیا کر دیا ہے۔ رسالہ نو ابواب پر تقسیم ہے۔ پہلے کا عنوان ہے "نفسیاتی علاج اور تنویم، تاریخ کی روشنی میں" اور اس کے ماتحت کوئی پینتیس چالیس صفحے خود ذمہ کے فرستے ہیں۔ مصر، بابل، چین، ہند سے لے کر یورپ و امریکہ تک کی ساری تاریخ تنویم کا خلاصہ اس میں آ گیا ہے۔ باب دوم تنویم و مظاہر تنویم پر ہے، باب سوم توجہ اور خود توجہی پر، چوتھا باب تنویم کی معالجاتی حیثیت پر، پھر نفسیاتی تحلیل، اداروے کے فرائض، پانچواں باب ذاتی و شخصی مقناطیسیت پر ہے، اور چھٹے کا عنوان ہے "تنویم کے عملی طریقے"۔ ساتواں باب "متفرقات" پر ہے، اور اسی کے ماتحت ... کا بھی ایک مضمون درج ہے۔ آٹھویں باب کا عنوان ہے "امتحانات و مشاہدات"، نواں ہے "ادبیات"۔ یہ فہرست ہی خود اس اندازہ کے لیے کافی ہے کہ کتنے معلومات پرچہ کے اندر جمع کر دیے گئے ہیں۔ ۱۲؍ کی قیمت نہیں تو نہ بہت ہے ... اس سے زیادہ قیمت ہوتی، جب بھی پرچہ کی حیثیت ناظرین کے مقابل قیمت گراں نہ ہوتی۔ معلومات زیادہ تر مغربی ماخذوں سے سلیقہ مندی و حسن انتخاب کے ساتھ لیے گئے ہیں، لیکن اپنے ہاں کی چیزوں کو بھی چھوڑا نہیں گیا ہے۔ البتہ جہاں اسلام کے نقطۂ نظر اور طب نبوی کا ذکر ہے، وہاں ضرورت اسکی ... تھی کہ رسول اللہ صلعم نے "روحانی علاج" کے سلسلہ میں سارا زور طریق دعا پر دیا ہے جو خود ایک عبادت ہے، اور مولیٰ کے سامنے بندہ کی التجا اور ... بالکل مختلف ہے جنتر منتر اور "عملیات" کے طریقوں سے۔

(۲) عصمت ۔ (سالگرہ نمبر) ضخامت ۱۵۲ صفحے۔ قیمت ۸؍ ۔ پتہ: دفتر رسالہ عصمت۔ کوچہ چیلاں، دہلی۔

دہلی کا یہی مشہور و قدیم زنانہ رسالہ ہے، راشد الخیری مرحوم و مغفور کی یادگار۔ یہ سالگرہ نمبر بہت ضخیم شائع ہوا ہے اور مضامین محض ضخامت و کمیت کے اعتبار سے نہیں، اندازہ و کیفیت کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہیں۔ جدید اثرات سے کسی حد تک متاثر ہونا تو لازمی تھا، جیسا کہ تصویروں کی زیادتی سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم رسالہ بڑی حد تک اب بھی اپنے محترم بانی کے دور کی قدیم خصوصیات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ شروع میں مصور غم مرحوم کے ایک ... مضمون کی اگرچہ چند ہی سطریں درج ہیں، لیکن حسب معمول سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ... نصیر الدین احمد کا مضمون "ہندوستان پر ہوائی حملے کے امکانات" پر رسالہ کے لیے باعث فخر ہو سکتا ہے، معلومات سے لبریز۔ مولوی محمد ظفر صاحب کے قلم سے جو اہر ریزے "خانہ داری" اور "سیرت" کے عنوان سے ہمیشہ ... بہت سی چیزیں بھی مفید و قابل ذکر ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا افسانچہ بالکل

اور زبان کی صحت و شستگی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ متعدد مضامین اور بھی کام کے ہیں۔ پرچہ ہر شریف گھرانے کی سرپرستی کے قابل ہے۔

(۳) بیداری (ماہنامہ) ایڈیٹر ملا واحدی صاحب۔ ۵۶ صفحے۔ قیمت عہ سالانہ۔ پتہ: دفتر رسالہ بیداری، کوچہ چیلاں۔ دہلی

دہلی کے ملا واحدی صاحب کی شخصیت خاصی معروف ہے۔ نظام المشائخ اور متعدد عام فہم و مفید رسالے نکال چکے ہیں۔ اب یہ تازہ رسالہ بیداری کے نام سے جاری کیا ہے۔ ابھی صرف پہلا نمبر موصول ہوا ہے۔ اشتہارات کی کثرت مضامین کو دبائے ہوئے ہے۔

پھر بھی جتنے مضامین ہیں، نفس اعتبار سے مفید ہیں، اور عام فہم، اگرچہ تقریباً ہر مضمون کے اندر بعض افسوسناک املا کی غلطیاں اور بے تحقیق باتیں موجود ہیں۔ بدکاری کا انسداد، اور ڈگری، اور تعلیم پر کیا خرچ کیا جائے، تینوں مضامین نسبۃً بہتر ہیں۔ پردہ کے مضمون میں تجدد سے مرعوبیت کی جھلک موجود ہے۔ اصلاحی پہلو اور تجربہ آموزی اور سنجیدگی، حصہ مضامین سے گزر کر اشتہارات تک میں موجود ہیں، اور یہ آج کل کے کسی رسالہ، اور پھر تجارتی رسالہ کے لیے کوئی معمولی بات نہیں۔ واحدی صاحب کا قلم بہرحال مفید ہو سکتا ہے، بشرطیکہ بعض مسائل کی مزید تحقیق کی زحمت گوارا فرما لیا کریں۔

(۴) تعلیم القرآن ۔ مرتبہ مولوی عبد الرحیم صاحب۔ ۴۰ صفحے۔ چھوٹی تقطیع۔ قیمت عہ سالانہ۔ ۲؍ فی پرچہ۔ پتہ: دار الاشاعت تعلیم القرآن۔ قطبی گوڑہ محلہ ... حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد سے یہ جدید ہفتہ وار رسالہ قرآن مجید کی عام فہم تفسیر و تشریح کے لیے جاری ہوا ہے، اور اس کے مدیر مولوی عبد الرحیم صاحب ہیں، جنکی قومی و ملی خدمات سے بسلسلۂ انجمن اسلامیہ و مدارس اسلامیہ، دکن ایک زمانہ میں گونج رہا تھا۔ رسالہ کے صرف تین نمبر ۶، ۷، ۸ وصول ہوئے ہیں۔ ان میں آخری پارہ کی آخری سورتوں کی تفسیر درج ہے۔ عبارت کہیں کہیں مشکل بھی ہوگئی ہے، لیکن عموماً آسان ہے۔ کام بہ حیثیت مجموعی اچھا ہے اور اعانت و حوصلہ افزائی کا مستحق۔

(۵) نوائے وقت (ہفت روزہ) ادارہ: شبیر حسن صاحب و حمید نظامی صاحب ۱۲ صفحے۔ قیمت سالانہ عا، پتہ: دفتر "نوائے وقت" لاہور۔

لاہور سے یہ ہفت روزہ حال ہی میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ ... خوش نظر ہے۔ پرچہ کا مسلک حکیم ملت حضرت اقبالؒ کے اصول کی تبلیغ معلوم ہوتا ہے، سیاسی روش مسلم لیگ سے ملتی جلتی ہوئی۔ سیاسیات کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی بھی ہے۔

(۶) ندیم ۔ بہار نمبر۔ ایڈیٹر مولوی ریاست علی ندوی۔ ضخامت ۴۰۴ صفحے۔ کتابت گنجان۔ متعدد تصاویر۔ قیمت عا، پتہ: رسالہ ندیم۔ گیا (صوبہ بہار)

ندیم کا بہار نمبر خزاں و بہار دونوں کے گزر جانے پر بالآخر بڑے انتظار کے بعد شائع ہوا، تو رسالہ کی صورت میں نہیں بلکہ عظیم الشان کتابی ضخامت کے ساتھ! ساڑھے چار سو صفحے سے اوپر اور وہ بھی بڑی تقطیع اور گنجان کتابت کے ساتھ، کون اسے رسالہ کہیگا؟ مضمون کے لحاظ سے سب ہی کچھ اسکے اندر موجود ہے۔ ادب، تاریخ، سیاست، سیرت، مذہب، سوشلزم، افسانہ، مزاحیہ، نظم و غزل،

کون سی چیز چھپنے پائی ہے، اور لکھنے والوں کی فہرست میں نام مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، سید وصی احمد بلگرامی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (پروفیسر ملتان کالج) مولوی عبد الباقی جامعی اور بعض اعلام اور کمتروں کے نظر آتے ہیں۔ "بہار کی بہاریں" کے عنوان سے ایک مضمون بہار درست "بہار و غیرہا ری" یعنی مدیر صدق کے قلم سے اپنے احباب بہار پر ہے۔ افسوس ہے کہ ایسے قابل قدر و غیرہ کو کتابت کی خرابی نے سخت داغ لگا دیا ہے۔ ہر صفحے [illegible] بعض جگہ پڑھنا سخت دشوار ہو رہا ہے۔ کاش اتنی محنت کے بجائے رسالہ ضخامت میں مختصر ہوتا، لیکن کتابت صاف اور طباعت روشن ہوتی! بہر حال علم و ادب کے شائقین تو صدیوں قبل کے قلمی کرم خوردہ نسخوں تک کو پڑھ لیتے ہیں۔ انکے لیے اس مطبوعہ رسالہ کی قدر دانی کیا دشوار ہے۔

شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد دکن ۱۳ ارشہریور۔ آج بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری معتمد مجلس علمائے دکن نے [illegible] کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ منکرین قرآن کی جماعتوں میں سب سے زیادہ خطرناک وہ جماعت ہے کہ جو مسلمانوں کے روپ میں چھپی ہوئی ہے جنکی ساری کوششوں کا مقصد یہی ہے کہ تعلیم قرآن حکیم کو یا تو سرے سے برخاست ہی کر دیا جائے یا کم از کم اس کا معیار گھٹا دیا جائے۔ سنا گیا ہے کہ ان نام نہاد مسلمانوں نے "شعبۂ فنون" کے وزن پر (العیاذ باللہ) شعبۂ دینیات کا نام "شعبۂ جنون" رکھا ہے۔ اگر ایسا کیا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں انھوں نے اپنے بزرگوں کی پیروی کی ہے جو قرآن حکیم کو رسول کریم سے سن کر اِنَّ ہٰذا لَشاعِرٌ مَجنون۔ کہا کرتے تھے۔

خدا رکھے اس مبارک و مسعود دورِ عثمانی کو کہ اس بابرکت زمانہ میں ان بے دینوں کا [illegible] خود انکے گلوں میں حبل من مسد کی طرح سامان موت بنا ہوا ہے۔ مسلمانان دکن یہ سنکر مسرور ہوں گے کہ صدر اعظم بہادر سلطنت آصفیہ نے جامعہ نظامیہ اور شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کے نہ صرف تحفظ و بقا کا بیڑا اٹھایا ہے بلکہ اس کی ترقی اور وسعت کی طرف ایک بہت ہی مبارک و مسعود اقدام فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ عماد الملک مرحوم کے فرزند رشید محترم وزیر تعلیمات کے حضرات بھی قابل ستائش ہیں جنھوں نے "تیغ اسلام" کو امتحان میٹرک میں بحال فرما دیا اور اپنے اقتباسات [illegible] کرنے والی بعض مجالس پر گرفت فرمائی۔ حق تعالیٰ تعلیم دینیات و علوم اسلامیہ کے ان دونوں حامیوں کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور مبارک دورِ عثمانی کے زیر سایہ ان کے ہاتھوں ملک و ملت کے روز افزوں اچھے اور نیک کام انجام پاتے رہیں۔ (دکن نیوز و رہبر دکن)

ایک اثر انگیز تقریر

حیدرآباد ۱۰ ارشہریور۔ کل شام کے ۴ بجے بمقام دلکشا فاتحہ [illegible] لیڈی حیدری مرحومہ مقرر تھی۔ اراکین کونسل، امرا و معتمدین، ارکان سلطنت کے علاوہ دوسرے عہدہ داران سرکار عالی بھی شریک فاتحہ تھے۔ ختم کلام شریف کے بعد مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری معتمد مجلس علماء دکن نے نہایت ہی اثر انگیز تقریر فرمائی جس سے نہ صرف سارے قلوب متاثر تھے بلکہ بہت سی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ آپ نے آیت کریمۂ [illegible] کی تلاوت فرمائی جس میں ذکر ہے کہ ہم تمھیں آزمائیں گے خوف، بھوک، نقصان انفس اور ثمرات سے۔ اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ان مصائب کے مقابلہ میں صبر و شکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [illegible] فرمایا کہ اے انسان اور اے فانی! مال، دولت، ثروت، حکومت، اولاد، گھر بار، یہ سب دو روزہ بہار ہے۔ ان سے دل نہ لگا کیونکہ یہ چیزیں دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ سب تجھے چھوڑ دینگی یا تو انھیں چھوڑ دیگا۔

مولانا نے مرحومہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میری محترم اسلامی بہن مرحومہ جن کی آج فاتحہ ہے ان کی قبر پر [illegible] آباد کیا گیا تھا، دیکھا کہ "دلکشا منزل" کی رہنے والی خصائل حمیدہ [illegible] آج قبر کی منزل میں تن تنہا سو رہی ہیں۔ میں نے قبر پر پھول چڑھاتے ہوئے کہا کہ اے محترم بہن! امید کامل ہے کہ تمہارا ساتھ نور ایمان ہے اور اعمال صالحہ کی پونجی ساتھ ہو۔ دولہن کی طرح قیامت تک خوش سو رہو! ہر جگہ تمہارے تذکرے ہیں اور اچھے تذکرے۔ خدا تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے اور تم کو اپنے فضل سے بخش دے۔

رسالہ "نگار" اور ارباب حکومت

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے رسالہ "نگار" کے متعلق مولانا نے فرمایا کہ ہمارے ارباب حکومت قرآن کریم کے متعلق نگار کی بے دینی اور سخت ترین گستاخیاں دیکھ کر بھی چشم پوشی فرماتے ہیں۔ اگر اسی "نگار" میں ان ارباب حکومت اور اراکین کونسل کی شان والا مرتبت میں کوئی ایک [illegible] گستاخی کا شایع ہوتا تو فوراً اسکی مسدودی عمل میں آتی۔ مگر تحقیر قرآن کے متعلق ہمارے ارباب حکومت شاید خیال فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ [illegible] نہیں ہے کہ اس پر کچھ توجہ کی جائے۔ ما قدروا اللہ حق قدرہ۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ اے مغرور انسان تجھمیں کیسی نخوت ہے [illegible] انسان اکیلا اپنی موت [illegible] ہوگیا [illegible] مغرور کر دیا ہے۔ اگر آج [illegible] تو کل کونسل کا [illegible] ہو جائیگا۔ یاد رکھ کہ یہ دن بھی سب پر ایک دن آنے والا ہے اور یہ تمام چیزیں ایک وقت تجھ سے چھن جائینگی۔ اگر کوئی حکومت پر بیٹھا ہے تو سمجھ لو کہ اسی کی جگہ بٹھانے والے احکم الحاکمین ذات جل جلالہ ہے جس کے قبضۂ قدرت سے [illegible] جو دن میں [illegible] کرتی ہیں اور شب میں خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز رہتی ہیں۔ یہی ہیں وہ جنھیں فضل الٰہی سے دنیا بھی ملی اور دولت دین سے بھی مالا مال ہوئیں۔

(دکن نیوز و رہبر دکن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر - عبدالماجد

پتہ :- دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب :- (حکیم) عبدالقوی۔

مضامین کے بارے میں مراسلت اڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ و دیگر انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر لکھیے:-

مہتمم اخبار "صدق" لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

" ششماہی ۔۔

بیرون ہند سے سالانہ ۶ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق لکھنؤ

نمبر ۱۶ | دوشنبہ - ۲۱ - رجب المرجب ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۶ - اگست ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

"بادشاہ سلامت کا یہ معمولی مذاق تھا، کہ اکثر اوقات جب حمام سے برآمد ہوتے تو اس زمانہ میں جن بیگم صاحبہ پر نظرِ عنایت ہوتی اُن سے لباس تبدیل کر لیتے، اپنا ملبوس اُنھیں پہنا دیتے، اور اُنکی پوشاک آپ پہنتے، اور وہی پوشاک پہنے ہوئے باہر لوگوں کے سامنے نکل آتے۔ بعض دفعہ یہ بھی اتفاق ہوا کہ رات کے وقت وہ اُس گاچ کے پردہ کے اندر چلے جاتے، جو کھانے کے کمرہ کے ایک سرے پر پڑا ہوا تھا، جسکا ذکر میں کر چکا ہوں، اور وہاں سے بیگم بنے ہوئے برآمد ہوتے

کپڑے سب وہی ہوتے تھے، اور جب بادشاہ پہنتے تھے، تو بالکل بیگم ہی معلوم ہوتے تھے"۔ (شاب لکھنؤ۔ ترجمہ منشی احمد علی کاکوروی مرحوم بی۔ اے، ال، ال، بی، صفحہ ۱۱)

یہ "بادشاہ سلامت" آپ سمجھے کون تھے؟ آپ کے اودھ کے فرماں روا شاہ نصیرالدین حیدر! "زنانیت Feminism میں اس حد تک ترقی کے لیے، فرمائیے آج کے کتنے متجددِ مآب و "روشن خیال" حضرات تیار ہیں؟ نصیرالدین حیدر کی بادشاہت کا زمانہ آج سے تقریباً سو اسو سال قبل کا ہے۔ انگلستان کے مشہور علمبردارِ نسائیت، جان اسٹوارٹ مل سے بھی کوئی پچاس سال پہلے —— یہ کیا انصاف ہے کہ تحریک کے بانیوں، عالمِ نسواں کے محسنوں کی فہرست سناتے وقت آپ سب کے نام گنا جاتے ہیں، اور نظر انداز کر جاتے ہیں، تو اپنے ملک کے اس فرماں روا کو!

ہنسیے نہیں۔ ترقیِ نسواں کے آخری مدارج جو یورپ آج طے کر رہا ہے، یہاں اودھ کی سرزمین پر اسی وقت طے ہو چکے تھے۔ بادشاہ کا یورپین مصاحب اپنے چشم دید حالات لکھ رہا ہے:-

"حرم شاہی کے عجائبات و نوادر میں سب سے زیادہ جو چیز اہلِ یورپ کے کانوں کو غیر مانوس معلوم ہوگی وہ وہاں کے زنانہ سپاہیوں کی حالت ہوگی۔ میں نے خود ان مردنما سپاہیوں کو اکثر زنانی ڈیوڑھی پر ٹہلتے ملا یہ کرتے دیکھا ہے۔ مجھ کو اُنکے عورت ہونے کی ایک عرصہ تک خبر نہ تھی۔ اور بہت دن بعد مجھ پر اُنکی اصلی صنفیت کا بھید کھلا۔ میں ہمیشہ ان زنانہ سپاہیوں کو یہی سمجھتا رہا، کہ پست قد جوان مرد ہیں، جو ڈھیلے ڈھیلے کُرتے پہنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی ترکیبِ جسمانی میں بجز قد کی پستی اور سینہ کے اُبھار کے اور کوئی مابہ الامتیاز نہ تھا۔ اور چونکہ مجھے ولایت میں سپاہیوں کو ڈھیلی وردی پہنے اور تقاکیو ترکی طرح معمولی بھالی دیکھنے کی عادت سی ہو گئی تھی، اس لیے جب میں نے انکو دیکھا تو کوئی اچنبھا نہیں ہوا۔ نہ اُنکی اصل حقیقت دریافت کرنے کی ٹوہ ہوئی۔ یہ عورتیں اپنے لانبے بالوں کا جوڑا باندھ لیا کرتیں، اور پھر اُسے سر پر رکھے پگڑی سے چھپا لیتی تھیں، باقی وردی وہی ہوتی تھی جو معمولاً ہندوستانی سپاہی پہنتے ہیں۔ مردوں ہی کی طرح وہ ہتھیار بھی اپنے جسموں پر سجائے ہوتی تھیں، ہاتھ میں سنگین چڑھی ہوئی، کمر میں پیٹی، شانوں پر کارتوس کا پرتلا، لبیندہ وہی سپاہیانہ وضع جو ایامِ بنگال کی فوج کی ہوتی ہے"۔ (شاب لکھنؤ۔ صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳)

حرم شاہی کے پہرہ چوکی کا کام یہی زنانہ فوج کرتی۔ دربارِ دولت کے صحن میں پرے جما کر یہ عورتیں قواعد کرتیں، بندوق چلاتیں، آگے بڑھتیں، پیچھے ہٹتیں، سنگینیں چڑھاتیں، نشانہ لگاتیں، غرض پوری پریڈ مرد سپاہیوں کی طرح سارجنٹ

کا ریپورل وغیرہ انتخاب نیاسے ہوتے تھے -

"بادشاہ سلامت لشکران خوروتوں کو دکھ کے محفوظ ہوتے اور انکو انعام دلایا کرتے" (صـ۱۰۳)

"صدق" کو مبارک ہو کر بڑی سی بڑی روشن خیالی کی سند گورمتی میں مل گئی! اور اب نظیر و مثال پیش کرنے کے لیے ضرورت نہ لندن جانے کی رہیگی نہ پیرس کی نہ نیویارک کی - ان سب نے بجائے لکھنؤ بالکل کافی ہوگا، اور لکھنؤ بھی عہد نصیر الدین حیدر کا - جب شاہانہ تصنیف و رہی تھی، جان عالم اور ملکہ مہر نگار کے قصے اور کے جا رہے تھے، اور نوز و نگلی بہادر اور نقالوں سازندوں اور گویوں کا تھا! ——— گویا آج کے سینما اور ڈانس، آپیرا اور میوزک ہال کا ٹھیک ٹھیک نقش اول! کافی بھا اُن اگلوں کے لیے پیشینگوئی اور بس کرتے ہیں ان پچھلوں کے لیے - وہ ہوگئے وہ گیا خب نابع اور گیا خوب خوب!

ایک مصری لیڈر کی وفات

وسط جولائی میں انگریزی روزناموں میں کلکتہ کا ایک تار نظر سے گزرا تھا کہ مشہور مصری رہنما ڈاکٹر عبد الحمید سعید نے یکم جولائی کو وفات پائی - انا للہ وانا الیہ راجعون - یقین تھا کہ بمبئی، کلکتہ، لاہور اور دہلی کے بعض اخبار و رسالے اور ہمارے ہاں کے معزز و معقول انگریزی مقالے لکھینگے، اور انھیں کا کوئی جزو صدق میں نقل کر دیا جائیگا - حیرت ہے کہ یہ توقع کسی طرف سے بھی پوری نہ ہوئی -

خبر وفات اگر صحیح ہے تو حادثہ تنہا مصر کے لیے نہیں، دنیائے اسلام کے لیے ہے - مولانا محمد علی فرمایا کرتے تھے کہ ڈاکٹر عبد الحمید سعید مصر کے مولانا شوکت علی ہیں، حیثیتاً بھی اور مذاقاً بھی - مجلس شبان المسلمین کے بانی اور صدر اور روح رواں تھے - مجلس مذکور ایک چھوٹے پیمانہ پر ہمارے ہندوستان کی مجلس خلافت مرحوم کی جانشین ہے، اور اسکی شاخیں آج مصر کے علاوہ شام، عراق، یمن، حجاز و فلسطین میں بھی قائم ہیں - مرحوم علوم عصری کے ماہر، فرانس کی مشہور ترین و قدیم ترین سالبون یونیورسٹی کے گریجویٹ ہی نہیں، ڈاکٹر (لاز) تھے - ساتھ ہی دینی جذبہ سے سرشار، وطنیت کو وطنیت ہی کے درجہ پر رکھتے تھے، اسے دینیت کے درجہ تک پہنچا دینے کے سخت مخالف تھے - مصری پارلیمنٹ کے ممبر تھے - کوئی دو سال ہوئے ہوں گے جامعہ فواد کے سالانہ جلسہ کے موقع پر علم کی بے تمیزی اور گستاخی سے متاثر ہو کر ایک بڑی موثر و مفصل تقریر غیرت دینی پر کی تھی، ارشاد کی تھی، اسکا ترجمہ بھی ایک ندوی کے قلم سے رہبر دکن میں نکلا تھا - ایسے مخلص خادم دین و ملت کی اللہ پاک مغفرت فرمائے، اور درجات اپنے مزید تر نصیب فرمائے۔

ایک آیت کا مفہوم

ایک کرم فرما لکھتے ہیں :-

"غزوۂ بدر کے واقعات کو بعد تنقید روایات نظم کرنے کا ارادہ ہے ان شاء اللہ - لہذا آپ سے عرض ہے کہ آپ نے آیت ذیل کے جو تحقیقی معنی اپنے ترجمہ میں بعد نظر ثانی و ثالث اختیار فرمائے ہوں، ان سے مطلع فرمائیے : یرونہم مثلیہم رای العین - سورہ آل عمران ع ۲ - آیت ۱۳"

غزوۂ بدر کے مختصر واقعات، سب کو مسلم اور غیر اختلافی حسب ذیل ہیں :-

۱ - مسلمان کل ۳۱۳ تھے، اور وہ بھی بے سر و سامان -

۲ - قریش کا لشکر ۹۵۰ سپاہیوں پر مشتمل تھا - اس میں سے ۱۰۰ مغفر پوش، ۱۰۰ اسپ سوار و زرہ پوش -

۳ - پھر مسلمان فوج سے لڑنے کے لیے گئے بھی نہ تھے، انکا ارادہ تو محض قافلۂ رسد و سامان کا راستہ کاٹ دینا تھا - انھیں جنگ پر یکا یک آمادہ ہو جانا پڑا - قریش البتہ ہر طرح اسی کے لیے تیار ہو کر آ رہے تھے

غرض یہ کہ اسباب ظاہر کے لحاظ سے کوئی صورت مسلمانوں کی جیت کی تھی ہی نہیں - اب پوری آیت مع تشریحی ترجمہ کے ملاحظہ ہو - ان شاء اللہ کوئی سوال پیدا ہی نہ ہوگا :-

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین واللہ یؤید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار	بیشک تمہارے لیے ہو چکا ہے ایک نشان (اللہ کی قدرت اور رسول کی صداقت کا) دو گروہوں کے باہم میں (میدان بدر میں) - ایک گروہ (تعداد میں حقیر اور سامان میں قلیل) تو لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں - اور دوسرا کافروں کا تھا (جو) دیکھ رہے تھے اپنے کو ان سے (یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا

اور دیکھنا بھی کیسا، وہم و گمان کی بنا پر نہیں) کھلی آنکھوں دیکھنا (کہ کھلا مشاہدہ کرنا) - اور اللہ تائید کرتا ہے اپنی نصرت سے جسکے متعلق اسکی مشیت ہو (چنانچہ یہاں اسکی مشیت مومنین سے متعلق رہی) - اور یقیناً اس (واقعہ عظیم) میں بڑی عبرت (ہدایت) ہے اہل بصیرت کے لیے (یعنی انکے لیے جو بصیرت سے کام بھی لیتے ہوں)

نیا بیترا

"قرآن کا کلام خدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے، یہ ہے اصل بحث جو میرے اور ہندوستان کے بعض مولویوں کے درمیان مابہ النزاع ہے" (نگار - اگست، صـ۲)

یہ اس لیا بیان اگست کے مہینہ میں کہا، جو ابھی جون کے مہینہ میں کہہ چکا تھا کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں" (نگار، جون، صـ۶)

یعنی ابھی اسلامیہ کی پہلی ہی ڈانٹ پڑتے، اور مقاطعہ ہونا الگ رہا "مقاطعہ" کا نام آتے ہی وہ "با اصول" اور "پابند اخلاق" انسان جو صراحت کے ساتھ انکار کر رہا تھا کلام مجید کے کلام خداوندی اور الہام ربانی ہونے سے، لگا گڑگڑا کر کہنے اور قبولنے کہ قرآن کے کلام الہی ہونے سے کیا مجال ہے کہ میں انکار کروں، میں تو صرف اسکا مفہوم اور اسکی نوعیت متعین کرنا چاہتا ہوں، اور اس باب میں میرا اختلاف شریعت اسلام کے کسی مسلمہ سے نہیں، صرف "بعض مولویوں" سے ہے! ——— کون کہتا ہے کہ شیواجی کے بیترے صرف اورنگ زیب ہی کے مقابلہ پر تھے اور اسکے بعد ناپید ہو گئے ؟

آریہ کا نیا جنم

"اگر قرآن مجید اللہ کا کلام ہے تو پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ خود اپنے نام سے کلام مجید کو شروع کرتا ہے اور خود اپنی ذات سے خطاب کرتا ہے، جو بالکل بے معنی

کارپورل وغیرہ انھیں میں سے ہوتے تھے۔

"بادشاہ سلامت لشکران عورتوں کو دیکھ کے محظوظ ہوتے، اور انکو انعام دیا کرتے"۔ (صفحہ ۱۰۳)

"تجدد" کو مبارک ہو کہ بڑی سی بڑی روشن خیالی کی سند گویا مل گئی، اور بے نظیر مثال پیش کرنے کے لیے ضرورت نہ لندن جانے کی رہیگی نہ پیرس کی نہ نیویارک کی۔ ان سب کے بجائے لکھنؤ بالکل کافی ہوگا، اور لکھنؤ بھی عہد نصیرالدین حیدر کا، جب فسانۂ عجائب تصنیف ہو رہی تھی، قصہ جان عالم اور ملکہ مہرنگار کے چرچے اور کے چار سو تھے، اور دور رنگی کا بھانڈ اور نقالوں، سازندوں اور گویوں کا تھا! ——— گویا آج کے سینما اور ڈانس اور اوپرا اور میوزک ہال کا ٹھیک ٹھیک نقش اول! کافی بھگوان اگلوں کے لیے ہیں پچھلے اور بس کرتے ہیں ان پچھلوں کے لیے وہ اگلے، گویا خوب تابع اور گویا خوب متبوع!

ایک مصری لیڈر کی وفات

وسط جولائی میں انگریزی روزناموں میں کلکتہ کا ایک تار نظر سے گزرا تھا، کہ مشہور مصری رہنما ڈاکٹر عبدالحمید سعید نے ۷ جولائی کو وفات پائی۔ اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ یقین تھا کہ بمبئی، کلکتہ، لاہور اور دہلی کے بعض باخبر روزنامے اور ہفتہ وار ضرور تفصیل کے ساتھ مقالے لکھینگے، اور انھیں کا کوئی جزو صدق میں نقل کر دیا جائیگا۔ حیرت ہے کہ یہ توقع کسی طرف سے بھی پوری نہ ہوئی۔

خبر وفات اگر صحیح ہے تو حادثہ تنہا مصر کے لیے نہیں دنیائے اسلام کے لیے ہے۔ مولانا محمد علیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالحمید سعید مصر کے مولانا شوکت علی ہیں، حسباً بھی اور معناً بھی۔ مجلس شبان المسلمین کے بانی اور صدر اور روح رواں یہی تھے۔ مجلس مذکور ایک چھوٹے پیمانہ پر ہمارے ہندوستان کی مجلس خلافت مرحوم کی جانشین ہے۔ اور اسکی شاخیں آج مصر کے علاوہ شام، عراق، یمن، حجاز و فلسطین میں بھی قائم ہیں۔ مرحوم علوم عصری کے ماہر، فرانس کی مشہور ترین و قدیم ترین سوربون یونیورسٹی کے گریجویٹ ہی نہیں، ڈاکٹر (لا) تھے۔ ساتھ ہی دینی جذبہ سے سرشار، وطنیت کو وطنیت ہی کے درجہ پر رکھتے تھے، اسے دینیت کے درجہ پر پہنچا دینے کے سخت مخالف تھے۔ مصری پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ کوئی دو سال ہوئے ہونگے جامعہ فواد کے سالانہ جلسہ کے موقع پر "علم" کی برہنیوں اور گستاخیوں سے متاثر ہو کر ایک بڑی موثر مفصل تقریر غیرت دینی میں ڈوبی ہوئی ارشاد کی تھی۔ اسکا ترجمہ بھی ایک ندوی کے قلم سے رہبر دکن میں نکلا تھا۔ ایسے مخلص خادم دین و ملت کی رحمت ذوالجلال مغفرت فرمائے، اور درجات ابرار سے لبریز نصیب فرمائے۔

ایک آیت کا مفہوم

ایک کرمفرما لکھتے ہیں:-

"غزوۂ بدر کے واقعات کو بعد تنقید روایات نظم کرنے کا ارادہ ہے ان شاء اللہ۔ لہذا آپ سے عرض ہے کہ آپ نے آیت ذیل کے جو تحقیقی معنی اپنے ترجمہ میں بعد نظر ثانی و ثالث اختیار فرمائے ہوں، ان سے مطلع فرمائیے: یرونھم مثلیھم رای العین۔ سورۂ آل عمران ع ۲۔ آیت ۱۳"

غزوۂ بدر کے مختصر واقعات، سب کو مسلم اور غیر اختلافی، حسب ذیل ہیں:-

۱- مسلمان کل ۳۱۳ تھے، اور وہ بھی بے سروسامان۔

۲- قریش کا لشکر ۹۵۰ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ۷۰۰ شتر سوار، ۱۰۰ اسپ سوار و زرہ پوش۔

۳- پھر مسلمان فوج سے لڑنے کے لیے گئے بھی نہ تھے، انکا ارادہ تو محض قافلۂ رسد و سامان کا راستہ کاٹ دینا تھا۔ انھیں جنگ پر یک بیک آمادہ ہو جانا پڑا۔ قریش البتہ ہر طرح اسی کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔

غرض یہ کہ اسباب ظاہر کے لحاظ سے کوئی صورت مسلمانوں کی جیت کی تھی ہی نہیں۔ اب پوری آیت مع تشریحی ترجمہ کے ملاحظہ ہو، ان شاء اللہ کوئی سوال پیدا ہی نہ ہوگا:-

آیت	ترجمہ
قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واُخریٰ کافرۃ یرونھم مثلیھم رای العین واللہ یؤید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار	بیشک تمھارے لیے ہوا ہے ایک نشان (اللہ کی قدرت اور رسول کی صداقت کا)، دو گروہوں کے باہم مقابل (میدان بدر میں)۔ ایک گروہ (تعداد میں حقیر اور سامان میں قلیل) تو لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں، اور دوسرا کافروں کا تھا (جو) دیکھ رہے تھے اپنے کو ان سے (یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا،

اور دیکھنا بھی کیسا، وہم و گمان کی بنا پر نہیں، کھلی آنکھوں دیکھنا (کھلم کھلا مشاہدہ کرنا)۔ اور اللہ تائید دے دیتا ہے اپنی نصرت سے جسکے متعلق انکی مشیت ہو (چنانچہ یہاں اسکی مشیت مومنین سے متعلق ہوئی)۔ اور یقیناً اس (واقعۂ عظیم) میں بڑا سبق (اور ہدایت) ہے اہل بصیرت کے لیے (یعنی ان کے لیے جو بصیرت سے کام بھی لیتے ہوں)

نیا بیڑا

"قرآن کا کلام خدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے، یہ ہے اصل بحث جو میرے اور ہندوستان کے بعض مولویوں کے درمیان مابہ النزاع ہے"۔ (نگار، اگست، صفحہ ۲)

یہ اس ایڈیٹر نے اگست کے نمبر میں کہا، جو ابھی جون کے مہینہ میں کہہ چکا تھا، کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں" (نگار، جون، صفحہ ۶۸)

یعنی ملت اسلامیہ کی پہلی ہی ڈانٹ پڑتے، اور مقاطعہ ہونا الگ رہا "مقاطعہ" کا نام سنتے ہی وہ "با اصول" اور "پابند اخلاق" انسان جو صراحت کے ساتھ انکار کر رہا تھا کلام مجید کے کلام خداوندی اور الہام ربانی ہونے سے، لگا گڑگڑا کر کہنے اور قبول لینے کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے بھلا مجال ہے کہ میں انکار کروں، میں تو صرف اسکا مفہوم اور اسکی نوعیت متعین کرنا چاہتا ہوں، اور اس باب میں میرا اختلاف شریعت اسلام کے کسی مسلمہ سے نہیں، صرف "بعض مولویوں" سے ہے!

——— کون کہتا ہے کہ شیواجی کے پیرو صرف اورنگ زیبؒ ہی کے مقابلہ میں تھے اور اسکے بعد ناپید ہو گئے؟

آریہ کا نیا جنم

"اگر قرآن مجید اللہ کا کلام ہے تو پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے یہ معنی ہونگے کہ وہ خود اپنے نام سے کلام مجید کو شروع کرتا ہے اور خود اپنی ذات سے خطاب کرتا ہے، جو بالکل بے معنی

تو تمام دنیگی یہ علمین کی تبدیلیاں کیونکر ؟
آج نہیں کل یہ سوال خود لڑکیوں کی طرف سے اٹھ کر رہیگا کہ آخر ہمارے ساتھ مساوات کیوں نہیں برتی جاتی ؟ ہم سے یہ بخل کیوں روا رکھا جاتا ہے ؟ کیا ہماری عصمت کوئی چھوئی موئی ہے کہ کلاس میں مردوں کی رفاقت کی برداشت کر ہی نہیں سکتی ؟ وغیرہ وغیرہ ، تمام نام نہاد "داعی" تو آج ہر جگہ نسائیت کی زبان پر ہیں -

جائزۂ مشرق

"دوپٹے اکثر سنہری ، روپہلی یا ریشے کے ہوتے تھے طول میں انگریزی پلنگ کی چادر کے برابر ، عرض میں اس سے کم - یہ دوپٹہ سر پر پیچھے کی طرف پڑا ہوتا ہے - اور دونوں شانوں پر لٹکے آنچل سینے جاتے ہیں - اسکے اوڑھنے کی وضع ایسی پیاری ہوتی ہے کہ یہ صورت سے بدصورت عورت بھی اوڑھ لیتی ہے تو پری معلوم ہوتی ہے ، چہ جائیکہ جو عورت خود ہی پری جمال ہو ، اسکے حسن میں تو اور چار چاند لگ جاتے ہیں " (شباب لکھنؤ ، ص۱۱)

یہ قول ایک انگریز صاحب شاہ اودھ کا ہے ، زمانہ تقریباً ۱۸۲۵ء کا ——— آج غیروں کے فیشن پر مرمٹنے والے اور مرمٹنے والیاں یقین کرینگے کہ کبھی صورت حال اسکے برعکس تھی ؟ یعنی بیگانے خود ہمارے ہاں کے زنانہ اور مردانہ فیشن پر لٹو تھے ، اور اپنے ملک میں یہاں کے طور طریقوں کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے تھے ! مشرق اپنی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہمیشہ سے نہ تھا ۔ اقبال فرنگ کا ستارہ ، معیشت ، معاشرت ، اخلاق ، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں شروع سے اسنے عروج پر نہ تھا !

ترقی معکوس

" مصر کے ایک ممتاز ڈراما نویس اور ایکٹر یوسف وہبی نے شکسپیر کے ڈراموں کا عربی زبان میں ترجمہ شروع کیا ہے ، اور پہلا ڈراما " ہیملٹ " عنقریب عربی زبان میں پردۂ تصویر پر آجائیگا ۔ اس طرح اہل مصر پہلے پہل شکسپیر کا ڈراما عربی زبان میں سنیما کے پردہ پر دیکھینگے " (ایک خبر)

ایک زمانہ تھا کہ اردو زبان سے متعلق اس قسم کی خبریں بڑے شوق سے ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں ، اور مغربی زبان سے کوئی سا بھی ترجمہ ہو بس اسکا اردو میں آجانا بجائے خود ایک نعمت اور رحمت سمجھا جاتا تھا ، تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ کیسا گمراہ کن غلط اور کتنا بڑا دھوکا تھا - اس قسم کے سارے " لٹریچر " سے بجز غفلت پیدا ہونے اور غفلتوں کے بڑھنے کے اور حاصل کیا ہوا ؟ روحانی و اخلاقی نہ سہی ، مادی نفع بھی مصری قوم کو کیا حاصل ہونگے ؟ سیاسی آزادی کی منزل قریب آجائیگی ؟ معاشی مسائل حل ہو جائینگے ؟ اصلاح معاشرت ہو جائیگی ؟ سوشلزم والے کی بولی میں " مذہب " افیون " کا حکم رکھتا ہے ، حالانکہ افیون کے نشہ کی تاثیر اگر ہے ، تو اسی قسم کے نئے " لٹریچر " میں ، خصوصاً جب وہ بھانڈوں ، نقالوں ، اور " اداکاروں " کی راہ سے آئے !

تجدد دربار اودھ میں

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر اپنی تاریخ گزشتہ لکھنؤ میں لکھتے ہیں :
" نصیرالدین حیدر ہمیشہ عورتوں میں رہتے رہتے اس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہوگئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتے اور عورتوں کا سا لباس پہنتے - زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کر دی کہ ائمۂ اثنا عشر کی فرضی بیبیاں (اچھوتیاں) اور انکی ولادت کی تقریبیں جو انکی ماں نے قائم کی تھیں انکو اور زیادہ ترقی دی - یہاں تک کہ ولادت ائمہ کی تقریبوں میں خود حاملہ عورت بن کے زچہ خانہ میں بیٹھتے ، چہرہ اور حرکات سے درد زہ کی تکلیف ظاہر کرتے ، اور پھر خود ایک فرضی بچہ جنتے ، جسکے لیے ولادت ، چھٹی اور نہان کے سامان بالکل اصل کے مطابق کیے جاتے " ! (ص۲۵۲)

لیکن آخر اس پر لاحول پڑھنے اور چھی چھی کرنے کی کونسی بات ہے ! یہ تو عین نسائیت effeminacy کا کمال ہوا ، " روشن خیالی " کا منتہا ہے ، زن و مرد کی تفریق تو خود دور قدامت کی یادگار ہے ! ——— شرر مرحوم خود ایک حد تک تجدد کے علمبردار تھے ، اور اپنے زمانہ میں " بے پردگی " کے بڑے حامی سمجھے جاتے تھے - لیکن پھر آخر فرسودہ خیال تھے - یہ نہ سوچے ، کہ " زنانہ مزاجی " میں عیب ہی کیا ہے ، اور اس میں شرم کی بات ہی کون سی ہے ! وقت سے ذرا پہلے پیدا ہوگئے - آج زندہ ہوتے تو سمجھتے کہ جن چیزوں کو چہرۂ کمال کا داغ سمجھے ہوئے تھے ، وہ تو عین حسن و جمال کے خط و خال ہیں !

نیا پیام تعلیم

اس عنوان سے ایک شذرہ پچھلے نمبر میں سپرد قلم ہوا تھا ، اسی سلسلہ میں ادارہ مذکور کے ایک ذمہ دار افسر سے مراسلت بھی ہوئی تھی - الحمدللہ کہ صاحب موصوف کو ادارہ کے اس غلط اقدام کا احساس ہوگیا ، اور موصوف نے اطمینان دلایا ہے ، کہ آئندہ رسالہ کے متعلقہ میں ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہوگا - اور مدیر صدق کی یہ توقع

" ان شاء اللہ کبھی پوری نہ ہوگی ، کہ آئندہ فلاں فلاں اہل فن کے فن پر بھی تبصرہ نکلے گا "

لغزش سے محفوظ رہنا اگر بشر کے بس ممکن نہیں ، تو لغزش پر اصرار سے بچے رہنا تو یقیناً اسکے بس کی بات ہے - اور یہ دلیل انکے نقص کی نہیں ، کمال کی اور کمزوری کی نہیں ، عین جرأت و شرافت کی ہے -

دردا و درد وائے درد

مولوی ابو محمد صاحب مصلح ، حیدرآباد دکن سے تحریر فرماتے ہیں :-

" آپ کی حمیت و حرارت اسلامی سرحد اسلام کا تیر روکنے میں سپر کا کام دیتی ہے - جزاکم اللہ خیر الجزاء - صاحب نگار رہ گیا کوئی اور - انکا جواب دعا اور صحیح دعا کے سوا اور کچھ نہیں - .

دوائے میری مراد یہ ہے کہ جب تک حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں نہ آجائے ، اور قوانین قرآن کے اجراء و نفاذ کی قوت حاصل نہ ہو جائے آرام اور چین سے نہیں بیٹھنا چاہیے - اس سلسلہ کی سب سے پہلی چیز قرآن حکیم کی تعلیم کا معنی و مطلب کے ساتھ عموم و لزوم ہے - اور یہ افسوس ہے کہ اس ضمن میں جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ قطعاً ناکافی ہے "

ایک سوشلسٹ سے

(از عبد الماجد)

نمبر (۱)

اودھ کے ایک عالی خاندان نوجوان جو اپنی سوشلسٹ جماعت میں ایک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں، اُن کا ایک طویل مکتوب موصول ہوا ہے۔ چند ناگزیر لفظی ترمیمات کے بعد بجنسہ درج ذیل ہے :—

مولانا محترم - آداب۔

میں اُن لوگوں میں ہوں جو بچپن سے آپ کے خیالات کو پسند کرتے تھے۔ پہلے میں سچ پڑھا کرتا تھا اور پھر صدق۔ اب کبھی جب کبھی نظر پڑ جاتی ہے تو آپ کی سبھی باتیں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ آپ کے خلوص اور سنجیدگی کا قائل ہوں۔ مگر جس بات سے اب بھی مجھے سخت اذیت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ سوشلسٹوں سے ناراض ہیں مگر اُنکے خیالات کو سمجھ کر اُن پر تنقید نہیں کرتے۔ اسی طرح عیاشی اور آوارگی پر آپ کی لاعلمی بہت زیادہ ہے۔

عام طور پر یہ خیال ہے کہ سوشلسٹ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدمعاشی آوارگی کو چھپانے کے لیے اس نام کا لیبل لگا لیتے ہیں۔ یا وہ لوگ ہیں جو آپ کے ایسے بزرگوں کے پاک خیالات سے واقف نہیں۔ مگر کیا عرض کروں۔ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ دو چار نام کے سوشلسٹوں کو چھوڑ کر باقی جتنے ہیں سب کو اس کا لیبل لگاتے ہی وہ قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو معمولی آدمی برداشت بھی نہیں کر سکتا ہے۔

آپ اسلامی طور پر دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں زکوٰۃ خیرات وغیرہ کی بدولت۔ لیکن آپ نے کبھی مزدوروں اور مل مالکوں کے مسئلہ پر غور نہیں فرمایا ہے کہ اسلامی طور پر انکے جھگڑے کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ طبقوں کی کشمکش کا حل سوا اسکے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ کارخانے مزدوروں کے ہو جائیں؟ اسی طرح کسانوں، زمینداروں اور برطانوی حکومت اور ہندوستانی رعایا کی کشمکش ہے۔ انکی تحریروں سے میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ ان جھگڑوں کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ لیکن اسے کون قائم کرے، اور کیوں قائم کرے؟ یہ ہو سکتا ہے کہ مل مالک زمیندار اور والیانِ ریاست باہم مل کر اسلامی حکومت قائم کر لیں۔ ہم لوگوں کے نزدیک ان میں یہ خواہش پیدا ہونا نا ممکن ہے۔ لیکن اگر آپ کے خیال میں ممکن ہے تو انکو نصیحتیں کیجیے۔ اپنا صدق اُنکے پاس بھیجیے۔ لیکن آپ تو نصیحتیں کرتے ہیں غریب مزدوروں اور کسانوں کو۔

مزدور اور کسان بھی مل کر اسلامی حکومت قائم کر سکتے ہیں، مگر اسکے لیے کوئی راستہ چاہیے۔ اس وقت جو راستہ سامنے ہے وہ ہندو مسلم اتحاد، کسان سبھا، مزدور سبھا، کانگریس، اسٹرائک، لگان بندی، ستیہ گرہ کا راستہ ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں عملی اور نظری بکثرت تجربات ہیں، لوگ برابر تجربے کر رہے ہیں، اور کامیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس راہ میں کہ جو حکومت قائم ہوگی، وہ عام ہندوستانیوں کی ہوگی نہ کہ اسلامی حکومت۔ آپ اگر اس پروگرام کو غلط سمجھتے ہیں تو کوئی دوسرا پروگرام پیش کیجیے جو واقعات پر مبنی ہو اور اس زمانہ سے میل کھاتا ہو۔ اور اگر اس پر آپ کو پورا عقیدہ ہو تو تھوڑا سا عمل کر کے دکھائیے۔

عیاشی اور زنا کے بھی آپ بہت خلاف ہیں۔ مگر اس میں بھی آپ کی نگاہ جن راجہ صاحبان اور بہت اونچی بیوائیں ہیں۔ آپ اوسط طبقہ کے نوجوانوں کو بھول گئے جو لڑکپن سے نوجوان اور نوجوان سے جوان اور پھر بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر کبھی اتنا پیسہ نہیں ہوتا کہ شادی کر سکیں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ شہوت کی طاقت کو بھول جاتے ہیں۔ بیسواؤں پر غور کرتے وقت آپ اُن کروڑوں بلکہ بیواؤں کو بھول جاتے ہیں، جو دو دو آنہ پر تین تین، چار چار اندھے، لولے، کوڑھ والے، بیمار مردوں کے ساتھ راتیں بسر کرتی ہیں۔ کیا انکا پیشہ شہوت اور عیاشی کی وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ اگر صرف جرائم، خلاف وضع فطرت کے اسباب پر غور کریں تو بھی زنا کا مسئلہ کافی صاف ہو جاتا ہے۔ ان پر غور کرنے کے لیے مناسب ہوگا کہ زندگی میں گھس کر زندگی کے اُن طوفانی لہروں کا مطالعہ کیجیے جو انسانی جوہروں کو بات کی بات میں پچھاڑ دیتے ہیں۔ جو شخص انسانی روح کی ان تباہیوں کو بھگت رہا ہو یا بھگت چکا ہو، اُس کی نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے آپ کی نصیحتوں کی۔ میں آپ کو سیکڑوں صحیح واقعات سنا سکتا ہوں جن سے شہوت اور غریبی کا قریبی تعلق معلوم ہو سکتا ہے۔

غریبی کا مسئلہ تو شاید مولاناؤں کے ذہن میں بھی نہیں آتا، کیونکہ قناعت کا جوہر ان میں موجود ہے۔ لیکن آپ اُن لوگوں کو کیسے سمجھا سکتے ہیں جن کے ذہن میں ہندوستان کی ۴۰ کروڑ آبادی میں سے ۳۹ کروڑ کی برباد زندگی ہو، اور وہ محسوس کر رہے ہوں کہ قناعت کا جوہر دنیا میں کبھی اتنا نہیں پایا جا سکتا ہے کہ وہ ساری مخلوق کو خاموش کر دے۔ اور یہ کہ دنیا میں اگر ذرا سی قناعت اور بڑھ گئی بجائے امن اور اخلاق کے اور بد امنی اور بد اخلاقی پیدا ہو جائیگی کیونکہ قناعت سے جتنی زمین خالی ہوگی اُس پر فوراً مل مالکان اور زمیندار اور سامراجی قبضہ کر لینگے۔ میں اور تفصیل سے لکھتا لیکن مجھے یقین نہیں کہ ان باتوں سے کوئی دلچسپی ہوگی، اس لیے خط ختم کرتا ہوں۔

مراسلہ نگار، صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ مکتوب الیہ کے لیے اظہارِ خیال کا ایک اچھا اور مناسب موقع بہم پہنچا دیا۔ سوشلزم سے متعلق اسکا مطالعہ وسیع یقیناً نہیں، لیکن جتنا بھی کچھ ہے، شاید ناکافی و غیر وقیع نہ کہا جا سکے۔ کارل مارکس، اور لینن کے خیالات، خود انھیں کی زبان سے جہاں تک انگریزی میں منتقل ہوئے ہیں، سُن لیے گئے ہیں۔ برنرڈ شا وغیرہ انگریز سوشلسٹوں سے تو اور کچھ زیادہ ہی واقفیت ہے۔ روسی تجربہ کی حکایت بعض صاحبان تجربہ ہی کی زبان سے سننے میں آ چکی ہے۔ صنفیات و شہوانیات سے متعلق مطالعہ تو ایک حد تک وسیع بھی کہا جا سکتا ہے۔

سوشلسٹ طبقہ کی قربانیاں نہ پہلے زیر بحث تھیں نہ اب ہیں۔ گفتگو صرف سوشلزم کی تعلیمات کی صداقت کے باب میں ہے۔ اور قربانیاں حق و صداقت کی دلیل کسی معنی میں بھی نہیں بن سکتیں۔ اہل باطل نے باطل کی حمایت و نصرت میں ظاہر بیں نظروں میں، ہمیشہ اہل حق ہی کی طرح جوش و غلو، حمیت و غیرت دکھلائی ہے، بت پرستوں کا جوش و خروش بت پرستی کی حمایت میں اُس سے کچھ کم ہوتا ہے جتنا اہل توحید کا توحید کے حق میں ہوتا ہے؟ ابو لولو فیروز (قاتل حضرت عمر فاروق)

لئے یا لو۔ پہلے کسی رکن مجلس قانون ساز کے ذریعہ سے پیش کرائیے! اور پھر یہ نکتہ چینی ہر فرد کی طرف سے ہر فرد کی طرف سے ہر وقت ہو سکتی ہے۔ بادشاہ پانچ وقت مسجد میں بہرحال آئیگا۔ بس وہیں بغیر کسی مناظرہ کے یہ سوال ہر شخص کر سکتا ہے۔ اسلامی نظام میں اس کے لیے مسجد ہی سب کچھ۔ اسمبلی، کونسل، سینیٹ، پارلیمنٹ کی سر فلک عمارتوں کی تعمیر پر دولت قارون خرچ کروا ڈالنا یہ سب داخل اسراف۔ پھر سب سے بڑا بادشاہ بھی غیر مسئول نہیں۔ حاکم اعلیٰ کے سامنے، احکم الحاکمین کے حضور میں جوابدہی اور مسئولیت کی حیثیت سے اپنی ادنیٰ سی ادنیٰ رعایا کے بالکل برابر۔ — غفلت کے دور کرنے اور احساس ذمہ داری بیدار رکھنے کا اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ موثر ہو سکتا ہے؟

ساری امت میں اسی مسئولانہ ذہنیت کے پیدا کرنے اور ذمہ داری کی روح دوڑا دینے کے لیے کیا اچھا طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے کہ زور **حقوق** پر نہیں رکھا گیا، تمام تر **فرائض** پر دیا۔ اور یہ مقام منجملہ ان مقامات کے ہے جہاں قانون اسلام کی بلندی تمام دوسرے قوانین سے، تمام انسانی تشریعوں سے نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ آج سارے شر و فساد کی بنیاد یہی "حقوق طلبی" کا جذبہ ہے۔ لڑکے کہتے ہیں کہ ہمیں مدرسہ میں فلاں فلاں حقوق ملنے چاہیے اور نہیں ملتے اس لیے ہم اسٹرائک کرتے ہیں۔ بیویاں کہتی ہیں کہ خانگی زندگی میں ہمیں فلاں فلاں "حقوق ملنے چاہیے اور نہیں ملتے" اس لیے ہم طلاق و جنگ کرتے ہیں۔ غرض اجتماعی اور ذاتی دونوں زندگیوں کا ایک ایک شعبہ اسی حقوق طلبی کی بنا پر ایک مستقل رزم گاہ بن گیا ہے۔ یہ ان سے لڑ رہے ہیں وہ ان سے۔ یہ کہتے ہیں ظالم تم ہو، وہ کہتے ہیں "اپنی طرف تو دیکھو، فلاں فلاں زیادتیاں تم نے کیسی کی ہیں!" — ایک خانہ جنگیوں کا چکر اور تسلسل ہے کہ برابر جاری اور قائم ہے!

اسلام نے حکم بڑوں کو دیا، کہ تم پر چھوٹوں کے ساتھ رحم و شفقت والے حقوق فرض ہے۔ امیروں کو بتایا کہ غریبوں مفلسوں مسکینوں کی خبرگیری ان پر فرض ہے۔ شوہروں کو جتایا کہ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک ان پر فرض ہے۔ غرض امت کے ہر طبقہ پر، ہر طبقہ کے ہر ہر فرد پر فرائض ذہن ایسا چپکا دیا کہ اسکے بعد کوئی سوال کشمکش کا، مسابقت کا، ایک دوسرے کو کہنی مار کر پیچھے ہٹا دینے کا باقی ہی نہیں رہ جاتا!

دریافت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کون سا طبقہ قائم کریگا؟ جواب میں عرض ہے کہ زردار Haves اور نادار Haves not دونوں مل کر۔ وہ حکومت سب کی ہوگی۔ ہر طبقہ کا اس پر یکساں حق ہوگا۔ اور یہ طبقوں کا نام بھی تو آپ کے مذاق کی رعایت سے لیا جا رہا ہے ورنہ حقیقۃً جس معنی میں "طبقہ" Class کا لفظ آج بولا جاتا ہے، اسکے لحاظ سے تو کوئی مستقل طبقات امت اسلامیہ کے اندر ہونے ہی کے نہیں۔ جو امرانی اور دوسری سوسائٹی Society یورپ میں Classes کا نام لیتے ہیں، اس اسم کا مسمیٰ دنیا میں اگر پایا جاتا ہے تو وہ امت اسلامیہ ہی تو ہے۔ یہاں کے سوا اور آپ کہاں جائینگے، کہ امیر و غریب، نو مسلم و قدیم الاسلام سب ایک ہی مسجد میں ایک دوسرے سے ملکر شانہ سے شانہ ملائے کھڑے ہوں! یہ نہیں کہ فلاں کے مندر میں فلاں نہ جا سکے اور فلاں کے مندر میں فلاں، گوروں کے گرجا الگ ہوں کالوں کے لیے الگ۔ یہ بات سوا یہاں کے اور آپ کہاں پائینگے کہ شریف و رذیل، اونچ نیچ سب ایک دسترخوان پر بیٹھ کر ایک پلیٹ میں کھانا کھائیں، ایک گلاس میں پانی پئیں؟ یہ نہیں کہ ایک ایک ذات، اور ذات سے ذات کے چوکے الگ الگ ہوں، اور ایک برتن میں کھانا اور پینا الگ رہا، ایک چوکے تک میں بھی نہ بیٹھ سکیں۔ یا سپاہی کی مجال نہ ہو کہ کرنل کے ساتھ ساتھ ایک میز پر کھانے کے لیے بیٹھ سکے! یہ دستور سوا یہاں کے اور کہاں آپ کو ملیگا کہ بڑے چھوٹے، رئیس مفلس دفن ایک قبرستان میں ہوں! یہ نہیں کہ انکے قبرستان میں انکا مردہ نہیں آسکتا، اور ان کے گورستان میں انکا!

اسلامی حکومت قائم کرنے میں یقینی شریک ہر وہ فرد ہوگا جسے اپنا اسلام عزیز ہے، اور غربا کا طبقہ تو لازماً اس میں پیش پیش ہوگا، جیسا کہ اسکے قبل ہر اصلاحی و ربانی تحریک میں ہوتا آیا ہے۔ صدق کے پاس، اسکے سوا اور کوئی پروگرام نہیں۔ اور یہی پیام وہ پہنچاتا رہتا ہے طبقۂ امراء سے زیادہ طبقۂ عوام و غربا تک۔ امراء میں تو اسکے خریدار دس ہی بیس ہونگے، باقی سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں وہ عوام اور غرباء ہی کے ہاتھوں میں پہنچتا رہتا ہے۔ یہ "نصیحتیں" جو بھی کچھ اور جیسی بھی کچھ ہیں، وہ ایمان، ریاست اور تقلید و مزدور سب کے لیے یکساں کھلی ہوئی ہیں۔ یہی ... یہ پروگرام ایسا ہے، جو "اوقات اور واقعیت پر مبنی ہے" اور "اس زمانہ اور ہر زمانہ سے میل کھاتا ہے"۔ رہا اس پروگرام پر خود مدیر صدق کا عمل، سو اسے اپنی بے عملی اور نااہلی کا تو پورا اعتراف ہے، لیکن بھی توفیق الٰہی شامل حال رہی ... کہ نہ جانے کتنے ایک محدود دائرہ پیمانہ پر عمل ہوتا جاتا ہے۔ مشاہدہ و ذاتی علم کی ضرورت آپ سمجھیں تو بمسرت تمام دو چار روز اور چار چھ جتنا چاہیں قیام فرما سکتے ہیں۔ کوتاہیاں آپ کو اسکے عمل میں یقیناً ملینگی لیکن آپکی ... ہر شعبۂ عبادات میں ملینگی۔ اس عمل کے لیے "میدان" اور "پلیٹ فارم" مطلق ضروری نہیں۔ ہر فرد تنہا خاموشی کے ساتھ اپنی بساط کے موافق اپنی محدود و خانگی زندگی کے اندر اسے رو بہ عمل لا کر اسکا عملی نمونہ پیش کر سکتا ہے۔

دوسرے پروگراموں کی جانب جو اشارہ کیا گیا ہے وہ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ کیا یہ بھی ضرورت ہے کہ ان پروگراموں کی عملی اور نظری کمزوریوں کو کھول کر بیان کیا جائے؟ اب ۲۰ سال تو تجربہ کے ہو گئے۔ انتشار اندرونی انتشار اتنے دنوں میں کچھ گھٹا یا اور بڑھ گیا؟ کانگریس اور مخالف کانگریس تحریکات کی کمر کو چھوڑیے، خود کانگریس کے اندر کتنی پارٹیاں اور پارٹی در پارٹی پیدا ہو چکی ہیں؟ کیسی کیسی ایک دوسرے پر بدگمان رکھنے والی ایک دوسرے پر الزامات لگانے والی! کوئی مہینہ مشکل سے گزرتا ہے کہ کسی نئے شقاق و اختلاف کی خبر شایع ہوتی ہو۔ اور یہ سب بالکل قدرتی ہے۔ اسلیے کہ بجز ستیہ گرہ کے کہ وہ تو ناقص سہی بہرحال ایک اخلاقی و روحانی تحریک باقی اور سب تحریکات کی بنیاد بجز حب جاہ، حب نفس اور دنیا پرستی کے اور کس چیز پر ہے؟ نتائج وہی نکلنے ہی تھے، جو نکل رہے ہیں۔

اسلام کا ظاہری قانون ہزار مکمل سہی اسکا مالی نظام لاکھ عقلیانہ سہی، اسکی تقسیم دولت کیسی ہی عادلانہ سہی، مفاسد کے سد باب و شر و مضرت کے انسداد کے لیے ضروری تھا کہ ان مادی قوانین کو مدد اور قوت پہونچائی جائے اخلاقی قوت سے۔ اور ایک بڑی اخلاقی قوت کا نام قناعت ہے۔ اور اسلام نے اسکی تربیت کا خاص اہتمام کیا ہے۔ قناعت ضد ہے ہوس کی، اور قناعت نام ہے ضبط ہوس کا۔ ایک بہت سادہ اور آسان سی ریاضت نفس ہے۔ معلوم آپ نے اسے اسقدر دشوار کیوں سمجھ لیا ہے۔ ہمت اور قوت ارادی اگر سرے سے ہی نہ کھو جائے تو دنیا کی ہر آسان سے آسان چیز مشکل ہے، ورنہ تھوڑی سی مشق و ہمت کے بعد قناعت کچھ بھی دشوار نہیں رہ جاتی، ۹۹ کروڑ میں سے ۹۹ کروڑ کے لیے کیا معنی کسی ایک متنفس کے لیے بھی نہیں۔ پھر قناعت کا یہ تصور بھی بہت عجیب قسم کا ہے کہ "قناعت سے جتنی زمین خالی ہوگی اس پر قبضہ مالکان اور زمیندار اور سامراجی کرینگے"؟ اگر مالکان مل

مسلمانوں کی فلم نوازی

محسن میاں صاحب کانپور اپنے ایک عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"آج آپ کا اڈیٹوریل 'ہندی ہندوستانی' پڑھا - بجا طور پر آپ نے مسلمان نیشنلسٹوں پر انکی ذمہ داری عائد کی ہے - اگر آپ اسکے ساتھ ان فلموں کی بابت توجہ مبذول کراتے جو آج کل بہت بڑی حد تک ہندی کی ترویج کا باعث بن رہی ہیں - خصوصاً کانپور کا مسلمان مزدور طبقہ اس سے بہت زیادہ اثر لے رہا ہے کیونکہ کانپور کے مل مزدور کم از کم ہفتہ میں دو بار (بشرطیکہ پیسہ ہو) ضرور بائیسکوپ دیکھتے ہیں - بلکہ ایک فرض کی طرح اسکو پورا کرتے ہیں - اسی طرح دوسری عام پبلک کا بھی بائیسکوپ کے متعلق یہی حال ہے کہ ۶ بجے اور ۹ بجے جیسے ہی کھیل کا وقت قریب ہے لوگ منہ ہاتھ دھو بال بنا کپڑے اجلے پہن سامنے سینما ہاؤس کی طرف چل دیے - راستہ میں دوستوں نے اکٹھا کر لیے - وہ لوگ سینما ہاؤس کی طرف چل دیے - اب انکو یہ بحث نہیں کہ 'کوکلا' میں مالکان کمپنی نے گاؤکشی کے خلاف زہر اگلا ہے - یا 'رات کی بات' میں مسلمانوں کو بدتہذیب بنایا ہے - یا 'آج کل کے ہندوستان' میں ہر جگہ انگلش اور اردو الفاظ کے بجائے ثقیل اور بعید سے بعید ہندی الفاظ کو ٹھونس دیا ہے یا کسی تماشہ میں صاف صاف ہندو دھرم کی تبلیغ اور کرشن جی مہاراج کو دنیا کا پیدا کرنے والا ثابت کیا گیا ہے - وہ لوگ ہر حالت میں جیب سے ٹکٹ کے دام نکالیں گے اور ہندی پرچار میں دل کھول کر حصہ لینگے - کیا کانپور کی سٹی مسلم لیگ کا یہ فرض نہیں کہ اس غلط راستہ پر مسلمان پبلک کو چلنے نہ دے - مسلمان مل مزدور دیہات سے آئے ہوئے سیدھے سادھے مسلمان ہوتے ہیں تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ لوگ بھی باہر آتے ہی اسی ڈھنگ پر لگ جاتے ہیں جس طرح انکے کانپور کے آنے سے قبل انکے دوسرے مسلمان مل مزدور بھائی کر رہے ہیں -

اس وجہ سے ضرورت اس امر کی ہے کہ سٹی مسلم لیگ اس میدان کی طرف توجہ مبذول کرے

(۱) مسلمانوں کی اصلاح رسوم

(۲) مسلمان مل مزدوروں میں فضول اخراجات کی بندش

(۳) مسلمان مسلمان میں خرید و فروخت

یہ ایسے امور ہیں کہ سٹی مسلم لیگ اسکی طرف جلد توجہ کرے تو اسکی بنا پر لوگ اس کی طرف جلد راغب ہونگے اور اردو کا بھی کچھ بھلا ہو جائیگا خصوصاً ایسی فلمیں تو کم از کم مسلمان نہ دیکھیں گے کہ جس میں پیسہ دے کر اپنی برائی اور ہندی کی تبلیغ ہو"

ہم نامہ نگار مذکور کے مندرجہ بالا خیالات کی پرزور تائید کرتے ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ اسکا اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ مسلمانوں کا یہ شوق تماشہ اور یہ فلم نوازی صرف کانپور تک محدود نہیں ہے بلکہ صوبہ کے ہر شہر اور ملک کے ہر صوبہ میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ اس قسم کے تفریح اور تماشوں پر اپنی گاڑھی کمائی سے پیدا کیا ہوا روپیہ نہایت بیدردی کے ساتھ بہا رہے ہیں اور اس پر انکی نظر مطلق نہیں جاتی کہ جو پیسہ وہ اس کام میں اس قدر اولوالعزمی کے ساتھ اٹھا رہے ہیں وہ دراصل برادران وطن انکی قومی عمارت کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے میں کام میں لا رہے ہیں - انکی زبان، انکی رسم و رواج، انکی معاشرت ان سب کی بیخ کنی کی جا رہی ہے اور مجبور کرنے قصوں اور من گھڑت داستانوں کو تاریخی رنگ دے کر مسلمانوں پر ہندو مذہب اور ہندو کیریکٹر کی عظمت اور ہیبت قائم کی جا رہی ہے - لہذا ضرورت ہے کہ صوبہ مسلم لیگ اس کام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرے اور اپنی کل ماتحت لیگوں کو اسکی ہدایت کرے کہ وہ مسلمانوں کے اس "شوق تماشہ" کے خطرات سمجھا کر انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں - (حق)

اخبار صدق (لکھنؤ) کا مستقبل

یہ اخبار ہندوستان کے مشہور ادیب اور اسلامی مفکر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے - یہ اخبار صرف نام کا اخبار ہے ورنہ حقیقت میں اسکے اسلامی مضامین اور علمی مقالات اہل علم کے لیے ایک "معلم دین و اخلاق" کی حیثیت رکھتے ہیں - اسکا نصب العین یہ ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن کے استیلاء اور مغرب کی مرعوبیت سے لوگوں کو محفوظ رکھنا اور صحیح اسلامی اسپرٹ پیدا کرنا - کہ ۹ کروڑ مسلمانان ہند میں نکلنے والا یہ ہفتہ وار پرچہ خریداروں کی کمی اور مسلمانوں کی ناقدری کی وجہ سے گرداب ہلاکت میں آ گیا ہے - مسلمانوں کے لیے یہ چیز انتہا درجہ کی شرمناک ہوگی اگر وہ اس اخبار کو بند ہونے دینگے - مسلمانان رنگون و برما جو سینکڑوں روپیہ ریس اور لاٹری کی نذر کر دیتے ہیں، اگر دو چار سو روپیہ کی امداد کر کے خریدار بنا دیں تو کیا مشکل ہے؟ میری مسلمانان برما سے پرزور درخواست ہے کہ جو لوگ "المحمود" کا مطالعہ کرتے ہیں وہ للہ چندہ بھیجکر "صدق" ضرور جاری کرائیں - (رسالہ المحمود - رنگون)

خریداران صدق کی خدمت میں

جن حضرات کی میعاد خریداری ختم ہو رہی ہے انکی خدمت میں عرض ہے کہ آئندہ پرچہ کی خریداری کے لیے سال آئندہ کا چندہ بذریعہ منی آرڈر جلد سے جلد روانہ کر کے دفتر کو شکر گزاری کا موقع دیں ورنہ اوائل ستمبر میں ان حضرات کی خدمت میں پرچہ بذریعہ وی - پی ارسال ہوگا -

اس لیے التماس ہے کہ اگر کوئی صاحب خدانخواستہ صدق کی آئندہ خریداری جاری نہ رکھ سکیں وہ براہ مہربانی دفتر کو نقصان سے بچانے کے لیے ایک کارڈ لکھ دیں - تاکہ دفتر کو انکی ذات سے نقصان نہ پہونچے -

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

ہفتہ وار

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو: مہتمم اخبار صدق لکھنؤ

چندہ سالانہ للعمر
" ششماہی ۲ر
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق لکھنؤ

نمبر ۱۸ | دوشنبہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

(مشہور مفکر برطانیہ برنرڈ شا کے خیالات کا چربہ)

"ترقی" کا جدید مفہوم سمجھنا ہو تو آپ کی بہتر یہ چیز سب سے زیادہ حقیقت نظر آ رہی ہے اُسے اُٹھا لیجیے۔ پن (یعنی اردو میں "آلپین") سے زیادہ چھوٹی چیز اور کیا ہوگی؟ ایک زمانہ تھا کہ پن ساز خود ہی ایک ایک پن اپنے ہاتھ سے بناتا۔ خود ہی مال مسالہ لاتا، خود ہی بناتا، خود ہی بیچتا۔ صنعت کی ہر منزل سے وہ خود واقف ہوتا، علم اور عمل دونوں اس کے کامل ہوتے تھے۔ بلاشبہ البتہ نہ تھا کہ پنوں کو وہ کوڑی کوڑی بیچ سکتا، بنانے میں لاگت آتی تھی، اور قیمت وہ وصول کرتا ——— ہوتے ہوتے اٹھارویں صدی کا زمانہ آیا، اور اس صدی کے آخر میں ایڈم اسمتھ نے فخر کے ساتھ کہا، کہ اب پن کے بنانے میں، ایک نہیں، اٹھارہ آدمی لگتے ہیں، کام تقسیم ہو گیا، کام کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک آدمی کے ہاتھ میں آیا۔ اور کسی ایک شخص کے لیے، ساری صنعت پر دسترس رکھنا الگ رہا یہی ممکن نہ رہا کہ وہ اتفاقیہ بھی خبر رکھے آخر کیا ہوا ——— اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اب ہر شخص کا علم بجائے ایک کے ۱/۱۸ رہ گیا! اس کم علمی کا نام "ترقی" قرار پایا، اسی لیے کہ اب پنیں ہر روز بڑی کثرت سے بننے لگیں، کوئی ۵ ہزار روزانہ! اور نہایت سستی ہو کر گھر گھر عام ہو گئیں۔

ملک کو مبارکباد دی جانے لگی، کہ ملک خوشحال ہو گیا۔ اور خوشحالی کی دلیل یہ کہ گھر گھر پنوں کی ڈھیریاں لگ گئیں۔ انسان، انسان سے مشین بن گیا ہوا۔ سرمایہ دار کے ذمہ مزدور کو رزق پہونچانا اسی حیثیت سے ضروری رہ گیا، جیسے انجن کو چالو رکھنے کے لیے تیل اور کوئلہ کی غذا ضروری ہوتی ہے۔ گویا عزیز ایڈم اسمتھ کی تقریر پر، رسکن نے اصلی لعنت کہا "انسانیت کو زوال اور دولت کو عروج ہونے لگا" ——— زمانہ اور ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ اب [illegible] نشان بھی نہیں۔ اب انسان کی جگہ مشینیں ہیں، اور یہ نہیں کہ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہیں، کروڑوں کی تعداد میں نکلتی چلی آ رہی ہیں، یہاں تک کہ خوشنما کاغذ کا غلاف ان کا چپکانا اور لیبل لگانا بھی مشین ہی کے ذمہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان چند افراد کو چھوڑ کر جو مشین کا نقشہ تیار کرتے آج کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ پن بنتی کیونکر ہے! گویا پن کے کارخانہ میں کام کرنے والے ہر کاریگر، اور صناع کی کاریگری پرانے صناع کے مقابلہ میں دسویں حصہ کے برابر بھی باقی نہیں رہی ——— البتہ پنیں سستی تو اتنی ہو گئیں، کہ آج ایک پن کی قیمت کے اظہار کے لیے زبان میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سکہ کا نام ہی نہیں!

یہی حال کپڑوں کا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ بھیڑوں کی اُون کے تراشنے سے لیکر کپڑوں کی آخری تیاری تک، سارے کام دیہات کے لوگ خصوصاً گھرگرہست عورتیں اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ آج ان میں سے ایک ایک چیز یہاں تک کہ اون تراشی بھی، مشین کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ اب کسی عورت سے کہیے کہ فلاں بھیڑ سے آپ کے لیے اونی پوشاک تیار کر دے، تو وہ حیرت سے منہ تکنے لگے گی، کہ اس فرمائش کا آخر مطلب کیا ہے، اور بھیڑ کو لباس سے تعلق کیا ہے؟ آج تو ہر عورت بنا بنایا کپڑا سیدھی دوکان سے خرید کر لاتی ہے، اور پارچہ سازی سے متعلق خریدار اور پارچہ فروش، دوکاندار دونوں کے معلومات صفر محض ہوتے ہیں! معلومات اگر حاصل کرنا ہوں، تو لائبریری میں جا کر فلاں انسائیکلوپیڈیا پڑھیے! اور انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نویس کے معلومات

کا انگریزی میں دوسری کتابیں بھی ہونگی! ——— اس طرح ایک طرف "تعلیم، تعلیم"، "تعلیم عامہ"، "دست شکم" کی دھوم زبان سے کرتے رہیے، اور دوسری طرف عملاً ہر فرد کو جاہل سے جاہل تر، ناواقف سے ناواقف تر بناتے جایئے! مصنوعات کی افراط اور کثرت، اور صنعت آموزی کی طرف سے یہ بے التفاتی و غفلت! کیا خوب ہے یہ نظام سرمایہ داری!

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کے ٹائپ کا کام اسی دھیمی رفتار سے جاری ہے، اور ان سطور کی تحریر کے وقت تک بحمد اللہ ۲۲ پارے ٹائپ ہو چکے ہیں۔

پچھلے مہینہ حسب ذیل رقم بہ تراعانت قبول ہوئی:-

۲۳ اگست سنہ ۶۰ء   ایک خاتون۔ (از بھوپال)   ۵ر

فلسفہ اور شرک

سکلین مسیحیت میں حال میں ایک نامور رہنما شخصیت ڈاکٹر گور، ڈی ڈی، ڈی سی ایل (آکسفورڈ) ایل ایل ڈی (کیمبرج) وغیرہ کی ہوئی ہے۔ اپنی کتاب ایمان باللہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"انبیاء کے ہاں جو اہمیت خدا کے وجود ذاتی و مرکزی اخلاقی عظمت کی ہے، اس کے بعد خدا اور کائنات (فاطر و فطرت) کے درمیان التباس کا امکان نہ تھا۔ اس تعلیم نے خدا کا مرتبہ بالکل مسلم کر دیا۔

انبیاء کو بت پرستی سے جو نفرت ہے اسکی بنیاد بھی یہیں سے واضح ہو جاتی ہے۔ بت پرستی کی ملعونیت اور اس کی حقارت سے تعلیم انبیاء بھری پڑی ہے۔ فلسفہ کی ثنویت پرستی سے صلح و آشتی بری ہے۔ خدا کی جھلک ہر چیز میں ہے، بس یہ فلسفہ کا منشی ہے۔ اس لیے خداؤں کی بابت افسانے کیسے ہی طفلانہ اور خرافاتی ہوں، فلسفہ انکی یہ تاویل کر لیتا ہے کہ یہ سب خدائی جلوے اور مظاہر ہیں اور عوام کو تو خدا کی معرفت انھیں مظاہر ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ بت پرستی کے ساتھ فلسفہ کی رواداری کا یہ میلان نہ صرف قدیم زمانہ میں رہا ہے، بلکہ آج بھی بہتوں کے ہاں شرک کے ساتھ یہ ہمدردی بالکل نمایاں ہے۔" (گور کی "بیلیف ان گاڈ" ص ۱۷)

مصنف نے بات پتہ کی کہی، فلسفہ کو عوام بلکہ خواص تک، علوم میں بہت اونچا درجہ دیتے ہیں، اور اسکی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں۔ حالانکہ فلسفہ، حقیقت رسی اور حقیقت شناسی کا دشمن ہے، اور اسکے اندر بجز الفاظ اور مصطلحات کے گورکھ دھندے کے اور کچھ بھی نہیں۔

> کوئی پوچھے اگر فلسفہ کیا؟
> کہہ دو اکبر کہ لفظ بے معنی   (اکبر)

> گلستاں نے لالہ زار سے خبر نہ لے   یوں گل کا منہ سراب نکلتے!   (اقبال)

یہی وجہ ہے کہ یونان، مصر، ہند کے فلسفی عموماً مشرک یا شرک پسند، شرک دوست

ہی ہوئے ہیں۔ اور جن عقلاء کی سمجھ میں توحید جیسی کھلی ہوئی حقیقت نہ آئے ان کی عقل و فہم سے حسن ظن قائم رکھنا بھی بڑی ہمت کی بات!

ارتداد پر ایک دلیل

"علمائے کرام جواب دیں"! عنوان کسی آریہ سماجی یا کسی پادری کے مناظرانہ اشتہار یا پوسٹر کا نہیں، بلکہ ان کے شاگرد رشید نیاز فتحپوری کا ہے! حق شاگردی مضمون کی پیشانی تک میں ادا کر دیا گیا ہے۔ —— نفس مضمون میں دس دلیلیں، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار یا اپنے ارتداد پر قائم کی ہیں۔ ایک دلیل حسب ذیل ہے:-

"سورۂ فاتحہ میں الحمد للہ سے لیکر مالک یوم الدین تک دعا کا انداز ایسا ہے کہ گویا مخاطب سامنے نہیں اور پھر دفعتاً ایک فقرہ سے انداز تخاطب بدل جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو حاضر مان کر خطاب کیا جا رہا ہے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دو فقرے علیحدہ علیحدہ دو مختلف موقعوں پر رسول اللہ کی زبان سے نکلے تھے۔ اگر سورۂ فاتحہ پہلے سے لوح محفوظ میں منقوش ہوتی تو اسکا انداز تخاطب یہ نہ ہوتا" (ص ۱۶)

خلاصۂ دلیل یہ ہے کہ چونکہ قرآن ... صفات استعمال ہوئی ہے، صیغہ غائب سے صیغہ مخاطب کی طرف انتقال، اس لیے اس سے نتائج ذیل برآمد ہوئے:-

(۱) ایک یہ کہ یہ دونوں ٹکڑے دو مختلف موقعوں پر رسول اللہ کی زبان سے نکلے، گویا رسول تو دو مختلف باتوں کو ملا سکتے ہیں، لیکن خدا اس پر قادر نہ تھا!

(۲) دوسرے یہ کہ دنیا کے قرآنوں میں دو مختلف باتیں یکجا کر کے لکھی جا سکتی ہیں، لیکن اصل نقش ثانی کا نقش اول، لوح محفوظ میں اس طرح لکھا جانا ممکن ہی نہیں!

فرمایئے، اتنے زبردست "عقلی" اعتراض کا دنیا کے کسی منطقی فلسفی "معقولی" سے جواب بن پڑ سکتا ہے؟ علماء اور طلبہ سب کی ذہانتیں اور سب کے دماغ اگر ایسے مواقع پر جواب نہ دے بیٹھیں، تو اور کیا کریں!

ایک بڑا علمی اعزاز

"حیدر آباد۔ ۲۲ ستمبر۔ جامعہ عثمانیہ کے ممتاز فرزند اور ریاضیات کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کو اس سال "کوانٹم ایم تھیوری" کے سلسلہ میں مباحث میں بین الاقوامی نوبل پرائز سویڈن سے دیا جانے والا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی دنیا میں پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے دنیائے طبیعات میں غیر معمولی تحقیق کر کے یہ بین الاقوامی اعزاز حاصل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف لیپزگ یونیورسٹی میں پہلے ہندوستانی طالب علم تھے جنھوں نے اپنے اختراع سے زمانہ طالبعلمی ہی میں اساتذہ کو حیران کر دیا تھا"۔ (دکن نیوز)

"ڈاکٹر رضی الدین جیسے ہندوستانی اور ساری دنیا میں پہلے مسلمان، اور پہلے حیدر آبادی ہیں جنھوں نے یہ انعام حاصل کیا ہے۔ آپ سے پہلے سر جگدیش بوس، ڈاکٹر ٹیگور، سر رامن کو یہ مل چکا ہے اور اس طرح آپ چوتھے ہندوستانی ہیں، جن کو یہ فخر

اعزاز حاصل ہوا ہے۔" (رہبر دکن)

یہ پہلی آواز ہے جو ہمارے ایک بھائی کے گراں بہا اعزاز سے متعلق بلند ہوئی، خدا کا شکر ہے کہ کوئی آواز تو اس قسم کی آئی ورنہ اب تک تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مغرب کے سنجیدہ و علمی مشاغل ہمارے لیے سرے سے ہیں ہی نہیں، اور ہماری قسمت میں یورپ کے صرف وضع و لباس، کے فیشن کا اپ ٹو ڈیٹ رنگ کا، زن پرستی کا، الحاد و بے دینی کا سیکھنا ہی مقدر ہو چکا ہے!

شاہِ افغانستان کا حلف

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ شاہانِ افغانستان اپنی تخت نشینی کے وقت مجلس شوریٰ کے روبرو ایک حلف بھی اٹھاتے ہیں۔ یہ حلف نامہ اعلیٰحضرت شاہ نادر شہیدؒ کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اسکی عبارت، بعینہٖ انقلاب سے لیکر درج ذیل کی جاتی ہے:

"ہم قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر خدائے عظیم کے سامنے حلف اٹھاتے ہیں کہ اپنے تمام اعمال و افعال میں خداوند جل شانہٗ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے دین مبین اسلام، استقلال افغانستان، اور حقوق ملت کی حفاظت کرینگے، اور شرع متین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اصول اساسی مملکت کے مطابق وطن کی سعادت و ترقی اور نگہبانی میں کوشاں رہیں گے۔ ہم اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس روحانیت سے اپنے لیے برکت و مدد کے ملتجی ہیں۔"

اللہ اللہ! یہ مسلمان بھی کیسی سخت جان قوم ہے۔ اس بیسویں صدی میں بھی "قرآن کریم" کی یہ عظمت، "خدائے عظیم" کے اسم پاک کا یہ احترام "دین مبین اسلام" پر چلنے کا یہ اہتمام، اور "شرع متین محمدی" پر قائم رہنے کا یہ عزم!

حکومت کے بنیادی اصول

اعلیٰحضرت شاہ نادر شہیدؒ نے، اپنے اور اپنے جانشینوں کے لیے جو بنیادی دستور العمل تیار فرمائے تھے، اسکی دفعات میں سے پہلی دو دفعات حسب ذیل ہیں:-

"(۱) موجودہ حکومت دین مقدس اسلام اور مذہب مہذب حنفی کے مطابق سارا کاروبار چلائیگی۔ اس غرض سے پیش نظر کہ شریعت غرائے محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) حکومت کے تمام امور میں قائم و دائم رہے، وزارت عدلیہ اور رئیس شوریٰ علماء کا یہ فرض ہوگا کہ شعبہ احتساب کو حکومت کا لازمی جزو سمجھیں اور اس شعبہ کو منظم صورت میں جاری کریں۔ دین الٰہی کے احکام کے مطابق افغانستان کے تمام باشندے بلا امتیاز قومیت و نسل بھائی بھائی سمجھے جائیں گے اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ دین و شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق افغانستان میں پردہ قائم رہیگا۔

(۲) حکومت کے ملازم خواہ کسی درجہ کے ہوں، وزارت عدلیہ میں قرآن عظیم الشان پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائیں گے کہ رعایا سے کبھی رشوت یا ہدیہ نہ لینگے، پاک نفسی اور پاک دامنی کے ساتھ خلق اللہ کی خدمت بجا لائینگے۔ آج کے دن سے اپنی حکومت کے ساتھ مالی یا عملی خیانت کے مرتکب نہ ہونگے۔ ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرینگے۔

شراب نوشی کی سزا شریعت محمدی کے مطابق دی جائیگی۔ شراب کو علانیہ یا خفیہ فروخت کرنا سارے افغانستان میں ممنوع ہے۔ کسی باشندے کو شراب بنانے کی اجازت نہیں۔ اگر کسی گھر میں شراب بنیگی یا کسی دوکان میں بکی جائیگی تو حکومت کو علم ہوتے ہی شراب ضبط ہو جائیگی۔ اور مجرموں کو شرعی سزا دی جائیگی۔ اگر کسی ملازم حکومت کے متعلق ثابت ہوگیا کہ وہ شراب پیتا ہے تو شرعی سزا کے علاوہ اُسے ملازمت سے برطرف کر دیا جائیگا۔ بیرونی رعایا اس حکم سے مستثنےٰ ہے۔" (انقلاب - لاہور)

عہد خلافت راشدہ کو چھوڑیے، تابعین و تبع تابعین کا زمانہ بھی جانے دیجیے، اس بیسویں صدی میں بھی دین و دیانت، امانت و تقویٰ، بے طمعی و عصمت، کا یہ اہتمام آپ کو کس مہذب ملک کی سول سروس کے نظام نامہ میں ملیگا؟ امریکہ و برطانیہ، فرانس و جاپان، جرمنی و اٹلی، سارے مہذب ملکوں کے ضوابط و قوانین کو پڑھ ڈالیے۔ "بابائے ڈیوٹی" کا معیار ان ملکوں میں بھی بیشک بہت اعلیٰ ہے، لیکن شخصی پاکیزگی اور انفرادی اصلاح حال کے بغیر یہ اگر بالکل جسد بے روح نہیں تو اور کیا ہے؟

ترکِ اعظم کے کارنامے

(۱) اتاترک نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے بالکل منسوخ کرکے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون، اور سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کر دیا۔

(۲) وراثت میں عورتوں اور مردوں کو مساوی قرار دیا۔

(۳) تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا۔

(۴) مصوری، بت تراشی اور موسیقی کے معاملہ میں وہ "مذہبی یا اخلاقی نقطۂ نظر کے قائل نہ تھے" اور ترکوں کے دماغوں سے اس مذہبی خیال کو محو کرنے کے لیے" اُنھوں نے خود اپنے مجسموں کے بُت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے۔

(۵) مصوری کے اسکول اور کالج قائم کیے، اور مہذب اقوام کے مختلف طرز کے رقص رائج کیے۔

(۶) "ترقی" نسواں کے سلسلہ میں اُنھوں نے پردہ کا کلی استیصال کیا، اور ترکی عورتوں کو آزادی کے ٹھیک اُسی مقام پر لاکر کھڑا کر دیا جہاں یورپ کی بہنیں اسوقت کھڑی ہیں۔

یہ ہیں ترکوں کے پیشوائے اعظم کے دو چند زبردست کارنامے، جو رسالہ ترجمان القرآن لاہور نے اپنے جون نمبر (ص ۳۲۴) میں، اُسکے کسی مخالف یا نکتہ چیں کی نہیں، ایک مداح سوانح نویس کی تازہ کتاب سے اخذ و اقتباس کرکے پیش کیے ہیں۔ غریب "جمود پسند" مسلمانوں کو سوچتے رہنے دیجیے، کہ جو شخص

قانونِ اسلام سے بغاوت میں اتنا دلیر و بیباک ہو، اُسے مسلمان بھی کس منطق سے کہنا درست ہوگا، "تجدد" کے فخر کے لیے یہ کچھ کم ہے، کہ ایک مشرقی نے فرنگیت میں اپنے کو یوں فنا کرکے دکھا دیا! اور "حبِ ترقی" و "آزادی" کا علم ٹھہرا اس نے لیا، اور نسائیت کا، تو مسلکِ تجدد کی امامت کا حق اس سے بڑھ کر اور کس بزرگ کو حاصل ہو سکتا ہے!

نشرگاہ حیدرآباد سے

حیدرآباد جس طرح اپنے ان مختلف سرکاری، نیم سرکاری، غیر سرکاری محکموں اور اداروں کے واسطے سے اُردو زبان و ادب کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اُسی طرح اپنے محکمۂ ریڈیو کے ذریعے بھی۔ تقریریں وقتاً فوقتاً اس میں اچھی آتی رہتی ہیں۔ اچھی بہ اعتبار نفسِ مضمون بھی، اور بلحاظ طرزِ زبان بھی۔ اور اس سے مبتذل سازنگی کے پروگراموں کا کفارہ کسی درجہ میں ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ابھی ایک چیز کی طرف محکمۂ مذکور کو توجہ نہیں ہوئی ہے۔ دہلی ریڈیو اسٹیشن سے، کہ ہندوستان کا سب سے بڑا ریڈیو اسٹیشن ہے، پابندی کے ساتھ ہر جمعہ کو صبح کی مجلس میں قرآن مجید کا ایک رکوع صاحبِ فن قاری کی دلکش آواز میں مع سلیس، شگفتہ ترجمہ کے آتا رہتا ہے، اور ہزارہا مسلمان بڑے شوق و عقیدت سے سنتے رہتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھی جو اور کوئی پروگرام نہیں سنتے، اس کے سننے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ اور دہلی کے علاوہ دوسرے اسٹیشنوں سے بھی کبھی کبھی کلام مجید کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ جب یہ انتظام انگریزی نشرگاہیں بہ آسانی کر سکتی ہیں، تو نشرگاہ حیدرآباد پر تو مسلمانوں کا حق بہرحال کہیں زائد ہے۔ وہ اگر ذرا اِدھر توجہ کرے، تو اسکے لیے تو یہ انتظام کچھ بھی دشوار نہیں، اور نہ بلدۂ حیدرآباد میں خدا کے فضل سے خوش الحان اور صاحبِ فن قاریوں کا کچھ قحط ہے۔ نشرگاہ کے نقصان کا اس میں کوئی پہلو ہی نہیں، اور مقبولیت کی توقع اس سے بہت کچھ ہے۔ دوسری چیز اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ حیدرآباد میں ماشاء اللہ اچھے مذہبی مقررین کی کمی نہیں، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا بادشاہ حسینی وغیرہم۔ ان حضرات سے مذہبی تقریبات کے موقع پر تو لازماً، اور یوں بھی وقتاً فوقتاً مذہبی عنوانات پر مفید و دلچسپ تقریریں کرائی جا سکتی ہیں۔

نسائیت پچھلی صدی میں

امیر اللغات، اُردو کا مشہور لغت ہے۔ بالکل ناتمام رہا۔ صرف ابتدائی دو جلدیں نکلنے پائیں۔ اسکی، ردیف الف مقصورہ میں عنوان "اچھوتیاں" کے تحت میں ہے:—

"اچھوتی کی جمع۔ نصیر الدین حیدر بادشاہِ لکھنؤ کے وقت میں چند کنواری عورتیں (شاید چالیس سیدانیاں) عیاذاً باللہ حضرت امام مہدی آخر الزماں کی حرموں کے نام سے ملازم تھیں۔ وہ اچھوتیاں کہلاتی تھیں۔ بادشاہ ہر روز صبح کو انھیں سلام کرتے تھے۔ اور ان عورتوں کا ایسا دور دورہ تھا کہ ایک خاندان اچھوتیوں والا مشہور ہو گیا۔ اب تک اچھوتیوں کا محلہ، اچھوتیوں کا مکان، اچھوتیوں کا باغ وغیرہ لکھنؤ میں معروف و مشہور ہیں۔" (جلد ۱۔ ص ۸۵، مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

عقیدہ و عمل ہو یا جیسا کچھ بھی ہو، اسے چھوڑیے۔ جہاں ذکر صرف اسکا ہے کہ اودھ کا یہ بادشاہ عورت کے مرتبہ کا قدر دان کتنا تھا! —— بادشاہ ظل اللہ! بادشاہ، روز صبح کسی کو سلام کرے! یہ مرتبہ کوئی معمولی ہے؟ نصیب ہوا تو کس کو؟ کسی مرد کو نہیں، بے بس خوش نصیب عورتوں ہی کو!

گندگی کی پوجا

عملِ قومِ لوط کے لیے بحمد اللہ ابھی تک ہماری زبان میں کوئی نرم و خوشنما لفظ موجود نہیں۔ انگریزی زبان میں ابلیس کی ذہانت نے اسکے لیے ایک لفظ Homo-sexuality گڑھ کر چلا دیا ہے۔ اسکے بابت ایک امریکی محقق اپنے رسالہ میں بیاناً لکھتے ہیں:—

"یہ کوئی نئی چیز ہمارے تمدن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اسکا وجود تاریخ کے قبل سے ہے۔ اور بعض تہذیبوں کے ہاں یہ عشق و محبت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اور نظمیں، ڈرامے، افسانے، سب انھیں تعلقات کی شان میں لکھے جا چکے ہیں۔" (پولنس کی "سکس کرمنل" Pollens, 'Sex criminal' ص ۱۲۱)

"اس عادت کے گرفتاروں کی تعداد ہمارے ملک میں بہت بڑی ہے۔ بہت سے شادی شدہ ہیں۔ اور دنیا کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ لیکن درپردہ اپنے شوق پورا کرتے رہتے ہیں" (ص ۱۳۳)

"ڈاکٹر بنجمن، ایک اس عادت کے گرفتار کا قول نقل کرتے ہیں کہ "تمہارا شہر نیویارک تو ہم لوگوں کے لیے جنت ہے۔ لڑکے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اور ذرا سی توجہ سے ہاتھ آ جاتے ہیں" (ص ۶۹)

غلاظت کا نام لطافت رکھ دینے، گندگی سے لطف لینے والی، مسخ شدہ ذہنیت کو چھوڑیے، اعجاز قرآن مجید کا دیکھیے، کہ حضرت لوطؑ کی زبان سے اُنکی قوم کو مخاطب کرکے دو مرتبہ یہ فقرہ کہلایا:—

انکم لتاتون الفاحشة ما سبقکم بها من احد من العالمین۔ (اعراف، آیت ۸۰۔ عنکبوت آیت ۲۸)

تم ایسی گندگی میں مبتلا ہو، کہ تم سے قبل، دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی

غور طلب لفظ "ما سبقکم" ہے۔ یہ نہیں کہ تم سے پہلے کسی نے کیا، نہ بعد کو کوئی کریگا، بلکہ صرف اتنا ارشاد ہوا کہ اب تک کسی نے نہیں کیا، تمہارا پیش رو اس باب میں کوئی نہیں ہوا ہے۔ اللہ خبیر و علیم سے بڑھ کر یہ کس پر روشن ہو سکتا تھا کہ پس رو اس بارے میں بہت سے پیدا ہونگے، بعد کی متمدن تہذیبیں اور ملحدانہ تمدن اپنے ہاں اسکا نہ صرف رواج ہی دینگے، بلکہ اس پر فخر کرینگے اور اسکی مدح و تحسین میں ادبی و علمی دلائل قائم کریں گے!

بزم ہمدردانِ صدق

پچھلی فہرست میں ہمدردانِ صدق کا شمار ۱۰ تک پہونچ چکا تھا۔ اسکے بعد ایک گمنام و بے نشان کرم فرما کے مرسلہ عـہ دفتر کو موصول ہوئے۔ ان میں سے عـہ، دو خریداروں کی طرف سے چندہ تھا، اور باقی عـہ بزم ہمدردانِ صدق کی رکنیت کی نصف فیس! —— اللہ اللہ! خفاءِ نام کا یہ اہتمام، اور اخلاص کا یہ مرتبہ کہ منیجر، ایڈیٹر، غرض اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو خبر نہ ہو، بجز اللہ کے فرشتوں کے!

بہرحال یہ ملاکر بزم کے ممبران کا شمار ۱۰½ تک پہونچتا ہے۔

ایک سوشلسٹ سے

نمبر (۲)

سلسلۂ صدق ۔۔۔

(از عبدالماجد)

جس طرح دین اور شریعتیں صرف دو ہی ہیں، ایک توحیدی، دوسری لاتوحیدی، اسی طرح حقیقۃً تمدن و تہذیب کی بھی دنیا میں کل دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں، وہی ایک توحیدی، دوسری لاتوحیدی۔ دین وحدت یا دین توحید صرف ایک ہے، جس طرح خط مستقیم صرف ایک ممکن ہے، اور یہ دین اپنی ایک مخصوص تہذیب، مخصوص تمدن، مخصوص قانون رکھتا ہے۔ اسکے مقابل لاتوحیدیت بیشمار مظاہر رکھتی ہے، جس طرح خطوط منحنی بیشمار ہو سکتے ہیں۔ صحت صرف ایک شے کا نام ہے، عدم صحت یا بیماری کی صورتیں صدہا ہزارہا ہیں۔ لاتوحیدیت اپنے اندر باطل کی بیشمار صورتیں رکھتی ہیں، الحاد، شرک، الحاد، تحریف دین کے تمام مظاہر پر شامل ہے، اسکی تہذیبیں اور اسکے تمدن بھی کثیر اور متعدد ہیں۔ لیکن ایک چیز سب میں مشترک ملیگی یعنی اعتدال کے قانون حکمت سے ہٹا ہوا۔ مسائل حیات پر نظر، انکے اندر ہمیشہ کسی ناقص اور محدود ہی پہلو سے ہو گی۔ ہمہ جہتی نقطۂ نظر انکے نصیب میں ہئی نہیں۔

یہ لاتوحیدی یا باطل تہذیبیں چونکہ زندگی کی غلط تفسیریں، مسائل کائنات کی غلط تعبیریں ہوتی ہیں، اس لیے انکے فتنوں اور رخنوں کے امکانات بہت زائد اور قوی رہتے ہیں۔ یہ ایک غلطی کی اصلاح دوسری غلطی سے کرنا چاہتی ہیں، گویا ایک بیماری کو دور کرنے کے لیے دوسری بیماری مسلط کردیتی ہیں۔ اس سے غلطیوں، گمراہیوں، بیماریوں کا ایک دور و تسلسل قائم ہو جاتا ہے، اور صحت و اصلاح کی منزل جوں کی توں دور رہتی ہے۔ تقسیم دولت کے معاملہ میں بھی بنیادی غلطی یہ ساری باطل تہذیبیں کرتی آئیں اور آج بھی کر رہی ہیں۔ افراد کے درمیان دولت کی نامساوی تقسیم ایک مشاہدہ اور واقعہ ہے، اس سے تو کسی کو انکار ہی نہیں۔ سوشلزم اور کمیونزم کی لاتوحیدی تہذیب نے اسکا علاج حسب معمول سطح بینی سے کام لیکر یہ تجویز کیا کہ ذاتی ملکیت کو مٹا دیا جائے، اور دولت کو افراد کے ہاتھ سے نکال کر اسٹیٹ (حکومت) کی طرف منتقل کرکے، افراد کو اسکا مساوی حصہ دار بنا دیا جائے ——— یہ علاج بالکل ایسا ہی "عطائیانہ" ہے، جیسے کوئی عطائی کسی مریض کو شدید بخار میں جلتے تپتے دیکھکر غایت شفقت و ہمدردی سے یہ تجویز کرے، کہ مریض کو خارجی ذرائع سے خوب ٹھنڈا پہنچاؤ، پنکھا جھلو، ٹھنڈا پانی جسم پر ڈالو، اس سے گرمی مٹ جائیگی!

شریعت اسلام نے اسکے برعکس، مرض کے اصل اسباب اور حقیقی نوعیت پر نظر کی، اور حسب معمول حکیمانہ دقت نظر سے کام لیکر نظام معاشرت ہی ایسا رکھ دیا، جس میں ایک جگہ اجتماع دولت کی نوبت ہی حتی الامکان نہ آسکے، اور اگر کہیں آ جائے، تو اسکے مفاسد تو بہرحال رونما نہ ہونے پائیں۔ ایک طرف تو اس نے ذاتی ملکیت، شخصی جائداد کا حق پوری طرح تسلیم کرکے انفرادی جد و جہد کو جاری رہنے کا پورا موقع دیا، دوسری طرف سود کو ہر صورت اور ہر حال میں حرام قطعی قرار دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑیں کاٹ دیں، پھر ترکہ و میراث میں جائداد کی تقسیم عادلانہ رکھی۔ محروم کسی وارث کو بھی نہیں رہنے دیا۔ زرداروں پر ناداروں کی امداد فرض کر دی، یعنی یہ امداد ناداروں پر کوئی احسان نہیں، جسکے ساتھ کوئی رعایت نہیں، جسے وہ قبول کرنے شرمائیں۔ یا اسکی بنا پر زرداروں میں کوئی جذبۂ افتخار پیدا ہو۔ اور ان سب کے علاوہ دولت و ثروت کو ایک امانت الٰہی کا مرتبہ دیا۔ اسراف، نمائش، نفس پرستیوں کو دینی و اخلاقی زبان عدالت میں مستقل جرم قرار دیا۔ اس طرح دولت کی "مساویانہ" تقسیم کی غلط کوشش کے بجائے اسکی عادلانہ تقسیم پر زور دیکر، بجائے ایک جھگڑے اور مخاصمت کی چیز کے، اسے خلق کے حق میں ایک نعمت اور رحمت بنا دیا۔

اسلام کی حکیمانہ شان، مسئلہ دولت و ثروت سے بھی کچھ بڑھکر مرد و عورت کے تعلقات جنسی کے باب میں نظر آتی ہے۔ مرد کی شہوانی قوت کی طاقت کو اسلام بھولا ہرگز نہیں ہے، اسکی تو اس نے اپنے قانون میں ہر جگہ رعایت رکھی ہے، اور اپنے نظام معاشرہ میں ہر قدم پر اسکی اہمیت تسلیم کی ہے۔ بلکہ اب تک تو اکثر ناسمجھوں کی طرف سے الٹا یہ الزام ہو رہا ہے، کہ اس نے اسکی اہمیت ضرورت سے زائد ملحوظ رکھی ہے۔ اصل حقیقت کے اعتبار سے یہ دونوں الزامات بے بنیاد ہیں۔ افراط و تفریط کی سرکجی اور رکج روی سے بچ کر اس نے ٹھیک اسی نقطۂ اعتدال کو اپنا مقام بنایا ہے، جو فطرت بشری اور نظم کائنات کے عین مطابق ہے۔

ایک طرف تو اسکے احکام مردوں، عورتوں دونوں کو یہ ہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اجنبیوں پر حتی الامکان نظر نہ پڑنے دیں۔ لباس باریک نہیں۔ زینت اور کشش کے تمام مقامات چھپے ہوئے رہیں۔ بلا ضرورت میل جول، خلا ملا ہرگز نہ رکھیں۔ عورت اپنے جسم کا بیشتر حصہ چھپائے رہے۔ قریب کے عزیزوں یعنی شوہر کو مستثنیٰ کرکے، باپ اور بھائی تک کے سامنے بھی وضع و لباس میں احتیاط رکھے۔ ضرورۃً باہر نکلے، تو سب حیا و حجاب کے پورے لوازم کے ساتھ۔ خوشبو لگا کر غیروں کے مجمع سے گزرنا، شوخ رنگ و وضع کا برقع یا چادر جو بجائے خود جاذب نظر ہو، زیوروں کی جھنکار وغیرہ وغیرہ سب ممنوع۔ مخرب اخلاق تصویریں، فحش مناظر، فحش کتابیں قطعاً ناجائز۔ ناچ، گانا، ہر ایسا کھیل تماشا جس میں فتنہ کے احتمالات ہوں بالکل ممنوع۔ غرض کوئی ایسا عمل جس سے نفس میں خواہ مخواہ ہیجان پیدا ہو، اور طبیعت بدکاری کی جانب آمادہ ہو، خواہ اس عمل کا تعلق لامسہ سے ہو یا سامعہ یا باصرہ سے یا شامہ سے، جائز نہیں۔

ایک طرف تو یہ بندشیں اور پابندیاں ہوئیں، دوسری طرف نکاح اور سہولتیں یہ رکھی گئیں ہیں کہ نکاح میں دشواریاں کچھ بھی نہیں ۔۔۔ انتخاب نہایت وسیع۔ بجز صرف دو سے چند سگے رشتہ داروں۔ مثلاً ماں باپ، بھائی بہن، چچا، ماموں، وغیرہ کے ہر مرد کا نکاح ہر عورت کے ساتھ جائز۔ نکاح کے وقت مصارف کچھ بھی نہیں۔ عورت کی طرف سے جہیز، مرد کی طرف سے رقم مہر، دونوں ۔۔۔ حسب حیثیت۔ مثلاً

بیسویں صدی کا پیکر ظلمت

(جلسۂ دیوبند میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر کا ملخص)

اللہ تعالیٰ نے جب سے کائنات کو پیدا کیا اور حضرت آدم کو خلیفہ بنا کر بھیجا اور اُنکے لیے جو ضروری تھا اسکی تعلیم دی اور اُنکی اولاد کے لیے جن امر کی تعلیم ضروری تھی وہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی۔ اس دنیا میں خیر و شر حق و باطل کی معرکہ آرائی ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔ ایک طرف ابلیس کا لشکر تو دوسری طرف ملائکہ کی جماعت۔ ایک جانب انبیاء علیہم السلام کی جماعت تو دوسری طرف جابر اور مکار و عیار کا گروہ، اُنکی ہمیشہ معرکہ آرائی ہوتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو پیدا کیا ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے بموجب خیر و شر کا وہی خالق ہے۔ مگر اُس نے خیر کو پسند فرمایا اور شر کو پسند نہیں کیا۔ وہ خالق خیر و شر تو ہے مگر شر اسکے نزدیک مبغوض ہے۔ آفتاب اپنی شعاعوں سے جس طرح اجسام کو منور کرتا ہے اور اسکی شعاعیں ہر محل کی شکل و صورت اختیار کر لیتی ہیں جس سے وہ گذرتی ہیں مثلاً مستطیل شکل کے روشندان سے یہ روشنی گزرے تو مستطیل شکل اختیار کریگی اور مخروطی شکل سے گزرتے ہوئے مخروطی بن جائیگی حالانکہ آفتاب اُن اشکال سے بالاتر ہے آفتاب کی روشنی ہو سکتی ہے۔ یہ اشکال پیدا ہوئیں مگر ان اشکال و تقطیعات کا وجود آفتاب نہیں۔ پس باوجودیکہ نور آفتاب ہی سے یہ اشکال پیدا کی ہیں لیکن آفتاب انکا مصدر نہیں۔ جس طرح نور کا مصدر ہے کہ نور اسکی ذات سے صادر ہو کر تمام عالم میں تقسیم ہو رہا ہے اُسی طرح خیر و شر کی نسبت خیال فرمائیے کہ خالق تو اللہ تعالیٰ ہر خیر و شر کا ہے مگر مصدر و مخزن صرف خیرات و حسنات کا ہے۔ شرور و سیئات کا نہیں۔ شر اسکی مخلوق ہے، اس سے صادر نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے "الخیر کلہ فی یدیک والشر لیس الیک" خیرات تیرے دونوں ہاتھوں میں ہیں اور شر تیری طرف راہ نہیں پاتا۔ یہ مسئلہ بہت طویل الذیل اور عمیق الفہم ہے جو مسئلہ خلق افعال تک پہنچتا ہے۔ اس وقت کہنا یہ ہے کہ خیر اللہ کے ہاں مقبول و مرضی ہے اور شر و عصیان مبغوض ہیں درجہ بدرجہ قال اللہ تعالیٰ ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر وان تشکروا یرضہ لکم۔ مثلاً جس درجہ میں شرک و کفر مبغوض ہے چوری اس درجہ میں نہیں۔ ہم کہینگے کہ تمام شرور و معاصی میں مبغوض ترین چیز کفر و شرک ہے جسکی نسبت اعلان فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء۔ پھر کفر میں بھی مراتب ہیں بعض کفر بعض سے ابغض ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ارتداد سے زیادہ کوئی کفر ابغض نہیں ہے۔ اسلام نے کفار سے صلح کی اجازت دی ہے ہر قوم سے صلح ہو سکتی ہے دہریوں سے بھی صلح ہو سکتی لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے مرتد کو اس دنیا میں زندہ رہنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص سامنے بندھا کھڑا ہے آپ نے ابوموسیٰ سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ بتایا گیا کہ یہ پہلے یہودی تھا اسکے بعد مسلمان ہو گیا پھر مرتد ہو گیا۔ یہ سنتے ہی حضرت معاذ نے فرمایا کہ جب تک اسکو قتل نہ کیا جائیگا میں سواری سے نہ اُترونگا قرآن کریم نے فرمایا یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاہدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ اگر مرتد ہو جائیں تم میں سے کچھ لوگ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کھڑی کر دیگا جنکو اللہ چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب اور سخت ہوں وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرا پرواہ نہ کرینگے۔ اس آیۃ کے سب سے پہلے مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُنکے رفقا ہیں جنھوں نے ایسی حالت میں مرتدین سے قتال کا فیصلہ کیا جبکہ بڑے بڑے صحابہ متردد تھے۔ حضرت عمرؓ کے سوال پر صدیق اکبر نے فرمایا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں اگر کوئی شخص ایک رسّی زکوٰۃ میں دیتا تھا تو اُسکے روکنے پر میں قتال کرونگا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔

سب سے زیادہ ابغض ترین کفر ارتداد ہے۔ افسوس کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں اور اسلامی حکومتوں میں بھی قانون شریعت پوری طرح نافذ نہیں ورنہ ایک مرتد کی شرعی سزا اس سلسلہ کو بند کر دیتی جیسا کہ نعمت اللہ قادیانی کے رجم کے بعد پھر کسی قادیانی کو افغانستان میں دسیسہ کاریوں کی جرأت نہیں ہوئی۔ آپ پوچھیں گے کہ میں کس شخص کے متعلق کہنا چاہتا ہوں ایک نہایت گستاخ گریزاں انسان جس کا نام آپ میں سے بہتوں نے سنا بھی نہ ہوگا۔ وہ نیاز فتحپوری ہے جسکا ایک رسالہ نگار نکلتا ہے۔ اس سے قبل اس نے بارگاہِ رب العزت کی نسبت ہرزہ سرائی کی تھی۔ مگر جب ملک میں اس کے خلاف شورش ہوئی تو اس نے تین مرتبہ توبہ نامہ شایع کیا۔ اب اس نے پھر سر اُٹھایا ہے اور قرآن مجید کے متعلق ہاہا نہ بکواس کی ہے۔ اس نے صاف اعلان کیا ہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ رسول اللہ کا کلام ہے۔ اور پھر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ یہ تو ابوجہل بھی کہتا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ خود محمد صاحب نے بنا لیا ہے۔ نیاز یہ بھی کہتا ہے کہ اس میں بعض چیزیں بے تحقیق بھی درج ہو گئی ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ نیاز کا اسلام کیسا ہے جو کسی چیز سے ٹوٹتا ہی نہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ ایک شخص ایک مجمع میں رو رہا اور چلا رہا تھا کہ ہائے افسوس میری بیوی بیوہ ہو گئی اور میرے بچے یتیم ہو گئے۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ کمبخت تو زندہ ہے اور تیری بیوی بیوہ ہو گئی اور بچے یتیم ہو گئے، یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا تیرا وجود اور یہ کلام کرنا خود تیرے دعوے کی تردید نہیں کر رہا ہے یہی حال نیاز کا ہے کہ ایک ہی سانس میں مسلمان ہونے کا دعوے بھی کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے۔ قرآن میں فرمایا ہے کہ بفرض محال خود پیغمبر ہی ایک جملہ یا ایک سورۃ بنا کر اگر ہماری طرف نسبت کر دے چہ جائیکہ پورا قرآن، تو اسکو منٹ کی بھی مہلت نہیں دی جا سکتی، ہم اُس کا داہنا ہاتھ پکڑ لینگے اور پھر اُسکی رگ گردن کاٹ ڈالیں گے اور کوئی تم میں سے اس خدائی فیصلہ کو روک نہیں سکیگا۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ اور یہی مضمون تورات سفر استثناء میں بھی موجود ہے۔ قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا۔ واذا تتلیٰ علیہم آیاتنا بینات قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقرآن غیر ہذا او بدلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الی الآیۃ۔ جب ہماری روشن آیتیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو کفار کہتے ہیں کہ تم اس قرآن کو چھوڑ کر دوسرا لے آؤ

نئی کتابیں

(۱) نثر اردو پر سرسید کے خیالات (انگریزی) Urdu Prose under the influence of Sir Syed از ڈاکٹر ایس، ام، عبداللہ ایم، اے، ڈی، لٹ۔ ضخامت ۱۸۶ صفحے۔ مجلد۔ قیمت [illegible]۔ پتہ، شیخ محمد اشرف صاحب تاجر کتب، کشمیری بازار۔ لاہور۔

موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اُردو زبان و ادبیات پر انگریزی میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اس سے کہیں کم ہے، جتنا بنگالی، ہندی وغیرہ دوسری ملکی زبانوں پر آچکا ہے۔ اور اس لیے ڈاکٹر عبداللہ نے اس موضوع پر انگریزی میں لکھ کر اُردو والوں کی طرف سے گویا ایک فرض کفایہ انجام دیا۔

کتاب خاصی دلچسپ ہے۔ اور عنوان بھی اچھا ہے۔ جدید نثر اردو کی تاریخ شروع سرسید سے کرنی ہی چاہیئے۔ خود سرسید کے علاوہ اُنکے رفیقوں میں سے نذیر احمد، حالی، شبلی، ذکاء اللہ وغیرہ کے تذکرے، اور اُنکی تصانیف پر تبصرے اس میں ملینگے، خصوصًا مولانا شبلی سے متعلق تو خاصی تفصیل سے گفتگو ہے۔ مصنف کی ہر رائے اور خیال سے اتفاق ضروری نہیں، متعدد مقامات پر توازن قائم نہیں رہا ہے، اور قلم بے ساختہ مبالغہ پر مائل ہوگیا ہے۔ نذیر احمد کے ترجمۃ القرآن کا شمار "بہترین تراجم" میں کرنا (صفحہ ۵۰) شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے ترجموں کی زبان کو ناقص و قابل اعتراض بتانا (صفحہ ۴۹) مولانا شبلی کو تین سو سال کے اعاظم رجال میں شامل کرنا، اور اپنے معاصرین سے بدرجہا بلند قرار دینا (صفحہ ۹۷) یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔

بہرحال مصنف نے بڑی ہی [illegible] کی ہے اور امید ہے کہ انکی آئندہ کوششوں میں پختگی اور اصابت رائے کی [illegible] زیادہ نمایاں ہوگی۔ کتاب ہر انگریزی داں محب اُردو کی نظر سے گزرنے کے قابل ہے۔

(۲) ابن خلدون۔ تصنیف ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ ترجمہ از مولانا عبدالسلام ندوی۔ ضخامت [illegible] صفحے تقطیع ۲۰ × ۲۶۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، دارالمصنفین اعظم گڈھ۔

ابن خلدون کی شہرت علمی حلقوں میں محتاج بیان نہیں، لیکن یہ شہرت جتنی مورخ کی حیثیت سے ہے، اس سے زیادہ ہی "فلسفی" اور فلسفۂ تاریخ کے ماہر کی حیثیت سے ہے۔ کچھ روز ہوئے مصر کے مشہور روشن خیال اہل قلم طٰہٰ حسین نے ابن خلدون پر [illegible] کہ مقدمہ ابن خلدون پر ایک مقالہ فرنچ زبان میں ایک فرنچ یونیورسٹی کے سامنے پیش کیا تھا، اور اس پر انھیں ڈاکٹر کی ڈگری ملی تھی۔ پھر چند سال بعد مقالۂ مذکور کا فرنچ سے عربی ترجمہ ہوا۔ اور اب اس عربی ترجمہ کا اُردو ترجمہ اُردو کے مشہور و کہنہ مشق مصنف و مترجم مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔

فرنچ سے اُردو میں کسی رسالہ کو منتقل کرنا یوں ہی جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اور پھر جب ترجمہ بھی براہ راست نہ ہو، بلکہ ترجمہ در ترجمہ ہو! لایق مترجم نے اس میں شبہہ نہیں، کہ اس سنگلاخ کو پانی کرنے میں خوب خوب زور لگائے ہیں اور بڑی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ تاہم بہتر یہ تھا کہ بجائے ترجمہ کے اتنی [illegible] کے نفس مطالب کو [illegible] مترجم نے اپنی زبان میں [illegible]

ہوتا۔ کتاب فلسفۂ تاریخ کا مذاق رکھنے والوں کے کام کی ہے۔

(۳) اسلام کیسے پھیلا؟ از عبدالواحد صاحب سندھی جامعی۔ ضخامت ۲۰۷ قیمت [illegible] مجلد۔ پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی، لکھنؤ، بمبئی، لاہور)

یہ سلیس و عام فہم زبان میں آغاز اسلام کی تاریخ اور رسول اکرمؐ کی سیرت ہے۔ مخاطب اصلی بچے اور کم پڑھے لکھے لوگ ہیں، اس لیے زبان کے علاوہ کتابت بھی واضح و نمایاں رکھی گئی ہے۔ اسلام کی ضروری تعلیمات اور سیرت پاک کے اہم ترین واقعات، تقریبًا سب اس چھوٹے مجموعہ کے اندر آگئے ہیں، اور وہ بھی ایک دلنشیں پیرایہ میں۔ البتہ کہیں کہیں تعلیمات کے بیان میں عدم توازن پیدا ہوگیا ہے۔ یعنی جو مسائل ثانوی حیثیت رکھتے تھے، اُنھیں اولیں مرتبہ پر جگہ دی گئی ہے۔ باب و ابواب پوری طرح نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ آگ، چاند، سورج اور ستاروں کو "اللہ" آج تک کسی نے نہیں سمجھا ہے (صفحہ ۲۰) بعثت نبویؐ کے وقت تو دنیا میں بڑی بڑی مہذب و شائستہ سلطنتیں موجود تھیں، وجود وہ عام مفہوم کے لحاظ سے "جہالت" ہرگز چھائی ہوئی نہ تھی۔ صفحہ ۱۵ کی عبارت پوری بدلنے والی ہے۔

کتاب کا مطالعہ مسلموں سے بڑھ کر غیر مسلموں کو مفید ہوگا۔ کتاب تبلیغی حیثیت اچھی خاصی رکھتی ہے۔ اور اگر اسکا ترجمہ گجراتی، ہندی، مرہٹی، بنگالی وغیرہ میں کرکے ہزاروں بیسیوں ہزار کی تعداد میں اشاعت کی جائے تو ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی۔

(۴) آنحضرت صلعم اور جوانی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ایم اے، ڈی لٹ (پیرس) وغیرہ۔ ضخامت [illegible] صفحے، تقطیع ۲۰ × ۲۶۔ قیمت [illegible] پتہ، جمعیۃ مسلم نوجوانان۔ سکندرآباد دکن۔

نام عجیب سا معلوم ہوگا، لیکن اصل رسالہ کا مطالعہ بہت ہی خوشگوار ثابت ہوگا۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے "تحریک نوجوانان" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس مختصر رسالہ نے وضاحت کے ساتھ دکھا دیا ہے کہ اس حیثیت سے بھی اگر کوئی ہستی بہترین نمونہ کا کام دے سکتی ہے، تو وہ رسول اللہ صلعم ہی کی ذات مبارک ہے!

نتیجہ بجائے خود کوئی نئی نہیں۔ سیرت نبوی کے معلوم و معروف واقعات ہی مندرج ہیں۔ لیکن ندرت ادا نے لفظ لفظ میں ایک جان ڈال دی ہے، اور ایک دفعہ شروع کر دینے کے بعد بغیر ختم کیے طبیعت مانتی نہیں۔ قابل صد تہنیت اور ہزار رشک ہیں فاضل مصنف، کہ اپنی اعلیٰ تعلیم جرمنی اور فرانس اور انگلستان اور ہندوستان کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ کتاب مسلم و نامسلم سب کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے۔ مسلمانوں کا تو کوئی گھرانا اس سے خالی رہنا ہی نہ چاہیے۔ اور ایک آنہ کے رسالہ کی اشاعت ہزارہا کی تعداد میں غیر مسلموں کے درمیان کردینا بھی کیا مشکل ہے۔ کتنی کتابیں تبصرہ کے لیے ایسی موصول ہوتی ہیں، جنکی داد دل کھول کر دی جا سکتی ہو۔

(۵) تجلی خواجہ۔ از مولانا معین الدین صاحب اجمیری مرحوم۔ ضخامت ۱۲۰ صفحے۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲۔ قیمت [illegible] پتہ، منیجر اخبار "معین" [illegible]۔ اجمیر۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی سوانح عمریاں نام کے لیے تو اُردو

دو چار موجود ہیں، لیکن مستند حالات کسی میں مشکل ہی سے ملینگے۔ تازہ ترین کوشش اس باب میں حضرت ہی کے ہمنام، حال کے ایک ممتاز عالم کے قلم سے ہے۔ مولانا کا تبحر محتاج بیان نہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ تالیف ایسے وقت کی ہے، کہ جب مرحوم کا دماغ خاطر کسیر سنفور ہو چکا تھا، اور امراض نے اتنا گھیر لیا تھا، کہ آپ مستقل صاحب فراش ہوکر رہ گئے تھے۔ ان حالات میں تالیف جیسی کچھ ہو سکتی تھی ظاہر ہے، پھر بھی یہ کتاب بہت غنیمت ہے۔

حضرت خواجہؒ کے ذاتی سوانح کے ساتھ ساتھ تاریخ عصری کے بعض مباحث، تصوف وشریعت کے مسائل، تعلیم وتبلیغ کے اصول پر اظہار رائے ناگزیر تھا، چنانچہ یہ سب کچھ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اور بعض مقامات پر تو مصنف کا اصل مآخذ طبیعت اور مرتبہ کمال بے اختیار ٹپک پڑا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے منتسبین امید ہے کہ رسالہ کی ضرور قدر کرینگے۔ کاغذ اچھا، کتابت وطباعت صحیح وروشن۔

(۶) **خیال آفریں دماغ** ۔ از عرش تیموری۔ ۵۶ صفحہ۔ قیمت ۶ر۔ پتہ، مالی پبلشنگ ہاؤس۔ کتاب گھر دہلی۔

یورپ میں کچھ روز سے ایک نیا طریقہ افسانہ نگاری اور ڈرامانگاری کا نکلا ہے، جسے تخلیلی اور تجزیاتی (تجزیئی؟) کہتے ہیں۔ پیش نظر تمثیل (ڈراما) اسی رنگ کا ایک خاصہ کامیاب چربہ ہے۔ ایک خاص مذاق کے محدود گروہ کو یہ رنگ یقیناً مرغوب ہوگا، ورنہ عام ناظرین کا تو شاید ان "بے ربط" فقروں اور "غیر مربوط" عبارتوں سے دم ہی الجھنے لگے گا۔ بعض بعض فقرے اس عالم سا کے ادبی حیثیتوں سے بہت خوب نکل گئے ہیں۔

(۷) **آسان اردو** ۔ مرتبہ انجمن ترقی اردو۔ ۱۰۰ صفحہ قیمت ۸ر

(۸) **اتیار** ۔ از نور الحسن صاحب ۶۰ صفحہ قیمت ۸ر
پتہ، معتمد انجمن ترقی اردو۔ سنجار دہلی، حیدرآباد دکن

آسان اردو، جیسا کہ نام سے اشارہ ہو رہا ہے، ابتدائی اردو کی ایک ریڈر (درسی کتاب) ہے، لیکن اسکے اصلی مخاطب لڑکے نہیں، بلکہ بالغ عمر کے نوآموز اردو خواں ہیں۔ مختلف اسباق مختلف اُستادوں کے لکھے ہوئے ہیں، جو اپنے اپنے فن کے ماہر یا صاحب تجربہ ہیں۔ عام سوانحی حالات میں آٹھ سبق ہیں، اور ان میں سعدی، اتاترک، تاتا شاہ، الیس وان، خواجہ غریب نواز وغیرہم کے تذکرے ہیں۔ تین قصے ہیں، جنکا عنوان "سا جی کہانیاں" رکھا گیا ہے۔ پانچ علمی مضامین ہیں، بجلی، ریل گاڑی، لاسلکی وغیرہ۔ نظموں میں انیس، اکبر، حالی، اقبال، امجد وغیرہ کے کلام کا اقتباس ہے۔

دوسری کتاب اتیار ایک افسانہ ہے، لیکن زبان وخیالات کسی اعتبار سے بھی قابل داد نہیں۔ محاورات اور ترکیبیں متعدد مقامات پر غلط۔ بکالیوں ہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپس میں گفتگو ہو رہی ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کتاب کا آموختہ سنایا جا رہا ہے۔ ۔۔۔ پر رسول اللہ صلعم کے لیے "بانی اسلام" استعمال ہوا ہے، مسائل مذہبی سے بیگانگی اور مرعوبیت زوجگی صفحہ صفحہ پر نمایاں ہے۔

(۹) **لمعاتِ سیرت** ۔ از احسن اجمیری صاحب۔ ۸۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، سیرت کمیٹی اجمیر

سیرت نبویؐ پر، فرنگی نقطۂ نظر سے ایک مبسوط تبصرہ انگریز اہل قلم اس کارلائل کے قلم سے ہے۔ سالہا سال ہوئے اس کا اردو ترجمہ سرور انبیاء کے نام سے ہو چکا ہے۔ لمعات بھی کارلائل ہی کے مضمون کا مختصر چربہ ہے۔ زبان احسن صاحب کی اپنی ہے۔ ایک جگہ مفصل تردیدی حاشیہ بھی دیا ہے۔

(۱۰) **ترجمہ گانی محمدؐ** ۔ از محمد حسین ہیکل مصری۔ ترجمہ از محمد حسین عرشی صاحب ۱۲۸ صفحے۔ قیمت ۱۰ر پتہ، دفتر رسالہ البیان، دارالسلام۔ امرتسر

یہ ایک وزیر مصر کے عربی رسالہ کے "مقدمہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ براہ راست عربی سے نہیں، بلکہ اسکے فارسی سے۔ زبان خاصی سلیس ہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ اصل عربی کے مطابق کہاں تک ہے۔

مترجم، فرقۂ اہل القرآن کے ایک مشہور شخص ہیں۔ ممکن ہے اصل مصنف بھی اسی خیال وعقیدہ کے ہوں۔ کتاب کا اصل مقصد سیرت نبویؐ سے مستشرقین کے بعض الزامات کو رفع کرنا ہے، اور اس مقصد میں مصنف کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے، لیکن اس میں بھی مصنف کے جوابات اور زیادہ منضبط ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی خرافات نگار کے دو اعتراضات نقل کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ رسولؐ کو مرگی کے دورے پڑتے تھے، دوسرے یہ کہ رسولؐ کا نام قرآن میں اصل میں قثم یا قثم ۔۔۔ تھا، بعد کو بدل کر محمدؐ کر دیا گیا۔ ان دونوں محض اعتراضات کے جواب میں بہ طول تطویل کے صرف اس قدر کافی تھا، کہ خود مدعی سے ثبوت طلب کیا جاتا۔ ورنہ اگر محض دعوی ہی مرعوب کر دینے کے لیے کافی ہے، تو کون مجنون وہ ادعا ۔۔۔ کے پانچ ہونے کا دعوی کر سکتا ہے۔

آگے چل کر مصنف نے حدیث اور کتب حدیث کی تضعیف کرنی چاہی ہے، اور مثال میں قصۂ غرانیق کو لیا ہے، اور لکھا ہے کہ

"اس سے متعلقہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ہے، لیکن دانشمندوں نے اسکا انکار کر دیا ہے" (ص ۔۔)

حالانکہ اس انکار کرنے والے دانشمندوں میں سب سے پیش پیش خود حضرات محدثین ہی ہیں! یہ عجیب ستم ظریفی ہے، کہ جن احادیث کو خود محدثین اپنی فنی تنقید سے رد کر چکے ہیں، انھیں کو انکار حدیث میں پیش کیا جائے!

بعد کے صفحات (ص ۶۶ الخ) میں مصنف ایک دوسری غلط فہمی کے شکار ہو گئے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے، کہ قرآن مدار ایمان معجزات پر نہیں رکھتا، کسی خارق عادت کو تسلیم کرنا شرط اسلام نہیں قرار دیتا، لیکن اس سے یہ نتیجہ کیوں نکل آتا ہے کہ معجزات نبی کو تسلیم ہی نہ کیا جائے، یا سرے سے انکے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے؟ ص ۹۰ سے ص ۱۲۹ تک جمع وحفاظت قرآن پر ایک باب، مترجم کے قلم سے ہے۔ اس میں بہت سے حقائق قابل قبول ہیں لیکن بعض باتیں بہت سطحی بھی۔ کتاب کے نام میں بھی سوء ادب کی جھلک موجود ہے۔

(۱۱) **احکام شب برات** ۔ ۱۶ صفحے ۔ از مولانا احمد علی صاحب۔ ایک آنہ کے ٹکٹ
(۱۲) **خدا کی مرضی** ۔ ۳۱ صفحے ۔ پتہ، دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مل جائیں گی۔

پہلے رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ پہلے بھی کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ دوسرے رسالہ میں حقوق شرعی کی ایک مختصر فہرست ہے، مثلاً حقوق اللہ، حقوق رسول، حقوق قرآن، حقوق ۔۔۔ [illegible]

فتنۂ نگار

"نگار" جون سنہ ۳۶ء کے باب الاستفسار میں "آتش نمرود" کے عنوان کے تحت میں، جناب سید محمد صانع صاحب مرادآبادی کا یہ استفسار رکھ کر کہ

"حضرت ابراہیم کے اس واقعہ کے متعلق کہ نمرود نے انھیں آگ میں پھینکدیا اور آگ نے کوئی اثر نہ کیا۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ کلام مجید میں اس واقعہ کا بیان ہونا اس کا ثبوت ہے کہ یہ واقعہ سچا ہے کیونکہ یہ الہام خداوندی ہے اور الہام غلط نہیں ہو سکتا"۔

نیاز فتحپوری نے جو جواب دیا ہے اسکا ماحصل انھیں کے الفاظ میں یہ ہے:

۱- کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی۔

۲- بلکہ ایک انسان کا کلام سمجھتا ہوں۔

۳- کلام مجید کو بھی وحی کہتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسکو بھی رسول کی فہم و فراست سے تعبیر نہ کیا جائے۔

۴- قرآن کی کسی حکایت کو محض اس بنا پر کہ اُسے الہام خداوندی سمجھا جاتا ہے صحیح یا یقینی نہیں کہا جا سکتا۔

۵- کلام مجید میں اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور نہ اُسے کلام مجید میں درج ہونے کی وجہ سے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ عہد نبوی میں اس قسم کی روایتیں توریت و انجیل کے حوالہ سے لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے کے لیے یہود و نصاریٰ کی طرف عام طور پر بیان کی جاتی تھیں اور چونکہ توریت و انجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا۔ اس لیے رسول اللہ نے بھی ان کو محض اعتبار و بصیرت کے لیے بیان کر دیا۔ اور اس سے کوئی بحث نہیں کی کہ وہ صحیح ہیں یا غلط۔

۶- چونکہ میں رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اس لیے قرآن میں واقعہ ابراہیم کا پایا جانا اس امر کی دلیل تو ضرور ہے کہ رسول اللہ نے اُسے جھوٹ بیان نہیں کیا۔ یعنی اپنی طرف سے گڑھ کے بیان نہیں کیا۔ لیکن اسکا اثر نفس واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر بالکل نہیں پڑتا"۔

نیاز صاحب کے ان الحاد اور کفریات کا جو انھوں نے ان چند سطروں میں جمع کر دیا ہے، ہم نہ اُن پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں نہ انکا جواب دینا چاہتے ہیں نہ اسکے متعلق کسی بحث کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک چیز پر سلف صالحین کے قلم سے آج سے سیکڑوں برس پہلے ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور وہ آج بھی موجود ہیں اور نیاز صاحب اپنے "رسوخ فی الکفر" کے ہاتھوں مجبور ہوں کہ وہ اُن باتوں سے بے نیاز ہو چکے ہیں، اور غیر اسلامی ماحول نے انکو اس پر جری کر دیا ہے جس سے بے خوف ہو کر اپنے کفریات کو شائع کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے پیش نظر اسوقت نیاز صاحب کا [illegible] یہ ملحدانہ فریب ہے جس میں وہ [illegible] مسلمانوں کو مبتلا کرنا چاہا ہے کہ [illegible] اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین [illegible] وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔

حالانکہ نیاز صاحب کے اس یقین میں اگر ذرہ بھی واقعیت کا تعلق ہوتا، اور اُن کو واقعی اس کا یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و مصدوق ہیں تو وہ اپنے اس ملحدانہ عقیدہ کے باوجود کہ "کلام مجید کو بھی وحی کہتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسکو بھی رسول کی فہم و فراست سے تعبیر نہ کی جائے" یعنی کلام مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھا جائے۔ اور اس کے قوانین و احکام کو آپ کی فہم و فراست کا نتیجہ سمجھا جائے۔ اپنے اقرار کردہ یقین کی بنا پر مجبور ہوتے کہ قرآن مجید کے کلام خداوندی اور الہام ربانی ہونے کا انکار نہ کریں اور قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور آپ کی فہم و فراست کا نتیجہ نہ ٹھہرائیں اور نہ قرآن مجید کے ان واقعات کی صحت کا انکار کریں۔ جو قرآن میں مذکور ہیں۔

اور یہ سب اس لیے کہ نیاز صاحب جس مقدس ذات کی طرف یہ انتساب کر رہے ہیں کہ قرآن مجید انکا کلام ہے، اور اپنے اس یقین کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے وہی مقدس ذات قرآن مجید کو الہام ربانی اور کلام خداوندی فرما رہے ہیں اور اسکے انسانی کلام ہونے کی نفی کر رہے ہیں اور اس بات کی تبری فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت میں انکا کوئی دخل ہو۔ نیز وہ اس کی تصدیق فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر انبیاء کے جو واقعات بھی مذکور ہیں وہ سب حق ہیں۔ مگر نیاز صاحب باوجود اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے الحاد اور کفر کی اشاعت کر رہے ہیں۔ لہذا ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ نیاز صاحب کا یہ سراسر ملحدانہ فریب ہے جس میں وہ مسلمانوں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اور واقعہ کے خلاف اپنے اس یقین کا اظہار کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھتے ہیں۔

ذیل میں ہم اُن بیانات کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہونچائے ہیں (جنکو ہم الہام ربانی اور کلام خداوندی سمجھتے ہیں اور نیاز صاحب کلام رسول اللہ سمجھتے ہیں) نقل کرتے ہیں جن میں نیاز صاحب کے الحاد و کفر کا کھلا کھلا رد ہے اور اُردو ادب اور افسانہ کے شایق مسلمانوں کو جنکو اپنا ایمان اور دین محبوب ہے ہم متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل ‏ ‏ زنہار اگر تمھیں ہوس نائے و نوش ہے

ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی ‏ ‏ مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

(۱) الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا، قیما لینذر باسا شدیدا من لدنہ ویبشر المومنین۔ (کہف ع ۱)

ہر طرح کی تعریف خدا کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کبھی نہ رکھی تاکہ خدا کی طرف سے جو عذاب شدید نازل ہونیوالا ہے ڈرائے اور ایمان والوں کو خوشخبری دے۔

(۲) اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلا ما تذکرون۔ (اعراف ع ۱)

(لوگو) جو کچھ (یعنی آیات قرآنی) تمھاری طرف تمھارے پروردگار کی جانب سے اُتارا گیا ہے اسکی اتباع کرو اور خدا کے سوا اولیاء [illegible] کی پیروی نہ کرو۔

(۳) انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب [illegible]

بیشک یہ قرآن بڑے رتبہ کا ہے جو لوح محفوظ میں ہے کہ فرشتوں کے سوا کوئی اسکو ہاتھ نہیں لگاتا [illegible] پروردگار عالم کی [illegible]

افحدیث انتم مدھنون وتجعلون رزقکم انکم تکذبون (واقعہ ع ۳)

کیا گیا ہے کیا تم لوگ اس کلام سے منکر ہو اور تم نے اپنی روزی یہ بنائی ہے کہ جھٹلاتے ہو

(۴) والذین اتیناہم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین (انعام ع ۱۴)

(اے پیغمبر!) وہ لوگ جنکو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ قرآن ٹھیک تمہارے پروردگار کی طرف سے صداقت کے ساتھ اتارا گیا۔ لہذا آپ شک کرنیوالوں میں نہ ہوں۔

(۵) ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلیٰ (طٰہٰ پ ۱۶)

(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ مشقت میں پڑ جاؤ۔ جو خدا سے ڈرتا ہے اسکے لیے نصیحت محض ہے اسکو خدا کی جانب سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔

(۶) وکذلک اوحینا الیک قرآنا عربیا لتنذر ام القریٰ ومن حولہا وتنذر یوم الجمع لاریب فیہ

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف قرآن عربی زبان میں وحی کیا تاکہ تو مکہ والوں اور مکہ کے اردگرد رہنے والوں کو ڈرائے۔ اور قیامت سے ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں ہے

اس طرح کی بیشمار آیتیں قرآن مجید میں ہیں۔ جو اس امر پر کھلی کھلی شہادت ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ کی طرف اتاری ہوئی ہے۔ وحی الہی ہے۔ اور ہر اس شخص کے لیے مسکت دلیل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق ومصدوق سمجھتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو کتاب الہی والہام ربانی تسلیم کرے۔

(۱) وقال الذین کفروا ان ہذا الا افک افتراہ واعانہ علیہ قوم آخرون فقد جاؤا ظلما وزورا وقالوا اساطیر الاولین اکتتبہا فہی تملی علیہ بکرۃ واصیلا۔ قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموات والارض انہ کان غفورا رحیما۔ (فرقان ع ۱)

اور کافر (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ نرا جھوٹ ہے۔ جسکو اس پیغمبر نے افترا کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں انکی مدد کی ہے یہ لوگ ظلم اور (سراسر) جھوٹ کے مرتکب ہوئے اور یہ کہتے ہیں کہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں۔ جسکو کسی سے لکھایا ہے پس وہی صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اے پیغمبر ان لوگوں کو کہدیجیے کہ یہ قرآن اس خدا کا اتارا ہوا ہے جو آسمان وزمین کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔

(۲) ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (یونس)

کیا لوگ کہتے ہیں کہ اسکو خود پیغمبر نے بنالیا ہے تو آپ کہدیجیے کہ اسکے مثل ایک سورۃ بنالاؤ۔ اور خدا کے سوا جسکو تم سے بن پڑے بلالو اگر سچے ہو۔

(۳) وما کان ہذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین (یونس)

یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی بنالائے وہ ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو پہلے کی ہیں اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے اور اسکیا کچھ شک نہیں ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

(۴) افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ (نساء ع ۱۱)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے

(۵) ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین (حاقہ ع ۲)

اور اگر پیغمبر کوئی بات ہم پر گڑھ لاتا تو البتہ ہم اسکا داہنا ہاتھ پکڑتے اور گردن کاٹ دیتے۔ اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہیں سکتا۔

یہ تمام آیتیں اس امر پر کھلی دلیل ہیں کہ قرآن مجید انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ انسان کی استطاعت اور انکی قدرت سے باہر ہے کہ وہ قرآن کی ایک سورۃ بھی بنا سکے، نہ رسول کا اس پر بس ہے کہ وہ کوئی بات اپنی طرف سے گڑھے اور خدا کی طرف اسکی نسبت کرے کہ یہ کلام الہی ہے۔ اور جو شخص ایسا کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

(۱) ما ینطق عن الھویٰ ان ہو الا وحی یوحیٰ (نجم ع ۱)

پیغمبر اپنے جی سے نہیں بولتے ہیں قرآن میں جو کچھ ہے وہ صرف وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے

(۲) واذا تتلیٰ علیہم آیاتنا بینات قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقرآن غیر ہذا او بدلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہ (یونس ع ۲)

(اے پیغمبر!) جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان کافروں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاکر سناؤ! اسی میں ردوبدل کردو" تم کہدو کہ میرا یہ مقدور نہیں ہے کہ اپنے جی سے اس میں ردوبدل کردوں۔ میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے اور آپ کہدیجیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمھیں سناتا ہی نہیں اور تمھیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا۔

یہ دونوں آیتیں اس مفہوم میں صریح ہیں کہ قرآن مجید کو رسول کی فہم و فراست سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ وحی الہی ہے۔ نیز یہ کہ یہ رسول کے مقدور سے باہر ہے کہ وہ اپنے جی سے قرآن مجید میں ردوبدل کرے۔

(۱) وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک وجاءک فی ہذہ الحق وموعظۃ وذکریٰ للمؤمنین (ہود ع ۱۰)

رسولوں کی سرگذشتوں میں سے جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں۔ ان میں یہ بات ہے کہ ہم تمہارے دل کو تسکین دیں اور ان حالات میں تمہارے پاس "حق" پہونچا ہے اور مومنین کیلیے وعظ اور یاد دہانی ہے۔

(۲) وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ (فصلت ع ۵)

اور بیشک یہ قرآن عالی رتبہ کتاب ہے۔ باطل نہ آگے سے اسکے پاس آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ حکیم وحمید خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے

اس کھلی تصریح کے بعد کہ انبیاء کرام کے واقعات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ کوئی ایسا مسلمان جسکو رسول اللہ صلعم کی صداقت پر ایمان ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو واقعات قرآن مجید میں بیان ہوے ہیں وہ تاریخی حقیقت نہیں رکھتے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اور راہ پر قرآن مجید کی روشنی میں گفتگو ہے۔ دونوں رسالے ہر مسلمان کے لیے کارآمد ہیں۔ انجمن خدام الدین کے رسائل اپنی حیثیت افادی کے لیے اب یوں بھی کسی تفصیلی تعارف کے محتاج نہیں رہے ہیں۔

(۱۳) مسند مجلس اتحاد المسلمین کی دو سالہ جد وجہد - از ابو سعید محمد آفاق علی خاں صاحب بی ایس سی ال ال بی ۳۱ صفحے قیمت ۲ ر پتہ؛ دفتر اتحاد المسلمین بہادر منزل، بیگم بازار، حیدرآباد دکن۔

دکن کی مشہور و معروف مجلس اتحاد المسلمین اور اسکے قابل رشک صدر محترم کے کارناموں کی دلچسپ اور سبق آموز تاریخ۔ علاوہ اہل دکن کے باہر کے مسلمانوں کے بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

رسائل

(۱) مجلۂ عثمانیہ (سہ ماہی) ۱۳۵۹ف اردو و انگریزی ضخامت ۲۰۹ + ۱۰ + ۱۰۸

(۲) ایضاً ۲۹۰ + ۱۰ + ۵۳

سالانہ چندہ عام خریداروں سے ہے۔ پتہ: مجلہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔

دونوں رسالوں پر رسالہ سے زیادہ پوری کتاب کا اطلاق صحیح ہے۔ ان میں نمبر اول دراصل نمبر ہے یعنی اس نمبر میں جدت یہ کی گئی ہے کہ اسکے سارے مضامین رسالہ کے گزشتہ ایڈیٹروں ہی کے قلم سے نکلے ہیں۔ ایسے نمبر کے معیار کا اونچا ہونا ظاہر ہی ہے۔ شیخ چاند مرحوم کا مقالہ سودا پر تحقیق و کاوش کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ غلام دستگیر صاحب رشید کا مضمون ترقی نسواں پر اور سلیم صاحب کی مختصر نظم؛ ختم اسلام پر دونوں بہت معنی خیز ہیں۔ اور بھی اچھے اچھے معروف و نامور نام مضمون نگاروں کی فہرست میں نظر آتے ہیں، مثلاً ڈاکٹر زور، سکندر علی صاحب وجد، بدر شکیب صاحب وغیرہم۔ حصۂ انگریزی بھی معلومات اور دلچسپی دونوں کے لحاظ سے اچھا خاصہ جاذب نظر و جالب توجہ ہے۔

نمبر (۲) بھی اپنی جگہ پر کچھ کم نہیں، گو ظاہر ہے کہ سب مضامین کی سطح یکساں نہیں ہوسکتی، خصوصاً اس حال میں کہ بعض مضمون نگار ابھی طالب علم ہی ہیں۔ سائنس، ادب، افسانے، معاشیات، تاریخ و سیاسیات، ہر موضوع پر مضامین کا مجموعہ اس مجلد کے اندر مل جائیگا۔ انگریزی حصہ خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہے۔ بحیثیت مجموعی رسالہ کے موجودہ کارکنوں کی کوشش ہر طرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔ اتنی ضخامت اور اس جامعیت کے رسالہ کی قیمت، فی پرچہ عار کچھ بھی زائد نہیں۔

(۲) اضطراب - ماہوار۔ ایڈیٹر نسیم سندیلوی صاحب۔ جلد اول نمبر اول ۴۸ صفحے قیمت سالانہ عار فی پرچہ ۳ر پتہ؛ جا بلنگ اسٹ۔ نظیر آباد، لکھنؤ۔

یہ نیا رسالہ ایک نوشق کی ادارت میں ابھی نکلنا شروع ہوا ہے۔ صرف ایک اشاعت سے کوئی صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہے تاہم یہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں کہیں [illegible] کا رنگ [illegible] ہے۔ لیکن اسکے مقابل دوسری طرف اہل اقلاد کا جھوٹا [illegible] شوکت تھانوی کا مضمون، نظم، شمار، اصلاحی اور سنجیدہ ادبی حیثیت رکھتے ہیں۔ [illegible] طرح [illegible] نظمیں [illegible] ایک [illegible] جوش ملیح آبادی [illegible] فہرست میں محض [illegible] ہیں۔ رسالہ اگر صحیح روش پر قائم رہا تو [illegible] اردو کے ادبی رسالوں میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔

(۳) تفہیم القرآن - مرتبہ مولوی عبدالرحیم صاحب [illegible]

جلد اول، ضخامت ۱۰۰۰ صفحے، سالانہ فی پرچہ ۱۰ بیرون حیدرآباد سے مع الترتیب للعہ، دار پتہ؛ دار الاشاعت تعلیم القرآن، تعلیمی گوڑہ، حیدرآباد دکن۔

دلی مسرت کی بات ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور قرآن فہمی کا مذاق بڑھتا جاتا ہے اور مختلف حلقوں سے اس باب میں اپنے اپنے ذوق و بصیرت کے مطابق مفید کوششیں ہو رہی ہیں۔ انھیں میں سے ایک قابل ذکر اور قابل داد کوشش رسالہ تعلیم القرآن کی صورت میں رونما ہوئی ہے۔ سرسری تعارف اس سے قبل ان صفحات میں ہوچکا ہے۔ حال میں کل نمبر یعنی ۱۲ موصول ہوئے ہیں۔ ان میں سورۂ فاتحہ سے لیکر پارۂ عم کی سورۂ والتین تک کی تفسیر آگئی ہے۔ پارۂ عم سے ابتدا اس لیے کی گئی کہ نماز میں عموماً سورتیں اسی کی پڑھی جاتی ہیں۔

تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے شان نزول و تمہید بیان درج ہوئی ہے، اسکے بعد ایک ایک آیت کا ترجمہ، پھر ایک ایک لفظ کے لغوی معنی اور تشریح لغات۔ اسی ضمن میں صرفی، نحوی تحقیق بھی آجاتی ہے۔ پھر اسکے بعد تفسیر ہوتی ہے کہیں مختصر اور کہیں خاصی مفصل۔ تفسیر کے مخاطب اصلی، عام اردو خواں اور محض مبتدی حضرات ہیں اس لیے اختصار اور سہولت بیان کا التزام ایک بڑی حد تک رکھا گیا ہے۔ لیکن ہر جگہ یہ نبھ نہیں سکی ہے۔ اور کہیں کہیں مشکل نحوی اصطلاحات اور خاصے دقیق کلامی مباحث بھی آگئے ہیں۔ مبتدیوں کے لیے ضرورت شروع سے آخر تک بالکل سادہ رکھنے کی تھی۔ مولانا فراہی کے نظام القرآن کے نظریات مبتدیوں کے لیے بالکل ناموزوں ہیں۔ بس اس فروگذاشت کے سوا اور ہر حیثیت سے مفسر کی سعی قابل داد ہے۔ اور امید ہے کہ آیندہ ان شاء اللہ اسکی بھی اصلاح ہو جائیگی۔ یہ کوشش بہرصورت حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷)

نیاز صاحب کے الحاد سے تو یہ امید نہیں ہے کہ وہ اس کے بعد بھی اپنے ملحدانہ خیال سے توبہ کریں۔ لیکن کیا مسلمان اس کو برداشت کرتے رہیں گے کہ وہ ان کفریات کو پڑھتے رہیں اور اس کی اشاعت کرتے رہیں۔ حالانکہ اُنکے خدا کا حکم یہ ہے :-

ولا تعاونوا على الاثم و العدوان (مائدہ - ع ۱) گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو۔

ولا تكونن ظهيرا للكافرين (قصص - ع ۱) کافروں کے مددگار نہ ہو۔

(نقیب)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار "صدق" مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)
ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر کے نام ہونی چاہئے
چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں اس پتہ پر لکھیے
عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق لکھنؤ
چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۔ٰ
بیرون ہند سے سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ا؎
صدق لکھنؤ

نمبر ۲۲ | دوشنبہ - رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۷ - اکتوبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

سنتے ہیں کہ ہٹلر جس ملک پر چڑھائی کا ارادہ کرتا ہے، پہلے ہی سے اپنے آدمی وہاں چھوڑ رکھتا ہے۔ دیکھنے میں کوئی تاجر، کوئی سیاح، کوئی سیاسی، کوئی ڈاکٹر، کوئی مشنری، ظاہر سب کے الگ الگ، باطن سب کے ایک، دیکھنے میں کوئی کچھ کوئی کچھ، لیکن درحقیقت سب ہٹلر ہی کا دم بھرنے والے، خیر اسی کی ماننے والے، اسی کے جاسوس اور گویندے، اسی کے ایجنٹ اور کارندے۔ اور یہ بات نہیں کہ سب اسی کے ہم قوم، ہم وطن یا ہم نسل ہوں، دوسرے دوسرے ملکوں کے منافق اور غدار، اپنی قوم سے عہد وفا توڑے ہوئے، ہٹلر سے رشتہ جوڑے ہوئے۔ ادھر ہٹلر کی فوج "ظفر موج" پہونچی، کہ ادھر یہ دوسری فوج بھی اپنی اپنی کمینگاہوں سے نکل پڑی، اپنے اپنے بلوں سے ابل پڑی۔ باہر والوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ساری عمر کا قصہ دم بھر میں چکا دیا۔ گھر والے گھبرا گئے، حیران و ششدر رہ گئے، سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ ارے! یہ اپنے ہی ہاتھ پیر جواب دے گئے! یہ اپنے ہی غیروں سے مل گئے! وقت پر دغا دے گئے"! ——— انگریزوں نے اس بغلی گھونسہ کا نام، اپنی جنگی اصطلاح میں "ففتھ کالم" یا "پانچواں دستہ" رکھا ہے۔ اور اس نام سے ہر اخبار بین خوب واقف ہو چکا ہے۔ ——

چھوڑیے اس "جگ بیتی" کو "آپ بیتی" کے ہوتے آپ کو ان پرائے قضیوں میں پڑنے کی ضرورت کیا؟

چوں کوے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست؟

آج یہ تحریک کون پھیلا رہا ہے، کہ اردو کے "ان سائنٹفک رسم الخط کے بجائے لاطینی حروف رائج ہو جائیں" تاکہ انگریزیت کی فوجوں کے لیے راستہ پوری طرح صاف ہو جائے۔ اس تجویز کے کون درپے ہے۔ کہ مسلمانوں میں بینک بازی بینک سازی کا کاروبار پھیل جائے، اور مسلمان جلد سے جلد سود کھانے اور سود کھلانے کی لعنت میں مبتلا ہو کر رہیں؟ "جواز سود" پر رسالے اور پمفلٹ کون شائع کر رہا ہے؟ مردوں عورتوں کا اختلاط، اور عورتوں میں بے پردگی، بے حجابی، اور بے حیائی کی تلقین کس کے زبان و قلم کا محبوب و دلچسپ مشغلہ ہے؟ کس کی سرگرم کوششیں ہیں، کہ اسلامی قانون دیوانی و فوجداری کے بجائے امت پر مغربی اور ملحدوں کے بنائے ہوئے ضوابط و تعزیرات مسلط کر دیے جائیں؟ کون اس فکر میں گھلا جا رہا ہے، کہ مسلمان اپنے تمدنی، تہذیبی، اخلاقی، خصوصیات و شعائر کو چھوڑ کر جلد سے جلد صورۃً و سیرۃً "اسلموں" میں ضم اور انہیں میں گم ہو کر رہ جائیں؟

یہ ساری کارروائیاں اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلانے والوں کے ہاتھوں ہو رہی ہیں یا نہیں؟ ان ساری تحریکوں کو چلانے والے اور پھیلانے والے، بعض مسلمانوں پر یہ زد۔ (واؤ مجہول سے) یا یہ زور (واؤ معروف سے) نازل کرنے والے مسلمانوں ہی کے سے نام رکھتے ہیں یا نہیں؟ ——— اپنی آستین میں سانپ آپ نے کچھ کم پال رکھے ہیں؟ "تجدد" "روشن خیالی" "آزاد خیالی" کے اپنے اندر ان فراوانیوں کے بعد آپ کو ضرورت کیا ہے کہ "پانچویں کالم" کی تلاش کے لیے آپ فرانس اور پولینڈ اور برطانیہ اور ہالینڈ اور ڈنمارک کی خاک چھانتے پھریں؟

گوہر بہ دست، او بدریا چہ حاجت ست؟

ایک مستشرق کی وفات

۲۰ - ستمبر کو استنبول سے مشہور برطانوی

معترضہ کی جسارت

حیدرآباد سے ایک صاحب علم بزرگ ۲۴ ستمبر کے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں :-

"مولوی ریاست علی صاحب کی رپورٹ لے بھیجے تو داغ کھول رہا ہے۔ رہبر نے اسے شائع کردیا ہے۔ صدق سے متعجب ہے کہ اتنا تک شائع نہیں کیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب کی تقریر آپ نے شائع فرمادی۔ لیکن میرے نزدیک نیاز کو سنجیدگی سے منہ لگانا گویا اپنے محاذ کو کمزور کر دینا ہے۔ اسکا علاج تو یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور جس پہلو سے ممکن ہو اسکے "ہفوات" کا اعلان کیا جاتا رہے۔ ذلک بما قدمت یداک کے آئینہ کی منزہ و مستم کر اور اسی سے وہ بہت گھبراتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولوی ریاست علی صاحب کے پاس اس قسم کے معلومات کا ایک ذخیرہ ہے۔ ان چیزوں کا چھپائے رکھنا جرم ہے۔ انھیں چیزوں کی اشاعت کی ضرورت ہے جہاں تک بھی ممکن ہو۔ ورنہ جس بےغیرت کا یہ حال ہے کہ اپنے ارتداد کو وہ اعتزال اور مسئلہ خلق قرآن کی پرانی بحث میں چھپانے کی کوشش ان ہرزہ درائیوں کے بعد بھی کر سکتا ہو، وہ سنجیدہ مباحث میں تو خدا جانے کہاں کہاں نکل جائیگا"۔

مولوی ریاست علی صاحب، ایڈیٹر ندیم کی جس تحریر کا حوالہ مراسلہ بالا میں ہے، صدق میں شائع ہو چکی ہے۔ صدق کے مضامین بہت قبل سے مرتب کرنے پڑتے ہیں، اس لیے بعض مضامین کی اشاعت میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ رہبر دکن کے نوٹ کو انقلاب (لاہور) بھی شائع کر چکا ہے، اور عجب نہیں کہ حق (لکھنؤ) بھی نقل کرے۔ یو۔پی میں کم از کم یہ روزنامہ تو اس فتنہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہے۔

اپنوں کی بیگانگی

بمبئی سے ایک اہل قلم لکھتے ہیں :-

"نگار کی فتنہ انگیزیاں جب حب شباب پر ہوتی ہیں، کوئی نہ کوئی بزرگ ثالث بالخیر بن کر معاملہ کو سنوارنے کے بجائے اور الجھا دیتے ہیں۔ سید نواب علی صاحب کا مضمون آپ نے نگار میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ بجائے اُسے راہ راست پر لانے کے خود اُسی کے آلہ کار بن گئے۔ اُسے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے، وہ البتہ ان سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے، خدا رحم کرے"!

جی ہاں ایسے سادہ مزاج اور مرنجاں مرنج بزرگوں سے تو تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ بنیاد حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پڑ گئی تھی، اور عہد مرتضوی میں، خصوصاً فتنۂ خوارج کے وقت تو ایسے نیک نفس لوگوں کی کوئی کمی رہی ہی نہیں۔ محترم مدیر معارف سے یہ تقاضا، کہ وہ سیرۃ النبی کی ایک جلد مستقلاً قرآن مجید کے موضوع پر لکھنے کا وعدہ پورا فرمائیں، نگار کی وساطت سے کرنا، اور اسے اس غرض کے لیے قاصد بنانا بہت ہی خوب ہے۔ اور پھر کیا کہنے ہیں اس حقیقت سنجی کے کہ نگار، صدق اور معارف کے ایڈیٹروں کو [illegible] کی بنا پر [illegible] سمجھتا ہے [illegible]

مجمل اشد چھپا پرمس کرکے پروا (؟) کی حیثیت سے نوجوانان ملت کے لیے چراغ ہدایت نہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے ایڈیٹری کا یہ ترنگی جھنڈا ایک ہی قومی نشان نہ بن سکے تو الخ"

صدق اپنی اور معارف دونوں کی طرف سے اس عزت افزائی اور قدردانی پر شکریہ پیش کرتا ہے۔ رہے سید نواب علی صاحب کے "ذلائل" تو یہ قول نیاز:-

"ان پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن.... مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اور اب یہ معلوم کرکے مطمئن ہوں کہ اہل علم کی ایک جماعت اس باب میں میری ہم آہنگ ہے" (نگار، ستمبر ۳۶ء)

نیاز کی "ہم آہنگی" سید صاحب کو مبارک ہو!

حکیم الامت کی صحت

دانگلن (جنوبی ہند) سے ایک کرم فرما لکھتے ہیں

"حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کی صحت سے متعلق جو کبھی کبھی صدق میں کوئی شذرہ نکل آتا ہے تو دریافت خیریت سے طبیعت مسرور ہو جاتی ہے۔ اب کچھ عرصہ سے اس سرور سے لطف اندوزی کا موقع نہیں ملا۔ براہ کرم مطلع فرمایا جائے کہ حضرت والا کے ارشادات عالیہ کس رسالہ میں مسلسل نکلتے رہتے ہیں۔ یعنی خانقاہ اشرفی کا آرگن کون ہے"

(۱) حضرت والا کی صحت بحمداللہ اس تحریر کے وقت تک اچھی ہے۔ باقی ضعف وغیرہ اس عمر کے لوازم میں سے ہیں۔ ان سے نبی، ولی، کسی کو مفر نہیں۔ ضعف جسمانی وانحطاط قوٰی کا ذکر قرآن مجید میں جو حضرات انبیاء کی زبان سے کرایا ہے، اُس میں ایک مصلحت یہی تعلیم ہے۔

(۲) رسالہ النور، تھانہ بھون۔ ضلع مظفرنگر (یو۔پی) قیمت سالانہ ۸ؔ؎۔ اس میں مولانا کے ارشادات وارشادات طریقت، بعض طالبین وسالکین کے خطوط کے جوابات پابندی کے ساتھ ہوتے ہیں، اور اکثر ملفوظات بھی۔ مواعظ مسلسل رسالہ الہادی، دہلی میں نکلتے رہتے ہیں۔

ایک مراسلہ نگار سے

تاندور (علاقہ دکن) سے ایک خریدار صاحب تحریر فرماتے ہیں (ملخصاً):-

"صدق مورخہ ۸ر جولائی میں رسالہ اقبال علیگڈھ پر آپ کا یہ تبصرہ دیکھ کر کہ "اقبال، ضخامت ۲۵ صفحے۔ قیمت للعہ سالانہ) کا مقصد ہے علامہ اقبال کے پیغام کی اشاعت۔ ایسے رسالہ کی وسیع اشاعت میں کوشش کرنا اپنی اور آپ کرنا ہے" للعہ پیشگی سالانہ چندہ رسالہ مذکور کو بھیجا گیا۔ وصولی چندہ کے کافی ایک ماہ بعد رسالہ مذکور نے اپنا ایک نمبر یعنی جلد اول نمبر ۵ صفحات ۲۴ صفحے قیمت عہ سالانہ روانہ کیا، جسکے مقاصد مسلم لیگ کے نصب العین کی ترویج واشاعت ہے۔ صدق کے بتلائے ہوئے مقاصد اور اس رسالہ کے مقاصد میں، علاوہ ضخامت صفحات و قیمت وغیرہ کے نمایاں فرق ہے۔ اس لیے بذریعہ اخبار ان اختلافات کی تصحیح فرما دی جائے"!

ریویو صرف پیش نظر نمبر یا نمبروں کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اب اگر رسالہ اسکے بعد کوئی

قرآن بہ حیثیت کلام الرحمٰن

"نگار" کے مغالطوں کا جواب

(مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، ایڈیٹر رسالۂ الفرقان کے قلم سے)[1]

[نیاز صاحب اس جواب کو اگر پالیسی رسیم اور قطع ربط کے "نگار" میں شائع کر سکیں جیسا کہ انھوں نے اگست کے "نگار" میں لکھا ہے تو ضرور شائع کریں۔]

قرآن پاک کے کلام الٰہی اور "الہام ربانی" ہونے سے صاف طور پر انکار کرنے والے نیاز فتحپوری نے اگست کے "نگار" میں غلط بحث کر کے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی جو پُرفریب کوشش کی ہے اس کا ذکر "الفرقان" کی اس سے پہلی اشاعت میں کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں جو ذیلی مغالطے یا "شبہے" انھوں نے پیش کیے ہیں آج کی صحبت میں حسب وعدہ ان کا جواب ہمیں عرض کرنا ہے۔

عرض جواب سے پہلے ہم یہ پھر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ نیاز صاحب پر ملت کی طرف سے جو جرم قائم ہے وہ یہ ہے

(الف) دعائے اسلام کے باوجود قرآن پاک کے کلام الٰہی اور الہام ربانی ہونے سے انھوں نے صاف انکار کیا۔

(ب) قرآن پاک کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تالیف کردہ کلام اور آپ کی فہم و فراست کا نتیجہ بتلایا۔

(ج) قرآن پاک میں امم ماضیہ کے جو واقعات اور قصص مذکور ہیں اُنکی حتمی صحت سے اُنھوں نے انکار کیا اور صاف کہا کہ غیر نبوت کے یہود و نصاریٰ یہ قصے تورات و انجیل سے بیان کیا کرتے تھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُنھیں سے سُن سنا کر بلا تحقیق و تنقیح اُنکو قرآن میں درج کر دیا ہے اور اب قرآن میں اُنکا درج ہونا اُنکی صحت و واقعیت کا ضامن نہیں

یہ ہیں نیاز صاحب کے وہ "کافرانہ ہفوات" جو اُنھوں نے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ جون کے "نگار" میں درج کیے اور اُنھیں کی بنا پر ہم نے اُنکو "مرتد" یا "منافق" لکھا اور اُنکی یہی خرافات ہیں ملت کے نزدیک اُنکا اصل جرم۔

اسکے بعد اب اُنھوں نے اگست کے "نگار" میں اپنے خیالات کو جس نئے انداز میں پیش کیا ہے اور اپنے "شبہات" پیش کر کے مسلمانوں کو اپنی معصومیت کا جو یقین دلانا چاہا ہے ہمارے نزدیک وہ اُن کی ایک بزدلانہ چال ہے جس کا تجربہ اپنے متعلق وہ پہلے بھی کرا چکے ہیں۔ اس لیے یہ توقع تو نہیں ہے کہ ہماری یہ خامہ فرسائی خود اُنکے دل کا روگ دور کر سکیگی ہاں یہ امید ضرور ہے کہ اُنکے ان شبہات اور مغالطات نے جن اور بہت سے مذہب سے ناواقف اور سادہ لوحوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہونگے ان شاء اللہ وہ ہمارے ان جوابات سے اطمینان حاصل کر سکیں گے اور وہی طبقہ اس وقت ہمارا مخاطب ہے۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

نیاز صاحب کے پیش کردہ شبہات یا مغالطات کا جواب شروع کرنے سے پہلے حق تعالیٰ کی "صفت کلام" اور قرآن پاک کے متعلق بطور تمہید چند اصولی باتیں عرض کر دینی ضروری ہیں جنکے بعد اس بحث کو سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو جائیگا۔ اس لیے تمہید کی گذارش کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمایا جائے۔

تمہید:۔

یہ تو ظاہر ہے کہ صفت کلام کے لحاظ سے خود انسان میں تین حیثیتیں نمایاں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اُس میں قوت ناطقہ یعنی گویائی کی صلاحیت اور قابلیت ہے اور اسی حیثیت سے اسکو "حیوان ناطق" کہا جاتا ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو تکلم اور تلفظ سے پہلے اُسکے ذہن میں ایک مطلب اور مضمون ہوتا ہے جسکو بعد میں وہ الفاظ سے ادا کرتا ہے۔

(۳) تیسری حیثیت یہ ہے کہ وہ نطق اور تلفظ کے ذریعہ اپنے اس مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ بلاتشبیہ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے صفت کلام میں بھی تین حیثیتیں اور تین درجے ہیں ——— پہلے درجہ کو بمنزلہ "قوت تکلم" سمجھنا چاہیے۔ (اور علمی اصطلاح میں اُسکو مبدأ تکلم اور منشأ صدور کلام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح کہ علم کو مبدأ انکشاف کہا جاتا ہے۔)

تو حق تعالیٰ کی "صفت کلام" کا یہ پہلا درجہ علم اور قدرت وغیرہ کی طرح قدیم اور ازلی ہے اور اُس کی صفات حقیقیہ میں سے ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور اسکا مشہور اصطلاحی نام "کلام نفسی" ہے۔

دوسرا درجہ وہ مفصل مطالب اور مضامین ہیں جن کو الفاظ و حروف سے ادا کیا جاتا ہے اور جو کلام لفظی کا مدلول ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ میں بھی اُسکی شان رفیع کے مطابق یہ درجہ موجود ہے اور اسکو بھی "کلام نفسی" کہا جاتا ہے اور یہ بھی قدیم ہے۔

تیسرا درجہ اُن مرتب الفاظ و عبارات اور حروف و کلمات کا ہے جن سے مضمون مقصود ادا کیا جاتا ہے۔ اور اس درجہ کا اصطلاحی نام "کلام لفظی" ہے۔ اور اس حیثیت سے جب کسی کلام کو "کلام الٰہی" کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی مرضی اور منشا اور اپنے احکام بندوں کے علم میں لانے کے لیے خود اس کلام کی تالیف و تنزیل فرمائی ہے۔ لیکن اس کلام کے ظہور کا محل عموماً کوئی "شے مخلوق" ہی ہوتی ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ اپنے کلام لفظی کو اپنی قدرت کے ذریعہ حامل وحی فرشتہ کی زبان پر جاری فرما دیتا ہے۔ پھر وہ رسول انھیں الہام شدہ الفاظ و عبارات ہی کو اپنی زبان سے ادا کر کے رسولوں

---

[1] مولانا نے ازراہ لطف و کرم یہ مقالہ الفرقان میں درج کرنے سے ہفتوں قبل صدق کو عنایت فرما دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ خود صدق میں گنجائش اتنی تاخیر کے بعد نکل پائی۔ (صدق)

مراسلہ

جنت وجہنم

(سلسلہ صدق بسلسلہ (مولانا) عنایت (اللہ) فرنگی محلی عالم کے قلم سے)

جنت وجہنم کے متعلق مولانا گیلانی کے مضمون کے بارے میں مقصود "ایراد" نہ تھا۔ اپنے خط میں تو صاف طریقے میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ مضمون تشنہ ہے، اور تشنگی کی وجہ لکھ دی تھی۔ پھر صدق مسلسل میں آپ کے قلم سے اسکو بطور ایراد لکھا ہوا دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اچھا ہوا کہ خط کا اقتباس شائع ہوگیا بہر حال اسکے متعلق مولانا گیلانی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسکے بعد بھی وجہ تشنگی موجود ہے۔ چونکہ مولانا فرنگی محل ہی کی اصطلاح میں گفتگو پسند نہیں کرتے اس لیے دوسری اصطلاح میں یہ امر گزارش ہے کہ "صفات میں سے بعض تو صفات لازمۃ الذات ہوتے ہیں اور بعض غیر لازمۃ الذات۔ اول الذکر ذات سے منفک اور علیحدہ نہیں ہو سکتے ورنہ لزوم کے کیا معنی۔ اگر منفک فرض کر لیے جائیں تو خلاف مفروض لازم آئیگا یا ذات کا عدم وجود۔ بنا بریں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "جنت وجہنم" کے سلسلہ میں جن الفاظ کا ذکر قرآن میں آیا ہے جنکے مادی مصداق سے ہم آشنا ہیں اُن سے مراد اگر یہی مادی مصداق ہیں تو جہنم وجنت میں انکے صفات لازمۃ الذات نیز خود مادہ کے صفات لازمہ کے ساتھ پایا جانا ہم کو باور کرنا چاہیے۔ یہ اعتقاد اُس چیز کو جو ناک پہونچ جاتا ہے جس پر طرح طرح کی گندگیاں اچھالی گئی ہیں اور اگر صفات لازمۃ الذات کے بغیر انکا وجود مان لیا جائیگا تو پھر لفظ کے اُس مصداق کا ذاتاً وجود نہ ہوگا جیسا کہ مولانا نے اپنے مضمون میں فرمایا ہے۔ اور وہی استعارہ اور مجاز یا دوسرے لفظوں میں "تاویل" کا دروازہ کھلا ملنا پڑیگا جس پر مضمون میں غزالی کی زبان سے لعن وطعن ہے۔ خلاصہ یہ کہ مضمون سے مسئلہ صاف نہیں ہوا مثال سے اسکی وضاحت یوں ہوگی کہ سانپ، آگ، باغ، حور عین، خمر، یہ چند الفاظ ہیں جنکے مصداقوں سے ہم آشنا ہیں تو جہنم وجنت میں کیا ان مصداقوں کے ذاتاً پائے جانے کے اقرار سے لازم آتا ہے کہ ذات (جس میں مادہ اور مادہ کے لوازمات غیر منفک سب کو داخل سمجھ لیا جائے) اپنے صفات لازمۃ الذات کے ساتھ پائی جائے۔ اور اس قسم کی چیزوں میں سے بعض کے صفات لازمۃ الذات کی نفی قرآن وحدیث میں موجود ہے اس سے قطع نظر عقل خود بھی نقل کی روشنی میں ان میں سے بعض صفات لازمۃ الذات کی نفی پر اپنے کو مجبور پاتی ہے، اور صفات لازمۃ الذات کے نہ پائے جانے کی صورت میں ذاتاً وجود کا اقرار ایک امر مشتبہ ہے۔ ناچار ماننا پڑیگا کہ ان الفاظ سے مراد انکے وہ مادی مصداق نہیں ہیں جن سے ہم آشنا ہیں، صرف لفظی اشتراک کا قائل ہونا پڑیگا (جسکی نفی مضمون میں ہے) جو تاویل ہے اور پھر وہ خرابی لازم ہے جس کی جانب غزالی نے اشارہ کیا ہے۔

... ذات لازمۃ الذات جنکو سمجھا جا رہا ہے اُنکے لزوم کے انکار کی یہی ایک صورت مگر اس انکار کے بعد یہ کہنا کہ ان الفاظ سے مراد انکے ... مصداق ہیں جنکی ذات سے ہم آشنا ہیں عجیب و غریب ہوگا کیونکہ ہم ذات سے آشنا نازمۃ الذات صفات کے ساتھ میں، نفس ذات سے ہم آشنا ہی نہیں اور نہ لفظ سے محض ذات منفک عن کل صفۃ کو کوئی شخص ہی سمجھ سکتا ہے اور نہ یہ مصداق لفظ کا ... کر ... مصداق ...

... اور مجاز کا حکم ہوتا ہے پھر وہی استعارہ اور مجاز سامنے آگیا۔ ان سب امور سے قطع نظر دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے مراد ان مصداقوں کی ذوات منفکۃ عن الصفات المعلومہ ہیں یا کچھ اور۔ پہلی صورت میں یہ الفاظ موضوع لہا نہیں بنا بریں اسے تاویل ہی کہا جائیگا صورت ثانیہ میں صفات معلومہ سے بعض وہ ہیں جن سے انفکاک اور علیحدگی ہمارے علم میں ہے اور بعض انفکاک سے ہم آشنا نہیں۔ مثلاً ملیح آباد کے آم، اور دربھنگہ کے آم میں چند صفات کا انفکاک ہمارے علم میں ہے اور اسی بنا پر تفریق ہے اور بعض صفات نہ صرف ان میں مشترک ہیں بلکہ آم کی ہر قسم میں پائے جاتے ہیں۔ اور اسکے انفکاک سے ہم آشنا ہی نہیں۔ اگر انکے انفکاک کے ساتھ آم مراد ہے تو پھر اُسے آم کہنا مجاز ہوگا نہ حقیقت۔ غلبنا ل۔ مقصود یہ ہے اور مذکورہ بالا کا لحاظ کرتے ہوئے عنوان کے متعلق مضمون ہونا چاہیے اور اب بھی اسکی ضرورت ہے بغیر اسکے حل کیے ہوئے تاویل اور لفظی اشتراک کے قائلین پر ایراد شدید مناسب نہ تھا اور نہ مناسب ہے۔ والتسلیم:

مسلم کلب لکھنؤ

(نقل معائنہ مدیر صدق)

مسلم کلب کے غریب کارکنوں نے آج شام کو اپنے ہی جیسے ایک غریب کو اپنے دار المطالعہ کی سیر اور اپنے جلسہ میں شرکت کا موقع دیا۔

قریشی صاحب کے لکھے ہوئے درس قرآن کو پڑھتے اور سناتے ہوئے طلباء میز پر رکھے ہوئے بہت سے پرچوں اور رسالوں پر نظر پڑی۔

دیکھنے میں آئیں اسلامی کتابیں، اسلامی چہرے، سننے میں آئیں اسلامی باتیں، اسلامی چرچے۔ دل نے محسوس کیں سادگی کی فضا میں اخلاص کی شعاعیں، اخلاص کی خوشبوئیں ......

یہاں یہ لوگ (زیادہ تر نوجوان اور کچھ بڑے بوڑھے بھی) جمع ہوتے ہیں درس قرآن حاصل کرنے، وعظ ونصیحت کی باتیں سننے، اُسوقت جو وقت، جو وقت ہوتا ہے پارکوں میں گلگشت کا، بازاروں میں گشت کا، تماشا گاہوں کے ہجوم کا، تماشہ گاہوں کی دھوم کا!

اس شہر کے ایک معلوم ومعروف فتنہ فروش کی الحاد نگاریوں پر کلب سے جو اظہار نفرت وملامت کیا وہ بجائے خود ایک حجت قوی اور برہان جلی ہے اسکے جوش دینی کی، غیرت ایمانی کی!

کلب کے کارکن اور اراکین اپنی موجودہ بے بضاعتی سے نہ گھبرائیں نہ شرمائیں۔ بڑی بڑی عمارتیں چھوٹی ہی چھوٹی بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہیں بہت دولت اخلاص کی دولت آپکے پاس ہے، اور یہی سرمایہ بڑا سرمایہ ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ محمد علی جوہر کا شعر ہے ؎

تو میرا باطل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پر اپنی نہ جا شان خدا دیکھ!

مختصر نشست میں زبانی کچھ مشورے عرض کر دیے گئے، اور ایک تحفہ ناچیز کے طور پر صدق جاری کیا جا رہا ہے۔

(دستخط) عبد الماجد دریابادی۔ یکم ستمبر ...

نمبر ۲۳ | دوشنبہ ۸ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

اسلام کی مملکت میں سالانہ پریڈ کا موسم آگیا۔ پریڈ پورے ایک مہینہ ہوگی۔ "لیمپ لائٹ" ایک چاند سے دوسرے چاند تک جاری رہیگی۔ مہینہ سستی اور کاہلی، ضعف اور افسردگی کا نہیں، چستی اور چالاکی، ہمت اور مستعدی کا ہے۔ مسلمان بوڑھے اور جوان، لڑکے اور لڑکیاں، امیر اور غریب صبح منہ اندھیرے سے لیکر شام تک بھوکے اور پیاسے رہیں گے، میاں بیوی سے الگ رہینگے۔ صبح کے ناشتے موقوف، دوپہر کے کھانے بند، سہ پہر کی پارٹیاں ناپید، چائے کے دور رخصت، حقہ، سگریٹ، پان کے چسکے غائب، شربت کے گلاس خشک۔ مسلمان کو اپنے صبر، ضبط، ہمت کا امتحان دینا ہے —— نمازیں آج گھٹینگی نہیں، رعایت اس باب میں کچھ بھی نہ ہوگی، نفلیں کچھ اور بڑھ ہی جائینگی۔ تلاوت قرآن روز اگر ایک پارہ ہوتی تھی تو آج کئی پارے ہوگی۔ قرآن سے کچھ نہ کچھ تعلق مسلمان کو ہمیشہ ہی رہتا ہے، آج وہ بڑھ جائیگا۔ غیبت سے لطف لینا ہمیشہ ہی حرام تھا، آج یہ حرمت اور شدید ہو جائیگی۔ بیجا غصہ کا پی جانا ہمیشہ ہی واجب تھا، آج واجب تر ہو گیا۔ جود و سخا کی تاکید ہمیشہ ہی تھی، آج ہر مسلمان فیاضی سے فیاض تر، ہمدردی سے ہمدرد تر ہوگا!

اسلام کی دینی حکومت جہاں کہیں بھی ہے، اب دن میں کھانے پینے کے بازار سرد رہینگے، ہوٹلوں میں سناٹا رہیگا، چائے خانے ویران رہینگے، شربت کی دوکان پر قفل پڑا رہیگا، امیروں کے باورچی خانے ٹھنڈے رہینگے، غریبوں کے چولھوں سے دھواں نہ اٹھیگا۔ مسلمان دن بھر اپنے ہر جائز کاروبار میں، ہر جائز پیشہ میں لگا رہیگا۔ کمائیگا بھی اور قرآن بھی پڑھے گا، اور شام کو جب خدائی مہر ٹوٹیگی، جب غیبی بگل ختم مجاہدہ کا ہوگا، تو دن بھر کے بعد بھی اُس وقت تنہا خوری نہ ہوگی۔ ہر مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق [illegible] بھی کھلائے گا، پلائے گا، اپنے رب کی نعمتوں میں اسکی مخلوق کو بھی شریک کریگا، اور اسکے بعد یہ نہ ہوگا، کہ دن بھر کی مشقت کے بعد شام ہی سے تھک کر چور ہوکر پلنگ پر پڑ رہے، اور رات بھر سویا کیے۔ عشا کی نماز ہمیشہ ہی طویل ہوتی تھی، آج کہیں زیادہ طویل ہوگی۔ گھر سے نکل، مسجد میں جا، جماعت کے ساتھ بیس بیس رکعتیں، اور ہر ہر رکعت تمامی طویل، آج ہر روز ادا ہوگی! —— یہ ہے امیر و غریب ہر مسلمان، لشکر اسلام کے ہر سپاہی کا عمل، خوشگوار، اور تازہ دم کر دینے والا پروگرام پورے مہینہ بھر کے لیے! سستی، کاہلی، اور بدہمتی کا اسلام کے اندر گزر کہاں؟

بدر، اُحد، حنین، خیبر کے معرکوں کو چھوڑیے، پلیونا کی جنگ تو ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا، اسلام کے شیردلوں اور عالی ہمتوں کو مٹھی بھر ضعیف و ناتوان سپاہیوں کو لڑائی پڑی تھی۔ ترک، غازی عثمان پاشا کی قیادت میں، قلعہ میں گھر گئے، زبردست دشمن قوت نے محاصرہ کر لیا، رسد ختم، اور باہر کا ہر راستہ مسدود، ان بھوکے شیروں کی ہمت اور بے جگری میں ذرا فرق نہیں۔ لڑائی ختم ہوتی ہے، اور اعتراف اپنوں کی زبان سے نہیں، دشمنوں کی زبان سے شائع ہوتا ہے کہ ترک جو دن بھر روزہ رکھ کر لڑنے کے عادی تھے، یہ انہیں کا کام تھا، جو یوں فاقے کر کر کے مقابلہ کرتے رہے! —— نفس کی اصلاح و ضبط کا، اور قومی عزم و ہمت کی بیداری کا، زندگی میں ایک نئی روح پھونک دینے کا، گرم گرم خون کی نئی لہریں دوڑا دینے کا [illegible]

ہمارے ہاں موجود اسکے مقابل کا کوئی اور، نہ کسی قوم واسطے میں موجود، نہ کسی اور مذہب و ملت میں۔ اور ہم ہیں کہ اس نعمت کی ناقدری پر ہر پہلو سے تُلے ہوئے!

اُردو کا ایک خادم

(۱) ۱/۲ لاکھ الفاظ ہندوستان کی مشترک و عام زبان اردو کے جو اردو نثر و نظم میں رائج ہیں۔
(۲) ۸۰ ہزار الفاظ عربی و فارسی کے جو اردو میں رائج ہیں، یا چلے ہوئے ہیں۔
(۳) ۱۵ ہزار الفاظ جدید عربی کے جو عصری ضروریات نے پیدا کردیے ہیں۔
(۴) ۱۵ ہزار الفاظ جدید فارسی کے جو ایک صدی کے اندر اس میں داخل ہوئے ہیں۔
(۵) ۱۰ ہزار الفاظ سنسکرت کے جو اردو میں مروج ہیں۔
(۶) ۵ ہزار الفاظ انگریزی، ترکی وغیرہ کے اردو میں چلے ہوئے ہیں۔
(۷) ۱۵ ہزار تمثیلیں، کہاوتیں، فارسی اور اردو کی۔
(۸) ۴۰ ہزار تاریخی، جغرافی وغیرہ مخصوص اسماء۔

حسب روایت، تیہرو کن، یہ تقریباً ۳ لاکھ ۱۰ ہزار کا فرہنگ، جس میں ایک ایک لفظ کی حقیقت لغوی و صرفی و نحوی پر بحث موجود ہے۔ قاموس الہند کے نام سے مصنف کی چالیس سال کی جانفشانی کا ثمرہ ہے۔ لیکن اردو کی قسمت، کہ قبل اسکے کہ تصنیف طبع و اشاعت پا سکے، خود مصنف کو سفر آخرت پیش آگیا۔ تصنیف کے نام اور خصوصیات کا اجمالی تعارف ہو چکا، مصنف —— آپ کو یقین آئیگا —— مسلمان نہیں، بلکہ ایک ہندو تھے! اور نام، راجہ راجیشور راؤ اصغر تھا۔ اردو کے خادموں اور ہوا خواہوں کی آبادی میں، مسرت و ماتم کا موقع اس سے بڑھ کر اور کونسا ہوگا!

عورت کا مرتبہ

"زمانہ کی غلط روش نے ہماری توجہ کو تعمیری مسائل سے ہٹا کر غیر ضروری امور کی جانب مرکوز کر دیا۔ ہم عرصہ تک مردوں پر اپنی فوقیت، مخلوط تعلیم اور بے حجابی جیسے بے معنی مسائل میں الجھے رہے۔ کورانہ تقلید نے ہماری مقدس معاشرت کو داغدار بنا دیا۔ مدارس اور جامعہ کی زندگی نے طالبات کو فیشن سے قریب اور فرائض سے دور کر دیا۔"

"ہم اپنے موجودہ ماحول میں زرق برق لباس کی رنگینی اور زیورات کی بڑی خوبی کیساتھ نمائش کر سکینگی۔ لیکن ہم بہت جلد اس انمول جوہر کو کھو دینگی جو طبقۂ نسواں کا طرۂ امتیاز ہے۔ جو اوصاف حیا و عفت، ایثار، احترام، مذہب اور اسلام کے نام پر جان نثاری کے ہم میں موجود ہیں، وہ صدیوں کی دلسوزی اور جانکاہی کی پیداوار ہیں اور ملک و قوم کی آبرو ہے۔ انکی حفاظت خود ہمیں کا دینی فرض ہے۔" (تقریر صدارت جلسہ "یوم خواتین" مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد دکن)

یہ کیسا دنیا ڈسی پیرزالوں اور مردہ دل بوڑھیوں کا زنانہ جلسہ تھا، کہ نہ مردوں کو شوہر .... رہنے کے "مظالم" پر شرم اور غصہ کے نعرے لگائے، نہ آسمانی چیلنج پر چیلنج دیے گئے، نہ ختم نبوت کو اپنی بہادری کے اعلان کیے گئے، نہ پردہ پر آوازے کسے گئے، نہ شوہروں اور والدین پر لعنت بھیجی گئی! بلکہ تجویزیں جو جلسہ میں منظور ہوئیں وہ یہی کہ عورتیں اپنے مسرفانہ رسوم کو ترک کریں۔ اسلامی سادگی اختیار کریں، وغیرہ! اور خطبہ صدارت ارشاد ہوا تو اسکے اندر بھی یہی، کہ مخلوط تعلیم اور بے حجابی "بے معنی" مسائل ہیں، اور عورت کا طرۂ امتیاز "حیا، عفت، ایثار، اور دین کے نام پر جان نثاری" ہے! دنیا "یونیورسٹی ایجوکیشن" پر جان دے رہی ہے اور محترمہ صدر صاحبہ یہ ارشاد فرماتی ہیں کہ جامعہ کی زندگی عورت کو فیشن سے قریب اور فرائض سے دور کر رہی ہے! زنانہ کانفرنسیں دنیا میں کہیں اس طرح بھی ہوتی ہیں؟ خاتون موصوفہ گویا کہنا یہ چاہتی ہیں کہ آج کی دنیائے نسواں زرق برق جھلملاتی ہوئی ساڑیوں، نیم لباسیوں، بلکہ بے لباسیوں کو چھوڑ چھاڑ پھر لوٹ جائے سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے دور کی طرف! —— ان خیالات و جذبات کی عورتوں کو کیا حق ہے آج عورتوں کی نیابت اور نمائندگی کرنے کا، بلکہ خود عورت بنے رہنے کا؟

ایک پیام

دکن کی مشہور و معروف مجلس اتحاد المسلمین کا سالانہ اجلاس ابھی حال ہی میں منعقد ہوا تھا۔ کارکنوں کی طرف سے حسب دستور مجالس "پیام" طالب ہوا تھا۔ جواب میں ذیل کا معروضہ بھیجا گیا۔ اور جلسہ میں پڑھکر سنایا گیا:—

"آپ کی مجلس، ماشاء اللہ، اب ان حدود سے گزر چکی ہے کہ کسی بیرونی حوصلہ افزائی کی محتاج ہو، جماعتوں کی رہنمائی عموماً پست اور پس اندہ سمجھی جاتی ہے، لیکن آپ نے اپنی زندگی میں جس احساس صحیح، جس ولولۂ عمل، جس جوش و ہمت، جس ہمت و ثابت قدمی، جس نظم و ضبط و اطاعت امیر کا ثبوت عملاً ہم پہونچا دیا ہے، وہ تو ہم سب باہر والوں کے حیرت انگیز بھی ہے، مسرت خیز بھی، باعث رشک بھی، قابل تقلید بھی۔

ہم آپ کو کیا پیام دینگے، اُلٹے خود آپ کی دعاؤں کے محتاج ہیں۔ اللہ آپکے جذبہ اخلاص کو مزید ترقی دے، اور آپ کے حب ایمان کو مزید استحکام عطا کرے۔"

فرسودہ خیال لڑکے

"لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کے طلبہ کی مجلس میں کل شب کو مباحثہ تعدد ازدواج پر ہوا۔ لاسوسائٹی (بزم قانون) کی یہ پہلی مجلس تھی۔ موضوع تھا "تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع ہو جانا چاہیے"۔ صدر جلسہ ایک خاتون مسز ...... صاحبہ تھیں، تحریک پیش کی، ایک مسلمان طالب علم ...... نے۔ انھوں نے کہا کہ یہ رسم دور وحشت کی یادگار ہے، جب مرد پر شہوانیت کا غلبہ تھا، اور عورت کو جبرے اپنا مطیع بنانے ہوا تھا۔ اور اگر شوہر کو اختیار رہے کہ ایک سے زائد بیویاں رکھے، تو کیوں نہ بیوی کو ایک سے زائد شوہروں کی اجازت ہو؟ جواب میں تقریر ایک انگریز مسٹر ...... نے کی۔ انھوں نے کہا کہ محرک کے دلائل بہت ہی

قرآن بحیثیت کلام الرحمٰن

نگار کے مغالطوں کا جواب

(مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ ایڈیٹر رسالہ الفرقان کے قلم سے)

(سلسلہ صدق ۹۹۲)

چونکہ حامیہ اس جواب کی بنیاد کلام نفسی کے قدیم اور کلام لفظی کے حادث و مخلوق ہونے پر ہے اور آئندہ نمبروں میں بھی ہم کو اسی اصول سے کام لینا ہے اس لیے یہ واضح کر دینا بھی ہمارا فرض ہے کہ یہ نظریہ ہمارا اپنا اختراع نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے مشہور مسلمات سے ہے۔ کتب کلام کی صدہا تصریحات میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

شرح عقائد نسفی میں ہے "التحقیق ان کلام اللہ اسم مشترک بین الکلام النفسی القدیم ومعنی الاضافۃ کونہ صفۃ لہ تعالیٰ وبین اللفظی الحادث المولف من السور والآیات ومعنی الاضافۃ انہ مخلوق اللہ تعالیٰ"

اور مسامرہ شرح مسایرہ میں اسی کلام کے بارے میں اہل سنت کے مخالف فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"ومنہم المعتزلۃ قالوا کلامہ تعالیٰ اصوات وحروف یخلقہا فی غیرہ کاللوح المحفوظ وجبریل والرسول وہو حادث عندہم ..... وہذا الذی قالتہ المعتزلۃ لا ننکرہ نحن بل نقول۔ ونسمیہ کلاماً لفظیاً ولکنا نثبت امراً وراء ذلک وہو المعنی القائم بالنفس"

اور عارف جامی نے کلام نفسی کی قدامت اور کلام لفظی کے حدوث کے اس مسئلہ کو لباس اور صاحب لباس کی تمثیل سے حل کیا ہے۔ مثنوی سلسلۃ الذہب میں مسلک اہل سنت کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گر کلام حق گر اں چوں معتزلی　　لایزال اش دال و لم یزلی

حرف و صوت اند او بود حادث　　می شود نیست چوں دوال لایث

باشد آں پیش عقل خورده شناس　　مر کلام قدیم را چو لباس

و بدم چوں شود لباس بدل　　شخص صاحب لباس را چہ خلل

اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات میں ایک جگہ بھی لباس کی مثال دے کر مسئلہ کو اس طرح سمجھاتے ہیں

"قرآن کلام خدا است جل سلطانہ کہ لباس حرف و صوت در آورده بر پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام منزل ساختہ است و عباد را بآں امر و نہی فرمودہ چنانچہ ما کلام نفسی خود را بتوسط کام و زبان در لباس حرف و صوت در آورده ظاہر می سازیم و مقاصد خفیہ خود را بعرصہ ظہور می آریم ہم چنیں حضرت حق سبحانہ کلام نفسی خود را بے توسط کام و زبان بقدرت کاملہ خود لباس حرف و صوت عطا فرمودہ بر عباد فرستادہ است و اوامر و نواہی خفیہ خود را در ضمن حرف و صوت آورده بر منصہ جلوہ داده است"

دوسری جگہ ایک اور مکتوب میں کلام نفسی کی قدامت اور کلام نفسی کے حدوث کے اسی مسئلہ کو اس طرح صاف فرماتے ہیں۔

"و الحال کہ تبلا حق افکار منقح شدہ است کہ محل نزاع اگر ترد و کلمات اند کہ دوال اند بر کلام نفسی شک نیست کہ حادث اند و مخلوق و اگر مدلولات مراد باشند قدیم و غیر مخلوق است"

ایک اور مکتوب میں اس سے زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ فرماتے ہیں:

"حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ از شجرۂ مبارکہ کلام حق شنید جل سلطانہ نسبت آں کلام بحق جل سلطانہ ہمچو نسبت مخلوق بود بخالق و ہمچو نسبت کلام بمتکلم و ہمچنیں کلامیکہ از حضرت جبریل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام شنید نسبت آں کلام بحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہمچو نسبت مخلوق بود بخالق غایت ما فی الباب ایں کلام نیز کلام حق ست جل سلطانہ و منکر آں کافر و زندیق گویا کلام حق مشترک است درمیان کلام نفسی و کلام لفظی کہ بے توسط امرے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایجاد آں فرماید و ایں کلام لفظی نیز بحقیقت کلام حق باشد جل و علا ایں نا چار منکر آں کافر بود"

ان عبارات سے مندرجہ ذیل امور بصراحت ثابت ہوئے

(۱) کلام الٰہی کا اطلاق کلام نفسی پر بھی ہوتا ہے اور کلام لفظی پر بھی

(۲) کلام نفسی قدیم اور ذات حق کے ساتھ قائم ہے اور کلام لفظی حادث و مخلوق ہے۔

(۳) کلام لفظی حادث و مخلوق ہونے کے باوجود اس معنی کر کلام الٰہی ہے کہ حق تعالیٰ ہی بلا واسطہ اس کا موجد ہے اور اسکی تالیف و تنزیل اسی کی طرف سے ہے اور اسی لیے جو شخص اس کلام لفظی کے بہ ایں معنی کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے وہ کافر و زندیق ہے۔ بلکہ عرف عام اور علیٰ ہذا عام دینی محاورات میں تو قرآن اور کلام الٰہی سے عموماً یہی "کلام لفظی" مراد ہوتا ہے کیونکہ احکام "تکلیفیہ" کا تعلق اسی سے ہے اور اسی کا کلام الٰہی ہونا امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور اسکے کلام الٰہی ہونے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا مخلوق ہے یا اسکی مرضی و منشا اور اوامر و نواہی پر اسکی دلالت ہے بلکہ اس کو کلام الٰہی اس خصوصیت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسکی نظم و عبارت کی تالیف و ایجاد بھی بلا واسطہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

علامہ قوشجی شرح تجرید میں فرماتے ہیں۔

"لا نزاع فی اسم القرآن وکلام اللہ تعالیٰ بطریق الاشتراک علیٰ ہذا المؤلف الحادث وہو المتعارف عند العامۃ والقراء والاصولیین والفقہاء والیہ ترجع الخواص التی ہی من صفات الکلام ... اللفظیین علیہ لیس بمجرد انہ دال علیٰ کلامہ القدیم حتیٰ لو کان مخترع ہذہ الالفاظ غیر اللہ تعالیٰ لکان ہذا الاطلاق بحالہ بل لان لہ اختصاصاً آخر بہ تعالیٰ وہو انہ اخترعہ"

پھر یہی علامہ قوشجی یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قرآن پاک کے جو مخصوص الفاظ و عبارات میں مصاحف میں لکھا جاتا ہے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرے اور اسکو کسی انسان کی تالیف قرار دے وہ مسلّم طور پر کافر اور خارج از اسلام ہے۔ فرماتے ہیں

"ومن انکر کلامیۃ ما بین دفتی المصحف انما کفر لو اعتقد انہ لیس کلام اللہ تعالیٰ بمعنیٰ انہ من مخترعات الغیر"

بہر حال نیاز صاحب کے اس پہلے مغالطہ کے جواب میں ہم نے جو کچھ یہاں کہا ہے وہ متکلمین کی تصریحات اور اہل سنت کے مسلمات ہی کی بنا پر کہا ہے اور کتب کلام وغیرہ کی جو عبارات ہم نے اس ذیل میں پیش کی ہیں وہ صرف اسی مقصد کے لیے —— لہذا کسی صاحب کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ ہم نے یہ عبارات نیاز صاحب کو قائل کرنے کے لیے بطور دلیل و حجت کے پیش کی ہیں - ہم جانتے ہیں کہ علماء سلف کے ارشادات سے ان پر حجت نہیں قائم کی جا سکتی اور جب "قرآن" بھی انکے نزدیک معاذ اللہ اساطیر الاولین ہے تو بیچارے "علماء سلف" کی کیا حقیقت! ان عبارات کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہی ظاہر کرنا ہے کہ نیاز صاحب کے جواب میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف "دفع الوقتی" اور "جوابدہی" کے لیے ہمارا اپنا اختراع اور ہمارے ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ علمائے کلام اور ائمہ عقائد یہ سب کچھ پہلے ہی لکھ چکے ہیں -

نگار:- (۲) "اگر قرآن شریف نام ہے ان الفاظ یا حروف کا، جو کاغذ پر منقوش ہوتے ہیں، جو پریس کے ذریعہ سے چھاپے جاتے ہیں اور جو انسان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں، تو کلام مجید کا ہر نسخہ کلام خداوندی ہے، اور جو نسخہ ان میں سے ضائع ہو جائے اسکے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا کلام ضائع ہو گیا!"

الفرقان:- اوپر کے جواب میں بتلایا جا چکا ہے کہ جو قرآن شریف کاغذ پر لکھا جاتا یا پریس میں چھاپا جاتا ہے اور جو تلاوت کے وقت ہماری زبانوں سے ادا ہوتا ہے وہ درحقیقت نقل و حکایت ہے اس "کلام الہی لفظی" کی جس کی حقیقت اوپر واضح کی جا چکی ہے اور قرآن کے ان مکتوبہ یا مطبوعہ نسخوں کو اور علیٰ ہذا ہماری تلاوت کو جو قرآن مجید کہا جاتا ہے تو وہ اسی حیثیت سے، اور یہ بلا تشبیہ ایسا ہی ہے جس طرح کہ ہم دیوان غالب کے ہر نسخہ کو خواہ وہ کسی شخص کے قلم سے لکھا یا کسی پریس کا چھپا ہوا ہو "دیوان غالب" ہی کہتے ہیں —— اب اگر دیوان غالب کا کوئی نسخہ ضائع ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ غالب کا کلام ہی ضائع ہو گیا - اسی طرح قرآن پاک کے کسی نسخہ کے تلف ہو جانے سے "کلام الہی" کے ضائع ہو جانے کا نتیجہ نکالنا نیاز ہی جیسے "ارباب علم و دانش" کا کام ہو سکتا ہے -

"نگار" (۳):- اگر قرآن پاک خدا کا کلام ہے تو اسکی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا اسکو خدا کی عین ذات تصور کیا جائے یا صفات خداوندی میں شامل کیا جائے قرآن کو خدا کی عین ذات نہیں کہہ سکتے، یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن خدا ہے اور خدا قرآن ہے اس لیے لامحالہ اسے "صفت ربانی" ماننا پڑیگا لیکن چونکہ خدا کی صفت اسکی ذات سے جدا نہیں اس لیے یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ الفاظ یعنی عربی زبان بھی خدا کی طرح قدیم ہے"

الفرقان:- نیاز صاحب کے آخری خط کشیدہ فقرہ سے ظاہر ہے کہ یہاں "قرآن پاک" سے انکی مراد "کلام لفظی" ہی ہے جو عربی زبان میں

دوسرے درجہ کے "کلام نفسی" کی تعبیر ہے اور عرف عام میں اسی قرآن کو کہا بھی جاتا ہے - اور ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ حادث و مخلوق ہے اور "کلام نفسی" جو قدیم اور قائم بذاتہ تعالیٰ ہے وہ از قبیل الفاظ ہی نہیں چہ جائیکہ اسکو عربی یا عجمی کہا جا سکے لہذا عربی زبان کا قدیم ہونا کسی طرح بھی لازم نہیں آ سکتا -

عقائد کی مشہور کتاب مسامرہ شرح مسایرہ میں صراحۃً مرقوم ہے -

"ان کلامہ النفسی .... ولا یوصف بانہ عبری ولا سوری ولا عربی انما العبری والسوری والعربی ہو اللفظ الدال علیہ"

یعنی "کلام نفسی" عربیت یا عبریت یا حبشیت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا، عربی یا عبرانی یا سوڈانی تو وہ الفاظ ہوتے ہیں جو کلام نفسی پر دال [illegible]

"نگار" (۴) اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "نطق خداوندی" ہے جو جبریل کے ذریعہ سے آنحضرت تک پہونچایا گیا ہے تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ رسول اللہ نے بھی [illegible] اسی طرح نطق کیا تھا جس طرح خدا نے کیا تھا یا ہم لوگ بھی اسی طرح اسکو ادا کرتے ہیں جس طرح خدا نے ادا کیا تھا، گویا رسول اللہ اور ہم سب اس صفت میں خدا کے مماثل قرار پائیں گے - جو بالکل محال ہے"

الفرقان:- جی! کس نے آپ سے یہ تسلیم [illegible] کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "نطق خداوندی" ہے - ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ الفاظ قرآن یا بالفاظ دیگر "کلام لفظی" کو "کلام الہی" اس حیثیت سے کہا جاتا ہے کہ انکی ترتیب و تنزیل بلا واسطہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی بلا توسط کسی [illegible] کے انکا خالق و موجد ہے -

اور حق تعالیٰ کے لیے جو "صفت کلام" ثابت کی جاتی ہے [illegible] "متکلم" مانا جاتا ہے تو اسکا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی نہیں [illegible] ہماری طرح کلام وہ منہ سے بولتا ہے اور آلات نطق [illegible] جس طرح اسکی دوسری صفات مثلاً علم و سمع و بصر [illegible] کہ وہ بلا کانوں کے سنتا اور بلا آنکھوں کے دیکھتا اور بلا دل و دماغ کے علم محیط رکھتا ہے اسی طرح اس کی صفت کلام "بھی کام و دہن سے بے نیاز ہے" سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ "فقہ اکبر" میں ارشاد فرماتے ہیں

وصفاتہ کلہا بخلاف صفات المخلوقین یعلم لا کعلمنا و یقدر لا کقدرتنا و یری لا کرؤیتنا و یتکلم لا ککلامنا و یسمع لا کسمعنا نحن نتکلم بالآلات والحروف واللہ سبحانہ یتکلم بلا آلۃ و حروف۔

یعنی حق تعالیٰ کی تمام صفات حقیقت کے لحاظ سے ہماری صفات سے بالکل مختلف ہیں، اسکا علم، اسکی قدرت، اسکا دیکھنا اور سننا ہمارے علم، ہماری طاقت اور ہمارے دیکھنے سننے سے بالکل مختلف الحقیقت ہے گویا کہ اشتراک اسمی کے سوا دونوں میں کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں اور یہی حال "صفت کلام" کا ہے کہ ہم آلات اور حروف کے ساتھ تکلم کرتے ہیں اور خدا کا تکلم "بلا آلات اور بغیر حروف ہے"

بہر حال قرآن پاک کو "کلام خدا" ماننے کی وجہ سے جیسا کہ سلف کا عقیدہ ہے کسی طرح بھی خدا اور بندہ [illegible] مماثلت و مشابہت لازم نہیں آتی

حسب ذیل کی چند سطور شائع ہوئی ہیں :

"جب وہ (یعنی نیاز فتحپوری) ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے، کتب خانے کی ایک الماری میں قرآن مجید کے ایک نسخہ کو رکھا ہوا دیکھ کر انھوں نے تمسخر اور جاہلانہ غرور سے قرآن مجید کی طرف اپنی چھڑی سے اشارہ کرکے ایک دوست سے کہا کہ اگر اس فرسودہ کتاب کے بجائے موسیقی کی کوئی کتاب رکھی جاتی تو وہ زیادہ بہتر ہوتی"

ہم اس کلمہ اس پر اسکے سوا کیا کہیں کہ علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ بڑے ہی بے حیا ہیں وہ مسلمان جو اس شخص کا رسالہ خریدتے ہیں اور اللہ اور رسول کی توہین میں تعاون کرتے ہیں۔ (انقلاب)

مقاطعۂ نگار

رسالہ نگار لکھنؤ کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری اور ان کی خصوصیات سے کم لوگ ناواقف ہوں گے۔ اسلامیات کے ساتھ اُن کا تمسخر یا اُن کے ساتھ شیطان کا تمسخر بھی اکثر حضرات کو معلوم ہوگا۔ ایک مرتبہ آپ ملت کے دباؤ سے مجبور ہو کر اپنی ان حرکات سے بزدلانہ اور منافقانہ توبہ بھی کر چکے ہیں اور اسکے بعد اگرچہ یہ توبہ توڑی بھی جا چکی ہے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے آپ نے مذہب اور مذہبیات کو اپنے دائرہ بحث سے خارج ہی کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس طرز عمل نے اُن کے کاروبار پر برا اثر ڈالا اور جو دشمنان اسلام "نگار" کو صرف اس لیے خریدتے تھے کہ اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ایک مسلمان کہلانے والے کے قلم کے تیار کیے ہوئے کچھ اسلحہ اُس[1] سے ملیں انھوں نے اس کی خریداری سے دستکشی کر لی۔ اس لیے اب انھوں نے اسلام کو پھر تختۂ مشق بنانا شروع کیا ہے اور جون کے نگار میں ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے اپنی اس "تحقیق" کا اعلان کیا ہے کہ

"کلام مجید کو میں نہ کلام الٰہی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"

اگرچہ ایسا خیال رکھنے والے دنیا میں کروڑوں موجود ہیں لیکن وہ علانیہ اپنے کو نامسلمان کہتے ہیں۔ لیکن یہ منافق یا مرتد اس اعلان کے باوجود اپنے کو ابھی تک مسلمان ہی کہتا ہے اور بدقسمتی سے مسلمان سوسائٹی ہی کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے۔ افسوس اس دور الحاد میں مسلمان اتنا بے بس ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس قدر سخت بغاوت کرنے والے کو اسلامی برادری سے خارج کرنا بھی اس کے بس میں نہیں چہ جائیکہ کیفر کردار کو پہنچانا۔ (الفرقان بریلی)

---

[1] اس اجمال کی شرح "نگار" کے اُس اشتہار کے مضمون سے معلوم ہو سکتی ہے جو کبھی کبھی تیج وغیرہ ہندو اخبارات میں شائع ہوتا ہے۔

مراسلات

مغرب زدوں کے گھر کی آواز

۱۵- ربیع الاول کو ایک مختصر سا مقالہ الفتح ہفتہ وار جریدہ میں شائع ہوا ہے جس کا عنوان فاضل مضمون نگار نے "تہذیب جدید و [illegible]" رکھا ہے یعنی یورپ زدہ حضرات گوش بر آواز ہو کر سنیں۔ کیونکہ یورپ کی مادیت و مرعوبیت دلوں پر اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ اپنوں کی باتیں ان کے نزدیک صدائے بازگشت سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں اور اس وقت تک بات اثر نہیں کرتی جب تک ان کا امام اعظم فرنگستان حکمت نشان اسکو [illegible] اشارہ نہ کرے اور انکو یہ نہ بتا دے کہ یہ چیز تو ہمارے [illegible] بھی کھو چکے [illegible] عمل ہے۔ فاضل مضمون نگار نے [illegible] یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر لغات ایشیا ڈاکٹر [illegible] جرمانوس کا قول نقل کیا ہے۔ آپ نے مصر سے [illegible] کسی یومیہ اخبار کے نمائندہ سے فرمایا ہے "[illegible] اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اس وقت تمام عالم کو موجودہ سیاسی کشمکش اور الجھاؤ سے نجات دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت عام طور پر مادیات کا غلبہ [illegible] یورپ تو اسکے پیش پیش ہے۔ [illegible] تمام [illegible] اور [illegible] شیرنی کی طرح جنگ و جدال کی حرص بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے اور ہر ایک دوسرے کو سرنگوں اور زیر بار کرنے کے لیے [illegible] تیار [illegible] اسلام ببانگ دہل کہتا ہے کہ کسی کو کسی پر [illegible] فضیلت نہیں اور [illegible] مادی تفوق ہی کوئی چیز ہے۔ تمام روئے زمین کے باشندے باہم بھائی بھائی ہیں اور ایک کو دوسرے پر اس وقت تک [illegible] حاصل نہیں جب تک کہ وہ عمل صالح کے جامہ میں ملبوس نہ ہو۔

آپ نے اسلام کے نظریہ کو اپنی زبان سے یوں بیان کیا ہے "انسان اور حیوان کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہے کہ انسان اپنی [illegible] طاقت کی بنا پر حکومت کرتا ہے اور حیوان مادی طاقت کے ذریعہ اپنا سکہ جماتا ہے اور موجودہ تمدن کی بنیاد تمام تر مادی تفوق اور غلبہ پر ہے۔ یورپ اور اہل یورپ کا عام نظریہ ہے کہ مادی وسائل کے ذریعہ حکمرانی کی جائے۔ بس یہی چیز ہے جو مغربی تمدن کو عرصہ سے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے"

سُن لیا آپ نے اپنے پیش روؤں میں سے ایک کا قول۔ واہ رے تہذیب نوی۔ کل تک تو صاحب اسلام اور انکے بنائے ہوئے آئین سے انکار تھا مگر آج اسی پر جان قربان کرنے کو تیار۔

فضل الرحمن سیوانی - مدرسہ [illegible]

گزارش

جن صاحبان کی خدمت میں ختم میعاد چندہ کی اطلاع دی جا چکی ہے انکی خدمت میں گزارش ہے کہ آئندہ سال کے لیے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ ورنہ انکی خدمت میں وی پی روانہ ہوگا۔

مہتمم

شراب اور افیون

(از مولانا محمد طاہر قاسمی - دیوبند)

میکشی و مے نوشی سے جس قدر بے حجابی و بے حسی پیدا ہوتی ہے اور نفس کا تزکیہ ہونے کے بجائے جس قدر اسکی شرارت میں اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان میں اور جانوروں میں پھر کوئی فرق باقی نہیں رہتا، اس کا اندازہ شرابیوں سے ہو سکتا ہے کہ یہ حالت بادہ نوشی انسان کو اپنی ماں اور بہن اور بیوی کا فرق ملحوظ رہتا ہے نہ اسکو عزت و آبرو کا خیال کچھ رہتا ہے۔ بار بار بکواس کرتے پھرنا اور قسم قسم کی گندگیوں سے ملوث رہنا ہر ایک جگہ منہ کالا کر لینا یہ اسکے آثار و خواص ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں ہے کہ بعض اسلامی بادشاہوں کے دور میں بھی بادہ خواری ہوئی ہے اور اس وقت کے بعض امراء میں بھی یہ بری عادتیں موجود تھیں جسکے خمیازے انھوں نے بھگتے لیکن آج تو شراب خواری کو ملکیت کی باضابطہ حمایت حاصل ہے۔ بڑے بڑے طبقوں میں شراب خواری قمار بازی ناچ رنگ داخل تہذیب ہے۔ آج کوئی پارٹی کوئی ڈنر کوئی مجلس کوئی ہوٹل شراب خواری سے خالی نظر نہیں آتا۔ اور یہ وبا انگریزی تمدن کا جزو اعظم بن چکی ہے حکومت کی بنیاد میں آج جوئے اور شراب پر قائم ہیں۔ چنانچہ حکومت ہند کو صرف محکمہ آبکاری سے ستر اٹھارہ کروڑ روپیہ سالانہ حاصل ہوتے ہیں اور شراب کا ایک مستقل محکمہ اسی کی ترقی و استحکام کے لیے قائم ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیں کہ جب سرکاری حکام کا یہ فرض منصبی ہو جائے کہ وہ شراب کا محصول جمع کرنے پھریں اور ہزاروں اشخاص کی روزی کا دار و مدار ہی بادہ خواری سے وابستہ ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اسکے بعد ترک شراب کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آمدنی جو عرض کی گئی ہے یہ تو حکومت کو صرف شراب سے سالانہ حاصل ہوتی ہے۔ باقی افیون سے جو لاتعداد نفع حکومت کو حاصل ہوتا ہے وہ علاوہ ازیں ہے۔

ایک امریکن خاتون کا بیان ہے کہ افیون کی تجارت سے ہر سال ہندوستانی خزانہ کو تیس بتیس لاکھ پونڈ روپیہ حاصل ہوتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ افیون کا زہر کس قدر انسانوں کو سالانہ موت کے گھاٹ اتارتا ہے افیون کا بہت بڑا مرکز چین ہے۔ چین میں افیون خانوں کا رواج ایسا عام ہے جیسے ہمارے ایک شہر میں چائے کے ہوٹل عام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چین کی کثیر آبادی چنڈو کی بری عادت کی وجہ سے ہمیشہ مایوسی اور موت کا شکار رہتی ہے۔ اس بارے میں ایک امریکن خاتون مس لاموٹ کا بیان ملاحظہ ہو جس نے نشلی اشیاء کی تحقیقات نہایت کاوش سے کی ہیں۔ وہ کہتی ہے میں تحقیقات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ افیون کی تجارت کا ایک مکمل محکمہ ہندوستان [illegible] کی حالت میں قائم ہے۔ افیون پر ٹیکس لگا کر افیون فروخت کرنے والوں سے لائسنس [illegible] فیس وصول کرکے منافع حاصل کیے جاتے ہیں اور ہندوستان میں اسکا باقاعدہ انتظام ہے۔ مغربی سلطنتوں میں تو ایسی مضر اشیاء کو ہر ممکن طریقہ سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن مشرق میں ان ملکوں کا ان سے مستثنٰی ہیں جن [illegible] قلیاں جو افیون وغیرہ مضر اشیاء سے اپنی رعایا کی حفاظت کرتے ہیں۔ ورنہ چین اور ہندوستان میں تو افیون کی تجارت کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے ہانگ کانگ جسکی آبادی پانچ لاکھ ہے وہاں پندرہ کروڑ آدمیوں کی طبی ضروریات کے لیے سالانہ افیون بھیجی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتنی افیون کا کیا کیا جاتا ہے۔ خفیہ طور پر افیون بھیجی جاتی ہے۔ سیلون جسکی آبادی اسّی ہزار ہے۔ یہاں افیون ہانگ کانگ سے بھی زیادہ مقدار میں بھیجی جاتی ہے۔ یہ بھی انھیں خفیہ مقاصد میں صرف کی جاتی ہے۔ حکومت ہند نے ہانگ کانگ کی برطانوی حکومت سے افیون کی کثیر مقدار حاصل کرنے کا ٹھیکہ پانچ سال کے لیے لیا ہے۔ جسکی تصدیق دارالامرا میں بھی ہو چکی ہے۔ ہانگ کانگ کی گورنمنٹ بھی اس مخفی تجارت سے انکار نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ اُسکی آمدنی کا انحصار ہی افیون کے ٹھیکوں پر ہے مس لاموٹ سنگاپور کے متعلق لکھتی ہے کہ سنگاپور ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً تین چار لاکھ ہے۔ یہاں پر زیادہ تر چینی لوگ آباد ہیں۔ اس شہر کی گلیاں خوبصورت ہیں، گھاٹ اور بندرگاہ بھی شاندار ہیں۔ ممالک شرقیہ کے کنارے پر یہ ایک شاندار شہر ہے۔ ہم نے معلوم کیا کہ اس شہر کی زیادہ تر آمدنی افیون کی فروخت، افیون کی دکانوں کے لائسنس اور چنڈو خانوں کی فیس سے ہوتی ہے۔ خریدار لوگ زیادہ تر چینی لوگ ہوتے ہیں (ماخوذ از رسالہ شراب اور افیون کے نقصانات مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

اس بیان سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ہندوستان میں افیون کی تجارت کس قدر ہے اور اسکے مہلک اثرات کیونکر ہندوستان میں تدریجی طور پر اپنا کام کر رہے ہیں۔ اس مضر تجارت کا حاصل اسکے سوا کیا ہے کہ ہندوستانی خزانہ افیون اور شراب کی تجارت سے بھرپور رہے۔ خواہ ہندوستان کے ہزاروں لاکھوں نوجوان موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتر جائیں۔ ایسے پُرخطر زمانہ میں جبکہ ہر طرف سے ان مہلک اشیاء کی عملی ترغیب جاری ہے اور انکے استعمال کے لیے ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہیں یہاں تک کہ شراب کے پینے والوں کو نئی تہذیب نے مہذب اور اعلیٰ سوسائٹی کا انسان قرار دیا ہے۔ ہندوستانیوں کو خود اپنے نفع نقصان کے سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور اپنے روپے کو کس کی جیب میں ڈال رہے ہیں اور اسکے معاوضہ میں کیا کیا خرابیاں اپنے لیے مول لے رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بری تجارت اور کون سی ہوگی کہ نفع دشمنوں کا ہوتا ہے اور اسکے عوض میں مکمل نقصان اپنے ہاتھ آتا ہے۔ دین تو ہاتھ سے جاتا ہی ہے مگر اسکے ساتھ دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے۔ خسر الدنیا والآخرۃ ذلک ہو الخسران المبین۔ (وحدت)

"منکرِ وحی سے خطاب"

اس عنوان سے صدق میں جو نظم نکلی تھی اُس سے متعلق یہ تصریح کاتب صاحب کی عنایت سے درج ہونے سے رہ گئی کہ نظم مذکور جناب آہر نے حیدرآباد دکن کے ایک جلسہ میں جسکا موضوع "قرآن کریم" تھا پڑھ کر سنائی تھی اور ایک ایک مصرعہ پر سامعین کے مجمع عظیم سے خراج تحسین حاصل کیا تھا۔ فصیح الدین صاحب معتمد دارالمطالعہ تاجیل احمد آباد نے نظم مذکور کو طبع کرا کے ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرایا، اور انھیں کے حسن توسط سے نظم مذکور صدق کو بھی موصول ہوئی۔ (آہر ثریا)

مذہب، کس تمدن میں رکھتی ہے؟ ـــــ اور آج ابلیس کی ہر ضرب کتنے مختلف اور خوشنما ناموں سے اسی تنظیم پر ہے! کہ جس وقت کسی فوج کا کا سطور Morale توڑ دیا، پھر اُسے زیر کر لینا، اُسکی صفوں کو زیر و زبر کر ڈالنا کام ہی کتنی دیر کا رہ جاتا ہے؟

ایک آیت کے مفہوم پر نظرِ ثانی

صدق مشمولہ "ایک آیت کا مفہوم" کے زیرعنوان شذرہ میں، سورۂ آل عمران آیت ۱۳ کے الفاظ وأخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رأی العین کا تشریحی ترجمہ یہ کیا گیا تھا کہ "دوسرا (گروہ) کافروں کا تھا جو دیکھ رہے تھے اپنے کو اُن سے (مسلمانوں سے) کئی گنا"۔ اس پر مولوی شاہد احمد خاں صاحب شروانی (ضلع علیگڈھ) نے اپنے خطوں میں توجہ دلائی ہے کہ آیت کا یہ ترجمہ یعنی یرون کا فاعل کافروں کو ٹھہرا کر ضمیر ہُم سے بھی کافر ہی مراد لینا مشہور مفسرین میں سے کسی کے قول کے مطابق نہیں۔ لہذا تصحیح طلب ہے۔ مفسرین نے یرون کا فاعل تو مسلمون کو ٹھہرایا ہے اور ہُم سے مراد کفار ہیں۔ اور یا اگر فاعل کافرون کو قرار دیا ہے، تو ضمیر ہُم سے مراد مسلموں سے لی ہے۔ ایک قول کے مطابق فاعل یہود ہیں۔

موصوف قابلِ شکریہ ہیں کہ اس توجہ سے صدق کی مداومت قرآنی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس باب میں اُنکی تلاش و تفحص اور کوشش اصلاح مزید شکریہ کی مستحق۔ اُنکا یہ فرمانا بھی صحیح ہے کہ عموماً مفسرین و مترجمین دوسری طرف گئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ناظرین صدق کو حق پہونچتا تھا کہ وہ عام متداول ترجمہ سے واقف ہو جائیں۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی عرض ہے، کہ کوئی ترجمہ جب تک قواعد زبان کے مطابق ہے اور کسی نصِ قرآنی یا حدیثی کے مخالف نہیں ہے، محض اس بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ پہلی بار کیا گیا ہے (اور مترجم کی شخصیت تو بالکل ہی ناقابلِ توجہ رہنی چاہیے)۔ مدیر صدق کی فہم ناقص میں بعد غور و تامل اب بھی ترجیح اُسی ترجمہ کو ہے۔ فعل یرون، فاعل کافرۃ سے بالکل متصل ہے۔ اسے یہاں سے ہٹا کر فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ سے جوڑنے میں کچھ نہ کچھ تکلف کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور پھر کم از کم ایک بلند پایہ و محقق زندہ مفسر کی تائید تو اس ترجمہ کو بھی حاصل ہے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں :-

"اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے (اور کافر اس قدر زیادہ تھے کہ) یہ کافر اپنے (گروہ) کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ (زیادہ) ہیں"

اور "فائدہ" میں لکھتے ہیں :-

"روایتوں میں آیا ہے کہ اس روز مسلمان تین سو تیرہ تھے۔ اور کفار ایک ہزار تھے۔ گویا کفار مسلمانوں سے تین حصہ تھے۔ اس آیت میں اسی کثرت کو بیان فرمایا ہے کہ کفار آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے کہ ہمارا گروہ زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی انجام دیکھ لیا!"

ساتھ ہی دوسرا ترجمہ یعنی "مسلمان دیکھ رہے تھے کافروں کو اپنے سے کئی گنا" بھی بالکل صحیح ہے۔ آیت کا جو اصل مقصود سیاق سے ظاہر ہوتا ہے (واللہ یؤید بنصرہ من یشاء، ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار) یعنی نصرتِ الٰہی کی زبردست قوت اور اہلِ بینش کے لیے سامانِ عبرت، یہ دونوں ترجموں سے یکساں حاصل ہے۔

تجدد کی رٹ

قلم تجدد رقم کا تازہ کلام :-

"آتا ترک کے ہزاروں عیب گنا نے کے بعد بھی اسکا کیا جواب ہے کہ اسی مسلمان فرنگی نے ملتِ اسلامی کے لیے اس وقت تلوار اٹھائی جبکہ ہندوستان میں سربستہ فتوے لکھے جا رہے تھے یا رزولیوشن پاس فرمائے جا رہے تھے، اور آج بھی ہم میں کہ اپنے خانقاہوں میں صرف "مقدس" سے تسبیح کا کام کر رہے ہیں۔ اصطلاحات کی ترازو میں "مقدس" اور تسبیح کو تولنے والے بزرگانِ ملت اپنے علم و فضل کی دولت سے صرف اپنی جانماز اور تسبیح کو تول رہے ہیں۔ وہ میدانِ جہاد اُنھوں نے کب دیکھا ہے جس میں ایک کافر کہلانے والا فرنگی مسلمان اپنی ملت کے لیے جان کی بازیاں لگاتا ہے"۔

بیشک، بیشک۔ تجدد کی دنیا میں آخر اس پرانی و دقیانوسی رسم کی گنجائش ہی کہاں کہ الفاظ اور معانی کے درمیان ربط قائم رکھنے کی بھی ضرورت ہے! کیا ہوا اگر "ملتِ اسلامی" کا "اسلامی" ہونا ہی نہیں ثابت ہوتا۔ "میدانِ جہاد" کا "جہاد" ہونا ہی معرضِ بحث میں رہ گیا، تجدد کی انشا و خطابت کے لیے یہ امر بس کرتا ہے، کہ ایک پیراگراف کے اندر "تلوار" اور "جہاد" اور "جان کی بازی" کے الفاظ تو اکٹھے کر دیے گئے، اور "جانماز" اور "تسبیح" اور "تقدس" اور "فتویٰ" پر طنز تو چند بار ہو گئے! ثبوت اور دلیل، معقول و منقول، استدلال و استنتاج اُف یہ سخت جان اور نامعقول دنیا ذرا سی بات نے چلے ہیں ان فرسودہ حربوں سے تجدد کو قائل کرنے! انھیں سوجھتا نہیں، کہ محرم میں پُرجوش تعزیہ دار کو کوئی آج تک قائل کر سکا ہے، کہ شہیدِ کربلاؓ کی تعلیم کو، عمل کو، شریعت کو ان بدعات و خرافات سے کوئی دور کا بھی تعلق ہے۔ یہ ساری جرح اس "پُرجوش مجاہد" کے سامنے کیسی لایعنی ہے! وہ صرف ڈھول پر زور سے چوب لگائیگا، اور اسی قوت سے اپنی چھاتی کوٹے گا، اور "تسبیح" و "جانماز" سے پیدا ہونے والے فتوے کے منہ پر حقارت سے تھوک دیگا!

کون کہتا ہے کہ "ڈھول نوازوں" اور "اسلام کے سچے اور حقیقی مجاہدوں" کے فیشن سے، ہندوستان کا آزاد و انداز خیال تجدد نواز محروم ہے؟

رہی مسلمان، کی تقسیم "فرنگی مسلمان" اور غیر فرنگی مسلمان میں تو یقیناً ایک شاہکار ہے تجدد کا۔ اور جب یہ راہ کھل گئی ہے، تو کیوں نہ اسی وزن و قافیہ میں اور بہت سی قسمیں بھی مسلمانوں کی ایجاد کر دی جائیں، مثلاً کافر مسلمان، مشرک مسلمان، عیسائی مسلمان، یہودی مسلمان، ہندو مسلمان، غیر مسلم مسلمان، ملحد مسلمان، اور شرط ایسے مسلمانوں کے لیے رکھی جائے نہ اسلام کی نہ ایمان کی، نہ توحید کی نہ قرآن کی، بلکہ صرف تلوار اٹھانے کی اور

"جان کی بازی" لگانے کی (خواہ وہ جس مقصد کے لیے بھی ہو) اور سب سے بڑھ کر "جانثار و مسیح" پر طنز و مضحکہ کی!

دنیائے شرک کی وسعت

"میرا دعویٰ ہے کہ امریکہ شمالی و جنوبی کے قدیم تمدن ہندوستان ہی کی قدیم ہندو تہذیب سے ماخوذ ہیں۔ ہندو اپنے زمانہ میں بڑے سیاح، بڑے جہاں گرد اور بڑے تاجر ہو چکے ہیں۔ اور اگر اسے نہ مانا جائے، تو کوئی توجیہ ان واقعات کی نہیں ہو سکتی، کہ امریکہ والے بھی معتقد ہیں ہندوؤں کی طرح چار یُگوں (زمانوں) کے۔ یہاں بھی ہندو گروکل کے نمونہ پر ایک نظام تعلیم موجود ہے، ہندو طرز کی پنچایت موجود ہے، چڑھاوے میں سوم (ایک قسم کے نشہ) کا وجود ہے۔ اندر، گنیش اور دوسرے ہندو دیوتاؤں کی پرستش ہوتی ہے، ہندوؤں ہی کی مذہبی رقاصی اور بچپن کی شادی اور غمی کے مراسم، یہاں تک کہ ستی کا رواج، اور دیوداسیوں کا وجود پایا جاتا ہے، نیز اور بھی بہت سی مماثلت افسانوں میں اور سیاسی و معاشری اداروں میں"

اقتباسات مشہور ہندو اہل قلم اور سیاسی، مسٹر چمن لال کی تازہ انگریزی کتاب ہندو امریکہ کے ہیں اور یہاں اُس کے تبصرہ مندرجہ اسٹیٹسمین (۲۶ اکتوبر) سے نقل ہوئے ہیں۔ مصنف کا دعوےٰ محض اتنا ہی نہیں، بلکہ باب اول و دوم کا عنوان ہی یہ سوالیہ جملہ ہے، کہ امریکہ کس نے دریافت کیا؟ اور سوال کا جواب یہ ہے کہ

"چڑھاوے کی وہ آگ جو ہمارے مورثوں نے پاتال دیش (امریکہ) میں جلائی تھی، آج تک لاکھوں کروڑوں امریکیوں کے سینہ کے اندر روشن ہے، اور وہ دن دور نہیں، جب آزاد ہندوستان امریکہ کو اپنے تہذیبی حلقہ کے اندر سمیٹ لیگا۔ کتاب کے بقیہ ابواب میں اس پر بسط و تفصیل سے بحث ہے۔ ایک باب امریکہ میں ہندو انسانوں کے لیے وقف ہے۔ میکسیکو، پیرو، ولایات متحدہ کی دیسی آبادی، سب ہی مثالیں اور نظیریں پیش کی گئی ہیں، اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسٹر چمن لال نے اُن قوموں اور ملکوں کی عمارتوں، اور آبادیوں کی جو تصویریں دی ہیں، وہ بالکل ہندوستان اور ہندوستانیوں سے ملتی جلتی ہوئی ہیں۔"

یہ سارا دفتر تحقیق بامعنی ہو یا بے معنی، صحیح ہو یا غلط، یہاں بحث اس سے نہیں۔ اس سے ثبوت اتنا تو بہرحال ہو جاتا ہے کہ شرک کی قلمرو کتنی وسیع ہے! یکساں رسوم مشرکانہ کس طرح سات سمندر پار ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور توحید کے نقطۂ نظر سے، امریکہ کا مہذب اور ہندوستان کا وحشی دونوں کس طرح ایک دوسرے کے ہمدوش و ہم سطح ہیں!

سرقات نیاز

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی معارف میں تحریر فرماتے ہیں

"فتنۂ نگار کی تردید میں متعدد مراسلے موصول ہوئے، لیکن انکی اشاعت سے اس لیے پرہیز کیا گیا کہ ان میں یہ سمجھا گیا کہ اس فتنۂ نگار کا سرشتہ کلامی بحثیں ہیں۔ حالانکہ اسکا منشاء عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کا سرقۂ محض ہے۔ انتہٰی"

ہے کہ کفر میں بھی اجتہاد نہیں۔ سید عبدالرحمن صاحب ایم اے رانچی سے لکھتے ہیں کہ مدیر نگار کے سرقات کی بڑی فہرست ان کے پاس موجود ہے، جسکو وہ شاید کسی وقت بھیجینگے۔"

صحیح تربیت

"نظام عمومیت (ڈیما کریسی) کی حفاظت کی خاطر میدان جنگ میں جانوں کی بازی لگانی پڑیگی، لیکن یہ فرض ادا کرنے والے کون لوگ ہونگے؟ وہ ہونگے، جنھوں نے اپنے بلوغ کا زمانہ ریڈیو پر فسانے سُن سُن کر اور اپنے ہاتھوں سے تصویریں بنا بنا کر گزارا ہو؟" (ریڈرس ڈائجسٹ نیویارک ستمبر سنہ ۴۸ء، ص۱۱)

نصیحت صدیوں پیشتر کے سعدی کی نہیں، سنہ ۱۹۴۲ء کے امریکی ڈاکٹر، نوبل پرائز پائے ہوئے نامور ماہر سائنس، راک فیلر انسٹیٹیوٹ کے شعبہ حیاتیات کے ڈائرکٹر، الکسس کیرل ایم ڈی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ نظام جمہوریت و عمومیت کی حمایت میں جان لڑا دینا فرض و واجب، لیکن اس فوج کے سپاہی بہتر کون سے ثابت ہو سکتے ہیں؟ وہ لوگ تو یقیناً نہیں، جن کی نوجوانیاں اس عالم میں گزرتی ہیں، کہ دن "جنت نگاہ" کے لیے اور راتیں "فردوس گوش" کے لیے وقف رہیں! اور پھر لکھتے ہیں کہ

"بچہ کو شروع ہی سے اپنے کام خود کرنے کا عادی ہو جانا چاہیے۔ چار برس کے بچہ کو اتنی عمر میں اپنے ہاتھ سے کپڑے پہننا، منہ ہاتھ دھونا، غسل کرنا، سب سیکھ لینا چاہیے۔ اگر بچہ خود یہ نہیں کر سکتا، تو اسکے والدین اُسے معاشرہ میں صحیح مقام حاصل کرنے کی تعلیم نہیں دے رہے ہیں۔ بچے جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں، انھیں اور زیادہ ذمہ داریوں کا خوگر بناتے رہنا چاہیے۔ دس برس کا بچہ اگر کھڑکی کا شیشہ توڑ ڈالے، تو یہ نہ کیجیے کہ شیشہ ساز کو بلا کر دوسرا لگوا دیجیے بلکہ اُسی بچہ سے کہیے، کہ خود اُسی ناپ کا شیشہ خرید کر لائے اور خود ہی لگائے .... بارہ برس کی لڑکی سے پورا کھانا تیار کرا لیجیے" (ص۱۵)

وغیرہ وغیرہ۔ خانگی اور معاشرتی زندگی سے متعلق ساری نصیحتیں اسی قسم کی ہیں —— ہمارے نوجوانوں کی قسمت میں، لڑکوں اور لڑکیوں کے نصیب میں امریکہ سے صرف فلم اور سنیما، پاؤڈر اور لپ اسٹک، بے حجابی، اسراف و نمائش ہی کا تحفہ لینا ہے، یا اس قسم کے خشک و بدمزہ نصائح پر بھی کبھی غور ہوگا؟

جرم پرور تہذیب

"میں اسے ثابت کر چکا ہوں، میرا مقصد اور دعویٰ یہ نہیں کہ ہندوستان اپنی آبادی کے تناسب سے کوئی بڑا جرائم پیشہ ملک ہے۔ نیویارک اور شکاگو دونوں اس باب میں عجب نہیں کہ اسکے استاد نکلیں، اور منظم جرائم میں تو یقیناً ہیں۔"

الفاظ کسی فرنگی یا امریکی تہذیب کے مخالف یا کسی غیر ذمہ دار مبالغہ پسند صحافی کے قلم سے نہیں، الہ آباد ہائیکورٹ کے ایک نامور ممتاز فاضل سابق

اور اس کی کیا ضرورت تھی "

"**الفرقان**" :— اس کا جواب وہی ہے جو اوپر عرض کیا جا چکا - اعادہ کی حاجت نہیں۔

نگار (۸) :- اگر قرآن مجید خدا کا کلام ہے تو پھر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ خود اپنے نام سے قرآن مجید کو شروع کرتا ہے اور خود اپنی ہی ذات سے خطاب کرتا ہے (؟) جو بالکل بے معنی سی بات ہے۔

سورۂ فاتحہ میں الحمد للہ سے لیکر مالک یوم الدین تک دعا کا انداز ایسا ہے گویا مخاطب سامنے نہیں ہے اور پھر "ایاک نعبد" سے انداز تخاطب بدل جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو حاضر ان کر خطاب کیا جا رہا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دونوں ٹکڑے علیحدہ علیحدہ دو مختلف موقعوں پر رسول اللہ کی زبان سے نکلے تھے۔ اگر سورۂ فاتحہ پہلے سے لوح محفوظ" میں منقوش ہوتی تو اس کا انداز تخاطب یہ نہ ہوتا۔"

"**الفرقان**" :- نیاز صاحب نے اس تجزیہ قرآن مجید کے کلام خداوندی ہونے پر جو "دلیلیں" پیش کی ہیں اگر وہ انکی "معصومیت" اور بھولا پن ثابت کرنے کیلیے" تجاہل عارفانہ [illegible] نہیں ہے تو یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ "اسلامیات" پر انھوں نے جو بھی صحیح یا غلط علمی قسم کے عنوان کبھی لکھے ہیں وہ سب کہیں سے سرقہ ہیں اور خود ان کو [illegible] علوم سے مس بھی نہیں ہے — [illegible] یہ دونوں خیالات ایسے ہیں کہ اگر وہ "قرآن پاک" سے متعلق عام اور معمولی کتابوں [illegible] مختصر مختصر حاشیوں تک سے [illegible] ہو رہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے متعلق تو اتنا [illegible] کافی ہے [illegible] خود اسکے لا تقرأ [illegible] نہیں فرمایا ہے بلکہ ہماری تلاوت کیلیے [illegible] و تنزیل فرمائی ہے اور ہم کو حکم دیا ہے کہ ان بابرکت کلمات سے ہم قرآن پاک اور اپنے دوسرے اچھے کام شروع کیا کریں— اور یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے ہماری عقلوں کے قصور کا لحاظ رکھتے ہوئے ہدایت یہ رہنمائی فرمائی ورنہ ایسا جامع اور پُر معنی اور پھر اتنا مختصر و شکیل جملہ تلاش کرنا ہمارے بس کی بات نہ تھی —— اس متبرک جملہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کی معجزانہ جامعیت اور معنوی وسعت معلوم کرنے کے لیے نیاز صاحب صرف ادل [illegible] میں صرف "تفسیر کبیر" ہی ملاحظہ فرمالیں —— اور یہی حیثیت الحمد شریف کی ہے اس میں بھی حق تعالیٰ نے ہم کو اپنی حمد و ثنا اور دعا اس بہترین طریقۂ دعا کی تلقین فرمائی ہے جسکا ہم خود ادراک نہیں کر سکتے تھے۔ "لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک"۔

نیاز صاحب نے سورۂ فاتحہ میں طریقۂ خطاب کی تبدیلی سے قرآن[1] کے "کلام الٰہی" نہ ہونے پر جو "استدلال" کیا ہے تو اس قدر جاہلانہ اور "بوگس" ہے کہ کسی نیاز جیسے شخص سے اسکی توقع ان لوگوں کو بھی نہ ہو سکتی تھی جو انکی علمی حیثیت کے بھی قائل نہیں ہیں —— آخر وہ ادب سے کچھ نہ کچھ لگاؤ تو رکھتے ہیں۔ پھر التفات جیسی "عام صنعت" سے انکی ناواقفی و بے بہرگی کیا معنی؟

صنعت التفات" (یعنی کلام میں کسی خاص مقصد اور جذبہ کے ماتحت غیبت سے مثلاً خطاب کی طرف یا خطاب سے غیبت کی طرف متکلم کا انتقال) عربی کے علاوہ اردو اور فارسی ادب میں بھی پایا جاتا ہے اور خاص کر عربی میں تو بکثرت مستعمل ہے چند نظیریں ملاحظہ ہوں۔

زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر "مسافع بن حذیفہ" بنی عمرو کے مرثیہ میں کہتا ہے

ابعد بنی عمرو اسر بمقبل من العیش او آسی علی اثر مدبر

(ترجمہ) کیا بنو عمرو کے اس دنیا سے جانے کے بعد عیش و راحت کی آنیوالی گھڑیوں کی کوئی مسرت یا گزر جانے والے لمحات پر کوئی رنج مجھے ہو سکتا ہے (یعنی اب مجھے عیش و راحت ملنے کی خوشی ہوگی اور نہ اسکے جانے کا غم)

دیکھیے اس پہلے شعر میں "بنی عمرو" کا ذکر شاعر نے غائبانہ کیا ہے۔ اسکے بعد وہ "بنی عمرو" کو مخاطب کرکے کہتا ہے

سلام بنی عمرو علی حیث هامکم جمال الندیّ و القنا و السنوّر

(ترجمہ) اسے بنی عمرو! (جن سے مجلس کی زینت تھی اور نیزے اور ہتھیار جن پر سجتے تھے) تم پر اور اس سرزمین پر جہاں تمھارے سر دفن ہیں سلام ہو۔

سخن شناس سمجھ سکتے ہیں کہ دوسرے شعر میں طریقۂ خطاب کی اس تبدیلی نے کسقدر جان ڈال دی ہے

عرب کا ایک اور مشہور شاعر "ابن الطثریہ" کہتا ہے

عقیلیة اما ملاث ازارها فدعص و اما خصرها فبتیل

یعنی میری محبوبہ قبیلۂ بنی عقیل میں سے ہے، اسکی کمر نیچے پُر گوشت ہے اور کمر ایسی پتلی ہے کہ گویا ٹوٹی ہوئی ہے۔

دیکھیے اس شعر میں شاعر نے اپنی محبوبہ عقیلیہ کا ذکر غائبانہ طور پر کیا ہے۔ لیکن اسکے بعد وہ التفات کرکے کہتا ہے اور کیا خوب کہتا ہے

[illegible] تلیلیّ نظرة ان نظرتها الیک و کلا لیس منک قلیل

یعنی میرے نصیب میں تو تھوڑا سا دیدار ہے مجھے نصیب ہوتا ہے کیا تھوڑا نہیں ہے؟ (لیکر) خود ہی اس خیال سے تو بہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نہیں ہرگز نہیں تیرا تھوڑا سے جو کچھ ہے وہ تھوڑا نہیں ہے۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں ورنہ عربی لٹریچر سے اس قسم کی سینکڑوں ہزاروں نظیریں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور عربی ادب سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ "صنعت التفات" اگر برمحل ہو تو وہ کلام کے علمی محاسن و لطافت میں سے ہے اور قرآن کے فاتحہ میں جس طرح اسکا استعمال ہوا ہے وہ فی الحقیقت ایک صاحب ذوق سلیم کے لیے اس میں نہ صرف اعلیٰ درجہ کا حسن و لطف ہے بلکہ معارف حقیقت کا بھی پورا سامان ہے لیکن غور و فکر کون کرے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

اگر جناب نیاز یا اور کوئی صاحب اس "التفات" کے لطائف و نکات معلوم کرنا چاہیں تو تفسیر کبیر یا تفسیر فتح العزیز ہی ملاحظہ فرمالیں، موخر الذکر کا تو اردو ترجمہ بھی عام طور پر ملتا ہے

---

[1] ارباب نظر اس خط کشیدہ فقرہ کو بغور ملاحظہ فرمالیں اور نیاز صاحب کی علمی حیثیت کا اندازہ فرمائیں۔

"نگار" (۹) :- "قرآن شریف میں بکثرت ایسے واقعات اور ایسی شخصیتوں کا ذکر پایا جاتا ہے جن کا تعلق بالکل عہد نبوی سے ہے مثلاً ابولہب یا کفار مکہ اور ان کے اصنام وغیرہ۔

پھر اگر قرآن مجید ازل سے یا خلق عالم کے وقت لوح محفوظ میں منقوش تھا (جیسا کہ عام عقیدہ ہے) تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ یہ سب کچھ بصورت مقدرات طے ہو چکا تھا اور قرآن مجید کی حیثیت ایک ایسی تاریخی کتاب کی ہو جاتی ہے جس میں واقعات کے ظہور سے پہلے صرف انکے وقوع کی پیشگوئی کی گئی ہے در آنحالیکہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے"۔

"الفرقان" :- اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہم نمبر ۲ کے ضمن میں عرض کر چکے ہیں، جسکا حاصل یہ ہے کہ "نزول قرآن" سے پہلے "لوح محفوظ" میں جو قرآن درج تھا تو اسکا بھی حال یہ تھا کہ بعد میں آنے والے اس وقت اور اس احوال کے ہی لحاظ سے ہوا تھا جس وقت اور جس ماحول میں وہ بعد میں نازل ہوا اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا وہ گویا ایک پیشگی نقل تھی اس قرآن پاک کی جو حقیقی صدی عیسوی میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور اپنی قدرت کاملہ سے وقت نزول سے ہزارہا برس پہلے "لوح محفوظ" میں ثبت فرما دیا تھا۔ ہماری عرض کی ہوئی اس حیثیت اور پیشگوئیوں والی "تاریخی کتاب" کی حیثیت میں جو فرق ہے امید ہے کہ جناب نیاز اور انکے مقلدین اگر غور کرینگے تو اسکے سمجھنے سے محروم نہ رہیں گے۔

"نگار" (۱۰) :- "خدا کو سمیع و بصیر بھی کہتے ہیں، لیکن اسکی سماعت و بصارت کان اور آنکھ کی محتاج نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کی صفت نطق کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ "نطق" ہو جو الفاظ کا محتاج ہے۔ جس طرح اسکو سننے اور دیکھنے کے لیے کان اور آنکھ کی ضرورت نہیں اسی طرح کلام کے لیے زبان یا الفاظ سے اسے بے نیاز ہونا چاہیے اور اس صورت میں الفاظ قرآنی کو "خدا کا کلام" کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ وہ زبان والفاظ کا محتاج ہے"۔

"الفرقان" :- نیاز صاحب نے اس نمبر میں نہ صرف یہ کہ خود ہی فرض کرایا ہے بلکہ اپنے ناظرین کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان جو قرآن پاک کو "خدا کا کلام" کہتے ہیں تو وہ اس عقیدہ کی بنا پر ہے کہ جس طرح ہم قرآن کو اپنے کام و دہن سے ادا کرتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے نزدیک معاذ اللہ خدا نے بھی اپنی زبان، اپنے "تالو"، اپنے حلق اور اپنے ہونٹوں سے اس قرآن کو ادا فرمایا ہے حالانکہ جو غیر مسلم بھی مسلمانوں کے عقائد سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ بھی بتلا سکتے ہیں کہ یہ نیاز صاحب کا محض افترا ہے، جسکو کسی طرح انکی ناواقفی یا سادہ لوحی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس "قرآن عربی مبین" کو مسلمان بس اس حیثیت سے کلام الٰہی مانتے ہیں کہ اس کی تالیف، تنزیل اور "معانی معلومہ" میں اسکی ایجاد و تخلیق بلا واسطہ کسی شے آخر کے حق تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے۔ نہ یہ کہ اسکے لیے کام و دہن اور حلق و زبان کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل جو حضرات نیاز صاحب اور انکی گمراہیوں سے واقفیت رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ نیاز خود بھی اتنے جاہل اور مسلمانوں کے ایسے مشہور عام عقیدہ سے ناواقف نہیں ہیں، بلکہ وہ صرف اپنے جرم کو ہلکا کرنے کے لیے اس "تجاہل" کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور لوگوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن پاک کے "کلام خدا" ہونے سے ان کا انکار "تنزیہ خداوندی" کے نیک جذبہ کے ماتحت ہے۔ حالانکہ انکو خدا کے ساتھ جتنی "ہمدردی" ہو سکتی ہے وہ معلوم ہے

علاوہ ازیں اگر واقعی انکے انکار کی بنا اسی تنزیہ پر ہوتی تو وہ صرف خدا کے تکلم بمعنی "تلفظ" یا "نطق" کا انکار کرتے حالانکہ انھوں نے نہایت صفائی اور ڈھٹائی کے ساتھ قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے سے بھی انکار کیا اور اسکو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست کا نتیجہ قرار دیا۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے اسکے بیان کردہ قصص و واقعات کو غیر تاریخی، غیر محقق اور یہود و نصاریٰ کے بیانات سے ماخوذ بتلایا اور اسی بنا پر ہم نے انکو "مرتد" یا "منافق" لکھا ہے۔

"وسیع المشربی" کے مدعی نیاز صاحب کے ایک حمایتی نے شکوہ کیا ہے کہ جب نیاز صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور بلند اخلاقی کو تسلیم کرتے ہیں اور جون ہی کے پرچہ میں صاف لکھتے ہیں کہ

"میں رسول اللہ کو بڑے بلند اخلاق کا انسان سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے"

تو ان کو "مرتد" یا "منافق" اور "خارج از اسلام" کیوں کہا جاتا ہے؟

ایسے حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ "صداقت" اور "بلند اخلاق" کا ایسا اقرار ابوجہل بھی کرتا تھا۔ حدیث کی مشہور اور مستند کتاب جامع ترمذی میں ہے، اس نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

یا محمد انا لا نکذبک ولکنا نکذب ما جئتنا بہ۔ — اے محمد ہم تم کو جھوٹا نہیں سمجھتے، ہاں جب قرآن کو آپ لائے ہیں ہم اسکی تکذیب کرتے ہیں

تو قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی

انھم لا یکذبونک ولکن الظلمین بایات اللہ یجحدون — بیشک یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم "آیات الٰہیہ" کا انکار کرتے ہیں

پس نیاز صاحب کا جرم اس اقرار "صداقت" کے باوجود وہی ہے جو "ابوجہل" کا تھا اور اس لیے ہمارے نزدیک انکا حکم اور انکا مذہب بھی وہی ہے جو اس قدیم دشمن ایمان کا تھا۔

اگست کے "نگار" میں خود نیاز صاحب اور انکے بعض انھیں جیسے حمایتیوں نے نہایت "معصومانہ" اور "مظلومانہ" انداز میں علماء کی تکفیر کا بھی شکوہ کیا ہے۔ معلوم نہیں ان "عقلاء جاہلین" کے نزدیک "کفر و اسلام" کی کوئی متعین حقیقت بھی ہے یا نہیں۔ ہم انشاء اللہ کسی قریبی ہی فرصت میں اسی موضوع "کفر و اسلام کی حقیقت" پر مفصل کلام کرینگے۔ اس سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ مدعیان علم و عقل "مذہبیات" میں کس قدر جاہل اور بے بصیرت ہیں۔ واللہ الموفق وھو المستعان۔

وطنیت اور اسلام

(مسلم لیگ کے ایک جلسہ میں چودھری خلیق الزماں کی تقریر)

"آزاد مسلم کانفرنس، ہندو مہا سبھا اور دوسری جماعتیں مسلم لیگ کے اس عام فہم مطالبہ پر جو "پاکستان" کے نام سے مشہور ہے جو اعتراض کر سکتی تھیں کر سکتی تھیں کر چکیں۔ بہرکیف تصویر کا ایک رخ آپ کے سامنے ہے اور آج میں تصویر کا دوسرا رخ آپ کے سامنے پیش کرونگا اور اسے پیش کرتے وقت عرض کرونگا کہ اس پر سکون قلب کے ساتھ غور کیجیے اور اگر اسکے بعد آپ کا ضمیر قبول کرے اور عقل ہدایت کرے تو اس پر عمل کیجیے۔"

اسکے بعد چودھری صاحب نے اُن اسباب کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جن کی بنا پر مسلم لیگ کو تحریک پاکستان پیش کرنا پڑی۔ چودھری صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ہندوستان میں گیارہ صوبے ہیں ان میں سے سات میں ہندو اکثریت میں ہیں اور چار میں مسلمان۔ اس لیے مرکز میں جو حکومت قائم ہوگی اس میں ہندو اکثریت میں ہونگے۔ مرکزی حکومت میں ممبران کی مجموعی تعداد ۳۷۵ ہوگی جس میں ۱۲۵ نشستیں تو والیان ریاست کے لیے محفوظ ہیں اور بقیہ ۲۵۰ میں سے صرف ۸۲ نشستیں مسلمانوں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو مسلمانوں کی وہ اکثریت کہ جو انھیں پنجاب بنگال، سندھ اور صوبہ سرحد میں حاصل ہے مرکز پر اثرانداز نہ ہوگی مسلمان اقلیت میں ہو جائینگے۔ چنانچہ مسلم لیگ نے اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا کہ یہ پوزیشن غلط ہے، ہندوستان میں تئیس کروڑ ہندو آباد ہیں اور انکی ایک خاص ہندیت ہے خاص تمدن اور خاص مذہب ہے جسکی وجہ سے آج بھی اچھوت اچھوت ہیں۔ اسکے برخلاف ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں جو عالم کی حیثیت سے اُن کا تمدن، انکی تہذیب اور انکا مذہب ہندوؤں سے بالکل الگ ہے اس لیے اگر مسلمان کوئی اور چیز بننا چاہیں تو بھی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اپنے مذہب میں کسی حالت میں بھی کوئی ترمیم نہیں کر سکتے اور اُنکا یہ مذہب انکی تہذیب میں ہے۔

چودھری صاحب نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "ہندو ہم سے کہتے ہیں کہ وطنیت کا اصول مان لو اور اگر تحفظات چاہتے ہو تو لے لو، اسکی ہمیں ان سے شکایت نہیں کیونکہ اس میں انکا فائدہ ہے اور ہر شخص اپنے فائدہ کو ڈھونڈتا ہے۔ مگر ہمیں افسوس اس وقت ہوتا ہے جبکہ آزاد مسلم لیگ پاکستان کی مخالفت کرتی ہے"۔ اسکے بعد اُنھوں نے فرمایا کہ ۱۹۳۶ء تک میں کانگریس سے وابستہ رہا اور آج جو لوگ کانگریس میں ہیں اُس وقت انکا کہیں وجود بھی نہ تھا اور انھوں نے اسکی خاطر کوئی قربانی بھی نہ کی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں ہمارے دماغ میں پاکستان کا تخیل بھی نہ تھا۔ اور ہم کانگریس سے مل کر کام کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی غرض سے میں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو سمجھایا تو اُنھوں نے ہم کو فرقہ پرست سمجھتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ "لیگ کو ختم کردو کانگریس کے علاوہ ہندوستان میں [illegible]" ہم نے پنڈت نہرو کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر غرور اور نخوت کا برا ہو کہ اُنھوں نے ہمارے ہر نیک مشورہ کو ٹھکرا دیا اور ہم نے بھی پنڈت نہرو کے کہنے کو نہیں مانا۔"

اسکے بعد چودھری صاحب نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری جداگانہ ہستی کو فنا کرنا چاہتے ہیں اور جو ہمیں محض اس لیے فرقہ پرست کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے لیے تحفظات کے خواہاں تھے، اور جو یہ کہا کرتے تھے کہ کانگریس میں مسلمانوں کا وجود کافی تحفظ ہے آخرکار ڈیڑھ سال کے بعد اُنھوں نے خود ایک الگ جماعت قائم کی اور مسلمانوں کے لیے تحفظات کے وہ طالب ہوئے۔

"پاکستان" پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اُنکا میں پورے طور پر جواب دینے کے لیے تیار رہوں مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب دہلی میں ایک جبہ اور قبہ والے مولوی نے یہ فتوے دیدیا کہ "پاکستان غیر شرعی ہے" اور اسکے اسباب یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ پاکستان وطنیت کے منافی ہے۔ وطنیت اور وطن میں فرق ہے۔ وطنیت خدا کے مقابلہ میں ایک دیوی کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ مسلمان اس دیوی کی پرستش نہیں کر سکتے اور مسلمان وطنیت کا غلام نہیں ہو سکتا ہے۔ وطن سے کس کو محبت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم کو بھی ہے۔ لیکن اگر خدا اور رسول کے بیچ میں حارج ہو تو ہم اسے ٹھوکر لگا دینگے۔ ہم اول مسلمان دوم مسلمان اور آخر میں بھی مسلمان ہیں ہم ہندوستانی بھی ہیں لیکن اگر وطن کو مذہب کے بیچ میں لائینگے تو ہم وطن کو قربان کرنے میں رتی برابر بھی پس و پیش نہ کرینگے۔

فرض کیجیے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اکثریت کا فیصلہ مسلمانوں کے لیے پابند کن ہے اور نیشنلسٹ حکومت قائم ہو اور اسکا وزیر مدافعت کسی بدنیتی سے نہیں بلکہ نیک نیتی سے یہ طے کرے کہ ہندوستان کی حفاظت کے لیے جدہ پر قبضہ ضروری ہے تو کیا احادیث نبوی کی موجودگی اور اس حکم کے بعد کعبہ پر کسی غیر مسلم کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہندوستان کا مسلمان وطن کی محبت میں شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کی جرأت کریگا۔ نہیں۔ اور اگر مسلمان اس کا وعدہ کرے کہ وہ ہندوستان کی مدافعت کے خیال سے جدہ پر قبضہ کی تائید کریگا تو وہ اپنے کو بھی دھوکا دیتا ہے اور آپ کو بھی۔ اسی طرح اگر نیشنلسٹ حکومت یہ فیصلہ کرے کہ ہندوستان کی مدافعت کے لیے افغانستان کو فتح کرنا ضروری ہے تو کیا کوئی مسلمان اسکی حمایت کریگا۔

یہی وہ چیزیں تھیں جنکو ہم نے کہا تھا اور ہماری آواز پر مسلمانوں نے لبیک کہا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم میں دنیا بھر کی لغویات ہوں ہم گنہگار ہوں لیکن ہم بے ایمان نہیں۔ اسکے بعد اُنھوں نے پنڈت نہرو کے الفاظ دوہراتے ہوئے فرمایا کہ پنڈت نے لیگ کو آخری ہچکی کہا تھا لیکن ہم نے کانگریس کی آواز بند کر دی۔ کانگریسی نعروں کا ذکر کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ "جو لوگ آزادی چاہتے ہیں وہ آزادی مانگتے نہیں تیاریاں کرتے ہیں اگر آزادی چاہتے ہو تو مرکر حاصل کرو۔ جس وقت سے جنگ چھڑی ہے اگر اس وقت سے آج تک کانگریسی لیڈروں کی تقریریں یکجا کی جائیں تو ایک ایسا معجون تیار ہو جائیگا جو کسی حکیم کے دواخانہ میں نہیں مل سکتا۔" اسکے بعد چودھری صاحب نے فرمایا کہ "برطانیہ کی ہر چیز کو شیطانی کہا جاتا ہے۔ اس کا طرز حکومت کانگریس کی نگاہ میں سب سے دلچسپ ہے کیونکہ اسکا انحصار اکثریت پر ہے اور اکثریت کی حکومت سے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان اور ہندوؤں کے مفاد کو تقویت پہونچتی ہے۔ انقلاب زندہ باد کے نعرے کے بارے میں چودھری صاحب نے فرمایا کہ انقلاب اس وقت ہوگا جبکہ وردھا آشرم ٹوٹ جائیگا کیونکہ اگر مسلمان ہندو

نمبر ۲۰ | دوشنبہ - ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۸ - اکتوبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

—— روحانیت کے عالم میں موسم بہار ختم ہونے کو آگیا۔ امت کے "ریفریشر کورس" کے خاتمہ کو ایک ہفتہ رہ گیا، سپاہیوں کے قدم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوگئی۔ آخری فرصت کو غنیمت سمجھ، سیکھنے والوں اور حاصل کرنے والوں کی ہمت اور مستعدی بڑھ گئی، طلب اور تڑپ دوچند ہوگئی۔ رمضان کا مبارک مہینہ، سستی اور کاہلی پڑے رہنے اور انگڑائیاں لیتے رہنے کا مہینہ کبھی بھی نہ تھا۔ آخری ہفتہ میں چستی اور مستعدی اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ گئی۔ مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت کا تھا (اولہ رحمۃ) تمام تر نیکی کے قویٰ کو تحریک ہوتی رہی۔ دوسرے عشرہ سے نتائج ظاہر ہونے لگے، دلوں سے زنگ دور ہوگئے، روح میں جلا آگئی (اوسطہ مغفرۃ)۔ تیسرا عشرہ نچوڑ کا ہے، رہی سہی کثافتیں بھی دور ہو جائینگی، ایک ایک فرد، اور ساری کی ساری امت نکھر جائیگی، سنور جائیگی، سدھر جائیگی (وآخرہ عتق من النار)——

حدیث میں آتا ہے کہ اس فوج کا سردار اعظم ﷺ آخر عشرہ میں تمام تر وقف عبادت ہو جاتا تھا۔ تعلقات خلق سے وقتی انقطاع کے ساتھ معروفیت و یکسوئی پوری پوری خالق و مالک کے ساتھ ہو جاتی تھی!

خبر دی ہے اُس نے جسکی دی ہوئی ہر خبر سچ اور سچی ہی نکلی ہے، کہ اسی مشق و ریاضت والے مہینہ (شہر الصبر) اسی رحم و ہمدردی والے مہینہ (شہر المواساۃ) کے آخری عشرہ میں کوئی رات ایسی بھی آتی ہے، جو سال کی ہر رات عمر کی ہر رات سے بڑھ کر قیمتی اور قابل قدر ہوتی ہے۔ ڈھونڈو اُسے آخری پانچ طاق راتوں میں۔ اللہ والے اس تلاش میں ساری ساری رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ اور دن بھر کی بھوک، پیاس کے ساتھ ساتھ رات

پیش کر دیتے ہیں، کہ رحمت کے فرشتے جس وقت بھی انھیں ڈھونڈھتے ہوئے آئیں، غافل نہیں، ہوشیار، مستعد، اپنی چاکری پر کمربستہ، اپنی ڈیوٹی پر مسلح پائیں! —— جو امت ہر سال ان مجاہدہ کی منزلوں سے گزرتی ہے، دنیا کی جد و جہد میں اُسے کسی قوم سے بھی پیچھے رہنا چاہیے؟ ہنگامۂ عمل میں کسی سے بھی پچھڑ جانے، اور بچھڑ جانے کا خطرہ اُسے ہے؟

تیسویں دن یا اکتیسویں دن خوشی کا دن ہوگا۔ سالانہ جشن کی تاریخ ہوگی۔ اللہ کے دربار میں اللہ والوں کے میلہ لگنے کی گھڑی آئیگی۔ یہ انوکھے میلہ والے گھروں سے نکلیں گے، فحش گیت گاتے ہوئے نہیں، ایک دوسرے پر رنگ کی کیچڑ اچھالتے ہوئے نہیں، پاک صاف ہوکر، نہا دھوکر، دلوں میں اللہ کا نام جپتے ہوئے، زبانوں سے توحید کی بڑائی پکارتے ہوئے، شہر کے باہر یا محلہ کے مرکز میں جمع ہونگے، ناچ، ناٹک سوانگ دیکھنے نہیں، گھوڑدوڑ میں بازی لگانے نہیں، کارنیوال میں پانسہ ڈالنے نہیں، حمد و تسبیح کے لیے، رکوع و سجود کے لیے، توحید کی گواہی، رسالت کی شہادت کے لیے۔ آج نہ کوئی بڑا ہوگا نہ کوئی چھوٹا۔ نہ کوئی آقا اور نہ کوئی رعایا، نہ کوئی شریف نہ کوئی رذیل۔ محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے ہونگے، محلہ کے دھوبی، بھشتی، نائی، جو رئیسوں کی ڈیوڑھیوں اور حویلیوں پر گھنٹوں کھڑے، اور پہروں پڑے رہتے ہیں، اور پھر باریابی نہیں ہوتی، آج بے تکلف اور بلا جھجک انھیں رئیسوں، امیروں نوابوں کے شانہ سے شانہ ملائے کھڑے ہوں گے، ایک ساتھ اٹھینگے ایک ساتھ جھکینگے، ایک ساتھ دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے!——

زبانیں ایک ہوگئی، ہاتھ پیر ایک ہونگے، قالب ایک ہونگے، عجب کیا ہے جو اس ظاہری اور خارجی یکرنگی، یکجہتی، یکسوئی سے دل اور روحیں بھی ایک ہو جائیں!

ایک آیت کی تشریح

ایک صاحبِ علم ندوی لکھتے ہیں:۔

"سورۂ انفال ختم سے ایک رکوع قبل یہ آیت اِن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین الخ اسکے معًا بعد دوسری آیت ہے اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ الخ مفسرین نے دوسری آیت کو اللہ کے رحم وکرم سے تعبیر کیا ہے، لیکن مجھکو ضعفًا کا لفظ دو رکھٹکتا ہے کہ جب زمانۂ نبوت ہی میں مسلمانوں کے اندر کامل قوتِ ایمانی نہ تھی۔ جسکو پروردگار عالم نے اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا سے تعبیر کیا ہے تو پھر دوسرے وقت کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور پھر جب زبانِ وحی سے یہ صراحت اس کا یقین دلایا جارہا ہے اِن یکن منکم عشرون الخ تو ضعف کا ہونا کیا دل میں یہ وسوسہ نہیں پیدا کرتا کہ اُس وقت بھی مسلمانوں کو وحی پر پورا اعتماد نہ تھا؟"

جن آیتوں پر سوال ہے اُن کا سب سے ابتدائی فقرہ ہے یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابھی تک مومنین، جنگ و قتال کے خوگر نہیں ہوئے تھے، ابھی تک حربی زندگی سے اجنبی اور ناما نوس تھے، اور جنگ کے احکام اب پہلی بار مل رہے تھے۔ خطرہ اور ہلاکت سے بچنا بالکل ایک امرِ طبعی ہے، جس طرح بھوک اور پیاس ہے، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ بڑھ ہی کر۔ کوئی قوتِ ایمانی، عقلی حیثیت سے کیسی ہی زبردست ہو، اس طبعی جذبہ کو فنا نہیں کرسکتی، صرف مغلوب کرسکتی ہے۔ اور ابھی تو کوئی حربی تربیت ہوئی بھی نہ تھی، بلکہ ترغیب و تحریص سے جوش پیدا کرایا اور ہمت دلائی جارہی تھی۔ ایسے موقع پر ارشاد، پہلے تو ایک عام قاعدہ ہوا کہ حقیقتِ حال کے اعتبار سے ایک ایک مومن کامل میں دس دس کافروں سے مقابلہ کی ہمت ہونی چاہیے۔ لیکن ابھی تو اس سخت ڈسپلن کا آغاز ہے، ابھی تم کمالِ ایمان تک پہنچے کہاں ہو۔ سردست اسی قدر کافی ہے کہ ایک ایک مومن دو دو کافروں سے مقابلہ ومقاتلہ کی ہمت رکھے —

آخر امتحان میں بھی تو نمبر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اعلیٰ ایک ادنیٰ۔ اور منتہیوں کا معیار سب ہی کہیں مبتدیوں سے مختلف ہوتا ہے۔ آزمودہ کار اور جنگ دیدہ پختہ کاروں کے لیے نہیں، بلکہ نئے رنگروٹوں کے لیے یہ اپنے سے دوگنے کی ٹکر کی ہمت کوئی معمولی یا ہلکا معیار ہے؟

قرآن مجید میں اسی طریق تعلیم کی نظیریں اور بھی جا بجا ملینگی۔ ایک نمایاں مثال سورۂ مزمل کے رکوع دوم میں تہجد گزاری اور شب بیداری کی ہے۔ اصل حکم تو ثلث شب، نصف شب، اور دو ثلث شب کا ہے، لیکن ساتھ ہی تخفیف و تیسیر بھی پیشِ نظر ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔ جتنی بھی قرآن خوانی کی توفیق ہو جائے وہی غنیمت اور قابلِ قبول شمار ہوگی۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

اور پھر ضعف (خلاف القوۃ) کا لفظ تو عام ہے، ہر قسم کی کمزوری اور کم ہمتی کو شامل۔ یہ لازمی نہیں کہ اس سے مراد قوتِ ایمانی ہی کی کمی لی جائے۔ سامانِ ظاہری کی کمی، تعداد کی کمی، تجربہ و تربیت کی کمی، آخر یہ سب مادی پہلو بھی تو ہمت شکنی کے ہو سکتے ہیں۔ اور آغازِ احکامِ قتال کے وقت ان سب ہستیوں سے کمی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ سو عجب کیا ہے کہ اپنی انھی ساری کمزوریوں پر نظر کرکے بہتوں کے دل میں خود اعتمادی و ہمت درجۂ اعلیٰ پر نہ باقی رہی ہو —— نفس بے اعتمادی یا فقدانِ ہمت کا تو یہاں کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ سوال صرف درجاتِ ہمت کا ہے، ہمت دوگنے سے مقابلہ کی، یا دس گنے سے مقابلہ کی۔

آخری گزارش یہ ہے کہ جملہ مومنین کے لیے (زمانہ عہدِ نبوی ہی کے سہی) یکساں درجۂ ہمت و قوتِ ایمانی کا تو کوئی مدعی ہے بھی نہیں، نہ بلحاظ عقیدہ نہ بلحاظ واقعۂ تاریخی۔ عصمت تو صرف انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ عہدِ نبوی ہی میں آخر مومنین کو دوسرے سخت سخت جرائم کی سزائیں ملی ہیں، حدیں جاری ہوئی ہیں، قرآن مجید ہی میں بارہا مختلف مواقع پر انداز عتاب میں ارشادات آئے ہیں۔ جب غلطیوں اور لغزشوں اور معصیتوں تک سے فطرتِ بشری کو مفر نہیں، تو یہاں تو کوئی معصیت تھی بھی نہیں، صرف تفاوتِ درجات کا معاملہ تھا۔

مشکلاتِ راہ

صدق ملا میں ایک ضروری تحریک کے زیرعنوان ایک شذرہ اسلامی نظامِ حکومت کی مفصل تدوین کے باب میں سپردِ قلم ہوا۔ کام کے لیے جو مجلس تجویز ہوئی تھی، اُس میں ایک نام جامعہ عثمانیہ دکن کے ایک نامور استاد ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا بھی تھا۔ موصوف اس شذرہ کو پڑھ کر لکھتے ہیں:۔

"صدق کے ایک حالیہ نمبر میں یہ عزت افزائی دیکھی کہ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکومت پر کچھ لکھنے کے لیے ملک بھر میں آپ کی رائے میں جو دو چار لوگ ہیں اُس فہرست میں ناچیز کا نام بھی شریک کیا گیا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فرمائش کنندہ کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ تعمیل کتنی مشکل ہے۔ اول تو عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ دونوں کی یکساں مہارت رکھنا ہی میرے نزدیک ممکن نہیں، پھر خود "نظامِ حکومت" کے بظاہر معصومانہ عنوان کی تحلیل کیجیے، راعی و رعایا کے لیے دستوریات اور سیاسیات جاننے کی ضرورت ہے۔ عدل گستری اور شریعت کے باب پر کچھ لکھنے والا قانون داں نہ ہو تو وہ کیا لکھے گا؟ نظامِ زکوٰۃ کے اصول، معاشیات جانے بغیر لکھنے ممکن نہیں۔ پھر اس معاشیات میں مالگزاری اور خراج الگ چیز ہے، سود الگ مسئلہ ہے، محصول درآمد عشر نقیصہ، بین الممالک تجارت، الگ امور ہیں، ٹیکس نزاری الگ معاملہ ہے، فوجی تنظیم اور مدافعت سرحدات کے مسئلہ میں ہم ہندیوں کی طرح صرف لفظ بازی سے کیا کام چلیگا۔ نظامِ تعلیم کے لیے تعلیمات کے مبادی معلوم ہوں، تاکہ اُنکے متعلق مواد تلاش کیا جائے۔ "نظامِ حکومت" کے اندر کتنی ہی ایسی اور چیزیں ہیں۔ نفس اصولِ حکمرانی، قانون بین الممالک وغیرہ عنوانوں کا صرف شمار بھی یہاں ممکن نہیں۔

پورے ہندوستان میں آج کتنے لوگ ہیں جو ایمانداری سے

کہہ سکتے ہیں کہ اُنھوں نے حدیث کی متداول کتابیں صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبلؒ ہی شروع سے آخر تک پڑھی ہیں۔ خود سیرۃ ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ کے متعلقہ حصے کامل طور سے پڑھے ہوئے لوگوں کی تعداد ایک نہیں تو دو ہاتھ کی انگلیوں پر گن لی جا سکتی ہے۔ اب تو ایک بھی شخص میرے علم میں نہیں ہے جو مذکورۂ بالا علوم کا بھی ماہر ہو اور روایات سیرت پر بھی حاوی ہو۔ پھر یہاں تو سوانح حیات لکھنی نہیں ہے، بلکہ اس سے مختلف موضوعوں اور عنوانوں کے متعلق جزئیات اور نکات فراہم کرنے ہیں۔ حدیث و سیرت نبویہ پر گزشتہ چودہ صدیوں سے کام کے باوجود موضوع وار مواد حاصل کرنا، خاص کر نظام حکومت کے متعلق آج بھی اتنا ہی کٹھن ہے جتنا پہلے کبھی تھا۔ بعض چیزوں کے متعلق سیکڑوں کتابیں بالاستیعاب پڑھ لینے کے بعد بھی مشکل سے چند سطریں لکھی جا سکتی ہیں۔ آج کل جو ہر طرف ملک میں بیت المال کا ذکر ہو رہا ہے کتنے لوگ جانتے ہیں کہ خود عہد نبوی میں شمسی، قمری مہینوں کا فرق، وصولی گزاری و زکوٰۃ میں کیا کیا مسائل نہیں پیدا کر چکا تھا۔ یہ بھی چھوڑ دیجیے۔ معاشیات کے ایک نہایت کٹھن اور محض متخصصین سے مخصوص بات یعنی مالیات پر عبور کے بغیر عہد نبوی کے اصول موازنہ (بجٹ) پر کیا لکھا جا سکتا ہے۔ کتنے لوگ آیت انما الصدقات للفقرآء کی الیاتی تشریح کر سکتے ہیں۔ اور اس اجمال کی توضیح کے لیے جس قسم کے نظائر و معلومات کی حدیث و سیرت سے ضرورت ہوگی، صرف اسی کی تفصیل بیان کر سکتے ہیں؟ — اسی مواد کا نکالنا تو جوئے شیر لانا ہے۔

یہ چند چیزیں بر داشتہ قلم سے نکلی ہیں۔ اس سنجیدگی سے کام شروع کرنے کے لیے خاکہ تیار کرنے بیٹھو، تو نہ معلوم اور کیا کیا سوالات پیدا ہونگے۔ مجھ میں تو اس کتاب کی ایک فصل کی ذمہ داری سہنے کے لیے تک کی ہمت نہیں۔ خدا آپ کے نامزدگوں میں طاقت و ہمت دے"!

صاحب مراسلہ نے مشکلات راہ کے باب میں جو کچھ تحریر فرمایا، اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، اور ایک سنجیدہ اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنے والے حقیقی طالب علم کے قلم سے یہی الفاظ نکلنے بھی چاہییں۔ لیکن بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ کام ہاتھ میں لے لینے اور شروع کر دینے کے بعد اتنا مشکل نہیں رہ جاتا، جتنا شروع کرنے سے قبل عالم تخیل میں نظر آتا ہے۔ عزم راسخ و اخلاص نیت کی برکتیں بھی تو آخر کوئی چیز ہیں' والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا۔ کوشش کرنے والوں کے لیے تو راہ یابی کا وعدۂ الٰہی موجود ہے، ورنہ مشکلات کی سبیلیں عجیب عجیب ایسی نکلتی آتی ہیں کہ پہلے انکا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ سوچنے اور دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ کام آیا کرنے کے قابل یا اتنے بے جانے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو بسم اللہ۔ عزم و ہمت کے آگے ان شاء اللہ ہر مہم پانی ہو کر رہیگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ جو اصل آئیڈیل (معیاری تخیل) ہے، اُس سے تو عملی کام ہر حال اور ہر صورت میں پست ہی رہیگا، اس سے چارہ نہیں۔ کون ایسا ایماندار اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنیوالا مصنف ہے، جو اپنی کسی تصنیف کو اپنے خیالی معیار کے مطابق لا سکا ہے؟ خصوصاً قرآن مجید کی تو کوئی بھی خدمت آج تک ایسی ہو ہی نہیں سکی ہے، اور نہ آیندہ ہوگی، جو اپنے موضوع کا پورا حق ادا کر دے۔ بس جتنا بھی بن پڑے، اُسی کو غنیمت، اور بجا طور پر غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ آخری گزارش مراسلہ نگار کے رتبۂ علمی کے احترام واجب کے ساتھ یہ بھی ہے، کہ جن اصطلاحی جزئیات اور تفصیلات کو آج یورپ نے لازمی بنا رکھا ہے، وہ حقیقۃً لازمی تھی بھی نہیں۔ ہر فن کے اندر، بلکہ ہر فن کی شاخ اور شاخ در شاخ کے اندر، اصطلاحات کا ایک سمندر ہے ناپید اکنار۔ حقائق علوم کو تعبیر سادہ الفاظ میں، بغیر ان اصطلاحات کے جنگل میں گم ہوئے کی جا سکتی ہے۔ اسلامی "نظام حکومت" کی تدوین میں مرکز تو صرف قرآن مجید کو رکھنا ہوگا، اور اسکے بعد تعامل صحابہ، تو صرف شرح و حاشیہ کا کام دینگے۔

۱۰ سوالوں کے ۴۰ جوابات

نیاز کو قرآن کریم سے متعلق اپنے جن دس سوالوں پر ناز تھا، اُنکے جواب میں ایک نہیں دو مفصل مضامین ایک جناب غوثی شاہ صاحب (دکن) اور ایک مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (بریلی) کے قلم سے، گویا دس سوالوں کے بیس جوابات تو ان صفحات میں شایع ہی ہو چکے ہیں۔ مزید مسرت کا مقام ہے کہ محترم معاصر معارف و برہان نے بھی اس طرف توجہ فرمائی، اور دونوں کے اکتوبر نمبر میں دونوں کے محترم ایڈیٹروں کے قلم سے فاضلانہ جوابات نکلے ہیں۔ بشرط گنجایش دونوں ان صفحات میں بھی نقل ہونگے۔ برہان کا مضمون نسبۃً مختصر و جامع ہے۔ معارف کا مقالہ علاوہ اصل جوابات کے معترض کی شخصیت کو بھی بے نقاب کرتا گیا ہے۔ اور موجودہ حالات میں یہ کام بھی کرنے ہی کا تھا۔

ابلیسی حربے

"ہمارا طریق جنگ" ہٹلر نے ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر ہرمان راشننگ سے کہہ دیا تھا "یہ ہے کہ ہم دشمن کو اندر ہی اندر ہلاک کر دیتے ہیں۔ اُن کو خود اُسی کے ہاتھوں ختم کرا دیتے ہیں۔ اُنکی صفوف میں انتشار و برہمی، اُسکے جذبات میں تناقض، تذبذب و تعطل، خوف و ہراس، یہ ہمارے خاص الخاص حربے ہیں"۔ (ریڈرس ڈائجسٹ، نیویارک، ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۵)

ہٹلر کا یہ طریق جنگ ہو یا نہ ہو، بہرحال ابلیس کا یہ طریق جنگ اسلام کے مقابلہ میں تو ضرور رہے۔ وہی مسلمانوں کو باہر کے حملہ سے نہیں، اندر سے ہلاک کرنا، فرزندان اسلام کے دلوں اور دماغوں کو متاثر کر دینا، خود انھیں میں شکوک و شبہات پیدا کر دینا، بجائے ایقان و اعتقاد کے تشکیک، ارتیاب، اعتزال، اور "روشن خیالی" کی وبا پھیلا دینا، بجائے ولولۂ عمل اور ٹھوس عملی مشاغل کے، خیالی مشغلوں اور تذبذب، تردد، بے چینی، افسردگی و بےعملی میں مبتلا کر دینا، اور بجائے خود اعتمادی کے دلوں پر

غیروں کی مرعوبیت، غیروں کی تہذیب و تمدن، علم و فضل، حکمت و فن، سیاست و معاشرت کا رعب چھا جانا، یہ سب کرتب اور کرشمے ہیں اسلام اور نوع انسانی کے اُسی قدیم دشمن کے جدید تربوں کے!

"طلوع اسلام" نئی دہلی سے ایک گریجویٹ کرم فرما تحریر فرماتے ہیں:

"صدق" مورخہ ۶ اکتوبر میں جناب کا شذرہ طلوع اسلام کے فتنہ انکار حدیث سے متعلق نظر سے گزرا۔ بدگمانی کرنے کو تو واقعی کسی اسلامی رسالہ کے بارے میں بھی جی نہیں چاہتا مگر جہاں ظن اور گمان کی کوئی گنجائش نہ ہو اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ انکار حدیث کیا جائے تو ہاں کیا تاویل کی جائے۔ طلوع اسلام کے اکتوبر والے پرچہ میں جو مسائل کی توضیح کی گئی ہے اُس کو جناب نے غنیمت شمار فرمایا ہے کیا براہ کرم اس امر پر مزید روشنی ڈالیں گے کہ وہ کس حیثیت سے غنیمت ہے۔ طلوع اسلام نے خود یہ اعتراف نہیں کیا کہ مراسلۂ زیر جواب سے متاثر ہوکر اُس نے اپنے مسالک جنکی اشاعت پہلے شماروں میں ہوچکی ہے کسی درجہ میں بھی رجوع کیا ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ ہم احادیث کے بالکل ہی منکر نہیں ہیں بلکہ دین کے معاملات میں ان کی حجیت کو تسلیم نہیں کرتے پھر اگر احادیث دین میں حجت نہیں ہیں اور خود آیات قرآنی کی رو سے ان کا ماننا ضروری نہیں تو قبول اور عدم قبول میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ محض وجود کا اقرار تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور وجود قرآن کا اقرار نیاز فتحپوری بھی کرتے ہیں۔ رہا ان احادیث کا نہ ماننا جو نصوص قرآنی کے خلاف ہوں یہ تو تمام علمائے اہل سنت کا مسلک ہے۔ اس میں نئی بات کیا ہے۔ سوال تو صرف یہ ہے کہ جنکو مانتے ہیں انکو کس حیثیت سے مانتے ہیں۔ والسلام۔

اکتوبر نمبر کو غنیمت اس لحاظ سے کہا گیا تھا، کہ پڑھنے والوں کو وہ تکلیف نہیں ہوئی جو اس کے قبل کے بعض نمبروں میں تنقید حدیث پڑھ کر ہوئی تھی۔ پرچہ کی بعض دوسری اسلامی خدمات (اور اُنکا نمونہ اس اکتوبر نمبر میں بھی موجود ہے) اس کی مقتضی ہیں کہ اسکے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ رعایت برتی جائے اور نرم سے نرم ممکن تاویل کی جائے۔ گو اس میں ذرہ شبہہ نہیں کہ فتنۂ انکار حدیث، وقت کے اہم ترین فتنوں میں سے ہے۔ اصول دین بیشک سب کے سب قرآن مجید نے بتادیے ہیں، لیکن آخر انکی تفصیل و تشریح کے بغیر اسلام بہ حیثیت ایک عملی نظام کے چل ہی کیونکر سکتا ہے؟ اور یہی کام سنت رسول کا ہے۔ رسول اللہ صلعم ایک بے جان مشین نہ تھے، محض واسطہ نقل Transmitter نہ تھے، مزکی، معلم، مبین، شارح، و ترجمان بھی تھے، آپ کے عمل و قول سے قطع نظر کرلینا، برگ و بار پر نہیں، شاخ پر بھی نہیں، دین کامل کی جڑ پر ضرب لگانا ہے۔ ضعیف و موضوع احادیث کو قوی و صحیح سے الگ کرنا، ظاہر ہے کہ چیز ہی الگ ہے، اس سے کسی کو انکار نہ پہلے ہوا نہ اب ہے۔

نئی کتابیں

(۱) **تفسیر سورۂ عبس** ۔ تالیف مولانا حمید الدین فراہیؒ۔ ترجمہ از مولوی امین احسن صاحب اصلاحی۔ ضخامت ۵۰ صفحے قیمت ۸؍ پتہ: مکتبۂ حمیدیہ، سرائے میر۔ ضلع اعظم گڈھ ۔ (یو۔پی)

سورۂ عبس کی ابتدائی آیات قرآن مجید کے مشہور مشکل مقامات میں سے ہے۔ مشہور ماہر قرآنیات مولانا حمید الدین فراہیؒ نے ساری سورۃ کی تفسیر اپنے عام حکیمانہ انداز میں اس خوش اسلوبی سے کی ہے، کہ اعتراض کو لب کھولنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ اور ضمنی لطائف و نکات جو بے تکلف پیدا ہوتے چلے گئے ہیں وہ اصل موضوع کے علاوہ، اور اس پر مستزاد ہیں۔ فصل دوم جو عصمت انبیاء اور انکے مواقع عتاب پر ہے، خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

البتہ ایک بات مولانا کے تفسیری مقالات میں عرصہ سے کھٹکتی ہی ہے، اور وہ اس میں بھی موجود ہے۔ مفسر موصوف ذہین بہت ہیں اور بڑے نکتہ رس۔ لیکن اسی نکتہ آفرینی کی رَو میں اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ بلا ضرورت بھی قدیم اہل تفسیر کا تخطیہ کرنے لگتے ہیں۔ اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ جہاں اُنکے اور اُنکے درمیان کوئی بھی حقیقی اور معنوی اختلاف نہیں، مولانا وہاں بھی اختلاف محسوس کرنے لگتے ہیں، اور انداز بیان ایسا اختیار کرتے ہیں، کہ گویا وہ پہلی بار کہہ رہے ہیں، حالانکہ وہ بات اگلوں کی زبان سے بھی ادا ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مولانا کے الفاظ میں اصلی صورت واقعہ یہ ہے کہ

"آنحضرت صلعم کے پاس سادات قریش بیٹھے ہوئے تھے آپ اُنکو تبلیغ و دعوت فرما رہے تھے اس بیچ میں ام مکتوم آگئے۔ آنحضرت صلعم کو یہ اندیشہ ہوا کہ اب یہ بھڑک جائینگے، اور کہینگے، تم نے چند اندھوں اور غریبوں کو طمع دلاکر اور بیوقوف بناکر جمع کر رکھا ہے، اور اب ہمارے لیے دام بچھاتے ہو۔ تو ہم اُس وقت تک تمہارے پیرو نہیں ہوسکتے جب تک تم انکو اپنی پیروی سے خارج نہ کردو۔ ہم اشراف ہوکر ان اراذل کی سطح پر نہیں اُتر سکتے" (ص۱۹)

لیکن اس میں اور حضرت مجاہد تابعیؒ کی روایت ذیل میں، بجز تشریح و توضیح کے، اصلاً و معناً فرق ہی کیا ہے؟

"آنحضرت صلعم سرداران قریش میں سے کسی سے تخلیہ میں باتیں کررہے تھے، آپ نے اُسکے سامنے اسلام پیش کیا تھا، اور توقع تھی کہ وہ قبول کرے گا، کہ بیچ میں حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم آگئے۔ آنحضرتؐ کی نظر پڑی تو آپ کو انکا ایسے وقت میں آنا ناگوار ہوا کہ یہ قریشی کہیگا کہ محمدؐ کے پیرو اسی قسم کے اندھے اور بہرے اور غریب و بے نوا لوگ ہیں۔ اس پر یہ آیت اُتری" (ص۲۴)

یا مثلاً مولاناؒ کے ان ارشادات میں کہ

"اس سورہ میں یہ بتایا کہ پیغمبر ایسے لوگوں سے اصرار و لجاجت پر

مامور نہیں جو قیامت کے خوف سے بے پروا ہوگئے ہیں۔
آنحضرت صلعم غایت رأفت و شفقت کے سبب یا فرطِ جوش تبلیغ و دعوت میں کبھی کبھی اصرار و الحاح کی راہ اختیار کر لیتے تھے (ص۳) "اس میں آنحضرت صلعم کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ آپ ان بے پروا اشقیاء کو چھوڑ کر صرف اُن لوگوں کو بھی تمام توجہ اور شفقت کا مرکز بنائیں جو اس نعمت عظمیٰ کے مستحق ہیں۔" (ص۵)

اور مولانا تھانوی مدظلہ کے بیانات ذیل میں کون سا عظیم الشان فرق ہے، درانحالیکہ بیان القرآن کو شائع ہوئے ایک قرن ہو چکا ہے
"شدید الکفر لوگوں کی ہدایت میں حضور پُرنور صلعم کو اہتمام اور کاوش فرمانے سے کوفت ہوتی تھی، حتیٰ کہ ایک بار اسی بنا پر ایک نابینا صحابی کا ایسے موقع پر آ کر بولنا موجب تکدر ہوا تھا، اس لیے شروع سورۃ میں ایک مجموعہ مع زوائد کے ساتھ جسکو لوگ عتاب کہتے ہیں اس قدر اہتمام سے تھی، اور خالیان صادق کے حال پر توجہ فرمانے کا امر فرماتے ہیں"۔ (ص۱ جلد ۱۲، بیان القرآن) قرآن محض ایک نصیحت کی چیز ہے اور آپ کے ذمہ صرف اسکی تبلیغ ہے، سو جسکا جی چاہے اسکو قبول کرے اور جو نہ قبول کرے وہ جانے، آپ کا کوئی ضرر نہیں، پھر آپ اسقدر کیوں اہتمام فرماتے ہیں ..... حاصل اس بات کا یہ ہوا کہ قرآن منجانب اللہ نصیحت کے لیے ہے، آپ نصیحت کر کے اپنے فرض سے ادا ہو جائینگے، خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے"۔ (ص۶)

مترجم کی زبان کی سلاست و شستگی شروع ہی سے قابل داد رہی ہے، اور اب تو وہ ماشاء اللہ خوب پختہ مشق ہوگئے ہیں۔

(۲) **رحمت عالم**- از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ ضخامت ۱۷۵ صفحات۔ تقطیع ۱۸×۲۲ قیمت ۱۲؍ پتہ: دار المصنفین اعظمگڈھ۔ یا شبلی بک ڈپو، نظیرآباد۔ لکھنؤ۔ (دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد، پٹنہ، متعدد اور مقامات سے بھی مل سکتی ہے)
اُردو کی مشہور و معروف سیرۃ النبی کے مصنف کے لیے سیرت نبوی سے بڑھکر مطبوع و دلچسپ اور کون موضوع ہو سکتا ہے۔ رحمت عالم کے نام سے یہ نسبتہً مختصر رسالہ انھیں کا تازہ ترین افادۂ قلم ہے۔ مصنف موصوف کی کسی نئی سیرتی کتاب کا تعارف کرانا تحصیل حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ کتاب عین اُن توقعات کے مطابق ہے جو مصنف کے نام سے پیدا ہو سکتی ہیں، زبان صاف و سلیس، انداز بیان دلنشیں اور سلجھا ہوا۔ معلومات محققانہ۔ کتاب چونکہ لکھی ہی گئی ہے، اسکولوں کے طلبہ اور اُنکے ہم استعداد دوسرے لوگوں کے لیے، اس لیے سلاست بیان اور زیادہ نمایاں ہے۔ شروع میں مفصل فہرست مضامین تین صفحوں میں ہے۔ ترتیب وہی ہے جو ضخیم سیرۃ النبی کی دو جلدوں کی ہے۔ پرانے مستفیدین زمانہ سے

بعض مشاہیر کی عادت ہوئی ہے کہ اپنی ضخیم و طویل تصانیف کا خود ایک خلاصہ تیار کر دیتے تھے۔ سید صاحب نے پھر سے اس سنت مردہ کو زندہ کر دیا [illegible] درسوں، عام پبلک لائبریریوں کے علاوہ یوں بھی ہر پڑھے لکھے مسلمان گھرانے میں اس کتاب کے ایک نسخہ کو جگہ ملنی چاہیے۔ اس طویل و عریض مجلدات سیرۃ النبی کے مطالعہ کی ہمت و استعداد ہر ایک تو لا نہیں سکتا۔

(۳) **اسلام زندہ باد**- از جناب عبد المجید صاحب قرشی۔ ضخامت [illegible] صفحے۔ قیمت [illegible] پتہ: سیرت کمیٹی، پٹی، ضلع لاہور
قرشی صاحب کے نام اور اُنکے دلچسپ طرز تحریر سے اردو خواں میں کون واقف نہیں؟ یہ انکی تازہ ترین تالیف لطیف ہے۔ کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے کا عنوان ہے "اسلام کی شان" اور دوسرے کا "مسلمان کی شان"۔ باب اول میں [illegible] کے قبول اسلام کے موثر حکایات درج ہیں، اور بعض اُن میں سے حضرت [illegible] چند عنوانات یہ ہیں:- ایمان کی تلاش، حج کی [illegible] نماز کا جادو۔ دوسرے باب میں سیرت نبوی سے [illegible] کی موثر کہانیاں درج ہیں۔ [illegible]
پیغمبر اعظم، خلیفہ برحق، سلطان عادل [illegible]
بعض روایات یقیناً بہت ضعیف [illegible] سے کچھ زیادہ تعلق بھی نہیں۔ تاہم کتاب [illegible] دونوں پیدا کرنے والی۔ اور روح کتاب [illegible] قلوب انسانی پر چلنے والی [illegible]
دین حق کی روحانی فتوحات کی [illegible]
یہ اکثر ناظرین کی ذہنیت کے اعتبار سے کچھ زیادہ مبالغہ آمیز نہیں۔ کتاب عام اشاعت کی مستحق ہے۔

(۴) **اسلامک کنسپشن آف اسٹیٹ** (انگریزی) از مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی۔ ضخامت ۳۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: دفتر رسالہ ترجمان القرآن، پونچھ روڈ۔ لاہور۔
"اسلام کے نظریہ حکومت" کے عنوان سے مولانا مودودی نے ایک خطبہ لاہور کی ایک جامع مسجد میں ارشاد فرمایا تھا۔ بعد کو وہ انکے رسالہ ترجمان القرآن میں چھپا اور اب یہ اس کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے۔ مولانا کے مبصرانہ و محققانہ خیالات اس باب میں معلوم و معروف ہیں۔ [illegible] اصولی بحثیں اتنی ضخامت میں ممکن تھیں سب اس رسالہ میں موجود ہیں۔ اور مقالہ کہیں سے تشنہ نہیں معلوم ہوتا۔ ترجمہ کی زبان بھی بہت غنیمت ہے۔ البتہ آنحضرت صلعم کے لیے ہر جگہ محض اسم مبارک محمد لاتے رہنا، مترجم صاحب کا ایک غلط اجتہاد، [illegible] کی بے معنی تقلید ہے۔ اسی طرح ص۳ کے حاشیہ میں "رسول" کا ترجمہ جو Apostle کر کے اس سے عدول کیا گیا ہے، یہ معروضہ بھی صحیح نہیں۔ "اپاسل" لفظ نبی کا ترجمہ اور صحیح ترجمہ ہے۔ رسول کے لیے معروف و متداول لفظ Messenger ہے۔ [illegible]

(۵) **حسن و عشق**- از [illegible] ۲۸ صفحے قیمت [illegible] پتہ: محمد صدیق صاحب [illegible]

جاہلیت قدیم کی بازگشت

(ہندوستانی دنیا میں بے پردگی کے لیے بیقراری۔ مسلمان
پردہ نشیں خواتین کے لیے سامان عبرت)

کلکتہ ۷ ستمبر۔ آج سنیچر کے روز ستیا نرائن پارک بازار میں ہندو عورتوں کی انٹی پردہ کانفرنس ہوئی جسکی صدارت مسز رادھا دیوی گوئنکا (ناگپور) نے کی۔ کانفرنس کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت پنڈال بنایا گیا تھا۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار عورتیں شریک ہوئیں۔ بمبئی، دہلی، لکھنؤ، ناگپور، رانچی اور دوسرے مقامات سے ڈلیگیٹ عورتیں شریک ہوئیں۔ پنڈال میں عورتوں کا اتنا اژدہام ہوگیا کہ بعض مردوں کو جنھیں شرکت کی اجازت دی گئی تھی عورتوں کے لیے جگہ چھوڑ دینا پڑی۔ ایسی عورتیں بھی کانفرنس میں شریک ہوئیں جو سختی کے ساتھ پردہ پر عمل کرتی ہیں۔

پریسیڈنٹ کانفرنس مسز رادھا دیوی گوئنکا سنیچر کی صبح کو ناگپور سے ہوڑہ اسٹیشن پہونچیں تو انکا بہت ہی پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ انھیں جلوس کی شکل میں ہریسن روڈ سے زکریا اسٹریٹ لایا گیا، جہاں وہ مسٹر ڈی پی کھیتان کے مکان میں قیام پذیر ہوئیں۔ جلوس زیادہ تر لڑکیوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ البتہ مرد رہنما کار کچھ تعداد میں جلوس کے آگے آگے تھے۔ ایک درجن نوجوان عورتیں جو ہندو مشن کی ممبر تھیں گھوڑوں پر تھیں۔ انکے پیچھے سکھ عورتیں ننگی تلواریں لیے تھیں۔ نیشنل یوتھ لیگ کی لڑکیاں باجے بجا رہی تھیں۔ ان لڑکیوں کے پیچھے ہندو مشن کی دوسری عورتیں تھیں جو جھنڈے گھما رہی تھیں۔ آریہ کنیا مہا ودیالے کی لڑکیاں اپنے کندھوں پر نقلی رائفلیں لیے ہوئے ساری کائنات کو دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ اسکے بعد مارواڑی بالکا ودیالے کی لڑکیاں زعفرانی ساریوں میں ملبوس قومی جھنڈیاں لیے ہوئے تھیں۔ اخیر میں بالکا سکتی شنگھا کی بنگالی لڑکیاں سرخ ساریوں میں پوری جلوہ گاہ پر رومانی افشاں چھڑک رہی تھیں، ان کے پیچھے رخ پر نقاب ڈالے ہوئے مارواڑی عورتیں تھیں۔ اتنی شان و شوکت کے ساتھ پریسیڈنٹ ... کانفرنس کا جلوس ہوڑہ اسٹیشن سے چل کر زکریا اسٹریٹ آکر ختم ہوا۔

کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے صدر مجلس استقبالیہ مسز رکمنی دیوی برلا نے اپنی تقریر میں، کہا "میں خود پردہ میں رہ چکی ہوں اور پردہ کے نقصانات پوری ذمہ داری کے ساتھ بول سکتی ہوں۔ جو لوگ سوشل ریفارم (معاشری اصلاح) کی وکالت کرتے ہیں میں ان سے اپیل کرتی ہوں کہ انسداد پردہ کو اپنے پروگرام میں سب سے آگے رکھیں۔ یہ بہت ہی شرم کی بات ہے کہ جہاں دوسری جماعت کی عورتیں قومی جدوجہد میں حصہ لینے کے لیے ایکدوسرے سے آگے بڑھ رہی ہیں وہاں مارواڑی جماعت کی عورتیں پردہ کو ہٹانے کی ضرورت پر بحث کرنے کے لیے جمع ہوئی ہیں۔

پریسیڈنٹ مسز رادھا دیوی گوئنکا نے موجودہ جنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ آزادی کی جنگ ہے عورتوں کو چاہیے کہ اپنی آزادی کے لیے جنگ کریں۔ عورتوں کے مدارج پر بحث کرتے ہوئے مسز گوئنکا نے کہا "عورتوں کو مردوں کے برابر مدارج حاصل ہونے چاہییں۔ میرا یہاں تک خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے لڑکوں سے لڑکیاں زیادہ موزوں ہیں میرے خیال میں عورتوں کو ممکن ترین اعلیٰ تعلیم دی جائے۔

معاشری اصلاح پر بحث کرتے ہوئے مسز گوئنکا نے انسداد پردہ پر زور دیا اور کہا "پردہ مذہب، معاشرت اور تہذیب جدید کے منافی ہے۔ پردہ حفاظت نہیں کرتا بلکہ شرم و حیا کو مار ڈالتا ہے۔ ایک قوم یا ایک ملک کا اندازہ اسکی عورتوں کے مدارج سے کیا جاتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتیں محض گھر کے کاموں میں لگی رہیں اور سوسائٹی کو آگے بڑھنے میں مدد نہ دیں۔"

(عصر جدید)

ہندوستانی عورت

(ہندی تہذیب کا روشن پہلو۔ مس پھول کماری چوہان آف دولت پور ٹیالہ گورنمنٹ۔ متعلمہ اسپشل ٹریننگ کلاس گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول جالندھر کے قلم سے)

ہندوستان کی پڑھی لکھی عورتوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے یا یہ کہو کہ خیال پیدا کیا جا رہا ہے کہ عورت مرد کی غلام نہیں ہے۔ انھیں وہی حقوق حاصل ہونے چاہییں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں کچھ سیاسی حقوق دیے بھی جا رہے ہیں۔ مگر میری والدہ مرحومہ چودھرانی سردار بائی باوجودیکہ خود تعلیم یافتہ اور ملک کی مشہور ادیبہ ہونے کے عورت کی حقوق بازی کی جدوجہد کے سخت برخلاف تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ جب سے ہندوستان میں عورتوں کے دلوں میں مساواتی خیالات کا پرچار کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی عورت مغربی عورت کی طرح آزاد اور بیباک ہو رہی ہے اور گرہستی جیون برباد ہو رہا ہے۔ اُنھوں نے انبالہ کے ضلع کے ایک ساہوکار اور اسکی عورت کی مقدمہ بازی کا حال اخبارات میں پڑھا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں، ہندوستان مغرب کی تقلید کر رہا ہے، کہیں وہ مثال نہ ہو کہ

ہوئی تقلید خسرو کی تو کار کوہکن بگڑا
چلا جب چال کوا ہنس کی اسکا چلن بگڑا

اُنھوں نے ہم بچوں کو کئی بار وہ کہانی سنائی تھی جو ایک مڈل پاس ہندوستانی لالہ کو صاحب بہادر کہلانے کا شوق چرّایا تھا، اور اُسے لالائن کو لیڈی بنانے کا خبط سمایا تھا۔ اُسے خود کو صاحب اور گھر کی عورت کو لیڈی اور نوکر کو بیرا لوگ کہلانے کا سودا چرّایا تھا۔ اور آخرکار ذلیل و خوار ہو کر اُس راہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

والدہ محترمہ کا خیال تھا کہ مغرب میں عورتوں کو حقوق کی ضرورت ہو تو ہو مگر ہندوستانی تہذیب اور بھارت ورش کے پتی اور پتنی کے رشتہ میں آپا دھاپی اور خود غرضی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ہندوستانی عورت اپنے پتی کو دنیاوی ایشور اور مجازی خدا سمجھتی ہے ہندوستانی

عورت پتی کی محبت اور شوہر کی عشق کی دیوانی تھی۔ وہ پتی کی مردہ لاش کے ساتھ زندہ جل جانا ایک کھیل سمجھتی تھی۔ پھر وہ اپنے سوامی سے یہ "وہ" اسکا، اُسکا، تیرا، میرا، تمھارا، ہمارا کی گردان کیوں کرے۔ وہ جانتی تھی کہ ٹھیکرا کر دنیاوی دولت تو لیجا سکتی ہے، محبت یا پیار ڈنڈے کے زور سے یا ہاتھا گاندھی کی ستیہ گرہ ہی کرے نہیں خریدا جا سکتا۔ عورت کی محبت کے راستہ میں سماج کا بنایا ہوا قانون تو کیا، کوہ ہمالیہ بھی سدِ راہ نہیں ہو سکتا۔ اندھیری رات کی تاریکی، آندھی کا زور، طوفان کا شور، دریاے چناب کی خوفناک

تشریح بدن کرتی ہیں مغرب کی نگاہیں
ہیرے کے یہ بازو ہیں یہ تلوار کی رانیں
پلکیں ہیں یہ تیر، اور یہ ابرو ہیں کمانیں
آمینوں میں آئینہ ہیں جوبن کی اٹھانیں

یہ جلوہ نہ مذمت نہ ستایش کے لیے ہے
یہ پیار کی خاطر ہے نمایش کے لیے ہے!

مگر ہندوستانی عورت تو محض پریم کی دیوانی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ پریم ایک سُریلا ساز ہے جو دو مختلف دلوں کی تاروں کے یکجا ہو جانے پر خود بخود بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ مغربی عورت کی طرح مردوں کی دنیا سے سیاسی اور تمدنی حقوق کے لیے لڑائی کیوں کرتی۔ وہ سمجھتی تھی کہ میرا کام اس دنیا میں محض ایک ہی مرد سے ہے، وہ جسکو قدرت نے میرا خاوند یا شوہر بنا دیا ہے۔ اور اسکے لیے وہ اپنے آپ کو بالکل قدرت یا خدا کے حوالہ کر دیا کرتی تھی۔

اسلام کی دنیا میں بھی اُسے خاوند طلاق دیدے تو دیدے مگر خود اُس نے اپنے مجازی خدا کو کبھی طلاق دینے کا خیال نہ کیا۔

آج دنیا والے دیہات سُدھار کا شور بلند کر رہے ہیں۔ کوئی ناک سُدھار کے لیے چیخ پکار کر رہا ہے۔ مگر بہت سی مدتیں گزر چکیں اور کئی یگ تمیت ہو گئے کہ ہندوستانی عورتوں نے من سُدھار کا گُر سیکھ رکھا تھا۔

آج ہندوستانی عورت کو جو حقوق دیئے گئے ہیں یا دیے جا رہے ہیں وہ مردوں کے من کی موج ہے۔ وہ مغربی فلم کا کھیل دیکھنا چاہتے ہیں، دیکھیں، شوق سے، یہ اُنکے من کی موج ہے۔

آج عورت کی زبان سے جو کچھ بولا جاتا ہے وہ دراصل مرد بول رہے ہیں۔ دراصل بھارت ورش کی دیوی کی دُنیا نرالی دنیا ہے۔ وہ جہاں حسد نہیں، بیر نہیں، پریم ہی پریم ہے۔ اُسے نہ عہدے کی ضرورت ہے نہ تنخواہ کی حاجت۔

(رگھونیج۔ لدھیانہ)

بزم ہمدردان صدق

ارکان بزم ہمدردان صدق کی تعداد، پچھلے ہفتوں میں ۱۰ ½ تک پہونچ چکی تھی۔ اس ہفتہ میں بھوپال کی ایک مخلص خاتون (صدق اور سچ کی قدیم کرم فرما) کے ہاں سے ایک حصہ کی خریداری کے ۲۵ روپے اور وصول ہوے۔ گویا اب کُل تعداد ارکان بزم ہمدردان کی ۱۳ ½ تک پہونچی۔

التماس کی پذیرائی

۲۳- جناب محمد باقر صاحب	کوہ نور (مدراس)	ایک خریدار
۲۴- جناب حافظ محمد عثمان صاحب	پشاور	ایک خریدار
۲۵- جناب عبد الرحیم صاحب	فیروزپور	ایک خریدار

اعلان تعطیل

عید کی سالانہ تعطیل صدق کا قدیم دستور ہے۔ اسکی بھی حسب معمول یہ تعطیل ۴ر نومبر کو لیکر آیندہ پرچہ ان شاء اللہ ۱۱- نومبر کا حاضر خدمت ہوگا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ مرشد آباد، ویلیس گولا گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

نمبر ۲۷ | دوشنبہ ۔ ۱۷ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء | جلد ۶

سچی باتیں

بھوت پریت، خبیث، آسیب، چڑیل، کے آپ قائل ہوں یا نہ ہوں، واقف تو بہرحال اُنکے ناموں سے اور کارناموں سے ہونگے۔ فلاں پر "شیخ سدو" آ گئے، اور وہ کھیلنے لگا۔ فلاں پر "لونا چماری" کا اثر ہو گیا۔ فلاں کو "کلوا بیر" نے دبا لیا۔ فلاں کو آسیبی خلل ہو گیا۔ فلاں پر جنات آ گئے، فلاں پر پریوں کا سایہ ہو گیا۔ یہ چیزیں کس کے علم میں نہیں؟ کون ان سے بے خبر ہیں؟ اسکے بعد وہ انسان اپنے آپ میں نہیں رہ جاتا، اب وہ چیز ہی کوئی اور۔ اچھا خاصہ، بھلا چنگا انسان اور جہاں اُس پر کوئی آنے لگا، اُسکے سر پر کوئی سوار ہو گیا، بس وہ اپنے قابو میں نہیں۔ اول فول بکیگا، دیوانوں کی طرح دوڑیگا، مارے گا، بال نوچیگا، آنکھیں نکالیگا، دانت پیسیگا، بے وجہ روئیگا، بلاوجہ ہنسیگا، اور جب تک یہ جنون کا دورہ طاری رہیگا، وہ اپنے آپ میں نہ رہیگا، ہوگا کچھ اور نظر آئیگا کچھ —— سبب جنّی و طلسمی جو کچھ بھی ہوں، علامات و آثار کا خلاصہ بس یہی ہے۔

جن اور بھوت، آسیب و خبیث کے افسانے پارینہ ہو چکے، جھٹلائے جا چکے، پرانی ہو گئیں۔

اس دور میں جام اور ہے مے اور ہے جم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

—آب آسیبی خلل "نئے نئے ناموں سے پڑنے لگے۔ لوگوں کے دماغ نئی نئی اصطلاحوں کے ماتحت بگڑنے لگے۔ بدحواسیاں، خود فراموشیاں

سب کے جھٹلاتے ہوئے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ "ترقی" ہم مسلمان جبھی کر سکتے ہیں، جب بے تکلف سودی کاروبار شروع کر دیں اور بینک کھولنے لگیں۔ دوسرے فرماتے ہیں، کہ جب تک ہم اپنی عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش، سینہ بسینہ الگ الگ ایک ساتھ نہ بٹھائینگے، ترقی کے دوڑ میں کسی قوم سے بازی لے ہی نہیں جا سکتے۔ تیسرے صاحب کا ارشاد ہے کہ اصل چیز دولت کی صحیح تقسیم ہے، جب تک سوشلزم کی بنیاد پر ملت کی از سر نو تنظیم نہیں کرتے، ہم مسلمان پنپ نہیں سکتے۔ چوتھی سمت سے صدا بلند ہوں ہے کہ قومی فلاح کا راز "ضبطِ حمل" میں ہے، سلسلۂ توالد بند کرو، اور اپنی عورتوں کو آزادی کا سانس لینے کا موقع دو۔ ایک اور صاحب کی تبلیغ ہے کہ زندہ رہنا ہے، تو زندہ قوموں کا رسم الخط اختیار کرو، اپنے نستعلیق و نسخ پر خط نسخ کھینچ دو، اور لاطینی حروف بائیں سے داہنی طرف لکھنے شروع کر دو۔ ایک اور بزرگ کا وعظ ہے کہ ہمیں روایات حدیث نے تباہ کر ڈالا، سلامتی چاہتے ہو اور اسلام پر قائم رہنا ہے، تو بخاری اور مسلم کے دفتروں کو آگ لگا دو —— یہ سب اگر طبی اصطلاح میں "ہسٹیریا" نہیں تو اور کیا ہے؟ خوش اعتقادوں کی زبان میں، اگر آسیب زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ لال اور ہلکی، مزدک اور مارکس، ڈارون کے نئے عفریت جس طرح افراد کے سر پر آ جاتے ہیں، اُسی آسانی کے ساتھ قوموں اور جماعتوں کو بھی پچھاڑ دیتے ہیں۔ اور "روشن خیالی" اور "تجدد نوازی" "سوشلزم" اور "کمیونزم" کی بیماریاں جس طرح افراد و اشخاص کو توڑ دیتی ہیں، اسی طرح یہ وبائیں پوری آبادیوں کی آبادیوں میں بھی پھوٹ پڑتی ہیں، اور دیکھتے دیکھتے قوم کی قوم کو تباہ کر کے دکھا دیتی ہیں۔ ترکیہ ان بلاؤں کا شکار ہو چکا، مصر انکے آگے جھک گیا، ایران ان میں مبتلا ہو چکا، عراق، شام، فلسطین،

اُس وقت دنیوی حاکم کیوں پیچھے رہ جاتے؟ دو سیلنگ پرگوار جنرل خود کہتے کے بعد انگلستان میں فتن و تقلب کے آثار استوار ہو لگے، اور خیانت کے جو مقدمات [illegible] ہوئے اُن پر حیرت کی بات ہی کون سی رہ جاتی ہے؟

ترقی کا معیار

"لندن ۳۰ نومبر۔ امریکہ میں انتخاب صدارت کا جوش جنون اپنے پورے زور پر ہے .... مسٹر روزویلٹ کے حریف نے ترقی مقابل کا تماشا بھی دم کر رکھا ہے۔ مسٹر ولکی جس دن جس میٹنگ میں جو پہنچے، اُنکا استقبال گندے انڈوں، ٹماٹروں، اور اسی قبیل کی دوسری گولیوں گولوں سے کیا گیا.... مسٹر ولکی ۳۰ ہزار میل کا دورہ کر چکے ہیں، ۵۰۰ جلسوں میں تقریریں کر چکے ہیں، اور اندازہ ہے کہ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ انسان اُنکی تقریریں سُن چکے ہیں۔" (رپورٹر)

سیاسی حریف کی تقریر کے وقت اُس پر گندے انڈوں اور ٹماٹروں اور مثل اسکے دوسری "گولیوں گولوں" کی بوچھار کرنا دنیا کے مہذب ترین ملک کی تہذیب کا کمال ہے! غریب ہندوستان ترقی کے اس معیار سے ابھی کتنا پست ہے؟ ——— اور پھر اپنے ہی انتخاب کے لیے تیس تیس ہزار میل کا سفر کر ڈالنا، اور مدحِ خود کے موضوع پر پانچ پانچ سو جلسوں میں تقریر کر ڈالنا! غریب مشرقی یہ ہمت اور یہ حوصلہ کہاں سے لا سکتا ہے!

پردہ کی ناگزیری

عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں ایک مقرر نے کہا کہ پردہ کی رسم جو اب تک باقی ہے، اسکے ذمہ دار خود ہمارے نوجوان لڑکے ہیں۔ زبان سے تو یہ لوگ جلسوں میں پردہ کی برائیاں کرتے ہیں، لیکن عمل سے پردہ کے دستور کو زندہ کیے ہوے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ اس شہر میں سودیشی نمائش کھلی ہوئی تھی، وہاں ہر کسی [illegible] شرم کی دکان پر جہاں ادھر کوئی لڑکی پہونچی، بس اُدھر سے نوجوان لڑکوں نے بھی اُسے آگھیرا۔ دکان پر لڑکیوں کا اپنی عزت و آبرو بچا کر ٹھہرنا ناممکن تھا۔ پردہ خود بخود اُسوقت ٹوٹ جائیگا جب عورتوں کو اطمینان ہو جائے کہ اُنکی عزت محفوظ رہیگی۔

تقریر کرنے والے، یو۔پی کے مشہور ہندو قومی کارکن تھے، اور موقع تقریر الٰہ آباد کی ایک مشہور ہندو درسگاہ کا سالانہ اجلاس تھا۔ مقرر، پردہ کے حامی ہرگز نہیں، خود پردہ شکن ہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ مردوں خصوصاً نوجوانوں کا طرزِ عمل عورتوں کو پردہ پر مجبور کیے ہوے ہے۔ ——— سوال صرف اتنا ہے کہ یہ مجبوری صرف عارضی و مقامی ہے؟ مردوں کی یہ فطرت کیا کسی خاص شہری آبادی کے ساتھ مخصوص ہے؟ "آزادانہ اختلاط" کے نتائج کسی خاص رقبہ کے اندر محدود ہیں؟

علم الحیات کا فتویٰ

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک غیر مسلم [illegible] سے، ایک نامور مغربی محقق حیاتیات [illegible] نے [illegible] کہ مرد کے مادہ منویہ میں [illegible]

سے ہوتے ہیں، ایک قسم کے وہ جرثومے سر گول ہوتے ہیں، اور اُن سے زنانی جنین کی تخلیق ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جرثومے سر نوک دار ہوتے ہیں، ان سے رحم مادر میں جنین مردانی تیار ہوتی ہے۔

لیجیے، یہ سائنس والوں نے بھی شاید قسم کھا رکھی ہے کہ جو بات کہینگے "تجدد" کے خلاف ہی کہینگے! اب تک تو "تجدد پسندوں" کا دعویٰ صرف اتنا ہی تھا کہ بچہ اور بچی، لڑکا اور لڑکی اپنے وقتِ پیدائش ہی سے ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز ہوتے ہیں، اور اس لیے دونوں کے قویٰ کا نشو و نما بھی الگ الگ خطوط پر ہوتا ہے، اور قدرۃً دونوں کے دائرۂ عمل عمر بھر ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں۔ بیالوجی کا یہ نیا فتویٰ کہاں سے نکل آیا، کہ دونوں جنسوں میں افتراق و امتیاز کی بنیاد پیدائش کے وقت سے نہیں اس سے بھی قبل سے پڑ چکی ہے! دونوں کی جنسیت بھی جداگانہ ہوتی ہے! دونوں میں امتیاز رحم مادر سے قبل، صلب پدر ہی سے شروع ہو جاتا ہے!

مسلک انکار حدیث

کیمبل پور (پنجاب) سے ایک کرمفرا تحریر فرماتے ہیں:-

"۲۸ اکتوبر کے صدق میں، [illegible] اسلام [illegible] دہلی کے ایک گریجویٹ کرمفرا کی تحریر اور اس پر آپ کا نوٹ نظر سے گزرے .... افسوس ہے کہ آپ کا نوٹ اطمینان کا باعث نہیں ہوا بلکہ آپ کی تحریر کی روشنی میں جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں وہ اور زیادہ [illegible] ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "غنیمت اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ پڑھ کر دل کو وہ تکلیف نہیں ہوئی کہ جو اس سے قبل کے بعض نمبروں میں تنقیدِ حدیث پڑھ کر ہوئی تھی"۔ اسکا صاف مطلب مدعا یہ ہوا کہ جو چیز آپ کے یا آپ کے زمرہ کے اصحاب کے دل کو کم تکلیف دہ ہو وہ دینی مستحق رعایت و اجر ہے۔ یہ تو مسلّم ہے کہ توبہ و اصلاحِ عمل کے بعد انسان اجر و رعایت کا مستحق ٹھہرتا ہے، اگر یہ معلوم نہ تھا کہ [illegible] لغزش کے باعث بھی انسان رعایت و اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

پھر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "آپ ارشاد رسول اللہ صلعم کے قول و عمل سے قطع نظر کر لینا بڑے [illegible] پر نہیں شاخ پر بھی نہیں دین کامل کی جڑ پر ضرب لگانا ہے۔" کیا اس ضرب کے بعد بھی کسی کی اسلامی خدمات رعایت و اجر کی مستحق ٹھہر سکتی ہیں؟ تو کیسے؟ اور حبطِ عمل کا قانون اگر ایسی حرکت پر بھی نافذ نہیں ہوتا، تو پھر اس قانون کس وقت آتا ہے؟"

دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے بدعقیدگی، روش و مسلک کی غلطی، گمراہی۔ دوسری چیز ہے بدزبانی، اشتعال انگیزی، بے تمیزی۔ دونوں کے احکام جداگانہ ہیں۔ افسوس بدعقیدگی پر ہوتا ہے اور دل کڑھتا ہے۔ غصہ زبان درازی پر آتا ہے، سب و شتم اور انکار نبوت رسول [illegible] دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، اور فقہائے حنفیہ نے اپنی خداداد بصیرت و دقت نظر سے اس فرق کو خوب [illegible] کر لیا ہے۔ قرآن مجید نیا [illegible]

توبہ کی آیت وطعنوا فی دینکم کی تفسیر کے ضمن میں ان شاء اللہ اسکی وضاحت کردی جائیگی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص عقیدہ کی غلطی میں بدستور مبتلا رہے۔ لیکن پہلی تحریر ہیں کا دلآزار و دلخراش طرز بعد کو بدل دے۔ ایسی صورت میں اسکے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ بعد کی تحریریں غنیمت اور نسبتاً کم تکلیف دہ ہیں؟

حبط عمل کا خطرہ اور اندیشہ یقیناً قائم ہے۔ لیکن جس کا مومن ہونا دوسرے دلائل و شواہد سے ثابت ہو، اسکے لیے تاویل اگر وہ تاویل ضعیف ہو اور حسن ظن کی گنجائش ہر حال باقی ہے۔ حبط عمل کا دارومدار نادانستہ زبان پر ہے، اور نازی رسولؐ کی تعیین میں گفتگو ہو سکتی ہے۔

خلافت کمیٹی کی یاد

گزشتہ جنگ کے دوران میں مسلمانان ہند نے ایک ادارہ قائم کیا تھا جسکے ذریعہ سے ان ممالک اسلامیہ کی بیش قدر خدمات انجام دیگئی تھیں جو شعلہ جنگ کی لپیٹ میں آگئی تھیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اسے پھر زندہ کریں۔ اور اسی جماعت یعنی تحریک خلافت کا احیاء کرکے اسے اس قابل بنادیں کہ وہ ایک بار پھر جوش و خروش کے ساتھ ممالک اسلامیہ کی خدمت کرے۔ گو علی برادران جیسی عظیم المرتبت ہستیاں ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اسلام تو زندہ ہے، اور ان شاء اللہ زندہ رہیگا جب تک دنیا ہے ایک زندہ اور خدائی قوت کی طرح باقی رہیگا۔ (ایک اخباری بیان)

(از سر محمد یعقوب)

اسلام کا بین الملی تعلق قائم رکھنے کیلیے خلافت کمیٹی کی ضرورت اول روز سے تھی، اور برابر قائم ہے۔ حیرت اس پر ہے کہ اسکا احساس سر موصوف کو اب جاکر ہو رہا ہے۔ البتہ سر یعقوب کو بیان دیتے وقت یہ خیال نہ آیا کہ خلیفہ، خلافت اور خلافت کمیٹی کے نام سے خود انکے بعض کے دلوں میں کس درجہ نفرت و بیزاری ہے، اور اس قسم کے الفاظ سنتے ہی تلملاہٹ اور طنز و تعریض کے کس بے پناہ جوش سے بھر جاتا ہے! — مرادآباد کی خلافت بیزاری کے جواب میں احیاء خلافت کی ہمت مرادآباد ہی کی سرزمین کرسکتی تھی! سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ لوہا ہی لوہا کاٹ سکتا ہے!

خرافات نیاز

ناسک کے ایک مشہور صاحب علم بزرگ لکھتے ہیں:—

"نیاز کے خرافات عشرہ پڑھنے کا مجھے خود تو موقع ملا نہیں لیکن اب صدق ہی میں تردید کے ضمن میں اسکے سوالات پڑھ کر حیرت ہوئی کہ یا تو وہ دیوانہ ہے یا یہ بھی اس کا مسخرہ ہے۔ ایک لطیفہ یاد آگیا۔ جب میں منطق کی ابتدائی تعلیم پا رہا تھا، اور مغالطۂ عامۃ الورود کی تقریر پڑھی، تو تمثیلاً میں نے بھی مغالطے بنا رکھے تھے۔ اور لوگوں پر اس کی مشق کیا کرتا۔ پوچھتا کہ تم دیکھتے ہو یا تمھاری آنکھ؟ اگر یہ کہتے کہ تم نہیں دیکھتے بلکہ تمھاری آنکھ دیکھتی ہے تو تم اپنے منہ سے اندھے ثابت ہوئے اسلیے کہ جو نہیں دیکھتا اسے کہتے ہو کہ تم ہی دیکھتے ہو تمھاری آنکھ نہیں دیکھتی اسی کو تو اندھا کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نیاز جس مغالطہ سے کلام اللہ کا کلام اللہ نہ ہونا نکالنا چاہتا ہے، اس سے تو خود نیاز کے بھی مرکل وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہتا تو ہاتھ ہے اور ہاتھ نیاز نہیں ہے۔ پس جو کچھ نیاز کے نام سے لکھا ہوا ہے، نیاز کا لکھا ہوا نہیں ہے، مگر اس سے زیادہ احمق تو اسکے معتقدین ہیں۔ اور مولانا حالی کا شعر حق ہے ؎

دنیا طلب کو چاہیے ابلہ فریب ہو

دنیا پہ جب تک کہ مسلط ہے ابلہی

آپ نے آخر میں مولانا سید سلیمان سے بھی لکھوا چھوڑا لیکن کیا یہ خرافات کسی جواب کے بھی مستحق تھے؟ اگر دنیا اتنی احمق ہو چکی ہے کہ نیاز کے خرافات کو صحیح العقل انسان کا کلام سمجھتی ہے تو "ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے!"

قمار بازی بطور عبادت

"آج دیوالی کے دن جوا کھیلنا مبارک ہے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ آج ہی کے دن شیوجی نے اپنی بیوی پاربتی سے جوا کھیلا تھا، اور اپنی ساری لنگ ہار بیٹھے تھے اور آج ہی تمام دیوتاؤں مثلاً شیوجی، پاربتی، کارتک، گنیش، نارد، وادان وغیرہ نے قمار بازی کی ہے اور شیوجی آج ہی پانسہ کے قالب میں ظاہر ہوئے ہیں اور پاربتی نے آج کے دن جوا کھیلنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے۔ انسان کی دنیوی زندگی کے اعمال و مشاغل بھلا جوے کے اور میں کیا؟ اور آج کے دن جوے کو مبارک قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں زیادہ محتاط و مستدین رہے۔"

اقتباس ایک ہندو فاضل کے ایک مضمون سے ہے، جو دیوالی اور اسکے فلسفہ پر ۱۹ - اکتوبر کے ایک انگریزی روزنامہ میں شایع ہوا تھا۔ اپنے پڑوسیوں ہم وطنوں کی "مذہبی" زندگی آپ نے دیکھ لی؟ قمار بازی جائز ہی نہیں، فلاں سالانہ تقریب کے موقع پر متبرک و مستحسن ہے! اور سند یہ ہے کہ بڑے بڑے رشی اور سادھو اور مہاتما کس گنتی میں ہیں، خود بڑے بڑے دیوتاؤں، دیویوں اور خداؤں نے اس دن جوا کھیلا ہے! اور اس تعلیم کو برحق ماننے والی کتنی بڑی تعداد پڑھے لکھوں کی آج بھی موجود ہے! یہ اسلام ہی کا قانون ہے جس نے اس مقبول و مطبوع رسم کو بے دھڑک حرام قطعی قرار دیدیا — اس مثال اور اس قبیل کی بیسیوں اور پچاسوں دوسری مثالوں کے بعد بھی یہ کہنا کچھ غلط ہے، کہ اسلام ایک مستقل جہاد ہے، اور ایک مستمر نعرۂ انقلاب ہے دنیا کے تمام دوسرے مذاہب والوں کے خلاف؟

بزم ہمدردان صدق

جناب مجید علی صاحب (پتہ تو لکھا ہی نہیں، نام بھی صاف پڑھا نہیں گیا)

کلام اللہ

(از جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

(۲)

۱۔ الہام والقاء ۔ یعنی آواز اور قاصد کے بغیر قدرت بلاواسطہ وہ قلب میں ڈال دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ وہ اس علم کو قلب میں ڈال دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ وہ اس علم کو قلب انسانی میں پیدا کر دیتا ہے اس احادیث میں "نفث فی الروع" کہا گیا ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پردہ کے پیچھے سے یعنی غیب سے کوئی آواز آتی ہے، جسکو نبی سنتا ہے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ یا قاصد الٰہی نبیوں کے پاس خدا کا پیام لیکر آتا ہے، اور وہ انکو سکھا اور بتا جاتا ہے، یا قلب میں اتار جاتا ہے۔

نکتہ ۔ آیت بالا کا اخیر ٹکڑا جس میں اللہ تعالیٰ کی رفعت شان اور حکمت دونی کا ذکر ہے اس موقع پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کی بلندی اور علو و رفعت تو اس کی مقتضی ہے کہ کسی بشر کی مجال نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسکو اپنے کلام کا شرف بخشے کہ وہ علی ہے لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے اس کی حکمت اور مصلحت کا اقتضا یہ ہے کہ بندوں کو اپنے علم کی اطلاع بخشے۔ اس لیے اس نے اپنی رفعت اور بلندی کے باوجود بمقتضائے حکمت، وحی کے یہ تین طریقے پیدا کیے جنکے ذریعہ وہ اپنے علم و مشیت سے بندگان خاص کو آگاہ فرماتا ہے۔

احکام الٰہی وحی کے ان تینوں طریقوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوے ہیں۔ یعنی وحی بلا آواز و واسطہ ۔ اور وحی بآواز غیب، اور وحی بذریعہ قاصد و فرشتہ ۔ چنانچہ قرآن پاک میں انھیں آیتوں کے بعد اُن سے متصل ارشاد ہے

وکذلک اوحینا الیک	اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے
روحا من امرنا ما کنت	دین کی روح (قرآن) وحی کی تو پہلے
تدری ما الکتب ولا الایمان	جانتا بھی نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور
ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ	ایمان کیا چیز ہے۔ لیکن ہم نے اسکو
من نشاء من عبادنا۔	روشنی بنایا ہے جس سے اپنے بندوں
(شوریٰ)	میں سے جسکو چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں

یہ آیت وحی کے اقسام ثلثہ کو جامع ہے (تفسیر روح المعانی میں ایک قول) اب خاص قرآن پاک کی نسبت آیتیں ملاحظہ ہوں۔ سورۂ بقر میں ہے:۔

قل من کان عدوا لجبریل	کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (تو وہ ہو) اس
فانہ نزلہ علی قلبک باذن	سے قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آتا کیونکہ
اللہ۔ (بقرہ)	اس نے (اے محمد) تیرے قلب پر خدا کے حکم
	سے اس قرآن کو اتارا ہے۔
وانہ لتنزیل رب العالمین	یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے
نزل بہ الروح الامین علی قلبک	اترا ہے اسکو روح الامین (فرشتہ) لیکر تیرے
لتکون من المنذرین بلسان	قلب پر اترا تا کہ تو عربی زبان میں خدا کا
عربی مبین (شعرا)	ڈر سنانے والوں میں سے ہو۔
واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ	اور جب ہم ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم رکھتے ہیں
اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر	اور خدا زیادہ جانتا ہے جسکو وہ اتارتا ہے
بل اکثرھم لا یعلمون۔ قل نزلہ	تو یہ کافر کہتے ہیں کہ تو خدا کے نام سے بنا کر
روح القدس من ربک بالحق	لاتا ہے (خدا پر افترا کرتا ہے) یہ لوگ جاہلیت
(نحل ۱۴)	سے ایسا کہتے ہیں (اے رسول) انکے جواب میں
	کہہ کہ روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے
	سچائی کے ساتھ اسکو اتارا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے

فاستمع لما یوحی (طٰہٰ)	جو وحی کیا جاتا ہے اس کو سن۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ربانی ہے

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان	اپنی زبان کو اس غرض سے قرآن کے الفاظ
علینا جمعہ وقرانہ (قیامہ)	کو جلدی کر، مت ہلا کہ اسکو جلدی سے لے لے۔
	ہم پر ہے اسکا یاد کرانا اور پڑھوانا۔

ان تمام آیتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن پاک فرشتۂ الٰہی کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ کے قلب مبارک پر اترا اور گوش مبارک میں بھی آیا۔ اسکے معلومات کا سرچشمہ انسانی تفحص قرآن کی نسبت ہم کو کہنا ہے کہ کیا قرآن پاک اسکا ماخذ یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتوں کو قرار دیتا ہے یا فیضان الٰہی اور تعلیم ربانی کو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے شروع میں ہے:

انا انزلناہ قرانا عربیا لعلکم	ہم نے قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھو۔
تعقلون۔ نحن نقص علیک	تم کو اچھی طرح بیان کرکے ایک قصہ ہم سناتے
احسن القصص بما اوحینا الیک	ہیں کہ ہم نے تمہاری طرف قرآن کو
ھذا القرآن وان کنت من	وحی کیا ہے اور تم اس سے پہلے ناواقف
قبلہ لمن الغافلین (یوسف)	تھے۔
ذلک من انباء الغیب	یہ غیب کی باتوں میں سے ہے، ہم تمہاری طرف
نوحیہ الیک	اسکو وحی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے:۔

وما کنت ثاویا فی اھل مدین	اور تو مدین کے رہنے والوں میں سے نہ تھا
تتلو علیہم آیاتنا ولکنا کنا	اُن پر تو ہماری آیتوں کو پڑھتا تھا لیکن
مرسلین، وما کنت بجانب	ہم ہیں بھیجنے والے، اور تو طور کے کنارے
الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ	نہ تھا، جبکہ ہم نے پکارا، لیکن تیرے
من ربک لتنذر قوما ما اتھم	پروردگار کی رحمت سے تاکہ تو اس قوم
من نذیر من قبلک لعلھم	کو ڈرائے جسکے پاس ڈرانے والے نہیں
یتذکرون (قصص)	آئے تجھ سے پہلے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اسی قصہ کے موقع پر خدا فرماتا ہے

نتلوا علیک من نبا موسیٰ	ہم موسیٰ اور فرعون کا قصہ سچائی کے
وفرعون بالحق (قصص)	ساتھ تم کو سناتے ہیں۔

حضرت مریم کے قصہ میں ہے،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ (آل عمران ۵) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم اسکو تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم تب وہ لوگ اپنے قلم (قرعہ کے لیے) ڈال رہے تھے اُنکے پاس نہ تھے۔

دیکھا کہ قرآن پاک نے اپنے قصص کا ماخذ انسانی ذرائع کو نہیں بلکہ براہ راست سرچشمہ علم، وغیب کی طاقت کو بتایا ہے۔

آخر میں ہم ایک مسلمان کی عبرت کے لیے مولانا شبلی مرحوم کی کتاب سے ایک بیان نقل کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک زبردستی کے مسلمان نے جو بات کہی ہے وہ حرف بحرف عیسائیوں سے ماخوذ ہے اور اس کا جواب ایک جنم کے مسلمان سے بہتر ایک نو مسلم فرنچ نے دیا ہے۔

"عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی کہ آنحضرت پڑھے لکھے تھے تورات اور انجیل سے واقف تھے اور یہ بھی ثابت کیا کہ عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کا یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا، کیونکہ اس زمانہ کی تورات، انجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود انکا خدا تھا۔ فرانس کا مشہور نامنقل کا ناشر ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام میں لکھتا ہے "ان روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد نے عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں کے عقائد یا ان کی اخلاق حاصل کیے تھے دشوار نہیں۔ کیونکہ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جو اس قرآن اور توراۃ کی آیتیں ہم مضمون ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ درجہ دوم کی بحث ہے۔ کیونکہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمد میں یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوگئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا، جو انکے جسم و روح پر بالکل چھا گیا؟"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:

"یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد توریت اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا اگر محمد نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو انکو اٹھا کر پھینک دیا ہوتا کیونکہ وہ انکی نظریات اور وجدان اور مذاق سے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمد کی زبان سے ادا ہونا انکی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور رسول مامون تھے۔" (الکلام ص۱۳۲)

آخری سوال یہ ہے کہ خود محمد رسول اللہ صلعم نے جو مخاطب کے نزدیک صادق اور راستباز تھے اس قرآن کی نسبت کیا دعویٰ کیا ہے؟ آیا یہ کہا ہے کہ وہ میری بنائی ہوئی انسانی کتاب ہے، یا یہ کہا ہے کہ وہ حضرت باری اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ انسانوں کو ملا ہے۔ اس بحث کے فیصلے کے لیے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا کافی ہوگا۔

قرآن پاک کا دعویٰ

کہ وہ خدا کا کلام ہے۔ سورۂ بقر میں یہود کے تذکرہ میں ہے کہ وہ خدا کا کلام سننے کے بعد تحریف کرتے تھے،

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ (بقرہ) یہودیوں میں ایک گروہ ہے جو اللہ کے کلام کو سن کر پھر اس میں تحریف کرتے ہیں اسکے بعد کہ وہ اسکو سمجھ چکے اور وہ جانتے ہیں۔

کلام اللہ سے مراد ظاہر ہے کہ قرآن پاک ہے جسکو سن کر، سمجھ کر یہودیوں کا ایک گروہ اسکے لفظوں اور معنوں میں تحریف کرتا تھا، اور اسکو یا تو اپنے غلط مقصد کے مطابق بنانا چاہتا تھا، یا اسکے خلاف مقصود معنی نکال کر اس پر اعتراض کیا کرتا تھا۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہاں کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہود اسکے مطالب میں تحریف کرتے تھے۔ مگر اس سے مسلمانوں کے استدلال میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ کلام اللہ ہونے میں توراۃ اور قرآن اور تمام دوسرے صحیفِ الٰہی برابر کے شریک ہیں۔ جو معنی ایک کے کلام اللہ ہونے کے ہیں وہی سارے صحف الٰہی کے کلام الٰہی ہونے کے ہیں۔

سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد مبارک کو کہ جو قرآن پاک میں وعدہ کی صورت میں وارد ہوا تھا کلام اللہ فرمایا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ (فتح) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔

یعنی منافقین جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے وہ چاہتے ہیں کہ ارشاد الٰہی کو بدل دیں۔

۳۔ کافر اگر پناہ کے خواہاں ہو جائیں، انکو قرآن سنا کر تبلیغ کا فرض ادا کرنا چاہیے

فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (توبہ) تو تم اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔

۴۔ قرآن مجید کی نسبت بار بار اعلان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اُترا ہے

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (واقعہ۔ حاقہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شعرا) یہ قرآن بیشک پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (زمر۔ جاثیہ) غالب و حکمت والے خدا کی اتاری ہوئی کتاب۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غالب و دانا خدا کی اتاری ہوئی کتاب

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (یٰسین) اُس غالب رحم والے کا اتارا ہوا۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (فصلت) رحمت والے رحیم کا اتارا ہوا۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (〃) حکمت والے خوبیوں سے بھرے ہوئے کا اتارا ہوا۔

گزارش

خط و کتابت کے وقت براہ کرم نمبر خریداری حوالہ ضرور دیا کیجیے۔

نمازِ سحر

(یہ مضمون سید ظہور احمد صاحب وحشی نے اردو مجلس (دہلی) میں پڑھا)

کل شب کو جب گھر کے کسی گوشہ میں گرمی سے پناہ نہ ملی تو میں نقل و درآتش ہو کر گھر کی بالائی منزل پر پہونچا تاکہ کچھ آگے بڑھ کر اور قرب و تجلیٔ سما حوالہ دے کر نارِ روز مہر کے خالق سے عرض حال کروں لیکن اوپر پہونچتے ہی خوشگوار ہوا کے تیز جھونکوں نے مجھے گھیر لیا۔ میری زبان بند کر دی اور میں نے دیکھا کہ دل شکایتوں کی جگہ شکرگزاریوں سے لبریز ہے۔ کیا شان ہے اس کی۔ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون۔ ہواؤں کا رخ پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان تابع فرمان ہیں اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔ من بعد ما قنطوا (جب بندے بارش سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ جل تھل بھر دیتا ہے)

میں آسمان کے اطلسی سائبان کے نیچے ایک پلنگ پر جو مجھے دعوتِ آرام دے رہا تھا لیٹ گیا۔ ہوا کا کوئی جھونکا جیسے تلوے سہلانے لگا اور کوئی انتہائی لطافت کے ساتھ سر دبانے لگا۔ طبیعت میں اعتدال پیدا ہوا۔ اعصاب نے سکون محسوس کیا۔ آنکھیں دن بھر کے نظاروں سے آسودہ ہو کر بند ہونے لگیں۔ عروسِ خواب جو اکثر مجھ سے روٹھی رہتی ہے آغوش کھول کر میری طرف بڑھی۔ مجھ پر غفلت طاری ہونے لگی اور میں رفتہ رفتہ راحت کے سمندر میں ڈوب گیا۔ عرش کی بلندیوں سے کسی نے مسکرا کر کہا جعلنا نومکم سباتاً (ہم ہی ہیں کہ ہم نے تمہیں خوابِ شیریں کی لذت عطا کی ہے)

چھ سات گھنٹے میں نے رات کی تاریکیوں اور خواب کے پردوں میں گزارے تھے کہ قریب کی مسجد سے مؤذن نے بیداری کا صور پھونکا۔ میں تو لیٹا رہا لیکن یہ آواز سن کر دل میں ایمان کروٹیں بدلنے لگا۔ عقل کہتی تھی کہ جاگ مگر نفس کہتا تھا کہ سو۔ خواب اور بیداری میں زور آزمائی ہو رہی تھی کہ مؤذن کی زبان سے ایک تیر نکلا جس نے اس جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ اس نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) یہ الفاظ میرے دل میں در آئے اور دل نے خون کے ساتھ ساتھ ان کی روح کو میرے رگ و پے میں دوڑا دیا۔ میں نے جی میں کہا "نماز نیند سے بہتر ہے" نیند کیا حقیقت سے ایک سجدۂ برگزیدہ، ایک زاری مقبول اور ایک یارب مستجاب تمام کائنات سے بہتر ہے۔ ان خیالات سے دل میں ایک طرح کا سوز و گداز پیدا ہوا۔ نے کو اپنا نیستاں یاد آیا۔ بچھڑے ہوئے قطرے نے تمنا کی کہ سمندر سے جا ملے۔ دانہ اپنے خرمن کی پناہ ڈھونڈنے لگا اور پھول کو آرزو ہوئی کہ ایک بار اور اپنے چمن کی شاخوں میں جھولا جھولے۔ بندے نے اپنے معبود کی طرف ایک کشش محسوس کی۔ میری بند آنکھیں بیتابانہ کھل گئیں۔ سامنے آسمان تھا ——

تم نے پھولوں کی پتیوں پر شبنم کے نگینے مشاہدہ کیے ہیں میں نے مینا کار زیوروں پر ہیرے کے دہکتے ہوئے انگارے دیکھے ہیں، ماہ وشوں کی عرق آلود پیشانیاں میری نظر سے گزری ہیں اور میں نے اندازہ کیا ہے کہ بلوریں گردنوں میں بصیرہ کے موتی کیسے بھلے دکھائی دیتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس وقت آسمان مجھے ان سب سے زیادہ پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ اُف وہ اس کا ہلکا آبی رنگ، وہ اس کے درخشاں ستارے اور اُف گھٹتے ہوئے چاند وہ خطِ سیمیں حتی عاد کالعرجون القدیم (چاند گھٹ کر کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے) میں نے ستاروں کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولے اب ہم آنکھیں بند کرتے ہیں تم آنکھیں کھولو۔ یہ کہتے کہتے وہ رات کی تاریکیوں میں ڈوبنے لگے۔ نور و ظلمت نے مخلوط ہو کر ایک عجیب سماں پیدا کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ تازہ فضا کی پریاں تھیں، یا ہوا کی لہریں لیکن فضا میں کوئی مستانہ وار اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ رات کا مزاج بدل گیا تھا۔ مشاہدین کا ذکر ہو رہی تھی۔ اب جھونکوں کی زبان پر "سوجا" "سوجا" کی لوری نہ تھی بلکہ "جاگو" "جاگو" کا ترانہ تھا۔ رات کے سیاہ پردہ سے نکل کر صبح اپنا سر اٹھا رہی تھی یا کسی کالے پہاڑ کے دامن میں ایک حور کھڑی مسکرا رہی تھی

آسمان سے زمین تک نور ہی نور تھا۔ ہر چیز میں روح تھی، ہر روح میں تازگی تھی۔ اس وقت دنیا کے باغ باغ نہ تھے عبادت خانے تھے۔ بلبل اذان دے رہی تھی، شبنم وضو کرا رہی تھی۔ سرو و صنوبر سبز عبائیں پہنے چمن کی امامت کر رہے تھے۔ گلاب قیام میں تھا یاسمین رکوع میں تھی۔ ننھے پودے خود رو اور سبزہ اپنے مصلے پر سربسجود تھا۔ پتوں کی زبان پر [illegible] ذکر تھا جس [illegible] کی تعریف میں تر زبان تھے۔ غنچہ و گل وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کے ترجمان تھے۔ کانٹے انگشت شہادت ابھارے تھے۔ انگور نہ تھے تسبیح کے دانے تھے۔ انجیر کے اوراق قدرت کے افسانے تھے۔ والنجم والشجر یسجدان۔ یسبح لہ ما فی السموات والارض۔

آسمان نے خرق والتیام کی بحث سے بالاتر ہو کر اپنے دروازے کھول دیے۔ نور کے پیکر نور کی جھولیوں میں رحمتوں اور برکتوں کے تحائف لیے ہوئے زمین پر اترے لیکن یہ تحائف ان لوگوں کے لیے تھے جو پہلے سے آس لگائے اور دامن پھیلائے بیٹھے تھے۔ جو سو رہے تھے وہ اپنا حصہ کھو رہے تھے۔ ہر طرف روزیاں تقسیم ہو رہی تھیں۔ تندرستی کے خلعت عطا کیے جا رہے تھے۔ نشاط اور شگفتگی کی لوٹ تھی۔ خوشی کے پھول کھِلے ہوئے تھے اور دامنوں میں گر رہے تھے۔ نسیم کو حکم تھا کہ دل و دماغ میں تازگی پیدا کرے۔ درختوں کو ہدایت تھی کہ اپنے آکسیجن سے اعصاب میں نئی روح دوڑائیں۔ روزگار نیا و سنگار میں مصروف تھا۔ دنیا سنور رہی تھی، کائنات نکھر رہی تھی۔ اوج فلک پر رحمت کے فرشتے اونچے سُروں میں گا رہے تھے اور کرۂ ارض کو یہ پیام جانفزا پہونچا رہے تھے کہ سلام ہی حتی مطلع الفجر۔

ہر منظر ایک بہار تھا۔ ہر آواز ایک نغمہ تھی۔ ہر موج ہوا شکیبا تھی۔ ہر لمس میں لطافت تھی اور ہر ذائقہ میں حلاوت تھی۔ فردوس کے دریچے کھلے ہوئے تھے۔ حواس آرمیدہ، روح بالیدہ۔ ایک عالم تھا کہ الفاظ میں نہیں سما سکتا۔ اور آفرینش کی رعنائیوں کا ایک مرقع تھا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔

میں اُٹھا مگر اس طرح جیسے کوئی ساغر و مینا سے سرشار ہو کر اُٹھتا ہے
میں چلا مگر اس طرح جیسے ایک آہوئے رمیدہ تیر کھا کر چلتا ہے۔ ناسوتی
کثافتیں دور ہو رہی تھیں۔ ملکوتی لطافتیں عود ہو رہی تھیں۔ میں وضو کے
لیے مخصوص ہونے کے بعد اب جمنا کا پانی نہ تھا۔ آبِ زمزم تھا، آبِ کوثر
تھا جو خاک کو عالمِ پاک کی ہمسری عطا کرتا ہے۔ میں ہاتھ پاؤں پر پانی بہا رہا
تھا لیکن روح دھوئی جا رہی تھی۔ ظاہر کی آب باطن کو تاب دے رہی
تھی۔ یہ وضو کی کرامت تھی۔

میں تا بہ امکان ظاہر کو آراستہ اور باطن کو پیراستہ کر کے جانماز پر
آیا۔ وادی فیروزی ذہن کی سیدھ باندھی۔ نیت تحلیل کا رخ کیا۔ طنابیں
کھنچ رہی تھیں، حجابات اُٹھ رہے تھے۔ کعبہ اپنے سیاہ غلاف میں میرے
سامنے تھا، مگر آج دل کو مکان کی تمنا نہ تھی مکیں کی آرزو تھی۔ مسجد کی تلاش
نہ تھی مسجود کی جستجو تھی۔ نیتیں و بسم اللہ۔ آزمائش کر چکے۔ کان سکتے تھے کہ
"اُجیب دعوۃ الداع" کا امتحان لینگے۔ شک کی بنا پر نہیں لیطمئن قلبی۔
میں نے تکبیر کہکر اذنِ باریابی حاصل کیا۔ بال بال کی زبان پر ارنی تھا،
لیکن جبروت و جلال اور سطوت و کبریا کا یہ عالم تھا کہ نگاہیں سجدہ گاہ پر
جم کر رہ گئیں۔ میری قدرت میں نہ تھا کہ ذاتِ لایزال و لم یزل اور ہستی لم یلد
و لم یولد کی طرف نظر اٹھاؤں۔ ہاں یہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مجھے
دیکھ رہا ہے۔ اس کی شوخی نظر سے بیگانہ تھی مگر دل آشنا تھا۔ بے نقابی نقاب
کا کام دے رہی تھی، شدتِ ظہور خفا بن گئی تھی۔ کثرتِ نور نے ایک ظلماتی
پردہ حائل کر دیا تھا۔ صفات حجاب در حجاب ذات آفتاب زیر سحاب
تصور پا شکستہ۔ تخیل تہی دامن۔ قیاس سرگرداں، وہم و گماں درماندہ،
چون و چرا خود فراموش اور کیف و کم خاموش تھے۔ تحیر کار فرما۔ بیخودی
طاری۔ خواب بشکل بیداری۔ زیر و بالا اور یمین و یسار انوار ہی انوار۔
میں نور کے تموج میں گم تھا کہ یکایک دل کو جنبش ہوئی۔ تمام قویٰ نے
گویائی کو ترجمان بنایا۔ بے اختیار زبان پر آیا سبحانک اللھم وبحمدک
میں نے بمقتضائے "اثنی علیک کما اثنیت علیٰ نفسک" (میں تیری
وہی ثنا کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے تجویز کی ہے) قرآنی الفاظ میں اسکی
حمد و ثنا کی۔ اسکے بعد دنیا و عقبیٰ کے متعلق کچھ التجائیں تھیں جن کو
میں نے عجز و ادب کے ساتھ پیش کیا۔ پھر مجھے روح میں ایک خاص
حرکت محسوس ہوئی۔ کچھ تھا جو میرے دل پر چھا گیا۔ زبان میری تھی لیکن
الفاظ میرے نہ تھے۔ آواز میری تھی مگر بولنے والا کوئی اور تھا۔ ایک
محویت۔ ایک کیفیت اور ایک حالت طاری ہوئی۔ رگ رگ میں
عبودیت کا اضطراب رونما ہوا اور میں قیام سے رکوع میں آیا۔ تمام اعضا
کو مصروف طاعت دیکھ کر [illegible] یاد آئی۔ میں نے انتہائے
عجز و ادب کے ساتھ سجدہ گاہ پر پیشانی رکھ دی۔ دل کی محرابِ سجدہ میں تسبیح
کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس وقت میرا سراپا ایاک نعبد کی تفسیر تھا۔ پیشانی
زمین پر اور ذہن عرش پر تھا۔ رحمت پشیمانیوں کو گلے لگا رہی تھی۔ مغفرت
شانِ کرم دکھا رہی تھی۔ عجز و فروتنی کا یہ منظر بندگی کا موثر نظارہ تھا۔
معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں بندہ سربسجود تھا۔ فرشتے اس زاری و مسکنت
سے متاثر تھے اور سراسر حیرت و استعجاب۔

دربار ایزدی کی یہ حاضری چند لمحے قائم رہ کر سلام و رحمت کی شکل میں ختم ہو گئی
میں بظاہر جہاں تھا وہیں تھا لیکن محسوس کر رہا تھا کہ حریمِ قدس کے
دروازہ پر ہوں۔ میں ٹھہر گیا۔ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ دل پر ایک
کیفیت طاری تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میرا [illegible]
سے کچھ مانگ رہا تھا۔ میں "انت اللہ الغنی و انتم الفقراء" کے سامنے دامن
پھیلا رہا تھا۔ میں غفور رب الغفور سے طالب مغفرت تھا۔ ایک تشنہ لب
سمندر سے ایک بوند کا طلبگار تھا۔ اور ایک افسردہ دل بہار جاوداں
سے ایک پنکھڑی کا خواستگار تھا۔ بہرحال یہ دعوت مضطر بھی اختتام کو
پہنچی۔ اب آسمان و زمین کی دلفریبیاں ایک ایک کر کے رخصت ہو چکی
تھیں۔ شبنم کی آب پاشیوں سے جو لوگ بیدار نہیں ہوئے تھے ان کے
لیے آگ کی چنگاریاں لے کر آفتاب آ پہنچا تھا۔ مشرق سے شعاعوں کے لاکھوں
تازیانے نمودار ہو رہے تھے۔ تاکہ لوگ بستر چھوڑ کر اور آسائش سے منہ
موڑ کر دنیا کے کاموں میں مصروف ہو جائیں۔ میں بھی قطرات شبنم کی طرح
اپنی لطافتوں کی دنیا سورج کی کرنوں میں گم کیے ہوئے نیچے اتر آیا۔
افسوس، وہی گھر کے در و دیوار، وہی داغ وہی افکار۔ لیکن اس معراج
سحری کا اثر ہنوز دل میں محسوس کر رہا تھا۔ (منادی)

بات کچھ ایسی بہت زمانہ کی نہیں، ابھی ۱۹۲۴ء ہی کی تو ہے کہ ٹرکی میں "اسلامی" حکومت تھی، غیروں کی زبان پر نہیں، خود اپنی نظر میں۔ خلافت مٹ چکی تو تھی، یہ کچھ کم تھا کہ ترکیہ اپنے کو "اسلامی" حکومت کہہ رہی تھی ۲۴ - اپریل ۱۹۲۴ء کو مجلس ملی نے جو دستور اساسی منظور کیا، اُس کی دفعہ ۲ تھی :-

"حکومتِ ترکیہ کا مذہب اسلام ہے"۔

اسی قانون کی دفعہ ۲۶ تھی :-

"مجلس ملی ذمہ دار ہے قانونِ شریعت کے نفاذ کی"۔

اور اسی قانون کی دفعات ۱۶ و ۲۶ میں یہ تھا کہ صدر جمہوریہ اور ارکان مجلس جو حلف لینگے، وہ اللہ کے نام کا ہوگا۔

دو ہی سال کے عرصہ میں یہ حال ماضی بن چکا تھا، اور یہ حقیقت افسانہ۔ ۱۹۲۶ء میں "ترقی" کے نقیب نے پکار کر کہا، کہ آج سے دیوانی عدالتوں سے قانونِ شریعت منسوخ! اور اسکے بجائے سوئزرلینڈ کے فرنگیوں کا قانون جاری!

دو سال اور گزرے، ۹ اپریل ۱۹۲۸ء کو قضا و قدر نے تجدد کی زبان سے یہ اعلان کرا دیا، کہ

(۱) دستور کی دفعہ ۲ منسوخ۔ (یعنی اب حکومت کا مذہب اسلام نہ رہا)

(۲) دفعہ ۲۶ میں ترمیم۔ (یعنی اب مجلس ملی کو نفاذِ شریعت سے کوئی واسطہ نہ رہا)

(۳) دفعات ۱۶ و ۲۶ میں ترمیم۔ (یعنی اب حلف میں بجائے اللہ کے نام کے صرف اپنی عزت نفس کا حوالہ دے دیا جائے)

ہوتے ہوتے ۱۹۳۷ء آیا۔ اور اب ارتداد یا "روشن خیالی" کی تکمیل میں جو کچھ باقی تھی وہ پوری ہوگئی، یعنی یہ اعلان ہوگیا، کہ حکومت ترکیہ آج سے جمہوری ہے، قومی ہے، عمومی ہے، انقلابی ہے، اور ہیں خالص دنیوی یا غیر مذہبی (Secular) بھی ہے!۔۔۔۔ مسلمانوں کے دلوں پر جو کچھ گزر کر رہی ہے اسے چھوڑیے۔ دیکھیے مسیحیت کی تبلیغی دنیا اس صورت حال کا استقبال کس مسرت و شادمانی سے کر رہی ہے! امریکی مشنری صاحبان فرماتے ہیں :-

"اسلام کے قیود سے آزادی حاصل کرنے میں ٹرکی نے جو قدم اٹھائے، انکی کوئی اور نظیر نہیں ملتی۔ اس نے یہ حقیقت واضح کردی کہ چاہے فرد ہو یا خاندان ہو یا ساری قوم ہو، اس پر خود اندرونی تحریکات کا اثر جس زور و قوت کا پڑ سکتا ہے، وہ بیرونی موثرات ترغیب بلکہ جبر و قوت کا نہیں پڑ سکتا"

(مسلم ورلڈ، نیو یارک - جولائی ۱۹۴۰ء ص ۲۶۵)

اور پھر فرماتے ہیں :-

"اسلام سے یہ انقلاب آفریں قطع تعلق دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہ اتنا کامل ہوا ہے نہ اتنی غیر متوقع طور پر۔ (ص ۲۶۶)

حریف کی مسرت آپ نے دیکھ لی۔ حروب صلیبیہ (کروسیڈ) کی جنگی فتمندیوں، عسکری عظمتوں کا بدلا آپ نے دیکھا کہ اس نے کس طرح امن و آشتی سے تدبیروں سے آپ سے لے لیا! ظاہر بیں نگاہیں کہینگی، کہ اسلام کی گردنت ڈھیلی پڑ جانے سے مسیحیت کی جڑ کیسے جمنے لگیگی؟ بہتر ہے، یہی کہ کر اپنا جی خوش کر لیجیے۔ لیکن حریف، ہماری آپ کی طرح نادان نہیں۔ وہ دیکھ رہا ہے اور صدیوں سے دیکھ رہا ہے، کہ اس کی راہ کا اصلی پتھر نہ دہریت ہے نہ یہودیت، نہ ہندو دھرم

حریف کے گھر میں

نہ یورپ، نہ امریکہ، بلکہ اسلام اور صرف اسلام ہے! ——

اسی نغمۂ مسرت کے ساتھ ساتھ، نوحۂ حسرت بھی سن لیجیے:

"اسکے بالکل برعکس دوسرے سرے پر افغانستان اور سعودی عرب ہیں۔ ان ملکوں میں آج تک شریعت کا تسلط قائم ہے۔ افغانستان سے تو شاہ امان اللہ خاں کی اصلاحوں کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہے..... دونوں ملکوں میں نہ عیسائیوں کی کوئی انجمن ہے، نہ انکا کوئی مشن قائم ہے..... دونوں ملکوں میں اسلام سے ارتداد کی سزا موت ہے۔ اور حجاز کے دستور اساسی میں تو صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ اس ملک کا مذہب اسلام ہے اور یہاں نافذ شریعت کا قانون ہے" (ص ۲۹۶)

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے ٹائپ نے کا کام بحمد اللہ جاری ہے، گو آہستہ سست رفتاری کے ساتھ۔ سطور ہذا کی تحریر کے وقت تک ۲۴ پارے ٹائپ ہوکر آچکے، اور انکی تصحیح و مقابلہ وغیرہ ہو چکا۔

۲۲ اگست کو بھوپال سے ایک صاحب کی رقم [illegible] کی اور ۲۶ اکتوبر کو ایک صاحب کی صدر کی مغربی ہند سے بہ اعانت قبول ہوئی۔

کوئی اور نئی بات اس سلسلہ میں نہیں۔ البتہ خدمت قرآن ہی کے سلسلہ میں بعض نئی صورتیں ذہن میں آئی ہیں، ان شاء اللہ عنقریب ناظرین کرام تک یہ خوشخبریاں پہونچائی جائیں گی، وما توفیقی الا باللہ۔ خدمت لینے بھی آپ ہی ہیں، اور باوجود خادم کی نااہلی کے، خدمت کا شوق دلانے والے بھی آپ ہی ہیں۔

ہم دعا از تو، اجابت ہم ز تو
ایمنی از تو، مہابت ہم ز تو

منکر کی شہادت

پادری جے۔ ایم۔ راڈول انگلستان کے مشہور عربی داں اہل قلم ہوئے ہیں۔ سیل کے بعد یہی قرآن کے سب سے پرانے انگریز مترجم ہیں۔ اپنے اسی انگریزی ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اب سوال دعوئے رسالت میں محمدؐ کی دیانت و صداقت کا سامنے آتا ہے۔ اگر جیسا کہ مسلمانوں کا بیان ہے، وہ واقعی اُمّی تھے، جب تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں، کہ قرآن بقول مسلمانوں کے، ایک مستمر معجزہ ہے" (دیباچہ، ص ۲۱ طبع ثانی)

اقتباس ایسے قلم کا ہے، جو نبوت محمدیہ کا، اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا کھلا ہوا منکر ہے۔ اس پر بھی وہ کہتا ہے کہ قرآن کے معجز ہونے میں، کلام الٰہی ہونے میں شک جبھی کیا جا سکتا ہے، جب پہلے رسول اللہؐ کے اُمّی ہونے ہی سے انکار کر لیا جائے، باقی اگر آپ کا اُمّی ہونا ثابت ہے، تو قرآن کا معجز اور کلام الٰہی ہونا لامحالہ لازم آئیگا —— مقابلہ کیجیے اس کھلے ہوئے عیسائی اور منکر اسلام کے قول کا اُس نام کے مسلمان کے قول سے، جس نے ڈنکے پکار کر کہا کہ "کلام مجید کو میں نہ کلام خدا، نہ ہی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں!"

ایک آیت کی تفسیر

ایک نیم مذہبی پرچہ میں شائع ہوا ہے:

"قرآن حکیم نے اسلامی جنگ کا ایک مقصد یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جنگ کرکے اُن عبادتگاہوں کو برباد ہونے سے بچائیں، جن میں کسی نہ کسی طریق پر خدا کا نام لیا جاتا ہے، خواہ وہ عبادتگاہ مسجد ہو یا گرجا، مندر ہو یا ہیکل، جن میں بھی خدا کا نام بلند کیا جاتا ہو، انکی حفاظت مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگی۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا	اگر اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے کے مقابلہ پر کھڑا نہ کر دیتا تو گرجا، عبادتگاہیں اور مسجدیں منہدم اور مسمار کر دی جاتیں، وہ عبادتگاہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے"

... قرآن حکیم نے کہا تھا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر مذہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کریں"۔

نیت اگر مخلصانہ ہو، لیکن افسوس ہے کہ آیت کی تعبیر بجائے تفسیر کے تحریف کے قریب پہونچ گئی۔ سورۂ حج کی جس آیت کا ذکر ہے، وہاں سیاق یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشرکین کے مقابلہ میں قتال کا حکم (اُذن کا مفہوم یہاں اجازت کا نہیں، بلکہ جیسا شاہ عبدالقادرؒ اور شیخ الہندؒ کے ترجموں میں ہے، حکم ہی کا ہے) اول بار دیا جا رہا ہے (ہذہ اول آیۃ نزلت فی الجہاد)۔ مقابلہ یہاں تمامتر کفر و اسلام، شرک و توحید کا ہے۔ ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا۔ شروع ہی میں اطمینان دلا دیا گیا ہے کہ اللہ بے سر و سامان مسلمانوں سے مشرکین کے غلبہ و قدرت کو ہٹا کر رہیگا۔ اسکے بعد سنت الٰہی بیان ہوئی ہے کہ اس پر حیرت نہ کرو، ہمارا یہ معاملہ تو پرانی امتوں کے ساتھ بھی ہوتا آیا ہے، کہ اگر اللہ بعض (یعنی اہل حق، وہم المومنون) کے ہاتھ سے بعض (یعنی اہل باطل وہم الکافرون) کو ہٹاتا نہ رہتا اپنے اپنے زمانہ میں [فی زمنہم زمخشری] لہدم فی شریعۃ کل نبی مکان صلاتہم، ہدم فی زمن موسیٰ الکنائس وفی زمن عیسیٰ البیع والصوامع وفی زمن محمد صلعم المساجد (معالم)] تو نصاریٰ کے خلوت خانے (cloister) اور گرجے (church) اور یہود کے ہیکل اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، یہ سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

آیت میں "مندر" کا ذکر کہیں آس پاس نہیں ہے، اور نہ آسکتا تھا، مشرکین ہی سے تو مقابلہ و مقاتلہ ہے، انکے مندر کا نام لے آنے کے معنی ہی کیا تھے۔ نام پچھلی امتوں میں سے صرف اہل کتاب کی عبادتگاہوں کا لیا گیا ہے، جن میں فی الجملہ توحید موجود تھی۔ یذکر فیہا اسم اللہ میں ضمیر یا تو صرف مساجد کی طرف راجع ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، اور یا اگر سب معبدوں کی طرف ہے، تو بھی اس حیثیت سے کہ یہ کسی معاہدہ وغیرہ کی رو سے مومنین کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں لان کل [illegible] فی امن المسلمین۔ ورنہ یوں قاعدہ کلیہ کے طور پر اسلام، قرآن ساری باطل پرستیوں کی حمایت سے بفرضتے پاک و بری الذمہ ہے۔

دانائی کے کلمات

"خدا کے غضب اور مخلوق کی تباہی کی ذمہ داری

ایسی قوموں پر ہے جن کی نسبت شہرت ہے کہ انکا نظامِ تعلیم نہایت ترقی یافتہ اور علم و فن کے میدان میں انکے کمالات ممتاز ہیں"

.....

"خرابی کی جڑ یہ ہے کہ ہمارے بہتوں کے ظاہری مقاصد کے پس پردہ قومی اقتدار کا جذبہ کارفرما ہے۔ پروپیگنڈے کی شدت سے وطن پرستی کا جوش انھیں نئے خواب دکھا رہا ہے، اور نوجوانوں کی ذہنیت بدل رہی ہے، اور مذہب کی شمع گل ہو چکی ہے، مادی ترقی کی کشمکش میں وہ اخلاقی قوتیں کمزور پڑ گئی ہیں جن کی نشو ونما ہدایت کے علمبرداروں کی ثابت قدمی سے ہوئی"....

"جب تک ہم نیک نیتی سے علم کی تلاش میں لگے رہیں گے، مذہب کی ہدایت اور باہمی مروت و حق شناسی کے راستہ پر چلتے رہیں گے، اور جب تک جذبات اور خواہشات پر قابو رہیگا، اس وقت تک ہماری کوششوں کی ناکامی کا اندیشہ نہیں ہو سکتا اور بفضلِ خدا ہمارے قدم امن و مسرت کی جانب بڑھتے رہیں گے"۔

اقتباسات والا شان ولیعہد بہادر دولتِ آصفیہ و پرنس آف برار کی ایک تازہ تقریر کے ہیں۔ تقریر جامعۂ عثمانیہ کے سامنے، ممدوح کو جامعہ کی اعزازی ڈگری ملنے کے موقع پر ہوئی۔ تقریر کی اصل کنجی اقتباس کے پہلے ہی لفظوں میں مل جاتی ہے "خدا کا ملک، و مخلوق"۔ جس نے اس نکتہ کو پا لیا، کہ ملک کسی انسان کی نہیں، خدا کی ہے، مخلوق و رعایا کسی بادشاہ و ملک کی نہیں، صرف رب الارباب و مالک الملک کی ہے، وہ سبھی کچھ پا گیا!

نیا نقشِ فرنگ

مراد آباد (اپنے خبروں کے کالم میں)

"۱۰ - نومبر۔ استنبول۔ آج گذشتہ کو اہل ترکیہ نے ایک ملعت اٹھایا لوگوں کا ہجوم، خصوصاً نوجوان عورتوں اور مردوں کے ہجوم نے پبلک یادگاروں کی زیارت کی اور جمہوریہ کے بانی اتاترک کی پھولوں سے آراستہ تصویروں کے سامنے کھڑے ہو کے اپنے اس عزم کی توثیق کی کہ وہ ہمہ دم ان کے اس راستہ پر گامزن رہیں گے جو ترکی کے "لازوال سردار" کی وراثت ہے اور بطیب خاطر ملک کی آزادی، عزت اور جمہوریہ کے اصولوں کے لیے اپنی جانیں قربان کر دینگے۔ یہ موقع مرحوم اتاترک کی برسی کا موقع تھا جو تمام ملک میں سوگ کا دن منایا جاتا ہے"۔

مراد آباد (اپنے اڈیٹوریل کے بین السطور میں، زیب عنوان کے ساتھ)

جلسے ری ناتھی انقرہ اور استنبول کی ماتار دینے کا بھی سلیقہ نہیں، ہر جگہ وہی ایک الاپ!

آلہ پر بھی حنا باندھتے ہیں!

ہر جگہ ذکر وہی تصویروں اور مجسموں کا! نوجوان عورتوں اور مردوں کے مخلوط ہجوم کا! ملک کی آزادی اور عزت اور جمہوریت کے اصول کے لیے جانیں قربان کرنے کا! ہندوستان میں جو خبریں بھیجی تھیں کم از کم ان میں تو نام کہیں قرآن اور اسلام کا، خدا اور رسول کا آنا تھا! اتاترک کی "لازوال سرداری" عین ہمارا دین ایمان لیکن مصلحت ناآشنا ترکوں نے پھر بھی خواہ مخواہ "ترکی" کی لگا دی! اِن بدبخت ہندی مسلمانوں کا منہ آخر ہم کیا کہکر بند کریں، جنکا یہ عالم ہے کہ اپنا "لازوال سردار" اکبر و داراشکوہ کو تو خیر کیا بناتے، اورنگ زیب تک کے لیے اس لقب کے روادار نہیں، البتہ آج تک اپنا "لازوال سردار" عرب کے ایک امی ہی کو مانے چلے جاتے ہیں!

جواز و عدمِ جواز

"ہم تصاویر اور مجسموں کی نقاب کشائی کی افادیت کے قائل نہیں اس واسطے کہ ان میں ایک مشرکانہ آن پوشیدہ ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ کسی کی شہرت دوام کے لیے اسکا اپنی مخصوص خدمات کے ذریعہ زندہ انسانوں کے قلوب پر مسطور ہو جانا ہی کافی ہے" (رہبرِ دکن)

ایک روزنامہ میں یہ شرک و بدعت کی پہیلیاں، گناہ و ثواب کی تلمیحیں سننے کی تاب اس بیسویں صدی میں کوئی کہاں سے لائے! حد ہی کر دی دقیانوسیت اور تاریک خیالی کی! حلت و حرمت کا اختیار اپنی طرف سے مانا کہ ابوحنیفہؒ و شافعیؒ کو، صدیقؓ و فاروقؓ کو نہ تھا، تو کیا ترکی کے "لازوال سردار" اور ایران کے رضا شاہ پہلوی کو بھی نہیں! — حقیر و ذلیل اہل قلم اچھلے ہیں اہل سیف کے کسی طرزِ عمل پر گرفت کرنے!

الحاد کی دوکان

رسالہ نگار

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

"ہندوستان میں اپنے رنگ کا پہلا رسالہ ہے، جو برسوں سے اسلام پر بے لاگ تنقید کر رہا ہے، اور جس کے اڈیٹر کے خلاف مسلمانوں نے توہین مذہب کا مقدمہ چلانے کے لیے ایک زبردست ہنگامہ برپا کیا تھا۔ اسکے علاوہ بلند پایہ علمی مضامین، ادب و انشاء کے نہایت پاکیزہ مقالات، عام فہم و مفید معلومات، بہترین نظمیں اور منتخب عالیہ کے نمونے بھی آپ کو ملینگے۔ حجم ۱۰۰ صفحات چندہ سالانہ پانچ روپیہ

منیجر نگار، لکھنؤ

اب کی تو خبر نہیں، لیکن آج سے پانچ سال قبل تو یہ اشتہار ہندو پریس میں اسی رسالہ کے منیجر کی طرف سے علانیہ شایع ہو رہا تھا، جسکا دعوی فخر کے ساتھ ہے کہ میں برسوں سے اسلام پر بے لاگ تنقید کرنے والا پہلا رسالہ ہوں! صدق ۱۱- اکتوبر ۳۵ء میں اشتہار بالا روزنامہ حق (لکھنؤ) کے تبصرہ ذیل کے ساتھ نقل ہو چکا ہے:-

"یہ اشتہار غیر مسلم اخبارات میں انھیں نیاز صاحب کی طرف سے شایع ہوا ہے، جو ابھی کچھ دن ہوئے قوم کے سامنے قومی مجرم کی طرح آئے تھے اور مسلمانوں سے غیر مشروط معافی مانگ کر اپنی جان بچائی تھی، مگر اسکے بعد انکا اور انکے رسالہ کا کیا طرز عمل رہا، اسکا اندازہ مندرجہ بالا اشتہار سے ہو سکتا ہے۔ یعنی اب آپ غیر مسلموں کو دعوت دے رہے ہیں، کہ آؤ، مجھ غدارِ اسلام کے سر پر ہاتھ رکھو، اور میری حوصلہ افزائی کرو، کہ میں کس حد بیباکی

سخن سنج و سخن گستر بادشاہ کے حضور میں محفل سماع گرم ہے۔ جب اس شعر پر پہنچا

تو شبانہ می نمائی، بہ برکہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد!

بادشاہ کا ذہن قدرۃً شعر کے ظاہری مفہوم کی طرف گیا، اور قریب تھا کہ شاعر کی بے حیائی کا خمیازہ قوال غریب کو عتاب سلطانی کی شکل میں اٹھانا پڑتا کہ ایک مزاج داں و ادب شناس ندیم نے جھٹ ہاتھ باندھ عرض کی کہ "پیر و مرشد! غزل خسرو کی ہے، تصویر کھینچ رہے ہیں اپنے تہجد گزار شب بیدار، محبوب، محبوبِ الٰہی کی، کہ ساری رات کن کن اذکار، کن کن اشغال میں گزاری، کون کون سے احوال و مقامات طے کیے، کہ جاگنے کا اثر اب وقت دن تک باقی ہے! معاً عتاب لطف میں، اور ناگواری داد میں تبدیل ہو کر رہی۔ وقت کی حد و گنجائش کی رعایت سے صرف ایک شعر نمونے کے طور پر پیش کر دیا گیا۔ ورنہ غزلوں کی غزلیں نہیں، دیوان کے دیوان لبریز ہیں انھیں مقامات و احوال کی تلمیح سے، رموز و اسرار عارفانہ کی توضیح سے۔ ہندی کے دوہے اور ٹھمریاں، ایک دو کی تعداد میں نہیں پچاسوں اور سیکڑوں۔ سب میں یہی نقشہ جما ہوا، یہی رنگ بکھرا ہوا۔ حد یہ ہے کہ مرشد خود فرمایا کرتے تھے کہ خدا قیامت میں پوچھے گا کیا لائے ہو، جواب میں عرض کروں گا کہ خسرو کو۔ گریہ و مناجات میں ہوتے تو عرض کرتے، کہ الٰہی میری مغفرت اسی ترک کے سوزِ دل کی طفیل کر دے! —— بڑوں کا اور مرشد کا وسیلہ پکڑتے ہوئے سب نے دیکھا ہے، چھوٹوں کے اور مرید کے وسیلہ بننے کی مثال حضرت امیر خسرو کے نصیب میں آئی!

سوزِ دل اور ذوقِ عبادت کا عالم یہ تھا کہ پچھلی رات نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو سات سات پارے قرآن مجید کے پڑھ جاتے۔ جب تک دل ایسا درد و خشیت سے چور چور نہ ہو، ہے اتنا بڑا مجاہدہ کسی کے بس کی بات؟ اودھ میں ایک بڑے رئیس کے دربار میں تھے، ماں نے دلی میں یاد کیا۔ معقول مشاہرہ پر لات مار ماں کے پاس پہونچے۔ ماں کی وفات پر پُر درد مرثیہ لکھا۔ بہ قول مولانا شبلی، اٹھاسیں سال کی عمر میں ماں کی یاد میں اس طرح آنسو بہاتے ہیں، کہ گویا کوئی کمسن بچہ بلک بلک کر رو رہا ہے۔ یہ سب پرتو ہے اسی سوز و گداز کا، جس کا واسطہ دلا دلا کر خود مرشد علیہ الرحمہ اپنی نجات کے طالب رہتے تھے!

۷۲۵ھ کا ماہ ربیع الثانی تھا کہ حضرت محبوب الٰہی جنت کو سدھارے، امیر اس وقت بنگال میں تھے۔ خبر وحشت اثر سنی تو بھاگا بھاگ دلی پہونچے۔ مزار پر حاضر ہوئے تو ماتمی اہل ارادت کی، روایت ہے کہ ہندی کا شعر اسی وقت پڑھا ؎

گوری سوئے سیج پر، مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے، سانجھ بھئی چودیس

ماتمی لباس پہن لیا، سب کچھ لٹا دیا، خالی ہاتھ ہو بیٹھے، غم کی آگ میں جلتے، ہجر کی بھٹی میں تڑپتے، خود اپنے وقت کا انتظار کرنے لگے۔ اور عمر تو چھ مہینے کی مدت پوری ہوئی، کہ آخر ۱۸ ماہ شوال ۷۲۵ھ (مطابق سنہ ۱۳۲۵ء) کو خود بھی اپنے محبوب سے جا ملے —— حضرت فاطمہ زہرا بھی مرشد کی

کا غم اس سے زیادہ کب برداشت کر سکی تھیں —— تجویز یہ پیش ہوئی کہ دفن مرشد ہی کی تربت میں کیے جائیں۔ احترام شریعت غالب آیا۔ پائنتی کی جانب چند گز ہٹ کر قبر بنی۔ اہل دل اپنا تجربہ یہ بتلاتے ہیں کہ آستانہ سلطان المشائخ سے پہلے اگر اس کشتۂ عشق و محبت اور مجسمۂ سوز و گداز کے مرقد پر فاتحہ خوانی کر لی جائے، تو دل کی انگیٹھی کی چنگاریاں اور تیز و روشن ہو جاتی ہیں!

بقیہ صفحہ ۳

کے ساتھ اپنے مذہب پر صرف تمہاری خاطر حملے کر رہا ہوں:

"ایمان" فروشی کی مثالیں کم از کم شاعروں کی زبان سے تو آپ بہت سی سن چکے ہوں گے، بے محابا "الحاد" فروشی کی ایسی مثال اس سے قبل کیوں دیکھنے میں آئی ہو گی!

"نقشہ نگار"

ریاست رامپور سے ایک ماہنامہ تصویری نکلتا ہے۔ ستمبر میں نقشہ نگار کا مفصل ذکر کر کے لکھتا ہے:-

"دنیا میں ہمیشہ اس قسم کے آدمی رہتے ہیں۔ یہ آزادی رائے نہیں، بلکہ نسل انسانی کی تباہی کا راستہ ہے جو آپ نے اختیار کیا ہے، اور آپ کی یہ شر انگیز ہوشنگانی باطنی خباثت کو صاف طور پر ظاہر کر رہی ہے۔ کیا بیجا ہو گا، اگر آپ کو ملحدی جاسوس کا لقب دیا جائے، یعنی اسلامی روپ میں آپ مسلمانوں کو گمراہ کرنے پہنچے ہیں۔ ایسے ستم بر بازار ہو یا نہ ہو علاج زمانہ کے موافق اب بھی یہ ہے۔ کہ مسلمان اس کی پذیرائی سے خارج کر دیں اور کامل عدم تعاون برتیں اور ہر جگہ کے مسلمان رسالہ نگار کے بائیکاٹ کی تحریک، پاس کرنے کے بعد صوبہ کی حکومت سے اسکو ضبط کرا دیں۔ حکومت رامپور سے ہماری استدعا ہے کہ رسول پاک پر اس اتہام کے سلسلہ میں نگار کا داخلہ ہمیشہ کے لیے ریاست رامپور میں بھی بند کیا جائے، جیسا کہ اور جگہ ہوا ہے۔ امید ہے کہ مذہبی دل آزاری کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا حکم ضرور نافذ کیا جائیگا" (صلا)

نیاز نامہ

محترم معاصر معارف اپنے تازہ نمبر میں لکھتا ہے:-

"ہماری ہدایتوں اور سعادتوں کے سب سے بڑے قیمتی خزانہ کا نام قرآن پاک ہے۔ جس پر بہ اختلاف فرق تمام مسلمانوں کا اتفاق تام اور اجماع عام تھا اور ہے کہ یہ انسانی اوہام و خیالات اور خیالی قصص و حکایات سے ابتداء تا انتہا خدا کی طرف سے آئی ہوئی صداقت کا نام ہے، اور اسی لیے وہ ہر خطا سے پاک اور ہر غلطی سے مبرا ہے۔ جیسا ہر وہ ہاتھ جو اسکی عصمت کو داغدار بنانے کی کوشش کریگا، اس کو کاٹ ڈالنا [illegible]

[illegible] نقشہ نگار کے [illegible]

(باقی [illegible])

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں
خط و کتابت وغیرہ اس پتہ پر ہو:-
"محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق"
[illegible] گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ [illegible]
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
فی پرچہ [illegible]

ہفتہ وار
صدق
لکھنؤ

نمبر ۲۹ | دوشنبہ۔ یکم ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۹ھ مطابق ۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء | جلد ۶

ایک ڈراما

جس پر پردہ اُٹھنے سے قبل ہی پردہ پڑ گیا!

ایک خبر:-

"حیدرآباد ۱۱ دسمبر۔ معلوم ہوا ہے کہ بروز شنبہ ۱۲ دسمبر شام کے ۶ بجے کلیۂ اناث جامعہ عثمانیہ کی طالبات حیدرآباد ولیڈیز ایسوسی ایشن کلب میں "مینیس کا پرنس" نامی ڈراما اسٹیج کریں گی جس میں ارباب حکومت و سررشتۂ تعلیمات اور اُن طالبات کے والدین جو اس ڈراما میں بحیثیت اداکارہ حصہ لے رہی ہیں مدعو کیے گئے ہیں۔ یاد ہوگا کہ انہیں طالبات نے اس ڈراما کو ۱۳ نومبر کے وقت [illegible] حیدرآباد کے سامنے پیش کیا تھا۔"

(دکن نیوز)

ایک مراسلہ رہبر دکن میں:-

"رہبر ملت ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس خبر کو بڑے ہی رنج و اندوہ سے سنیں گے کہ بروز شنبہ ۱۲ دسمبر [illegible] کلیہ اناث جامعہ عثمانیہ کی طالبات جن میں کم از کم (۰) مسلم لڑکیاں بھی شامل ہیں "ٹنی سنس پرنسس" نامی ڈراما لیڈیز کلب میں ادا کر رہی ہیں اور اس موقع پر اراکین باب حکومت، ارباب تعلیمات اور ان اداکارنیوں کے سرپرست۔ اس طرح کل تقریباً ۰۰ ۷ مرد مدعو ہیں!!!

مجھے معلوم ہے کہ آپ نے ہمیشہ لڑکیوں کی اداکاری اور ان کے رقص وغیرہ کے شوق کی بڑی سختی کے ساتھ اخلاقی اور مذہبی بنیادوں پر مخالفت کی ہے اور مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ آپ کی بار بار کی معقول اور مدلل مخالفت کے باوجود بھی ہمارے زنانہ تعلیم گاہوں میں ذوقِ اداکاری برابر پیدا اور بڑھایا جا رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کلیہ اناث کی طالبات ایک منتخب اور معزز گروہ ہی کے آگے بھی اسٹیج پر آ رہی اور مشرقی اور اسلامی غیرت کو برباد کر رہی ہیں....."

مراسلۂ بالا پر رہبر دکن کا ایڈیٹوریل نوٹ:-

"واقعتاً اس مراسلہ کے مضمون نے ہمیں بے حد رنج پہنچایا ہے۔ ہم ارباب حکومت سے اتنا عرض ابھی کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم رائے عامہ اپنی قوم کی نوجوان لڑکیوں کی اداکاری اور بے پردگی کی سخت مخالف ہے اور قبل اس کے کہ بہت دیر ہو جائے وہ اس مظاہرہ کو بند کر دیں اور نہ تو خود شریک ہوں اور نہ ارباب تعلیمات اور سرپرستوں کو شرکت کی اجازت دیں اس واسطے کہ من حیث الکل وہ سب نامحرم ہیں، اور زنانہ اداروں کو حکم دے دیں کہ ڈراموں کی مشق کو نصاب سے نکال دیں۔"

معتمد صاحب مجلس علماء کی فوری اور برمحل کارروائی:-

"معلوم ہوا ہے کہ اس ضمن میں حضرت معتمد صاحب صدر مجلس علماء دکن نے اشد ضروری ہیں صدر صاحبہ کلیہ اناث [illegible] تعلیمات مذہبی کو توجہ دلائی [illegible] جاری فرمائے ہیں اور ان میں مسلمانوں کے جذبات [illegible] کا اظہار کرتے ہوئے تحریر

فرمایا ہے کہ اگر بدقسمتی سے ارباب اقتدار اس مذموم رسم کو نظر عام پر رکھتے رہے تو پبلک کو اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینا (پڑیگا) جو اثرات پیدا ہوں گے اُسکی کامل ذمہ داری ارباب حکومت پر ہوگی۔"

(دکن نیوز)

حکام اعلیٰ و وزرائے سلطنت کا قابل قدر احساس:-

"حیدرآباد - ۲۱ نومبر - کلیہ اناث کی شریف زادیوں کی جانب سے جو ڈراما "نئی سنسنی پرنسس" لیڈیز کلب میں اسٹیج ہونے والا تھا، سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت، نواب [illegible] یار جنگ بہادر صدر المہام عدالت و مذہبی کے صحیح احساس ملی کی وجہ سے روک دیا گیا۔" (دکن نیوز)

معتمد صاحب مجلس علماء دکن کے "اشد ضروری" مراسلہ کے جواب میں برقی رفتاری سے:

"آپ نے جس امر کی بابت استفسار تحریر فرمایا ہے اُسکے ضمن میں مناسب اور ضروری احکام جاری کر دیے گئے ہیں۔"

"تمام ڈراما کا ڈراپ سین" تدبر کا مقابلہ تشکر:-

"ہم سر اکبر اور نواب … اراکین باب حکومت موصوف کو جنہوں نے اس خصوص میں فوری کارروائی ضروری خیال فرمائی ساری مسلم قوم کی ممنونیت و شکرگزاری کا یقین دلاتے ہیں۔ یہ ممنونیت و شکرگزاری کا احساس اسوقت عام طور پر اور بھی بڑھ جائیگا، جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ کلیہ کی صدر اور ان تمام معلمات کو جنہوں نے شریف لڑکیوں کو اداکاری سکھائی تھی اور اس ڈراما کی تیاری پر بڑی محنت صرف کی تھی اور شاید یہ توقع رکھتی تھیں کہ اراکین باب حکومت اور سامعین انکی اس محنت و جانفشانی کی خوب داد دیں گے اور انکے اس کارنامے سے خوش ہوں گے اور انکی ترقیوں کی راہیں آئندہ نمایاں ہی ہموار ہو جائیں گی، جب احکامات اسکے روک دینے کے موصول ہوئے تو انہیں سخت مایوسی ہوئی اور اپنے "مقدمہ" کو ایک تدبیر کے خلاف سخت غصہ کی حالت میں چند ایک ان لڑکیوں کے ساتھ جو انکے زیر اثر ہیں اور ان لڑکیوں سے علیحدہ جنکا ڈراما کے خلاف احتجاج بھی دکن نیوز کے ذریعہ اخباروں میں شائع ہو چکا ہے کونسل ہال پہنچیں اور اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی مگر اسپر بھی نواب صدر اعظم بہادر نے انہیں اسکی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔"

بد مذاق سرزمین دکن، "شبو" دکا تحفہ قبول کرنے میں برسوں کے پروپیگنڈے، تشویق و ترغیب کے باوجود اب تک پیچھے، بہت پیچھے ہے! اور آہ بدنصیب والدین کو اپنی صاحبزادیوں کو اسٹیج پر مردانہ اور زنانہ بھیس بدل بدل کر تھرکتے ناچتے، مٹکتے دیکھنے کا ارمان انکے دل کا دل ہی میں رہ گیا۔

مولانا محمد سجاد مرحوم

قوم و ملت کے لیے تازہ دردناک ترین حادثہ صوبہ بہار کے نائب امیر شریعت اور جمعیۃ العلماء کے ناظم مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب کا حادثۂ وفات ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ انتقال کی خبر اچانک معلوم ہوئی، قبل سے کسی علالت کی اطلاع نہ تھی، اسلیے قدرۃً صدمہ بھی اور زیادہ ہوا۔ مرحوم جمعیۃ العلماء کے بہت قدیم اور ابتدائی خدمتگزاروں میں اور خلافت کمیٹی کے دور اول کے مخلص و پرجوش کارکنوں میں تھے، اور امارت شرعیہ (صوبہ بہار) کے تو گویا بانیوں میں تھے۔ تدین، تدبر، اخلاص اور دینداری کا ایک مجسم نمونہ تھے۔ فکر و نظر، علم و عمل، ہر اعتبار سے بہت بلند و ممتاز تھے۔ اور "نیشنلسٹ" خیال کے علماء میں تو خوبیوں کے لحاظ سے اپنی نظیر بس آپ ہی تھے۔ کانگریس کے ہمدرد ہونے کے باوجود کانگریسی حکومت اور کانگریسی کارکنوں پر نکتہ چینی میں آزاد و بیباک تھے۔ اپنی اسلامیت کو کبھی وطنیت سے مغلوب نہ ہونے دیا۔ حمیت دینی و غیرت اسلامی سے دل لبریز رکھتے تھے۔ اور اس دردمند و حساس دل کے ساتھ دماغ بھی سلجھا ہوا اور نکھرا ہوا رکھتے تھے۔ سنہ [illegible] میں فتنۂ [illegible] کی مدافعت میں بہت پیش پیش رہے۔ سنہ ۳۴ء کے مشہور زلزلۂ بہار کے موقع پر بھی مسلمانان مصیبت زدوں کی بڑی ہی خدمت کی۔ زندگی کا ہر سانس، وقت کا ہر لمحہ فلاح امت، خدمت ملت کے لیے وقف تھا۔ ہر مشکل کے وقت سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتے۔ مختصراً ان خدمات کو کوئی کہاں تک گنا سکے۔ آئندہ بات بات پر انکی یاد تازہ کریگی۔ اللہ تعالیٰ کامل مغفرت فرمائے اور مدارج عالیہ بلند سے بلند تر نصیب فرمائے۔

خانہ داری کی اہمیت

"گھریلو زندگی خواہ مخواہ ایک تنگ دائرہ کا نام نہیں، وہ اس نوجوان عورت کو جو اپنے بوڑھے عزیزوں کی خدمت میں لگی ہوئی ہے بیکار کہا جاتا ہے … گھر کا دائرہ اسی قدر وسیع ہے جتنا کسی پیشہ کا ہو سکتا ہے۔ عورت کے بہترین جوہر اسی میں پوری طرح کھل سکتے ہیں۔ وہ اپنے والوں کی خدمت کر کے تو خاص طور پر جگہ ہر سکون شوہر کے دل میں پیدا کر سکتی ہے، جو آج جیسی بیٹی ہے، وہی کل اچھی بیوی بن سکتی ہے۔"

(اسٹیٹسمین - ۱۰ نومبر ۱۹۴۰ء)

"پند پیر دانا" نہیں ہے، ایک مغربی خاتون کا مشورہ ہے، جو ایک انگریزی روزنامہ میں چھپا ہے۔ پورا مضمون خاصہ طویل ہے، اور اسی قسم کے مشوروں سے بھرا ہوا ہے۔ —— کچھ عجب آ رہا ہے۔ جب تک گھروں کے اندر بیٹھی رہیں، برابر آوازے "گھریلو" زنانہ داری کی زندگی پر کسے جاتے رہے، طعنہ تنگ نظری، تنگ خیالی کے ملتے رہے۔ اور جب گھر والیاں پردہ کے باہر آ گئیں، جب بہتوں میں آگ لگادی گئی اور نقابیں پرزہ پرزہ کر دی گئیں، تو اب پھر آوازیں آ رہی ہیں، کہیں اور سے نہیں وہیں سے جہاں پہلے وہ صدائیں بلند ہوئی تھیں، کہ گھریلو زندگی کو حقیر نہ سمجھو، یہ تو نسائیت کی جان ہے، عورت کو گھر کی ملکہ بن کر رہنا چاہیے!

رزم میں بزم

اطالیہ کی "فوج ظفر موج" سے متعلق ایک خبر:-

"یونان پر حملہ کرنے والی فوج کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ معلوم ہوا ہے کہ اطالوی سپاہی ستار اور

طنبورے بھی ساتھ لیکر آئے تھے، تاکہ جب یونان کے دار السلطنت میں داخل ہوں تو گاتے بجاتے داخل ہوں۔ مگر اب جو پے در پے شکستیں ہو رہی ہیں، تو یونانی فوجوں کے ساتھ میں یہ طنبورے اور ستار بھی مل رہے ہیں۔ جنکو یونانی سپاہی یادگار کے طور پر اپنے گھروں کو بھیج رہے ہیں۔"

تہذیب و تمدن میں "اقصی الالوی سپاری" یہ ہو تو صد انہاک پنی جانوں کو "آرٹ" کے ان مونوں، صناعی کی ان یادگاروں سے عزیز رکھے ہوئے ہیں! مرجاتے، کٹ جاتے، انکے جسم قیمہ قیمہ ہو جاتے، مگر یہ تو نہ ہوتا کہ ستار اور طنبورے جیسے بیش بہا آلات جنگ اور سامان سپہگری کو چھوڑ بھاگتے!

— — وا جد علی شاہی فوج کے افسانے ان حقائق دروا قعات کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

فرض شناسی کا کمال

سر ائیکل فیرڈے (متوفی ۱۸۶۷ء) کا نام سائنس کی دنیا میں بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ حال میں انکی فرض پرستی اور انہاک فن کے ضمن میں ذیل کا واقعہ، ہندوستان کے ایک مشہور غیر مسلم پروفیسر سائنس اور ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ متحدہ نے اپنی تقریر بعنوان "اسپرٹ آف سائنس" میں بیان کیا:-

"جب فیرڈے، رائل انسٹیٹیوشن میں طالبعلمی کر رہے تھے ایک روز شام کے وقت انکے استاد نامور ماہر سائنس سر ہمفری ڈیوی نے ان سے کہا کہ فلاں مرکب کو فوراً جلا سکے جانا ہیں ایکی چند گھنٹوں کے اندر رات میں (ایپ) آتا ہوں۔ سر ہمفری بالکل بھول گئے کہ انھیں رات ہی تب اپنے معمل (لیبوریٹری) کو لوٹنا ہے۔ یہاں تک کہ ساری رات گزار کر جب دوسرا دن ہو گیا، اور سر ہمفری حسب معمول آئے، تو دیکھتے کیا ہیں، کہ فیرڈے اسی طرح مشغول ہیں!" (لیڈر، ۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء)

حیرت ہے کہ ہونہار شاگرد کی اس قدر افزائی کے جوش میں عالی مرتبت استاد کی آرٹ نوازی کی داد دینا فاضل مقرر سے رہ ہی گئی! —— شاگرد بیچارہ پھر رات بھر کوئی دوا گھونٹتا اور گھیٹتا رہا، تو ادھر استاد محترم نے بھی تو ناچ کے شغل لطیف میں رات بسر فرمائی! "سائنس" کے ماہر ہو کر "آرٹ" کے ساتھ یہ شغف! فنون لطیفہ سے یہ ذوق کہ سکے آگے اپنے وعدے اور اپنے فرض منصبی سب کو بھول جائیں! الله الله! مشرق و مغرب کے علماء و اہل فن اتنا بلند معیار اپنے علم و عمل کا کہاں سے لا سکتے ہیں!

حریف کی حیرت

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا آخری (یعنی چودھواں) ایڈیشن تو شایع ہوئے مدت ہو چکی۔ اب اُسکے بجائے اسکا سالانہ ضمیمہ، سالنامہ (Year Book) کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ سالنامہ بابت ۱۹۳۸ء میں مقالہ "مذہب" کے تحت میں ۱۹۳۸ء کے واقعات و سوانح پر مذہبی تبصرہ کے ذیل میں ہے:-

"غیر مسیحی قوموں میں، ترک اپنے مذہب کی سرکاری معزولی پر حیرت انگیز خاموشی کے ساتھ آمادہ ہوگئے" (صفحہ ۵۴۹)

اشارہ ۱۹۳۸ء کے ترکی حکومت کے اُسی اعلان کی جانب ہے، جس میں یہ درج تھا، کہ آج سے حکومت خالص دنیوی قرار پاتی ہے، اس کا کوئی دین نہیں! —— "حیرت انگیز" اس خاموش انقلاب کو، یہ مسیحی تبصرہ نگار اس لیے کہ رہا ہے، کہ مسلمانان اور خصوصاً ترک مسلمانوں کی حمیت دینی و غیرت اسلامی کسی زمانہ میں ضرب المثل تھی!

ترقیوں کے قدم

واقعات قتل ۱۹۳۴ء میں ۷۶۴ ہوئے تھے۔
" ۱۹۳۵ء میں ۸۲۹ تک پہونچے۔
" ۱۹۳۶ء میں ۸۹۸ کی میزان ہوئی۔
" ۱۹۳۷ء میں ۹۳۳ کی نوبت آگئی۔
" ۱۹۳۸ء میں ۱۰۴۱ تک شمار پہونچا۔
" ۱۹۳۹ء میں ۱۱۳۳ تک میزان آئی!

رہزنی کی وارداتیں ۱۹۳۹ء میں ۲۷۴ ہوئیں۔ اس تعداد نے پچھلے دس سال کا ریکارڈ توڑ دیا۔

نقب زنی کی وارداتیں ۱۹۳۸ء میں ۱۴۷۰۶ ہوئی تھیں، ۱۹۳۹ء میں ۱۶۲۲۷ تک جا پہونچیں!

ڈاکہ کی وارداتیں ۱۹۳۹ء میں اتنی ہوئیں کہ ۱۹۲۲ء کے بعد انکی کوئی نظیر نہیں ملتی۔"

اعداد، ہندوستان کے صرف ایک صوبہ پنجاب سے تعلق ہیں، جو وہاں کے اخبارات میں صوبہ کی سرکاری رپورٹ کے حوالہ سے شایع ہوئے ہیں۔ اور کس صوبہ کا یہ حال نہیں ہے؟ یو۔پی، بنگال، بمبئی، مدراس، بہار، کون سا صوبہ ان "ترقیوں" میں پیچھے ہے؟ "ترقیاں" ایک طرف کالجوں، اسکولوں میں طلبہ و طالبات کی تعداد میں، آزادی نسواں میں، تعلیم میں، روشن خیالی میں اور دوسری طرف "ترقیاں" اسی تیز رفتاری و سرگرمی کے ساتھ، قتل و غارت میں، چوری اور ڈکیتی میں، نقب زنی اور رہزنی میں!

تجدد کا عتاب

"جہاں تک رزولیوشن کا تعلق ہے" [رزولیوشنوں سے مراد انجمن خواتین حیدرآباد کی کانفرنس کے رزولیوشن ہیں] "انکے الفاظ میں ہم بہت کم قوت پاتے ہیں، اور انگریزی محاورہ میں اسقدر عرض کرتے ہیں کہ یہ سب پانی ملا ہوا دودھ ہے —— ... انکے الفاظ اور لہجہ میں کسی عزم و عقیدہ کا پتہ نہیں چلتا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ڈر ڈر کر رزولیوشنوں کے مسودے تیار کیے گئے ہیں، اور ہر قدم پر اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان عبارتوں میں کسی کو خفا ہونے کی گنجایش نہ مل جائے (پیام)

بیشک بیشک، وہ زنانہ کانفرنس بھی کوئی کانفرنس ہے، جسکے رزولیوشنوں میں کچھ دھمکیاں نہ ہوں" مخلوطیت کا پروپگنڈا نہ ہو، بے حجابی کی تلقین نہ ہو، مردوں کو چیلنج نہ دیا جائے، شوہروں اور باپوں پر طنز و [illegible]

کلام اللہ

(از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

نمبر (۳)

شخص مذکور نے بگمان تفاخر قرآن پاک کی ان چند آیتوں سے جن میں بعض جانوروں اور بعض غیر پیغمبروں کی طرف وحی کی نسبت ہے، یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وحی بالکل "سمجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا نام ہے۔ حالانکہ یہ محض تعبیر کا پھیر ہے، مقصود وہ علم ہے جو انسان کو غور و فکر و استدلال، ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ سب نظر و روحی کی تفصیل ہے، درست اور غلط، دونوں کا مورد ہے، اور وحی اس علم کا نام ہے، جو خدا کی طرف سے بندہ کو بندہ کے غور و فکر اور تجربہ و مشاہدہ کے بغیر عطا ہوتا ہے، اور وہ سراپا یقین اور یکسر صحیح ہوتا ہے، جس میں خطا کا امکان ہی نہیں، اور اسکو ہر خطا سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

وانہ لکتاب عزیز، لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (حم سجدہ ۵)
اور بے شک وہ زبردست کتاب ہے کہ باطل جسکے نہ سامنے سے اسکے پاس پہونچ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، ایک حکمت والے خوبیوں والے (خدا) کی طرف سے اتری ہوئی ہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا، الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا، لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربہم واحاط بما لدیہم واحصیٰ کل شیء عددا۔ (جن - ۲)
خدا غیب کا دانا ہے، وہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، لیکن رسولوں میں سے جسکو پسند کرے تو وہ چلاتا ہے اسکے سامنے اور اسکے پیچھے نگہبان، تاکہ ظاہر کرے کہ ان رسولوں نے اپنے پروردگار کے پیاموں کو پہونچا دیا، اور اس نے اسکے پاس جو ہے اسکو گھیر رکھا ہے اور ہر چیز کو گن لیا ہے۔

وہ اسی لیے وہ "حق" ہے یعنی یقینی اور سچی

الحق من ربک فلا تکن من الممترین۔ (آل عمران ۶)
یہ سچی بات تیرے پروردگار کی طرف سے ہے تو تو شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو۔

خاص قرآن پاک کی نسبت ہے،

المر تلک آیات الکتاب والذی انزل الیک من ربک الحق ولکن اکثر الناس لا یؤمنون۔ (رعد ۱)
یہ ہیں آیتیں کتاب کی، اور وہ جو اتاری گئی ہے تیرے رب کی طرف سے سچ اور یقینی ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربک ہو الحق۔ (سبا ۱)
اور جن کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو تیری طرف تیرے پروردگار کی طرف سے اترا ہے، وہی حق ہے۔

وانزلنا الیک الکتاب بالحق (مائدہ ۷)
اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اتاری ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق (زمر ۱)
بیشک تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اتاری۔

انا انزلنا علیک الکتاب للناس بالحق (زمر ۴)
ہم نے تجھ پر یہ کتاب لوگوں کے لیے سچائی کے ساتھ اتاری۔

اسی معنی کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ ان سے واضح ہوگا کہ قرآن پاک کا یہ عمومی دعویٰ ہے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ یکسر حق، تمامتر صداقت اور سراپا یقین ہے، یہ "انسانی سمجھ بوجھ" "نفسانی تاثر" اور یہود و نصاریٰ کے "مسروقہ مضامین" نہیں ہیں۔

سورۂ ہود میں ایک آیت ہے، جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص اسی قسم کے خرافات نگار کی تردید میں ہے، ارشاد ہے

فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یؤمنون۔ ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا اولئک یعرضون علیٰ ربہم ویقول الاشہاد ہؤلاء الذین کذبوا علیٰ ربہم الا لعنۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ ویبغونہا عوجا وہم بالآخرۃ کافرون۔ (ہود ۲)
تو اس کتاب کے اللہ کی طرف سے ہونے میں شک نہ کر وہ بالکل ہی حق ہے لیکن اکثر لوگوں کو یقین نہیں۔ اور اس شخص سے بڑھکر کون ظالم ہوگا، جو خدا پر جھوٹ باندھے، ایسے لوگ اپنے پروردگار کے روبرو پیش کیے جائیں گے، اور گواہ کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اپنے پروردگار پر جھوٹ جوڑتے تھے۔ ہاں اللہ کی لعنت جو اللہ کے راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس راہ کو وہ کج بنانا چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔

اس شخص سے بڑھکر دروغگو اور کون ہو سکتا ہے، جو یہ دعویٰ کرے کہ خدا نے فرشتہ کے ذریعہ مجھ پر کتاب نازل کی ہے، حالانکہ وہ خود اس کی "ذاتی سمجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا نتیجہ ہے۔[1]

اسی سورہ میں خاص قصص قرآنی کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ارشاد ہے،

تلک من انباء الغیب نوحیہا الیک ما کنت تعلمہا انت ولا قومک من قبل ہذا۔ (ہود ۴)
یہ غیبی اطلاعوں میں سے ہے، جن کو ہم تجھ پر وحی کرتے ہیں، تو نہ خود انکو اس سے پہلے جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔

آپ نے دیکھا کہ قصص قرآنی ان غیبی اطلاعات میں سے ہیں جن سے صرف یہ کہ اس وحی سے پہلے آپ کو واقفیت نہ تھی، بلکہ ساری قوم عرب ان سے ناواقف تھی، غیبی اطلاعات یہود و نصاریٰ کے مسموعات اور مسروقات نہیں! عرب کی گذشتہ قوموں کے حالات بتانے کے بعد ارشاد ہے،

تلک القریٰ نقص علیک من انبائہا (اعراف ۱۳)
ان آبادیوں کا تھوڑا حال ہم تم کو سناتے ہیں۔

یہ سنانے والا اور بتلانے والا کون ہے؟ کیا خود خدا نہیں،

---

[1] یعنی یہ کہے کہ خدا نے مجھ پر کتاب اتاری، حالانکہ خدا نے نہیں اتاری بلکہ خود گھڑ کر بنائی ہے، جیسا کہ مدیر نگار کا کافرانہ زعم باطل ہے۔

کیا اب بھی اس مقالہ نگار کے اس دعوے کی،

"اس صورت میں الہام یا وحی سے مراد صرف وہ تاثرات ہونگے جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، اور جنھیں وہ مروجہ زبان میں نہایت کامیابی و خوش اسلوبی سے ادا کر دیتا ہے ... قرآن مجید میں اسرائیلیات کا حصہ کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا، اور نہ اسے کلام مجید میں درج ہونے سے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ عہد نبوی میں اس قسم کی روایتیں تورات و انجیل کے حوالہ سے یہود و نصارٰی کی طرف سے عام طور سے بیان کی جاتی تھیں اور چونکہ توریت و انجیل کے الہامی ہونے کا غلط خیال پہلے ہی سے قائم تھا، اس لیے رسول اللہ نے بھی انکو محض اعتبار و بصیرت کے لیے بیان کر دیا، اس سے بحث نہیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔"

سچائی کا ادنیٰ ذرہ نصیب ہو سکتا ہے،

مشرکین کا تو دعوٰی ہی یہ تھا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں اور نہ فرشتہ سکھلاتا ہے، بلکہ محمد اپنے جی سے گھڑ کر، اور پرانے قصوں (اساطیر الاولین) کو سن کر بنا لیتے ہیں اور جھوٹ خدا کی نسبت کر دیتے ہیں۔ اب اگر یہی بات ایک نام کا مسلمان کہتا ہے تو اس میں اور ابولہب اور ابوجہل وغیرہ میں فرق کیا ہے، قرآن مجید نے انکے اسی اعتراض کو افتراء علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنا) کہکر ادا کیا ہے، اور اسکی جابجا تردید کی ہے، کفار کہتے تھے،

ان ھو الا رجل افترٰی علی اللہ کذبا (مومنون)	محمد ایک ایسا شخص ہے، جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔
ام یقولون افترٰی علی اللہ کذبا۔ (شوریٰ)	کیا یہ کافر کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے۔

اسکے جواب میں خدا فرماتا ہے، اے پیغمبر

قل ان افتریتہ فعلی اجرامی (ہود)	کہدے اگر میں نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے،
قل ان افتریتہ فلا تملکون لی من اللہ شیئا (احقاف)	کہدے کہ اگر میں نے اس قرآن کو خدا پر جھوٹ باندھا ہے تو تم اللہ کی طرف سے میرے سلسلے مالک نہیں۔

سورۂ انعام میں ہے، ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیٔ (انعام ۱۱)	اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور جو کہتا ہے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آئی ہے۔

کیا عجیب بات ہے کہ قرآن پاک تو افتراء کی نفی کرتا ہے، اور نام کا مسلمان اسکو رسول کے لیے ثابت کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ کفار کے اس دعوے افتراء علی اللہ کے جواب میں متعدد آیتیں ہیں جنکا یہاں نقل کرنا بھی مشکل ہے۔

قرآن پاک میں لفظ وحی آسمان و زمین اور بعض جانوروں اور شہد وغیرہ کی شان میں بھی آیا ہے، اس سے اس غلط نگار نے یہ نتیجہ نکالا ہے،

"وحی کے لغوی معنی اشارۂ سریع یا الہام بالسرعۃ کے ہیں، اردو میں اسکا صحیح مفہوم "برمحل سوجھ بوجھ" کے لفظ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قوت کسب و اکتساب سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ فطری ودیعت ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں، کہ وحی "خدا کی دین" اور نتیجہ ہے اس ذہنی قوت کا جو فطرۃً انسان میں ودیعت کی گئی ہے، اور چونکہ یہ قوت انبیاء میں زیادہ پائی جاتی تھی، اور انکا ہر قول و فعل نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہوتا تھا اس لیے یہ کہنا نادرست نہیں کہ انکی ہر بات وحی کا نتیجہ تھی، اور انکے منہ سے جو کچھ نکلتا تھا، وہ اسی اشارۂ خداوندی کے ماتحت ہوتا تھا۔" (جولائی ص ۵۹)

کیا ان سطروں میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ وہی ہے، جو گذشتہ پرچہ میں بڑے عالمانہ ناز و تبختر سے اس کے قلم سے نکلا تھا۔ ذرا اس "عذر گناہ" کو اصل گناہ سے ملا کر دیکھیے، کہ مسلمانوں کی گرفت سے گھبرا کر کہاں سے کہاں پہونچا ہے، اسکا اصل دعوٰی تو یہ تھا

"کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی، بلکہ انسان کا کلام جانتا ہوں، اس صورت میں الہام یا وحی سے مراد وہ تاثرات ہونگے، جو ایک انسان یا رسول کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، اور جنھیں وہ مروجہ زبان میں نہایت کامیابی سے ادا کر دیتا ہے۔"

آپ نے دیکھا، پہلے اس نے وحی و الہام کے معنی انسانی تاثرات کے بتلائے تھے، اور اب ترقی کر کے قرآن پاک کی ان آیتوں سے جن میں وحی کا لفظ ایک خاص معنی میں استعمال ہوا ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ وحی کے معنی برمحل سوجھ بوجھ کے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے، تاثرات غور و فکر کے بغیر واقعات کے انفعالی نتائج کا نام ہے، جو شاعر کے کلام کی چیز ہے، اور جس کی قرآن نے اپنے سے نفی کی ہے، نا ہو بقول شاعر، یعنی قرآن شاعر کا کلام نہیں، یا یوں کہیے کہ تاثرات شاعرانہ کا نتیجہ نہیں، اور "سمجھ بوجھ" انسانی غور و فکر کا ارادی نتیجہ ہے، اگر قرآن پاک سمجھ بوجھ اور انسانی غور و فکر کا ارادی نتیجہ ہوتا تو اسکی نسبت خدا کی طرف کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیا اسی افتراء علی اللہ کے مرتکب نہیں ہوئے، جس کا الزام کفار آپ پر لگاتے تھے۔

بہر حال اپنے مضمون کی دوسری منزل میں دمی نے یہاں تک تو ترقی کی کہ کسی نہ کسی معنی میں وہ قرآن پاک کو وحی و الہام ماننے پر اتر آیا، اور جسکے قلم سے ایک مہینہ پہلے یہ نکلا تھا کہ

"کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی"

اسکے قلم سے ایک ہی مہینہ کے بعد یہ نکلا،

"اس لیے یہ کہنا نادرست نہیں، کہ ان کی ہر بات وحی کا نتیجہ تھی، اور انکے منہ سے جو کچھ نکلتا تھا وہ اسی اشارۂ خداوندی کے ماتحت ہوتا تھا" (جولائی ص ۵۹)

اشارۂ خداوندی کے ماتحت جو چیز ہے کیا وہ غلط ہو سکتی ہے؟

(باقی آیندہ)

تازیانۂ عبرت

(پنجاب کے دو ہندو اخباروں کے مشاہدات)

(۱) لاہور میں دیوالی کی تقریب

دیوالی ہندوؤں کا ایک مشہور تہوار ہے - چنانچہ دھوم

دھام سے ہندوؤں نے اس سال بھی حسب معمول دیوالی پر دیپ مالا کی - لاہور میں اس تہوار کی رونق دیکھنے کے لیے دور دور تک سے ہندو اور سکھ آئے ہوئے تھے - انارکلی بازار میں جہاں اس تہوار پر غیر معمولی رونق ہوتی ہے ہندو اور سکھ دیویاں بھاری تعداد میں دیوالی کی رونق دیکھنے کے لیے آ جا رہی تھیں - اس موقع پر بھیڑ بھاڑ اور ٹریفک کی مشکل سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غنڈوں نے ان دیویوں سے فحش مذاق کرنا اور آوازے کسنا شروع کر دیے - چنانچہ تنگ آ کر دیویوں کو دکانوں میں پناہ لینی پڑی - پولیس سے اس موقع پر ان غنڈوں کے خلاف فوری کاروائی کی توقع تھی مگر پوری نہ ہوئی - میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں سے کہوں گا کہ اگر وہ اپنی ماؤں بہنوں اور استریوں کی رکھشا کرنے کے قابل نہیں تو کیوں وہ انھیں ایسے موقعوں پر اکیلی بازاروں میں نکلنے دیتے ہیں؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ رات کو سینما سے آنے کے وقت غنڈے بعض فحش مذاق کرنے لگ جاتے ہیں - کیا ہی اچھا ہو اگر ہندو اور سکھ دیویاں اس طرح اکیلی باہر نکلنا چھوڑ دیں - اور ساتھ ہی غیر معمولی طور پر فیشن ایبل بن کر بازاروں میں نہ نکلا کریں -

(۲) لاہور میں دیوالی

دیوالی کی رات کو پھر انارکلی لاہور میں شرمناک نظارے دیکھنے میں آئے -

قوم کے نونہالوں نے؟ اپنی بہنوں کی بے عزتی کی - تماشائیوں کی بھیڑ میں دھکے دیے گئے - مذاق کو معمولی بات سمجھا گیا - رہ رہ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوان کدھر جا رہے ہیں؟ کیا یہی تعلیم ہے جس کے لیے قوم کا روپیہ بے دردی کے ساتھ بہایا جا رہا ہے - اگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمارے نوجوانوں کا اخلاق اس قدر پست ہوتا ہے تو ایسی تعلیم کا کیا فائدہ؟ کیا ضرورت اس امر کی نہیں ہے کہ اس سوال پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے - کالجوں کے پرنسپل و منتظمان دیکھیں کہ انکے کالجوں کے نونہال کس راہ میں بہے جا رہے ہیں - جس قوم کے سپوت؟ پبلک تقریبوں پر اپنی بہنوں کی اس طرح بے حرمتی کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے وہ کیا خاک ترقی کر سکتی ہے - تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے - اگر ایک دفعہ دیوالی کے موقع پر ایسے مادر پدر آزاد نوجوانوں کی اچھی طرح مرمت ہو جائے تو یقیناً انھیں دوسری بار کسی دیوی کی بے عزتی کرنے کی جرأت نہ ہو -"

دفتر خلافت جدید خلافت کی نظر میں

ہمارے ترچناپلی (مدراس) جاتے ہوئے خلافت ہاؤس ایک قیام کیا - دوران قیام سے فائدہ اٹھا کر دفتر خلافت کے آمد و خرچ کے گوشوارہ کا معائنہ کیا جس سے بعد طمانیت ہوئی - اسکے قبل اکثر ڈیفیسٹ بیلنس یعنی آمدنی کی نسبت خرچ زیادہ ہوا کرتا تھا جس سے دفتر زیر بار قرض ہوا کرتا تھا - الحمد للہ کہ اب حالت بدل گئی اور نمایاں ترقی حاصل ہوئی ہے - چنانچہ آج کی تاریخ یعنی بست و یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء میں تقریباً بارہ روپیہ خازن خلافت کے یہاں موجود ہے - ایجنٹوں کے ذمہ ڈھائی ہزار روپیہ بقایا ہے اور دفتر کے ذمہ رقم واجب الادا تقریباً ۱۰۸۰ (ایک ہزار آٹھ سو اسی) روپیہ ہے - ایجنٹوں کی باقی وقتاً فوقتاً وصول ہوا کرتی ہے -

مطبع خلافت کی حالت یہ ہے کہ گویا اسکی کایا پلٹ گئی - ایسا پایا جاتا ہے کہ گویا جدید پریس خرید لیا گیا ہے - اخبار کی چھپائی اور صفائی ایسی ہے کہ روزانہ اور ہفتہ وار اردو خلافت پڑھنے کے لیے دلی رغبت پیدا ہوتی ہے -

اردو اخبارات کے علاوہ گجراتی زبان میں بھی ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا گیا ہے - گو کہ اخبار مذکور ابھی گویا شیر خوار بچہ ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ وہ تسلی بخش طریقہ پر نشو و نما پائیگا -

الغرض ادارہ خلافت، پریس اور دفتر کے ہر شعبہ میں عزیزی زاہد علی صاحب نے نمایاں ترقی کر کے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ الولد سر لابیہ بالکل ٹھیک ہے -

میری دلی دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ انکی ہمت اور جذبۂ خدمت قومی میں اضافہ کرے اور انھیں دارین میں سرخرو بنائے - آمین

سید مرتضیٰ عفی عنہ - صدر مرکزی خلافت کمیٹی - ۲۱ - اکتوبر ۱۹۴۰ء

بقیہ صفحہ ۳

تعریض نہ ہو بھائیوں اور بیٹوں سے نوک جھونک نہ ہو، بلکہ اسکے برعکس اس کے خطبات میں تذکرہ بار بار "وضع داری" "جانبیت" اور "شرافت" اور "حیا" کا ہوا! ایسے پھیکے اور بے نمک جلسوں اور خطبوں سے آخر حاصل کیا؟ سنجیدہ کو اب بھی غصہ نہ آئے، اب بھی جھنجلاہٹ اس پر طاری نہ ہو، تو آخر کیا ہو؟ سنجیدہ بیچارہ بھی آخر کیسے اور کہاں تک غم کھائے؟ اور اب کیا ایسے موقع پر بھی اسکا قلم رنگ جمالی کے بجائے شان جلالی کا مظاہرہ نہ کر بیٹھے؟

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر "صدق" کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ - بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں - ضخامت ۲۰ صفحہ - اسٹاک ختم کرنے کے لیے قیمت میں غیر معمولی رعایت - یعنے صرف ۴/ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی -

المشتہر

محمد نقی خاں - قصبہ دریاباد - ضلع بارہ بنکی

کلامِ الٰہی

(از جناب سبینی شاہ نظامی صاحب)

ہمارے آقا سرخیلِ موجودات نے وحی کی حقیقت دو لفظوں میں بیان فرمادی قیل لی قل فقلت (بخاری) اور قرآن نے وحی کا باللفظ ہونا اِنّا انزلناہ قرآناً عربیاً سے اور کذٰلک اوحینا الیک قرآناً عربیاً سے ثابت کردیا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیات ام کان حدیثاً یفتریٰ (یہ کسی اور کی بنائی ہوئی باتیں نہیں) ام کان ہٰذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ (قرآن غیر خدا کا بنایا ہوا نہیں) اور اوحینا الیک قرآناً عربیاً سے ثابت ہے کہ قرآن کو خدا نے عربی میں وحی کیا ہے۔ اسی پر مسلمان قرآن کو از الٓمّ تا والناس لفظاً و معنیً کلام اللہ مانتے ہیں۔ اسکے بعد کسی کا ذاتا اسکے ماننے کو متاثر نہیں کرسکتا۔ البتہ مسلمان ہر نہ ماننے والے کو ان ہٰذا الا قول البشر کہنے والے کا ہمنوا تصور کرنے پر مجبور اور آج کی صدائے ان ہٰذا الا قول البشر کو اس اگلی آواز کی صدائے بازگشت سمجھنے پر معذور ہے۔

(۱) قرآن خود معترف کہ قرآن باللفظ کلام اللہ ہے۔

نزل علیک الکتاب بالحق (عمران)
وہٰذا کتاب انزلناہ مبارک (انعام ع ۱۱ و ۲۰)

کتابٌ انزل الیک	(اعراف)
کتابٌ انزلناہ الیک	(ابراہیم)
وانزلنا الیک الکتاب الا لتبین لہم	(نحل)
الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب	(کہف)
واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک	(کہف)
واتل ما اوحی الیک من الکتاب	(عنکبوت ع ۱)
تنزیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العالمین	(سجدہ)
تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم	(مومن و جاثیہ و احقاف)
وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ	(نساء ع ۱۷)

قرآن سے قرآن کا کتاب اللہ ہونا ثابت، اور مسلّم۔ اگر عقل تیز ہی کا اس میں اتنا تصرف کہ کتاب تو خدا کی مگر عبارت نہیں۔ یعنی خدا نے کتاب دی مگر سادہ ورق دے دیا اور آنحضرت نے من الیٰ آخر اس کی خانہ پری کرلی۔ نعوذ باللہ۔ اتنی مہتم بالشان کتاب کا معرا عن العبارۃ ہونا اور عبارت کا معریٰ عن الالفاظ ہونا کسی ذہن یا دماغ میں بھی آسکتا ہے؟ کیا تصور محال خود محال نہیں ہے؟ قرآن کتاب اللہ ثابت ہے تو اس کی عبارت بھی خدا کی اور عبارت جن الفاظ سے بنی وہ بھی لامحالہ خدا ہی کی ٹھہری۔ کتاب اللہ اور محل تصرف اغیار! گویا قرآن تک کو یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ہٰذا من عند اللہ کا مصداق بنانے کی مشرکانہ سعی!! مگر ایں خیال است و محال است و جنوں۔

(۲) قرآن معترف کہ قرآن خدا کا۔ مضمون خدا کا۔ اوامر و نواہی خدا کے اور قصص و امثال خدا کے۔

ولقد صرّفنا فی ہٰذا القرآن لیذکّروا (بنی اسرائیل۔ ع ۵) قرآن میں ساری باتوں کے بیان ہیں۔ وننزّل من القرآن ما ہو شفاءٌ ورحمۃ (بنی اسرائیل۔ ع ۹۔ شفاء روحانی اور رحمت بھی۔

ولقد صرّفنا فی ہٰذا القرآن للناس من کل مثل (بنی اسرائیل۔ ع ۱۰ و کہف ع ۸) "قرآن میں ان گنت تمثیلیں بھی ہیں۔"

وکلاً نقص علیک من انباء الرسل (ہود ع ۱۰) قرآن میں اگلے پیغمبروں کے قصص بھی ہیں۔

نتلوا علیک من نبأ موسیٰ وفرعون بالحق (قصص۔ ع ۱) قرآن میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا اصلی قصہ ہے۔

صٓ۔ والقرآن ذی الذکر (صٓ۔ ع ۱) قرآن میں پند و نصائح بھی ہیں۔

فاحکم بینہم بما انزل اللہ (مائدہ۔ ع ۷) قرآن کے قوانین و ضوابط بھی ہیں۔

سنقرئک فلا تنسیٰ (اعلیٰ) ہم آپ کو قرآن ایسا پڑھائینگے کہ کبھی بھولنے نہ پائیگے۔ انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلاً (دہر ع ۲) ان علینا جمعہ وقرآنہ ثم ان علینا بیانہ (قیامہ) آپ کے سینہ میں قرآن کا جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے۔ جب آپ کو ہم پڑھا دیں آپ ہمارے پڑھانے کے برابر پڑھو اور آپ سے اس کا بیان کروانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

قرآن کے الفاظ اور متن خدا کے نہیں تو آنحضرت کے ہوتے تو نص ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کی ضرورت نہ ہوتی۔ آنحضرت کو آنحضرت ہی کے الفاظ بار بار یاد کرانے اور روز روز کے پڑھانے کی ذمہ داری سنقرئک اور فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کے رو سے خدا پر تو نہ ہوتی۔ آنحضرت کو آپ ہی کے الفاظ ادب جملے یاد کروانے کی ضرورت کیا؟ اور یہ مہتم بالشان اہتمام کیوں؟ کیا اب بھی یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ یہ سارے اہتمام آنحضرت کو خدا کے الفاظ یاد کروانے کے لیے تھے۔ کیونکہ قرآن خدا کا کلام۔ خدا کا بیان اور خدا کا منطوق تھا اور اسکو آنحضرت کے سینہ پاک میں محفوظ کروانا تھا۔

(۳) قرآن کی سورتیں خدا کی قرآن کی عبارت خدا کی قرآن کی آیتیں خدا کی۔

سورۃٌ انزلناہا وفرضناہا وانزلنا فیہا آیاتٍ بینات (نور) اس کے اوامر و نواہی اور قواعد ہم نے بنائے اور اسکی عبارتیں یا آیتیں ہم نے مرتب کیں۔

واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضہم الیٰ بعض (توبہ ع ۱۵)

واذا انزلت سورۃ محکمۃ (احقاف)

تلک آیات اللہ نتلوہا علیک بالحق (بقرہ ع ۲۲۵) آیات اللہ فرمایا آیات النبی نہ فرمایا اور آیت کے معنی ہیں سارے پورے ٹکڑے "تلک آیات الکتاب والذی انزل الیک من ربک الحق (رعد ع ۱)

واذا بدلنا آیۃً مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر (نحل ع ۱۴) اپنی مصلحت کے تحت کسی عبارت کو بدلکر دوسری اس کی جگہ رکھدیتے ہیں تو لوگ باوجود لاعلمی کے کہتے ہیں کہ محمد نے قرآن بنا لیا قرآن کے الفاظ کو الفاظ رسول تصور کرنے والے ٹھنڈے دل سے

قرآن کے سارے قوانین دیوانی و فوجداری منسوخ کرکے رکھ دیئے گئے ہیں ــــ

آپ ان سب چیزوں پر ناخوش ہونے کے بجائے دل میں چبھن اور کڑھن محسوس کرنے کے بجائے، انھیں ارتداد کا پیش خیمہ، بلکہ عین ارتداد سمجھنے کے بجائے الٹا ان پر خوش ہوتے ہیں، ذکر اور چرچا اس طرح کرتے ہیں کہ گویا کوئی بڑی نعمت مل گئی ہے، اور سارا زورِ قلم اور زورِ زبان، ان غداران اسلام کی حمایت و نصرت میں صرف فرمانے لگتے ہیں! اور دلیل یہ دے کے بیٹھ رہتے ہیں، کہ فلاں دنیوی کامیابی تو حاصل ہو گئی! بلکہ غور فرمائیے، کہ یہ کس قسم کا تدین، کس طرح کی اسلام دوستی ہے!! اسلامیت اگر اسی کا نام ہے، تو آخر صبغۂ جاہلیت کس کو کہا جائیگا؟

گورہ شاہی شکنجۂ موت

امریکہ کے ایک جدید اہل قلم ولیم ڈلے اسمتھ ہیں، "ترک موالات" کے زمانۂ شباب میں ہندوستان آئے۔ جلیانوالا باغ امرتسر کا معائنہ خود جاکر کیا ہر پارٹی اور ہر مسلک کے لوگوں سے ملے۔ ۱۹۲۹ء میں سفر افریقہ کا، اور ۱۹۳۲ء میں فیجی، آسٹریلیا، وغیرہ کا کیا، اور ہر جگہ ہندوستانیوں ہی کے کھوج میں رہے۔ خلاصہ یہ ۱۸ سال تک ہند اور اہل ہند ہی کا مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں تقریباً ۵۰۰ صفحات کی ضخامت کی کتاب (Nationalism & Reform in India) (قومیت اور اصلاحات ہند) کے نام سے امریکہ کی ییل (Yale) یونیورسٹی پریس سے شایع کی، اور اپنے نزدیک کاوش و تحقیق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ۱۹۲۱ء کے مشہور واقعہ مظلومیت موپلہ کی سرگذشت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

"۱۹- نومبر ۱۹۲۱ء کو سو کی تعداد میں قیدی (۹۷ موپلے اور ۳ ہندی) ایک اسباب کی گاڑی میں بھر کر پڑدھے سے کوئمبتور روانہ کیے گئے۔ سفر کئی گھنٹے کا تھا۔ موسم بہت ہی تیز گرم تھا۔ جھلملیوں کی جالیوں پر تازہ روغن پھرا تھا، اس لیے ان میں سے ہوا ہیں کا ن ؟ آتی ہی تھی۔ جب گاڑی اپنی منزل پر ہو گئی ہے، تو معلوم ہوا کہ سو میں سے ستر قیدی دم گھٹنے سے مر ہاں بحق ہو چکے ہیں۔ ایک درمیانی اسٹیشن پر، انگریز پولیس سرجنٹ اینڈریوز کو جو بہ طور محافظ ہمراہ تھا، اطلاع دی گئی کہ مسافر مر رہے ہیں، لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی۔ بعد کو اس نے اقبال کیا، کہ میں دروازے کیسے کھولتا، قیدی مجھے زیر کر لیتے، اور خود نکل بھاگتے۔

انگریز، کلکتہ کے "بلیک ہول" کو آج تک نہیں بھولے ہیں۔ اسے اپنے حافظہ میں تازہ اس لیے نہیں رکھتے ہیں کہ اس میں اتنے آدمی اس بیدردی سے ہلاک ہو گئے، بلکہ اس لیے کہ وہ مظلوم انگریز تھے، اور انکے ہلاک کرنے والے دوسری نسل کے تھے۔ موپلہ قیدیوں کا یہ واقعہ بھی ہندوستان میں کچھ اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اسکی ذمہ داری ایک حد تک انگریزوں پر آتی ہے۔ حکومت ہند نے حکم دیا کہ اینڈریوز پر غفلت مجرمانہ کا مقدمہ چلایا جائے۔ مقدمہ کوئمبتور کے حاکم ضلع کی عدالت میں چلا، اور دسمبر ۱۹۲۲ء میں ملزم بری ہو گیا۔ اس فیصلہ پر بڑی ناراضی پھیلی، اور تلخی اس میں کئی گنی یوں اور بڑھ گئی کہ یوروپین ہم قوموں نے اینڈریوز کو امداد دینی شروع کر دی تھی۔ یوروپین ایسوسی ایشن نے اسکا مقدمہ لڑنے کے لیے بہت سا چندہ اکٹھا کر لیا تھا۔ مقدمہ اگر دیانت کے ساتھ فیصل ہوا، اور اگر واقعی اینڈریوز کا قصور بجز سوء فہم کے اور کچھ نہ تھا، تو سراج الدولہ کی طرف سے بھی تو یہی صفائی پیش ہو سکتی ہے۔ اسکی بھی تو نیت نہ تھی کہ اتنے قیدی دم گھٹ کر مر جائیں" (ص ۳۱۷، ۳۱۸)

اس الزامی جواب سے قطع نظر بجائے خود بھی زمانہ بیسویں صدی کے اس فرضی افسانہ کو، جسکا فرضی ہونا انگلوں کے علاوہ گوروں کو بھی تسلیم ہو چکا ہے، بیسویں صدی کے اس تاریخی واقعہ کے مقابلہ میں آخر کب تک لایا جاتا رہیگا؟

نگار کے داخلہ کی ممانعت

(مملکت آصفیہ دکن میں)

"آخر ہماری گورنمنٹ نے "نگار" جیسے مسلم آزار ماہنامہ کی بندش کا حکم جاری فرماکر مسلمانوں کو ممنونیت کا موقع دیا۔ نگار کے بہت سے نسخے بڑی حیرت کی بات ہے۔ اسی اسلامی سلطنت کے مسلمانوں کی ایمان سوزی کا کام کر رہے اور صاحب نگار کو اپنی مرتدانہ گستاخیوں پر دلیر کیے ہوے تھے۔

اب اسکا یہ ذریعہ مٹ گیا۔ اس اسلامی حکومت نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے فرض کے ادا کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرینگے اور نگار کی خریداری سے ہاتھ اٹھالیں گے"۔ (رہبر دکن)

لاتّ جین مناص۔ کاش بھوپال، بہاولپور، رامپور، ٹونک غیرہ جتنی چھوٹی بڑی مسلمان ریاستیں ہیں، سب مملکت دکن کے نقش قدم پر چلیں!

حریف کی مسرت

"مصطفیٰ کمال پاشا، اتاترک، صدر جمہوریہ" [الفاظ انکی زندگی کے زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں] ایک جدید الخیال اور حقیقت میں شخص ہیں۔ ادارۂ خلافت انکے نزدیک رجعت پسندی کا ایک نشان، اور جمہوری تنظیمات کے لیے ایک ممکن خطرہ ہے۔ ۱۹۲۲ء میں جب عہدۂ سلطانی منسوخ ہوا، خلیفہ کا لقب، قدیم شاہی خاندان کے ایک رکن عبدالمجید کو دیا گیا۔ ہندی مسلمانوں کے لیے، جنکا دعویٰ تھا کہ خلیفہ کو مطلق الاختیار اور مقامات مقدسہ کا محافظ ہونا چاہیے، اگرچہ یہ بھی ایک سخت صدمہ کی بات تھی، تاہم وہ اسکا وعتکار کو پی گئے، بلکہ دسمبر ۱۹۲۳ء تا جنوری ۱۹۲۴ء میں خلافت کمیٹی

کا جو اجلاس گیا میں منعقد ہوا، اُس نے اس فیصلہ پر صاد کیا اور اعلان یہ کیا، کہ یہ انتخاب دینی اور اسلامی معیار کے بہت کچھ مطابق ہی رہا۔

ہم جری وار چند ماہ بعد ہوا سلطان عبدالمجید معزول کرکے جلاوطن کردیے گئے، اور خلافت ہی توڑ دی گئی۔ ہندی مسلمانوں کے لیڈر اب بھی شکست قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ۱۹۲۴ء کے اوائل میں خلافت کمیٹی نے اعلان کیا، کہ ایک وفد انقرہ جاکر ترکی حکومت سے اس پر گفت و شنود کریگا۔ یہ ایک نئی بات تھی، کہ کسی ملک کا کوئی بھی ادارہ کسی دوسرے ملک کی اندرونی پالیسی میں دخل دے۔ حکومت ہند نے اس لیے یہ کہا کہ، جب تک خود حکام ترکیہ سے استمزاج نہ کرلے، وفد کو پاسپورٹ نہ دیگی۔ ہندوستان میں اس پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ لیکن یہ بین الملکی دستور کے عین مطابق تھا۔ اور یہ احتیاط اچھی ہی ہوئی۔ ترکی حکومت نے وفد کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔" (اسمتھ کی "ماڈرن اسلام اِن انڈیا" صفحہ [illegible])

خلافت جیسے اہم ترین اجتماعی ادارہ کے توڑنے کا، عالم اسلام کی مرکزیت اور شیرازہ بندی کو فنا کردینے کا، جو مجرم ہے، اسی مجرم اور اتباعِ مجرم کے حق میں "تجدد" کو حیرت رہتی ہے، کہ اسلامیانِ ہند ایسے بطلِ عظیم کو ایسے "غازی" اور "مجاہد" کو اپنا "لازوال سردار" تسلیم کرنے میں تامل و تذبذب کو کیوں راہ دے رہے ہیں۔

طلاقیں نئی دنیا میں

امریکہ کے تازہ ترین اعداد سے معلوم ہوا کہ ہر ۶ نکاحوں میں سے ۱ کا خاتمہ طلاق پر ہوتا ہے (اسٹیٹسمین، ۲۳ نومبر ۱۹۳۶ء)

گویا ہر چھ نکاحوں میں ایک طلاق رکھی ہوئی ہے! اور یہ تعداد صرف ان مقدمات کی ہے، جو باضابطہ عدالتوں میں پیش ہوکر وقوع طلاق پر ختم ہوتے ہیں۔ خدا معلوم کتنی زندگیوں میں جوڑوں کا خاتمہ ناچاقیوں، بے لطفیوں، حسرت نصیبیوں اور طرح طرح کے نفسیاتی [illegible] پر ہوتا ہے، اُن کا اندازہ کون کرتا اور ان کا تخمینہ شائع کرنا کس کے بس کی بات ہے! —— سنتے ہیں کہ فرنگیوں میں، اور بالخصوص امریکہ میں، نکاح تو نکاح خود دولہا دولہن کی پسند سے، اُنکے ماں باپ کے انتخاب سے [illegible] خوب خوب تجربے [illegible] کے بعد ہوتے ہیں [illegible] ہوتا ہے؟ یہی ہیں کورٹ شپ اور اس سے بھی آگے [illegible] کی برکتیں؟ اس سے آخر جاہلوں کی، دقیانوسیوں اندھیوں کی طرح کی شادیاں کیا بری تھیں؟

تجدد کی برکت

مسز لکشمی پتی کو حکم سزا سناتے ہوئے مجسٹریٹ نے کہا کہ چونکہ ملزمہ عورت ہے، اس لیے اسے قید محض کی سزا دی جاتی ہے" اس پر ملزمہ نے سوال کیا کہ سزا میں عورت و مرد کا فرق کیوں رکھا جاتا ہے؟" مجسٹریٹ نے ہنس کر جواب دیا کہ حکم کہا جا چکا ہے"۔

مبارک ہو تجدد کو یہ کامیابی کہ اس کی برکت سے مساوات کا خیال تو مجرم عورتوں تک پہونچ گیا ہے، کہ وہ سزا میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتیں! —— اور اُف! وہ دقیانوسی ظالم مرد، جو مجسٹریٹی کی کرسی پر بیٹھ کر بھی، مرد و عورت میں تفریق قائم کیے ہوئے ہے!

اتاترک کی عجیب برسی

اتاترک ترکی کے اس عہد کے بڑے محسن ہیں، اس کے نجات دہندہ ہیں، انکی دوسری برسی کی تقریب ترکی میں ابھی ابھی منائی گئی ہے مگر اسکا طریقہ کچھ عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ اس دن ترکی کے مردوں اور عورتوں کے جم غفیر غازی موصوف کی گلپوش و علم پوش تصاویر کے آگے جمع ہوے اور اُنھوں نے قسم کھائی کہ "برضا و رغبت، اس عومی، جمہوری اصول استقلال و کاملیت ملک کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں قربان کردینگے" جنکے بانی غازی موصوف ہیں اور جن کی تقلید غازی عصمت انونو موجودہ صدر کررہے ہیں۔ اور اس موقع پر دعائیں بھی کی گئیں۔

دعائیں کرنا تو اسلامی طریقہ ہے۔ مسلمان برسیاں اسی طرح مناتے ہیں کہ قرآن خوانی ہوتی ہے اور ثواب اس شخص کو بخشا جاتا ہے جس کی برسی منائی جاتی ہے، اسکے لیے کچھ خیر خیرات کی جاتی ہے دعائیں کی جاتی ہیں مگر میت کی گلپوش اور علم پوش تصاویر کے آگے مردوں اور عورتوں کا جمع ہوکر حلف اٹھانا ایک ایسی چیز ہے جس سے اس وقت تک اسلامی ممالک آشنا نہ تھے۔ (رہبر دکن)

مراسلہ

مسلم یونیورسٹی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ

علیگڈھ (ڈیمیل): ایک خالص اسلامی فضا کی تشکیل کے لیے جو مساعی یہاں کے اسلامی جوش رکھنے والے حضرات اساتذہ اور طلبا کی جانب سے ۱۹۴۳ء سے عمل میں لائی جا رہی ہیں ان کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اکابر علماء دین کو یہاں تشریف آوری کی تکلیف دی جاتی ہے تاکہ وہ ہمارے دینی اور ملی مسائل کی گتھیوں کو سلجھا کر ہم کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جانب دعوت دیں۔ اس سال ہم کو اس باب میں جو کامیابی ہوئی ہے اُس پر ہم جس قدر مسرور ہوں کم ہے۔ ماہ ستمبر "اسلامی ہفتہ" کے سلسلہ میں متعدد علمائے کرام تشریف لائے۔ حضرت مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے "اسلامی نظام حکومت" پر اپنے بصیرت افروز مقالے نیز پرائیوٹ صحبتوں میں اپنے بیش قیمت افکار سے ہم کو مستفید فرمایا اور ہم میں ایک نئی روح پھونکی۔

دوسری زبردست کامیابی جو ہم کو ہوئی وہ یہ کہ ہم حضرت مولانا محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی کو یہاں تشریف آوری پر مجبور کر سکے۔ مولانا موصوف اردو، عربی، انگریزی کے زبردست مقرر ہیں اور پچھلے بیس سال سے دنیا کے بہت سے اسلامی ممالک کی اسلامی آبادیوں کی اصلاح و تنظیم اور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ نہایت کامیاب اور شاندار طریقہ پر انجام دے رہے ہیں۔ پچھلے دو تین سال سے ہماری مجلس اسلامیات مولانا کو دعوت دے رہی تھی مگر بیرونِ ہند مولانا کے تبلیغی اسفار راہ میں آڑے آتے تھے۔ اب بھی تشریف لائے تو صرف ایک تقریر کے لیے مگر یہاں آتے ہی اس قدر فرمائشیں شروع ہوئیں کہ گویا اس سال ایک اور "اسلامی ہفتہ" ترتیب پا گیا۔ پہلی بصیرت افروز تقریر "قوانین فطرت اور قوانین اسلام" پر اسلامی تاریخ و تمدن کی انجمن کے ماتحت ادر پرو وائس چانسلر صاحب کے زیر صدارت ۱۰ نومبر کو ہوئی۔ اپنی جامع افتتاحی تقریر میں صاحب صدر نے نہایت شاندار الفاظ میں مولانا کے علم و فضل اور ان کی ان بیش قیمت خدمات دینی کا تذکرہ فرمایا جو انھوں نے جاپان سے افریقہ تک مختلف بلاد و امصار میں انجام دی ہیں۔ یونیورسٹی یونین کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ طلبا کے علاوہ اساتذہ کی بھی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ دوسری تقریر جس کے لیے مولانا خاص طور سے تشریف لائے تھے "مجلس اسلامیات" کے ماتحت "تبلیغ اسلام" کے عنوان پر ۱۱ نومبر کو ہوئی۔ اس تقریر میں مولانا نے فلسفۂ تبلیغ، منصب امت اسلامیہ، طریقۂ دعوت، در تاریخ حاضرہ اسلامی پر گراں قدر افکار پیش فرمائے اور سامعین کو اپنی بلند پایہ خطابت اور وسعت علم سے مسحور کر دیا۔ تقریر کا شکریہ ادا کرنے کا فرض ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی نائب صدر انجمن تاریخ تمدن اسلامی اور ڈاکٹر افضال حسین قادری سکریٹری مجلس اسلامیات نے ادا کیا۔ موخر الذکر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مولانا کی تقریر یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہے۔ کرسی صدارت سے ڈاکٹر محمد رضا صاحب نائب صدر مجلس اسلامیات نے مولانا کو یقین دلایا کہ علیگڈھ ان کی تبلیغی اسکیم میں پورا تعاون کریگا۔ ۱۲ نومبر کو یونیورسٹی یونین کے ماتحت "مسلم طالب علم کا نصب العین" عنوان تقریر تھا۔ اس تقریر میں سائنس کی مختلف تحقیقات پر ایک عالمانہ اور محققانہ تبصرہ فرماتے ہوئے مولانا نے عرفان ذات باری تعالیٰ کو بطور نصب العین پیش کیا۔ چونکہ تقریر کے بسیط عنوان کے لیے وقت کم مل سکا تھا اسلیے دقار الملک ہال یونین کی جانب سے ڈاکٹر ... حسین صاحب صدیقی نے اصرار کیا کہ ۱۳ نومبر کو اسی موضوع پر وہاں تقریر ہو جسکو قبول کرلیا گیا۔ اپنی تقریر میں مولانا نے اسلامی نظریۂ علم کی مزید وضاحت فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا سید شبیر صاحب ناظم دینیات شیعہ نے کرسی صدارت سے مولانا کے کمالات علمی پر تبصرہ فرماتے ہوئے نہایت پرزور الفاظ میں شکریہ پیش کیا۔ تقریروں کی فرمائشیں اسکے بعد بھی جاری رہیں اور یہاں کے حضرات نے مولانا کو علیگڈھ سے رخصت ہونے کی اسوقت تک اجازت نہ دی جب تک یہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ پھر عنقریب تشریف لاکر اپنے بیش بہا افکار سے ہماری اسلامی روح کو غذا بہم پہونچائیں گے۔

تقریروں کے علاوہ حضرات اساتذہ اور طلبا سے پرائیوٹ علمی صحبتیں رہیں جن میں تقریباً ان تمام اعتراضات کو زیر بحث لایا گیا جو جدید تصورات کے ماتحت اسلام اور نفس مذہب پر کیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نے ہر اعتراض کو نہایت عالمانہ اور مسکت انداز میں حل فرمایا۔ ایک مقناطیسی شخصیت، ایک جادو بیان مقرر، ایک صاحب کمال و متبحر عالم، جدید ذہنیت کا نبض شناس۔ یہ سبھی وہ تاثرات جو حضرت مولانا تشریف لیجانے کے بعد یہاں چھوڑ گئے۔

طلباء میں ایک نئی اسلامی روح وجود میں آئی اور متعدد طلباء نے اپنی زندگیوں کو تبلیغ اسلام کے واسطے وقف کرنے کے لیے پیش کیا۔ مختلف جانب سے یہ تحریک نہایت پُرزور انداز میں کی گئی کہ جس طرح طلباء مصر میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے سید جمال الدین افغانی جامعہ ازہر کے باہر خیمہ لگا کر بیٹھ گئے تھے، حضرت مولانا بھی علیگڈھ کو مرکز بنائیں تاکہ ایک مستقل انقلاب پیدا کیا جا سکے۔ مولانا نے وعدہ فرمایا کہ وہ علیگڈھ کے طلبا کے دینی و ملی جوش کو اسلام کے لیے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے میں کوئی ممکن کوشش اُٹھا نہ رکھیں گے اور جہاں کہیں بھی رہیں گے طالبان عمل کی رہبری اور رہنمائی فرماتے رہیں گے۔

محمد ارشد انصاری معتمد نشر و اشاعت مجلس اسلامیات
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اطلاع

براہ کرم خط و کتابت و تبدیلی کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے

منیجر

معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی قوانین و ضوابط خود اپنے عقل و تجربہ سے اخذ کرنا شروع کر دیے، اس لیے مسلمان بھی جب تک اپنے قوانین کو خود اپنے تجربہ کی روشنی میں، وضع نہ کرنے لگیں گے، ترقی کر ہی نہیں کرسکتے — استدلال میں لفظ "ترقی" کے اندر جو عظیم الشان مغالطہ موجود ہے، اس سے قطع نظر قرآن کو انجیل پر قیاس کرنا ہی کب، اور کسی معنی میں بھی صحیح ہے؟ کیا انجیل میں بھی سیاسیات، اخلاقیات، معاشیات کے قوانین، قرآن کی اور عمل جو تعالیٰ تفصیل کے ساتھ مدون ہیں؟ کیا موجودہ انجیل، جیسے مسیحی دنیا انجیل تسلیم کرتی ہے، کسی معنی میں بھی کلام الٰہی ہے؟ لفظاً نہ سہی، معناً بھی اسے کون کلام الٰہی مانتا ہے؟ کیا مسیحیوں کے ہاں اسکا وہ مرتبہ بھی ہے جو ہم مسلمان احادیث قدسیہ کا ہے؟ بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے غیر مرتب اقوال و حالات کے مجموعہ کے، اور مجموعہ بھی ایسا جو نامعلوم ہاتھوں کا جمع کیا ہوا، وہ ہے کیا؟ بائبل پر قرآن کو قیاس کرنا، اور اسکے لیے وہ نتیجے نکالنا جو دوسرے کے لیے نکالے گئے ہیں، اس سے بڑھ کر ظلم، دین پر نہیں، خود عقل پر اور کیا ہوگا؟

عجیب دینداری

"میں اس بل کی اصولی طور پر مخالفت کرتا ہوں۔ پنجاب کے علاوہ دہلی، اجمیر اور ہندوستان کے دیگر کئی مقامات پر یہ گانے کا سلسلہ مدت سے چلا آتا ہے۔ میں عورتوں کے حق میں نہیں، لیکن میں کسی شخص کو ... کے ... سے روکنے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پنجاب اسمبلی کو ایک اسلامی معاملہ میں دست اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

پنجاب اسمبلی کے ایک مسلمان ممبر پیر ... صاحب نے (ایک مسلمان ممبر کی اس تحریک کی مخالفت میں فرمایا، کہ درگاہوں اور بزرگوں کے مزارات پر بازاری عورتوں کو گانے بجانے سے روک دیا جائے) گویا پیر صاحب کے نزدیک فاحشہ عورتوں کو فحش پیشوں سے روکنا، انکی آزادی میں خلل ڈالنا مداخلت فی الدین ہے! اور "اسلامی معاملہ" یہ ہے کہ غیرتمند مسلمان بھی وہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہیں جو اب تک دیکھتے اور سنتے چلے آئے ہیں! — مداخلت فی الدین کی یہ اچھوتی تعبیر آج تک کسی انسانی ذہن میں بھی آئی ہوگی؟ مدت ہوئی، بہت مدت ہوئی، حالی نے کہا تھا

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے!

وہ اسی وقت پستی کو حد سے گزرا ہوا سمجھ رہے تھے۔ پستی کی ان حدود تک تو اُن غریب کا شاعرانہ ذہن بھی کہاں پہونچ سکتا تھا؟

نئی خدائی

ایک نئی دنیا قائم ہے، اور اُسکے لیے نئی زمین ہے اور نیا آسمان۔ سائنس کی ترقیوں نے کائنات کا ہر شے بالکل نیا کر دیا ہے۔ غربت امارت کا فرق مٹ گیا ہے۔ خیالات میں بھونچال آچکا ہے۔ مذہب کا لفظ صرف آثار قدیمہ کے سلسلہ میں کبھی کبھی سننے میں آجاتا ہے۔ ایک نا پہچانی دنیا آباد ہے۔ عقائد، اخلاق، معاشرت، ہر اعتبار سے بالکل نئی۔ سنہ عیسوی کے بجائے حضرت مسیح کے، عالم تخلیق فورڈ کے نام سے منسوب ہے۔ عفت، عصمت، شرم، حیا، نکاح، مہر، جہیز لغت میں مہمل و بے معنی الفاظ کی فہرست میں ہیں۔ باپ بننا مرد کے لیے، اور ماں بننا عورت کے لیے جرم قرار پا چکا ہے۔ بچے بوتلوں اور مشینوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتے اور حکومت کے خرچ سے پلتے ہیں، مادۂ تولید بوتلوں اور مشینوں میں جمع رہتا ہے — خلاصہ ہے ایک انگریزی افسانہ Brave New World کے پلاٹ کا۔ مصنف وقت کے ایک مشہور انگریزی افسانہ نویس ایلڈس ہکسلی ہیں، مشہور افسانہ نویس سے زیادہ اپنی "روشن خیالی" کے لیے۔

اس فرضی اور روشن خیال دنیا کی شخصیتیں، دنیا کو مذہب اور اخلاق کے پنجہ سے نجات دلانے والی، نئی دنیا کے نئے دیوتا اور نئی دیویاں، تمام تر مغربی نژاد ہیں، اور ہماری آپ کی جانی پہچانی ہوئی شخصیتیں ہیں، صرف روپ رنگ نیا کرا دیا گیا ہے۔ ... کارخانۂ حیات کے عہدہ دار مختلف ہیں، کوئی منیجر ہے، کوئی ڈائرکٹر، کوئی سپرنٹنڈنٹ کوئی کچھ اور۔ کسی کا نام ہے مارکس، کسی کا ٹراٹسکی، کسی کا فرائڈ، وقس علیٰ ہذا۔ لیکن اس نئی خدائی کا جو رب الارباب، سردار اعظم یا "کنٹرولر" ہے، وہ کوئی انگریز نہیں، روسی نہیں، فرانسیسی نہیں، بلکہ اسکا ترکی نام ہے "مصطفیٰ"! — ہے اب بھی تجدد کو گلہ و شکوہ کا موقع، کہ مردم شناس مصنف نے ترکیہ کے "لازوال" سردار کے کارناموں کے اعتراف اور داد میں بخل سے کام لیا ہے؟

تجدد کی قدامت پرستی

"ہندی عورت کا بہترین فریضہ یہ ہے کہ وہ نکاح میں آجائے۔ شادی، انسانی زندگی کی خوش آیندترین حالت کا نام ہے۔ اور اسکا اہم ترین خیال یہ ہونا چاہیے کہ زندگی میں اپنے مقصد وجود کو پورا کرے، اور وہ مقصد وجود خانہ داری اور بچوں کی ذمہ داری ہے ...

میں چاہتی ہوں کہ عورت میں آزادی تو مغربی ہو لیکن شرم و حیا مشرقی" (ہندو ۔ مدراس، ۸ ۔ دسمبر ۱۹۴۰ء)

یہ کسی "ظالم" مرد نے نہیں، پنجاب کی مشہور "روشن خیال" خاتون بیگم شاہنواز (پارلیمنٹری سکرٹری حکومت پنجاب) نے فرمایا۔ اور پھر فرمایا:-

"میں اگر ڈکٹیٹر ہو جاؤں، تو تمام موجودہ زنانہ کالج یکقلم بند کر دوں۔ افسوس ہے کہ ان میں نصاب درس لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بہنیں بھی پڑھی لکھی بے روزگاروں کی فوج میں داخل ہو جائیں جیسا کہ مغربی ملکوں میں ہو رہا ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ وہ ہندیوں کی ایک بہترین نسل کی پرورش میں پوری ذمہ داری کے ساتھ حصہ لیں۔ انکی اصلی جگہ گھر ہے، اسی کے لیے اُنھیں خوب تیار ہونا چاہیے ....

اس سارے تعلیمی کھیڑے سے آخر حاصل کیا، جب عورت کو اتنا بھی نہ آیا کہ کھانا تو اچھا تیار کر سکے، اور گھر سلیقہ سے چلا سکے؟" (ایضاً)

یہ آخر بات کیا ہے، کہ بڑی سی بڑی روشن خیال جوں جوں اس کا سن آتا جاتا ہے اور تجربہ بڑھتا جاتا ہے، رفتہ رفتہ تجدد کی راہ سے ہٹتی ہی جاتی ہیں؟ "شادی بیاہ عورت کا اصلی مقصد زندگی ہے"۔ "عورت کی تعلیم مرد سے بالکل الگ ہونی چاہیے"۔ "بہترین عورت وہ ہے کہ جو شوہر اور بچوں کی بہترین خدمت کرسکے"۔ یہ باتیں تو سب وہی ہیں، جو اب تک دقیانوسی مولوی، پنڈت ہی کہا کرتے تھے!

ایک خوش آیند خواب

"حضرت محمد کو خدا کا رسول ماننے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ وہ مجھے بدھ، کرشن، رام کی تعریف کرنے سے نہیں روکتا"۔

یہ الفاظ اُردو کے مشہور افسانہ نویس منشی پریم چند آنجہانی کے قلم سے ہیں، جو اُردو کے قدیم رسالہ زمانہ کے اکتوبر نمبر میں شایع ہوئے ہیں۔ صفحہ ۲۲۹ پر اور اس عبارت پر حسب ذیل حاشیہ، اڈیٹر صاحب زمانہ منشی دیانرائن نگم بی۔ اے کے قلم سے ہے:-

"ایک پریم چند نہیں، بلکہ عام ہندوؤں کا یہی رویہ ہے"۔

ممکن ہے لوگ اسے معمولی اور چلتی ہوئی سی بات سمجھیں، حالانکہ بڑی گہری اور اہم بات ہے۔ اگر ہمارے وطنی بھائی اس حد تک ہم سے قریب آجائیں، تو آج ہندو مسلم "قضیہ" جس کا ہر طرف ہنگامہ گرم ہے، از خود بڑی حد تک ختم ہوا جاتا ہے، بغیر کسی بڑے سیاسی سمجھوتے کے۔ بہت عرصہ کی بات ہے، جب ان سطور کے راقم نے یہ خیال کیا تھا کہ عام ہندوؤں کو مسلمانوں سے سب سے بڑی شکایت [illegible] مسلمان اس شکایت کو بالکل دور کرسکتے، اور اپنے حق سے دست بردار ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ اسکے معاوضہ میں ہندو اُنکے پیمبر کا ادب و احترام سیکھ لیں۔ زمانہ کے اس نوٹ کو پڑھ کر آج پھر وہ بھولا ہوا خواب یاد پڑگیا!

نئی تاریخ ہند

"کلکتہ۔ ۳۰ نومبر۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کل پٹنہ واپس روانہ ہوگئے۔ وہ یہاں زیر تدوین جدید تاریخ ہند (نیو ہسٹری آف انڈیا) کے سلسلہ میں آئے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ ضخیم کتاب ۲۱ مجلدات میں شایع ہوگی، اور ہر دور ایک ماہر خصوصی کے قلم سے ہوگا۔ سرجادو ناتھ سرکار، [illegible] جیسے ممتاز فضلا اس کی تالیف میں شریک ہیں۔ پہلی جلد اگلے موسم گرما تک تیار ہو جائیگی"۔

اتنے بلند پیمانہ پر تاریخ ہند کی کوشش ہندیوں کے قلم سے اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے۔ دیکھیے مسلمانوں کے حصہ میں کیا آتا ہے۔

ڈوئیل کا تحفہ

"مغربی تہذیب و تمدن کے لائے ہوئے تحفوں میں ڈوئیل ایسی چیز ہے، جو ہندوستانیوں کے درمیان کبھی مقبول نہیں ہوا"۔ پادری اینڈریوز نے ابھی حال میں اپنے ایک مقالہ میں فرمایا (اسٹیٹسمین، ۷ دسمبر ۳۰ء)

"ڈوئیل کا مفہوم آپ سمجھ ہی گئے ہونگے، کسی نزاع کے فیصلہ کے لیے دو آدمیوں کا میدان میں کھڑے ہوکر ایک دوسرے پر تلوار یا بندوق یا پستول سے حملہ کرنا، جس سے ایک کی جان چلی جاتی رہے۔ لفظ کا ترجمہ انجمن ترقی اُردو کی ڈکشنری میں "بکیلی" سے کیا گیا ہے۔ برطانیہ، فرانس، وغیرہ میں مدتوں اس کا دور دورہ رہا، اور اب بھی کہیں کہیں داخل فیشن ہے"۔ —— پادری صاحب کو حیرت ہے کہ آخر مغرب کے اور سارے تحفے تو ہندوستان نے قبول ہی کرلیے، اسے کیوں نہ کیا۔ دوسرے اسباب جو کچھ بھی ہوں، لیکن ایک وجہ تو بالکل عیاں ہے۔ یہ تحفہ آیا ہندوستان میں سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارویں کے شروع میں۔ "فرنگی" بیچارہ اُسوقت خود ایک مضحکہ بنا ہوا تھا۔ کہیں اُنیسویں صدی تھوڑے ہی تھی، جو "صاحب" کی ایک ایک ادا باعث فخر اور واجب التقلید ہو جاتی! احساس خودی اُسوقت تک بہرحال کچھ زندہ تھا۔ دل مرعوب اور دماغ ماؤف پوری طرح ہو نہیں پایا تھا۔

اپنی کمزوریاں

ایک غیر مسلم ہفت روزہ کے اڈیٹوریل کا اقتباس:

"ہمیں افسوس کے ساتھ اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جہاں تک کیرکٹر، دیانتداری، ناجائز روپیہ وصول نہ کرنے، اپنی ضمیر کو حکومت کے زیر اثر نہ ہونے دینے والے اور بے خوفی کا سوال ہے ہندوستان کے نوّے فی صدی اخبارات اور اخبار نویس چوروں اور ڈاکوؤں، سٹے بازوں، دھوکہ دینے والوں اور قمار بازوں سے بھی بدتر ہیں۔ چنانچہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چند روپیہ کے اشتہار کے سبب ہم لوگ دو دو کالم کے ریویو کردیتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ جو کچھ کیا جارہا ہے غلط ہے۔ [illegible] دوسری طرف ولایتی اشتہارات حاصل کرنے کےلیے مشتہرین کے ایجنٹ کو رشوت تک دیتے ہیں۔ والیان ریاست کو دھمکا کر اور خوشامد کرکے روپیہ لیا جاتا ہے۔ میونسپلٹیوں کے انتخاب کے زمانہ کو آمدنی کا سیزن سمجھا جاتا ہے۔ سیٹھوں، ساہوکاروں اور سرمایہ داروں سے روپیہ لیکر انکو اڑایا جاتا ہے۔ اخبارات کے ضمیمے شایع کرکے لوگوں کی جیبیں خالی کی جاتی ہیں۔ آرٹ کے نام پر فلم کمپنیوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے۔ [illegible] سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے"۔

غیروں سے تو زیادہ شکوہ نہیں۔ سوال اپنوں کا ہے۔ مسلم معاصرین اس قلمی آئینہ میں اپنے چہرے ملاحظہ کریں۔ قلم کی تو ایک امانت ہے۔ آخرت کی عدالت میں قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک [illegible] دینا ہے۔ وما اُبرّئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔

التماس کی پذیرائی

ڈپٹی عبد المجید صاحب فیض آباد
مولانا مناظر احسن صاحب حیدرآباد
منشی محمد رحمت اللہ صاحب "
مولانا محمد منظور صاحب بریلی
ایک مخلص گجرات

نئی کتابیں

(۱) حضرت مجدد کا نظریہ توحید (انگریزی)

Mujaddid's Conception of Tawhid

از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ایم اے، پی ایچ ڈی۔ متوسط ۲۰۰ صفحے۔ مجلد۔ جلد نو لفٹا۔ قیمت سے ر۔ پتہ: شیخ محمد اشرف انگریزی کتب فروش کشمیری بازار، لاہور

اسلامیات پر انگریزی زبان کی کتابیں یوں بھی زیادہ نہیں، اور اگر قید مستندی کی لگا دی جائے، تو انکی تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ، اور اسلامی عقائد پر تو خیر پھر بھی کچھ مل جاتی ہیں، اسلامی تصوف پر تو کہنا چاہیے کہ انکا قحط ہی ہے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی کتاب معمولی درجہ کی بھی انگریزی میں اسلامی تصوف پر آ جاتی، تو بھی بہت غنیمت سمجھی جاتی، ایک بلند پایہ تصنیف علمی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے ایک مستقل اور ٹھوس، اعلیٰ خدمت ہے۔ اور تصنیف نہیں ہے ایک محنت ہے۔ اول تو خود موضوع کا انتخاب ایک مشکل موضوع کا انتخاب تھا۔ اور پھر انگریزی زبان میں اس سے عہدہ برآ ہونا اور بھی دشوار تھا۔ اس قسم کے مسائل کے لیے انگریزی میں اصطلاحیں بھی پوری طرح موجود نہیں۔ لیکن فاضل مصنف نے غیر زبان میں مسائل ادا کرنے کا حق ادا کر دیا۔ اصطلاحات بھی انھیں کامیاب ملیں، اور طرز بیان میں انکے نہ کہیں دقت اور اصطلاحات کی شدید پیچیدگی۔

کتاب تصوف پر نہیں، فلسفہ پر ہے۔ اور فاضل مصنف تصوف کے نہیں، فلسفہ کے عالم اور طالب علم ہیں۔ لیکن مصنف کے قلم کا کمال ہے کہ فلسفیانہ مباحث میں تصوف کا ذکر کیا، کلام و عقائد کا بھی دامن کہیں سلیقہ سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ شروع میں ایک مختصر دیباچہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے صدر شعبۂ فلسفہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کے قلم سے ہے۔

اسکے بعد ص ۲۲ تک حضرت مجدد سرہندیؒ کے حالات زندگی پر تبصرہ ہے۔ پھر اصل کتاب ایک مفصل مقدمہ، دو ابواب اور ایک خاتمہ پر شامل ہے۔

مقدمہ کا عنوان ہے "وحدت کائنات"	ص ۲۳ تا ص ۵۴
باب اول کا عنوان ہے "مجددؒ کا نظریہ توحید"	ص ۵۵ تا ص ۱۴۰
" حصہ اول۔ ابن عربی کا وحدت الوجود اور اس پر مجددؒ کی تنقید	ص ۵۵ تا ص ۱۱۶
" حصہ دوم۔ مجددؒ کی توحید	ص ۱۱۷ تا ص ۱۴۰
باب دوم۔ مجددؒ کے نظریۂ توحید کے اثرات مابعد	ص [illegible] تا ص ۱۸۰
" حصہ اول۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ	ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۰
" " دوم۔ خواجہ میر ناصر و خواجہ میر دردؒ	ص ۱۴۰ تا ص ۱۵۶
" " سوم۔ مولوی غلام یحییٰ	ص [illegible] تا ص ۱۶۳
" " چہارم۔ شاہ رفیع الدین	ص ۱۶۳ تا ص ۱۶۴
" " پنجم۔ شاہ سید احمد بریلوی	ص [illegible] تا ص [illegible]
خاتمہ	

کتاب کا علمی مرتبہ اسی سے ظاہر ہے کہ فلسفہ کے غیر مسلم ممتحنین صفحۂ اسی مقالہ پر برہان احمد فاروقی، ایم اے کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ باقی مذہبی حیثیت سے بھی صدر شعبہ مسلم یونیورسٹی ڈاکٹر سید ظفر الحسن سلمہ اللہ اور ان کے رفیقوں کی سعی اور ہمدردی مستحق۔ منجملہ ان دینی خدمات کے ہیں جو انکا شعبہ انکی زیرنگرانی عرصہ سے کر رہا ہے۔ خدا کی شان ہے کہ جو شعبہ عام طور پر گمراہی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، وہی علیگڈھ میں کامل ہدایت کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

نفس موضوع میں تو نہیں، البتہ دو تین ضمنی جزئیوں میں مصنف سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ مثلاً ص ۴۲ پر خواجہ میر کو صرف ایک مذہبی مراقبہ کا ذکر جس انداز سے ہوا ہے، یا ص ۳۵ کے حاشیہ میں معلوم کہ ایک مقبول عوام صوفی کا نام جس اہمیت سے لایا گیا ہے، ص ۲۶ پر سید کو جس مدحیہ انداز میں "اسلامی ریفارمزم" کا بانی قرار دیا گیا ہے، یا ص ۳۵، ۲۶ کے حاشیہ پر ادیس قرنیؒ کے وجود کو جس طرح مشتبہ ٹھہرایا گیا ہے، یہ سب مقامات نظر کو کھٹکے۔

کتاب کی دوشن چھپائی، صحت، کاغذ، جلد سب قابل قدر ہیں۔ ص ۳ کے حاشیہ اول میں جو حوالہ ہے وہ غالباً غلط چھپ گیا ہے۔ کتاب عوام کے کام کی نہیں لیکن طبقۂ خواص میں تو ہر کتبخانہ کی الماری میں اور ہر مطالعہ کی میز پر جگہ پانے کے قابل ہے۔

(۲) بشریٰ — از مولوی عنایت رسول عباسی مرحوم چریاکوٹی۔ ضخامت ۲۶ + ۱۰ + ۱۶ + ۲۸ + ۲۲۳ صفحات۔ تقطیع ۲۰ + ۲۶۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی۔ شروانی پرنٹنگ پریس۔ علیگڈھ

رسول اللہ صلعم کی بشارتیں توریت و انجیل وغیرہ صحف سابقہ میں، اسلامی کلامیات کا ایک اہم موضوع ہیں۔ خود کلام مجید نے بارہا اس سے استشہاد کیا ہے، اور متکلمین قدیم و جدید بکثرت اس موضوع پر لکھ چکے ہیں۔ مولوی عنایت رسول صاحب چریاکوٹی اپنے زمانہ کے ایک ممتاز فاضل گزرے ہیں، سرسید کے ہمعصر تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ زبان عبرانی سے بھی واقف تھے۔ اس لیے انھوں نے توریت سے یہ پیشگوئیاں اور بشارتیں براہ راست تلاش کیں، اور اس موضوع پر ایک خاصی ضخیم کتاب تیار کر دی۔ ضخامت اس لیے اور بڑھ گئی کہ ترجمہ و تشریح سے قبل اصل عبارتیں عبرانی متن سے نقل کرتے چلے گئے ہیں، اور پھر انھیں عبارتوں کو اردو خط میں بھی دوہرایا ہے۔ استناد کے لیے اصلاً تو یہی طریقہ بہتر تھا کہ استدلال بجائے ترجمہ کے متن سے کیا جائے، لیکن فریق مخالف پر حجت زیادہ قوی ہو جاتی اگر ترجمہ بطور خود کرنے کے بجائے انھیں کے مسلّمہ ترجمہ کو اختیار کر لیا جاتا۔ اگر اس ترجمہ سے عدول کرنا ہی تھا، تو پہلے جرح و تنقید سے اُس ترجمہ کا ناقص، غلط، اور ناقابل اعتبار ہونا واضح کر لینا تھا۔

کتاب لکھی ہوئی آج کی نہیں، تقریباً نصف صدی اُدھر کی ہے، پہلے عبارت قدرۃً نامانوس ہے۔ مرتب چھپی اب ہے۔ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کے سرمایہ اور سر شاہ سلیمان کی حسن توجہ سے۔ اور یہ دونوں صاحب اپنے حسن نیت کی بنا پر یقیناً مستحق اجر ہوگئے۔ لیکن مصنف ضمناً جا بجا ایسے خیالات و عقائد بھی ظاہر کرتے گئے ہیں، جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، اور جو غیر مصنف کے جذبۂ اسلامی و دینداری کے ساتھ ربط دینے میں دقت ہی

پیش آگیا ہے۔ (مثلاً یہ کہ اثیر و الاب کے قائل تھے اور زحل، قمر، زہرہ، شمس وغیرہ کی طاقتوں کے معتقد تھے، ص۲۲۴، ص۲۸۱ وغیرہ) یا یہ کہ ملائکہ، ارواح کو یہ اشد شبہ داخل کرکے انھیں غیر فانی قرار دیا ہے (ص[illegible]) اس قسم کے خرافات، کتاب میں جا بجا بکھرے پڑے ملیں گے۔ ناشر کتاب (مولوی حاجی مقتدی خاں شروانی) البتہ مستحق شکریہ ہیں کہ انھوں نے ایسے سارے مقامات پر تنبیہ شروع میں دلادی ہے، اور سب کی مفصل نشاندہی بہ قید صفحہ و سطر کردی ہے۔

نفس موضوع یعنی بشارات نبوی کے حد تک یہ کتاب قابل مطالعہ ہے، اور حسن ظاہری، کاغذ، کتابت وغیرہ کے لحاظ سے تو کتاب اردو کی بہترین مطبوعات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

(۳) **خنداں**۔ از رشید احمد صاحب صدیقی۔ صفحات ۱۸۰۔ مجلد قیمت [illegible] پتہ: جامعہ، دہلی (لکھنؤ، لاہور، بمبئی)

یہ اردو کے مشہور ظریف و شوخ نگار رشید احمد صاحب صدیقی کے چالیس ریڈیائی مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین عرصہ تک دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتے رہے، اور اب مکتبہ جامعہ کے حسن اہتمام سے کتابی شکل میں آگئے ہیں۔ رشید صاحب کی پرلطف طرز نگارش، اب پڑھے لکھے حلقوں میں نہ کسی سفارش کی محتاج ہے نہ تعارف کی۔ ان کا ایک خاص اپنا رنگ ہے دوسروں سے ممتاز، اور وہ پختہ ہوچکا ہے۔ بغیر کسی کی آزاری، اور بے دلشکنی کے، ابتذال کے شائبہ کے، ہجو اور ستائش سے پاک، وہ چھوٹے بڑے اپنے پرائے، سب کے خاکے اس عجب کھینچتے چلے جاتے ہیں کہ پڑھنے والا ہر سطر پر لطف لیتا جائے، مسکراتا جائے، جھومتا جائے، اور کہیں کہیں بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

نشریہ تیار کرنے میں مصنف کا قلم آزاد نہیں ہوتا۔ ریڈیو بہرحال ایک سرکاری محکمہ ہے، اور محکمہ کی طرف سے طرح طرح کی قیدیں اور پابندیاں عائد رہتی ہیں۔ ظرافت کی بے تکلفی بھلا ان قیود کا تحمل کہاں کر سکتی ہے۔ لیکن رشید صاحب کی معجز نگاری نے ان پابندیوں میں بھی اپنے کمال کو برقرار رکھا۔ اور اس ضخیم مجموعہ کے ہر ہر صفحہ کو زعفران زار بنائے رکھا ہے۔ بھرتی کا صفحہ تو شاید کوئی بھی نہ ملے، اور بعض خاکے تو خاص طور پر دلچسپ و پرلطف ہیں، ایسے کہ پڑھنے والے انھیں بار بار پڑھیں گے۔ کتاب عوام اور کم استعداد سواد خوانوں کے کام کی نہیں۔ یہ عیب ہو یا ہنر، بہرحال واقعہ یہ ہے کہ "رشیدیات" سے لطف اٹھانے کے لیے پڑھنے والے کو اچھا خاصہ پڑھا لکھا ہونا چاہیے، ادبی اور شخصی تلمیحات بکثرت ہوتی ہیں۔ کتاب اس قابل ہے کہ ادب اردو کے ہر صاحب ذوق شائق یا طالب علم کے مطالعہ پر نظر رہے۔ مکتبہ جامعہ نے اس مجموعہ کی اشاعت سے اردو کی ایک خدمت انجام دی ہے۔

(۴) **قرآن اور اقبال**۔ از مولوی ابو محمد مصلح صاحب۔ صفحات ۱۹۱ صفحے۔ مجلد۔ قیمت [illegible]، پتہ، ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن مجید۔ حیدرآباد دکن۔

مصلح صاحب کی تحریک قرآن مجید، خاصی مقبول و معروف ہوچکی ہے۔ لاہور، حیدرآباد وغیرہ مختلف مرکز قائم کرکے سرگرم تبلیغی کوششیں کرچکے ہیں۔ قرآن اور اقبال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ رسالہ کے ابتدائی ۴۳ صفحے، مصلح صاحب کے قلم سے اقبال پر بطور مقدمہ کے وقف ہیں۔ ص۴۴ سے ص۱۲۵ تک اقبال کی نثر کے مختلف اقتباسات میں قرآن ہی سے متعلق، نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"قرآن کا ترکی زبان میں پڑھا جانا تاریخ اسلام میں کوئی نئی بات نہیں۔ اس کی چند مثالیں موجود ہیں۔ ذاتی طور پر میں اس کو ایک نظر کی ایک سنگین غلطی سمجھتا ہوں کیونکہ عربی زبان و ادب کا متعلم اچھی طرح جانتا ہے کہ ... اگر کسی زبان کا مستقبل ہے تو وہ عربی ہے۔ بہرحال اب ملا ہیں کہ ترکوں نے ملکی زبان میں قرآن کا پڑھنا ترک کردیا ہے۔"

(ص۵۹)

ص۱۲۵ سے آخر تک، اقبال کی مختلف فارسی اور اردو منظومات کے اقتباسات ہیں، سب کا تعلق کسی نہ کسی صورت سے قرآن کے ساتھ ہے۔ جا بجا مختصر شرح و توضیح بھی مصلح صاحب کرتے گئے ہیں۔ کتاب دلچسپ تو یقیناً ہے، اور عجب کیا ہے کہ مرتب کے منشا کے مطابق مفید و موثر بھی ہو، یعنی نوجوانوں میں اقبال ہی کے واسطے سے سہی، قرآن کا ذوق پیدا کردے۔

(۵) **غلامانِ اسلام**۔ از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔ ایڈیٹر "برہان" صفحات ۱۹ + ۴۳۳ صفحات۔ تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت مجلد [illegible] پتہ ندوۃ المصنفین قرول باغ۔ دہلی

"اسلام میں غلامی کی حقیقت" کے نام سے اس کتاب کا حصہ اول عرصہ ہوا شائع ہوا تھا، اور صدق میں اس پر تبصرہ بھی اسی زمانہ میں نکل چکا ہے۔ اس میں نفس مسئلہ غلامی کی حقیقتِ اسلامی کا بیان تھا، اس میں تاریخی حیثیت سے ممتاز ترین مسلمان غلاموں یا آزاد شدہ غلاموں کا بیان ہے — دنیا میں بڑے بڑے مغالطے محض لفظی اشتراک کی بنا پر پیش آتے رہتے ہیں۔ لفظ "غلام" بیشک مسلمانوں اور قوموں میں مشترک ہے۔ یہ کتاب اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی ہے کہ مسلمانوں کے اندر غلامی باعث ننگ ہونا الگ رہی، باعث شرف ہوکر رہی ہے! بعض اجل صحابہ ان ہی غلاموں میں سے ہوئے ہیں، اور تابعین، اتباع تابعین اور ان کے بعد کے دور میں تو غلاموں کے طبقہ میں سے اٹھنے والے مشاہیر کا کوئی شمار ہی نہیں!

مقدمہ کے بعد کتاب کے بڑے عنوانات پانچ ہیں۔

(۱) صحابہ کرام۔ اور اس کے ماتحت ۱۵ صحابیوں کے مفصل و مستند حالات درج ہیں۔ حضرت زید (جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے) حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلمان فارسی وغیرہم۔

(۲) تابعین۔ اور اس کے تحت میں ۳۷ ایسے مشاہیر کا ذکر آگیا ہے، جیسے حضرت عکرمہ، حضرت نافع، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین وغیرہم۔

(۳) اتباع تابعین۔ اور اس فہرست میں اس مرتبہ کے ۲۶ اصحاب کے تذکرے ملتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک، [illegible]

مسلم تنظیم کی بنیاد درکار

(مسلم لیگ سے ایک مخلصانہ گزارش)

(از جناب مولانا عبد الرؤف صاحب قادری داناپوری)

مسلمانوں میں سب سے بڑی خرابی پیدا ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے سامنے اس وقت کوئی خاص قومی مقصد باقی نہیں رہا جس سے ہماری قومیت کی شیرازہ بندی ہو، یعنی ہمارے سامنے اس وقت کوئی عقیدہ یا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کی مخالفت یا جسکا ترک کر دینا ہم برداشت نہ کر سکیں یا جسکے لیے ہم جانی و مالی قربانی پر آمادہ ہو سکیں۔ دنیا میں ایسے ہی مقاصد کی وجہ سے قومیں بنتی ہیں اور پھر جب ان مقاصد کی اہمیت کو ترک کر دیتی ہیں تو انکے مقاصد مردہ ہو جاتے ہیں اور وہ فنا ہو جاتی ہیں۔

اسلام دنیا میں آیا تو اس کے دو مقصد تھے۔ اوّل توحید یعنی خدا پرستی قائم کرنا اور باطل دینی و بت پرستی کو مٹانا۔ دوم رسالت یعنی اتباع بالرسول کو دنیا سے منوانا اور اسکو دوسرے تمام احکام پر غالب کرنا۔

جن لوگوں نے ان دونوں باتوں کو قبول کیا اور انھیں دو باتوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا وہ مسلمان کہلائے۔ اور انھیں حضرات سے مسلم قومیت کی بنیاد پڑی۔ آگے چل کر جو عظیم الشان مسلم قومیت پیدا ہوئی اور جس نے سارے عالم میں غیر معمولی انقلاب پیدا کر دیا اور دنیا کا نقشہ بدل دیا، اسکے بانی چند غریب مسلمان تھے۔ جن میں کچھ غلام تھے کچھ مسکین ایک کوئی غلام حبشی، کوئی رومی، کوئی ایرانی النسل۔ نہ انکے پاس کھانے کا سامان تھا، نہ پہننے کا کپڑا، نہ قوت تھی نہ لڑائی کے لیے سامان حرب، لیکن اعتقاد اور مقصد سے برگشتہ کرنے کو خوفناک قوتیں اور مصائب کا ہجوم آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا تھا۔ اول تو خود انکے آقا، جنکے یہ غلام تھے۔ اور انکے سوا بنی عبد مناف، بنی مخزوم، بنی اسد، اور بنی زہرہ کے بڑے بڑے رئیس اور سردار تھے جو دولتمند دلیر اور محارب لوگ تھے۔ جن میں کا ہر ایک اپنے کو شیر ژیاں سمجھتا تھا۔ فخر و مباہات کا عاشق، ضدی، اور صرف بات کی پچ میں خون کی ندی بہانے کے لیے تیار رہتا۔

قوت کے اس بے جوڑ تقابل کے باوجود اسلام کیوں سرسبز ہوا۔ اور مسلم قومیت کیسی بڑھی اور پھیلی۔ اسکا جواب ان سابقین اولین کے حالات ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ بلا شبہ غریب، مفلس اور بظاہر بالکل بے دست و پا تھے مگر اسکے ساتھ ان میں وہ چیز بدرجۂ اتم موجود تھی جو ہمیشہ جمعیت و قومیت کی بنیاد رہا کی ہے اور جسکے بغیر کوئی قومیت دنیا میں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ یعنی انکا ایمان و اعتقاد اپنے مقاصد کے ساتھ سچا تھا اور اپنے مقاصد پر قربان ہو جانے کی استعداد ان میں پوری طرح موجود تھی۔ انھوں نے توحید کا اقرار کیا اور رسول اللہ کے احکام کی اتباع کا عہد کیا۔ یہ اقرار اور یہ عہد انکا اتنا سچا تھا کہ بڑی سے بڑی لالچ اور بڑا سے بڑا خوف، انتہائی مصیبت و تکلیف بھی انکو ان دو باتوں سے متزلزل نہ کر سکی جسکا عہد و اقرار وہ کر چکے تھے۔

حضرت خباب ابن الارت کو دہکتے ہوئے کوئلے پر لٹا دیا گیا کہ توحید کا انکار کریں۔ ساری پیٹھ جل گئی۔ حتیٰ کہ انکے خون اور چربی سے آگ بجھی جلتی۔ جلتی آگ پر کباب کی طرح بدن جلتا رہا مگر زبان پر توحید ہی جاری رہی۔

حضرت بلال اور حضرت صہیب کو لوہے کی زرہ پہنا کر گرم ریت پر لٹا دیا گیا اور اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیا گیا۔ بدن جلا، پیاس سے زبان نکل آئی مگر زبان سے توحید کے سوا کچھ نہ نکلا۔

حضرت عمار بن یاسر اور انکی ماں حضرت سمیہ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ وحشیانہ حرکت کی گئی۔ حضرت سمیہ کا اسی تکلیف میں انتقال ہو گیا۔ حضرت عمار کی حالت خراب ہو گئی مگر خدا کی توحید اور رسول کی اتباع میں ثابت قدم رہے۔ خود انھیں سرداران قریش کے لڑکے جو مسلمان ہو چکے تھے انکو ناقابل بیان تکلیفیں اسکے لیے برداشت کی جا سکتی تھیں۔ اس اقرار پر استقامت کے ساتھ موت کا آنا بھی انکے نزدیک دنیا کی سلطنت سے زیادہ قیمتی تھا۔

سچا ایمان اور مقصد پر اتنا استحکام وہ چیز تھی جس نے آخر انقلاب پیدا کیا۔ ان مردان خدا سے جو ملتا تھا وہ بھی صداقت اور فدائیت کا نمونہ بن جاتا تھا۔ آخر چند ہی روز میں انکا خلوص بارآور ہوا۔ انکے مقصد کے ساتھ ایک جماعت پیدا ہو گئی جو اگرچہ مختصر تھی، غریب و مفلس تھی، بے سامان اور بے مایہ تھی۔ مگر ہر ایک ایمان میں پختہ اور توحید و رسالت کے لیے ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ، ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار و آزمودہ۔ یہ وہ جماعت تھی جو توحید کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے کو وقف کر چکی تھی۔ خدا انکا حامی اور خدا کے فرشتے انکے مددگار تھے۔

آخر نتیجہ کیا ہوا۔ انکے تمام ستانے والے ملعون جو مسلمان نہ ہوئے اس طرح مٹا دیے گئے کہ انکی ہستی کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا، اور وہی غلام دنیا کے سردار بن گئے۔ زمین انکی تھی، آسمان انکا تھا، حکومت انکی تھی اور دین و دنیا کی ساری عزتیں انکے لیے مخصوص تھیں۔

خدا اب بھی وہی ہے۔ خدا کا قانون بھی وہی ہے۔ سابقین اولین کو خدا کی طرف سے جو کچھ انعام ملا۔ خدا کی حمایت اور خدا کے فرشتوں کی امداد انکو حاصل ہوئی وہ انکی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ انکے ایمان اور انکی صداقت و استقامت کا نتیجہ تھا۔ جب اور جس وقت مسلمان توحید الٰہی کی تائید میں کھڑے ہونگے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جب قدم اٹھائیگا، رسول اللہ کی تعلیمات کو دنیا میں سرخرو کرنے کے لیے جب وہ قربانی پیش کرینگے ہمیشہ نصرت الٰہی کو اپنے ساتھ پائیں گے اور دین و دنیا کی ساری عزت انھیں کے حصہ میں آئیگی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔ خدا اپنے اس وعدہ کو ضرور پورا کریگا۔ اگرچہ دنیا کے تمام کافر اور انکی تمام شیطانی طاقتیں اسکو پسند نہ کریں اور متفق ہو کر اسکی مخالفت کریں۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ اسلام کا دعوی کرنے والوں میں ایمان کی پہلی شرط پائی نہیں جاتی۔ جو لوگ کفر و اسلام کو برابر سمجھیں، کافر اور مسلم میں مساوات کی تعلیم دیں۔ جنکے نزدیک احکام الٰہی پر عمل کرنا اور ان احکام کی پروا نہ کرنا یکساں درجہ رکھتا ہو، جو شرک و توحید کے مراتب کے فرق کو نہ سمجھ سکیں، انکے تو اسلام اور توحید کی خدمت کے لیے کیسے مستعد ہو سکتے ہیں، انکے اندر ایثار و قربانی کے وہ جذبات کیونکر

پیدا نہیں ہوسکتے ہیں جنکے بغیر کوئی قوم سربلند و سرفراز نہیں ہوسکتی سربلند ہونا تو بڑی بات ہے کوئی قوم ان جذبات سے خالی ہوکر باقی نہیں رہ سکتی۔

جب مسلم لیگ کا جدید دور شروع ہوا تو اُس نے لکھنؤ کے جلسہ میں اپنے دو مقصد قرار دیے۔ ایک مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور دوسرے خود مسلمانوں کی اصلاح۔ اس میں پہلا مقصد درحقیقت دوسرے مقصد کا نتیجہ ہے۔ یعنی جب تک مسلمانوں کو اس قابل نہ بنایا جائے کہ وہ اپنے حقوق کی خود حفاظت کرسکیں، حفاظت ناممکن ہے۔ کوئی تدبیر کی جائے، کوئی قانون بنایا جائے، اور حقوق کے لیے کتنا ہی لڑا جائے، حفاظت پائدار نہیں رہ سکتی۔ جب تک خود مسلمانوں کو اپنے مقصد کے ساتھ شیفتگی اور اسکے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ انکے اندر نہ پیدا ہو جائے۔

یہ چیز بڑے افسوس کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ صرف مقصد اول سے تعلق رکھتی ہے یعنی غیروں سے اپنے حقوق منوانا۔ مگر سب سے اہم کام خود مسلمانوں کی اصلاح ہے اسکے لیے نہ غیروں سے لڑنا تھا، نہ کسی قوت سے مقابلہ کرنا تھا۔ یہ چیز خود ہمارے کرنے کی تھی۔ اگر ساتھ ساتھ اصلاح کا کام جاری رہتا تو شاید مقصد اول میں بھی آج ہم زیادہ کامیاب نظر آتے۔ تحریک کے اس حصہ کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تنظیم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسی سے اصلاح ہوگی۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ آنکھ بند کرکے ہر مدعی اسلام کو شامل کرلینا تنظیم نہیں بدنظمی ہے۔ اس سے فائدہ نہ ہوگا نقصان ہوگا۔ جس قدر نام کے مسلمان اب تک لیگ کے ارکین اور عہدہ دار بن چکے ہیں انکی تعداد جناب رسول اللہ کے تمام صحابۂ کرام کی مجموعی تعداد سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس سے اتنا بھی اب تک نہ ہوا کہ مسلمان شرابیوں کی تعداد کچھ کم ہو جاتی، مسلمان زانی مرد و عورت کچھ گھٹ جاتے، مسلمانوں کی اخلاقی حالت کچھ بلند ہو جاتی، کچھ مسجدیں آباد ہو جاتیں، حکومت کے درباروں کی رندانہ حالت کچھ بدلتی، با اختیار مسلمانوں میں کچھ ایسے بھی نظر آتے جنکو کبھی خدا یاد آتا، اور کبھی انکی زبانیں خدا کی تسبیح و تہلیل سے تر ہوتیں۔

اگر لیگ میں اسلامی تنظیم ہوتی اور لیگ کے ارکین غیروں سے ایک سے ایک کلمہ بھی اسلام کی حمایت میں نہ کہتے۔ اسلامی حقوق کے محافظ اور اسلامی تہذیب کے حامی محض اپنی اصلاح کرلیتے تو آج ہندوستان میں اسلام کی، مسلم قوم کی، اور مسلم قوم کی وقعت و اقتدار کی حالت دوسری ہوتی۔

یاد رکھو، مسلمان اور کافر میں اصل فرق یہی ہے کہ کافر اپنے بنائے ہوئے قانون کی مخالفت برداشت نہیں کرسکتا، اور مسلمان خدا اور رسول کے احکام کی مخالفت برداشت نہیں کرسکتا۔ مسلم لیگ کا اولین فرض ہے کہ وہ حقوق کی جارحانہ کوشش کے ساتھ احکام الٰہی کی تائید کو اپنے پروگرام پروگرام کا ضروری جز قرار دے۔ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے!

(عصر جدید)

مدرسۂ صولتیہ مکۂ معظمہ

خدا کے گھر کا کچھ حق سمجھنے والے نیک دل مسلمانوں سے خطاب

(از مولانا محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مقیم قرولباغ دہلی)

دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ ہندیہ مکہ معظمہ بناکردہ مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کہ جو زیر سایہ نیکدل و باہمت مسلمانان ہندوستان کی یہ وہ مذہبی اور علمی یادگار ہے جو گزشتہ ۷۰ سال سے مشترکہ طور پر آپ کی اعانت و امداد سے خدا کے گھر میں قائم ہے اور اہل حرم و مہاجرین بیت اللہ کے لیے آپ کی طرف سے اور آپ کے نام سے یہ بہترین علمی فیض جاری ہے۔

دنیا کی موجودہ فضا میں مسلمان جہاں مذہب اور اسکے احکامات سے لاپرواہ ہوتے جا رہے ہیں اور دینداری کا جذبہ کم ہو رہا ہے۔ وہاں چند سال سے زائرین بیت اللہ اور حاجیوں کی تعداد میں بھی برابر کمی ایک افسوسناک صورت حال ہے جس سے باخبر اور بیدار مسلمانوں کو بے خبر نہ رہنا چاہیے۔ مگر درپیش کے ان مجبور کن حالات کا ناگوار اثر آپ کی اس دینی و علمی درسگاہ پر بھی ہوا۔ جس کی تمام تر امداد کا ذریعہ اب تک وہی اہل خیر مسلمانان ہند رہے ہیں جو حاضری حرم کی سعادت کے ساتھ اپنی اس قومی و دینی تحریک کو بچشم خود دیکھنے اور اسکی اہم ضرورت کو محسوس کرلینے کے بعد اسکی امداد و سرپرستی فرماتے تھے اور جس نے ۷۰ سال تک اپنی گراں قدر علمی خدمات سے اہل حرم اور مرکز اسلام میں اسلامی دنیا سے آنے والے ہزاروں شائقین علم کو سیراب کیا۔

مدرسہ صولتیہ حجاز مقدس میں تمام مسلمانان ہند کا واحد قومی ادارہ ہے اس لیے ہندوستان کے بلند حوصلہ اور نیکدل مسلمانوں سے قوی امید ہے کہ وہ خدا کے گھر میں اس دیرینہ علمی و مذہبی یادگار کو اپنی عالی ہمتی اور توفیق کے مطابق موجودہ مالی مشکلات سے نجات دلانے میں اپنی فیاضی اور ہمدردی سے کام لیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار "صدق"

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی عا
بیرون ہند سے سالانہ ۹ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؎

صدق
لکھنؤ
ہفتہ وار

نمبر ۳۴	دوشنبہ ۷ ذیحجۃ المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۴۱ء	جلد ۶

طبیب کی موت

صبح تھی ۲۵ دسمبر کی، اور وقت کوئی نو بجے کا، کہ خلقت کا ایک ہجوم، موٹروں سے اور گاڑیوں سے اور تانگوں سے اور سائیکلوں سے اتر کر پیدل رواں تھا لکھنؤ کے ایک مشہور محلہ کی تنگ گلی میں۔ محلہ جھوائی ٹولہ، شہر اور صوبہ کا مشہور دارالشفا۔ دہلی کے بعد طب یونانی کا دوسرا دارالحکومت۔ مریضوں اور زندگی سے مایوسوں کا قبلۂ امید، آج سے نہیں، پشتہا پشت سے۔ اُس وقت سے کہ جب کسی کے کان میں نام بھی نہیں پڑا تھا، کسی کے ذہن میں تصور بھی نہیں آیا تھا وکٹوریہ اسپتال کا، کنگ جارج میڈیکل کالج کا!—— مریضوں کے پھیرے گلی میں روز ہی لگے رہتے تھے، اور یہی وقت تھا۔ آج کے مجمع کا رنگ سب دنوں سے الگ تھا۔ آج قدم اُٹھ رہے تھے افسردگی سے، اور دل کھنچ رہے تھے عبرت کی گرہوں سے۔ آج نبض دکھانی نہ تھی، نسخہ لکھانا نہ تھا، حال کہنا نہ تھا، خود حکیم صاحب کا جنازہ پڑھنا تھا، قبر میں اُتارنا تھا، اور وہ جو دوسروں کے جسم کا محافظ سمجھا جاتا تھا، خود اُسکے جسم کو ایک گہرے گڑھے میں دفن کرنا، تربت پر فاتحہ پڑھنا تھا!—— طبیب موت کے پنجے میں، چارہ گر قضا کے شکنجے میں! تقدیر سے تدبیر کی شکست کی بیشمار مثالوں میں لاتعداد نظیروں میں، ایک کا اور اضافہ!

طبیب ابن طبیب، حاذقوں کی اولاد، حاذق کے بیٹے حاذق کے پوتے، شفاء الملک حکیم عبدالحمید لکھنوی محتاج نہ تعریف کے نہ تعارف کے۔ مشہور طبی درسگاہ تکمیل الطب کی روح رواں۔ ابھی خاصی صحت، سرخ و سفید چہرہ، تندرست بشرہ۔ ابھی اس مایوس کو دوا دے رہے ہیں، ابھی اس لب مرگ کو خدا کے حکم سے جلا رہے ہیں، کہ یکایک خود بیمار پڑے۔ زکام، پیچش اور پھر دق۔

پچھاڑ سکے اور آسکے۔ علاج یہ ہوا اور وہ۔ اور انجام آخر وہی ہوا جو اس کشمکش کا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے—— جو علاج دوسروں کا کر رہا تھا خود اُسکا مرض لاعلاج نکلا۔ جو داستان کے لیے مشہور تھا، پلک جھپکتے خود اُس کی زندگی ایک افسانہ بن کر رہی!—— طب کی کتابیں ازبر کر لینے سے کیا انسان کی آئی ہوئی گھڑی کے آگے پیچھے کر دینے پر کچھ قدرت حاصل کر لیتا ہے؟ دواؤں کو پہچان لیجئے، بیماریوں کا نام جان لیجئے، فن کی اصطلاحیں یاد کر لیجئے، کیا مرگ و فنا کے قانون کی گرفت ایک ذرہ بھی ڈھیلی ہو جاتی ہے؟ کاٹھ کی پتلیوں کو کپڑے جیسے چاہیے پہنا دیجیے۔ نام بادشاہ، وزیر، کوتوال، فراش، بہشتی، دربان، جو چاہیے رکھ دیجیے، قوت ساری کی ساری، اختیار کل کا کل، کٹھ پتلی والے کے! ہاتھ اور اُسکی مشیت کے ہاتھ میں ہے، یا زرق برق لباس والی، مختلف شاندار ناموں والی پتلیاں، بھی اس میں کسی درجہ میں شریک ہیں؟ اختیار اور قوت سے متعلق پردے کیسے کیسے پڑے ہوئے ہیں، بیچاری کس معصومیت کے ساتھ! بادشاہ اور وزیر اور کیا اور کیا اُن پتلیوں ہی کو یقین کیے ہوئے ہیں!

انتقال سے چند روز قبل، عیادت کا اتفاق چند منٹ کے لیے ہوا۔ چہرہ پر نور اور زیادہ آگیا تھا۔ گھلتے جاتے تھے اور اُبلتے جاتے تھے۔ لب برابر ہل رہے تھے۔ نماز کی پابندی ساری عمر کی، اور آخر عمر میں حج و زیارت۔ آخر اپنے نتیجہ تھوڑے ہی رکھ سکتی تھیں؟ اور پھر بالکل آخر میں موت سے کچھ ہی روز قبل، ایک ولی کامل کی نظر عنایت و شفقت اور اُسکے ہاتھ پر بیعت! عیادت کا بڑا وقت اس بیعت پر مبارکباد دینے میں صرف ہوا—— استغفار اور بیعت ایسے وقت میں کہ اب معصیت میں مبتلا ہونے کا کوئی موقع ہی نہیں، اور مجاہدات اضطراری ہیں کہ ساعت بہ ساعت طے ہوتے جا رہے ہیں! اور مرشد کامل کی توجہ خاص اس پر مستزاد! حسن انجام کی بیش خبری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللّٰہم اغفرہ وارحمہ۔

استاہیسویں صدی میں

" مُعلم (انجویا) عورت کے لیے اس زمانہ میں (یعنی قدیم زمانہ میں) کوئی [illegible] تو ب [illegible] سوتت تو یہ موجب شرم تھی " (اسکاٹ کی "انسائیکلو پیڈیا آف سکس" صفحہ ۲۲)

دل بدل جانے تعلیم بدل جانے کی صداقت کی ایک اور بے مثال عبرت انگیز مثال اسکے دو دن جب اس کی اتنا عورت کی آرزوئے اولاد بطور ضرب المثل پیش کی جاتی تھی ۔ اب ماں خود اولاد کے [illegible] سے گھبرانے لگی ، عورت کے دل میں اولاد کی آرزو و تمنا نہیں الٹی اس طرف سے نفرت و بیزاری [illegible] —— جاہلیت عرب کی عورت اتنی ترقی یافتہ [illegible] سے تماشہ دیکھتی اور خاموش رہتی اس حال میں کہ باپ معصوم بچیوں کو زندہ دفن کرتا رہتا ۔ جاہلیت فرنگ کی "مہذب" خاتون سرے سے اولاد کے پیدا ہونے ہی کی روادار نہیں ، وہ سنگدل اور یا تماشائی نہیں خود اپنے ہاتھ سے قتل اولاد کا پورا سامان اور انتظام کرتی ، اور نہ ہوسکے اس کوئی تفریح زدہ بچے اور بھی کی !

قانون طلاق

" نئی دہلی ۔ آج ہندوستانی عورتوں کی نیشنل کونسل کے اجلاس میں ایک رزولیوشن پاس کیا گیا کہ ملکی ترقی کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کثرت ازدواج کے رواج کو بند کیا جائے ۔ کونسل نے اس سلسلہ میں قانون بنانے کی کوشش کی ۔ کونسل نے ایک اور رزولیوشن پاس کیا کہ ان تدابیر کے ساتھ ایک قانون بنانا چاہیے جس میں عورتوں کو طلاق کا حق دیا جائے ورنہ کثرت ازدواج کو روکنے کے قانون کا مقصد فوت ہو جائیگا "

ایک طرف ہندی یا ہندو عورت کا یہ مطالبہ شایع ہوتا ہے کہ اسے بھی حق طلاق چاہیے ، دوسری طرف ٹھیک اسی زمانہ میں ایک ہندو فاضل پروفیسر جے ، ایم ، کمار ایم اسے پی ، ایچ ، ڈی ، کا مضمون روزنامہ ہندو (مدراس) میں نکلتا ہے ، مغرب کی جن قوموں نے اپنے ہاں طلاق کو بہت آسان بنا دیا تھا ، وہ خود اب طلاق کی کثرت و قوت سے تنگ آکر قانون طلاق کو سخت بنا رہی ہیں ، اس لیے کہ گھر کے گھر ، خاندان کے خاندان تباہ ہوتے چلے جا رہے ہیں ، رشتہ پر رشتے ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں ، حد یہ ہے کہ امریکہ کے ایک جج صاحب نے ۳۰ دن کی مدت میں نوسو مقدمات طلاق کے فیصل کر دیے یعنی ایک ایک دن میں تیس تیس طلاقیں دلا دیں !

دنیا اپنی اس افراط و تفریط کی اندھیریوں میں ٹھوکریں کھاتی چلی جا رہی ہے اور اسلام کی روح تاسف کے ساتھ مسکرا رہی ہے کہ اعتدال و توازن تو صرف میرے دواخانہ میں ہے ۔ طلاق کو عام کر دینے کا نتیجہ کھلی ہوئی تباہیاں اور خانہ بربادیاں ہیں ۔ طلاق کو قانونی اینچ پیچ سے روکنے کا نتیجہ بھی اسی قدر خانہ بربادیاں ہیں ۔ بندشیں طلاق پر شریعت اسلام نے بھی عائد کی ہیں ، ایک نہیں متعدد ، لیکن قانونی سے کہیں زیادہ اخلاقی ۔ ایسی بندشیں جنکا تعلق انسان کے ضمیر ، دیانت و تقوی سے ہے ۔ دنیا میں ہر انسانی رشتہ بجائے خود نازک ہے ، لیکن زن و شو کا رشتہ تو نازک ترین ہے ، اسکے بقا و تحفظ کی قانونی بندش بڑی سے بڑی ہرگز کافی نہیں ہو سکتی ، واحد کامیاب ذریعہ مرد اور عورت کی ضمیر کی بیداری ہے ۔ دنیا اسی نکتہ کو بھلائے ہوئے ٹھکرائے ہوئے ہے ، اور طاغوتی طاقتیں ہیں کہ اس کی اسی بھول پر خوش ہو رہی ہیں

پاکستان کا نعرہ

" مسلمان کے لیے اسلام سب پر مقدم ہے ، اور ہندوستان کا مفاد کا سب پر مقدم تصور کرنا مسلمان کے لیے ناقابل قبول ہے ۔ مسلمان کسی تصور اور عقیدہ کو گوارا نہیں کر سکتا جو اسلامی جذبات و حسیات سے متصادم ہو " (مسلم لیگ کے ایک تازہ رزولیوشن کا اقتباس)

" ہمارا مقصود ، تمامتر ایسی حکومت کا قیام ہے جو مبنی بر اسلامی اصول پر ہو ۔ ہماری پاکستانی حکومت کو ایران اور ترکی کے نمونوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا اور نہ ہم کوئی شخصی بادشاہت قائم کرنا چاہتے ہیں ۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان پر شریعت اسلام کی حکومت ہو ، اور ہماری تمنا یہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومتوں پر شریعت حکمراں ہو ۔ ترکی اور ایران کی سلطنتیں ہرگز اسلامی طرز کی نہیں اور ان نمونوں سے اسلامی حکومت کی بابت ہرگز دھوکا نہ کھانا چاہیے " (ایک مشہور مسلم لیگی کی تقریر)

مسلم لیگ والوں اور پاکستانیوں کو کیا ہو گیا ہے ۔ بغیر شرمائے ، بغیر جھجکے ، بغیر ہکلائے ، پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ترکی اور ایران کی سلطنتیں ہرگز اسلامی طرز کی نہیں " ، " ان نمونوں سے اسلامی حکومت کی بابت ہرگز دھوکا نہ کھانا چاہیے " ، " پاکستانی حکومت کو ایران اور ترکی کے نمونوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا " ، " شریعت اسلام کی حکومت ہندوستان پر ، بلکہ ہماری تمنا تو یہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومتوں پر ہو " ! —— بیسویں صدی عیسوی میں ساتویں صدی کے خواب دیکھنے والے احمق اور مجنون ! ایک طرف تو مولویوں ملاؤں کو برا بھلا کہہ جاتے ہیں ، اور دوسری طرف مجذوبانہ بڑ ایسی ہانکتے ہیں جو کسی مولوی ملا نے کو بھی سوجھنے کی نہیں ۔ " ملاازم " اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی ۔ دیکھئے کون مانتا ، ان پاکستانیوں سے بڑھ کر کٹر پردہ زمین پر اور کہاں دکھائی دیگا ؟

تجدد کی برکتیں

" تہذیب جدید کا رخ اس جانب ہے کہ زناکاری میں اضافہ ہوتا رہے ۔ سوسائٹی کی نظر میں یہ جرم اب بھی ہے لیکن اس کی جو اہمیت صدیوں سے چلی آتی تھی اس سے اب یہ جرم کہیں ہلکا ہو گیا ہے ۔ اب جو شادی شدہ عورت زناکاری میں پکڑی جاتی ہے وہ برادری سے باہر نہیں کر دی جاتی ۔ اس تغیر جذبات کے اسباب حسب ذیل ہیں :

(۱) کلیسا کے اقتدار اور قوت تخویف میں زوال ۔

(۲) عورت و مرد کی جنسی مساوات

(۳) منع حمل کے طریقوں کی ترویج " (اسکاٹ کی " انسائیکلو پیڈیا آف سکس " صفحہ ۱۲۰)

گویا اب خود فرنگی محققین کے نزدیک بھی زناکاری (یعنی جسے یورپ کا قانون بھی زناکاری تسلیم کرتا ہے) روبترقی ہے ۔ اور یہ کوئی اتفاقی چیز نہیں ،

بلکہ تہذیب جدید کا عین اقتضا یہی ہے۔ اور اس صورت حال کے اسباب، آسی زنگی گفتگو میں یہ ہے کہ اول تو مذہب کی ہیبت یورپ میں دلوں سے رخصت ہو چکی ہے دوسرے یہ کہ جب عورت ہر حیثیت سے اپنے کو مرد کے مساوی قرار دے چکی ہے تو آخر اسکی وجہ کیا، کہ وہ بدچلنی، بدکاری میں بھی مرد سے دب کر، گھٹ کر رہے؟ اور پھر منع حمل کے آلات اور دوائوں کے بعد راز فاش ہو جانے کا بھی خطرہ باقی نہیں۔ پھر آخر کیوں نہ عورت اپنے کو بازار کی سودا کی بنا کر رکھے؟ وہ کھل کھیلی اور ابھی اور کل کھل کھیلی! —— واقعہ اور سبب وقوع، مرض اور تشخیص مرض، دونوں آپ یورپ ہی کی زبان سے سن چکے، اب ارشاد ہو کہ یہی راہ اور یہی منزلیں اپنے ملک و ملت کے لیے بھی آپ انتخاب کر چکے تھے؟

پنجاب میں اُردو

پنجاب میں کل اخبار اور رسالے ۵۲۰ شایع ہوتے ہیں، ان میں سے ۵۰۰ اُردو میں اور صرف ۲۰ ہندی میں!

اسی صوبہ میں جنوری سے ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء تک نو مہینے کی مدت میں کتابیں ۸۲۰ اردو میں شایع ہوئیں اور ۱۷۸ ہندی میں!

میٹرکولیشن کے امتحان میں جو طلبہ تاریخ و جغرافیہ میں شریک ہوئے، کل ۲۷۶۹۷ تھے، ۲۳۹۲۲ نے پرچے اُردو میں لکھے!

اعداد لاہور کی تازہ اُردو کانفرنس میں میاں بشیر احمد بیرسٹر و اڈیٹر "ہمایوں" کی تقریر سے ماخوذ ہیں! —— ہندی کی حمایت میں اتنے مسلسل اور زبردست پروپگنڈہ کے بعد بھی اردو کی یہ مقبولیت حیرت انگیز بھی ہے اور امید افزا بھی۔

ایک مفید خدمت

آصف اے اے فیضی صاحب، سکریٹری اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن، گورنمنٹ لا کالج، بمبئی (نمبر ۱) کی ایک مطبوعہ انگریزی تحریر سے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی، کہ یہ انجمن قرآن مجید کے الفاظ کا مفصل انڈکس (فہرست یا اشاریہ) تیار کرنا چاہتی ہے، اور اسکے لیے وہ مختلف نمونے طلب کر رہی ہے۔ جن صاحب کا نمونہ قابل پسند ٹھہریگا انھیں کام کے لیے تین سو روپیہ ماہوار کی مہلت ملیگی، یعنی آخر ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء تک۔ حدیث (یعنی صحاح ستہ اور تین اور کتابوں) کا انڈکس تو انگریزی میں سنہ ۱۹۲۷ء میں تیار ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کا کوئی اچھا انڈکس افسوس اور حیرت ہے کہ ایک انگریزی میں موجود نہیں۔ کسی ہندی مسلمان کے ہاتھوں یہ خدمت انجام پا جائے تو یہ ہم سب کی عین سعادت ہوگی۔ کام کا معاوضہ انجمن نے پانسو روپیہ قرار دیا ہے۔ جو انگریزی خواں اہل علم اس کی اہلیت اور ہمت رکھتے ہیں وہ سکریٹری صاحب موصوف سے فوراً مراسلت شروع فرمادیں۔

برطانیہ اور فرانس

سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد سے برطانیہ کی آبادی میں ۱۰ لاکھ سے زائد کا اضافہ ہو چکا ہے، اور سنہ ۱۹۳۵ء کے بعد سے تو شرح پیدایش برابر روبہ ترقی ہے۔ سیاسیات کے ماہرین نے تو ایک سال اُدھر یہ حکم لگا دیا تھا کہ سنہ ۱۹۴۰ء میں شرح پیدایش گر جائیگی۔ لیکن ۱۲ ہزار سے اوپر بچے ہر ہفتہ برطانیہ میں پیدا ہو رہے ہیں!"

(سنڈے اکسپریس۔ لندن، ۶ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳)

ایک ہی پُر قوت غنیم سے جنگ کے بعد فرانس اور برطانیہ دو قوموں کے جو مختلف حشر ہوئے، کیا اسکا راز اب بھی راز ہے؟ —— فرانس "برتھ کنٹرول" (منع حمل)

رسید کتب و رسائل

(۱) **نامورانِ سیاست** - از عبدالمجیب و محمد نسیم صاحبان، ۶۶ صفحہ۔ قیمت ۶؍

(۲) **یارانِ میکدہ** - از عبدالشکور صاحب ایم اے۔ ۱۱۵ صفحے قیمت درج نہیں۔ پتہ، مکتبہ جامعہ۔ نئی دہلی (لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی)

نمبر۱) آج کل کے اخبار بین ناظرین کے کام کی چیز ہے۔ ۳۲ مختلف شخصیتوں کے، جنکے نام کثرت سے اخبارات میں آتے رہتے ہیں، ان کا تذکرہ و تعارف اس میں موجود ہے۔ ہٹلر، مسولینی، چرچل، ایڈن، اسٹالن، ابن سعود، وغیرہ۔ نمبر (۲) بارہ مزاحیہ کرداروں پر طبع آزمائی کا مجموعہ ہے

(۳) **کاغذی ناؤ** - از مکیش صاحب حیدرآبادی مدیر ماہنامہ "سب رس" ۱۱۲ صفحے۔ قیمت ۱۲؍ پتہ "سب رس" کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن

۶ ریڈیائی مختصر ڈراموں کا مجموعہ۔

(۴) اُردو پڑھنے کا قاعدہ - ۱۶ صفحے قیمت ۲؍
(۵) نماز " "
(۶) حکایتیں (حصہ اول) " "
(۷) " (دوم) " "
(۸) حبیبِ خدا " "
(۹) نظمیں " "
(۱۰) میونسپلٹی " "
(۱۱) صدیق اکبرؓ " "
(۱۲) خط و کتابت " "
(۱۳) ضلع کا انتظام " "
(۱۴) قومی گیت " "
(۱۵) غزلیں "
(۱۶) ہمارا ہندوستان " "
(۱۷) امی پڑھنے لگے " "
(۱۸) عمر فاروقؓ " "

پتہ، مکتبہ جامعہ - نئی دہلی (لاہور - لکھنؤ - دہلی)

بالغ مبتدیوں کے لیے مکتبہ جامعہ کا شایع کیا ہوا، مختلف مصنفین کا لکھا ہوا نفیس و مفید درسی کتابوں کا سلسلہ۔ علاوہ بالغ مبتدیوں کے اور بھی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ چیزیں سب کے کام کی ہیں۔ صرف رسالہ قومی گیت کی آخری نظم "ہندو و مسلمان" البتہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل گرفت ہے۔

(۱۹) **تحفۂ عید الاضحیٰ** - از مولوی شاہ قمر الہدیٰ فردوسی صاحب۔ ۸۸ صفحے ۱ر کے ٹکٹ پر دفتر دار الہدایت، جامع مسجد، خلوہ آباد (یو۔پی) سے مل جائیگا۔

موضوع نام سے ظاہر ہے۔ عید قرباں کے ضروری مسائل کے علاوہ فضائل عشرۂ ذی الحجہ اور اسرار حج، قربانی وغیرہ پر بھی گفتگو ہے۔ موسم کی چیز ہے۔

مسلمان کے "تثلیث" کے دَورِ الحاد!

الحاد، بے دینی، یا عقلیت کا یہ دَور کوئی ۸-۱۰ سال تک قائم رہا یعنی ۱۹۰۹ء سے وسط ۱۹۱۸ء تک۔ ایف اے، بی اے کی تکمیل ہوئی۔ ایم اے کی تکمیل نہ ہوئی، لیکن تعلیم تو بہرحال فلسفہ لیکر پائی۔ مضمون نگاری، تصنیف، تالیف اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں جاری رہی۔ ہوتے ہوتے ۱۹۱۸ء آگیا۔ آخر سال تھا کہ ایک دوست کی تحریک پر انگریزی میں بودھ مذہب پر کتابیں دیکھیں اور دل کسی قدر ادھر مائل ہوا۔ تھا بعد ہند و فلسفہ کا مطالعہ شروع ہوگیا۔ خصوصاً مسز بسنٹ اور بنارس کے مشہور فلسفی ڈاکٹر بھگوان داس کے انگریزی تراجم و تالیفات کے ذریعہ سے مغربیت، مادیت، اور عقلیت کا جو تیز نشہ سوار تھا، وہ بتدریج ہلکا ہونے لگا، اور دل اس کا قائل ہوگیا کہ مادی اور حسی دنیا کے علاوہ بھی کسی اور عالم کا وجود ہے ضرور۔ بھگوت گیتا کا انگریزی ایڈیشن (مسز بسنٹ کا ترجمہ) اس حیثیت سے اکسیر ثابت ہوا۔ خدا کا نام اب قابل مضحکہ نہ رہا، "روح" اور "روحانیت" کے الفاظ سے نفرت و بیزاری دور ہوگئی۔ ہاں اسی درمیان میں مولانا شبلی کی سیرۃ النبی کی جلد اول شائع ہوچکی تھی۔ اسے خوب مزے سے پڑھا تھا، اور اس سے بھی اچھا اثر قبول کیا تھا۔ صاحب سیرۃ کی رسالت پر ایمان تو اب بھی دور کی چیز تھی، لیکن مارگولیس وغیرہ کے اثر سے (نعوذ باللہ) جو ایک خداناترس و خونخوار سردار کا تصور قائم ہوگیا تھا، آنکھوں سے یہ زنگ اسی سیرۃ کے مطالعہ کی برکت سے کٹ چکا تھا اور اسکی جگہ ایک خوش نیت مصلح قوم کے تخیل نے لے لی تھی۔

اب دل مسلمان صوفیہ کے اقوال و احوال میں بھی لگنے لگا تھا۔ کشف و کرامت کے ذکر پر اب یہ نہ ہوتا کہ بیساختہ ہنسی آجاتی، بلکہ تلاش اس قسم کے ملفوظات و منقولات کی رہنے لگی۔ فارسی اور اردو کتابیں بہت سی اس سلسلہ میں پڑھ ڈالیں۔ مسلمان تو ابھی نہ تھا، لیکن طغیان و عدوان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ محسن کتابوں کے سلسلہ میں محسن شخصیتوں کا ذکر یقیناً بے محل ہے۔ لیکن اتنا کہے بغیر آگے بڑھا نہیں جاتا کہ اس دور میں دو یا تین زندہ ہستیاں بھی ایسی تھیں، جن سے طبیعت رفتہ رفتہ اور بہت تدریجی رفتار سے سہی لیکن بہرحال اصلاحی ہی اثر قبول کرتی رہی۔ ایک اردو کے مشہور حکیم و ظریف شاعر اکبر الہ آبادی ہیں، دوسرے کامریڈ کے ایڈیٹر اُس وقت کے "مسٹر" اور اسی درمیان میں "مولانا" ہو جانے والے محمد علی! ان دو کے بعد ہلکا ہلکا اثر مولانا حمید الدین مفسر قرآن کا بھی پڑتا رہا۔

۱۹۱۹ء قریب ختم تھا، ایک عزیز کے پاس مثنوی معنوی (کانپوری ایڈیشن) کے چھ ضخیم دفتر دکھائی دیے۔ (اللہ رحمت اللہ رعد کی تربت پر اپنی رحمت کے پھول برسائے) کاغذ، کتابت، طباعت کے جملہ محاسن ظاہری سے آراستہ، حاشیہ نہایت مفصل۔ چند سال ادھر تو جہ بھی نہ کرتا، لیکن اب زمین پوری طرح تیار ہوچکی تھی، سعدی کو غذا گھنٹہ ادھر منٹ کی پابندی کے ساتھ ٹھیک وقت سے ملی، مطالعہ ذوق و شوق سے شروع کیا، اور ہر ہر قدم پر شوق کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ الفاظ ملنے مشکل ہیں، جن میں اس ذوق و شوق کی کیفیت بیان کی جاسکے۔ استعداد و ہی جیسی ہی تھی، سلوک و معرفت کے نکات و اسرار الگ رہے۔ ظاہری لفظی معنی بھی مدہا اشعار کے سمجھ میں نہ آتے، لیکن انہماک کا یہ عالم کہ ایک شعر بھی چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اور دل بے اختیار یہ چاہتا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سارے دفتروں کو ایک دم سے چاٹ جاؤں۔ کھانے پینے، ملنے جلنے تک کا ہوش نہ رہا۔ طبیعت بیقرار کہ کمرہ بند کیے بس اسی کو شروع سے آخر تک پڑھتا رہا اور ہر ہر شعر تیر و نشتر بنکر دل کے اندر پیوست ہوتا جاتا اور تشکیک، ارتیاب، عقلیت والا اور بیت کے بادل سب چھٹتے چلے جاتے۔ حاشیے علمی رنگ کے دل کو زیادہ نہ بھاتے، خصوصاً شیخ ابن عربیؒ کے نظریات جہاں آجاتے، وہاں تو دم الجھنے لگتا کہ یہ تو وہی پھر وہی افلاطون وغیرہ کے طرز کی باتیں آگئیں جن سے گھبرا کر اد، اکتا کر میں بھاگا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے چھوٹے سادے اور پرمغز حاشیے جہاں نظر پڑ جاتے، طبیعت پھڑک جاتی، اور دل گواہی دے اٹھتا کہ بیشک یہ قول سچے ہی کا ہو سکتا ہے۔

مولانا نے حضرت رسالتؐ کے باب میں کہا ہے کہ اس پر کسی معجزہ یا خارق عادت سے دلیل لانے کے کیا معنی، پیمبر کی تو ہر چیز بجائے خود معجزہ ہوتی ہے۔

روے و آواز پیمبر معجزہ است

بس اپنا بالکل یہی حال تو مثنوی سے متعلق تھا۔ ہر شعر خود دکھا رہا تھا کہ میں سچے ہی کی زبان سے نکلا ہوں، کسی اور دلیل و برہان کی حاجت ہی نہ تھی۔ ——— مثنوی کا مطالعہ ہفتوں نہیں مہینوں مسلسل جاری رہا، اور اس ساری مدت میں ایک نشہ سا سر پر سوار رہا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، بس اسی کی دھن، جس عالم میں کہیں مر گیا ہوتا، تو عجب نہیں کہ منکر نکیر کے سامنے مذہب کے سوال پر جواب زبان سے یہی نکلتا کہ "وہی مذہب ہے جو مولانا روم کا مذہب تھا" قرآن و رسالت تک پر ابھی ایمان پختہ نہ تھا، بس دلیل سب سے بڑی یہی تھی کہ جب صاحب مثنوی اس پر ایمان رکھتے ہیں تو کیوں نہ یہ دین سچا ہوگا۔

غالباً اگست ۱۹۲۰ء تھا کہ ایک عزیز کے پاس مولوی محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمۃ القرآن پڑھنے میں آیا اور طبیعت نے اس سے بھی بہت گہرا اور اچھا اثر قبول کیا۔ مغربی راہ سے آئے ہوئے بیسیوں شبہات و اعتراضات اس ترجمہ و تفسیر سے دور ہوگئے۔ اور یہ رائے اب تک قائم ہے۔ اس میں سال کہا ہے میں خامیاں اور غلطیاں بہت سی (بلکہ بعض جگہ تو ایسی عبارتیں جنکے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں۔ اس ترجمہ و تفسیر کی علم میں آچکیں۔ لیکن انگریزی خوانوں اور مغرب زدوں کے حق میں اسکے مفید اور بہت مفید ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں — ہدایت کا واسطہ جب اللہ کی حکمت صریح غیر مسلموں کے کلام کو بنا دیتی ہے۔ تو یہ تو بہرحال اللہ کے کلام کا ترجمہ و حاشیہ ہے۔ مترجم کی بعض اعتقادی غلطیوں کی بنا پر انکی ساری کوشش سے بدظن ہو جانا قرین انصاف و مقتضائے تحقیق نہیں۔

نیم مسلمان ہو چکنے کے بعد پھر پورا مسلمان بن جانا اور اوخلوانی اسلم کا نیت کے سمجھ میں آجانا کچھ زیادہ دشوار نہ تھا۔ اقبالؒ کی اردو اور فارسی نظمیں، محمد علیؒ کی نظمیں اور تحریریں (خصوصاً زمانۂ نظر بندی ۱۹۱۶ء کی) سب اپنا اپنا کام کرتی رہیں، دل پر گھر کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ مکتوبات مجددی نے اس پہلو پر مہر لگا دی۔ مکتوبات کا جو امرتسری نسخہ متعدد جلدوں میں پیش نظر رہا۔ وہ اپنی صفائی، خوشنمائی اور کثرت حواشی کے لحاظ سے گویا مثنوی ہی کے اسی کانپوری ایڈیشن کی ٹکر کا تھا اور اثر میں شاید اس سے کچھ ہی کم۔ مثنوی سے اگر طبیعت میں ایک شورش اور تڑپ پیدا ہوگئی تھی، تو اس میں سکون اور ٹھہراؤ مکتوبات

ف۔ ... ایک منطق دوسرے نفسیات۔ نفسیات میں سب سے زیادہ ... مشہور استاد فن ولیم جیمس کا رہا

چوپایوں کا چرنا اور چگنا، انسان کے بچوں کا دودھ پینا، بلی کے بچوں کا شکار کرنا، شہد کی مکھی کا پھولوں اور پھلوں کا رس چوسنا، اور اونچے اونچے درختوں اور پہاڑوں [illegible] میں چھتے بنانا [illegible] احکام کا لازمی اقتضاء ہے، جو اول پیدائش میں خدا نے انکی طبیعتوں میں وحی کر دیا، جسکے ماننے پر وہ مجبور ہیں، اور جو کائنات کی [illegible] میں ہیں اور جن کو [illegible] لازمی ہونے کی بنا پر ان کا احکام فطرت کہا ہے، وہ خود ان [illegible] کے احکام فطرت خود نہیں پیدا ہوئے ہیں، بلکہ خالق فطرت کے وہ وحی و احکام ہیں جو انکی آفرینش کی پیدائش کے پہلے ہی دن سے انکو دیئے گئے ہیں۔

اس معنی کو پیش نظر رکھ کر اس آیت کو پڑھیے جو ہمارے وحی کے لیے تمثیل کا سرچشمہ بن گئی ہے۔

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون۔ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا، یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذلک لآیۃ لقوم یتفکرون (نحل)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ تو پہاڑوں، درختوں، اور چھتوں میں اپنے لیے گھر بنا، پھر ہر قسم کے میووں سے کھا، سو اپنے پروردگار کے (مقررہ) راستوں میں تابعدار ہو کر چل، اسکے پیٹ سے پینے کی چیز مختلف رنگوں کی، جس میں انسانوں کے لیے شفاء ہے، نکلتی ہے، اس واقعہ میں سوچنے والوں کے لیے (اللہ کی) نشانی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فطری حکم کو وحی کے لفظ سے ادا فرمایا، جسکی تابعداری شہد کی مکھی کے ہر فرد پر واجب ہے۔ یہ شہد کی مکھی پر حکم وحی ہے جسکو خدا نے آغاز خلقت ہی میں اس پر واجب ٹھہرا دیا ہے، جس سے نافرمانی شہد کی مکھیوں کے بس کی بات نہیں۔ لیکن یہ علم شہد کی مکھی کو "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" یا غور و فکر اور تجربہ و استدلال سے حاصل نہیں ہوا ہے۔

انسانوں میں پیدائش کے آغاز ہی میں نیکی و بدی، خیر و شر، فجور و تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں خالق فطرت کی طرف سے ودیعت رکھدی گئی ہیں اور یہ وہ علم ہے جو اول روز انکو ہو چکا ہے جس کے لیے خدا نے اسکو اپنا الہام فرمایا ہے،

فالهمها فجورها وتقوٰها (شمس)

پھر ہر ایک کے جی میں ڈال دیا اسکی بدکاری اور اسکی پرہیزگاری کو

دیکھیے کہ انسان کے اس حصول استعداد میں "برمحل سوجھ بوجھ" اور غور و فکر و تجربہ و استدلال کو کوئی دخل نہیں۔

آگے چلیے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وحی بے جان زمین کو بھی پہونچی ہے۔ زمین کو وحی ہے کہ اسکی پیٹھ پر قیامت تک جو کچھ ہوگا، وہ اپنی زبان قال یا زبان حال سے اسکا سارا افسانہ ایک دن دوہرا دے۔

یومئذ تحدث اخبارها بان ربک اوحی لها (زلزال)

اس دن زمین اپنا سب احوال بتا دیگی کیونکہ اسکے پروردگار نے اسکو وحی کر دیا۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ شہادت زمین کی "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" غور و فکر اور نظر و استدلال کا نتیجہ نہ ہوگی۔

آسمان کو بھی وحی ہوئی کہ وہ اپنے کاروبار کو اسی طرح انجام دیتا رہے، جس طرح خدا نے اسکو حکم دیا ہے۔ آفتاب اسی طرح نکلتا اور ڈوبتا ہے، چاند اسی طرح چمکتا اور چھپتا ہے، اور ستارے اسی طرح چلتے رہیں جس طرح آغاز خلقت میں انکو حکم دیا ہے۔ فرمایا

واوحی فی کل سماء امرها (فصلت)

اور خدا نے ہر آسمان میں اسکے کام کو وحی کر دیا۔

اب اسی حکم وحی کے مطابق ہر آسمان اپنے کام کو انجام دے رہا ہے۔ اس میں آسمان کے "برمحل سوجھ بوجھ" "نفسانی تاثرات" غور و فکر اور تجربہ و استدلال کا کوئی محل نہیں۔

وحی شخصی یا جزئی

وحی کی دوسری قسم وہ ہے جو خواص امت کو اور وہ بھی [illegible] انبیاء علیہم السلام ہی کے سلسلہ میں ملی ہے، اسکا دوسرا اصطلاحی نام القاء، الہام (اصطلاحی معنوں میں) اور محدثیت اور مکلمیت ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو وحی ہوئی کہ بچہ کو صندوق میں رکھکر دریا میں ڈال دو، اور تم بالکل پریشان نہ ہو دشمن اسکو ضرر نہیں پہونچا سکیں گے، اور ایک دن میں اسکو پیغمبر بناؤنگا، فرمایا

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوه الیک وجاعلوه من المرسلین (قصص)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس بچہ کو دودھ پلائے جا، پھر جب تجھکو اس بچہ پر ڈر لگے، تو اسکو دریا میں ڈال دے اور خوف نہ کھا، غم نہ کر، ہم اسکو تیری طرف پھر لوٹا کر لے آئیں گے، اور ہم اسکو پیغمبر بنانے والے ہیں

ہم تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں، کہ یہاں حضرت موسیٰ کی ماں کی وحی انکی "برمحل سوجھ بوجھ" تھی، لیکن کیا "برمحل سوجھ بوجھ" سے یہ بھی اپنے بچہ کے متعلق انکو معلوم ہو سکتا تھا، کہ یہ لڑکا دریا میں ڈوب نہیں جائیگا اور پھر تیرے پاس آ جائیگا، اور ایک دن پیغمبر ہوگا۔ یہ غیب کی خبر تو غیب کی اطلاع ہی سے معلوم ہو سکتی تھی، اس لیے یہ "برمحل سوجھ بوجھ" یا "نفسانی تاثرات" یہاں بھی وحی کا ترجمان نہیں، یہاں مقصود وحی کی وہ قسم ہے جسکو اصطلاح میں الہام کہتے ہیں، خواہ وہ رویائے حق کے ذریعہ سے ہو یا بیداری میں القاء فی القلب کی صورت میں ہو یا اور کوئی شکل ہو۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا الہام حواریوں کو ہوا۔ ارشاد ہے،

واذ اوحیت الی الحواریین ان آمنوا بی وبرسولی قالوا آمنا واشهد باننا مسلمون۔ (المائدہ۔ ۱۵)

اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی بھیجی کہ مجھپر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ، انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم و فرمانبردار ہیں۔

یہاں بھی اسی شخصی وحی کا ذکر ہے، جو الہام و القاء یا رویائے حق کی شکل میں حواریوں کو ملی۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ رویائے صادقہ نبوت کے بہت سے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، جو مرد مومن کو عطا ہوتا ہے۔ یہ بھی آیا ہے، کہ منصب نبوت کے بغیر کچھ خواص امت ہیں، جو بعض معاملات کے متعلق غیب سے خبر پاتے ہیں۔ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا تو وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر — عبدالماجد
دریاباد — ضلع بارہ بنکی
اسسٹنٹ — (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے لیے مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالروٴف عباسی مہتمم اخبار صدق
مرشد آباد بلیس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
〃 ششماہی ہار
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ا؎

ہفتہ وار

صدق

لکھنؤ

نمبر ۲۵	دوشنبہ - ۲۱ - ذیحجہ المکرم سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۴۱ء	جلد ۶

سچی باتیں

دہلی - ۶ رجنوری صبح کہرا خوب پڑ رہا ہے - دن نکل آیا - آفتاب بلند ہوگیا - فضا اب بھی بدستور دھندلی - لیکن ریل اور جہاز اور ہوائی جہاز بھلا کہیں ان موسمی اور فضائی تغیرات سے رُک سکتے ہیں - اپنے وقت مقرر پر "برٹش اوور سیز ایرویز" کا طیارہ اُڑا اور ہوا میں بلند ہوکر اس نے ہوائی اسٹیشن کو خبر دی کہ اوپر کی فضا بالکل صاف ہے، کہرے کی دبازت صرف ایک ہزار فٹ کی ہے - اب باری دوسرے طیارہ کی آتی ہے - یہ طیارہ "انڈین نیشنل ایرویز" کی ہے - طیارہ پر دو مسافر سوار، اور دونوں اعلیٰ انگریز افسر - طیارچی ایک ماہر فن آزمودہ کار مسلمان - طیارہ اُڑتا ہے، لیکن اُڑتے ہی پھر زمین پر اُترنے کی نیت سے چکر کاٹنے، منڈلانے لگتا ہے - ہوائی اسٹیشن دور کچھ بھی نہیں - لیکن قبل اسکے کہ امداد کسی قسم کی پہونچ سکے، مشین دھماکے کے ساتھ زمین سے ٹکراتی ہے، اور فوراً آگ لگ جاتی ہے - دم کے دم میں مشین جل کر خاکستر، اور تینوں زندہ ہستیاں مردہ! ———

امداد کی ساری کوششیں ناکام، انسانی تدبیر وحکمت کی ہر طرح آزمائی بے اثر - مقتدرہ کی فرمان روائی، شہنشاہی، جوں کی توں قائم، بلکہ دائم!

لندن - ۶ رجنوری - موسم خراب ہے - لیکن آج اُڑنے والی بھی تو دنیائے ہوابازی کی وہ مشہور آفاق خاتون مس ایمی جانسن (کچھ عرصہ تک "مسز" السین بننے کے بعد پھر "مس" جانسن ہو جانے والی ہیں، جو لندن سے آسٹریلیا تک، لندن سے کیپ ٹاؤن تک، لندن سے امریکہ تک لندن سے ٹوکیو تک اُڑان کے "ریکارڈ پر ریکارڈ" قائم کر چکی ہیں، اور متعدد اسلوم کتنے ماہرین فن مردوں کو مات دے چکی ہیں - انھیں موسم کی خرابی کی کیا پروا - کمسنی ہی تو آرہی لڑ" میں ریمبر بادلوں کو پار کرکے سنئے اوپر پہونچی جاتی ہوں۔

اور پھر سفر بھی انکا کوئی بڑا اور لمبا نہیں - کل ایک گھنٹہ کا ارادہ - پٹرول احتیاطاً اتنی مقدار میں لے لیا، جو بجائے ایک گھنٹہ کے پورے پانچ گھنٹے کے لیے کافی ہو سکے - اب اُڑ ہی گیا - لاسلکی تہارزیں موجود ہی - ہر منٹ کی خبر زمین والوں کو مل سکتی ہے ——— مس صاحبہ زمین سے بلند ہوائیں، اور راستہ بھول گئیں، سمت نہ پہچان سکیں - گھنٹہ کی جگہ دو گھنٹہ، تین گھنٹہ، چار گھنٹہ، یہاں تک کہ پورے پانچ گھنٹہ پورے گزر گئے - پٹرول ختم ہوگیا - اور میم صاحبہ ہوائی چھتری کے سہارے دریائے ٹیمس میں کود دیں، ایک انگریزی کشتی نے دیکھا، اور وہ مدد کے لیے تیزی سے جھپٹا - فرشتۂ قضا کی رفتار اس سے بھی تیز تر تھی - قبل اسکے کہ انسانی امداد پہونچ سکے، موصوفہ دریا کے آغوش فنا میں پہونچ چکی تھیں! ——— کشتی کے کپتان جو مدد کے لیے دوڑے تھے، خود گرداب فنا میں آگئے - ایک موٹر کشتی خود ان کی امداد کے لیے پہونچی، لیکن کپتان صاحب اسپتال پہونچتے پہونچتے ختم تھے!

ایک ہی تاریخ میں، لندن اور دہلی دونوں جگہ ایک ہی قسم کے عبرتناک واقعات، چشم بصیرت کے لیے کوئی معمولی ہیں؟ اور عبرت کے لیے تو مومن وکافر کی کوئی قید نہیں - سبق اپنی بے بسی کا، اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ کا، مسلم وغیر مسلم سب ہی کے واقعات موت وہلاکت سے لیا جاسکتا ہے ——— اور یہ مشاہدہ تو اُن لوگوں کی بے بسی اور بے کسی کے ہیں، جو ہر طرح زور والے، طاقت والے، عقل والے اور حکمت والے ہیں، غرض اگر فرعون بھی ہیں تو "باسامان" - چہ جائیکہ ہم لوگ جو زور وطاقت سے محروم اور تدبیر وحکمت سے عاری ہیں! ہم اگر اپنی ظاہری تدبیروں پر ذرا بھی غرہ کرنے لگیں، تو ہم سے بڑھ کر صحیح معنی میں "فرعون بے سامان" اور کون ہوگا؟ وقت موعود کا آنا برحق، لمحہ ودقیقہ کی پابندی کے ساتھ آنا برحق، مبارک ہیں جو اس اٹل گھڑی کو یاد رکھیں، اپنے ہر قول اور ہر عمل میں، بدنصیب ہیں

عیدالاضحیٰ

(نشر یہ لکھنؤ۔ ریڈیو سٹیشن سے ۹۔ جون ؟ کی شام کو۔ وقت [illegible])

لبیک اللّٰھم لبیک۔ لبیک لاشریک لک لبیک لبیک! حاضر ہو
اے میرے آقا اور مولا، آپ کا یہ بندہ، حاضر ہے، یہ گو ابھی دنیا ہوا کہ
آپ ہر طرح کی شرکت سے ادرا اور برتر ہیں!

روحانیت کی دنیا میں بہار کا موسم آ گیا۔ کعبہ اسلام کا جغرافی مرکز ہے،
اسکے جشن کا دن آ گیا۔ دور دور سے، پورب سے اور پچھم سے، اُتر سے اور
دکھن سے، کھنچ کھنچ کر قافلہ پر قافلے چلے آ رہے ہیں۔ بوڑھے بھی جوان
بھی، لاغر بھی اور پہلوان بھی، گورے بھی کالے بھی، عالم، فاضل، کامل
بھی، نادان، ان پڑھ، جاہل بھی۔ پیدل اور سواریوں پر، اونٹوں اور
موٹروں اور لاریوں پر۔ اسلامی قمری سال کے بارہویں مہینہ ذی الحجہ [illegible]
کا پہلا ہفتہ آیا، کہ ہزاروں، بلکہ کبھی تو لاکھوں کا مجمع ہو گیا مکہ کی گلیوں میں،
حرم شریف کے لق و دق صحن اور بڑے بڑے دالانوں میں۔ لبیک لبیک
کی صدائیں ہر طرف لبیک ہر طرف [illegible] پر پڑھتے ہوئے، ہر بستی میں اُترتے ہوئے،
سواری پر سوار ہوتے ہوئے، مسجد کا رُخ کرتے ہوئے، ہر طرف یہی ذکر، یہی فکر۔
احرام کی چادریں شانوں پر، توحید کے نعرے زبانوں پر۔ ۸۔ تاریخ سے لیکر
۱۳ تک مکہ اور منیٰ میں، عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کا ہجوم، تکبیر، تہلیل،
طواف و قربانی کی دھوم۔ زائروں کا اژدہام، ابھی کوچ ابھی مقام۔ صفا
و مروہ کے درمیان لپکتے جاتے ہیں، دوڑتے جاتے ہیں، عرفات کے چٹیل میدان
میں اپنے گناہوں کو یاد کرتے جاتے ہیں گڑگڑاتے جاتے ہیں۔ کعبہ کے گرد
گھوم رہے ہیں، چکر پر چکر لگا رہے ہیں، منیٰ میں قربانیاں کر رہے ہیں شیطان
کے کھمبوں پر کنکریاں برسا رہے ہیں، توحید کا کلمہ ہر حال میں پڑھتے ہوئے،
رب کا نام ہر آن جپتے ہوئے ---- یہ احکام ہو رہے مرکز تک پہونچ جانیوالے
خوش نصیبوں کے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ بڑائی آپ ہی ہے،
صرف آپ ہی ہے، کوئی آپ کے سوا معبود نہیں، کوئی آپ کے سوا مطلوب نہیں،
بڑے صرف آپ ہیں، معبود آپ ہی، کمالات ہر قسم کے جمع صرف آپ کی ذات
میں، آپ کی صفات میں۔ ۹۔ تاریخ کی فجر کی نماز سے یہ تسبیح شروع ہو گئی،
اور جاری رہیگی اسکی گونج ہر فرض نماز کے بعد، ۱۳ ارکی عصر تک۔ گویا ۲۳ نمازوں
کے ساتھ، اور دس تاریخ کو صبح سب چھوٹے بڑے مل کر عید کی نماز پڑھیں گے،
شہر سے باہر عیدگاہ میں، اور اس نماز میں بھی ہر مرتبہ سے کئی کئی بار زور
تکبیر کہینگے۔ جسم کی صفائی کے ساتھ، لباس کی ستھرائی کے نماز پڑھنے جائینگے
امیر و غریب، آقا و خادم، ایک دوسرے کو گلے لگائیں گے۔ روح کی
پاکیزگی کے ساتھ، قلب کی پاکیزگی کے ساتھ واپس آئینگے، اللہ کا نام پکارتے
جائیں گے، توحید کی منادی کرتے آئینگے۔ یہ کون بتائے کیا کیا مانگینگے کیا کیا
پائینگے، کیسی کیسی دولت اپنے ساتھ لائیں گے۔ پیسہ والے اپنے ہاتھوں
قربانیاں کرینگے اور رزاق کی لذتوں ہی، خوان کی نعمتوں پر اپنے سے
بہتر، مفلسوں، عزیزوں، غریبوں کا حصہ نکال رکھیں گے ----

یہ آداب ہو رہے مرکز سے دور دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں بسنے والوں
بسنے والوں کے! آج جشن ہے کعبہ کا۔ دنیا [illegible] مرکز کا اس جشن
شرکت سے محروم نہ ہو، اس واسطے یہی دور دور والے۔

سکتے ہیں کہ آج سے قبل، بہت قبل، جہاں آج ملک عراق ہے وہاں
ایک ملک آباد تھا کالڈیا یا کلدانیہ نام، اپنے وقت میں نہایت مہذب و
متمدن۔ اسکے مہذب ترین و متمدن ترین شہر اور پایہ تخت کا نام تھا اُور،
اسکا پورا پتہ آج کے نقشہ میں چلانا ہو تو عالم خیال میں خلیج فارس سے
بغداد کی طرف چلیے۔ آپ چلے۔ پیچھے اب آپ آدھا فاصلہ طے کر چکے، اب
دریائے فرات آپ کے بائیں ہاتھ پر ہے۔ کوئی دس میل کے فاصلہ پر کہ
آپ اُور کے کھنڈروں میں پہونچ گئے۔ یہیں ایک شریف و معزز گھرانے
میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ نام ابراہیم رکھا گیا۔ بحسب روایت توریت پہلے
ابرام اور بعد کو ابراہام۔ سال پیدائش آرکیالوجی (اثریات) کے مشہور ماہر
سر چارلس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ قبل مسیح تھا یعنی آج سے
ٹھیک چار ہزار ایک سو سال قبل۔

فنون لطیفہ میں نقاشی، سنگتراشی جو، جو آج رکھتے ہیں، یہی وقت
بھی خاص تھا، کہ یہ فنون قدیم ترین میں سے ہیں۔ مذہب شرک تھا،
پرانی اصطلاح میں یا خداؤں کا تعدد حال کے بول چال میں۔ اثریات عراق
کے ایک اور ماہر سر لیونارڈ وولی کا بیان ہے کہ اُور کا مذہب ملی ترین شرک
تھا۔ جن دیوتاؤں کے نام ہم تک پہونچے ہیں انھیں کی تعداد پانچ ہزار ہے!
سنگتراشی کو بت تراشی میں منتقل ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ بچہ کے
والدین کا نام توریت میں آیا ہے تارح اور قرآن میں آزر۔ خود ایک بڑے
آرٹسٹ (صناع) تھے۔ اور خاص آرٹ یا صنعت، سنگ تراشی اور
بت گری تھی۔ پتھر کی مورتیں اس کاریگری اس ہنرمندی سے بناتے کہ
دیکھنے والے واہ واہ کرنے لگتے۔ بچہ کی فطرت سلیم تھی۔ جسم کی آنکھ نے یہ
منظر دیکھا، تو بغاوت کی ٹھان لی۔ روح کی آنکھ نے تو حق کی جھلک دکھادی،
ضمیر کی آسمانی قوت نے غیب کا اشارہ پایا، زبردست روحانی انقلاب کی
ٹھہرالی۔ اُٹھے، بڑھے، بولے۔ چلے ہنسے گئے، پھر ستائے گئے، ہنسائے گئے،
ستائے گئے۔ وطن چھوڑا، رُخ مغرب کی جانب کیا۔ شام ہوتے فلسطین
کی وادیاں طے کیں، مصر کی سرزمین چھانی۔ قدم اُس ملک میں رکھا، جو خشک
تھا اور ایک ریگستان بے آب و گیاہ۔ آسمانی روشنی کی ایک تڑپ نے نشاندہی
کی کہ یہی وہ زمین ہے، جسکے لیے ازل سے رشک آسمان ہونا، کائنات
انسانی کا روحانی مرکز بننا لکھا جا چکا ہے۔ سیاحی کے قدم رک گئے۔ مسافرت
نے وطن گزینی کی شان پیدا کر لی۔ مصری بیوی شاہزادی تھیں، ان سے
صاحبزادے تولد ہوئے۔ نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ پرورش لاڈ سے پیار سے ہوئی۔
پلے، بڑھے، بڑے ہوئے۔ باپ کا ہاتھ بٹانے اور باپ کے کام آنے لگے۔
ادھر یمن پہ یہ ہو رہا تھا۔ ادھر باپ کو خواب میں حکم آسمان والے کا
ہو، سچا کر بیٹے کو جاری رہ میں قربان کر دو۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسانی قربانی کا
دستور اُسوقت عام تھا۔ دیویوں اور دیوتاؤں کے آستانوں پر انسانوں کی بھینٹ
آئے دن چڑھتی رہتی تھی۔ لیکن بیٹے اور اکلوتے بیٹے کی قربانی کس باپ نے

کو قربانی کی قربانی ملی کس باپ سے ہوئی تھی؟ ابراہیم سے عشق و محبت کے بہت سے امتحان ہو چکے تھے، اور کڑیاں عبدیت و عبودیت کی بہت سی جھیلے ہوئے، امتحان کامیابی کے ساتھ بہت سے دیے ہوئے تھے۔ پر یہ آزمائش سب سے بڑی بھاری تھی ——— ایسا امتحان تو صرف موحد ہی کا ہو سکتا تھا۔ یہ ہمت، یہ چوٹ، یہ حوصلہ صرف موحد ہی کو مل سکتا تھا۔ اللہ اللہ! کیا سخت گھڑی تھی وہ گھڑی جب بوڑھے باپ نے اس وقت کے اوسط عمر کے حساب سے، پیر ضعیف عمر کے باپ نے اکلوتے دلبر کو، نوجوان، سبزہ آغاز لخت جگر کو زمین پر لٹایا، اپنی آنکھ پر پٹی باندھی، اور چھری چلا دی۔ ابراہیم نے جس دعوے کا اعلان کیا تھا، کہا تھا، اور جب کائنات کی ساری فضا مشرکانہ تھی کہا تھا کہ میں موحد ہوں، میں مسلم ہوں، میں اپنا سب کچھ سونپ چکا ہوں اپنے مالک حقیقی کے۔ بیٹے کو ذبح کر چکا ہوں، میرا اپنا کچھ بھی نہیں، نہ جان اپنی نہ اولاد اپنی، سب کچھ اسی ایک بے نیاز کی۔ امتحان اسی دعوے کا تھا!

چھری چلی۔ لیکن اسمٰعیل کے حلقوم پر نہیں، ایک دنبے کے گلے پر۔ امتحان عاشق صادق کا، بندۂ مسلم وفادار بردبار کا ہو چکا تھا۔ ایک دنبہ غیب سے لاکر اسمٰعیل کی جگہ پر رکھ دیا گیا تھا۔ بشارت ملی، کہ تمہاری قربانی قبول ہو گئی۔ اس مقبولیت کی یادگار دنیا میں مستقل اور پائدار کر دی جائیگی۔

جشن آج کعبہ کا ہو رہا ہے۔ یہ ہفتہ ہفتۂ کعبہ منایا جا رہا ہے۔ کیسے ممکن تھا کہ یاد تعمیر کعبہ کی دلائی جاتی، اور معمار کعبہ کو بھلا دیا جاتا! ابراہیم توریت اور قرآن دونوں کی زبان میں اللہ کے دوست اور خلیل، وہ تھے کہ انھیں نے اور انکے جگر گوشہ اسمٰعیل نے مل کر یہ گھر، یہ عمارت بنائی تھی، بنیادیں اٹھائی تھیں، پتھروں کی ڈھلائی کی تھی، چنائی کی تھی۔ عمارت جب تک زندہ ہے، معمار بھی مردہ نہ ہونے پائیگا، نہ اسکا کام نہ اسکا نام۔ روایتوں میں آتا ہے کہ واقعۂ قربانی کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر ۱۳ سال کی تھی، اور یہ تصریح تو توریت میں موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کا سن ۸۶ سال کا تھا۔ یہ دونوں حساب اگر صحیح ہیں، تو سنہ ۲۱۶۰ سے ۹۹ سال گھٹا دیجیے۔ اور واقعۂ قربانی کی تاریخ آکر سنہ ۲۰۶۱ ٹھہرتی ہے۔ یعنی آج سے چار ہزار ایک سو سال قبل!

وہ دن ہے اور آج ہے کہ ادھر سال کی وہ قمری تاریخ آئی اور ادھر ملت ابراہیمی کا نام لیوا، مسلمان روئے زمین کے جس حصہ پر بھی آباد ہوا، قربانی کے جانور کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جانور اچھے سے اچھا ڈھونڈھ کر لائیگا۔ جانور حرام نہ ہو، گندہ نہ ہو، اندھا، لولا، لنگڑا نہ ہو۔ حلال ہو، پاکیزہ ہو، تندرست بھلا چنگا ہو۔ جانوروں میں شرافت کا بھی ایک معیار ہوتا ہے۔ شریعت نے شرافت نامزدگی صرف چند جانوروں کی معتبر مانی ہے، اور وہ معلوم و معروف ہیں۔ ان میں سب سے بڑا جانور اونٹ اور سب سے چھوٹا بکری۔ مسلمان انھیں اچھے داموں، اپنی حلال پاکیزہ کمائی سے خرید کر لائیگا۔ کھلائیگا، پلائیگا، اپنے سے ہلائیگا، اور جب وقت آئیگا، تو بیدردی اور خشونت سے نہیں، عبدیت اور عبودیت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر، اپنے اور انکے دونوں کے خالق و مالک کو یاد کر کے، بیکسی کے ساتھ زمین پر قبلہ رخ کر کے لٹائیگا، کہ اے ہمارے مالک، دلوں کے قبول کر ہماری قربانی جس طرح تو نے قبول کی قربانی اپنے خلیل اور انکے لخت جگر کی ——— مبارک ہے وہ انسان، وہ مسلمان، جو

بہت دور کا بھی تشبہ پیدا کر سکے ابراہیم خلیل سے۔ مبارک تر ہے وہ قربانی کا جانور جو برائے نام سہی، کوئی تو نسبت قائم کر سکے اللہ کے ذبیح اسمٰعیل سے!

گلے پر چھری پھیرتا جائیگا، اور کہتا جائیگا، انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ میری ساری توجہ کا مرکز، میری ساری عبودیت کا قبلہ، تو اے قبلۂ حاجات صرف آپ ہیں! زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے! مجھے اور کسی سے غرض کیا؟ میں اپنا رشتہ تو سب سے توڑے ہوئے ہوں، صرف آپ سے جوڑے ہوئے ہوں — اسوقت بھی نیت صرف آپ سے تقرب کی ہے۔ تعمیل آپ ہی کے حکم کی ہے! ——— عید قرباں یادگار ہے دنیا کے اول المسلمین کی۔ ایک قدیم ترین موحد کے ایثار کی، حق یہ ہے کہ توحید ہی کا رنگ جھلکے اسکی ایک ایک شان سے، اسکی ہر ہر آن سے۔ اسلام کی جنتری میں جشن صرف دو ہیں، عید اور بقرعید۔ اور دونوں کا مقصد ہے امت کی مرکزیت اور شیرازہ بندی۔ ایک یادگار ہے نزول قرآن کی، دوسری یاد دلاتی ہے کعبہ کی تعمیر کو، کعبہ کے معمار کو!

(بقیہ صفحہ ۳)

"ور خود یورپ کی عیسائی قوموں کو علامات نظر آتے ہیں انکی دشمنی قائم رہنی۔ اس لیے ظاہری شکل میں اگر انھیں یہ نظر آئے کہ یہ لوگ اپنی پرانی حالت کو خود ہی بدل رہے ہیں اور یورپ کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں، انکی منافرت ترکوں سے کم ہو جائیگی"

یہ سر شیخ عبدالقادر نے، اردو کانفرنس (کانپور) کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا۔ (ہماری زبان، دہلی یکم جنوری [illegible]) ——— گستاخ دیدہ دلیر ہندی مسلمان! چاہا ہے غازی مجاہد "[illegible] سردار" پر اعتراض کی زبان کھولے! کہتا ہے انھوں نے عربی حروف کو مٹا دینے اور لاطینی حروف کے رواج دینے میں غلطی کی۔ گویا اس عظیم المرتبت فوق البشر انسان کو اتنی بھی سمجھ نہ تھی جتنی ہندی غلاموں کو ہے! اور پھر فرنگی وضع قطع، [illegible] بجا لینے پر، نصرانیوں سے تشبہ اختیار کر لینے پر بھی نکتہ چینی! گویا ساتویں صدی کا معصوم آج بیسویں صدی پر بھی حکمران ہے! ——— ... تو کیجیے خطبۂ صدارت کانپور میں پڑھ دیا گیا، اور بہر سکون سے سن لیا گیا، ایسا نہ ہو کہ اس مثال سے خوش ہو کر انجمن ترقی اردو والے کہیں خدانخواستہ ایسا ہی رجعت پسند صدر منتخب کر کے آئندہ اجلاس مرادآباد میں کر ڈالنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۱)

خدا کی طرف، رسول کی طرف، اور عام انسانوں کی طرف کن کن معنوں میں ہوتی ہے۔

دیرینہ ہمکار کی خدمت میں آخری گزارش یہ ہے کہ دنیا بہت آگے نکل چکی ہے، علم بہت کچھ سیکھ چکا ہے، ان کو تجربہ ہو چکا ہے، کہ کاغذ کا جعلی سکہ بنانا آسان، مگر اسکا چلانا بہت مشکل ہے۔ جعلی کاغذی سکہ! اس تجربہ سے انکو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

والسلام

تصحیح ۲۴

صلہ، پیراگراف ۳۔ سطر ۲ میں "ابلتے جلتے تھے" غلط۔ "ڈھلتے جاتے تھے" صحیح۔

التماس کی پذیرائی

کلام اللہ

(۴)

(از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

غرض رویائے صادقہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ شرح صدر بھی اسکا ایک کارنامہ ہے، اور اسکی اعلیٰ قسم یہ ہے کہ ملائکہ کا تمثل اسکے سامنے ہوتا ہے، اور منادی غیب اسکو سنائی دیتی ہے، جیسا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کے تذکروں میں قرآن میں ہے۔ مگر قرآن پاک میں اس وحی کا ذکر صرف انبیاء کے تعلق سے ہے۔ یعنی انکی خاطر یہ اطلاع دوسروں کو دی گئی، اس لیے اس کا تعلق کسی خاص جزئی واقعہ سے ہے، نہ کہ عموم تبلیغ امت سے، اور اسی لیے ہم نے اس کا نام وحی شخصی اور وحی جزئی رکھا ہے۔ مگر آپ پھر بھی یہ دیکھیں کہ "بر محل سوجھ بوجھ" اور "نفسانی تاثرات" کا یہاں بھی کوسوں پتہ نہیں۔

وحی نبوی

اب آیئے اس وحی نبوی پر غور کریں جو کتاب الٰہی کے نزول کا ذریعہ ہے، کہ اسکی نسبت قرآن کا فیصلہ کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ بحث پہلے نمبر میں گزر چکی ہے، مگر اقتضائے مقام کی وجہ سے اسکا اعادہ موزوں ہے۔ قرآن پاک نے وحی نبوی اور کلام الٰہی کے اقسام کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء (شوریٰ - ۵)

اور کسی بشر کی تاب نہیں کہ اللہ اس سے دوبدو کلام کرے، لیکن یہ کہ وہ الہام کردے، یا پردہ کے پیچھے سے بات کرے، یا کوئی قاصد بھیجے جو اللہ کے حکم سے اس پر جو چاہتا ہے اسکا پیام اس کو پہونچا دے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کلام اللہ پاک نے ان میں سے اپنے نزول اور وحی کی کیا صورت بتائی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے،

قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبك باذن الله (بقرہ)

کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (تو وہ ہوا اس سے قرآن کی صداقت پر حرف نہیں آتا) کیونکہ اسنے (اے محمدؐ) تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس قرآن کو اتارا ہے۔

وانه لتنزیل رب العالمین نزل به الروح الامین علی قلبك (شعراء)

یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے، اسکو روح امین فرشتہ لیکر تیرے قلب پر اترا۔

قل نزله روح القدس من ربك بالحق (نحل)

(اے رسول انسے کہدے جو کہتے ہیں) کہ روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سچائی کے ساتھ اسکو اتارا ہے۔

وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی علمه شدید القوی (نجم)

یہ رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ تو وحی ہے جو اسکو کی جاتی ہے، اسکو بڑی قوتوں والے نے سکھایا ہے۔

انه لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاهن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما منکم من احد عنه حاجزین (حاقہ)

بیشک یہ قرآن ایک بزرگ پیغام رساں کا بولا ہوا ہے، یہ کسی شاعر کا [illegible] سکتے ہو، اور نہ کسی کاہن کا [illegible] کہ نصیحت پکڑتے ہو، پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اور اگر یہ رسول ہم پر کچھ جھوٹ بنا کر کچھ باتیں بھی گھڑ لیتا تو ہم اسکا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اسکی رگ گردن کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی اسکو بچا نہ سکتے۔

ان آیتوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اسی قسم کے باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے، جو پیغمبر کے سامنے بھی گزرے ہیں، جو قرآن پاک کے "نفسانی تاثرات" اور "سمجھ بوجھ" کے ہونے کے قائل تھے، اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ شاعر کا کلام نہیں کیونکہ وہ سراسر نفسانی تاثرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور نہ کسی سیانے کاہن کا کلام ہے، جو خوب سمجھ بوجھ کر اپنے کلام کو جوڑ توڑ کر سناتا ہے، بلکہ ایک بزرگ پیغام رساں کی زبان سے ادا ہوا، اور جو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، ساتھ ہی یہ دھمکی ہے کہ اگر یہ رسول اپنے نفسانی تاثرات و ذاتی سمجھ بوجھ سے کچھ کلام گھڑے تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اسکو وہ سزا دیں کہ اسکو کوئی نہ بچا سکے۔

اللہ اکبر جس کلام کی یہ شان ہے، وہ ایک مدعی اسلام کی نظر میں محمد صلعم کا نفسانی تاثر اور انسانی سمجھ بوجھ قرار پائے۔ العیاذ باللہ!

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے،

انه لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین، وما صاحبکم بمجنون، ولقد رآه بالافق المبین، وما هو علی الغیب بضنین، وما هو بقول شیطان رجیم، (تکویر)

بے شبہ یہ ایک بزرگ پیغام رساں کا کلام ہے جو قوت والا ہے، عرش والے خدا کے یہاں ذی مرتبہ ہے، اسکا کہا مانا جاتا ہے، (اور وہ) امانت دار ہے، تمہارا یہ رفیق (یعنی رسولؐ) دیوانہ نہیں، اس نے اس پیغام رساں کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا، وہ غیب کی باتوں کو (جو اسکو بتائی جاتی ہیں) چھپاتا نہیں، اور نہ یہ شیطان راندے گئے کا کلام ہے۔

اس سے زیادہ تصریح کیا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے جبریل کے دل میں اسکو ڈالا، اور جبریل نے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر نازل کیا، اور محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اسکو بندوں تک پہونچایا۔ نہ یہ وحی فطری و نوعی ہے، اور نہ شہد کی مکھیوں کی طرح نوع انسانی کے تمام افراد اس میں شریک ہوتے، نہ وحی شخصی ہے، ورنہ تمام انسانوں کے لیے قابل تسلیم نہ ہوتی، بلکہ وحی نبوی ہے جو روح القدس کے ذریعہ نبی پر اتری، اور اسکے واسطہ سے واجب التسلیم ٹھہری۔

وحی شیطانی

اب ایک چیز وحی شیطانی رہ گئی، جس کا [illegible] کے سوا اور کوئی قائل نہیں۔ قرآن پاک میں یہ مذکور بے شبہ ایک دو جگہ ہے،

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا (انعام ۱۴)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے، انسانوں اور جنوں کے شیطانوں میں سے، بعض بعض کے پاس ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لیے وحی کرتے ہیں،

[illegible]

...وان اطعتموهم انکم لمشرکون (الانعام: ۱۲۱)

اور شیاطین لوگ اپنے "وحی" کرتے ہیں اپنے دوستوں کی طرف، تاکہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے انکا کہا مان لیا، تو بیشک تم بھی مشرک ہو۔

جسکو عربی زبان کے ادب کا ذرا بھی ذوق سلیم ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہاں "وحی" کا لفظ محض شیاطین کے لیے بطور طنز کے آیا ہے۔ اس قسم کے محاورے ہر زبان میں ملتے ہیں۔ واقعہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ لفظ کرتا تو بصورت اور معنی لئے ہوئے ہیں مگر یہ مطلب نہیں کہ وحی کی نسبت قرآن نے شیطان کی طرف کی ہے۔ قرآن نے کسی جگہ یہ کہا ہے

فبشرهم بعذاب الیم | ان کافروں کو دردناک عذاب کی "خوشخبری" دیدے۔

عذاب کی خوشخبری، کیا شیطان کی وحی سے زیادہ عجیب نہیں؟ قرآن میں کافر دوزخی کو خطاب ہے کہ عذاب کے وقت اسکو کہا جائیگا،

ذق انک انت العزیز الکریم (دخان) ۔ اسکا مزا چکھ، تو تو بڑا غالب اور عزت والا تھا

ایک دوزخی کو معزز و محترم و غالب کا خطاب ظاہر ہے کہ محض طعن و تعریض کے لیے ہے، کیونکہ وہ دنیا میں اپنے کو ایسا ہی سمجھتا تھا۔

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے لیے وسوسہ کے بجائے وحی کا لفظ بولنا محض طعن و توبیخ و تعریض کے لیے ہے نہ کہ واقعۃً!

قرآن انسان کی فطری قوت کا نتیجہ نہیں

اب ایک ایسی آیت پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوگا کہ قرآن پاک کسی زور محمد و فطری قوت کا نتیجہ نہیں، بلکہ غیب کی طرف سے وقتاً فوقتاً آنے والے سچے خیالی پیغاموں کا نام ہے۔ ارشاد ہے:-

وکذلک انزلناه قرآنا عربیا وصرفنا فیه من الوعید لعلهم یتقون او یحدث لهم ذکرا، فتعالی الله الملک الحق ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیه وقل رب زدنی علما (طٰہٰ - ۱۱۳)

اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن کرکے اتارا، اور اس میں طرح طرح کے ڈر کی باتیں بیان کیں تاکہ وہ پرہیزگار ہوں یا انکے لیے یاد پیدا کرے، تو اللہ سچا بادشاہ بالا و برتر ہے ۔ یعنی اور جلدی مت کر قرآن میں اس سے پہلے کہ اسکی وحی تیری طرف پوری کردی جایا کرے اور کہہ اے پروردگار مجھ کو زیادہ علم دے۔

لفظ "قرآنا عربیا" یہاں بھی اور دوسری آیتوں میں بھی صاف بتا رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی عربیت خدا کی طرف منسوب ہے جسکے دوسرے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے الفاظ بھی خدائے پاک کے ہیں۔

دوسری بات جو اس موقع کے مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کو حکم ہے کہ نزول قرآن کے وقت جلدی نہ کیجیے جب تک اسکی وحی پوری نہ ہو جایا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی وحی وہ وحی فطری نہیں تھی جو حیثیت انسانی میں پیدا ہوتی ہے، بلکہ وہ وحی نبوی ہے جو وقتاً فوقتاً خدا کی جانب سے آتی رہی۔

[illegible] مباحث

باقی مسٹر [illegible] نے جو کلامی مباحث چھیڑے ہیں اور جن خطرناک علمی چیزوں کو [illegible] گیا ہے انکا جواب اپنے اپنے [illegible] البیان [illegible] تفسیر اور الفرقان بریلی نے مفصل دیدیا ہے۔ [illegible] ثابت ہوگا۔ اس سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ قرآن کی نسبت [illegible]

ایک معروف کا تعارف

[گجراتی سیرت محمد علیؒ کا دیباچہ مترجم کے قلم سے صدق ۲۶ میں درج ہو چکا ہے۔ ذیل میں "تعارف اور سفارش" کے عنوان سے ایک اور ممتاز گجراتی اہل قلم کا مقدمہ درج کیا جا رہا ہے]

معروف کا بھی کہیں تعارف ہوتا ہے؟ اگر ہو تو پھر تعارف کا تعارف اور اسی طرح یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس "تعارف" کو تو کسی اور کے تعارف کی حاجت ہی نہ تھی کیونکہ یہ ہندوستان کے مایۂ ناز محمد علی کا تعارف ہے اور مسلم ہند کے اور محمد علی کے معروف مکرم عبد الماجد صاحب دریابادی کا کھینچا ہوا تعارفی نقشہ ہے۔ اس میں غیر معروف ہے ہی کون یا کیا یا کہاں کہ اسکو ایک دیباچہ کی صورت میں تعارف کی ضرورت پیش آئے؟ لیکن رسم بری بلا ہے اور مسلم گجرات نے ابھی بستر اب تک نہیں چھوڑا ہے۔

خیر مجھے یہ تعارف نامہ لکھنے کی خوشی اس لیے ہے کہ علامہ دریابادی کی طرح میں بھی اس مقدس مرحوم کا ایک ادنیٰ اور پرانا معروف ہوں اور انکے سوانح حیات کا ساری قوم میں پہلا مصنف ہوں۔ اور فخریہ کہوں تو قومی کاموں میں انکی رفاقت کے ساتھ خدمت کا لطف بھی حاصل کر چکا ہوں۔

مولانا محمد علی اور علامہ دریابادی علیگڑھ کے ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں۔ ایک ہی وقت میں فرنگیت میں ڈوب کر ایک ہی وقت میں اسلامیت کے دریا میں تیرنے والی خوش بخت اور مقدس دو شخصیتیں ہیں۔ فسق اور کفر سے لیکر ایمان اور ایقان تک اور اس طویل مدت میں ہر منزل پر جو رفاقت قائم رہی، پہلی اور پھولی ہو اسکے راز داں اور معارف ان دو رفیقوں سے بہتر کون ہوگا؟ اسی وجہ سے اس کتاب میں جو تصاویر کھینچی گئیں اور جو مناظر پیش نظر لائے گئے ہیں انکے سچے ہونے میں کسے شبہہ ہو سکتا ہے؟ یہ کھرا دودھ ہے جو نہ مبالغہ کر سکتا ہے اور نہ افترا۔

اسکے بعد "غریب" صاحب نے جو مضمون پسند کیا ہے اسکے متعلق بھی کچھ کہنا باقی رہتا ہے؟ الا اسکے کہ ایک ذاتی تجربہ قارئین کرام کے سامنے پیش کر دوں کہ اس عزیز میں عمل پہلے اور دلچسپی بعد میں آتی ہے۔ ان کے مضامین میں ہمیشہ عمل پہلے نظر آتا ہے عمل سے آراستہ ہو ایسی دلچسپی کو وہ دور ہی سے سلام کرتے ہیں۔ میرے بعض قارئین ممدوح اس حقیقت کو سمجھ لینگے ماحول کا ایسا ممتاز معیار صرف عمل کی توفیق ہی سے ہو سکتا ہے۔

غریب صاحب نے دیکھا کہ عبد الماجد صاحب کی یہ ڈائری گجراتی مسلمانوں کے لیے جتنی نئی ہے اتنی کارآمد بھی ہے۔ گجرات کے مسلمان محمد علی سے ناواقف تو نہ تھے لیکن انھوں نے محمد علی کو دوسرے دوربین سے یا قریب سے سیکنی فائنگ کانچ سے دیکھا نہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں کہوں تو غریب کو یہ احساس ہوا کہ دریابادی صاحب نے اس تعارف سکے ذریعہ قوم کے سامنے ایک انوکھے محمد علی یعنی اصل محمد علی کو پیش کیا ہے۔ ایسا

تعارف یہ محمد علی کا دل ہے - دل کی تصویر اور داستان ہے - دل کا آئینہ اور تاریخ ہے - دل کا قول اور فعل ہے -

ور غالب میں یہ بات ایک عادت سی ہوگئی ہے کہ جو چیز خود کو اثر کرے وہ قوم کے موثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ "شبنم" صاحب کے "سیمن بولیٹن" میں گجرات کے مسلمانوں کے قومی احساس اور علم کی غرض سے یہ ممتاز اور انوکھی ڈائری یعنی تعارف گجراتی لباس میں شایع ہوا - یہ ایک قلمی خدمت ہوئی جو مستحق جزا اور لایق شکر تھی -

بلا مبالغہ قاسم بیگ مرزا صاحب کی ذہنیت اور خوب ہونا لگا دکی بھی داد دی جائے کہ غریب نے جو اخباری دنیا پر روشن کیا - کتابی صورت میں شایع کرنے کی انکو سوجھی اور یہ بجا فکر جو اس بھی اپنی اس خوش پسندی کی بنا پر گجراتی مسلمانوں کی دلی داد کے مستحق ہیں -

زمانہ پر نظر کرتا ہوں تو یہ کتاب کی اشاعت بالکل برمحل ہے - ہر چیز کی اہمیت اسکے وقوع پر اور مضمون کی اثر اسکی ضرورت پر ثابت ہوتی ہے ہر دو پہلو سے مرزا قاسم بیگ کا یہ کام برمحل اور بامو قع ہے -

سطور بالا میں ہم دیکھ چکے کہ ایک آئیڈیل مسلمان لیڈر کی دلی صحت کا یہ نظری مطالبہ ہے اور مطالعہ نگار بھی اپنے فن میں ماہر اور اسپنے معروف دوست کا رفیق ہونے کے اتفاق سے مطالعہ بھی بلاشک و شبہہ آئیڈیل ہوا ہے - بہترین لیڈر کیسا ہونا چاہیے - وہ بہترین طریقے سمجھنے کے لیے ان اوراق میں بہترین موقع دیا گیا ہے -

آج سے پچیس سال قبل کا زمانہ مسلمانوں کے لیے سخت مصیبتوں کا وقت تھا - جس وقت کہ خفتہ قوم کے بعض جاگنے والوں کو اسکا احساس ہوا تھا کہ وہ قوم کو اپنی نیند سے ہوشیار کریں - ہوشیار ہونے والے بہت کم تھے اور بہت ہی کم تعداد میں جگائے گئے - آہ! اس سے بھی بدتر اپنی قوم کی "آج" ہے کہ جب قوم جاگ چکی ہے اور گامزن ہونے کو تڑپ رہی ہے تو جگانے والے سو رہے ہیں - آہ! وہ "کل"! جب رہنما تھے تو پیرو نہ تھے - اور آج جب پیرو ہیں تو رہبر نہیں ملتے - یہ دونوں متضاد مایوسیوں کے درمیان کا امید افزا زمانہ جو تھا اسی میں محمد علی نے کامیاب لیڈری و رہنمائی کی - اس زمانہ کے رہنماؤں کی اسکے پیرووں کی اور انکے کاموں کی یادداشت آج کی بے بسی کس مپرسی کی حالت میں ہم کو راہ ہدایت دکھانے اور ہم میں ضروری رہنمائی کی روح پھونک دینے کے لیے کافی ہے - یہی باتیں ہیں جس وجہ سے میں نے کتاب کو برمحل اور بامو قع کہا ہے -

ہاں! یہ آئیڈیل رہنمائی بے نقاب ہے اور اپنی سب آرائشوں کے ساتھ چمک رہی ہے - قوم کا کامیاب اور ممتاز لیڈر اپنے تمام عیوب اور خوبیوں کے ساتھ یہاں حاضر ہے - بہت سی خوبیوں والے محمد علی میں کچھ عیب ضرور تھے، عجلت، بیصبری، غصہ، اور ضد، مثال کے طور پر انکے اعلیٰ خیالات کا ترجمہ تھے اور عیب بھی - ہارنا پڑے لیکن پیچھے ہٹنا پڑے داغ لگے یا ثابت قدمی نہ رہے وہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے اور ایسے وقت نہ کہنے کی باتیں کہتے اور نہ کرنے کے کام کر جاتے - سچ تو یہ ہے کہ عاشق کا عذر ایسے ہی رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے - جیسکے بغیر سچے عشق کا سیاہ

لیڈر کی ایک ہی خوبی میں ہو سکتا ہے - اور وہ تھا خلوص، سراپا خلوص تھے - عشق کا ایک جزو خلوص ہے اور جہاں عشق ہو وہاں خلوص کا ہونا ضروری ہے -

جہاں اخلاص ہو وہاں کے عیوب بھی قوم کو اپنے لیڈر کی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں اور قوم میں لیڈر کی عزت سے اتفاق پیدا کرتے ہیں کیونکہ عیب یعنی ادھورا پن انسان کی خاصیت ہے - قوم سمجھتی ہے کہ انکا سردار انکے جیسا ہی ایک بشر ہے کوئی فرشتہ نہیں ہے تو وہ بلا کسی جھجک کے اسکی طرف دوڑتے ہوے چلے آتے ہیں اور بلا کسی چون و چرا کے اسکی پیروی کرتے ہیں - وہ اسے اپنا سردار تسلیم کرتے گیا پھر عیوب کی حاضری یعنی غرور کی غیر حاضری اور اسکے ساتھ ہی ہمیں گزری ہوئی زندگی اور مصنوعی رعب و دہشت کی بھی غیر حاضری - جہاں ایسا قابل تقلید رہنما ہو وہاں قوم رہنما ہیں اور رہنما قوم میں جذب ہو جاتے ہیں -

یہ صحیح ہے کہ محمد علی کے عیوب کی وجہ سے محمد علی پر قوم کی طرف سے طعنہ زنی بھی ہوا کرتی تھی - لیکن یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ قوم کی اس طعنہ زنی سے محمد علی کا قوم کے ساتھ جو قریبی رشتہ تھا وہ کبھی ٹوٹنے نہیں پایا -

ان عیوب کے ساتھ دلی اور دماغی، علمی اور زبانی، قومی اور دینی قابلیت اور خصوصیت کا یہ معجون مرکب قوم کے لیے اگر صیدری علاج ثابت ہوا ہو تو اس پر اچنبھے کی بات ہی کونسی تھی؟ محمد علی نے اپنی ان ممتاز خصوصیات کے ساتھ قوم کو اپنی زندگی کی ایک آس بنائی اور قوم کی وہ مستقبل کی آس بنے - قوم کے اور انکے درمیان ایک کامل اور مضبوط رشتہ قائم ہوا اور دونوں ایک دوسرے کے چولی دامن کا ساتھ ہو گئے - یہ تھی محمد علی کی قابل تقلید لیڈری جو قائمی اور دوامی ہو سکتی تھی -

اس لیڈر نے حسب موقع کبھی ایڈیٹر و مقرر بن کر کبھی شاعر و مصنف ہو کر کبھی صدر کی کرسی پر بیٹھ کر تو کبھی جیل جا کر کبھی خادم (کعبہ کا) ہو کر تو کبھی خلافتی بن کر کبھی آباد و آزاد ہو کر تو کبھی برباد و پریشان ہو کر خفتہ قوم کو اسکے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا اور جگایا کھڑا کیا اور ثابت قدم بنایا، راہ سجھائی اور منزل پر گامزن کر دیا - جیسا کہ ایک مخلص لیڈر کو ہونا چاہیے ویسے ہی محمد علی رہبر بھی تھے اور رفیق بھی، معلم بھی تھے اور رہنما بھی، مختصراً کہیے تو گفتار بھی تھے اور کردار بھی -

---

اتفاق کی بات ہے کہ آج بھی قوم ایک محمد علی کے پیرو ہو کر رہی ہے ایسے موقع پر یہ دعا مانگنی برمحل ہوگی کہ خدایا! محمد علی کا زمانہ، اس محمد علی کا رعب، اس محمد علی کے عیوب اور اگلے محمد علی کی دیوانگی اس محمد علی کو بخش دے!

زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے - میں اس کتابی لباس کی کامیابی چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ایسی کتاب پڑھ کر عمل پیرا ہونے کی پروردگار توفیق عطا فرمائے -

ایک گزارش ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ رسمی طور پر یہ بیان کتاب کی ابتدا میں لگایا جائیگا لیکن پڑھنے والے اس رواج پر عمل نہ کریں - اتنا میں ان سے چاہتا ہوں - مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کتاب کے پڑھے جانے کے بعد پڑھا جائے تو مفید ہو جائے -

خاکسار سعادی

مسلم گجرات پریس - بھاگل تالاب روڈ - سورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اُس کو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں اس پتہ پر مراسلت کیجیے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
شنداآباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

مدیر ـ عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب مدیر ـ حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق
ہفتہ وار

چندہ سالانہ
ششماہی
بیرون ہند سالانہ
قیمت فی پرچہ
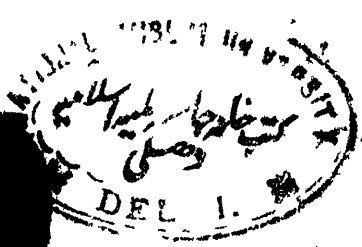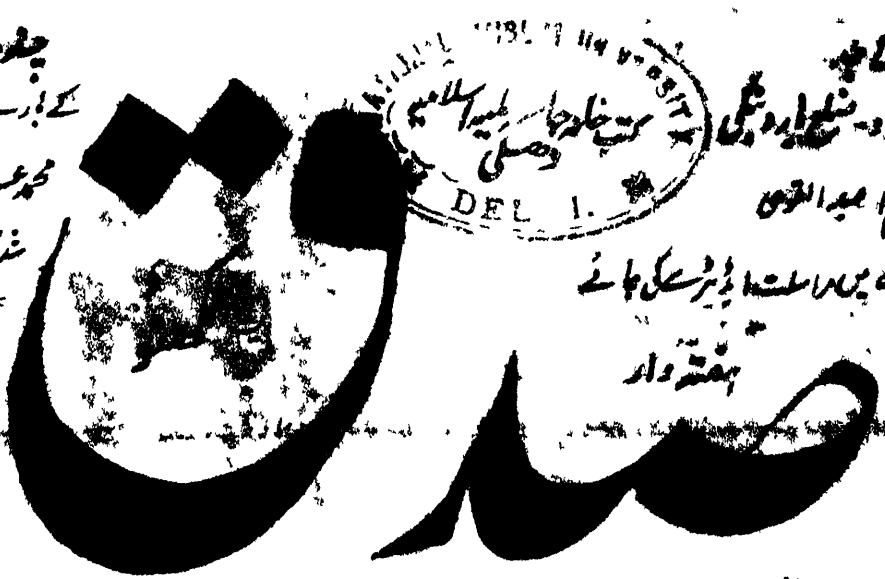
نمبر ۳۶ | دوشنبہ ـ ۲۸ ـ ذی الحجۃ المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

پچھلی عیسوی صدی کے ثلث آخر کے مشاہیر یورپ میں ایک صاحب پروفیسر رابرٹسن اسمتھ ہوئے ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے استاد تھے، اور عرب و متعلقات عرب پر انکی تحقیق آج تک سند چلی آتی ہے۔ سامی مذہب پر سند وفاضلانہ لکچر دیے۔ انکا مجموعہ بعد کو Religion of The Semites سامیوں کا مذہب کے عنوان سے شایع ہوا۔ باب دوم کے آغاز میں لکھتے ہیں:-

"جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے ادیان قدیم کو بجائے مجموعہ معتقدات ومسائل کے ایک رواج یا دستور کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ قدیم مذہب ایک جزو ہوتا تھا اُسی نظام معاشرت کا جسکے ماتحت اسکے پیرو رہا کرتے تھے۔ اس لیے قدیم مذاہب کے ساتھ لفظ "سسٹم" کا استعمال صرف اسی معنی میں درست ہے جیسے کسی سیاسی "سسٹم" کا ذکر کیا جاتا ہے، نہ اس معنی میں کہ ان مذاہب کے کچھ مخصوص عقائد اور اصول تھے۔ عام طور پر یہ سمجھیے کہ مذہب نام تھا چند اعمال ورسوم کا جنکے صحیح ادا کرنے پر مدار تھا دیوتاؤں کی خوشی اور ناخوشی کا۔ اور ان مراسم میں شرکت پر ہر شخص اس بنا پر مجبور تھا کہ وہ پیدا اُسی خاندان یا اُس قبیلہ میں ہوا ہے، یا یہ کہ اُسے فلاں مرتبہ یا منصب حاصل ہے۔ اپنے ارادہ اور پسند سے مذہب اختیار کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ مذہب تو گویا ورثہ میں مل جاتا تھا جیسے اور خاندانی رسم ورواج چلتے تھے۔ اور ہر فرد کو کم وبیش مذہبی ہونا ہی پڑتا تھا، جیسے آج ہر شخص کو کم وبیش تمدن کا خیال رکھنا ہی پڑتا ہے" (ص ۲۹)

گویا دین جاہلی کوئی جسم متحرک، نامی، زندہ تھا ہی نہیں، ایک جامد سرد لاشہ تھا۔ ایک مجموعہ تھا دستوروں، رسموں، رواجوں کا۔ نہ عقل سے کوئی تعلق تھا، نہ عقل اعلیٰ یا وحی سے۔ ہر قوم یا قبیلہ میں ایک بنا بنایا سانچہ، کچھ عقائد ورسوم کا پشتہا پشت سے چلا آ رہا تھا، قوم یا قبیلہ میں جو بچہ آنکھ کھولتا، وہ طبعاً واضطراراً اُن ہی آبائی رسوم وعقائد کی راہ پر پڑ لیتا۔ دخل نہ اس میں کسب واختیار کو ہوتا نہ غور وتدبر کو۔ اسی لیے اس جاہلی تخیل میں کسی نئے مذہب کے قبول واختیار کرنے اور قدیم مذہب کو ترک کرنے کے کوئی معنی ہی نہ تھے ــــ

دانایان فرنگ تو اس نتیجہ تک اب پہونچے ہیں۔ قرآن ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے اس ذہنیت کو دین جاہلی کے سلسلہ میں ما وجدنا علیہ آباءنا، ما ألفینا علیہ آباءنا، ما سمعنا بہذا فی آبائنا الأولین وغیرہ مختلف عنوانات کے ذریعہ سے روشناس کر چکا ہے۔

تیرہ سو برس کے بعد ہوا پھر وہی چلی ہے۔ "روشن خیالوں" نے دین کو ایک "موروثی" "آبائی" چیز سمجھ لیا ہے۔ اور دین کی زندہ حقیقت کو "قوم" کی مردہ جمعیت کے اندر گم کر دیا ہے۔ مذہب کا جاہلی تخیل نئے سرے سے زندہ ہوا ہے۔ بس مسلمان کے گھر میں پیدا ہو جانا اور مسلمان کا سا نام رکھوا لینا بالکل کافی ہے۔ قانون اسلام کے بہترین شارحین اور ائمہ مجتہدین پر دل کھول کر مضحکہ کیجیے، احادیث رسول ورجال کی جانچ پڑتال میں عمریں صرف کر دینے والے محدثین بلکہ رسول کے صحابیوں تک پر بازاری زبان میں پھبتیاں کسیے، اقوالِ رسول کی حجیت سے انکار کر دیجیے، قرآن کی تعلیمات سے بے تکلف انکار کرتے چلے جائیے، بیشک جائیے کہ اسلام کا قانون سود قابل ترمیم ہے، شریعت کا قانون وراثت قابل تنسیخ ہے، ضابطۂ فوجداری ناقابل عمل ہے، قرآن کے زبان کو، قرآن کے رسم الخط کو بس چلے تو جرم قرار دیدیجیے، رسول کی زبان میں اذان اور نماز دونوں کی ممانعت کر دیجیے، گھر کی عورتوں کو بے نقاب اور بے حجاب بنا دیجیے، لباس ایسا پہنیے، جسم کے ستر کا لحاظ ...

خدا ان ترکیبوں کو، بجائے ناچنے گانے کو، اداکاری کو مقصدِ تعلیم کا جزو بنا کے فرمانیے، پن پر نہیں اپنے دامن پر لیجیے، اور جب کوئی احتساب پر آمادہ ہو تو اسکے منہ پر کھنکار تو پھینکیے، کہ "تم ہوتے کون ہو ہمارے ایمان [illegible] اسلام میں [illegible] اپنے وا لے ہمارے عقائد پر جرح کر[illegible] [illegible] نام جیسی بلا سے، عبدالتواب ہے، ملا ہونا ہے، اور [illegible] کام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کر[illegible] [illegible] دشواریاں دور کر دینی ہیں! اگر [illegible] طرح [illegible] کے فکر میں پیدا ہو جانے دا لے سے شوہر [illegible] طرح ایک نہیں، دو [illegible] اسی طرح اسلام ہے، کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہو [illegible] [illegible] ہر حال میں ہی رہتا ہے! — چور کو اتنا اعتماد [illegible] [illegible] کبھی کیا حاصل ہوا ہوگا؟

کام کی رفتار

اس عنوان کے ماتحت بہت عرصہ سے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ ٹائپ کا کام ان سطور کی تحریر کے وقت تک ۲۶ پاروں تک ہو گیا ہے۔ اب کل چار پارے باقی ہیں۔ آخری پارہ سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ ٹائپ اور پھر مقابلہ و تصحیح میں ابھی دو تین مہینے کیا کم لگیگا۔ اسکے بعد کی منزل یعنی طبع و اشاعت کا مرحلہ ابھی بدستور دور ہے۔

انگریزی کے کام سے فی الجملہ فرصت ملنے پر کچھ روز سے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں، اردو میں بھی خدمتِ قرآن مجید کی ہمت کر لی گئی، اور کام تھوڑا تھوڑا شروع بھی کر دیا گیا۔ ان شاء اللہ ایک پارہ کے مسودہ کی تکمیل پر اسے صاف کرا کے ہندوستان کے چند مستند اہل الرائے حضرات کی خدمت میں مشورہ و استفادہ کے لیے بھیج دیا جائیگا، اور آیندہ پاروں میں وصول شدہ اصلاحوں سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی جائیگی —— البتہ اپنے [illegible] انگریزی کے کام کی تھی نہ اردو کے کام کی ہے۔ جس حکیم مطلق نے پہلی خدمت کی ہمت و توفیق دیدی، اور اسکے اسباب فراہم کر دیے، اسی کے فضل و کرم پر [illegible] اس دوسری خدمت کے لیے بھی ہے۔

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو

پچھلے ہفتہ انگریزی کام کے سلسلہ میں امداد ذیل قبول کی گئی:۔

۱۷ - جنوری ۱۹۴۵ء ایک آدیدہ کرم فرما - جالنہ - دکن۔ ۲۵ روپیہ

اسلامی نظام حکومت

اسلامی نظام حکومت پر ایک مبسوط تالیف تیار کرنے کی تجویز صدق ۱۹۲۲ میں، اور اسکے بعد متعدد نمبروں میں آچکی ہے۔ شکر ہے کہ نامہکے اسلامی اداروں میں سے مسلم لیگ کی عملی توجہ اس جانب ہوئی، اور صوبہ متحدہ کی صوبہ مسلم لیگ کی تحریک پر ایک مستقل مجلس اس غرض و مقصد کے لیے مرتب پا گئی۔ ابتدائی مجلس شوریٰ کی نشستیں ۴ - و ۵ - جنوری کو دارالعلوم ندوہ (لکھنؤ) کی عمارت میں ہوئیں۔ اس میں مسلم لیگ کے نامی کارکنوں، مثلاً چودھری خلیق الزماں اور نواب محمد اسمٰعیل خاں، مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی، [illegible] نرگی محلی، اور قوم کے بعض ناموروں میں، مثلاً نواب صاحب چھتاری کے پہلو بہ پہلو مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب [illegible] نے بھی شرکت فرمائی۔ بحد و قدح کے بعد وطے پایا کہ نظام اسلامی پر ایک ایسی جامع کتاب تیار کی جائے۔ جس میں سیاسیات، معاشیات، معاشرت سے متعلق اسکی مکمل تعلیمات آجائیں، اور اس غرض کے لیے ایک کمیٹی مصنفین کی نامزد کی گئی ہے۔ کمیٹی کے رکن یا ناظم مولانا سید سلیمان صاحب منتخب ہوئے ہیں، اور توقع ہے کہ انکی اور مولانا ابوالاعلیٰ صاحب کی شرکت نگرانی میں جو کام ہوگا، وہ تحقیق اور ذمہ داری کے اعلیٰ ہی معیار پر ہوگا۔ امید قوی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا طبقہ علماء میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوری اور جدید طبقہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، شیخ الجامعہ اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن صدر شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور ایسے ہی دو حضرات جلیل القدر مثلاً [illegible] کا تعاون [illegible] اکمل ان شاء اللہ حاصل رہیگا۔

ذبحِ گاؤ اور معاشیاتِ ملک

ہندوستان کے مویشیوں کی ترقی و اصلاح کے لیے از بس ضروری ہے، کہ گوشت کے کاروبار خصوصاً گائے کے گوشت کے کاروبار کو پورا فروغ دیا جائے۔ اس لیے کہ

اول تو اس گوشت کے کاروبار کو ترقی دینے سے تندرست، جوان جانوروں کا تازہ گوشت کھانے کو ملیگا، اور ناکارہ، ردی، بوڑھے بیمار جانور کٹنے سے بچ جائیں گے۔

دوسرے اس سے مویشیوں کی تکثیرِ نسل قابو سے باہر نہ ہونے پائیگی، اور جو مویشی زندہ رہینگے انکے کھانے چارے کا معقول انتظام باقی رہیگا۔

تیسرے اس سے عوام کو، جو اب تک محض نباتاتی خوراک پر بسر کر رہے ہیں، مقوی پروٹین (اجزاء لحمیہ والی) غذا ہاتھ آئیگی۔

چوتھے، اس سے ایک نیا مال تجارت بیرونی ممالک کے لیے وجود میں آجائیگا۔

پانچویں، اس سے چمڑے اور کھال کی تجارت خوب پھیلیگی، جو قوم کی کاروباری زندگی اور بیرونی تجارت کی اہم ترین چیزیں ہیں۔

ذبحِ گاؤ کی تائید، ترغیب، ترویج، تشویق، میں یہ دلائل نہ کسی مدیر صدق یا کسی اور مسلمان کے طبع زاد تھے۔ بنگال کے ایک ہندو فاضل ڈاکٹر رہبین کا تا، ڈی۔ ایس، ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی کے قلم سے نکلے ہیں، اور Animal Husbandry in India (گلہ شت حیوانات ہندوستان میں) کے عنوان سے انگریزی کے مشہور ماہنامہ ہندوستان ریویو (پٹنہ) کے دسمبر نمبر میں، جسکے ایڈیٹر خود ایک بڑے نامور ہندو ہیں، شایع ہوئے ہیں!

چند اور اقتباسات بھی اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں:۔

"ہندوستان کے مویشیوں کی راہ میں تین تین موانع حائل ہیں۔ ایک یہ کہ انکی ذات ہی کمزور ہوتی ہے، اور یہ کارکردگی کے اعلیٰ معیار تک پہونچ ہی نہیں پاتے۔ دوسرے یہ کہ ناکافی اور گھٹیا خوراک نیز بیماریوں سے بچاؤ کے ناکافی انتظامات کے باعث انکی صحتیں خراب رہتی ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہندوؤں کے دل میں ذبحِ مویشی کے خلاف جو تعصب بیٹھ گیا ہے، اسکی بنا پر جو جانور بھی پیدا ہو جاتے ہیں، انھیں زندہ چھوڑے رکھا جاتا ہے انکی عمر طبعی کے پہونچنے اور ناکارہ ہو جانے تک۔ اس سے انکی تعداد بھی ضرورت سے زیادہ [illegible] اور [illegible] تک زندہ بھی رہتے ہیں۔"

اور پھر لکھتے ہیں :-

"مواشی پروری کا تیسرا بڑا مقصد گوشت کا حصول ہے۔ یہ مقصد ہندوستان میں نہایت ہی محدود پیمانہ پر حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ ہندوؤں کے ہاں تو گائے کا گوشت ممنوع ہی ہے، اور مسلمان اسکا استعمال اس لیے بہت کم کرتے ہیں کہ وہ ہوتا ادنیٰ درجہ کا ہے چنانچہ انکی کوئی ذات یا نسل ایسی ہے ہی نہیں، جو مخصوص گوشت کے حصول کی غرض سے تیار کی جاتی ہو، بلکہ عموماً وہ بالکل بوڑھے اور ناکارہ جانور ہوتے ہیں جو گوشت کے لیے کاٹے جاتے ہیں"

اور پھر ایک جگہ اور لکھتے ہیں :-

"ہندو آبادی کی غذا میں گائے کے گوشت کے داخل کرنے کا تو ایک عرصہ تک خیال ہی نہیں ہو سکتا، لیکن غیر ہندو، خصوصاً مسلم آبادی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر گائے کا گوشت اچھی قسم کا ملنے لگے اور قیمت بھی معتدل کر دی جائے، تو ان کا غالب حصہ اسے اپنی غذا کا جزو بنا لے"

یہ تصریحات، علمی تصریحات، کہیں کسی مسلمان فاضل کے قلم سے نکلی ہوتیں تو ——— نتائج کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!

پرانی حقیقت نئی زبان سے

"مولانا محمد علی جیسا فرزند ہند پھر نہ پیدا کر سکیگی۔ انکا طرز عمل ہندوستان کی دونوں قوموں کے لیے نہایت مفید تھا۔ میں ابتداءً گم کردہ راہ تھا مگر پھر راہ پر آگیا۔ میں نے ہندوستانی سیاست سے متعلق صحیح راستہ مولانا محمد علی ہی کے اشارہ پر اختیار کیا تھا۔ مجھکو پورا یقین ہے کہ آج اگر پھر ہندوستانیوں کے لیے کوئی فلاح و بہبود کا دور آ سکتا ہے، تو اسکی صورت یہی ہوگی کہ ہم لوگ مولانا محمد علی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں، اور ہندو مسلم اتحاد کے اس مبارک رشتہ کو جو مولانا کا سب سے بڑا مشن تھا، اسکو عملی جامہ پہنائیں ... پھر آخر اتحاد کی صورت کیا ہے؟ بس یہی کہ مسلمان اپنے مذہب اور کلچر کے ساتھ زندہ رہیں اور ہندو بھی اسی طرح اپنی روایات کے ساتھ باقی رہیں، اور پھر آپس میں برابری کا اتحاد ہو۔ یہی چیز ہے جو مولانا مرحوم نے پیش کی تھی"

مشہور اشتراکی اور انقلابی لیڈر، ایم۔ این۔ رائے نے کلکتہ میں ۲۴ جنوری کو یوم محمد علی کے موقع پر کہا ہے ——— گویا محمد علی کی زبان سے نکلا ہوا کلمۂ حق، کہ ہندو مسلم اتحاد جبھی ممکن ہے کہ جب مسلمان اپنے دین اور اپنی تہذیب کے ساتھ زندہ رہیں، اور ہندو اپنے رسوم و روایات کو قائم رکھیں، جو اسوقت "فرقہ واریت" (کمیونلزم) سمجھ کر مردود قرار دے دیا گیا تھا، اب "قوم واریت" (نیشنلزم) اور اشتراکیت اور انقلابیت کی دنیا اسی نقطہ کی طرف کھنچتی چلی آ رہی ہے!

عصمت کی بے قدری

انگریزی پڑھے لکھوں میں ہیولاک Ellis کے نام سے کون واقف نہیں؟ سنجیدہ مفکر بھی اور جنسیات کا امام بھی۔ اپنی آخری کتاب Sex in Relation to Society کے دیباچہ میں لکھتا ہے :-

"نتیجہ یہ ہے کہ انگلستان اور امریکہ دونوں ملک، تعلیم یافتہ اوسط طبقہ میں مرد تو زیادہ عفیف ہونے لگے ہیں (یعنی ناجائز تعلقات کی طرف انکا میلان کم ہو گیا ہے) لیکن عورتیں عفیف (یعنی شادی کے وقت باکرہ) بہت کم پائی جانے لگی ہیں" (ص۶)

عورت کی داستان ترقی کی روداد خود ایک تجدد پسند بلکہ تجدد آفریں "روشن خیال" علمبردار حریت نسواں کی زبان سے آپ نے سن لی؟ ——— انھیں محققین کی زبانی تو یہ بھی سننے میں آچکا ہے کہ بہت سے وحشی قبیلوں میں شادی سے قبل دوشیزگی، عورت کے لیے، بدچلنی ہی کی تھی۔ اس دور توحش کے، اور اس دور تمدن کے ڈانڈے مل جانے میں کیا اب بھی کچھ دیر ہے؟

"جمود" کا درس

"میں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا مخالف نہیں ہوں، لیکن میں اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ بنی نوع انسان کی موجودہ ضروریات عورتوں کے لیے اس طرح کی اعلیٰ تعلیم کا تقاضا نہیں کرتیں جو موجودہ نصاب تعلیم کا وجہ امتیاز ہیں اور اس نقطۂ نظر سے میری خواہش یہ ہو کہ عورتوں کا نصاب تعلیم مردوں کے نصاب تعلیم سے بنیادی طور پر مختلف ہونا چاہیے تو اس میں غالباً کوئی قباحت نہیں"

عالی جناب سید عبد العزیز، وزیر عدالت مملکت حیدرآباد نے معلمین و اساتذہ کی ایک سالانہ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں فرمایا، اور لفظ بلفظ صحیح فرمایا۔ بیچاری، تعلیم مخلوط الگ رہی، وزیر صاحب نصاب تعلیم تک کے مخلوط و مشترک ہونے کے روادار نہیں! ——— نگاہیں منتظر ہیں، بہت منتظر ہیں "تجدد و قدامت" کے اس مظاہرہ پر ایک معلوم و معروف معاصر کے تبصرہ کی! تعجب نہیں کہ ایسے ہی موقع کے لیے ہو یہ مقولہ کہ کبھی سکوت، بیان سے کہیں زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

ایک نیا سنگم!

"یہ حکمت [یعنی حکمت ولی اللّٰہی] جس طرح مسلمانوں کے دو معروف فلاسفروں یعنی شیخ اکبر ابن عربی اور امام ربانی مجدد سرہندی کے متبعین کو مطمئن کر سکتی ہے، اس سے زیادہ ہندو فلاسفی کے مختلف اسکولوں کے نظریات کو گیتا کے اسلوب پر جمع کر رہی ہے۔ جس قدر اہل علم ولی اللہ فلاسفی میں تبحر حاصل کرینگے، وہ اپنے ہم خیال ہندوستانیوں پر ہندو ہوں یا مسلمان یکساں اعتماد کرینگے" (رسالہ "یادگار شیخ الہند" ص۱۲)

ولی اللّٰہی بیت الحکمت کی "حکمت" آپ نے خود صاحب تحریک کی زبان سے سن لی؟ ——— کون کہتا ہے، کہ حضرت مسیح کا نام لے لے کر شرک جلی میں مبتلا رہنے میں مسیحی منفرد ہیں؟ آخر ایک مسلمان رہنما بھی تو اسی دم خم کا نکل ہی آیا کہ وہ ایک نیا سنگم بنائیگا کفر و اسلام کا، توحید و شرک کا، اور تکمیل تک پہنچائیگا اس مشن کو جو اکبر اور دارا شکوہ ناتمام چھوڑ گئے تھے، اور زبان سے نعرہ لگایا جائیگا برابر ایک مشہور محدث، مفسر و خادم دین کا!

"ہم اس پریشاں خیالی کو دور کرنے کے لیے ان جماعتوں کو کانگرس کے اندر ایک مستقل پارٹی کی صورت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، جس کے لیے ولی اللہ فلاسفی سے بہتر نصب العین نہیں مل سکتا"

ایک نام کے ندوی کا دوسرا پیام[1]

ندوہ کی برادری کے نام

(خطبۂ صدارت جلسہ انجمن طلبۂ قدیم ندوہ۔ ۲۱ دسمبر ۵۶ء)

آٹھ سال بعد یاروں کی طبیعت پھر لہرائی، اور ایک زندہ دلوں نے اس بے چارے بڈھے کو کہ دُلہن کی ٹھہرائی — جو ندوی محض نام کا، اور جسکی ندویت نری اعزازی، الحمد للہ! اسکے نصیب میں یہ سرافرازی! ۱۹۴۸ء میں کم از کم غنیمت تھا کہ صدارت محض استقبالیہ کی رہی، ۱۹۵۶ء میں آپ نے صدارت اصل جلسہ کی! —— ایک ناچیز کو اپنی ستم ظریفی کا ہدف بنایا۔ خدا اللہ کے ان نیک بندوں نے اتنا نہ سوچا، کہ باہر کی دنیا اسکے اس "حسن" انتخاب پر کھل کھلا کر ہنس نہ پڑے تو آخر اور کیا کرے؟

بزرگو اور عزیزو! بڑے اور چھوٹے بھائیو!

آج آپ مدتوں کے بعد پھر یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، جہاں آپ کی عمر کے بہترین اور خوشگوار حصے گزر چکے ہیں۔ کسی کے صرف چند مہینے اور کسی کے سالہا سال۔ کوئی بچپن میں آیا ہوگا، اور جوان ہو کر نکلا ہوگا۔ کوئی مبتدی کی حیثیت سے داخل ہوا ہوگا، اور عالم و فاضل ہو کر رخصت ہوا ہوگا۔ آج بے اختیار یاد آ رہے ہونگے وہ پرانے ہم نشیں اور انکی صحبتیں۔ وہ زمانۂ معصومیت کے شوق اور نوجوانی کی ہمتیں! وہ بےفکری کی ہنسی اور چہچے، وہ نو عمری کے عزم و ولولے! وہ طالب علمی کی راتیں اور ان میں جماہیاں، وہ آپس کی نوک جھونک اور پھر ہمدردیاں، اور غمگساریاں! وہ یہاں کے صحن اور میدان کے کھیل کود، وہ یہاں کی مسجدوں کے رکوع و سجود! وہ امتحانات کی کامیابیاں اور کبھی ناکامیاں، وہ استادوں کی شفقتیں اور کبھی جھڑکیاں! دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر، عملی زندگی میں قدم رکھ کر، فکر معاش کی دلدل میں پھنس کر، اب قدر ہو رہی ہوگی یہاں کی آزادیوں کی، بےفکریوں کی، خوش نصیبیوں کی! آہ! کیسی مٹھاس تھی اس وقت کی تلخیوں میں، اور کتنی لذت تھی اس سن کی بدمزگیوں میں! —— کاش وہ زمانہ پھر آتا! کاش بس میں ہوتا پھیر لانا گئے ہوئے سن کا، گذرے ہوئے دن کا! کاش ممکن ہوتا زمانہ کی گھڑی کی سوئی کو الٹا گھما دینا!

یہ حسرتیں تو اب زندگی کے ساتھ ہیں، لیکن برادرانِ کرام! ماضی کیسا ہی خوشگوار ہو، اسکی یاد کیسی ہی پرلطف سہی، فکر کی چیز تو ماضی نہیں، حال و مستقبل ہے، اور اصل دولت خودشناسی کی دولت ہے

روزہا گر رفت گو رو باک نیست

تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست!

نہ ہو کہ جب یہ حال بھی ماضی بن جائے اور "آئندہ" "گزشتہ" میں تبدیل ہو جائے، تو ہم آنسو بہائیں اس وقت کی فرصتوں پر، اور سینہ کوبی کریں آج کی مہلتوں پر! ساری خرابیاں تو پیدا ہوتی ہیں اپنے کو بھلا دینے سے، اپنے کو پہچان لیجیے، اپنے مقام کو جان لیجیے، عرفانِ نفس کا سبق حاصل کر لیجیے، تو ابھی ساری مشکلیں حل ہوئی جاتی ہیں

ندوہ یا دارالعلوم ندوہ نام در و دیوار کا نہیں، اینٹ اور چونے کی عمارت کا نہیں، دفتر نظامت کے کاغذات اور رجسٹروں کا نہیں، کتب خانہ یا دارالاقامت خانہ کا نہیں، نام ہے چند مقاصد کا، ایک متعین پروگرام کا، ایک بلند نصب العین کا۔ آپ اگر ندوی ہیں، تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ نے ندوہ کے اس پیام کو قبول کر لیا۔ اس آواز کے آگے اپنا سر جھکا دیا۔ ندویت کوئی مادی ڈپلوما یا کاغذی سند نہیں، نام ہے اس نسبت کا، اس رشتہ کا، اس رابطۂ قلب کا، جو آپ نے مقاصد ندوہ کے ساتھ قائم کر لیا ہے۔ ندوی ہوتے ہی آپ کے جزو زندگی بن گئے یہ مقاصد ندوہ، اور فرض ہو گیا آپ پر ان مقاصد پر اعتقاد و عمل، انکی تبلیغ و ترویج، انکی نشر و اشاعت۔ اب آپ لوگوں سے لڑینگے انکے لیے، جھگڑینگے انکے لیے، کھنچینگے انکے لیے، جھکینگے انکے لیے، تنینگے، مٹینگے، غرض یہ کہ جئینگے انکے لیے!

مقاصد کی فہرست کچھ بہت طویل نہیں۔ پھیلانے کی جگہ سمیٹنے پر اور بسط کے بجائے ایجاز پر آئیے۔ تو کُل دو لفظوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام کی خدمت اور دین کی نصرت۔ توحید کی حمایت اور ناموس رسول کی غیرت۔ اسی کی شان سے جینا، اسی کی آن پر مرنا۔ فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ یہی مقصد ہے اور یہی مدعا۔ یہی قبلۂ مقصود اور یہی نظر کا منتہی۔ باقی جو کچھ ہے سب اسی متن کی شرح، اور پھر شرح کا حاشیہ۔ درس و تدریس کے مشغلے، عمارتوں کے سلسلے، تصنیف و تالیف کی الماریاں، وعظ و تذکیر کی سرگرمیاں، سب اسی مقصود کے ماتحت اور اسی کے تابع، سب اسی مطلوب کے وسائل اور اسی کے ذرائع۔

دین کی نفس خدمت میں یہ نہیں کہ ندوہ منفرد ہو۔ دین کی خدمت ندوہ کے وجود میں آنے سے پہلے بھی ہو رہی تھی، اب بھی ندوہ کے حدود سے باہر ہو رہی ہے۔ دہلی، لکھنؤ، دیوبند، سہارنپور، وغیرہ وغیرہ کی درسگاہیں پہلے بھی معطل نہ تھیں، اب بھی خاموش نہیں ہیں۔ کہیں تجوید سکھائی جا رہی ہے، کہیں رجال پر جرح و تعدیل ہو رہی ہے، کہیں سے فقہ کے مفتی نکل رہے ہیں، اور کہیں دیہات کے لیے مبلغ و مناظر ڈھل رہے ہیں۔ یہ سب خدمتیں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں، اور مستحق اجر بھی، قابل قدر بھی۔ لیکن ندوی کا دائرۂ عمل ان سب سے کچھ الگ سا ہے۔ اسکا مقابلہ ہے وقت کے سب سے پُرقوت اور سب سے پُرشوکت فتنہ سے!

سانپ مار کر تڑپا دینے والے بچھوؤں سے نہیں، بلکہ سالم نگل جانے والے اژدہے سے! اسکا کام ہتھیلیوں میں گڑی ہوئی پھانسیں اور تلووں میں چبھے ہوئے کانٹے نکالنا نہیں، اسکا کام ہے جسم ملت کو محفوظ رکھنا سرطان کے صدمہ سے، قلب کے اوپر حملہ سے! فتنہ کا نام جاہلیت رکھیے یا فرنگیت، بہرحال ہے، فتنۂ قیامت! ترکی اسکا شہید، ایران اسکا قتیل، مصر اسکا شکار، ہندوستان میں اسکے پھیلنے کے راستے بےشمار۔ کہیں وہ آ رہا ہے یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں کی راہ سے، کہیں قدم جما رہا ہے مختلف کانگرسوں، کانفرنسوں کے بھیس میں۔ اخبارات اور رسالے اسکے نقیب۔ سینما اور ریڈیو اسکے وکیل۔ کہیں وطن پرستی کا نقاب اسکے چہرہ پر پڑا ہوا، کہیں وہ "تجدد" کے پردہ میں جلوہ نما، کہیں لاطینی حروف کا پروپیگنڈا۔ کہیں شور نسائیت اور بےپردگی کا برپا۔ غرض ضد اسلام کتنے اسکے نام ہیں اور کتنے مظاہر۔ سچے ندوی کی زبان جب کھلیگی اسی حملہ کے جواب میں، اسکا قلم جب اٹھیگا اسی حریف کی تردید میں۔ مقابلہ جب ہوگا اسی عدوٌ مبین سے، اسی الد الخصام سے!

---

[1] پہلا پیام دسمبر ۴۸ء میں بحیثیت صدر استقبالیہ لکھا گیا تھا۔

ندوہ کی تاریخ دیکھ جائیے۔ قدیم ترین ناظم مولانا شاہ محمد علی مونگیری تھے۔ مسیحیت کی تردید میں دفتر کے دفتر اس وقت لکھ ڈالے جب دل و دماغ مرعوب تھے دانایانِ فرنگ کی دانائی اور حکمت سے، اور بہ استثنائے شاذ کسی میں نہ ہمت تھی نہ حوصلہ فرنگیت اور فرنگیوں کے مقابلہ میں آنے کا۔ آخر یہ تو کیجیے اس قدیم ترین ندوی کے اس عزم مجاہدانہ پر، اس ہمت مردانہ پر!

شبلی مرحوم کے دور میں آئیے۔ انکا تو اوڑھنا بچھونا ہی تھا اسی حریف سے زور آزمائی کرنا۔ سوال یہاں شبلی کے جوابات کی قوت و ضعف کا نہیں، صرف انکے سطحِ نظر کا ہے۔ تاریخ ہو، سوانح عمری ہو، ادب ہو، اور تو اور شاعری ہو۔ کوشش ہر جگہ یہی رہتی ہے کہ اسلام کا بول بالا ہو، اور دین کا چہرہ روشن سے روشن تر نظر آئے۔ کہیں اورنگ زیب سے بدگویوں کا طعنہ دور کر رہے ہیں کہیں سلطان ٹیپو کا دربار سجا رہے ہیں، کہیں فاروقِ اعظمؓ کی آستان بوسی کی تیاریاں ہیں، کہیں غزالیؒ، نعمان ابی حنیفہؒ اور مولانائے رومؒ کے سوانح حیات سنا رہے ہیں۔ کلامی رنگ سب سے جھلکتا ہوا، حد یہ ہے کہ جب فارسی شاعری اور شاعروں کے ذیل میں تذکرہ شعر العجم پر قلم اٹھاتے ہیں، تو اسکی تمہید میں یوں زمزمہ سنج ہوتے ہیں:-

"اسلام ایک ابرِ کرم تھا، اور سطح خاک کے چپہ چپہ پر برسا، لیکن فیض بہ قدر استعداد پہنچا۔۔۔ جس میں جس قسم کی قابلیت تھی اسلام نے اسکو اور چمکا دیا۔ ترک شجاع تھے، شجاع تر ہو گئے۔ ایرانی پہلے سے تہذیب، معاشرت اور علوم و فنون میں ممتاز تھے اسلام نے انکو ممتاز تر کر دیا"

اور آخری تصنیف سیرۃ النبی، جسکی تکمیل بالخیر سے قبل خود مصنف کا خاتمہ بالخیر ہو گیا، اسکی کلامی حیثیت تو اسکی تاریخی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔

مولانا شبلی ہی کی لپیٹ میں انکے عزیز قریب مولانا حمید الدین فراہیؒ اور انکے رفیق و حبیب مولانا شروانی کو بھی لیے چلیے۔ فراہی مرحوم و مغفور تو زندگی بھر قرآن مجید ہی میں لگے لپٹے رہے، لیکن خود شروانی صاحب کے بھی دینی کارنامے اور اسلامی خدمات کب محتاج ہیں کسی تعارف جدید اور توضیح مزید کے! ان دونوں کے گہرے تعلقات ندوہ اور اہل ندوہ سے بالکل ظاہر و واضح ہیں۔ پھر تلامذۂ شبلی ہی کی فہرست نظر میں رکھیے، تو خدا معلوم کتنے بڑے بھی جیسے اعزازی ندوی، قلم کے دھنی اور مخالفین اسلام کے حق میں دلیرانہ جری نکل آئیں گے۔ معارج الدین، صحف سماوی وغیرہ کے مصنف سید نواب علی ایم اے اور کامریڈ کے مشہور و نامور حق گو ایڈیٹر مولانا محمد علیؒ، یہ دو نام اس سلسلہ میں کافی ہونگے۔ دونوں کی حمایت ندوہ، اور دونوں کی دلچسپیاں ہماری جماعت کے ساتھ محتاج بیان نہیں۔

یاد آ پڑا، ترتیب زمانی کے لحاظ سے ایک نام مولانا شبلی سے بھی پہلے آنا چاہیے تھا۔ صوبۂ بہار میں ایک مشہور اور پرانا قصبہ ہے، پھلواری۔ پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے اس چمن کے بلبل ہزار داستان سے، مولانا شاہ سلیمان سے؟ کانفرنس کے مجمع میں، ندوہ کے جلسہ میں، جہاں کہیں یہ واعظ سحر بیان کھڑا ہو گیا، سننے والوں کا ٹھٹھ لگ گیا۔ ہجوم بوڑھوں سے بڑھ کر جوان کا، عربی والوں سے کچھ بڑھ ہی کر انگریزی والوں کا۔ اب حضرت سلیمان ہیں کہ خدا جانے کتنے پڑھے جنوں کو شیشہ میں بند کرتے چلے جاتے ہیں، کتنے ملحدوں کو جان سے مارتے جاتے ہیں اپنے میٹھے بول سے، مثنوی کے سُریلے نغموں سے۔ [illegible] ہوؤں کے ایمان

سنبھلتے جاتے، فرنگیت اور لادینی کے داغ اور دھبے دلوں سے دھلتے جاتے۔ شاہ صاحب مرحوم و مغفور آپ ہی کے ندوہ کے رکن خاص الخاص تھے۔

آپ کے قدیم ارکان میں کاکوری کے منشی اطہر علی مرحوم نے سب ہمت و پامردی صوبہ کی طاغوتی حکومت کا مقابلہ کیا، اسکی نظیر اس وقت کی تاریخ میں ملنی آسان نہیں۔ بعد کے ارکان میں ایک نام نامی شیخ شیر حسین قدوائی مرحوم کا ہے۔ انگریزی میں رسالوں، پمفلٹوں، کتابچوں کا ایک انبار لگا گئے ہیں، سب کے سب اسلام اسلامی ہی کی حمایت و نصرت میں۔ اور آخر عمر میں تو بالشویزم اور اسلام پر ایک ضخیم و معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر اپنی ندویت کا حق ادا کر گئے۔ اور پھر آپ کے ایک اور شیخ مولانا امیر علی مرحوم و مغفور کی خدمات دینی کو بھلانا چاہے بھی تو کیونکر بھلا سکتا ہے، ہدایہ اور عالمگیری جیسی ضخیم کتابوں کا نہ صرف مکمل ترجمہ بلکہ شرح بھی اور فتح الباری کے ضخیم مطلبات کے بیشتر حصوں کو اردو میں منتقل کر جانا، اور پھر تفسیر مواہب الرحمٰن اور اسکے مقدمہ میں جدید تر نسخ شدہ وزنہ [illegible] سے تغافل یہ کارنامے ایسے ہیں کہ بجائے ایک فرد کے اگر ایک جماعت پر تقسیم کر دیے جائیں تو جماعت بھر کے فخر کے لیے کافی ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳)

حضرت شاہ ولی اللہ کو انکی زندگی میں اور انکی وفات کے بعد بھی انکے ابنا قدر شناس آج تک کیوں ملا ہوگا! انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور آگے چلیے۔

"آج کے دور انقلاب میں مقاصد عالیہ کو حاصل کرنے کے لیے پروگرام ہم یورپ سے سیکھنا ضروری سمجھتے ہیں، جیسے تمام مشرقی ممالک میں ہو رہا ہے۔ جاپان، ترکی اور پچھلی جنگ کے بعد ایران افغانستان اور تمام عربی ممالک اور آخر میں نیشنل کانگریس کے رہنما یورپ سے سیکھتے رہے۔ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے نظریات کے ساتھ عملی تجارب سکھانے کے لیے انھیں یوروپین بننے کی دعوت دیتے ہیں" (ص ۹)

یہ مختصر لیکن جامع تعارف ہے اس "ادارۂ شیخ الہند" کا جو اپنا ایک ستر شدہ جامعہ ملیہ میں قائم کر رہا ہے! اور مکمل خاکہ ہے "ولی اللہ اکیڈمی" یا ولی اللہی بیت الحکمۃ کا۔

"متجدد" اور "متمدن" کا ایسا عجیب و غریب معجون مرکب اس سے قبل کیوں کسی کے ذہن میں آیا ہوگا!

کسی نیچری یا متجدد ایڈیٹر کے قلم سے ایسی چیز نکل جاتیں تو عجب نہیں کہ غیرت دینی سے قوم جنبش میں آ جاتی، لیکن چونکہ تحریک پیش ہو رہی ہے ایک "مولانا" یا کم از کم "سابق مولانا" کے قلم سے، اس لیے

جو گناہ کیجیے ثواب ہے آج!

شخصیتوں کا ادب و احترام اپنی جگہ پر بالکل صحیح، لیکن آخر اسکی بھی [illegible] ہونی چاہیے! خود احترام کی بنیاد بھی تو خدمت اسلام ہی ہے۔ یہ تو نہ ہونا چاہیے کہ تخریب دین پر تل جائے، اور ہم ہیں کہ محض اسکی گذشتہ خدمتوں کو [illegible] جائیں بس — دین تو صرف اسلام ہے [illegible] مسلمان کو کوئی [illegible] نہ ہندی اسلام ہے اور نہ سندھی اسلام ہے [illegible] نکلیں گے [illegible]

مدت گزر چکی ہے اور اس طویل مدت میں زمانے نے صدہا رنگ بدلے انقلاب کی بیشمار لہریں اٹھیں ذہنیتوں اور خصلتوں میں تغیرات عظیم پیدا ہوئے لیکن کبھی اس قانون الٰہی کے نفاذ میں کوئی دقت و دشواری پیش نہ آئی حالانکہ اس مدت میں بیشمار انسانی قوانین وضع ہو ہو کر مٹ گئے۔

آج دنیا میں جتنی قومیں موجود ہیں اتنے ہی قوانین موجود ہیں۔ بڑے بڑے مدبر، مقنن اور سیاست داں سر جوڑ کر ان قوانین کو وضع کرتے ہیں لیکن تھوڑی مدت بھی گزرنے نہیں پاتی کہ وہ قطعی بیکار ہو جاتے ہیں اور انکے نفاذ میں صدہا دشواریاں پیش آنے لگتی ہیں۔ مگر اسلام کے سیاسی۔ معاشرتی۔ تمدنی مالی اور ملکی تمام قوانین اس درجہ مکمل ہیں کہ گزشتہ تیرہ صدیوں کے اندر نہ انکے نفاذ عمل سے کائنات انسانی نے کوئی سختی محسوس کی اور نہ آئندہ قیامت تک محسوس کر سکیگی۔

اگر دیگر مذاہب عالم پر سرسری نظر ڈالی تو یہ امر بخوبی واضح ہوگا کہ اسوقت دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو اپنا مکمل قانون رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مذاہب کے قوانین میں ضروریات کے مطابق ترمیم کرنی پڑی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے لیکن اسلامی قانون ہر زمانہ اور ہر فضا میں انسانی تغیرات سے بے نیاز رہا۔ اسکے یزدانی اور عالمگیر قانون ہونے کا یہ کتنا بین ثبوت ہے کہ اس میں آج تک شوشہ کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مختلف آب و ہوا اور مختلف فضا میں مختلف اسلامی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ ہسپانیہ سے لیکر چین تک متعدد اسلامی خاندان عرصۂ دراز تک حکمراں رہے تمام حکومتوں کا قانون یہی قرآن رہا۔ اور سب نے پوری کامیابی و کامرانی کے ساتھ حکومت کی۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس کا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ دنیائے اسلام میں صرف قرآن کے سوا حدیث و فقہ کی بھی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین، عہد زبیری، عہد امیر معاویہ اور عہد بنو امیہ میں اسلامی سلطنت کے حدود ملک عرب سے متجاوز ہو کر نصف کرۂ ارض تک وسعت پذیر ہو چکے تھے اور بالخصوص بنو امیہ کی حکومت و سلطنت تو اتنی عظیم الشان اور وسیع حکومت تھی جس سے بڑی حکومت آج تک دنیا میں قائم نہیں ہوئی اسوقت بھی یہی ایک قرآن دستور العمل تھا۔ ۱۴۵ھ تک مسلمانوں کے پاس سیاسیات و معاشیات، تہذیب و تمدن۔ تاریخ و ادب جو کچھ تھا وہ صرف قرآن تھا۔

دنیا میں لاتعداد کتابیں معرض وجود میں آئیں اور انھیں بڑے سے بڑا تقدس کا درجہ بھی حاصل ہوا مگر جو جامعیت اور کمال و عظمت قرآن کریم کو حاصل ہوئی وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔ ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک جملہ کتابیں مل کر صرف اس ایک کتاب کی ہمسر نہ بن سکیں۔ اللہ نے دنیا والوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے جو کتاب نازل کی تھی وہ یہی قرآن ہے چونکہ یہ آسمانی کتابوں میں آخری کتاب ہے اس لیے اس میں وہ تمام چیزیں پورے کمال و جامعیت کے ساتھ مرکوز کر دی گئی ہیں جو آخرت تک انسانی فلاح و بہبود کی کفیل ہیں چنانچہ خدائے قدوس نے الیوم اکملت لکم دینکم کے الفاظ میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا ہے کہ اسکے بعد ہدایت و عمل کے لیے انسان کو کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ اسی کو دستور العمل بنایا جانے۔

قرآن اور رحمت ربانی

یا ایہا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ہدی و رحمۃ للمؤمنین۔ اے لوگو تمہارے پروردگار نے یہ ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو حکمت و موعظت ہے اور دلوں کی بیماری کے لیے نسخۂ شفا ماننے والوں کے لیے رحمت ہے"

ماہرین نفسیات بتائیں گے کہ دل کی بیماریوں سے انسانوں پر کس قدر مہالک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ امراض قلبی ہی کا نتیجہ تھا کہ انسان مسجود ملائکہ اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود کائنات کی ارذل ترین مخلوق کے آگے سربسجود ہو گیا۔ کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ظلم و ستم، جبر و جور کا بازار گرم اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ انسانیت پستی و ذلت کی انتہائی گہرائیوں میں دم توڑنے لگی تھی۔ گناہ۔ بدنیتی۔ بد دیانتی۔ بدکاری۔ کینہ حسد و بغض۔ عداوت، کبر و نخوت وغیرہ انسانی دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ عدل و انصاف۔ امن و رواداری۔ نیکی اور بھلائی کا دنیا سے نام و نشان مٹ چکا تھا اور اس تاریخی حقیقت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ اسوقت اسی نسخۂ شفاء سے تمام امراض دور ہو کر قلب انسانی کو شفاء حاصل ہوئی اور جب قلب انسانی کو شفا حاصل ہوئی تو گویا ہدایت مل گئی اور اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں اور جس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں کیا کوئی اسکی کامیابیوں اور فائز المرامیوں کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے قرن اولیٰ میں جو بزرگ اس نسخۂ شفاء سے استفادہ کیے انکے قلب آئینہ کی طرح پاک ہو گئے اور امراض قلبی کا دور ہونا تھا کہ انکے قدم صراط مستقیم پر جم گئے ان میں وہ ساری خوبیاں پیدا ہو گئیں جو انسانی ترقیوں کی ضامن ہیں یعنی ان میں جہاد بالنفس و المال کا انتہائی جذبہ پیدا ہو گیا۔ اتفاق و اخوت کی بے پناہ قوت عود کر آئی صبر و استقلال کے خوگر پیدا ہو گئے اور اللہ پر وہ بھروسہ کرنا محنت و کوشش عقل و خرد سے کام لینا سیکھ گئے گناہ کی قوتیں نابود ہو گئیں اور وہ راہ ترقی پر گامزن ہو کر حکومت و اقتدار کی ان بلندیوں پر پہونچ گئے جسکا رب العزت نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ یہ رحمت الٰہی نہ تھی تو اور کیا تھا کہ وہی فلاں ان نبیؐ جنکے پاس تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا میسر نہ تھا، دیبا و حریر کے توشہ خانوں کے مالک بن گئے جنکے گھروں میں بت چٹائی نہ تھی ایران کی بیش بہا قالینیں انکے جوتوں کی جولانگاہ بن گئیں۔

قرآن اور اس سے غفلت کے نتائج

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سب کچھ سمجھا کر اور ہدایت دے کر قرآنی احکام کے اتباع کا حکم دیا اور واضح فرما دیا و من اظلم ممن ذکر بآیات ربہ فاعرض عنہا۔ "جس نے قرآنی احکام و آیات سے انکار کیا اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا" یعنی قرآن بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی کے لیے نازل کیا گیا پھر بھی اگر کوئی عمل نہ کرے تو وہ دنیا میں بھی ان تمام سربلندیوں اور سرفرازیوں سے محروم ہوگا جو اتباع قرآنی کی صورت میں اسے حاصل ہوتیں اور آخرت میں بھی مبتلائے عذاب ہوگا۔

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ۔ جس نے ہماری یاد ترک کی اور قرآن کے اوامر و نواہی سے بے پروائی برتی اسکی ساری زندگی بےچینیوں اور بےقراریوں میں گزریگی افلاس و تنگدستی اور معاشی مشکلات میں مبتلا رہیگا۔ اور روز قیامت میں ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (باقی آئندہ)

پیشہ ور مسلمانوں سے

آج میں بہار پراونشل جمعیۃ المومنین کے اجلاس میں صدر منتخب مولانا حکیم عبدالواحد صاحب نے خطبہ صدارت پڑھا ہے اس میں افسوس ہے کہ احساس کمتری کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ہم مومن بھائیوں کی حرکت کو حیرت و تعجب کے ساتھ ایک مدت دراز سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ خواہ مخواہ بعض ذلیل قسم کے نسلی مسلمانوں کے غرور سے متاثر ہو کر یہ شور بلند کر رہے ہیں کہ انھیں عام طور پر ذلیل سمجھا جاتا ہے! اور خود یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان میں پارچہ بافوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے! ساڑھے چار کروڑ تو انکی تعداد ہے، قصابوں، بڑھیوں، سنجاروں، نائیوں، دھوبیوں، دھنیوں کی تعداد بھی سب کو ملا کر کافی ہوگی۔ پھر وہ کونسی نسلی فاخر ہے جو تو کروڑ مسلمانوں کی تھی، بہرحال اتنی ہوگی کہ انھیں انگلیوں پر گنا جا سکے تو اکثریت پیشہ ور اقوام انھیں کس طرح تباہ کر سکتی ہے۔ مگر اکثریت جسے بقول ان بھائیوں کے اقلیت ذلیل سمجھتی ہے "انتقام" بجائے خود کہ اس نے چند "سیدوں" کی ذہنیت پر قائم کرنے کو خلط بحث میں داخل کر لیا ہے۔ اقلیت کی ذہنیت پر ماتم سرائی کی یہ نئی قسم ہے۔ جس کی ایجاد کا فخر ان بھائیوں کو حاصل ہوا ہے۔

ایک دفعہ احساس کمتری کے جذبے نے آہنگروں کو بھی احتجاج پر ابھارا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ ایک عام جلسہ میں آہنگروں اور سنجاروں کی طرف سے عام مسلمانوں کی ذلیل ذہنیت اور افسوسناک روش کی مذمت کی جائے۔ راقم الحروف کو اس قسم کی تجویز بنانے اور اس پر تقریر کرنے کی ہدایت کی گئی مگر عین جلسہ میں جب سب آہنگر اور سنجار تجویز پر تقریر سننے کے لیے چشم براہ تھے تو راقم الحروف نے ان الفاظ میں حاضرین کو مخاطب کیا:-

"اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا زور ہے، مسلمانوں کو بدنام کرنے کی مختلف چالیں چلی جا رہی ہیں، اسلامی خصوصیات کو مٹانے کا دشمنان اسلام نے عزم کر لیا ہے! آریوں اور عیسائیوں سے جب اسلامی مساوات کا مقابلہ نہ ہو سکا تو انھوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی نئی چال اختیار کی۔ انھوں نے کہا، دیکھو عام مسلمان آہنگروں اور سنجاروں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ پارچہ بافوں اور رنگسازوں کو کمینے کہکر پکارتے ہیں۔ اب دکھاؤ کہاں ہے اسلام کی مساوات جس پر مسلمانوں کا عمل ہے! یہ ہے مخالفین کی چال، جس کا سمجھنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ یہاں تمام آہنگر اور سنجار جمع ہیں۔ وہ ذرا بتائیں تو۔ انھیں کونسا مسلمان ذلیل سمجھتا ہے؟ دیکھو تمھاری مسجد کے امام ایک سنجار ہیں اور سب لوگ انکی عزت کرتے ہیں۔ رہا دیہات اور قصبات کا معاملہ، سو ایمانداری سے بتاؤ کہ وہاں ہندو تمھیں ذلیل سمجھتے ہیں یا مسلمان؟ (آوازیں۔ ہندو ہندو!) اگر کسی گاؤں کے مسلمان ہندوؤں کی دیکھا دیکھی آہنگروں اور سنجاروں کو ذلیل سمجھتے ہیں تو وہ قابل رحم ہیں۔ جس طرح انھوں نے تعزیہ پرستی، قبر پرستی، مزارات پرستی اور اولیاء پرستی ہندوؤں سے سیکھی ہے! اسی طرح یہ ذلیل ذہنیت بھی انھیں سے مستعار لی ہے۔ تم انھیں کہتے ہو کہ فلاں رسم کو چھوڑ دو کہ اس کا تعلق ہندوؤں سے ہے۔ اسی طرح تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اہل حرفہ کو ذلیل سمجھنا قطعاً غیر اسلامی حرکت ہے اسے فوراً ترک کر دو۔ بیچھے بتاؤ [illegible] کونسا مسلمان ہے جو پیشہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو ذلیل سمجھتا ہو؟" (آوازیں کوئی نہیں، مسلمان سب بھائی بھائی ہیں)۔

ان الفاظ کے بعد فضا ہی بدل گئی۔ آہنگروں اور سنجاروں کو بھی اطمینان ہو گیا۔ ورنہ اگر انصاری بھائیوں کی طرح غلطی کر کے احساس کمتری کا ثبوت پیش کر دیا جاتا تو ہمیشہ کے لیے ایک اور فتنہ کھڑا ہو جاتا۔ اور آہنگروں اور سنجاروں ہی میں بہت سے لیڈر نکل آتے جو ہاتھ گرم کرنے کی خاطر اس خطرناک تحریک کو ہاتھ میں لے لیتے اور ہر سال جلسے اور کانفرنسیں کر کے مسلمانوں کے مظالم کا رونا روتے رہتے۔ (ر، حزم)

مُسلمہ کا غیر مُسلم شوہر

پچھلے دنوں کلکتہ ہائیکورٹ میں ایک نہایت تشویش انگیز فیصلہ سنایا گیا جسکی طرف ہم مسلمان علماء، سیاسیین اور واضعین قوانین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ کلکتہ میں ایک غیر مسلم عورت نے جسکا شوہر ایڈنبرا میں ہے مفتی عمر (ڈپٹی مسجد ناخدا) کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اسکے بعد اس نے اپنے شوہر کو لکھا کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ اگر تم بھی اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ جاؤ تو سبحان اللہ ورنہ مجھے آزاد سمجھو۔ اس پر شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور دعویٰ کیا کہ تم بدستور میری اہلیہ ہو۔ معاملہ عدالت تک پہونچا۔ مسٹر جسٹس ایجلی (کلکتہ ہائیکورٹ) نے یہ فیصلہ دیا کہ مدعیہ کا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اس سے پیشتر انگریزی عدالتوں نے ہمیشہ مسلمانوں کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنے قانون شریعت کے مطابق عمل کریں۔ لیکن مسٹر ایجلی یہ کہتے ہیں کہ اگر اس قسم کا حق تسلیم کر لیا جائے تو یہ تساوی عام قانون اور پبلک پالیسی کے خلاف ہوگا۔ اسکے ساتھ ہی فاضل جج نے یہ بھی لکھا کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے۔ نہ اسلامی شریعت نافذ ہے۔ اس لیے یہاں تو برطانوی ہند ہی کے قوانین پر عمل کیا جائیگا۔

ظاہر ہے کہ جو صورت حال اس فیصلہ کے بعد پیدا ہو گئی ہے وہ بے حد خطرناک ہے۔ یعنی ایک مسلمان عورت کو ایک دنیوی قانون مجبور کر رہا ہے کہ وہ شریعت غرّاء اسلامی کے بالکل خلاف ایک غیر مسلم شوہر کی بیوی بنی رہے۔ یہاں خدائی قانون اور سرکاری قانون کا تصادم ہوتا ہے۔ اب تک ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کے پرسنل لا پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اور نکاح و طلاق وغیرہ کے مسائل میں کبھی قانون ملکی کی طرف سے مداخلت نہیں کی گئی لیکن جسٹس ایجلی کے اس فیصلہ کے بعد ہمیں اندیشہ ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی ایسے فیصلے ہونے لگینگے۔ اس سلسلہ میں ہم حضرات علماء اور مجالس مقننہ و قوانین ہند کے مسلمان ممبروں کی توجہ اس ضروری امر کی طرف متوجہ کراتے ہیں۔ وہ جلد سے جلد متحرک ہوں اور شریعت اسلامی میں قانون انگریزی کی اس ناواجب و شرمناک مداخلت کو ہمیشہ کے لیے روکنے کی فکر کریں۔ اگر ممکن ہو تو نور جہاں بیگم (مذکورہ نومسلمہ) کی طرف سے اس مسئلہ کو پریوی کونسل تک پہونچایا جائے۔ اور نہ صرف اس شریعت کش فیصلہ کو بدلوایا جائے بلکہ آئندہ قانون سازی کے ذریعہ سے اس قسم کے تصادم کو غیر ممکن بنا دیا جائے۔

(انقلاب)

والذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئک هم المتقون

(اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۶ؔ
بیرون ہند سے سالانہ
۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ آنہ

ہفت وار
صدق
لکھنؤ

نمبر ۳۷ | دوشنبہ ۶ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

اعداد شائع ہوئے ہیں، کہ امریکہ میں نیویارک سے سین فرانسسکو تک یعنی مشرقی سرے سے لیکر مغربی تک کل مسافت ۳ ہزار میل کی ہے۔ اس فاصلہ کے طے کرنے میں ۱۱۰ سال کے اندر ترقیاں حسب ذیل ہوئی ہیں:—

سنہ ۱۸۳۰ء میں یہ فاصلہ بیل گاڑیوں کے ذریعہ پورے ۶ مہینے میں طے ہوتا تھا۔
سنہ ۱۸۵۰ء میں گھوڑا گاڑی اور ریل کی مدد سے بجائے مہینوں کے ۲۴ دن میں طے ہونے لگا
سنہ ۱۸۶۰ء میں گھوڑے کی ڈاک اور ریل سے کل ۱۲½ دن میں ”
سنہ ۱۸۶۹ء میں ریل کا پورا سلسلہ قائم ہوگیا۔ اور یہ سفر صرف ۷ دن کا رہ گیا۔
سنہ ۱۹۰۵ء میں اسپیشل ٹرینوں نے دنوں کو گھٹا کر گھنٹے بنایا، اور مدت کل ۷۰ گھنٹوں کی رہ گئی۔
سنہ ۱۹۲۰ء سے طیارہ اور ٹرین کی مدد سے مدت صرف ۷۲ گھنٹوں کی رہ گئی۔
سنہ ۱۹۲۱ء سے طیارے رات اور دن چلنے لگے اور مدت گھٹ کر ۳۳ گھنٹوں سے کم رہ گئی
سنہ ۱۹۲۴ء سے باضابطہ ہوائی ٹائم ٹیبل کے لحاظ سے مدت ۳۲ گھنٹوں کی رہی۔
سنہ ۱۹۳۲ء میں ہوائی ڈاک نے مدت گھٹا کر کل ۱۹½ گھنٹوں کی کر دی۔
سنہ ۱۹۳۰ء میں مزید ہوائی ترقیوں سے مسافت صرف ۱۵½ گھنٹوں کی رہ گئی۔

خلاصہ ترقیوں کی اس روداد کا یہ ہے، کہ مہذب و ترقی یافتہ انسان، جہاں تک اڑ کر جا پہونچنے کا تعلق ہے، اپنے باپ دادوں کا تو خیر ذکر ہی نہیں، ہوا میں اڑتے رہنے والے پرندوں سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ اور ترقی کے اس دوڑ میں چیل اور کوے، کبوتر اور باز اور گدھ، اور عقاب کو اپنے سے کہیں پیچھے چھوڑ گیا ہے!— لیکن اسی امریکہ میں، اسی ترقی یافتہ ہوا باز امریکہ میں، کبھی یہ سوال بھی اٹھا ہے، پیدا ہوا ہے، کہ خود انسانیت [illegible]

دتو ناہے، یا بیمار و مضمحل ہے؟ زندہ بھی ہے یا مرچکی ہے؟ جانیں کہاں تک محفوظ ہیں؟ قتل، دن دہاڑے ڈاکے، لوٹ مار کے حادثوں کا اوسط سالانہ، ماہانہ، روزانہ کیا ہے؟ واقعات خودکشی کے اعداد کیا ہیں؟ اسباب خودکشی کیسے نئے نئے رونما ہوتے آتے ہیں! قتل و ہلاکت کی جو جو تدبیریں، جو جو طریقے بیسویں صدی کے مہذب انسان نے ایجاد کرلیے ہیں، اگلوں کے کبھی خواب و خیال میں بھی آئے تھے؟ مال ایک انسان کا دوسرے انسان کے ہاتھوں کس حد تک محفوظ ہے! جائدادیں ایک کی دوسرے کی طرف خواہ چھین جھپٹ کر، خواہ مکر و خیانت اور جعلسازی سے، کس سرعت سے منتقل ہو رہی ہیں! ناموس ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے ہاتھوں کب محفوظ ہے؟ ماں باپ، بھائی، بہن، عزت کسی کی بھی محفوظ ہے؟ شہوت پرستی اور ہوس رانی کے جو طریقے آج ہر کالج، ہر اسکول میں عام ہو چکے ہیں، پہلے ادھر کسی کے ذہن رسا کی بھی رسائی ہوئی تھی؟

اور موقوف امریکہ ہی پر کیوں رکھیے۔ یورپ کے ایک ایک ملک کا کیا حال ہے۔ برطانیہ اور فرانس اور جرمنی اور اطالیہ اور روس، سیاسی حیثیت سے، نظام حکومت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے کیسے ہی ضد ہوں، نازی ہوں، سوشلسٹ ہوں، امپیریلسٹ ہوں، کوئی ہوں، اور انھیں کے شمول میں جاپان کو بھی رکھ لیجیے۔ تہذیبی امراض اور روحانی وباؤں میں، کیا امریکہ سے بہت کچھ، یا کچھ بھی مختلف ہیں؟ اور پھر یہی ”ترقی“ خود آپ کے یہاں، اس کا قدم جہاں جہاں پڑ چکا ہے، وہ ترکی ہو یا ایران، مصر ہو یا شام، عراق ہو یا خود ہندوستان، وہاں کیا حال ہو رہا ہے؟ جاگ رہی اور جی رہی کون سی چیز ہے، اور سو رہی اور مر رہی کون سی چیز ہے؟ انسان نے اپنی انسانیت بیچ کر اسکے عوض حاصل کیا کیا؟ محض حیوانیت! اور حیوانیت میں بھی، حیوان کی زندگی سے بھی بڑھ کر حیوان کی زندگی! اور مادی سکون اور آسودگی تک سے بھی نصیب نہیں! بلکہ مہذب دنیا ہے کہ عیش و راحت کی جنت بننے کے بجائے روز بروز بنتی جا رہی ہے ہلاکتوں کا ایک جہنم زار!

اور عصبیت و قومیت کا ہرگز قائل نہیں ہو سکتا جو عرب کو عجم سے، ترک کو تاجیک سے، یا افغانی سے ہندی کو جدا کر دے" (ہمدرد - ۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء)

القائد مسلمانانِ ہند کے سب سے محبوب اور محترم سردار محمد علیؒ کے ہیں۔ اور ہمدرد کے اُس دور میں لکھے، جسکے بعد کبھی پرچہ ہمدرد کا نہ نکلا۔ بار بار یورپ جانے کے بعد ایک بار پھر ۱۹۲۸ء میں محمد علیؒ پھر یورپ گئے تھے بیمار ہو کر اپنے علاج کے لیے۔ دو مہینوں یورپ میں رہ کر ترکی، شام اور عراق کی راہ سے دسمبر میں ہندوستان واپس آئے تھے۔ تازہ ترین تجربہ و مشاہدہ لیے ہوئے۔ جو خیالات ان سطروں کے لیے محض خبر اور سماع کا درجہ رکھتے ہیں، انکے لیے چشم دید تھے۔ اپریل ۱۹۲۹ء میں ہمدرد ہمیشہ کے لیے بند کیا (اور اسکے بعد جیے بھی کتنے دن؟ کوئی پونے دو برس!) اور یہی تھے آخری نمبر کے الوداعی مضمون کے آخری فقرے جو الفاظ سپردِ قلم فرما گئے — آخر عمر میں بہت کچھ لکھ کر سیکھنے کے بعد، بڑے بڑے تلخ تجربے اٹھانے کے بعد، آخری عزم یہی قائم کیا تھا، کہ باقی حصہ عمر وطنیت کے اس تحفہ ملعون کو جس نے ترکی اور شام اور ایران کو تو تباہ ہی کر رکھا تھا، اور جو ہندوستان میں [illegible] شروع کر دی تھی، یورپ ہی نے ایجاد کرنے دیا، اور تجدد کے خلاف جہاد کرنے میں گزار دیں۔ شدید بیماریوں اور پھر موت نے مہلت پانی نصیب ہی نہ کی۔ تندرست اور زندہ رہ گئے ہوتے، تو عجب کیا کہ ہندوستان یا کم از کم اسلامی ہند کا نقشہ آج کچھ اور ہی ہوتا!

اسلامی نظام حکومت کی تدوین

ایک صاحب علم حیدرآباد سے صدق ۲۳ کو پڑھ کر، اسلامی نظام حکومت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:—

"ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے تبادلۂ خیال نے ناگوار صورت اختیار کر لی ہے۔ اس موضوع پر جدید علمی کتابوں سے سوالات و تنقیحات قائم کرنے میں مدد لینی تو لازمی سی معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان سے استفادت نہ کیا جائے — آپ نے خود بھی جدید ماہرین فن اور ماہرین علوم دین کے تعاون سے کام کی تکمیل کی تجویز پیش کی تھی۔"

غالباً بحث سے پہلے کے لیے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دو مقصد الگ الگ ہیں۔ ایک تو ہے مسلمانوں کی سیزدہ صد سالہ، خصوصاً خلافت راشدہ کے دور حکومت کی سیاسی، معاشی، و معاشرتی مکمل تاریخ۔ اسکے لیے ضرورت ہے بے شبہ بہت بڑے کتبخانہ کی، بڑی چھان بین، بڑی دیدہ ریزی کی اور بہت سے اہل علم کے تعاون کی۔ لیکن اس سے جو چیز ہاتھ آئیگی، وہ موجودہ دور کے "علمی" مذاق کے معیار سے کیسی ہی قابل قدر ہو، بہرحال اسلامی نظام حکومت کی تفسیر و تعبیر نہ ہوگی۔ دوسری چیز ہے اصل اسلامی طرز حکومت کو سمجھنا۔ سو اسکے لیے صرف قرآن مجید پر غور و تدبر کافی ہے، اور سنت رسولؐ سے اسکی تشریح و تفصیل کے۔ جتنا کتاب اللہ اسی موقع کے لیے ہے۔ کتاب و سنت نے جن مسائل سے بحث ہی نہیں کی ہے، وہ حقیقۃً اس قابل ہی نہیں کہ انھیں مسائل کا درجہ دیا جائے۔ یہ تو آج کا غلط ماحول، ناقص فضا ہے، جس نے اُنھیں مسائل کی اہمیت دے رکھی ہے۔ اور اصل کام تو اسی فضا کو بدلنا، اسی ماحول میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ جب صحیح فضا قائم ہو جائیگی، تو آجکل کے عظیم الشان مسائل خود اُس وقت قابل مضحکہ نظر آئینگے۔ اسلامی نظام حکومت کی تدوین کا کام اصلاً اُن لوگوں کے کرنے کا ہے، جو تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کی نعمتوں سے سرفراز ہیں۔ ضمناً دنیا کے ہر قسم کے اہل علم سے مدد لی جا سکتی ہے اور لی جانی چاہیے۔ مقصود گزارش صرف اسقدر ہے کہ اصل اور فرع اور پھر فرع در فرع کے درمیان فرق مراتب ہر صورت ملحوظ رکھنا چاہیے۔

لڑکوں کا بڑھاپا

"محمود آباد ہوسٹل یونین (لکھنؤ یونیورسٹی) کا سالانہ مشاعرہ [illegible] یونیورسٹی کی طالبات سوسائٹی کے حق میں ایک فتنہ بن، بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ زنانہ ہوسٹل کی وارڈن مسز واسنجو، مس زرین حبیب اللہ اور خود وائس چانسلر شیخ محمد حبیب اللہ نے تحریک کی مخالفت پُرجوش طور سے کی۔ زنانہ ہوسٹل اور زنانہ دارالاقامہ، کالج کی لڑکیوں کی بڑی تعداد بھی اخلاقی کمک کے لیے آگئی تھی۔ اس پر بھی اکثریت کے ووٹ انھیں نہ حاصل ہو سکے اور اصل تحریک منظور ہوگئی" (پائنیر)

خبر میں اسکے بعد یہ کچھ درج نہیں کہ "دقیانوسیت" اور "رجعت پسندی" کے اس مظاہرہ پر "شرم شرم" کے نعرے کتنے بلند ہوئے، اور طنز و تحقیر کے آوازے کتنے کسے گئے! —— مطلب عام ہے اسی "مٹیا محل" یونیورسٹی پر "روشن خیالان" و تجدد نواز حلقوں سے تبصرہ کے لیے، اور شاید تبرے کی بھی!

شیطانی آواز

"وہ ایک شیطانی آواز ہے جو خواتین کو بہلانے کے لیے ہندوستان کے بعض حلقوں میں اُٹھائی جا رہی ہے کہ جو لوگ اُنھیں گھر میں رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں اپنے مردانہ اقتدار کو قائم رکھنے کی تمنا میں ایسا کر رہے ہیں! خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ مردانہ اقتدار فطری ہے اور اس کا ثبوت یہی ہے کہ جب کبھی مردانہ اقتدار خود غرض اور نفس پرست بن گیا تو اس نے عورتوں کے حقوق اور اُنکے مردوں کے ساتھ برابری کی صدا بلند کی اور اُنھیں اپنا "ہمدوش" کر لیا۔ اور جب اس میں تقوی اور طہارت پیدا ہوئی تو اُس نے اُن سے پردہ کرانا چاہا اور انھیں گھروں میں بھیج دیا۔ خواتین نہ اپنی مرضی و اقتدار سے گھروں کے باہر آئیں اور نہ اپنی مرضی و اقتدار سے گھروں میں گئیں! انھیں مرد کی شیطان زدہ آواز سے بچنا اور حقیقی موقف پر قائم رہنا چاہیے۔ انھیں اپنی عقل سے محسوس کرنا چاہیے کہ وہ مردوں کے برابر بنائی نہیں گئی ہیں اور جان لینا چاہیے کہ جو آواز انھیں برابر کہہ رہی ہے وہ طاغوتی ہے۔"

یہ صدا سے تجدد کو شیطانی اور طاغوتی قرار دینے والی آواز کہیں اور سے نہیں، نظام حیدرآبادی سے بلند ہوئی ہے۔ عین تجدد کے پڑوس سے! — پرانی مثل ہر فرعونے را موسیٰ کا کوئی مصداق اس سے بڑھ کر دلچسپ اور کیا ہوگا؟ اللہ نے پھر ایک بار سچ کر دکھائی عارف رومؒ کی بات —

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ہر کجا فقرے نوا آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ہر کجا پستی ست آب آنجا رود

ایک نام گم ندوی کا دوسرا پیام

ندوہ کی برادری کے نام

نمبر (۲)

محترم بزرگوں اور ہمعصر دوستوں سے قطع نظر براہ راست اپنی جماعت کی طرف آیئے۔ طلبہ قدیم یا "اولڈ بوائز"، یا اگر اسکا لفظی ترجمہ "پیر بچہ" بولنے لگیئے۔ اور یہ میر محفل اپنے جانے پہچانے سید الطائفہ سید سلیمان کو پایئے۔ وقت کے ہر فتنہ کا مقابلہ آج ان سے بڑھ کر کس نے کیا ہے؟ اور ملت کی ہر اجتماعی ضرورت کے موقع پر ان سے بڑھ کر کون کام آیا ہے؟ سیرت سرور کائنات میں اپنے مخصوص کارنامے میں، وقت کے ونیز انھوں نے تیار کر ڈالے۔ فتنۂ انکار حدیث کے مقابلہ میں انکا قلم آج تک شمشیر قاطع۔ اسلام کا پیام ہزارہا ہزار نوجوانوں کے دل و دماغ تک انھیں نے پہونچایا۔ شکوک و شبہات کی دلدل سے ہزارہا تعلیم یافتہ انگریزی خوانوں کو انھوں نے نکالا۔ خود آپ کے اس فخریہ مطبوعات کا جو ایک علوم و معارف نسوانہ ہے، اسکے منزلوں کا توڑ سب سے بڑھ کر انھیں نے کیا۔ اور پھر اسکے ساتھ انکے رفیقوں، شاگردوں کی جو سرگرم اور کارکن ایک پوری جماعت موجود ہے، قابل فخر بھی اور قابل قدر بھی۔ وہ بھی آخر سب ندویوں ہی کی ہے، یا کسی اور کی؟ دار المصنفین کے کارنامے ہندوستان ہی سے نہیں، ماشاء اللہ بیرون ہند سے بھی داد حاصل کر چکے ہیں، لیکن خود یہ ادارہ اگر اور ندویوں ہی کا ساختہ پرداختہ اور ندوہ ہی کا ایک پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ اور وہاں کے مشہور و معروف منیجر صاحب جنکے وجود "مسعود" سے ہم اس وقت بھی سرفراز ہو رہے ہیں، بہ حیثیت "قوال" جیسے بھی کچھ ہوں، انکے "فعّالی" ہونے اور ملی معاملات میں انکی زبردست عقلیت سے کس منکر کو بھی انکار ہے؟

اعظم گڑھ ہی کے ایک گوشہ میں ایک چھوٹے سے قصبہ میں خدمت قرآن کا جو کام انجام پا چکا یا اب انجام پا رہا ہے، اور وہاں کی زندگی کی قابل رشک صفائی اور سادگی، یہ سب آپ کے ندوہ ہی کا فیض ہے۔ ندوہ کے پڑوس کا کلیۂ تعمیر گرام بھی کس طرح آپ کے ندوہ ہی کی علمی روحانیت سے جگمگا رہا ہے۔ حیدرآباد کی اہم علمی، دینی، تصنیفی زندگی میں ندوہ کا جو ہاتھ ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ جوان مرگ عبد الرحمن نگرامی مرحوم جیسے جوان صالح اور جامع علم و عمل فرزند کیا ہر مدرسہ کے نصیب میں ہر روز آتے رہتے ہیں؟ دکن، بمبئی، دہلی، پنجاب، بہار، یو۔پی، بنگال، ہندوستان کے مختلف علاقوں کی تعلیمی اور تدریسی زندگیوں میں آپ کے دار العلوم کا عنصر کہاں موثر نہیں؟ صحافت جہاں کہیں بھی ندویوں کے ہاتھ میں ہے، خصوصاً علیگڑھ اور بمبئی، اپنی متانت و شرافت کا امتیاز قائم کیے ہوئے ہے۔ جامعہ ازہر جیسی دنیائے اسلام کی ممتاز ترین درسگاہ پر جو گہرا اور عظیم الشان نقش آپ کے ایک بھائی ابھی حال ہی میں چھوڑ گئے ہیں، وہ ہمارے اور آپ کے فخر کیلئے بس ہے۔ دین کی تڑپ اور تبلیغ دین کی دھن کی مجسم مثال دیکھنی ہو، تو، اللہ انھیں نظر بد سے محفوظ رکھے، اور انکے اخلاقی صالحیتوں کو پختہ سے پختہ تر کرے، اسی مجمع کے اندر علی میاں کو دیکھ لیجئے۔ خود دار العلوم اور مجلس ندوہ کو بھی کہنا چاہیے کہ اس وقت مدت سے آپ ہی کی برادری کے ہاتھ چلا رہے ہیں۔ ناظم ندوہ ندوی، معتمد تعلیم ندوی، مہتمم دار العلوم ندوی، وقس علیٰ ہذا۔ پھر مدرس، تاجر کی جگہ تاجر، طبیب کی جگہ طبیب، ایڈیٹر کی جگہ ایڈیٹر، غرض اجتماعی زندگی کا کونسا شعبہ ہے، جہاں آپ کے بھائی بندوں کو ایک نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل نہیں؟ اور ندویت ان سب میں مشترک۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جنھیں براہ راست اسلام کی خدمت کے موقعے حاصل نہیں۔ یہ اپنے مختلف عہدوں اور منصبوں سے اہل اسلام کی خدمت کر کے بالواسطہ اسلام ہی کے خادموں کی فوج میں داخل ہیں۔ مقصود ان مثالوں کے پیش کرنے سے، ان ناموں کے یاد دلانے سے اپنی جماعت کی بڑائی جتانا نہیں، اپنوں کو چمکانا نہیں، صاحب نعمت اور منعم کے ادائے شکر کے ساتھ اپنے کو ان فرائض کی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا ہے۔

کوئی کہاں تک گنتا رہے، کوئی کہاں تک سنتا رہے، ایک ایک نام کو، ایک ایک کے کام کو۔ بحمد اللہ آپ ہی کے قائم کیے ہوئے دینی ماحول کی برکت اور تبلیغی فضا کا اثر ہے کہ یاجوجیوں اور ماجوجیوں کی زد آج جہاں بھی اور جب بھی دین پر پڑتی ہے، یہ آپ کا ندوہ ہی ہے کہ سب سے پہلے تڑپ اٹھتا ہے، اور پہلی ہی آواز پر آپ کے ارکان، اساتذہ، طلبہ، سب کے سب دوسروں کا انتظار کیے بغیر جوانمردانہ باہر نکل آتے ہیں، اور مجاہدانہ ڈٹ جاتے ہیں۔ کانھم بنیان مرصوص کے مصداق، السابقون الاولون کے مرتبہ سے سرفراز! اس کا حال کوئی آج فتنہ فروش کے دل سے پوچھے، جس کی مرتدانہ تبلیغ تھی۔ یوں اب ہر دوسرے عالم ہو چکی ہیں۔ اسکے ہر حربہ کو کند کر دینے والی جماعت سب سے بڑھ کر یہی ندوہ کے فرزندان قدیم و جدید کی نکلی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اپنے چھوٹے بھائیوں، یعنی موجودہ طلبہ کی مشکلات کا اندازہ کیجئے۔ انکی کڑی آزمائشوں کو نظر میں رکھیے، شہری زندگی کے عام فتنے اور بلائیں، جو ہر بڑے مرکز کی طرح، اس شہر پر بھی مسلط ہیں، انھیں چھوڑیئے۔ صرف یہ دیکھئے، کہ یہ کس سن میں اور کہاں رہ رہے ہیں؟ انکے پڑوس، عین پڑوس میں کون سی عمارتیں، عظیم الشان، لق و دق عمارتیں ہیں؟ یہاں کے دن گزرتے رہتے ہیں، اسٹرائکوں، مطالبوں، مظاہروں کے نعروں میں، اور راتیں بسر ہوتی رہتی ہیں سنیما اور گراموفون اور ریڈیو کے نغموں میں؟ آپ کے عزیز اگر اس فضا اور اس ماحول میں بھی، اپنا تقویٰ اور اپنی شرافت قائم رکھے ہوئے سکون و یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم یا تدریس میں مشغول ہیں، تو اسے اللہ کی رحمت اور فضل و کرم کے بعد، اور کس چیز پر محمول کیا جائے، بجز آپ حضرات کے اسوۂ حسنہ کے، بجز آپ حضرات کی قائم کی ہوئی روایات اسلامیت و شرافت کے؟

خطبہ "اولڈ بوائز" کے جلسہ کے حدود سے بڑھ چلا۔ سامعہ نوازی کی جگہ سامعہ خراشی دیر تک ہو چکی، اور عجب نہیں کہ سامعین کی جبین تحمل پر بل پڑنے لگے ہوں۔ ساری گفتگو چلی تھی اس پر کہ خود شناسی پیدا کیجیے، اپنے کو پہچان تو لیجئے۔ اپنی اس خودی کو قائم رکھیے، زندہ رکھیے، اپنی اس روشنی کو مدھم نہ ہونے دیجیے۔ اور وہ خودی ہے کیا؟ فلسفۂ خودی کے مشہور اسرار شناس اقبال کے الفاظ میں :-

خویش را دریاب از ترکِ فرنگ!

ندوہ کی خودی، ندویت، بس اسی "ترکِ فرنگ" کا دوسرا نام ہے۔

در گزر از جلوہ ہائے رنگ رنگ
خویش را دریاب از ترکِ فرنگ

ماضی و حال کا سرسری جائزہ ہو چکا، اب مستقبل کے لیے پیام مختصر لفظوں میں سن لیجیے، اور یہی مقطع کا بند ہے۔

سب سے پہلی عرض یہ ہے کہ ندوہ آپ کا ہے، آپ بھی ندوہ کے ہو جائیے۔ اسے اپنا سمجھیے، اسے اپنی زندگی کا ایک جزو بنا لیجیے۔ کارکنوں پر نکتہ چینی سے بڑھ کر آسان اور نفس کو خوش کرنے والا کوئی مشغلہ نہیں۔ کیا اچھا ہوتا، کہ ہم بجائے اسکے خود اپنی ذمہ داریوں کی فکر میں لگ جاتے۔ خود ہم نے آج تک کارکنوں کو کیا مدد دی؟ اپنے وقت عزیز کا کتنا حصہ ندوہ کے کاموں کے لیے نکالا؟ اپنی آمدنی میں سے اپنے اس عزیز دارالعلوم کو کس حد تک شریک کیا؟ اپنے صاحب اثر عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو اس کی اعانت پر کہاں تک توجہ دلائی؟ غرض یہ کہ اپنے ندوی ہونے کے فرائض کہاں تک ادا کیے؟ ——— "جرمنی، جرمنوں کے لیے" "ہندوستان ہندوستانیوں کے لیے" ان دونوں کے نعرے آپ نے بارہا سنے ہونگے۔ آپ کا نعرہ اسی ردیف و قافیہ میں یہ ہونا چاہیے "ندوہ ندویوں کے لیے"۔ بہ لحاظ حقوق بعد کو، بہ لحاظِ فرائض پہلے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی اس انجمن پر دل سے توجہ دیجیے، اس میں از سر نو روح پھونکیے۔ اسے فعّال بنائیے۔ کوئی انجمن اس طرح زندہ نہیں رہ سکتی، کہ بس سال میں ایک جلسہ کر ڈالا، اور سال بھی ایسا جو کبھی ۱۲ مہینے کے بعد آیا، کبھی ۲۴ مہینے کے بعد، اور کبھی اسکے بھی بعد! اس باب میں سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اُن طلبہ پر جو مرکز میں مقیم ہیں، اور دارالعلوم یا دفتر ندوہ سے کسی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ ان میں بعض پیکرِ عمل بھی ہیں، اور انکی معمولی سی توجہ و مستعدی اس مشکل کو حل، اور اس داغ کو انجمن کے دامن سے دور کر سکتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ انجمن کے باضابطہ نظام سے قطع نظر یوں بھی ہر ندوی کو دوسرے ندوی کے ساتھ ایک مکمل نمونہ ہونا چاہیے اخلاص و ہمدردی کا، شفقت و رحمت کا، عزیزداری اور بھائی چارہ کا۔ مواخاۃ و یکجہتی کے لیے رشتۂ ایمانی خود کیا کم ہے۔ اس دستاویز پر تو ندویت کے بعد ایک مستحکم مہر توثیق لگ جانا چاہیے۔ مشہور ہے کہ فری میسن برادری کی ہر فرد، ایک دوسرے کے حق میں اپنے نفس سے بڑھ کر ہوا خواہ و مخلص ہوتی ہے۔ اپنے اخلاص و یگانگت کے ایسے مکمل نمونے پیش کیجیے، کہ فری میسنوں تک کو آپ پر رشک آنے لگے۔ اور مثنوی کے اس مصرعہ،

مومناں آئینۂ یکدیگر اند

کی قرأت آپ کے نسخہ میں

ندویاں آئینۂ یکدیگر اند

ہو جائے۔ طالبعلمی کے زمانہ میں عصبیت وطن وغیرہ کی کچھ نہ کچھ ضرور ہوتی ہے، اور کہیں تو مستقل صوبہ وار ٹولیاں قائم ہو جاتی ہیں۔ اولڈ بوائے ہو کر کوشش کیجیے کہ ہر عصبیت گم ہو کر رہے ندویت کی عصبیت میں۔

ترتیب کے لحاظ سے چوتھی اور آخری، لیکن اہمیت کے اعتبار سے سب سے مقدم گزارش یہ ہے کہ اپنی خودی کو خود فراموشی سے نہ بدلیے۔ اپنی خودی کو عزیز، اپنی ندویت کو ہمہ وقت بیدار رکھیے۔ ندویت نام ہے قلم سے، زبان سے، قلب سے، جہاد فی سبیل اللہ کا، افرنگیت سے کفر کا، اپنے پر ایمان و اعتقاد کا۔

اے اسیرِ رنگ پاک از رنگ شو
مومنِ خود کافرِ افرنگ شو
دانی از افرنگ و از کارِ فرنگ
تا کجا در قیدِ زنّارِ فرنگ

آپ کے درس ندویت کی بائے بسم اللہ بھی یہی تھی اور تائے تمت بھی یہی۔ یہی مبدا اور یہی منتہا۔ چاہیے کہ یہی آپ کا مقصد وجود بن جائے۔ یہی اُسکی غایت زندگی بن جائے۔ زبان پر جاری یہی قال رہے، دل پر طاری یہی حال رہے۔ اللہ کی وسیع دنیا میں چلے پھریے، چلیے پھریے، لیکن خیال یہ جما رہے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کہ آپ ہیں اللہ کے سپاہی۔ پُتلے بن جائیے غیرتِ دینی کے، پیکر ہو کر رہ جائیے حرارتِ ایمانی کے۔ بگڑ جائیے اُس سے جو آپکے دین کے ساتھ تمسخر و استہزاء کا قصد کرے۔ لڑ پڑیے اُس سے جو آپ کے آقا و سردارؐ کے ناموس سے گستاخی کی جرأت کرے۔ آنکھیں نکال لیجیے اُس کی جو آپ کے قرآن کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھے۔ تعلقات عمر بھر کے توڑ لیجیے اُس بدبخت سے جو ارتداد کی راہ کھولنا چاہے۔ یہی آپ کی جماعت کا سب سے بڑا تمغۂ امتیاز ہے اور سب سے بڑا شرف و افتخار!

کریم و کارساز! مالک و مولیٰ! چلا اپنی مرضیات پر ہم سب کو، ہمارے بڑوں کو اور چھوٹوں کو، ہمارے دوستوں کو، عزیزوں کو، ہمارے رفیقوں کو، شریکوں کو۔ لبریز کردے ہمارے سینوں کو اپنے دین کی عصبیت سے، اپنے محمدؐ کے نام کی غیرت سے! دُنیا تُل جائے تجھ سے بغاوت پر، غداری پر، ہم کو استوار رکھ اپنے رسول کی اور اپنے کتاب کی وفاداری پر! جئیں تو تیری عظمت کے نعرے لگاتے ہوئے، دم توڑیں تو تیری توحید کی شہادت دیتے ہوئے، اور اُٹھیں تو تیرے نام کا کلمہ پڑھتے ہوئے! رفیق اور ساتھی ساتھ چھوڑتے رہیں، ہٹتے رہیں، کٹتے رہیں، ٹوٹ ٹوٹ کر دشمنوں سے ملتے رہیں، پر ہمارا قدم نہ ڈگمگائے، ہماری ہمتوں میں، وفاداریوں میں فرق نہ آئے۔ جب وہ ناگزیر وقت آئے کہ سارے سہارے بودے نکلیں، اور سارے آسرے دغا دے جائیں، تو اُس وقت بھی دل کے اندر بسا ہو تیرے قرآن کا بتایا ہوا دین، اور روح کی گہرائیوں میں رچا ہو تیرے رسولؐ کا لایا ہوا آئین، اور لب و زباں پر آخری سانس کے ساتھ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دو استفسارات

رشید احمد صاحب صابر، وانمباڑی (جنوبی ہند) سے لکھتے ہیں:-

(۱) "صدق ۲۶ جلد ۵ میں آپ نے تفسیر سورۂ والشمس مصنفہ مولانا حمید الدین فراہیؒ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ لقب "امام" کا اضافہ مصنف کے قلم سے ہو یا مترجم کے، دونوں صورتوں میں حیرت انگیز ہے"

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے وعظ حقیقۃ الصبر ص ۲۶ سے ص ۳۰ تک حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ یا اسکے بجائے متعدد لقب [illegible]

(بقیہ صفحہ [illegible])

مراسلہ

تجدد کا رجز

(از جناب قاضی عبد الغفار صاحب مرادآبادی بی اے ایڈیٹر روزنامہ پیام، دکن)

نمبر (۱)

کرمی

"تجدد کا دوسرا مراسلہ" ایک ذاتی عریضہ تھا جسکو آپ نے شائع فرما دیا [یہ آج معلوم ہوا کہ جو مراسلہ کسی اڈیٹر کو اسکے پرچے ہی کے کسی زیر بحث مضمون سے متعلق لکھا جاتا ہے، اور اس پر کوئی علامت کسی قسم کی بھی اسکے ذاتی ہونے کی درج نہیں ہوتی، اس کا شمار بھی نجی کے اور شخصی خطوط میں ہوتا ہے! —— بیشک وہ تجدد ہی کیا، جو صحافت کے مسلمہ اصول تک میں "انقلاب" نہ برپا کردے! صدق] اب یہ تجدد کا تیسرا مراسلہ ہے اور وہ بھی ذاتی ہے لیکن اگر آپ اسکو بھی شائع کردینگے تو مجھے شکایت نہ ہوگی —— اس لیے کہ میں آپ کا اداشناس ہوں [اگر وہ خط بھی "ذاتی" اس معنی میں تھا جس معنی میں یہ خط "ذاتی" ہے تو یقیناً شکایت اسکے بھی "صفائی" بنا دینے سے نہ ہوئی ہوگی، اور اس یقین کے لیے تو آپ کی "اداشناسی" کی بھی ضرورت نہیں۔ صدق]

آپ بحث کے ہر پہلو کو بار بار مولانا شوکت علی صاحب مرحوم اور میرے اختلافات تک ضرور پہونچا دیتے ہیں [تضحیک، تعریض، توہین و استہزاء کے لیے جبکہ اس کا تعلق کسی خادم دین و ملت کی ذات سے ہو، تجدد کے لغت میں یقیناً سب سے زیادہ پردہ پوش لفظ "اختلافات" ہی کا ہے! صدق] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس اس زبان درازگتے کو مارنے کے لیے یہی سب سے موٹا ڈنڈا ہے [مولانا شوکت علی مرحوم کی جسامت کی رعایت سے "موٹے ڈنڈے" کا مضائقہ نہیں، لیکن "زبان درازگتے" کی ترکیب پر قاضی صاحب ذرا سکون و اطمینان کے وقت ازسرنو غور فرمائیں۔ شاعر کے قلم سے جب شعر سست اور ادیب کے قلم سے ترکیبیں جب غیرآبادیا نکلنے لگیں، تو یہ نشان انکے توازن طبع و یکسوئی دماغ کا تو ہرحال نہیں۔ صدق] لیکن میرا ضمیر اس معاملہ میں دو وجوہ سے مطمئن ہے۔ اول یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں مجھ سے کافی انتقام لے لیا تھا۔ کیا آپ بھول گئے کہ انکے اخبار کے صفحات پر میں بھانڈ اور مداری بنا کر نچایا جا چکا ہوں۔ [یہ حوالہ اگر صحیح بھی ہو تو سوال تو مولانا شوکت علی کے "بہت کافی سخت جوابات" کی بابت تھا، نہ کہ اس اخبار کی تحریروں کی بابت، جو انکی نگرانی میں نکلتا رہتا تھا۔ کیا قاضی صاحب کا ضمیر اسکی شہادت دیتا ہے کہ مولانا اور اخبار خلافت مترادف تھے؟ ان غریب کو بیسیوں مضامین کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ کیا تجدد نے تدین کے بھی کوئی نئے معنی ایجاد کرلیے ہیں؟ صدق] پھر جب مولانا خود انتقام لیچکے تو اب آپ کی یہ وکالت محض بے معنی ہے۔ اسکے علاوہ سب سے زیادہ میرے ضمیر کے لیے باعث طمانیت یہ واقعہ ہے کہ مولانا کے انتقال سے پہلے میرے انکے درمیان صفائی ہوگئی تھی اور ہم دونوں نے گزشتہ واقعات کو بھلا دیا تھا [جناب گویا آپ کی انکی ذاتی تھی! "شتام سرباز از معذرت پس دیوار" کی اس سے بڑھ کر [illegible]

میاں اور "صفائی" ہو صاحب پیام کے خلوتکدہ میں! صدق] تاہم یہ تو شاید مرحوم کو بھی معلوم نہ تھا کہ انکے بعد بھی ایسے "چست گواہ" موجود رہیں گے جو ہر معاملہ میں گڑے مردے اکھیڑا کرینگے [یہ فقرہ بھی آپ نے اسی مفروضہ کی بنا پر تحریر کیا ہے، کہ مولانا کی نسبت پیام کے مسلسل حملے گویا محض ایک پرائیوٹ اور ذاتی حیثیت رکھتے تھے، جن سے مسلم پبلک کو کوئی تعلق ہی نہ تھا! یہ غلط فہمی اگر دور ہو سکے، تو اچھا ہے۔ صدق] اور اپنے زور قلم کا برا منائیں اور اسی کو سمجھینگے کہ جب عبد الغفار انکی رائے کی غلطی "فلاں کے خلاف" کوئی حرف لکھے [خواہ وہ "حرف" خادمان ملت کے لیے کیسے ہی توہین آمیز اور خود شعائر اسلامی کے حق میں کیسے ہی فتنہ انگیز ہوں۔ صدق] اسی وقت دنیا کو یاد دلادیا جائے کہ لوگو! دیکھو یہ وہی مردود ہے جس نے مولانا شوکت علی کو برا کہا تھا! [ناظرین صدق کو آخر اسقدر ضعیف الحافظہ کیوں فرض کرلیا گیا ہے؟ آپ نے لکھا تھا کہ تعریض اور تنقید کے درمیان فرق باقی رکھنا چاہیے۔ اس پر صدق نے عرض کیا تھا کہ اس توازن کے مستحق صرف آپ کے "لازوال سردار" ہی ہیں! غریب شوکت علی بھی اسکے کسی درجہ میں مستحق ہوسکتے تھے، جن پر مسلسل حملوں سے پیام کے فائل لبریز ہیں؟ صدق کی اس گزارش کو اس رنگ میں پیش کرنا تجدد ہی کی انشاء کی صداقت کو اور زیادہ بے نقاب کر رہا ہے۔ صدق] اس تمام شدت و حدت کا بہت ہی عجیب پہلو یہ ہے کہ جناب نے مصطفی کمال کے "تھرڈ کلاس آدمی" کہے جانے کو تو نہ صرف گوارا فرمایا بلکہ آج تک کہنے والے کی تائید میں اپنا زور قلم صرف فرماتے ہیں [یہ عقدہ آج تک حل نہ ہوا کہ کسی دنیوی مدبر کو اسکے افلاس تدبر و ناکامی کی بنا پر "تھرڈ کلاس" کہہ دینا کیا کوئی گالی ہے؟ کچھ اسکی نیت پر حملہ ہے؟ اسکے پرائیوٹ چال چلن کی پردہ دری ہے؟ آخر کیا ہے، جو تجدد کے چڑھے ہوئے تھرمامیٹر کو آج تک اترنے نہیں دیتا؟ شکایت تو مولانا ابو الاعلیٰ سے یہ ہونی چاہیے تھی کہ جرائم کی شدت و نوعیت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے مجرم کے لیے ضرورت سے زیادہ نرم و ملائم لفظ استعمال کیا۔ صدق] لیکن اگر کوئی شخص کسی ہندوستانی لیڈر حتی کہ [بہت ہی پر لطف، عجیب و معنی خیز ہے یہ "حتی کہ"! اسفل و رذالت کی انتہائی گہرائیوں کے اظہار کے لیے اس سے بلیغ تر پیرایہ اور کیا ہوسکتا تھا! صدق] ظفر علی خاں صاحب کی پبلک زندگی پر بھی اشارۃً کچھ عرض کرنے کی جرأت کرے تو وہ آپ کی نظر میں قابل تعزیر قرار پاتا ہے [بنیادی مرکزی نقطۂ نظر پر آپ اب آگئے۔ تجدد کی بارگاہ میں قابل عزت (شاید قابل پرستش) صرف دنیوی کامیابی، مادی فتحمندی، اقبالمندی ہے۔ اور اس لیے "لازوال سردار" قابل صد عزت و تکریم۔ ٹھیک وہی معیار، جو "صاحب" کے ہاں عزت و تکریم کا ہے اور جسکی بنا پر فرنگی مورخین کے نزدیک حضرت عمرؓ کا مرتبہ، حضرت عثمانؓ و علیؓ کا تو ذکر ہی نہیں، حضرت ابوبکرؓ، بلکہ خود رسول اللہ صلعم سے اعلیٰ و افضل ہے! صدق غریب کے نزدیک تھوڑی بہت عزت کے حقدار اسلامی ہند کے خادم اپنی پھٹی ہوئی بوسیدہ وردیوں ٹوٹے پھوٹے زنگ خوردہ ہتھیاروں کے باوجود بھی ہیں! صدق] ہندوستان کے ایک اخبار نویس اور ایک سیاسی لیڈر کے حق میں یہ گرمجوشی اور ترکوں کی قوم کے ہیرو کے متعلق یہ بے تکلفی! [اسے کیا کیجیے گا کہ وہ اخبار نویس یا سیاسی لیڈر بہرحال مسلمان ہے، اور ہاتھ پیر مار رہا ہے اسلام کی خدمت کے لیے۔ محض "قوم کا ہیرو" نہیں ہے، نہ "ترکی قوم" کا، نہ جیمنر قوم کا، نہ روسی قوم کا، نہ جرمن قوم کا! یہاں اس لیڈر کی عزت

اسلام کی عزت ہے، وہاں اُس "ہیرو" کی تنظیم "قوم" کی تنظیم ہے، تجدد کی تنظیم ہے، لادینی کی تنظیم ہے۔ صدق] مولانا! غصہ کی گفتگو میں توازن باقی نہیں رہتا۔ غصہ کی یہی پہچان ہے [یہاں تو ایسے اہل قلم بھی پڑے ہوتے ہیں جنکے ہاں "توازن" بغیر غصہ کے بھی مفقود رہتا ہے۔ اس مستقل عدم توازن کو پہچان کس چیز کی قرار دیا جائے؟ صدق] ظفر علی خاں اگر آپ کی بارگاہ سے نصیحتوں کے مستحق ہیں [جی نہیں، نصیحتوں کے مستحق تو حضرت اسلام کے باغی ہوسکتے ہیں۔ صدق] تو اسے کاش کہ بیچارہ مصطفےٰ کمال بھی زیادہ نہیں صرف ایک ہی حرف خیر سے سرفراز کیا جاتا! [اے کاش اُس "بیچارہ" کی اسلامیت کے ثبوت میں، اس طویل مراسلہ میں دو ہی چار واقعات کی جگہ نکال لی جاتی! صدق]

آپ کے حقیقی احساسات کی ترجمانی کرنا ہی سب سے بڑی خطا ہے [اور آپ کی عدالت میں سب سے بڑھکر جرم متجدد کے نقیہ کو بے نقاب کرنے رہنا ہے۔ صدق] جس کی بنا پر کبھی مرحوم و مغفور مولانا شوکت علی کو مہرہ بنا کر مجھے شہ دی جاتی ہے۔ اور کبھی ظفر علی خاں آپ کی بساط کے "پیدل" بنائے جانے کی عزت حاصل کرتے ہیں! [تجدد کی تبلیغ کا یہ گر بہت خوب ہے کہ کبھی تجدد کے اصل خیالات و عقائد کی ذمہ داری براہ راست اپنے اوپر نہ لی جائے، بلکہ ہمیشہ کسی مشہور شخصیت کی آڑ میں اپنے کو رکھا جائے، اور جو گستاخ اس طلسم کو توڑنا چاہے، اسکو آخر اس پر کیسے صبر کرے، کیسے نہ اس پر بپھرے اور بگڑے؟ صدق] ابھی تو بہت سے سیدان ظلام باقی ہیں جن پر میں تنقید کرتا رہا ہوں، ان سب کے نام لیجیے — تا آنکہ نوبت یہاں تک پہنچے کہ اجی! اس مردود نے تو ایک دفعہ ہمارے صحابہ کے دارو غہ پر بھی تنقید کی تھی! یاد نہیں آپ کو! — [صحابہ کے دارو غہ پر تنقید تو یاد نہیں، البتہ یہ یاد ہے کہ ایک مرتبہ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کے مرتد ہوجانے کا چرچا اخبارات میں ہوا تھا۔ سب مسلمان اخباروں نے اس پر لے دے کی تھی۔ اس وقت بھی یہ شرف صرف پیام ہی کے حصہ میں آیا تھا کہ اس نے اُلٹے ان اخبارات کو ڈانٹا تھا، اور بالواسطہ حمایت و حوصلہ افزائی ارتداد کی کی تھی۔ صدق] ایک پورا بہی کھاتہ تیار کیجیے کہ کس کس کو میں نے کیا کیا کہا ہے اور مدتوں کے لیے ہر ہفتہ اس کام کے لیے محفوظ کردیجیے۔ اجازت ہو تو "جمہور" "صباح" اور "پیام" کے تمام پرانے فائل خدمت میں ارسال کردوں؟ [پیام کے تازہ نمبر حسبِ مرد گزر رہے ہیں کیا کم ہیں کہ نئی "ریسرچ" کی زحمت گوارا کی جائے؟ خالی کہے ہوئے سے اصلی پہ اتنی توجہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بہت پرانی تحریروں کی ضرورت تو اس لیے بھی نہیں، کہ اس وقت "تجدد" اور روشن خیالی کے اتنے طبق روشن کہاں ہوچکے تھے۔ صدق]

(باقی آئندہ)

حیدرآباد کے حکومتی مذہب کی اہمیت تسلیم ہے مگر متمدن ممالک کبھی ہیں ... حیدرآباد میں ذمیوں کے ساتھ جتنی رعایتیں برتی جاتی ہیں ان کا عشر عشیر بھی دیگر ممالک عالم میں غیر سرکاری مذہب کے پیروؤں کے لیے کبھی روا نہیں رکھا گیا۔ اگر غیر مسلم طلبہ کو جبراً دینیات اسلامی کی تعلیم دی جاتی — اور ایسا کرنے کے لیے بھی ہمارے پاس آکسفورڈ و کیمبرج کی مثالیں مستند نظیریں موجود ہیں جہاں عیسائی و غیر عیسائی جملہ طلباء کے لیے انجیل کی تعلیم اب تک لازمی ہے تو پھر ایک حد تک شکایت کی گنجائش تھی۔ شعبہ دینیات کی شرکت کسی غیر مسلم طالب علم کے لیے ضروری نہیں ہے اور ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ حکومتیں ہر جگہ حکومتی مذہب کی تعلیم و ترقی زیادہ حصہ لیتی ہیں ... جامعہ عثمانیہ میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا گیا ہے وہ جملہ مذہبی ہندو ادبیات کی تعلیم کا بندوبست تو ہے اور روز بروز ہوتا ہی جانے اور قرآن و حدیث و فقہ کو وہاں سے خارج کردیا جائے۔ یہ ایک ایسی بوالعجبی ہوگی جسے (صفحۂ ہیوں کے دور میں روا نہیں رکھا جانا چاہیے" (درز ہیرو گن)

دینیات اور تعلیم دینیات

(مملکت آصفیہ میں یہ خبر گرم ہونے پر کہ جامعہ عثمانیہ کا شعبۂ دینیات توڑ کر ایک نیم خانگی ادارہ دارالعلوم نظامیہ سے ملحق کردیا جائے گا، مجلس حمایۂ قیام دارالعلوم نے ایک مفصل محضر امیر جامعہ کی خدمت میں پیش کیا ہے، اسکے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔)

ہمیں یہ تفصیل سے بیان کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی کہ جب سے دنیا کی تاریخ قلمبند ہوئی ہے یہی پتہ چلتا ہے کہ ہر حکومت کا ایک سرکاری مذہب اور اس سرکاری مذہب کی سرکاری سرپرستی ہونا ایک مسلمہ بین الاقوامی قاعدہ اور ایک ہمہ گیر کلیہ رہا ہے۔ اور حکومتی مذہب کا انتظام، مقتدایان مذہب کا تقرر، دور کی مسلمہ بین الاقوامی قاعدہ اور ایک ہمہ گیر کلیہ رہا ہے اور حکومتی مذہب کے معابد کا انتظام، مقتدایان مذہب کا تقرر اور انکی معیشت کا تعین بہت بڑی حد تک سرکاری طور پر عمل میں آتا رہا ہے۔ اسی طرح حکومتی مذہب کے پیروؤں کی اولاد کی مذہبی تعلیم و تربیت کے لیے بھی حکومت ہی کی طرف سے انتظام ہوتا ہے چنانچہ برطانیہ میں کلیسائے انگلستان کے پیروؤں کے جملہ مذہبی امور اور بچوں کی مذہبی تعلیم کا بندوبست بڑی حد تک سرکاری طور پر حکومت کے خزانہ ہی کے اہتمام سے ہوتا ہے۔ ہالینڈ، اٹلی، جرمنی، یونان غرض ہر جگہ یہی نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ روس میں بھی جہاں کا حکومتی مذہب "الحاد" ہے وہاں بھی اس مذہب کی سرکاری سرپرستی اور تلقین زور و شور سے ہوتی ہے۔

انگلستان کی جامعات میں (بشمول آکسفورڈ و کیمبرج) ایک شعبۂ دینیات ضرور ہوتا ہے جہاں پروٹسٹنٹ مسلک کی تعلیم ہوتی ہے، کالجوں کے ساتھ گرجاؤں اور ان کے انتظام وغیرہ میں عبادتوں اور دعاؤں کو اب بھی غیر ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ بہت سے ان عیسائیوں میں بہت زیادہ غیر عیسائی ہیں۔ کلیسائے انگلستان کے متبعین کی تعداد تو اور بھی کم ہے۔ اسکے باوجود بادشاہ برطانیہ کو تخت نشینی کے وقت جو حلف لینا پڑتا ہے وہ صرف کلیسائے انگلستان کی حفاظت و حمایت کا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ برطانوی ہند میں جہاں ہر فرقہ کے عیسائی بالاکر بھی مشکل سے دو تین فی صد ہوسکتے ہیں۔ کلیسائے انگلستان کے پادریوں، گرجاؤں اور قبرستانوں کے مصارف حکومت کی طرف سے ادا ہوتے ہیں اور دونوں دستوروں میں بھی اسے ایک محفوظ مسئلہ قرار دیکر مقننہ کی دسترس سے باہر رکھا گیا ہے۔

حیدرآباد کی حد تک جامعہ عثمانیہ اور تعلیم دینیات ہی کے سلسلہ میں باب حکومت میں ۲۶ ربہمن ۱۳۲۷ف کو "بالاتفاق قرار پایا کہ چونکہ اس سلطنت کا مذہب سنی الحنفی ہے اس لیے مدارس سرکاری میں بہ عقائد حنفی مذہب کے عقائد کی تعلیم دی جانی چاہیے" جس پر ۱۱ رجب ۱۳۳۷ھ کو فرمان خسروی شرف صدور لایا کہ قدیم الایام سے یہ مسلمہ امر ہے کہ اس ریاست کا مذہب سنی الحنفی ہے تو سرکاری مدارس میں حسب عقائد مذہب فقہ حنفی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ البتہ دوسرے فرقہ والے مسلمان و غیر مسلم طلبہ کے لیے مسلمان و غیر مسلم طلبہ کے لیے یہ تعلیم لازمی نہ ہوگی بلکہ جہاں کہیں سنی طلبہ کے لیے مذہب حنفی کی تعلیم مقرر ہو وہاں تعلیم کے توازن میں مساوات قائم رکھنے کے لیے دوسرے طلبہ کے لیے جو اس جماعت میں پائے جاتے ہیں عام اخلاقیات کی تعلیم مہیا کردی جایا کرے۔" یقیناً حکومت آصفیہ

(بقیہ صفحہ ۵)

مرقوم ہے اس لیے آپ کا اظہار حیرت سمجھ میں نہ آیا۔

(۲) نظریہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ یعنی اس پر مسلمانوں کا عقیدہ رکھنا بجا ہے یا نہیں ؟"

(۱) عدم التفات ایسی چیز ہے جو اکابر کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے۔ بظاہر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت مولانا کا ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ اس لقب کے استعمال میں فی نفسہ کوئی خرابی ہے بھی نہیں، صرف التباس کی بنا پر احتیاط ہے۔ اس لیے کہ شیعی عقیدہ میں لفظ امام ایک اصطلاحی معنی رکھتا ہے (امامت شیعہ فرقہ کے ہاں ایک مستقل خداداد منصب ہے مثل نبوت کے، گو اس سے کسی قدر کمتر) اور سیدنا حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ اسے لگانا اسی معنی کے ساتھ التباس و اشتباہ پیدا کر دیتا ہے۔ ورنہ اگر التباس کا اندیشہ نہ ہو اور قرینۂ مقام سے مراد صرف تعظیم ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ لفظ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہیں کمتر درجہ کے حضرات کے لیے بھی بالکل جائز ہے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے ہر واجب التکریم شخص امام (سردار، پیشوا، استادِ فن) ہے۔ اور اس لحاظ سے حضرتؓ کا مرتبہ محض امام کیا معنی امام الائمہ کا ہے۔

(۲) نظر بد سے متعلق حدیث، آثار میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ قرآن مجید کی بھی بعض آیتوں میں اشارے اس جانب ملتے ہیں، مثلاً سورۂ یوسف میں جہاں حضرت یعقوبؑ اپنے فرزندوں کو مصر کی شہر پناہ میں طریق داخلہ کی نصیحت فرماتے ہیں۔

مراسلہ نگار کا تیسرا سوال ان شاء اللہ آئندہ پرچہ میں درج ہوگا۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل خریداریوں کی میعاد اسی ماہ فروری میں ختم ہو رہی ہے۔ براہ کرم ختم ماہ سے پہلے پہلے چندہ ارسال فرما دیا جائے۔ ورنہ مارچ کا پہلا پرچہ وی۔ پی ارسال ہوگا۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع کر دیں تاکہ وی پی نہ بھیجا جائے ورنہ بلا وجہ دفتر کا نقصان ہوگا۔

خریداران نمبر ۲۳۸ و نمبر ۴۳۰ و نمبر ۴۶۶ و نمبر ۴۷۵
نمبر ۴۹۲ و نمبر ۴۹۳ و نمبر ۶۰۲ و نمبر ۶۰۳
نمبر ۶۰۴ و نمبر ۶۰۶ و نمبر ۶۰۷ و نمبر ۶۵۶
نمبر ۶۵۹ و نمبر ۶۶۰ و نمبر ۶۶۲ و نمبر ۶۶۳
و نمبر ۶۶۴ و نمبر ۶۶۵ و نمبر ۶۶۷ و نمبر ۶۶۸
نمبر ۶۶۹ و نمبر ۶۷۰ و نمبر ۶۷۱ و نمبر ۶۷۲
نمبر ۶۷۳ و نمبر ۶۷۴ و نمبر ۸۶۰ و نمبر ۸۶۵

دولتِ ایمان کی بے پناہ قوت

(ایک مصری اہل قلم نعیم آفندی کے قلم سے)

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم نے جنگوں میں کبھی کثرت تعداد یا جنگی ساز و سامان کے بل پر کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ ہماری ساری کامیابی اس بات کی بنا پر ہے کہ جو ہمارے دلوں پر چھا گئی ہے۔" (آپ کا مطلب ایمان سے تھا) حضرت عمرو بن العاص سے دریافت کیا گیا کہ "آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ آپ محض چار ہزار فوج سے مصر کی مہم کو سر کر لیں"۔ آپ نے فرمایا کہ "گو ہم چار ہزار تھے مگر ہم میں سے ہر ایک کو اپنی فتح و نصرت کا یقین تھا۔ آخر ہمیں کامیابی حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے ملک ہمارے ہاتھوں فتح کرا دئے۔" حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ فتح شام کے موقع پر برہنہ تن ہو کر حملے کر رہے تھے۔ ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ "خدارا اپنے کو بچائیے"۔ حضرت ضرار نے فرمایا: "کمبخت کیا اپنے کو جنت سے بچاؤں؟"

جنگ بدر میں جب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، ایک صحابی نے ایک چکدار تلوار کا قبضہ پکڑ لیا اور بلند آواز سے کہتے ہوئے آگے بڑھے "افسوس کا مقام ہوگا اگر یہ جانتے ہوئے کہ میرے اور جنت کے درمیان میری زندگی حائل ہے میں اپنے کو جنت میں نہ پہونچاؤں"۔ یہ کہکر آپ تیروں اور نیزوں کی باڑھ میں نکل پڑے اور سینہ کو سامنے کر دیا۔

جنگ قادسیہ میں جسکی ہولناکی سے کون واقف نہیں، بے پناہ ایرانی فوجیں سخت گیر رستم کے زیر کمان تھیں اور ان کے آگے آگے سلاح پوش ہاتھیوں کی ایک قطار تھی جس نے مسلمانوں کی پیادہ اور سوار فوج کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ لشکر پر رعب و ہیبت چھا گئی۔ گھوڑے بھڑکنے لگے۔ نیزے اور تلواریں ان ہاتھیوں کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آتی تھیں۔ اس موقع پر جنگ قادسیہ کے نامور نبرد آزما حضرت قعقاع بن عمرو (رضی اللہ عنہما) نے بلند آواز سے کہا "کون ہے جو اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کرنا چاہتا ہے"۔ یہ سنتے ہی ہر جانب سے شہسوار جھپٹ پڑے اور ہر صف کے بہادروں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حضرت قعقاع اور انکے ساتھی پیادہ ہو گئے۔ تلواریں سونت لیں، ہاتھیوں کی کوہ پیکر دیوار کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ اور تاک تاک کر انکی سونڈوں اور مشکوں پر وار کرنے لگے۔ پھر کیا تھا۔ جو وہ چاہتے تھے وہی ہوا۔ انھوں نے ہاتھیوں اور فیلبانوں میں ایک تہلکہ اور زلزلہ ڈال دیا اور ان میں آگ ایسی لگا دی کہ اس میں سارے ایرانی جل بھن کر بھسم ہو گئے۔ رستم مارا گیا۔ اور اسکا لشکر شمشیر زنی اسلامی روح شجاعت کے سامنے تباہ و برباد ہو گیا۔

یہ تھی اسلام کی اس روح معنوی کی تابانی اور نور ایمان کی برق افشانی جس سے مسلمانوں کے دل معمور تھے جو خشک اور بے آب و گیاہ جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے چپہ چپہ تک پہونچ گئی تھی۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

نمبر ۳۸ | دوشنبہ - ۱۲ - محرم الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۰ - فروری سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

(۱) دور حاضر کے ترقی یافتہ مرد اور عورت کے درمیان تحقیق جدید کی رو سے، کچھ فرق ہے؟ اگر ہے، تو کس قدر؟

(۲) فرق اگر ہے، تو طبعی اور فطری کس قدر، معاشرتی حالات کی بنا پر کس قدر، اور تعلیم و تربیت کی بنا پر کس قدر؟

(۳) ان طبعی، معاشرتی، اور درسی اختلافات میں تخفیف یا اضافہ کی کس حد تک گنجائش ہے؟

تنقیحات پیدا کیے ہوئے کسی جمود پسند مشرقی کے نہیں عصر حاضر کے ایک نامور سائنٹسٹ اور مشہور "روشن خیال" ۔ الحاد نواز بلکہ ... پروفیسر جولین ہکسلے کے ہیں۔ جوابات بھی انھیں کے قلم سے ملاحظہ ہوں:—

"حمل قرار پاتے ہی مرد و عورت دونوں کی بناوٹ الگ الگ شروع ہو جاتی ہے، "کروموزوم" کی تعداد کے لحاظ سے۔ یعنی ان ذرات کے لحاظ سے جنکی بابت پچھلے دس سال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ وراثت کے حامل اور صفات و امتیازات پیدا کرنے والے یہی ہوتے ہیں (Essays in Popular Science ص ٦٣)

فرق بہت کچھ ہے۔ اتنا زائد کہ دونوں جنسوں کے محض مساوات کے کوئی معنی ہی نہیں "۔ (ص ٦٣)

سنہ ۱۹۲۳ء میں بورڈ آف ایجوکیشن کی طرف سے کمیٹی مقرر ہوئی تھی ثانوی اسکولوں میں لڑکوں لڑکیوں کے نصاب درس کی تحقیق کے لیے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ میں یہ تھا کہ مرد و عورت کے قوائے دماغی میں بہت ہی کم فرق ہے، لیکن

"دماغوں پر عام تو مزاج ہوتا ہے، اور مزاج کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں بنیادی فرق نہ صرف آج موجود ہے بلکہ موجود رہیگا صدیوں تک نہیں ہزارہا ہزار لاکھوں سال تک"۔ (ص ٦٣)

اتنا ہی نہیں، بلکہ آگے اور سنیے:—

"میں تو یہ پیشگوئی کی جرأت کرتا ہوں کہ دونوں جنسوں کے درمیان فرق، رفتار ارتقا ہی یہ نہیں کہ کم نہ ہوگا بلکہ جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا، اور حال میں جاری ہے، مستقبل میں رسم و رواج کے ذریعہ فرق نمایاں ہوتا رہیگا۔ (ص ٦٣)

ان روشن خیالی پر فخر کرنے والی بہنیں اور بھائی بھلے خدا غور کریں، کہ ہم "رجعت پسند" اور "جمود پرست" اس سے زیادہ کچھ بھی کہتے ہیں جتنا اس نامور برطانوی سائنٹسٹ نے کہ دیا ہے؟ اور یہ شہادت کوئی منفرد ہے؟ کتنی اور شہادتیں، کتنی بار انھیں صفحات میں، دوسرے مشاہیر کی نہیں پیش ہو چکی ہیں۔ تاریخ کے فاضلوں کی، بیالوجی کے ماہرین کی، سوشیالوجی کے محققین کی؟ ہمارا مسلک کا یہی کہ مرد اور عورت گو انسانی حیثیت سے مشترک ہیں (اور اسی بنا پر شریعت نے انسانی حقوق دونوں کے یکساں تسلیم کیے ہیں) لیکن دو الگ الگ جنسیں ہیں۔ دونوں کے قوے الگ، میلانات علحدہ، صلاحیتیں جداگانہ۔ اور اسی بنا پر دونوں کے میدان عمل ایک دوسرے سے مختلف، دونوں کے فرائض جداگانہ۔ ... ماں اور باپ دونوں اپنی جگہ پر بڑی چیز، اور بغیر دونوں کے اشتراک ... ہو سکتا۔ اور دونوں کی طرح ... پرورش ... ہم سمجھا

معراج و اسرار معراج

نمبر (۱)

(فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی وہ پر کیف و محققانہ تقریر جو ۲۷ رجب ۱۳۵۹ھ کو نشرگاہ حیدرآباد سے نشر ہوئی)

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ — یہ صحیح ہے کہ معراج اور معراجی تجربات و مشاہدات کا چرچا اب صرف مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہر سال وہی اس دن خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان ہی کی حکومتیں اس دن تعطیل دیتی ہیں۔ اسلامی ممالک میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مگر جیسا کہ معروف و مشہور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا کہ "ما کنت بدعا من الرسل" (میں رسولوں میں کوئی نیا نہیں ہوں) بلکہ مصدقاً لما بین یدیہ بناکر بھیجا گیا ہوں۔ یعنی خدا کے برگزیدوں کے ذریعہ سے جو غیر فانی سچائیاں اور لازوال صداقتیں دنیا میں تقسیم ہوئی تھیں انکی تردید و تکذیب نہیں، بلکہ ان پر تصدیق کی آخری مہر ثبت کرکے محفوظ کردینا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم کام تھا۔

سچ پوچھیے تو معراجی مشاہدات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس راہ سے جو بھی گزرے تھے انھوں نے جوکچھ دیکھا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آیا اور آپ کو بھی اس راستہ سے گزرنا پڑا تو ظاہر ہے کہ جو کچھ پہلوں کے سامنے آیا تھا طبعاً اگر یہ تمام کرنا آپکے آگے بھی آسکے۔

مگر جس طرح بہت سے دینی تجربات اور مذہبی حقائق جو بھلا دیے گئے تھے یا قریب تھا کہ بھلا دیے جائیں وہ نبیوں کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت آج زندہ ہیں۔ تعجب نہ ہونا چاہیے اگر مذہبی حلقوں کا وہ حیرت انگیز تجربہ جسکا نام معراج ہے وہ بھی آج محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام ہی سے زندہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ابد تک زندہ رہیگا۔ شاید عوام کو نہ معلوم ہو لیکن جاننے والے تو جانتے ہیں کہ مغربی ممالک ہوں یا مشرقی ان میں جس قسم کے بھی جو مذاہب و ملل پائے جاتے ہیں انکے بھولے بسرے مذہبی ذخیرے کسی نہ کسی شکل میں اس تجربہ کے ذکر سے اب بھی خالی نہیں ہیں۔ عیسائی و یہودی ادبیات میں اخنوخ نبی کی کتاب "یوحنا کے مکاشفات" پولس کی رویا" کتابوں کے سوا وصیت نامہ ابراہیم جسکے متعلق قدیم ہی نہیں بلکہ جدید محققین بھی معترف ہیں کہ مسیح علیہ السلام سے صدیوں پہلے کی کتاب ہے۔ اس میں تو کلیات ہی نہیں بلکہ معراجی واقعات کے جزئیات کا بھی ایک ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ فرشتہ کے ساتھ بارق نامی سواری پر حضرت ابراہیم کی آسمانی سیاحت اس سلسلہ میں گزشتہ روحوں خصوصاً آدم علیہ السلام سے ملاقات، آدم کا اپنی اولاد کی نیک روحوں کو دیکھ کر خوش ہونا اور بدوں کو دیکھ کر گرفتار رنجیدہ ہونا، ان تمام چیزوں کا ذکر موجود ہے۔ اور یہ تو مغربی ممالک کے مذاہب کا حال ہے۔ اندرا لوکا گمن نامی کتاب ہندوؤں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی کچھ اسی قسم کی آسمانی سیر کو ارجنیا

ملاقات زردشت کی روح اور دلیر نواوران و چینوپل وغیرہ پر ثابت ہوتی ہے وغیرہ۔ کہا جاتا ہے کہ بودھی لٹریچر میں بھی اس قسم کی آسمانی سیر و سفر کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بہر حال ایک ایسا واقعہ جس کا ذکر قرآن کے سوا تیس چالیس صحابہ سے حدیث کی صحیح و معتبر کتابوں مثلاً بخاری، مسلم وغیرہ میں ہو اور نسلاً بعد نسلٍ موروثی طور پر بتواتر ہم تک پہونچا ہو ہم تو اسکے ماننے پر اسلیے مجبور ہیں لیکن مسلمانوں کے سوا دنیا کی دوسری قوموں کے لیے بھی یہ واقعہ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اور ایک معراج کیا تمام اسلامی حقائق کا یہی حال ہے کہ بجائے نئی باتوں کے زیادہ تر لوگوں کو انکے بزرگوں کا ہی ترکہ واپس دلایا جاتا ہے جسکے یقین سے محروم ہوکر شک بلکہ بعض دفعہ تو انکار تک کے لوگ شکار ہو چکے تھے۔

مگر جہاں معراجی واقعات کا ذکر ان ادیان و مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے صرف اسکی حیثیت ایک واقعہ کی ہے یعنی یہ بات کہ "یہ واقعہ" آیا اچانک یونہی بلا وجہ کسی کے ساتھ پیش آجاتا ہے یا اسکا بھی تعلق قدرت کے کچھ مقررہ قوانین سے ہے، اور یہ کہ یہ کوئی لازمی واقعہ ہے یا دوسرے بھی اس سے اپنی زندگی کی راہوں میں نفع اٹھا سکتے ہیں)۔ شاید قرآن کے سوا اور کسی دوسری کتاب میں میرے علم کی حد تک اسکی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جس مشہور آیت میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منصب رسالت سے زیادہ عبدیت اور بندگی کے پہلو سے ہے۔ یعنی یتیمی و اسیری و غربت کے جن دردناک مصائب سے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنا پڑا اور جوانی میں ایک نہیں بلکہ متعدد پلے پوسے بچوں کی موت کا داغ، لوگوں کا اس پر "ابتر" یا بے نسل ہونے کا آپ پر طعنہ، ان سے قطع نظر نبوت کے بعد آپ کو اور آپ کی وجہ سے آپ کے ساتھیوں کو مسلسل، کہ یہ نو دس سال تک جن حالات سے گزرنا پڑا حتیٰ کہ بالآخر اسکی انتہا شعب ابی طالب کے واقعہ پر اس شکل ہوتی ہے کہ مہینہ دو مہینے نہیں، کامل ڈھائی تین سال تک مکہ والوں نے آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے کلی مقاطعہ کرایا۔ زندگی کے تمام ذرائع بند کردیے۔ پھر اسکے بعد آپ پر اور آپ کے رفقاء پر، انکی عورتوں اور بچوں پر جو کچھ گزر رہی تھی اور ان لوگوں کے کرب و بے چینی کا آپ کی نرم و پرگداز روش و رحیم فطرت پر جو اثر پڑ رہا تھا، لیکن جسکی حضرت سے یہ واقعات پیش

آرہے تھے اور بغیر کسی انتہا کے بڑھتا چلا جاتا تھا۔ سلسل پیش آرہے تھے، بجلے بیٹھنے کے اسکی طرف آپ کا بڑھتا، بڑھتے ہی چلا جانا، ہر چیز سے یکسو ہو کر وہ ذات سے ملنے اپنے کو ڈال دینا ....

اگر اس بستی کی تربیت میں آپ کے سامنے "معراج کی بلندی پیش ہوئی اور جو سب سے زیادہ گہرا ہوا تھا اگر اُسی کو سب سے زیادہ اونچا کیا گیا تو آخر سوچنا چاہیے کہ اسکے سوا دوسری صورت کی گنجائش ہی کیا تھی۔ اسلیے میں سمجھتا ہوں کہ معراجی مشاہدات" کا اگر حضور ذکر بھی نہ فرماتے تو بھی آپ کے حالات سے واقف ہیں اُنکو یوں بھی اس واقعہ پر یقین کرنا چاہیے تھا۔ خود قرآن نے جن الفاظ میں اس واقعہ کی تعبیر کی ہے اُس کا حاصل یہی ہے کہ جس نے سب سے الگ ہو کر "الاصم الاعمیٰ" (بہرے اندھے) کے آگے نہیں بلکہ "السمیع البصیر" شنوا و بینا کے آگے اپنے کو ڈال دیا تھا۔ وہ دیکھنے والے سننے والے انسان سے جب اسکی توقع نہیں کہ ایسے گرنے والے کو وہ یوں ہی پڑا رہنے دیگا۔ تو تمام رحم کرنے والوں سے جو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا "ارحم الراحمین" ہے یقیناً اُس کی ذات ایسی سنگدلی اور بے دردی کے الزام سے پاک ہے۔ بلکہ اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اُس نے رات کو اس لیے سیر کرائی تا کہ اپنی نشانیاں اُسے دکھائے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۳)

مضامین محرم

سید قمرالدین صاحب بہاولپور سے لکھتے ہیں:-

"صدق ۲۰ جنوری میں عید الاضحیٰ پڑھا۔ اللہ اس سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۱۰ ذی الحجہ اور ۱۰ محرم کے واقعات میں فرمانبرداری اور اعتقادی مماثلت کے علاوہ جغرافی مماثلت بھی ہے۔ مہربانی فرما کر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کچھ تحریر فرمادیں تاکہ مسلمانوں کو فرماں برداری اور اصولوں کی خاطر حضرت ممدوح کی طرح ایثار، قربانی اور صبر کرنے کا سبق ملے۔ اور اس واقعہ کے متعلق جو خرافات جاری ہوگئی ہیں، اُنکا ازالہ ہوسکے۔"

افسوس ہے کہ یہ مراسلہ دیر میں یعنی آخر ذی الحجہ میں وصول ہوا، صدق کے مضامین بہت پیش سے مرتب کرنے پڑتے ہیں۔ اس لیے اب کی عاشورہ محرم پر لکھنے کا تو کوئی موقع نہیں رہا، ان شاء اللہ آئندہ اگر خیال رہا تو ضرور اس موضوع پر بھی کچھ گزارش کردی جائیگی۔

مضامین حدیث

مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد نظام کالج حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں:-

"صدق ۱۹۵۰ء میں انکار حدیث کے سلسلہ میں آپ نے حدیث شریف کی حجیت دینی اور تاریخیت پر پرانے مضامین میں بعض کو نیا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون "سنت" دوبارہ اشاعت میں لانا ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کچھ مدت تک ایک مستقل عنوان قائم کیا جائے، اور بعض معرکۃ الآرا مضامین کا انتخاب شائع ہوا کرے جو مطلوبہ پہلوؤں پر حاوی ہو۔ وہ حصہ ان مضامین کے شامل ہوں۔ جدید مضامین میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا ایک عالمانہ مضمون ہے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے توسیعی لکچروں میں یہاں کے باغ عامہ میں پڑھا گیا۔ اسکا انگریزی ترجمہ بھی یونیورسٹی کی ریسرچ جرنل میں شائع ہوگیا ہے۔ ترجمان القرآن میں بھی پچھلے سال مضامین کا ایک سلسلہ شائع ہوا ہے۔"

ان مناسب مشوروں کا دلی شکریہ۔ حسن اتفاق سے اس مکتوب کے بعد ہی مولانا گیلانی کا اصل مقالہ تدوین حدیث موصول ہوگیا۔ وہ جامع بھی ہے اور دلچسپ بھی، اور پُر مغز و محققانہ بھی۔ غرض ہر اعتبار سے اس قابل ہے کہ ناظرین صدق کی خدمت میں تمام و کمال پیش کردیا جائے۔ ان شاء اللہ ایک دو نمبر کے بعد سے یعنی مولانا ممدوح کا دوسرا فاضلانہ مقالہ معراج (جو ان شاء اللہ آئندہ نمبر میں ختم ہو جائیگا) ختم ہوتے ہی شروع ہو جائیگا۔ افسوس ہے اور یہ افسوس بہت زیادہ رہتا ہے کہ صدق اپنی بہت ہی محدود و مختصر گنجائش کے باعث بہت سے قابل قدر مضامین و مقالات کی اشاعت کی سعادت سے محروم ہی رہتا ہے۔

ایک عیسائی مبلغ کا قبول اسلام

لکھنؤ، ۲۷- جنوری- ریورنڈ ایم- پال نے جو ایک مشہور و معروف عیسائی مبلغ ہیں، مسلم کلب نذر باغ لکھنؤ کے دفتر میں اسلام قبول کیا۔ اور آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ میں ایک پرانا عیسائی مبلغ ہوں اور میں نے اپنی زندگی میں بہت سے مسلمانوں کو دائرۂ عیسائیت میں داخل کیا ہے۔ میں قرآن کریم کی تلاوت اس نظریہ سے کیا کرتا تھا کہ اسکے نقائص مسلمانوں پر واضح کروں۔ لیکن قرآن کریم کے گہرے مطالعہ سے میں محسوس کرنے لگا کہ میں اسکے مطالعہ میں خاص دلچسپی لے رہا ہوں، آخر کار، اسکی حیرت انگیز تعلیمات نے میرے دماغ کو روشن کردیا۔ اور میرا روحانی تخیل بہت بلند ہوگیا۔ تاہم میں اس کشمکش و پیچ میں مبتلا رہنے لگا کہ کس طرح اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کروں۔ لیکن آج رات کو خدا کے مقدس کلام نے میرے اندر جرأت پیدا کردی کہ آپ حضرات کے سامنے انتہائی مسرت و انبساط کے ساتھ قبول اسلام کا اعلان کر رہا ہوں اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرے دائرۂ اسلام میں شامل ہونے اور عیسائیت سے تائب ہونے کے گواہ رہیں۔ میں اپنی گذشتہ زندگی پر انتہائی ندامت کا اظہار کرتا ہوں کہ میری سابقہ زندگی کے قیمتی لمحات ضائع گئے۔

آپ نے اعلان فرمایا کہ ۵ فروری کو پھر مسلم کلب نذر باغ میں اپنے اسلام لانے پر تقریر کریں گے۔

(اورینٹ پریس آف انڈیا)

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ
(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر کی معرفت ہو

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کرنا چاہیے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق
مرشدآباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؏
بیرون ہند سے سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ١؎

صدق لکھنؤ
ہفتہ وار

نمبر ۳۹ | دوشنبہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

["سچی باتیں" کیا فرض ہے کہ ہمیشہ مرد ہی کی، اور مسلمان ہی کی، اور شرقی ہی کی زبان سے ادا ہوں۔ کبھی کوئی خاتون بھی، اور خاتون بھی خاص مغربی اور غیر مسلمہ، سچی باتیں کہہ سکتی ہے۔ آج کی صحبت میں اس امکان کا وقوع ملاحظہ ہو۔ خیالات و مطالب مشہور مغربی مصنفہ اسٹارم جیمسن کے ہیں۔ اور انکے مضمون مندرجہ "ٹائمس آف انڈیا السٹریٹڈ ویکلی (بمبئی) مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۱ء سے ماخوذ ہیں۔ ترتیب و طرز ادا انکی نہیں]

۱۹۱۳ء تھا، اور ہم لوگوں کی کم سنی کا زمانہ۔ خیال کبھی بھولے سے بھی نہ آتا تھا کہ کوئی جنگ واقع ہوگی۔ جدال و قتال، مار کاٹ، لڑائی بھڑائی کام وحشی قبیلوں کا ہے۔ ہم مہذبوں کو، شایستہ لوگوں کو آخر اس سے واسطہ ہی کیا؟ بات بالکل کھلی ہوئی اور صاف تھی۔ دلیل و ثبوت کی حاجت کیا؟ سائنس نے ہماری زندگی کتنی لطیف اور کتنی محفوظ بنادی ہے!

آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ کیسا دھوکا تھا! دنیا کی جو تیزیاں سائنس کی بدولت حاصل ہوئیں، اُنھوں نے تو اعصاب جسم کو محفوظ بنانے کے بجائے کیسا چور چور کرکے رکھ دیا ہے! رہی جان کی حفاظت سو کیا کہنے ہیں! یہ سائنس ہی کا صدقہ تو ہے کہ ہوائی قاتل تین سو میل ایک گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتے ہوئے آتے ہیں، اور قبل اسکے کہ بوڑھیاں اور بچے کسی پناہ گاہ تک پہونچ سکیں، صفایا کرڈالتے ہیں!

آج اس میں شک نہیں کہ سائنٹفک زراعت کے بدولت کھیت بڑی کثرت سے پیدا ہونے لگے۔ لیکن مزہ اور قوت؟ تو بہ کیجیے۔ ایک آلو بھی وقف نہیں۔ سرغذا کے مزے و قوت کے لحاظ سے زوال ہوگیا ہے۔

لٹریچر سے وہ سبحان اللہ! کتابوں پر کتابیں چھپتی جارہی ہیں، نکلتی چلی آرہی ہیں اور یہ سارا اُبار ثمر ہے تعلیم عام کا! وہی تعلیم عمومی جس سے بڑی بڑی امیدیں تھیں! کیا خوب مذاق سلیم پیدا کر رکھا ہے اس تعلیم عام نے۔ —

دادی اماں آج زندہ ہوتیں اور گھر گھر ریڈیو اور گراموفون، اور موٹر اور بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے چلتے اور کیا اور کیا دیکھتیں، تو حیران ہوکر پوچھتیں، ارے بیٹا آخر تم لوگ کیا کرتے ہو، تمھارا وقت کیسے کٹتا ہے؟ پوتیاں جواب دیتیں، کہ اے ہے، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، ایک موٹر موجود ہے تو دوسرے موٹر کی، ایک ریڈیو سیٹ موجود ہے، تلاش اُس سے بہتر اور جدید تر مشین کی ہوس اور زیادہ روپیہ کی! ضبط حمل کے صدقہ میں بچوں کی جو نسل ہے نابالغ ہی ہے اور روپیہ جتنا آتا ہے، اس سے ہی سارے شوق پورے نہیں ہوتے، اپنا ہی دل مار مار کر رکھنا پڑتا ہے، اولاد کے پالنے پوسنے کا بار کون اٹھائے! — کیا خوب ترقی ہے! آراستہ ڈرائنگ روم، آراستہ خوابگاہیں، اور ان کے اندر بیویاں زندہ۔ بیوہ بے اولاد! یعنی خراب اور نسل کا انقطاع!

اور وہ دوسرا خواب جو اس سے بھی بڑھ کر شیریں، دلکش تھا، اُسکا کیا حشر ہوا؟ وہ "آزادی نسواں" کی عظیم الشان مہم! ہائے، وہ خیالی جنت جسکے حصول کے لیے اپنی تو عمر کا سارا جوش صرف کرڈالا! پولیس کا مقابلہ کیا، پولیس والوں کو کاٹ کاٹ تک کھایا تھا! آزادی بیشک ہمیں حاصل ہوگئی، لیکن ساتھ ہی ساتھ لڑکے بھی اپنی کھانے کو موجود۔ چیخ رہے ہیں کہ ہماری تعلیم کا خرچ لاؤ، ہماری موٹر سائیکلوں کا خرچ لاؤ! اور لڑکے تو خیر لڑکے، لڑکوں کے باپ اب اپنے اوپر کیا ذمہ داری "نان و نفقہ" کی محسوس کرتے ہیں؟ بیوی خود جو کمانے لگی ہیں۔ — انقلاب سیاسیات میں عورت نے بیشک بپا کردیا۔ عورت سیاسیات میں داخل ہوگئی، عورت [illegible] حاصل اس سب کا [illegible] کی حاجت بہ صد عرق، بار اور [illegible] لیکن بات وہ ملند بانگ دعوے [illegible] آج کی [illegible] کہ سیر [illegible] ہوچکے

کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہندوؤں میں نام لکھائیں"۔

اشتہار کے مضمون کی لغویت و خرافیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ احرام حج کی نقل کرنے والے وارثیوں کے لباس کو ہندو سادھوؤں کا لباس بتا دیا ہے! اور گاسے کے باپ دودھ شوق سے کھانے والے وارثیوں کو گاسے ماتا کی پرستش کرنے والا ٹھہرا دیا ہے! لیکن سوال خود وارثی فقرا سے ہے کہ آخر اخبار کو انہیں شامل کرلینے کے ارادہ کی بھی جرأت کیسے ہوئی؟ اسلام کے کسی کمزور سے کمزور بازو پر بھی کفر کو حملہ کا حوصلہ ہی کیسے پڑا؟ ذرا غور کریں، اپنے اندر خود تو کوئی ایسی کمزوری موجود نہیں؟ اور اگر خدانخواستہ انکے اندر کوئی طبقہ ہے ایسا تو چاہیے کہ جلد سے جلد اس ننگ اسلام و ننگ تصوف طبقہ کے لیے "وارثی" کے بجائے "لاوارثی" ہونے کا اعلان کر دیا جائے!

قانون اسلام کی طرف

"منو بھگوان (جو ہندو دھرم شاستر کے مصنف تھے) نے ہندو عورتوں کے لیے جو ظلم و جبر جائز رکھا اور ہندو دھرم شاستر کے مطابق ہندوؤں نے اپنی عورتوں پر پچھلے ہزاروں سال میں جو ستم کیے، انکو اخلاقی اور انصاف پسند حلقوں میں ننگ انسانیت قرار دیا جا سکتا ہے ...... ہندوؤں میں عورتوں پر کیے جا رہے ہیں اس ظلم کا سب سے بڑا سبب ہندو قوم میں طلاق کا نہ ہونا ہے۔ اگر ہندوؤں میں طلاق قانونًا جائز قرار دی جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندو مذہب اپنی عورتوں کی موجودہ شوہر پرستی اور پاکیزگی سے ایک حد تک محروم ہو جائیگا۔ مگر طلاق کے رواج پانے کی صورت میں اس ظلم اور ستم کا بھی خاتمہ ہو جائیگا جو ہندو گھروں کے اندر معصوم اور بے گناہ عورتوں پر کیا جا رہا ہے اور جسکے باعث ہزاروں ہندو عورتیں اپنی جان دے رہی ہیں" (ریاست)

خدائی قانون حیات کو چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کرنے والوں کے پچھتانے اور شک کرنے کی یہ کوئی نادر مثال نہیں۔ نماز جماعت، روزہ، زکوٰۃ، حج، جمعہ، تعدد ازواج، حرمت خمر، حرمت سود، نقاب و حجاب، تقسیم وراثت، ختنہ، بڑے چھوٹے خدا معلوم کتنے اسلامی مسائل ایسے ہیں کہ انکی جانب آج غیروں کی حریصانہ نظریں بے اختیار پڑ رہی ہیں، اور انکی خوبیوں اور فضیلتوں کا اعتراف آئے دن ایک نئے رنگ سے نئے ڈھنگ سے ہوتا رہتا ہے۔ — طلاق بھی انھیں مسئلوں میں سے ہے، جس پر ابھی کل تک ہماری "روشنخیالی" شرما رہی تھی، اور ہمارا "روشن خیال" طبقہ طرح طرح کی تاویلوں سے اس کے جواز ہی پر پردہ ڈالے دیتا تھا۔

اسوۂ حسینی

ایک نام کے مسلمان نہیں، حقیقی اسلامی زندگی کے ترجمان "نیشنلسٹ" پرچہ کا اقتباس:—

"داعیِ اسلام کی سیرت شاہد ہے کہ اسلام اور غلامی کا کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ خلفائے راشدین کے کارنامے گواہ ہیں کہ اسلام محکومی اور غلامی کے خلاف دنیا کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔ اس ثبوت کی آخری کڑی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ہے۔ یزید کی حکومت کا نظام عدل و انصاف کے عناصر سے یکسر خالی تھا۔ اسکی حکومت میں عدل و امن کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسکے باوجود یزید کی خواہش تھی کہ حضرت امام اسکے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اور اس کی ظالمانہ حکومت کے سامنے سر جھکا دیں۔ لیکن حضرت امام نے شہادت منظور کی۔ اور آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ اسلام اور ظلم کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ خدا کی حکومت میں انسان کی حکومت قطعًا گوارا نہیں کی جا سکتی"۔

بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ لیکن نتیجہ جو راقم مضمون نے نکالنا چاہا ہے اور خود انھیں کے کمرر غور کا محتاج ہے۔ معرکۂ کربلا "ملکی" اور "وطنی" لڑائی کسی دور کے معنی میں بھی نہ تھی۔ جنگ محض اصول کی تھی، ایک طرف ایک خالص اسلامی حکومت کا ترجمان تھا، دوسری طرف حکومت نام کی مسلمان تھی، لیکن حقیقتًا اسلام و غیر اسلام کا مجموعہ۔ پس واقعۂ شہادت سے استشہاد اگر کیا جا سکتا ہے، تو صرف خالص اسلامی نظام حکومت کے مطالبہ کی حمایت میں، نہ کہ آجکل کی رسمی و اصطلاحی "سیاسی محکومی و غلامی" اور "وطنی آزادی" کے سلسلہ میں —— دونوں تصورات کے درمیان جو آسمان و زمین کا فرق ہے، کم از کم اہل علم و نظر سے تو توقع ہے کہ اسے نظرانداز نہ ہونے دینگے۔

محمود پاشا مصری

"قاہرہ۔ ۴ر فروری۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مصر کے سابق وزیر اعظم محمد محمود پاشا ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں آپ زغلول پاشا وغیرہ کے ہمراہ مالٹا بھی جلا وطن کیے جا چکے تھے۔ جون سنہ ۲۹ء میں آپ شاہ فواد کے ہمراہ لندن گئے تھے اور برطانیہ سے مصر سے فوجیں ہٹانے کے بارے میں معاہدہ کیا تھا"۔

خبر میں ہندوستان والوں کی مزید دلچسپی کی چیز یہ ہے، کہ مرحوم ہمارے مولانا محمد علیؒ کے خاص دوستوں میں تھے آکسفورڈ میں ساتھ رہ چکے تھے اپنے یورپ کے کسی سفر (غالبًا سنہ ۲۸ء والے سفر) میں مولانا جاتے وقت انکے مہمان بھی کچھ دیر کے لیے رہے تھے۔ آکسفورڈ سے بلند ترین علمی اعزاز ڈی، سی، ال بھی پائے ہوئے تھے۔

تدوین نظام اسلامی

ایک ایم، اے حیدرآباد سے لکھتے ہیں:—

"اخبارات میں یو، پی مسلم لیگ کی اسلامی پروگرام کمیٹی کی روداد پڑھی۔ اسلامی تعمیری پروگرام کی صورت میں جو خاکہ تیار ہو رہا ہے اسکا کچھ حال آپ کی زبان سے معلوم ہو تو مسرت اور وضاحت دونوں کے مطالبات پورے ہونگے۔ بحمداللہ کہ کام کا پہلا قدم آگے بڑھنے کے لیے اٹھا۔ ان شاء اللہ العزیز اسکی رفتار اب تیز ہوگی۔ حیدرآباد میں بعض علماء ایسے ہیں جنکی نظر بہت وسیع ہے۔ ان سے اس کام کے سلسلہ میں مختلف منزلوں پر حسب ضرورت کام لیا جا سکتا ہے، مثلاً مولانا سید شاہ محمد صاحب شطاری (صدر مدرسہ نظامیہ) یا مولوی رحیم اللہ صاحب نائب مفتی صدارت العالیہ۔ رہے

کو بھی اپنے اپنے ظرف و مقام کے مطابق انھیں مصائب و آلام سے بعض بے بہا دوام صنائع کر رہے ہیں تاہم بھی انکی قیمت نہیں حاصل کر سکتے۔ لیکن کہ حکیم الشعراء (حضرت امجد) پر یہ حقیقت جو کھلی ہے کہ

لاتا ہے جب سے لطف خاکساری
تنزل میں ترقی کر رہا ہوں۔

خدا کرے ہم سب پہ کھل جائے اور زندگی کے وہی حوادث اور نامرادیاں جو آج ہماری بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں، اگر اسکے متعلق صبر اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کریں تو یہی مومن کی معراج کا وسیلہ بن سکتی ہیں۔ بہرحال

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(بقیہ صفحہ ۳)

مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی، مولانا محمد یوسف صاحب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی ان بزرگوں سے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ علاوہ ازیں نوجوانوں میں بعض ایسے ہیں جو ان امور سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جنھیں اسلامی زندگی میں کچھ بصیرت حاصل ہے۔ اور جذبہ خدمت سے بیتاب ہیں۔ چنانچہ چند نام درج کرتا ہوں۔

چنانچہ آگے چار نام درج ہیں۔ ان میں سے دو تو اچھے خاصے جانے بوجھے ہوئے لوگ ہیں۔ اللہ انکی ہمتوں میں برکت عطا کرے۔ کام کا اصل تعلق مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے ہے۔ امید ہے کہ انکے دفتر کی یادداشت میں یہ سب نام ضرور ٹانک لیے جائیں گے۔

خوش فہم کی نافہمی

"لاہور یکم فروری۔ بسنت کی تقریب میں ملبہ کے ایک مشترکہ مجمع میں تقریر کرتے ہوئے سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب نے کہا کہ پاکستان، خالصستان، وغیرہ ہندوستان کی تقسیم کی ساری تجویزیں لغو اور مہمل ہیں۔ یاد رہے پنجاب پر کوئی دوسری حکومت نہیں قائم ہو سکتی بجز پنجابیوں کے" (ایسوشی ایٹڈ پریس)

سر موصوف کی خوش فہمی تو اب تک مشہور و مسلم رہ چکی تھی۔ تقریر کی رپورٹ اگر صحیح ہے تو اسے اُس شہرت کے ساتھ کیونکر مطابقت دی جائے؟ اس آئینی اور قانونی بحث کو چھوڑ دیجیے کہ کوئی مسلم لیگی مسلم لیگ کی پیش کی ہوئی اسکیم کی مخالفت کر کیونکر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان قائم ہو یا نہ ہو۔ یہ مسئلہ کہاں سے چھڑ گیا، کہ پنجاب پر حکومت پنجابیوں کی ہو یا پردیسیوں کی؟ کیا کوئی فریق اس کا بھی مدعی ہے کہ پنجاب پر حکومت دکن کے مرہٹوں کی، یا مدھیہ دیس کے مدراسیوں کی، کامروپ کے آسامیوں کی قائم ہو جائے؟ اور پھر پاکستان کے بعد پنجاب اپنی موجودہ ہیئت کے ساتھ باقی ہی کب رہتا ہے، جو سوال اس پر اپنوں یا بیگانوں کی حکومت کا پیدا ہو؟

گزارش

براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کیجیے۔ منیجر

مراسلہ

ایک بزدل دہری

دہمبر گزشتہ کے "نگار" میں ایک صاحب نیاز فتحپوری سے دریافت کرتے ہیں:

"آپ کی طرف سے مسلمانوں یا کم از کم علمائے اسلام کو سب سے زیادہ شکایت یہ ہے کہ جب آپ مسئلہ عقائد اسلام کے قائل نہیں تو آپ اپنے کو مسلمان کیوں کہتے ہیں؟ کیوں نہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ آپ مسلمان نہیں ہیں؟ اسکے بعد غالباً پھر کوئی شکایت باقی نہ رہیگی۔ سید سلیمان ندوی اور عبدالماجد دریابادی وغیرہ کی برہمی کا زیادہ تر سبب یہی ہے کیا آپ "نگار" کے ذریعہ جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟"

نیاز فتحپوری استفسار بالا کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سید سلیمان اور انکے شرکاء نے پبلک کو میرے خلاف ابھارنے کے لیے جس قدر کذب و فریب سے کام لیا ہے اسکا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مجھ سے وہ باتیں منسوب کیں جو کبھی میری زبان سے نہ نکلیں۔ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ رسول اللہ کو میں بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں انکے اخلاق کی بلندی کا قائل ہوں لیکن سید سلیمان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ میرے دل کی بات نہیں.....

جبکہ میں خدا اور رسول کا اتنا ہی احترام کرتا ہوں جتنا وہ، اُن کو یا کسی کو کیا حق ہے کہ وہ مجھے مسلمان نہ سمجھے؟ اور میں کیوں ترک اسلام کا اعلان کروں، جبکہ میں عقائد اسلام کو اُن سے بہتر سمجھتا ہوں" (نگار دسمبر صفحہ ۶۹)

ان پہلے الفاظ میں نیاز صاحب نے خدا اور رسول کے احترام کا اعلان کیا ہے۔ اب آپ "نگار" کے اسی پرچے کے ایک عنوان "خدا کا ماضی، حال اور مستقبل" کی چند سطریں بھی ملاحظہ فرمائیے:—

"دوسری دنیا کا ذکر تو خدا کے اُن پرستاروں کے لیے چھوڑ دو، جنکے لیے وہاں محلات کھڑے کیے گئے ہیں.........

......ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا کا کوئی وجود ہے تو **وہ بیحد ظالم ہے...**

آج معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے تئیں کو اب تک چھپا رکھا ہے لیکن **خدا کی عدم موجودگی میں بھی ہر چیز اپنی جگہ پر بدستور** جاری و ساری ہے۔

کتاب تخلیق ہم کو بتاتی ہے کہ انسان کو خدا نے اپنے نمونہ پر بنایا، حالانکہ **حقیقت یہ ہے کہ خدا کو خود انسان کے جذبہ خوف نے پیدا کیا۔**

کیا خدا کا کوئی وجود ہے؟ بہت سے متمدن دماغ آج بھی اسکا جواب اثبات میں دینگے، لیکن جب سائنس کی ایجادیں ذہن انسانی کا گوشہ گوشہ اپنی روشنی سے منور کر دینگی تو اُس وقت

بھی کوئی دماغ اسکا جواب اثبات میں دیگا؟"

اوپر کے الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ دہریت اور الحاد کی کھلی تبلیغ ہے۔ جس سے خدا اور خداپرستی کا جی کھول کر مضحکہ اُڑایا ہے۔ نیاز صاحب اسکا زیادہ سے زیادہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ "یہ اُنکے اپنے الفاظ نہیں، بلکہ کسی دوسرے مضمون نگار کے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ اپنے رسالہ میں اس قسم کے اسلام سوز مضامین شائع کر دیتے ہیں، تو وہ لازماً آپ ہی کے دل و دماغ اور اعتقاد و خیال کے آئینہ دار سمجھے جائینگے۔ پھر جب آپ قرآن کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کرتے، خدا کی ہستی کے قائل نہیں، اس حالت میں آپ احترام رسولؐ کا لاکھ ڈھنڈھورا پیٹا کریں، نتیجہ وہی نکلیگا جو یہ قول آپ کے سید سلیمان ندوی نے نکالا ہے، یعنی احترام رسولؐ کا دعوے آپ کے دل کی بات نہیں۔

دہریت اتنی بُری نہیں، جتنی منافقت، مگر جب یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں، تو اسلام کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔ ایک منافق شخص کسی سوسائٹی یا مذہب کو جو نقصان پہونچا سکتا ہے، وہ کھلے مخالفوں سے ممکن نہیں۔ علمائے اسلام نے آپ سے یہ مطالبہ ۱۹۳۱ء میں کیا تھا، کہ آپ "ارتداد" نہ پھیلائیے، کھلے طور پر ترک اسلام کا اعلان کر دیں۔ مگر اس زمانہ میں آپ نے بڑی ہی بزدلی کے ساتھ یہ عہد کیا تھا:-

" آیندہ میری طرف سے ایسے مقالات کبھی شایع نہ ہونگے جن سے مذہبی شکایات کا سبب پیدا ہو۔ مجھے افسوس ہے اور ندامت ہے کہ ان مضامین سے مسلمانوں کو صدمہ پہونچا، اور یہ یقین دلانے کے لیے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں اپنے معاصی سے جناب باری میں اظہار برأت و استغفار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین "

یہ توبہ منافقت کی توبہ تھی، مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کا ایک ڈھنگ تھا۔ دس برس گزرنے کے بعد اب وہی نیاز ہے، وہی نگار ہے، وہی قرآن کی توہین اور وہی خدا کا انکار!

رسالہ "معارف" سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ شہر یار دکن نے ایک برس کے لیے اپنی ریاست میں "نگار" کا داخلہ بند کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمان والیان بھی اپنی اپنی حدود میں اس زہریلے پرچہ کا داخلہ ممنوع قرار دیدیں۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اس منافق اور بزدل دہری کے رسالہ کا مکمل بائیکاٹ کر دیں، ورنہ یہ مسلمانوں کا خون چوس چوس کر پرورش بھی پائیگا اور اُن پر نیش زنی بھی کریگا۔

محمد اقبال سلمانی - امرتسر

وطن پرستی

بمبئی کے ایک اجتماع میں ڈاکٹر رادھا کمد کرجی نے "ہندوستان کے بنیادی مسائل" پر ایک تقریر کی ہے۔ تقریر کا سارا زور اس پر صرف کیا گیا ہے کہ ہندوؤں کا مقدس ملک ہے اور ہر شہر اور صوبہ کا رہنے والا ہندوستانی ہے۔

جہاں تک وطن پروری کا تعلق ہے مسلمان اپنے وطن ہندوستان سے پوری محبت رکھتے ہیں اور اسکی ترقی اور خوشحالی میں اپنی خوشحالی سمجھتے ہیں کہ دفاع وطن کا فرض انجام دیں۔ اغیار کے تسلط کو کمزور کریں، اور ملک کی ترقی و فارغ البالی کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیں۔

مسلمان بلاشبہ وطن پرور ہے "وطن پرست" نہیں ہے۔ وہ تو خدا کے سوا اولیا اور پیغمبروں کی پرستش کو بھی کفر اور شرک سمجھتا ہے۔ وہ آفتاب و ماہتاب کو اپنا آقا سمجھتا ہے کہ ساری مخلوق اور تمام انسان صرف ایک اللہ کے غلام ہیں اور باقی ساری کائنات انسان کی خادم اور غلام ہے۔ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز انسان کے لیے بنائی گئی ہے، انسان کائنات کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ اور یہی وطن پرستی اور وطن پروری کا وہ بنیادی فرق ہے جہاں سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ اور جن سے اسلام کے تصور حیات اور ضابطۂ اخلاق کا کمال نظر آتا ہے۔

رادھا کمد نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہر صوبہ کا رہنے والا ہندوستانی ہے، پنجابی یا بنگالی نہیں ہے۔ پنجابی، بنگالی، مرہٹی گجراتی، مدراسی سب ہندوستانی ہیں۔ اگر ہندوستان کو تقسیم کر دیا گیا تو یہ ہندوؤں کے مقدس عقیدے پر ایک زبردست حملہ ہوگا جسے کوئی ہندوستانی برداشت نہیں کر سکتا۔

کرجی نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عام بات ہے جو عام طور پر بلا غور دہرائی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک بنگالی ہندوستانی کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہندوستان اسکا وطن ہے۔ لیکن وطن سے مراد کیا ہے۔ کیا زادبوم اور جائے پیدائش کی جگہ؟ اگر ایسا ہے تو ہندوستان کا کوئی شخص چار گز زمین سے زیادہ کو اپنا وطن نہیں بنا سکتا کیونکہ اسکی پیدائش زمین کے اتنے ہی حصہ پر ہوئی ہے۔ اگر وہ اسپر قناعت نہیں کرتا .... تو اب سوال کشادہ نظری اور بلند ہمتی کا رہ جاتا ہے۔ وہ جس طرح گھر سے محلہ اور محلہ سے شہر کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور شہر پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ پورے ہندوستان سے اپنا رشتہ قائم کر لیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ رفتار ہندوستان کے حدود پر جاکر رک جائے۔ وہ کیوں نہیں کہدیتا کہ ساری دنیا اُسکا وطن ہے اور تمام انسان اُسکے بھائی اور ہم وطن ہیں ..... بس اسلام یہی کہتا ہے کہ ساری دنیا انسان کا وطن ہے اور سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جغرافیائی حدود انسان قائم کرتا ہے۔ اور جب اس تقسیم کی بنا پر خونریزی ہوتی ہے تو سر پکڑ کر روتا ہے! رادھا کمد کرجی نے نہایت صفائی کے ساتھ فرمایا ہے کہ "ہندوؤں میں مادر ہند ایک دیوی کی طرح پوجی جاتی ہے۔ تمام ہندوستان کی پوجا جنم لائیٹ کی حیثیت سے ہندو مذہب کا ایک لازمی جزو ہے جس ملک کو عام ہندو اپنا دیش سمجھ کر پوجتے ہوں اس میں مداخلت کا کسی کو بھی اختیار نہیں"۔ مگر ایک مسلمان ہندوستانی کہلا کر اور ہندوستان سے محبت کرتے ہوئے بھی اس مشرکانہ نظریہ کا قائل نہیں ہو سکتا۔ وہ زمین کو اپنا خادم سمجھتا ہے مخدوم نہیں سمجھتا۔ اور اسکے نزدیک ہندوستان اور ایران کی زمین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کا ہر حصہ خالق کردگار ہی کی صنعت ہے۔ البتہ وہ ہندوستان کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھے گا، اور جارحانہ قوم پرستی قوم پرستی کے حملوں سے اسے بچائے گا۔ کیونکہ ایسی حالت میں وہ ہندوستان کو مظلوم سمجھے گا۔ اور مظلوم کی حمایت و امداد کرنا اس کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہوگا! (زمزم۔ لاہور)

قرآن

حیاتِ انسانی کا بہترین دستور العمل

جناب حسام الدین صاحب غوری صدر جمعیۃ مسلم نوجوانان سکندرآباد کی ایک تقریر

نمبر (۲)

دیکھ لیجیے کہ بحیثیت مجموعی دنیا کی تمام اقوام میں نازوتر اور پسماندہ قوم اگر کوئی ہے تو وہ مسلمانوں کی قوم ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت افلاس اور تنگدستی اور بدمعاشی و افکار میں مبتلا ہے۔ انکی زندگیاں مصیبتوں اور بیقراریوں کے لیے وقف ہو چکی ہیں اور کیا اس کی یہ وجہ نہیں کہ مسلمان قرآن کے اوامر و نواہی سے غافل ہو چکے ہیں اور اللہ کا فرض پورا نہیں ہو رہا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ آپ یہ سوال کریں کہ آخر دیگر اقوام احکام قرآنی پر کونسا عمل کر رہی ہیں جو وہ سرفراز و سربلند ہو چکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام تمدنی کے لیے قرآن ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اس میں ارتقاء انسانی کے تمام اصول واضح کر دیے گئے ہیں اور دونوں راہیں انسان کے لیے کھول دی گئی ہیں۔ جو صراط مستقیم پر چلیگا وہ ترقی حاصل کریگا اور جو اس سے گریز کریگا وہ یقیناً زوال و انحطاط کی پستیوں میں گرتا چلا جائیگا۔ مسلمان جب تک قرآن پڑھتے اور اس سے ہدایت حاصل کرتے رہے انھوں نے محیر العقول ترقیاں کیں لیکن جب انھوں نے اسے بھلا دیا پستیوں میں جاگرے اور دوسری اقوام انھیں اصولوں کو اپنا کر عروج و ارتقا کی بلندیوں پر فائز ہیں۔

قرآن اور سعی و کامیابی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف طور پر فرمایا ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی وہ کوشش کریگا" گویا خدا کا یہ قانون ہے اور عام و اٹل قانون کہ جو جتنی محنت کریگا اتنا ہی پھل پائیگا۔ اس میں مذہب و ملت کی کوئی قید نہیں رب العلمین سب کا رب ہے۔ جو کرتا ہے وہ پاتا ہے۔ جو کریگا وہ پائیگا۔ اللہ کے اس اٹل قانون پر عمل کر کے اگر جماعت مشرکین راہ ترقی پر گامزن ہو گئی ہے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ ترقی اور سعی و محنت کا صلہ پانے میں کفر و اسلام کی کوئی قید نہیں۔

حصول کامیابی کے لیے تدبیر اور مادی اسباب سے کام لینے پر بھی کتاب اللہ میں بہت زور دیا گیا ہے اور نہ صرف زور دیا گیا ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے۔ واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم و آخرین من دونہم لاتعلمونہم اللہ یعلمہم۔ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہا کرو اور گھوڑوں وغیرہ کو آمادہ رکھو جو کچھ انتظامات تم کر سکتے ہو اور جو کچھ تم سے ہو سکتا ہے وہ سب کرو تاکہ دشمنوں پر تمہارا رعب طاری ہے اور وہ تم سے ڈرتے رہیں۔ جن دشمنوں کو تم جانتے ہو انکے سوا اور بھی دشمن ہیں جنکا تمھیں علم نہیں مگر اللہ جانتا ہے۔

اس آیت میں "من قوۃ" سے مراد جتنی قوت تم فراہم کر سکو، اور من استطعتم سے مراد جتنی تم میں استطاعت ہو ان کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول پر فرمایا تھا من قوۃ سے مراد تیر اندازی ہے جسکا شمار اس زمانہ کے بہترین سامان حرب میں ہوتا تھا اب زمانہ بدل چکا ہے اس عہد کے موٹر اور کار کردہ ہتھیار اور اسلحہ۔ توپیں۔ بندوقیں گیس۔ ٹینک ہوائی جہاز ہیں گویا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ تم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں تیار رہو۔ مغرب والوں کو آج اسی لیے دنیا پر اقتدار حاصل ہے کہ وہ اس حکم قرآنی پر عمل کر رہے ہیں۔ دیکھیے ہندوستان میں یہ زمانہ امن بھی ہر وقت کئی لاکھ افواج مستعد رہتی ہیں کہ خدا جانے کس وقت کیا حالت درپیش ہو۔ جنگ عظیم کے بعد سے یہ قومیں اور زیادہ محتاط ہو گئی ہیں اور ہمیشہ اپنی قوت حربی میں اضافہ کرتی رہتی ہیں اور یہی انکی حکمرانی و سلطنت کا راز ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا بڑا سبب یہی ہے کہ انھوں نے تعلیمات قرآن کو بھلا دیا۔ آج مسلمان یہ کہتے ہیں "اگر ترقی مذہب ہی پر منحصر ہے تو پھر یہ مغربی اقوام کیوں ترقی کر رہی ہیں حالانکہ انھوں نے بہت پہلے ہی مذہب کو ترک کر دیا ہے" اب انھیں کون سمجھائے کہ قرآن کریم محض دنیا و اسلام کی ایک روحانی کتاب نہیں بلکہ اس میں روحانی و مادی ترقیوں کے لیے بہترین تدابیر بتلائی گئی ہیں۔ غور کیجیے تو واضح ہوگا کہ فرنگیوں نے اپنے مذہب کو ضرور بڑی حد تک ترک کر دیا ہے لیکن اکثر تعلیمات قرآنی کو اپنا لیا ہے اور قریب قریب تمام ضروری واہم اوامر پر کاربند ہیں۔ اسکے برخلاف مسلمان خواب غفلت میں پڑے ہیں۔ یہی نہیں کہ انھوں نے مذہب کے روحانی احکام و اوامر سے لاپروائی برتی بلکہ اسکے ضروری و اہم مادی احکام کو بھی فراموش کر دیا۔

قرآن کریم اور عمل

کلام مجید کا از اول تا آخر مطالعہ کیجیے ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ یہی پائیں گے کہ ایمان کے ساتھ عمل ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور اس امر کو بخوبی واضح کر دیا گیا ہے کہ سربلندیاں و سرفرازیاں انھیں کے لیے ہیں جو ایمان بھی لاتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں تاریخ اسلام گواہ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز عمل تھا اور آج بھی ہم عمل ہی سے فائز المرام ہو سکتے ہیں۔

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ "قسم زمانہ کی انسان یقیناً نقصان میں رہیگا سوا اسکے جو اللہ پر ایمان لائیگا۔ نیک و شریفانہ عمل اور آپس میں نیکی و صبر کی تلقین کریگا" یہ کوئی اور نہیں پروردگار عالم فرماتا ہے اور زمانہ کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک اور شریفانہ عمل نہ کرے اور نہ صرف عمل کرے بلکہ اسکی تلقین بھی کرتا رہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیہم ولاہم یحزنون۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون لہم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ "اللہ پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کی دنیا و آخرت نہایت خوشگوار ہوگی دونوں زندگیاں لطف و مسرت میں گزرینگی اور انھیں کوئی رنج و غم ہوگا نہ خوف وہ ہراس وہ نہایت آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرینگے"

اور اللہ کا احسان ہے کہ آپ نے عمل کرنے کے لیے کوئی قید نہیں لگائی بلکہ صاف طور پر فرمادیا۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ ...

"اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسکا بھی صلہ دینگے کہ ہم پورا پورا حساب کرنے اور جزا دینے والے ہیں" - یہ اس لیے فرمایا کہ کہیں انسان اس خیال سے کہ عمل کرنے سے کیا حاصل ہوگا عمل سے گریز یا تامل نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی ہدایت کی گئی ہے کہ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساہم انفسہم اولٰئک ہم الفاسقون "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا - وہ جو لوگ خواہشات میں اللہ کو بھلا دیا اس لیے وہ خود کو بھی بھول گئے ایسے ہی لوگ فاسق و گنہگار رہیں"

غرض تعلیمات قرآن سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے ضروری و اہم چیز نیک اور شریفانہ عمل ہے اسی وجہ سے قرآن نے نماز و روزہ و زکوٰۃ سے بھی مقدم رکھا ہے۔ آجکل عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ جنت و مغفرت حاصل کرنے کے لیے نماز روزہ کافی ہے اور جو شخص اسکا پابند ہے اسے پھر کسی اور عمل کی ضرورت نہیں۔ اسی غلط فہمی اور قرآنی تعلیمات سے لاعلمی نے اکثر مسلمانوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ آج اکثر نمازیوں اور پابند مذہب و مقدس بزرگوں کے طرز عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز انکے قلوب میں انکساری اور نرمی پیدا کرنے کی بجائے انھیں متکبر و مغرور بنا دیتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ کسی کے نماز و روزہ سے دھوکا نہ کھاؤ پہلے اس کے معاملات و اطوار سچائی و صداقت کو دیکھو۔ حضرت عبداللہ سہل تستریؒ نے بھی فرمایا تھا تمام رات نماز پڑھنے سے دن بھر احتراز فسق و فجور سے بچا رہنا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت داؤد طائیؒ کا قول ہے توبہ و عبادت سے زیادہ فائدہ انسان کو خلق خدا کی خدمت سے پہونچتا ہے۔ کیا شمر ابن زیاد، حسین بن نمیر، نمازی قاتلین عثمانؓ، تمام قاتلین حسینؓ تمام خوارج نماز روزہ کے پورے پابند نہ تھے۔ ایا انکا شمار اللہ کے نیک بندوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسکا جواب نفی میں ہے تو یقیناً ایک بد اخلاق و متکبر نمازی سے وہ شخص بہت بہتر ہے جو خوش اخلاق ہے نیک اطوار و شریف النفس ہے اور اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کو فوز مرام اور فوز عظیم بتاتا ہے اور عمل ہی ہے جو بسبب قرآن مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت خلافت کا مستحق بناتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نماز کے ساتھ عمل کی اہمیت کو نظر انداز نہ کریں۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وعدہ کر چکا ہے کہ وہ انھیں ارضی خلافت و سلطنت کے منصب جلیل سے بھی سرفراز کریگا۔

اب اس سے زیادہ کیا چاہیے کہ پروردگار عالم ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو شاہی و فرمانروائی کا مستحق ہی نہیں قرار دے رہا ہے بلکہ وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ انھیں دنیوی سلطنت بھی عطا کریگا۔ اور تاریخ اسلام کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور بہت جلد پورا ہوا۔ وہی عرب جنکا شمار دنیا کے پست ترین انسانوں میں ہوتا تھا اور جنکی ترقی سے ساری دنیا مایوس ہو چکی تھی اور جنکو اپنی جانیں بچانا مشکل تھا، تھوڑی ہی مدت میں نہ صرف تخت و تاج کے مالک ہوئے بلکہ قیصر و کسریٰ کی شان و شکوہ اور با جبروت فرمانروائیوں کے وارث بن بیٹھے۔ کسکو توقع ہو سکتی تھی کہ عرب اور بالخصوص حجاز کے باشندے کبھی سلطنت و فرمانروائی کے بھی قابل ہونگے۔ حجاز وہ خطہ ارض تھا جہاں ابتدائے آفرینش سے لیکر وقت نزول قرآن تک کبھی کوئی سلطنت و فرمانروائی قائم نہیں ہوئی تھی۔ سب بے آب و گیاہ ملک سمجھا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں صدیوں سے سیاست نے جنم نہ لیا ہو جہاں کے باشندوں کو سلطنتی امور سے سابقہ نہ پڑا ہو، ان میں فرمانروائی و امارت کی قابلیت بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے دنیا اہل عرب سے سلطنت کا وعدہ سنکر حیران تھی۔ جب عربوں اور حجازیوں کے لیے یہ چیز بالکل غیر ممکن معلوم ہوتی تھی تو بھلا ایمان لانے والے کس شمار و قطار میں ہونگے کہ جنکے پاس کھانے کو کھانا تھا اور نہ پہننے کو کپڑا، جنکی کوئی تہذیب تھی نہ تمدن اور روایات ملکی نہ اہمیت، خاندانی عظمت تھی نہ مال و مساعد تھے نہ قیام سلطنت کا بظاہر کوئی امکان۔ پھر بھی اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ابھی اس آیت کے نزول کو جو تھائی صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں انکے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ اور رہیں گی اب جب تک مسلمان قرآنی احکام پر عمل پیرا رہے اور ایمان و عمل کی درخشانیوں کا ظاہر اتنا زمانہ اس وقت تک وہ "وانتم الاعلون" کے مصداق بنے رہے۔

یہ وعدہ ربانی اس وقت بھی موجود ہے۔ لیکن اسکی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہم قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو جائیں۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ آجکل ہمارے پاس قرآن عمل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اسکی بے معنی تلاوت کر لی جائے، مریضوں کو پڑھ کر دم کر دی جائے اور برکت کے لیے گھر کے بلند طاقچہ پر رکھ دیا جائے۔ آپ خود غور فرمائیے کہ جب صورت حال یہ ہو تو مقدر کے شکوے اور نصیب کی شکایات کیا زیب دیتی ہیں۔

قرآن کی تلاوت کا موجودہ مقصد

آجکل مسلمانوں نے قرآن کو محض ایک متبرک چیز سمجھ لیا ہے کوئی بھی اسے [illegible] سمجھ کر عمل کرنے کی نیت سے نہیں پڑھتا۔ بڑے بڑے مقدس اور پابند صوم و صلوٰۃ افراد قرآن کی تلاوت محض حصول برکت کے لیے کرتے ہیں۔ آپ اپنے دلوں کی گہرائیوں کا جائزہ لے کر فرمائیے آپ یا آپ کے احباب جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں یا کسی کو تلاوت کی ترغیب دیتے ہیں تو اسکا مقصد اصلی کیا ہوتا ہے؟ یہی ہوتا ہے کہ ثواب حاصل ہوگا، برکت ملیگی، اللہ خوش ہوگا اور بس۔ اس عام خیال اور عقیدہ کی وجہ سے یہ احساس تقریباً مٹ چکا ہے کہ قرآن محض پڑھنے ہی کے لیے نہیں بلکہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے نازل ہوا تھا۔ اسکی تلاوت اور بار بار تلاوت کا جو حکم ہے اسکا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمان احکام قرآنی سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ اور اس پر اجر و ثواب بھی اسی لیے مقرر کیا گیا کہ لزوم کے ساتھ پڑھا جائے اور اسکے احکام پر عمل کیا جائے۔ عبادت و ثواب ترغیب تھی اور مقصد عمل تھا۔ آج ترغیب لے لی گئی اور مقصد کی طرف سے آنکھیں بند کر لی گئیں۔ (باقی آئندہ)

تصحیح

ص ۶ [illegible] کے نصف اول میں جہاں جہاں "صفت" یا "صفتیں" چھپا ہے وہاں "صنعت" اور "صنعتیں" بنا لیا جائے۔

نمبر ۱۴	دوشنبہ ۴ - صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۳ - مارچ ۱۹۴۱ء	جلد ۶

سچی باتیں

"تعلیم کا بول بالا" "جہالت کا منہ کالا"! نعرے لگاتے ہوئے اسکول سے لڑکے نکلے۔ غول کے غول، آگے پیچھے ماسٹر ساتھ ساتھ۔ ۱۶ر فروری۔ آج لٹریسی ڈے ہے۔ "یوم خواندگی" ہے جہالت کی تاریکی دور کی جائیگی، علم کی روشنی پھیلائی جائیگی، ملک کے بچہ بچہ کو حرف شناس بنا دیا جائیگا۔ جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں' ریڈیو پر تقریریں ہو رہی ہیں۔ دیہاتی اور شہری سب شریک۔ گورنمنٹ اور کانگریس ایک دوسرے کی حریف نہیں حلیف۔ —— لڑکوں کا جلوس آگے بڑھا۔ نعرے بدل گئے۔ اب "تعلیم" نہیں، بلکہ "انقلاب" زندہ باد! برطانیہ برباد! امپیریلزم مردہ باد! —— ماسٹر قریب آگئے۔ ہلکی سی ڈانٹ پھٹکار۔ نعرے اب پھر بدل گئے اور وہی "تعلیم کا بول بالا" "جہالت کا منہ کالا"! —— کیا خوب ہے یہ تعلیم اور اسکی روشنی! کیا خوب ہے یہ علم اور اسکے عالم باعمل! یہی علم سوتوں کو جگا دیگا، دلوں کو گرما دیگا، دماغوں کو روشن کردیگا، ملک کو آزاد کرا دیگا!

سامنے عظیم الشان اور لق ودق عمارت آپ دیکھ رہے ہیں؟ اور پھر اسکے اردگرد ایک سلسلہ شاندار پرتکلف عمارتوں کا، فرلانگوں تک پھیلا ہوا، میلوں کا رقبہ گھیرے ہوئے۔ یہ کیا ہے؟ کس امیر کبیر کی کوٹھیاں ہیں؟ کسی بڑے راجہ، مہاراجہ، رئیس، نواب کے محلوں کا سلسلہ ہے؟ جی نہیں۔ یہ یونیورسٹی ہے، اور اسکے ملحقات۔ کتبخانہ، تجربہ گاہیں، اقامت خانے، وغیرہا —— ہر عمارت کے اندر لاکھوں کا سامان، آلات، کتابیں، فرنیچر وغیرہا —— فیسوں پر فیسیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ مصارف تعلیم گراں سے گراں تر ہوتے جا رہے ہیں۔ کتابوں کی قیمتیں مستزاد۔ سائیکل رکھنا تو گویا طالبعلمی کے لوازم میں داخل —— یہ تعلیم کا "فیض عام" ہو رہا ہے۔ یہ مفلس قوم کے افلاس کو دور کرنے کا نسخہ بتایا جا رہا ہے! ان شاندار عمارتوں کے اندر تعلیم دی جا رہی ہے، قوم کے نونہالوں کو اعلیٰ اخلاق کی، سادگی کی، کفایت کی! سرمایہ داری سے نفرت کی، دولت سے عداوت کی، اسراف کی مذمت کی!

موٹر پہ موٹر آرہے ہیں، یونیورسٹی کے سائبان میں رک رہے ہیں۔ اترتے ہیں ان سے یونیورسٹی کے اساتذہ۔ یہ صاحب تاریخ کے پروفیسر ہیں، اور وہ معاشیات کے ماہر۔ فلاں فلسفہ کے پروفیسر ہیں، اور فلاں ادب کے لکچرر۔ یہ ابھی کل پانسو ماہوار پا رہے ہیں، اور وہ سات سو ماہوار کے گریڈ میں ہیں۔ انکی ترقی ابھی بارہ سو تک ہوئی ہے، اور انکا مشاہرہ اس وقت ڈیڑھ ہزار ہے۔ مستحق کے گراں قدر معاوضے اپنی یونیورسٹی سے اور (حسن ظن ماجی بگویم تو مرا حاجی بگو کے اصول پر) دوسری یونیورسٹیوں سے اسکے علاوہ! لندن کے ڈی، اس، سی، پیرس کے ڈی لٹ، جرمنی کے پی، ایچ، ڈی کی تنخواہیں آخر اس سے کم ہو بھی کیا سکتی ہیں؟ انکی تعلیم میں جو ۵۰ - ۶۰ ہزار اٹھے ہیں، آخر انکے نکلنے کا بھی تو کوئی حساب ہونا چاہیے! —— خود یہ "ڈگری دار" بھی محض اس لیے ڈگریدار ہیں کہ انکے والدین انکی تعلیم اور ولایتی تعلیم پر بے دھڑک دولت خرچ کرسکے! ——

یہ مامور ہیں آپ کے لڑکوں اور (اب تو) لڑکیوں کی سیرت سازی پر! یہ فرنگی دل اور فرنگی دماغ رکھنے والے، اونچی اور شاندار کوٹھیوں میں رہنے والے، اپنے گریڈ کی ترقی کے لیے، اپنی ملازمت کی توسیع کے لیے اپنے دوستوں رفیقوں سے لڑ جانے والے، اور لکچرر دم میں کام دن بھر میں دو دو تین تین گھنٹوں کے لیے کرنے والے، ماہرین علوم و اُستادان فنون تعلیم دے رہے ہیں آپ کے بچوں کو قناعت کی، دیانت کی، صداقت کی، ایثار کی، اخلاص کی، بے ریائی کی، حب وطن کی، قومی ہمدردی کی، قناعت کی، دولت سے بے رغبتی کی، سرمایہ داری کو توڑنے کی، مساوات عام کی!

دشمن کا افسوں

"امیر فیصل کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے نئے پیروؤں کے ہاتھ میں قرآن دے کر ان سے حلف لیتا کہ جب تک آپ رُکے رہیں گے، ہم بھی رُکے رہیں گے، جب آپ بڑھینگے ہم بھی بڑھینگے۔ آج سے کسی ترک کی اطاعت نہ کرینگے۔ ہر عربی بولنے والے سے، خواہ وہ بغدادی ہو یا حلبی یا شامی یا خالص عرب، دوستی رکھینگے اور آزادی کو جان، مال، خاندان سب پر مقدم رکھینگے"! (لارنس کی بغاوتِ صحرا Revolt in the Desert صفحہ ۱)

یہ وقت وہ تھا جب پچھلی جنگ کے موقع پر ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء میں ناخن گوشت سے جدا کیا جا رہا تھا، جب عربوں پر "آزادی" اور "قومی آزادی" کا افسوں نیا نیا پڑھ کر پھونکا گیا تھا، اور "عربی قومیت" کی تشکیل "ترکی قومیت" کی ضد میں اور اُسکے جوڑ پر شروع ہوئی تھی! — افسوں گر کا افسوں کامیاب ہوا! "اسلامی اخوت" کے بجائے استوں کی تعمیر قومی، وطنی، لسانی بنیادوں پر شروع ہونے لگی، "عرب" "آزاد" ہو گیا، ترکوں کی ترکی تمام ہو کر رہی، "شریف حسین" اور "شریف زادوں" کا دور دورہ قائم ہو گیا، اور وحدتِ امت پارہ پارہ ہو کر ایک خوابِ پریشاں، تعبیر ہو کر رہ گئی!

ایک خوش آیند خبر

"حیدرآباد سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ آیندہ سے عیدین اور دوسرے متبرک اسلامی ایام کے متعلق حیدرآباد تمام ہندوستان کو مطلع کیا کریگا۔ چاند کے دیکھنے میں جو موانع حائل ہیں اسکی وجہ سے اکثر عیدین میں دنوں کا اختلاف پڑ جاتا تھا اور تمام ہندوستان میں ایک ہی دن عید منانا کوئی یقینی چیز نہیں تھی۔ اس دشواری کے مدنظر یہ انتظام کیا جا رہا ہے کہ حیدرآباد جو سب سے بڑی مسلم مملکت ہے چاند کے متعلق صحیح خبریں حاصل کرنے کے لیے تمام ہندوستان کے مرکزی مقامات سے بذریعہ اکسپریس ٹیلیگرام اور ٹرنک ٹیلیفون وصول ہوا کریں، اور صحیح تاریخ عید کا اعلان بذریعہ محکمہ لاسلکی حیدرآباد بروقت کیا جائیگا۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ تحریک آنریبل مسٹر سید عبدالعزیز صدرالمہام امور مذہبی و عدالت نے پیش کی ہے اور وہ اسکو عملی صورت میں لانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں"

خبر یقیناً بڑی مبارک اور خوش آیند ہے۔ اور اگر احکامِ رویتِ ہلال کے تمام شرعی اور فقہی پہلوؤں پر غور کر کے ملک کے معتبر علماء و فقہاء قبول کر لیں، تو اس سے بہتر انتظام اور کیا ممکن ہے؟ اور اس تحقیق کے لیے مملکتِ آصفیہ کا محکمۂ امورِ مذہبی خود ہی ماشاءاللہ کیا کم ہے۔ مسئلہ اگر طے ہو گیا، تو حیدرآباد کو اب بھی سارے اسلامی ہند کے ساتھ جو رشتۂ مرکزیت و مرجعیت حاصل ہے، وہ بدرجہا زائد اور محکم و پائدار ہو جائیگا۔

صحافت کی عجیب ذمہ داری

ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع، ہندوستان ٹائمس اور اکثر انگریزی روزناموں میں درج شدہ ہے :—

"علیگڈھ۔ معلوم ہوا ہے کہ مسٹر معتور حسین نجم نے جو مسلم یونیورسٹی کے طالب علم ہیں، مہاتما گاندھی سے ستیہ گرہ کرنے کی اجازت حاصل کر لی ہے۔

مسلم یونیورسٹی کے طلبہ میں کانگریس کی تائید کا جذبہ بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ حلقۂ علیگڈھ میں جلسہ کر کے طلبہ نے کانگریس کے پروگرام کی تائید کی"

خبر کی تردید، ڈائرکٹر اطلاعات مسلم یونیورسٹی کی طرف سے :—

"اس نام کا کوئی طالب علم ہی مسلم یونیورسٹی میں نہیں۔ طلبہ نے کوئی جلسہ اس قسم کا نہیں کیا۔ نہ طلبہ میں ستیہ گرہ کی تحریک میں حصہ لینے کا کوئی رجحان مطلق موجود ہے"

صحت او غلطی سے قطع نظر، اصلی لطیفہ یہ ہے کہ تکذیب اور تردید شایع نہیں ہوئی ہے۔ یقیناً نہ ہندوستان ٹائمس میں اور نہ اور انگریزی روزناموں میں! اس لیے کہ ایسوسی ایٹڈ پریس کے صدر دفتر دہلی نے اس تردید کی اشاعت سے انکار کر دیا، اور مجبوراً یونیورسٹی کے محکمۂ اطلاعات کو بعض اردو اخبارات کی نوازش پر قناعت کرنا پڑی! — ذرا اپنے ذہن میں ایک لمحہ کے لیے یہ فرض کر کے تو دیکھیے، کہ غلط خبر کو مشتہر کرنے والی نیوز ایجنسی مسلمانوں کی ہوتی اور یونیورسٹی بجائے علیگڈھ کے بنارس کی ہوتی!

اُردو انسائیکلوپیڈیا

اورینٹ پریس کی ایک اطلاع حیدرآباد سے حسب ذیل شایع ہوئی ہے :—

"اُردو کے مطالعہ کے دوران میں ہر وقت، حوالوں اور ضروری اور اہم معلومات کے لیے ایک اُردو انسائیکلوپیڈیا کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اسی مقصد کے تحت ادارۂ ادبیاتِ اُردو نے اسکا بیڑا اٹھایا ہے اور اسکے ابتدائی مراحل طے کر لیے ہیں اور ترتیب کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس کام کے لیے ادارہ کی مجلسِ انتظامی نے حسب ذیل اصحاب کا مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا ہے،

صدر۔ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور

معتمد۔ مسٹر محمد فیض محمد بی، اے

اراکین۔ پروفیسر فضل حق ایم اے، ڈاکٹر رحمت اللہ خاں صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ پروفیسر عبدالمجید صدیقی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ پروفیسر عبدالقادر سروری ایم اے۔ ایل۔ایل۔بی۔ مسٹر سید محمد ایم اے۔ (عثمانیہ)"

یقیناً اُردو کے ہر ہوا خواہ کے لیے خوش آیند ہے۔ لیکن اگر مجوزہ انسائیکلوپیڈیا کو اُردو کے شایانِ شان رکھنا ہے، تو یقین ہے کہ کارکنوں نے کام کی اہمیت و وسعت کا بھی پورا اندازہ کر لیا ہوگا۔ جن حضرات کے نام اوپر شایع ہوئے، بعض ان میں سے یقیناً اُردو کے پرانے خادم اور آزمائے ہوئے کارکن ہیں، مستعد و مخلص بھی ہیں۔ لیکن کام شاید انکی ہمتوں سے بھی کچھ بڑا ہی ثابت ہو۔ وقت، سرمایہ، محنت سبھی کی بہت بڑی مقدار یہاں درکار ہوگی۔ — حیدرآباد نے اس میں شبہ نہیں کہ اُردو کے سلسلہ میں چند سال کی قلیل مدت میں وہ کارنمایاں

دکھایا یا یہ دہلی اور لکھنؤ اور لاہور سے دونوں سے نہیں بن پڑا تھا، اور کہیں یہ خدمت بھی قرار واقعی اگر اسی کے ہاتھوں انجام پاگئی، تو یہ تو اسکا تاریخ ادب اردو میں ایک ناقابل فراموش کارنامہ قرار پائیگا!

ستاروں کی نحوست

"سب سے آخر میں یہ بتلانا غیر ضروری نہ ہوگا کہ عام طور پر مدار ستاروں کی نحوست جو توہمات اور افواہیں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب کی سب بے بنیاد ہیں۔ دیگر اجرام فلکی کی طرح ان ستاروں سے انسان کا روزگار یا قسمت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوتے"۔

یہ ولسن کالج بمبئی کے پروفیسر ڈاکٹر [illegible] نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ [illegible] کے خاتمہ پر لکھا ہے، مضمون نحوست ستاروں پر تھا —— ڈاکٹر صاحب [illegible] سی علمی تحقیقات کے بعد اب جاکر جس نتیجہ پر پہونچے ہیں، کیا یہ وہی نہیں جسکی تعلیم ساڑھے تیرہ سو سال قبل عرب کا ایک اُمی، ہیئت، ریاضیات، فلکیات کے رسمی و اصطلاحی علوم ناواقف محض، اپنے پیرؤوں کو دے گیا ہے؟ اور کیا ایک عامی سے عامی مسلمان کو بھی یہ علم نہیں پہونچ چکا ہے کہ ستاروں کے دوار ہوں یا بے دُم، انکی نحوست کا اعتقاد تمامتر جہل و خرافت ہے؟ گو ایسا جہل و خرافت جس میں مشرک قوموں کے بڑے بڑے عالم و فاضل آج تک مبتلا چلے آرہے ہیں!

"صنف لطیف" کا ادب لطیف

پیام اپنے ایڈیٹوریل کالم بہ عنوان "ادب لطیف" کا ایک نمونہ پیش کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے کیلئے:

"یہ "آہ اے دوست"! قسم کا ادب لطیف جب تک ہمارے گھروں کی چار دیواری سے باہر کارزار تھا، تب ہی کیا کم تھا، مگر اب ... تو وہ خواتین کے قلم کی نقاشیوں میں بھی نظر آنے لگا ہے۔ آہ اے دوست!"

لیکن گزارش یہ ہے کہ ادب لطیف کی اس صنف کو 'گھروں کی چار دیواری' کے اندر، "صنف لطیف" کے اندر لایا کون؟ "کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ" کی تفسیر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟ —— اور آپ یہ ظالم مرد! تجدد اور مساوات اور روشن خیالیوں کے اتنے دعوے کے باوجود بھی عورت کو اسکے حق سے محروم کر رہا ہے، جو "صنف کرخت" کو مردوں سے حاصل ہے!

مسلک وطنیت

ڈاکٹر یوسف حسین خاں، ڈی، لٹ (پیرس) استاد تاریخ و سیاسیات جامعہ عثمانیہ، ایڈیٹر رسالہ "سیاست" (سہ ماہی) کے قلم سے:-

"جدید ثقافت کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے نظام فکر کو وطنیت کے فلسفۂ اجتماعی پر مبنی قرار دیتی ہے۔ وطنیت ہی اسکا دین ہے اور یہی اسکا ایمان۔ اپنے اعمال کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے وہ وطنیت کے جذبہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ جب مذہب کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، تو ضرور تھا کہ کوئی دوسرا مسلک یا زندگی کا نقطۂ نظر اس کی جگہ لیتا۔ وطنیت کے تصور نے بڑی حد تک اس روحانی اور معنوی خلا کو اہل مغرب کی زندگی میں پُر کیا، جو ترک مذہب سے پیدا ہوگیا تھا۔۔۔۔۔

وطنیت کے تصور کا اظہار سیاست کے ذریعہ اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہوا اور انقلاب فرانس نے اس تصور کو اور زیادہ قوی کردیا۔ بعد میں وطنیت کا اظہار مخصوص تہذیبوں کی ادبی، تاریخی اور لسانی خصوصیات کے ذریعہ سے کیا گیا .... بالآخر قومیت کی قبا اہل مغرب کے جسموں پر ایسی چست ہوئی کہ اسکو بالکل فطری خیال کیا جانے لگا"

(سیاست - حیدرآباد دکن - جنوری ۱۹۵۱ء، ص ۱۳)

کیا خدا کی شان ہے کہ اس جاہلی تصور قومیت اور دجالی تخیل وطنیت پر یہ قوت مغرب لگا لینے کی توفیق تو لاہور کے ایک داڑھی منڈے ہوئے، انگریزی پڑھے ہوئے، سوٹ پہننے والے ایم اے اور پی، ایچ، ڈی، بیرسٹر اور شاعر کو ملے اور اسکی حمایت و نصرت میں نعرے بلند کرنے والے آج بہت سے بڑی بڑی داڑھیاں رکھنے والے، جبہ و عمامہ والے علماء و فضلاء ہوں!

ایک اور مجرم

ایک ندوی عالم، اور خدا بخش لائبریری (پٹنہ) کے اسسٹنٹ لائبریرین، مولوی مسعود عالم کا مضمون رسالہ الفرقان (بریلی) کے اشاعت ولی اللہ نمبر میں:-

"بیشک خلیفۂ وقت اور اہل حل و عقد کو ضرور حق اجتہاد حاصل ہے۔ لیکن یہ حق اجتہاد اکبر، جہانگیر، رضا شاہ، کمال اتاترک، اور امان اللہ جیسے دین سے بے بہرہ فرمانرواؤں کو نہیں دیا جاسکتا۔ اگر ایسے بادشاہوں کو اجتہاد کا منصب عطا کردیا جائے، تو پھر ابتری اور بدامنی عام نہ ہو تو تعجب ہے" (ص ۳۳)

خیر، اکبر وغیرہ کا تو مضائقہ نہیں، آج کون انکی طرف سے لڑنے کو بیٹھا ہے، باقی یہ "دین سے بے بہرہ فرمانرواؤں" کی فہرست میں دور حاضر کے "لازوال سردار" تجدد کے مبلغ اعظم حضرت کمال اتاترک کا نام لے آنا، جرأت و بے خوفی کی انتہا ہے —— ایسی ہمانگونی بھی بھلا کیا، کہ انسان تجدد کے طنز و تعریض سے بالکل بے پروا ہی ہوجائے! —— "تجدد گزٹ" کی "سیاہ فہرست" میں لاہور، دریاباد کے بعد تیسرے مقام پٹنہ کا اضافہ!

ایک قابل دید رسالہ

بریلی کے مشہور دینی ماہنامہ الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کا اعلان عرصہ سے ہو رہا تھا، اب یہ بھی بحمد اللہ نکل آیا۔ چار سو صفحے سے اوپر والی ضخامت والی کتاب کو "رسالہ" کہنا لفظ "رسالہ" کا غیر صحیح استعمال ہے۔ اصل ریویو تو کچھ عرصہ کے بعد ہی نکلے گا، اجمالی تعارف کے لیے اس قدر کافی ہے، کہ مقالہ نگاروں کی فہرست اسماء میں بہترین اسماء نظر آرہے ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، مولوی سعید احمد صاحب اکبرآبادی،

(صاحب برہان، دہلی) مولوی سید ابو الحسن علی صاحب (صاحب الندوہ، لکھنؤ) مولوی محمد اویس ندوی وغیرہم۔ اور مضامین سب کے پڑھنے کے قابل۔ لیکن اکابر کے مضامین تو اپنے درجہ و مرتبہ کے لائق ہوتے ہی ہیں۔ اس نمبر میں سب سے زیادہ قابل قدر مقالہ مولوی مسعود عالم ندوی (نائب مہتمم کتبخانہ خدا بخش خاں۔ پٹنہ) کے قلم سے "امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہندکی دینی حالت اسکے تدریجی ارتقاء" پر ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کا مضمون "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" گو بعض نادر نکتے اپنے اندر رکھتا ہے، لیکن ساتھ ہی حضرت شاہ صاحبؒ پر "لائبل" کی حد تک بھی پہونچ گیا ہے، اور عجب نہیں کہ شاہ صاحب کی روحانیت آج بھی عالم برزخ میں اپنے ایسے شارح و ترجمان کے خلاف استغاثہ ہی کر رہی ہو ——— بہرحال اتنی ضخامت کا ایسا قابل قدر مجموعہ دو روپیہ قیمت میں ہر طرح ارزاں ہی ارزاں ہے

ایک مخلص کی وفات

مولوی سید امین الحسن تسیل موہانی نے

۲۰ محرم الحرام ۶۰ھ، شنبہ کو بلدۂ حیدرآباد میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صدق کے، اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر مدیر صدق کے ذاتی کرمفرما آج سے نہیں، سالہا سال سے تھے۔ چنانچہ جب ۱۹۱۶ء میں پہلی بار حیدرآباد جانا ہوا، اپنے سررشتہ تالیف و ترجمہ کے سلسلہ میں منسلک ہو کر، تو قیام ہفتوں تک انہیں کے پاس رہا۔ مدتوں سالار جنگ اسٹیٹ کے ناظم رہے۔ آخر میں سرکار عالی کے محکمۂ دیوانی میں ناظم عدالت تھے۔ پنشن اسی عہدہ سے دو ہی ایک سال ہوئے لی تھی۔ حیدرآباد ہی رہ پڑے تھے۔ انکے والد مولوی شریف الحسن مرحوم حیدرآباد ہائی کورٹ کے جج تھے، اور صاحبزادہ صحیح معنی میں شریف زادہ تھے۔ دادا مولوی آل حسن موہانی اپنے زمانہ کے ایک ممتاز عالم اور عیسائیوں کے مقابلہ میں مناظر تھے۔ مرحوم خود بھی پڑھے مسلمان آدمی اور متواضع منکسر خلیق تھے۔ شعر خوب کہتے تھے (رہبر دکن میں بہت سی نظمیں نکل چکی ہیں) اور سخن فہمی کا پایہ سخن گوئی سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ شگفتگی و زندہ دلی کی تصویر تھے۔ اور کم از کم مدیر صدق کے حق میں تو ایک پیکر ایثار و مجسمۂ اخلاص! احسانات اتنے زائد کہ سب نہ شمار میں آسکتے ہیں نہ یاد ہی رکھے جاسکتے۔ صحت خراب ایک عرصہ سے تھی، لیکن یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ وقت اتنا قریب آگیا ہو اچانک خبر وفات نے دل دہلا دیا۔ اللہ رحمتوں اور نوازشوں سے مالامال کردے!

رسائل و اخبارات

(سلسلۂ صدق ملاحظہ)

(۳) **شاد** - جلد اول۔ نمبر اول۔ اردو بزم ادب۔ ہائی اسکول۔ رانچی (صوبۂ بہار) کا چہار ماہی رسالہ۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت فی نمبر ۴ر

متفرق مضامین کا مجموعہ۔ بیشتر تعداد افسانوں کی ہے۔ رسالہ کا آغاز تبتا اہدنا الصراط المستقیم سے ہوتا ہے، لیکن خاتمہ ایسے مضمون پر جسکی آخری سطریں باری تعالیٰ کے سب سے سخت گستاخانہ ہیں۔ غلطی اگرچہ نادانستہ ہے لیکن بہرحال ہے شدید اور قابل گرفت۔ زبان پر بھی نظر ثانی کی ضرورت جابجا محسوس ہوئی۔

(۴) **حاذق** - ماہنامہ - نگراں، مجید حسن صاحب مالک مدنی دواخانہ، مدینۂ منزل۔ بجنور (یو۔پی) قیمت سالانہ عہ، فی پرچہ ار

اخبار مدینہ کی کامیابیوں سے کون واقف نہیں۔ اس کے مالک کی نگرانی میں ایک یونانی دواخانہ بھی کچھ عرصہ سے کھل گیا ہے، اور اب اسی کا آرگن یہ طبی رسالہ بھی نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس پہلے نمبر میں شذرات کے علاوہ حسب ذیل ابواب ہیں:-

امراض والمعالجات۔ حفظ صحت، اعجاز نباتات۔ تاریخ الحکماء، اقتباسات، وتحقیقات۔ مجربات۔ تنقیدات۔ تشخیص الامراض۔ انشائیے اور ہر باب کے ماتحت ایک یا متعدد مضامین۔ مضامین عام ناظرین کے نفع و دلچسپی کے تو بہرحال ہیں، اور عجب نہیں کہ طبیبوں کے بھی کام کے ہوں۔

پرچہ کے حسن کتابت و طباعت سلیقہ مدینہ پریس کا نام خود ایک ضمانت ہے۔ اور جو کاروباری سلیقہ اسکے مالک کو حاصل ہے۔ اسکے لحاظ سے اس ماہنامہ کے مستقبل کی طرف سے شبہ بھی نہیں ہوتا۔

(۵) **اضطراب** (لکھنؤ) خاص نمبر۔ جنوری ۱۹۴۱ء قیمت ۸ر، پتہ:- دفتر اضطراب - نظیر آباد - لکھنؤ۔

نظموں کے علاوہ اس کا بیشتر حصہ افسانوں کی نذر ہے۔ علی عباس حسینی، چودھری محمد علی، سلطان حیدر جوش، حیات اللہ انصاری کے افسانے بہت غنیمت ہیں۔ لیکن خدا معلوم بعض اور افسانوں کو، خصوصاً ایک خاتون کے لکھے ہوئے افسانہ کو، حضرت جگر مرادآبادی کے "نگران" رسالہ ہونے کے باوجود کیسے جگہ مل گئی۔ امید ہے جگر صاحب آیندہ انتخاب مضامین میں اتنی مروت کو دخل نہ دینگے۔ بحث و نظر کے زیر عنوان بعض مضامین اچھے خاصے ہیں۔ مثلاً نیاز علی صاحب کا مختصر مضمون "آجکل سے"۔ غزلوں کے حصہ میں اصغر گونڈوی مرحوم، جگر مرادآبادی، مجذوب، وش صدیقی، ماہر قادری کے نام بجائے خود ایک کشش رکھتے ہیں۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل خریداریوں کی میعاد ماہ مارچ ۱۹۴۱ء میں تمام ہو رہی ہے دفتر شکرگزار ہوگا اگر آپ حضرات ایسے وقت میں منی آرڈر بھیجدیں کہ ختم ماہ سے پہلے پہلے پہونچ جائے۔ ورنہ اپریل کا پہلا پرچہ بذریعہ وی پی روانہ ہوگا۔ اس صورت میں ۴ر کا زیادہ خرچ ہے۔ اگر کسی صاحب کو آیندہ خریداری منظور نہیں ہے تو براہ کرم ایک کارڈ لکھدیں تاکہ دفتر کو مصارف وی پی کی زیر باری نہ ہو۔

نمبر ۱۸۸، نمبر ۴۹۰، نمبر ۴۹۱، نمبر ۴۹۲

نمبر ۶۱۰، نمبر ۶۱۴، نمبر ۶۴۸، نمبر ۶۵۶

نمبر ۶۵۸، نمبر ۶۶۵، نمبر ۶۶۶، نمبر ۶۶۹

نمبر ۶۷۹، نمبر ۶۸۰، نمبر ۶۸۱، نمبر ۶۸۲

نمبر ۶۸۳، نمبر ۶۸۴، نمبر ۶۸۵، نمبر ۶۸۶

نمبر ۶۸۸، نمبر ۶۶۴، نمبر ۹۰۶

تدوینِ حدیث

(مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(نہایت افسوس ہے کہ صدق کا اداریٔ مقالہ ڈاکخانے کی غفلت سے ضائع ہو گیا، اس لیے یہ پرچہ بغیر کسی اداریٔ مقالہ کے نکل رہا ہے۔

اسکے بجائے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے نامکمل مقالہ کا ابتدائی حصہ درج کیا جاتا ہے)

علم حدیث پر بحث کرنے کے لیے ہمیں اپنے سامنے ان چند سوالات کو رکھ لینا چاہیے

(۱) حدیث کی حقیقت کیا ہے

(۲) اس علم کی تدوین کب، کس طریقہ سے، کس زمانہ میں شروع ہوئی اور ان طریقوں کا اس علم کے وثوق و اعتماد پر کیا اثر مرتب ہوا یا ہو سکتا ہے

(۳) ابتدا سے اسوقت تک اس فن کی ممتاز خدمتیں جن بزرگوں نے انجام دیں خود انکی اور انکے کارناموں کی تفصیل

(۴) اس فن کے متعلق کیا جدید تکمیلی کوششوں کی ضرورت باقی ہے۔

(۵) حدیث کے بعد فنِ حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی فن اسماء الرجال اور اصول حدیث کی حقیقت، انکی تاریخ، موجودہ حیثیت، ان کی آیندہ ترقیوں کے امکانات۔

حدیث کی حقیقت

سب سے پہلے میں پہلے سوال کو لیتا ہوں یعنی حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ عموماً دنیا میں دو طرح کی قومیں پائی جاتی ہیں۔ بعض بلکہ شاید زیادہ تر قومیں ایسی ہیں جنھوں نے اپنے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی کوشش نہیں کی اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ کسی قوم کا کوئی حال ماضی سے الگ ہو کر تعمیر پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن باوجود اس واقعہ کے، جیسے جیسے وہ آیندہ کی طرف بڑھتے رہیں اپنے ماضی کو بھلاتی چلی آئیں اور انکے پاس اپنے موجودہ حالات پر غور و فکر کرنے کے لیے گزشتہ حالات و واقعات، تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ گویا جس طرح جنگل کی زندگی گزاری جاتی ہے یہ بھی گزارتے ہیں۔ آخر کچھووں اور بجاروں کو کیا معلوم کہ انکے جد اعلیٰ کون تھے، کن کن جنگلوں، وادیوں، پہاڑوں نے جھلانگیں مارتے ہوئے انکے آباؤ اجداد مقام تک پہونچے، کن کن حالات سے انکو دوچار ہونا پڑا۔

لیکن انکے مقابلہ میں انسانوں ہی کا ایک طبقہ ان قوموں کا بھی ہے جنھوں نے حتی الوسع اسکی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اٹھایا جائے، اور اسکے لیے انکو ضرورت محسوس ہوئی کہ گزرے ہوئے واقعات کو کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لیا جائے۔ انسانیت کے اس گروہ کی اسی کوشش کا نام تاریخ ہے۔ ابتدا میں "تاریخ" کی حفاظت و بقا کا شوق قوموں میں کم رہا ہے، لیکن اب تو یہ ایک ایسی ناگزیر ضرورت بن گئی ہے کہ اپنی توانائیوں کا ایک بڑا حصہ ہر قوم اس پر خرچ کر رہی ہے جس سے ہم اور آپ سب واقف ہیں۔ جنگل کی زندگی بسر کرنے والے بھی اب اپنے آباء و اسلاف کے کارناموں کی جستجو گڑی ہوئی ہڈیوں اور پرانے مقبروں اور مرگھٹوں میں کر رہے ہیں۔ کونے کونے سے قدیم سکے برآمد کیے جا رہے ہیں، کہنہ قبروں کی کتابوں کے حروف پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے، پرانے کھنڈروں کی ایک ایک کھڈیاں کھنچی جا رہی ہے۔ انھیں پر واقعی کیسے یا خیالی، بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ گویا اس علم کی ناگزیر ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے اب تسلیم کر لیا ہے اور بجز چند ابتدائی الطبع، خشک مزاج، خشک دماغ فلسفیوں کے عام دنیا کا شدید رجحان بھی ان چیزوں کے جاننے کی طرف ہے۔

تاریخ اور فن حدیث

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان بڑے انگیز انقلابی حصہ کا نام سچ پوچھیے تو حدیث ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسل انسانی موجودہ حالت تک پہونچی ہے ان میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبۂ حیات ہی میں نہیں، بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، انسانی تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹ دیا، جس سے زمین کا کوئی خاص حصہ نہیں بلکہ بلا مبالغہ مشرق و مغرب دونوں متاثر ہوئے، ہو رہے ہیں، اور ہوتے رہیں گے۔ ماضی کے اس دہشت حیرت انگیز واقعہ کی تاریخی تفصیلی بیان کا نام حدیث ہے۔ اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے حدیث کا تعلق قرار دیا جاتا ہے لیکن جہاں تک واقعات و حالات کا تعلق ہے میں "حدیث" کو "انسانیت" کی تاریخ کا ایک حصہ قرار دیتا ہوں جسکی صرف یہی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک بڑے عدیم المثال انقلابی عہد سے اسکا تعلق ہے بلکہ سچ پوچھیے تو آج تک کسی کے پاس یا جس قوم و امت کے ہاتھ میں ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا بھی جو حصہ ہے وہ وثوق و اعتماد میں تاریخ کے اس محفوظ حصہ یعنی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ان آزردہ فطرت شکیوں میں نہیں ہوں، جو تاریخ کو جھوٹ کا جنگل قرار دیکر ماضی کا انکار کرتے ہیں۔ اور "جو کچھ محسوس ہو رہا ہے یہ نہیں محسوس ہو رہا ہے" اس سوفسطائی نظریہ پر زور دیکر حال کے وجود کو بھی شک کے دانتوں سے چبا کر ختم کرنا چاہتے ہیں، بلکہ تاریخ کے مقررہ معیار پر ماضی کے جن واقعات کی اب تصحیح ہو چکی ہے، انکی قدر کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ آیندہ کی راہ درست کرنے کے لیے ہمیں ہمیشہ ماضی کی روشنی سے نفع اٹھانا چاہیے۔

فاقصص القصص لعلهم یتفکرون لوگوں سے پچھلے قصے بیان کیا کرو تاکہ وہ سوچیں (قرآن مجید)

لیکن اگر یہ صحیح ہے، جیسا کہ ایک بڑے مشہور مسلم الثبوت مورخ کا بیان ہے "کسی زمانہ کے حالات جب قلمبند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانہ کے بعد (یعنی کتابی شکل اختیار کرنے کے بعد) یہی ایک دلچسپ تاریخی کتاب بنجاتی ہے، یورپ کی اکثر تصنیفیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔"

(باقی آیندہ)

فتنۂ انکارِ حدیث

(از مولوی منظور الرحمٰن صاحب ندوی گرامی)

منکرینِ حدیث کے شبہات کی اصولی تقسیم جن دو جزوں میں آپ نے فرمائی ہے (صدق ۔۔۔)

(۱) حجیتِ حدیث یعنی حدیث کا حجت دینی ہونا

(۲) احادیث کی تاریخی حیثیت یعنی احادیث مستند کہاں تک ہیں

چاہتا ہوں کہ اپنی بساط کے موافق ان دونوں جزوں کے متعلق کچھ عرض کروں لیکن اس عنوان پر کچھ لکھنے سے پہلے اور غور کرنے سے پیشتر اس بات کو سمجھ لینا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم (جنکے اقوال و اعمال کی حجیت زیرِ بحث ہے) کی حیثیت تھی کیا؟ کیا وہ صرف ایک نامہ بر یا پیامبر تھے کہ بس خدا کا پیغام اسکے بندوں تک پہونچا دیں اور خدا کی کتاب بندوں کو سنا دیں یا امت کے لیے اپنے آقا کی زندگی میں استفادہ اور استرشاد کے کچھ اور بھی مواقع تھے۔ یہی قرآن جسکو (بزعم خود) دیکھ اور سمجھ کر ہمارے ان کرمفرماؤں نے انکارِ حدیث کا سوانگ رچایا ہے اُسی قرآن کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم کی حیثیت نہ صرف ایک نامہ بر اور پیامبر کی حیثیت تھی بلکہ آپ کی سب سے اہم سب سے نمایاں اور سب سے بلند حیثیت یہ تھی کہ آپ کو قدرت کی طرف سے انسانوں کے لیے نمونۂ عمل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ آپ کا حکم و فرمان تو درکنار آپ کی نشست و برخاست آپ کا چلنا پھرنا ہنسنا بولنا لوگوں سے ملنا جلنا اسلام و کلام یہ امت کے لیے ایک مقدس نمونہ اور الٰہی مثال تھی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو خصوصیاتِ نبوی کے علاوہ زندگی کے ہر جزو میں اسی لائحۂ عمل پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے جو سرورِ عالم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں پیش فرمایا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ میں کیا اسی حقیقت کی طرف رہنمائی نہیں کی گئی ہے؟ آیت کے دوسرے جز میں تو صاف طور پر یہی بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کی رضا اور یومِ آخرت کی سعادت تک رسائی جو عبدِ مومن اور بندۂ مسلم کا معراجِ کمال ہے اسی راہ سے ہو سکتی ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر۔ اب سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس نبی اور رسول کی زندگی کو پروردگارِ عالم کی طرف سے عظمت اور اہمیت حاصل ہے وہ محض نامہ بر اور پیامبر کب ہو سکتا ہے۔ اور اُسکے ارشاد و فرمان، امر و نہی، تعلیم و تلقین کے واجب العمل ہونے پر اس سے زیادہ استدلال کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مگر اس آیتِ کریمہ کے علاوہ بھی بہت سی دوسری آیتیں ہیں جن میں رسول کریم کی اطاعت کا حکم اور اسی واسطے سے سنت و حدیث کی اہمیت و عظمت کا ثبوت موجود ہے، جن میں سے چند آیتوں کا ذکر یہاں درج کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔

۱۔ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (پ۵ سورۂ نساء) — اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

۲۔ قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تہتدوا (پ۱۸ سورۂ نور) — آپ لوگوں سے کہیے کہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پس اگر تم روگردانی کروگے تو اسکا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (پ۵ سورۂ نساء) — جو رسول کی اطاعت کریگا اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

یوم تقلب وجوہہم فی النار یالیتنا اطعنا اللہ و اطعنا الرسول (پ۲۲ سورۂ احزاب) — جس دن اوندھے ڈالے جائینگے انکے منہ آگ میں کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے اللہ و رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (پ۳ آل عمران) — اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم لوگوں سے محبت کریگا۔

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (پ۵ نساء) — پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو رجوع کرو اللہ اور رسول کی طرف

کیا ان آیتوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا گیا ہے؟ اور کیا ان آیتوں کا ایک ایک لفظ رسول کے حکم و فرمان کی عظمت و اہمیت کا آئینہ دار نہیں ہے؟ ان آیتوں پر ایمان لانے اور رسول کے اس مرتبہ کو سمجھ لینے کے بعد قرآن جیسی منادی کرتا ہے کس منطقی استدلال اور کس شرعی حجت کی بنا پر حدیث و سنت کے انکار کا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟

ان آیتوں کے علاوہ بعض دوسری آیتوں میں ارشادِ نبوی کی تعمیل کا حکم اور زیادہ تصریح کے ساتھ موجود ہے

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا — رسول تمہیں جو (حکم) دیں اُسے قبول کرو اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔

ہرچند کہ بعض مفسرین نے اس آیت کے مفہوم کو مالِ غنیمت کے سلسلہ میں محدود طریقہ پر بیان کیا ہے لیکن محقق اور با خبر اربابِ تفسیر کے قلم اپنی گردش میں منشاءِ الٰہی کی تہ تک پہونچے ہیں اور انھوں نے آیتِ قرآنی کے مفہوم کی وسعتوں کو محدود کر دینے کا گناہ گوارا نہیں کیا ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں

ہذہ الآیۃ عامۃ فی کل ما اتی رسول اللہ ونہی عنہ وامر الفیٔ داخل فی عمومہ — یہ آیت رسول کے ہر امر و نہی کے لیے عام ہے اور مالِ غنیمت کا مسئلہ بھی اسی عمومیت میں داخل ہے۔

علامہ ابو سعودؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

وما اعطاکم من الفیٔ او من الامر (فخذوہ) فانہ حقکم فتمسکوا بہ فانہ واجب علیکم (وما نہاکم عنہ) عن اخذہ و تعاطیہ فانتہوا عنہ — یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت میں جو حصہ دیں یا جو کچھ حکم فرمائیں اُسے قبول کرو اور مانو کہ وہ تمہارا حق ہے اور اسکا ماننا تم پر واجب ہے اور جس چیز کے لینے اور کرنے سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو۔

ایک دوسری آیت میں اطاعتِ خدا و رسول ہی کو شانِ ایمان قرار دیا گیا ہے

انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولٰئک ہم المفلحون — ایمان والوں کی بات یہی ہے کہ جب بلائے جائیں انکو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو تو انھیں تو کہیں ہم نے سُن لیا اور مان لیا

اسلامی تمدن

(مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں نواب بہادر یار جنگ کی ایک تقریر کا خلاصہ)

میں نے اپنی تقریر میں یہ عرض کیا تھا کہ تعلیمات اسلامی میں سب سے بڑی چیز انسانیت کی وحدت ہے۔ اسلام نے سارے حدود لسانی، وطنی، قومی اور نسلی مٹا دیے ہیں۔ یہ تعلیم کسی خاص مقام تک محدود نہیں۔ نئی دنیا ہو یا پرانی سب اس تعلیم میں شامل ہیں اس لیے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نے جو تعلیم پیش کی ہے وہ سب کے لیے عام ہے۔

جب آپ نے یہ سن لیا اور سمجھ لیا کہ توحید باری تعالیٰ اور وحدت انسانیت کے متعلق اسلام کا نظریہ کیا ہے تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کے متعلق اسکا تصور کیا ہے، یعنی انسان کی پیدائش کا منشا کیا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان حکومت الٰہیہ کے اقرار اور خلافت الٰہیہ کے قیام کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو ظاہر ہے کہ سب سے پہلے قیام خلافت کے لوازم درکار ہیں۔ یہیں سے وہ شعبہ وجود میں آیا ہے جو اسلام کے عملی قوانین سیاست اور مدنیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے اپنا مخصوص قانون بنایا جو ایک ناقابل عمل ہے اور آج بھی جب "دین لا" بہا کر بہت سے حصہ پر پھیلا یا ہوا ہے اسلامی قانون اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ یہ قانون اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اسکے ایک صنف کی تفصیل کے لیے مستقل وقت کی ضرورت ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ اسلامی تمدن و قانون کی بنا شعور صحیح پر ہے۔ جو اوہ صحیح کے تابع ہے، اور وہ شعور صحیح ایمان ہے۔ گویا اسلام میں مقدم ترین چیز ایمان ہے۔ اور اسکے بعد عمل صالح، ایمان درحقیقت ایک صحیح خیال کا نام ہے جو شخص بغیر ایمان کے عمل صالح کرتا ہے اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ریت پر محل تعمیر کرے۔ شعور صحیح حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس قرآن مجید موجود ہے۔

مسلمانوں نے قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی دوسری قوموں کے علوم بھی سیکھے۔ مثلاً یونان سے منطق و فلسفہ حاصل کیا لیکن اُسے اپنے مذہب کا بنا دیا۔ اُنھوں نے ارسطو کے ہاتھ سے منطق لی اور ہندوؤں سے علم ہیئت لیا۔ لیکن انکو پگھلایا اور پھر اسلام کے قالب میں ڈھالا (جسکی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں) مسلمانوں نے ان علوم میں اسقدر تبدیلی و اضافہ کیا ہے کہ آج اگر ارسطو کی روح دوبارہ دنیا میں لائی جائے تو وہ پہچان نہ سکیں کہ یہ وہی علوم ہیں۔

ذرا یونانی طب کو دیکھیے کہ اسکو کہاں سے کہاں پہونچا دیا اور اسے اپنا بنا لیا۔ آج اگر وہ یونانی اطبا اس طب کو دیکھیں تو یہ کہینگے کہ یہ ہماری نہیں ہے۔ اسی اصول کو فارابی، ابن سینا، اور ابوحیان اندلسی وغیرہ نے برتا۔ اُنھوں نے اپنے زمانہ میں علوم کے وہ خزانے جمع کردیے جنکا اب آپ کے لیے گنتا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے سیاسی حیثیت سے غلبہ حاصل کیا اور ربع مسکوں کو اپنے زیر اثر لے آئے اُسی طرح ہر چیز ہر قوم سے حاصل کی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی کہ اسے اپنا بنالیں۔ جس چیز کو یہ دیکھا کہ وہ اپنے مطلب کی نہیں بن سکتی تو اُسکو اپنے توشہ خانہ سے اُٹھا کر پھینک دیا۔ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاح کی اور اپنا ایک خاص تمدن قائم کیا، مثلاً مختلف قوموں کا لباس ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے بعض قومیں بالکل نیم برہنہ رہتی ہیں، لیکن اسلام نے اسکے اصول مقرر کردیے ہیں۔ مرد کو اپنی ناف سے لیکر گھٹنوں تک چھپانا چاہیے، عورت کو سینہ بھی چھپانا چاہیے۔ یہ اسلام کی تہذیب ہے۔ اب اگر میں کسی ایسی عورت کو دیکھوں جسکا سینہ کھلا ہوا ہے تو میں کہوں گا کہ تو مسلمان نہیں بلکہ کافر نظر آرہی ہے کیونکہ تیرا لباس اسلامی نہیں ہے۔ غرض اسلام نے دنیا میں آکر ہر چیز کی اصلاح کی اور اُس میں اعتدال پیدا کیا۔ کثافت اور گندگی دور کی اور ہر چیز کو صاف ستھرا بنا دیا اور انسان کو اُسکے اصلی مرتبہ پر پہونچا دیا۔ اسلام کسی اچھی چیز کے سیکھنے اور کسی علم کے حاصل کرنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے، البتہ یہ چاہتا ہے کہ تم ہر حالت میں سچے مسلمان رہو اور

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

(کانفرنس گزٹ)

نسوانی "ادب لطیف"

ادب لطیف ——— ایک خاتون کے قلم سے:-

"آہ ہمدم میری سرد آہوں سے۔
شمع بجھ جانے کو ہے۔
پھر بھی مایوس نہیں ہوں کیونکہ
اسکے پھر جلنے کی امید بھی ہے!"

آہ! اے دوست! میرے گرم آنسوں سے دامن تر ہو جانے کو ہے ——— پھر بھی مایوس نہیں کیونکہ ——— دامن خشک ہو جانے کی امید بھی ہے! ——— آہ اے دوست! میری آہوں سے گریبان میں آگ لگ جانے کو ہے ——— پھر بھی مایوس نہیں ہوں، کیونکہ ——— نئی قمیص کے سلوانے کی اُمید باقی ہے! ——— آہ اے دوست!

یہ "آہ اے دوست!" قسم کا ادب لطیف، جب تک ہمارے گھروں کی چار دیوار کے باہر کار فرما تھا تب ہی کیا کم تھا، مگر اب تو خواتین کے قلم کی نقاشیوں میں بھی نظر افروز ہونے لگا! آہ! اے دوست!!

(پیام)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

مولوی محمد سعید صاحب (راندیر) آپ کا مراسلہ مدت ہوئی وصول ہو گیا تھا، اور اُسی وقت سے بابت آپکے استفسارات کے جواب کی فکر تھی۔ پچھلے ہفتہ بڑا اعدا کرکے اُسپر ایک پورا مقالہ تیار کرکے درج ہونے کیلیے بھیجا گیا۔ ڈاکخانہ کی عنایت سے دفتر تک نہ پہونچ سکا۔ انا للہ۔ اب اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ پھر تکمیل کی زحمت گوارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

(اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ — دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب: (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:- محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق رشید آباد بلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ/
ششماہی ؎؎
بیرون ہندسے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؎

صدق لکھنؤ

نمبر ۴۲ | دوشنبہ - ۱۱ صفر المظفر سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

گیارہویں اور بارہویں اور تیرہویں صدی مسیحی کا زمانہ ہے، اور دنیائے مسیحیت ایک شدید مذہبی بحران میں مبتلا - انگلستان اور فرانس اور وسطی ومشرقی یورپ کے سارے بڑے اور چھوٹے ملکوں میں یہ جوش جنون طاری کہ جس طرح بھی ممکن ہو، حملہ کرکے اور یلغار کرکے بیت المقدس کو، مولد مسیح کو "ظالم وکافر" مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا جائے، "مقامات" کے پنجہ سے آزاد کرالیا جائے۔ بوڑھے اور لڑکے، جوان اور نوجوان، سب کے سب سپاہی بنے ہوئے، پیدل اور سوار، فوجی کوچ مقام کرتے ہوئے فلسطین کی جانب رواں۔ "ارض مقدس" تثلیث وتوحید مسیحیت و اسلام کی مستقل رزمگاہ! تثلیث کے اس ٹڈی دل لشکر کے اعداد تو تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں، اور "محاربات صلیبی" (کروسیڈس) کی تاریخ سے پڑھے لکھوں میں ناواقف ہی کون ہے؟ یہاں کہنے کی بات صرف اس قدر ہے، کہ مسیحی مجاہدوں اور صلیبی سپاہیوں کے جلو میں ایک مستقل فوج بیسواؤں کی تھی، اور انکی تعداد ۳۰ ہزار تھی! یہ مثال اُس لشکر کشی کا تھا، جو تمامتر دینی جذبہ، جوش کے ماتحت ہوا تھا!

دنیا، مہذب دنیا نے اور ترقیاں کیں، سائنس کی، علم کی، تہذیب کی ترقیوں کے نقارے سے عالم کی فضا گونج اٹھی۔ بیسیویں صدی عیسوی کے تیسرے عشرہ کے آغاز میں مہذب وشائستہ اٹلی نے ان پڑھ وحشی اور گنوار حبشہ پر چڑھائی کردی۔ وہ لاکھ وبربریت کے رہ کیسے سکتے تھے، علم پرور شائستگی نواز، حکمت دوست، سرکار اٹلی کا حکم ہوا کہ ایک گرمانے بیچ مقابل ایک با ضابطہ قحبہ خانہ (چکلہ) قائم کردیا جائے! انھیں بڑے بڑے افسروں، چھوٹے افسروں، سپاہیوں، سب کے لیے نگراں اور ارزاں، الگ الگ نرخ نامے مقرر کردیے گئے، اور سب کے لیے صبح، دوپہر شام اور رات کے گھنٹوں کے الگ الگ اوقات متعین ہوگئے! — ۔۔۔ آپ بیٹھے پھرتے ہیں "غزا" اور "جہاد" کے لیے جنت اور جنت کے حور وقصور کو، کبھی خواب میں بھی نصیب ہوئی ہیں آپ کو یہ سنا کیوں کی یہ فوری لذتیں اور لطف نقدی؟

سنہ ۱۹۱۴ء تا سنہ ۱۹۱۸ء کی مشہور جنگ عظیم برپا ہے۔ خاتمہ پر معلوم ہوتا ہے کہ امراض خبیثہ میں مبتلا ہونے والے بہادروں اور جوانمردوں کے اعداد حسب ذیل ہیں:—

برطانوی فوج میں ۳ لاکھ۔
آسٹروی فوج میں ۷ لاکھ اور ۸ لاکھ کے درمیان (صرف سنہ ۱۹۱۶ء تک اعداد)
فرنچ فوج میں ۱۶ لاکھ!

جرمن اور اتحادی دونوں مورچوں کے عقب میں سرکاری قحبہ خانوں کے مستقل انتظامات رہتے تھے۔ قرب وجوار کا ہر شہر اور ہر قصبہ اس "کار خیر" کے لیے وقف۔ راستہ کے دیہات، اُجاڑ مکانات، تباہ شدہ قلعے، سب اسی کی نذر! ہوٹلوں میں، چائے خانوں میں، کھانے کی میزوں پر شراب کے ساتھ ساتھ اس جنس عصمت کے نرخ نامے بھی باضابطہ درج! ۔۔۔ گویا جس طرح فقہا کے ہاں ایک مقالہ ۔۔ ہے، کفر دون کفر کی، یعنی کفر کے علاوہ ایک اور کفر کی، اسی طرح ہر فوج کے پیچھے ایک اور فوج! ایک فوج سپاہیوں کی، دوسری فوج رنڈیوں کی! ۔۔۔ ہے عرب قدیم کی تہذیب جاہلی میں بھی ہمت جدید تہذیب جاہلی سے مقابلہ کی؟ تفصیلات اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر گندی اور کریہ ہیں۔ انگل پرشٹ Revolt against our Engel-recht کی کتاب میں - صفحات ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۴، ۴۵ نمبر ۱ - تمدن میں ہمت سب

کی نقل کی کہاں سے لائی جائے !

کام کی رفتار

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کا کام اللہ کے فضل سے اپنی آخری منزلوں سے گزر رہا ہے۔ ان سطور کی تحریر کے وقت تک ۲۸ پاروں کا مسودہ صاف ہو چکا ہے، اور انکے تقابل و تنقیح سے بھی فراغت ہو چکی ہے۔ آخری پارہ دو پارے ہیں۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ دو مہینے کے اندر ان دونوں پاروں کے مقابلہ، تنقیح وغیرہ سے بھی فراغت ہو جائیگی۔ اسکے بعد پھر کچھ عرصہ مختلف فہرستوں کے تیار کرنے میں لگیگا، جب کہیں جاکر پریس میں جانے کی منزل آسکتی ہے۔ مگر ابھی تک اسکا انتظام کہیں سے نظر نہیں آتا۔ بھروسہ اسی پر ہے جس نے اب تک دستگیری فرمائی ہے۔

نئے کام کا آغاز

انگریزی ترجمہ و تفسیر کا کام ختم ہونے کے بعد، جیسا کہ قبل وقت ان صفحات میں عرض ہو چکا ہے، اردو ترجمہ و حواشی تفسیری کا کام بھی تھوڑا بہت شروع کر دیا گیا ہے۔ آج اسکا پہلا نمونہ درج ہے، اور ان شاء اللہ یونہی اسی طرح اسکے اگلے شائع ہوتے رہیں گے۔ انگریزی سے اردو ترجمہ کرکے یہ نمونے چھاپے دیے گئے تھے، ان میں اور اس جدید خدمت میں جو فرق ہے، ناظرین پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ صدق میں اشاعت سے خاص مقصود یہ ہے کہ اہل علم ناظرین انھیں غور سے ملاحظہ فرماتے رہیں اور اپنے مشوروں اور ہدایتوں سے برابر سرافراز کرتے رہیں۔ خامیوں کو بتانا ہی اصلی دوستی اور ہوا خواہی ہے

بعض آیات قرآنی

ایک ندوی عالم جو ماشاءاللہ خود بھی علوم قرآنی میں صاحب نظر ہیں، دریافت فرماتے ہیں:

(۱) الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت. (بقرہ - ۲۴۴) کیا ان لوگوں کی کچھ تعیین ہو سکتی ہے کہ یہ کون لوگ تھے ؟

(۲) ان اللہ مبتلیکم بنھر (بقرہ - ۲۵۰) یہاں کون سی نہر مراد ہے ؟

(۳) او کالذی مر علی قریة وھی خاویة علی عروشھا (بقرہ - ۲۶۱) آپ کے نزدیک الذی سے کون مراد معلوم ہوتا ہے ؟ مفسرین مختلف ہیں "

(۱) جی نہیں، اس قوم کی تعیین کے باب میں کوئی تاریخی بیان یا کوئی قول محقق نہ مل سکا۔ مختلف قیاسات جو کیے گئے ہیں، وہ ہر تفسیر پڑھنے والے پر روشن ہیں۔ توریت میں اس سے ملتا جلتا ایک بیان آتا ہے مگر وہ واقعہ کشفی رنگ کا معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو حزقی ایل نبی کی کتاب، باب ۳۷، آیت ۱-۱۰۔

(۲) دریا سے مراد فلسطین کا مشہور دریائے یردن ہے۔ یہ دریا ۰ ۷ میل لانبا ہے اور شمال میں حرمون پہاڑ سے نکل کر بحر مردار (بحیرہ لوط) میں گرتا ہے۔ ایک زمانہ میں یہی دریا فلسطین کی مشرقی سرحد کا کام دیتا تھا۔

(۳) محققین تو حضرت عزیر کی جانب گئے ہیں۔ اور قرین قیاس ہے کہ قریہ سے مراد یروشلم (بیت المقدس) لیا گیا ہے۔ بخت نصر کے اقتدار ۵۸۶ ق م میں وہ بالکل تاخت و تاراج ہو چکا تھا، وہی خاویة علی عروشھا اس پر صادق تھا۔ حضرت عزیر کا زمانہ اسکے کچھ عرصہ کے بعد پانچویں صدی اور کسی قدر چھٹی صدی قبل مسیح کا ہے۔

اسلام انگلستان میں

"حیرت کی بات ہے کہ محمدیت (اسلام) کے قدم حال ہی میں انگلستان میں جم گئے ہیں۔ اس اہم تحریک کے بانی لیورپول کے ایک وکیل کوئلیم آے ہیں۔ انھوں نے ۱۸۸۸ء میں اپنی سیاحت مراقش کے زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور واپسی کے بعد اپنے وطن میں اسلامی تبلیغ خفیہ اور علانیہ شروع کر دی تھی۔ عرصہ تک تو کامیابی نہ ہوئی لیکن اسکے بعد کچھ کچھ لوگ ادھر آنے لگے، اور انگلستان میں اسلام ایک واقع شدہ واقعہ بن کر رہا۔ .... چالیس سے بڑھ کر انکی تعداد پچاس تک پہونچ گئی ہے، اور بانی تحریک انگلستان میں اسلام کی مزید ترقیوں کے بارے میں بہت کچھ امیدیں قائم کیے ہوئے ہے" (ریبے ریجے پول کی "اسٹڈیز ان محمڈنزم" دیباچہ)

سطور بالا کا زمانہ تحریر ۱۸۹۲ء ہے، اور اس میں ذکر اس سے بھی کئی سال قبل کی اسلامی تحریک کا انگلستان میں ہے۔ کیا اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں لاہوری جماعت احمدیہ اپنے بار بار کے دہرائے ہوئے ان دعووں پر نظر ثانی کرے گی کہ گویا برطانیہ میں تحریک اسلامیت تمامتر اسی کی کوششوں کی رہین منت ہے، یا یہ کہ شرف اولیت اسی کو حاصل ہے ؟

تبلیغ دین نصف صدی قبل

"تحریک اسلام انگلستان میں کا مرکز لیورپول ہے، لیکن اسکی شاخیں ملک کے دوسرے حصوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ لندن میں بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۲۰ کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں لیکن وہ مشرق نژاد ہیں۔ مانچسٹر میں بھی ۲۰ مسلمان آباد ہیں۔ ووکنگ میں اورینٹل انسٹیٹیوٹ کے متعلق ایک مسجد بھی ہے، گو طالب علم اس انسٹیٹیوٹ میں دو ہی ایک ہیں۔ لیورپول میں ایک باقاعدہ مسجد گنبد اور مینار کے ساتھ اسکی تعمیر کی تجویز ہے، اور اسکے لیے چندہ بھی جمع ہو رہا ہے۔ لیکن چندہ کی رفتار بہت سست ہے، اور رقم زیادہ تر ہندوستان ہی سے آرہی ہے۔ لیورپول انسٹیٹیوٹ میں اسوقت ۵۲ ممبر شریک ہیں۔ ۱۴ ان میں سے خواتین ہیں" (ریبے ریجے پول کی "اسٹڈیز ان محمڈنزم")

یہ تصریحات جس باب سے ماخوذ ہیں، اسکا عنوان ہی "اسلام ان انگلینڈ" ہے۔ اور اسکے ۱۰-۱۱ صفحات میں ۱۸۹۱ء تک کی تفصیلات ایک مخالف اسلام مسیحی کے قلم سے درج ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں لاہوری مختصر جماعت کا یہ دعوی کرنا کہ وہی یورپ میں تبلیغ اسلام کی علمبردار ہے، بعض مبالغہ کے حدود میں قدم رکھ دینا ہے ——— ایک اہل دل جلے خواب.

سورۃ[1] الفاتحہ[2]

مکی[3]۔ رکوع[4] ۱۔ آیات[5] ۷۔ الفاظ[6] ۲۵۔ حروف[7] ۱۲۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم[8]۔	(شروع[9]) ساتھ نام[10] اللہ[11] بے انتہا رحم کرنے والے[12]، بار بار رحم کرنے والے کے[13]
الحمد للہ رب العلمین ۞	(ساری) تعریف[14] واسطے اللہ[15] کے، جو مربی[16] (ہے) سارے جہانوں[17] کا۔

---

[1] "سورۃ" کے لفظی معنی ہیں بلندی یا بلند منزل کے۔ السورۃ المنزلۃ الرفیعۃ (مفردات راغب) السورۃ الرفعۃ (لسان العرب) السور الشرف والفضل والرفعۃ (تاج العروس) جس طرح دوسری کتابیں ابواب میں تقسیم ہوتی ہیں، قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں، کہ گویا ہر سورت ایک بلند منزل کا نام ہے۔ وبہا سمیت السورۃ من القرآن اے رتبۃ (لسان) وبہ سمیت سورۃ القرآن لاجلالہ ورفعتہ وہو قول ابن الاعرابی (تاج)

سورۃ، شہر پناہ کی دیوار کو بھی کہتے ہیں۔ سورۂ قرآنی کو اس لیے بھی سورۃ کہا جاتا ہے، کہ گویا وہ فصیل شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وسور المدینۃ حائطہا المشتمل علیہا وسورۃ القرآن تشبیہاً بہا لکونہ محاطاً بہا احاطۃ السور بالمدینۃ (راغب)

قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں مرتب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں۔ آپ ہی کے ارشاد کے مطابق نئی سورت شروع کی جاتی تھی اور پرانی سورت ختم۔ کل تعداد سورتوں کی ۱۱۴ ہے۔

[2] "فاتحہ" کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے۔ چنانچہ قرآن مجید کی ابتدا بھی اسی سورت سے ہوتی ہے۔ گویا دیباچۂ قرآن ہے۔ سورتوں کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے ہیں۔ اکثر ایک ایک سورۃ کے کئی کئی نام روایت ہوئے ہیں اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں۔ سورۃ الشفاء، سورۂ رقیہ، ام القرآن وغیرہ۔ مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے۔

سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں۔ اہمیت خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز میں اسکا پڑھنا لازمی ہے۔ کوئی نماز بغیر اس جزو قرآنی کے مکمل نہیں ہوتی۔

[illegible] بلحاظ معنویت وجامعیت گویا کوزہ میں دریا [illegible] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"حمد باری کی یہ زبردست مناجات ... سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز، لیکن اس پر بھی معنویت سے لبریز" (جلد ۱۵۔ صفحہ ۹۰۳، طبع یازدہم)

اور بہت اقوال اس سے بھی بڑھ بڑھ کر ہیں۔

[3] قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم اہل تفسیر نے بہ لحاظ زمانہ نزول کی ہے۔ جو سورتیں، قبل ہجرت، رسول اللہ صلعم کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہو گئیں خواہ انکا نزول شہر مکہ کے حدود سے باہر ہی ہوا ہو، مکی کہلاتی ہیں۔ جو سورتیں بعد ہجرت، زمانہ قیام مدینہ میں نازل ہوئیں، خواہ انکا نزول شہر مدینہ کے حدود کے باہر ہی ہوا ہو، مدنی کہلاتی ہیں۔ لیکن یہ قاعدہ اکثریہ ہے، کلیہ نہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی سورت کے اندر مکی آیات رکھوا دی ہیں، یا اسکے برعکس۔ ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر لطیف تر احساس آپ سے بڑھکر اور کس کو حاصل ہوتا؟

اس لیے کسی آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا بے دشوار ہی۔ روایات جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں سب ظنی ہیں، مفید یقین نہیں۔ اور اس قسم کے عقلی و قیاسی اصول، کہ مثلاً یا ایہا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی آیتیں مدنی، اور یا ایہا الناس سے شروع ہونے والی مکی ہی ہونگی، محض تخمینی ہیں، کلی اور قطعی نہیں۔ اور ان روایات و نظریات کی بنا پر کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ حکم لگا دینا، یا قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر "ترتیب نزولی" کا نام رکھکر آمادہ ہو جانا بڑی جسارت ہے۔

[4] سورت کے اندر ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں [illegible] رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ تیسویں پارہ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں کل ایک ہی رکوع ہے۔

[5] آیت، اصطلاح میں، سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔ قرآن مجید کا ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا خود وہ ایک مستقل عبارت ہو، ایک آیت ہے۔ ولکل جملۃ من القرآن الدالۃ علی حکم آیۃ ... وقد یقال لکل کلام منہ منفصل بفصل لفظی آیۃ (راغب)

قرآن مجید کی کل آیتوں کا شمار ۶۶۱۶ ہے (اتقان)

[6] کل الفاظ قرآنی کی تعداد ۷۷۹۳۴ ہے۔ (اتقان)

[7] کل حروف قرآنی کی تعداد ۳۲۳۶۷۰ ہے۔ (اتقان) ــــ اللہ اللہ! کلام الٰہی کے عاشق و شیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اسکے واسطے کر گئے ہیں!

[8] قرآن کا افتتاحی فقرہ، جو بجز ایک کے، ہر سورۃ کی ابتدا میں دہرایا گیا ہے۔ یعنی ۱۱۳ بار۔ اور سورۃ النمل کے اندر عبارت میں بطور آیت قرآنی بھی آیا ہے۔

بسم اللہ کے جزو قرآن ہونے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ گفتگو اس میں چلی ہے کہ سورۃ کی ابتداء میں اسکی حیثیت آیا مستقل آیت کی ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ وامام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ نہیں بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت قرآنی تمیز کے، اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے۔ اتفق الناس علی انہا آیۃ من کتاب اللہ فی سورۃ النمل واختلفوا فی کونہا آیۃ فی اول کل سورۃ فقال مالک وابو حنیفۃ لیست فی اوائل السور بآیۃ وانما ہی استفتاح لیعلم بہا مبداہا۔ (احکام القرآن، لابن العربی مالکی) مفصل بحث ابو بکر جصاص حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے۔

ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہی تھی کہ [illegible]

مسیحیت اور ہندوستانی مسیحیت

عیسائیت جب ہندوستان میں آئی، اور بعض ہندوؤں نے اسکو اختیار کر لیا، اُس وقت سے آج تک برابر اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ ان لوگوں نے اس بدیشی مذہب کو سودیشی بنانے کی پیہم کوششیں کیں۔ جو لوگ مسلمان سے عیسائی ہوئے انھوں نے تو عیسائیت نے اپنا سامی و عبرانی رنگ و روغن کسی قدر قائم رکھا، اسلیے کہ وہ بچپن سے سامی انبیا اور توریت و زبور و انجیل کے نام سنتے چلے آئے تھے، لیکن ہندوؤں اور اچھوتوں کی آریائی اور دراوڑی طبائع نے اس سامی مذہب کی روح کو اخذ کرنے کی کبھی کوشش نہ کی، بلکہ اس کو "ہندو اسنے" کی سعی کرتے رہے۔

یہاں تک کہ یہاں کے عیسائیوں میں بھی ایک عجیب و غریب "فرقہ وارانہ کشیدگی" پائی جاتی ہے۔ وہ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک کی کشیدگی نہیں، بلکہ "مسلمان عیسائیوں" اور "ہندو عیسائیوں" کی باہمی اجنبیت ہے۔ جس طرح ہندو مسلمانوں سے متعصبانہ نفرت کرتے ہیں اسی طرح ہندو سے عیسائی ہونے والے لوگ، مسلمان سے عیسائی ہونے والوں کو بیگانگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور عام طور پر سیاسی و معاشرتی حقوق کے معاملہ میں ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس تعصب کی وجہ کا راز بھی یہی ہے کہ "مسلمان عیسائی" مسیحیت کو اسکی اصلی صورت اور سامی روحیت کے ساتھ قائم رکھنا چاہتے ہیں اور "ہندو عیسائی" اس مذہب کو تمام بدیشی اثرات سے پاک کرکے خالص ہندوستانی مذہب بنا لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جنوبی ہندوستان کے بعض عیسائی اخباروں اور رسالوں میں اس مقصد کے لیے مضامین بھی لکھے گئے۔ اور یہ مرض یہاں تک بڑھا کہ بعض عیسائی اسکالروں نے مسیح کو ہندوستانی ثابت کرنے کے لیے اس نظریہ کو بھی پیش کر دیا کہ مسیح ترونلویم (مدراس) میں پیدا ہوئے تھے۔

پچھلے دنوں لاہور میں بعض عیسائیوں کی طرف سے ایک عجیب حرکت کی گئی۔ ہندوستان، برما اور سیلون کے عیسائیوں کی ایک تحریک "اسٹوڈنٹ کرسچین موومنٹ" کے نام سے موجود ہے۔ جسکے سکریٹری پادری دلارام ہیں۔ اس تحریک کی شاخ لاہور کا ایک سالانہ جلسہ منعقد ہوا، اس میں عیسائیوں کے عام طریقۂ نماز کو ترک کر دیا گیا۔ بلکہ جو عیسائی اس تحریک کے سلسلہ میں شامل نماز ہوئے وہ اپنے جوتے باہر اتار کر فرش پر بیٹھ گئے۔ قربان گاہ پر دیئے روشن کیے گئے۔ اور لوبان جلایا گیا۔ گویا بالکل ہندوؤں کی پوجا پاٹ کا سا سماں پیدا کر دیا گیا۔ عیسائیوں میں جو چیزیں "اذان و فاتحہ" کی قائم مقام ہیں، انکی جگہ ٹیگور کی "گیتانجلی" میں سے کچھ اشعار پڑھے گئے۔ اور بعض دعائیں تلسی داس اور سنت تکا رام کے اشعار سے اخذ کرکے پڑھی گئیں۔

اس عبادت کے ساتھ ہندوستانی موسیقی تھی۔ گیت پنجابی زبان میں گائے گئے تھے، اور پوجا کے خاتمہ پر تمام عیسائیوں نے تین دفعہ شانتی۔ شانتی۔ شانتی بھی پکارا۔

یعنی اس تحریک کے رہنما مسیحی عبادت کو بھی بالکل ہندو پوجا پاٹ کے سانچے میں ڈھال رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عبادت کا مغربی طریقہ ہندوستانیوں کے لیے موزوں نہیں۔ لہٰذا کوئی ہندوستانی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ پادری دلارام نے یہ بھی فرمایا کہ "اسٹوڈنٹ کرسچین موومنٹ" کی ممبری کا دروازہ ہندوستان کی ہر قوم کے لیے کھول دینا چاہیے۔ غالباً اس سے پادری صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کو اس "ہندوستانی عیسائیت" کا گرویدہ بنائیں۔ اور ہندوانی انداز میں پوجا پاٹ کرکے ہندوؤں کو اپنے دام فریب میں لائیں۔

اسی سے اندازہ کیجیے کہ جو لوگ حضرت مسیح کا دین اختیار کرنے کا دعوے کرتے ہیں، اور پھر اسی دین پر ترمیم و اصلاح کی دست درازی کر رہے ہیں، ان سے اسلام کب محفوظ رہیگا۔ اگرچہ اسلام نے ایک ہزار سال کی مدت میں اپنے آپ کو ہندوؤں کی مذہبی زندگی سے الگ رکھا ہے، اور "اسلام سماج" اور "محمدی ہندو" (!) نہیں بننے دیے، لیکن ہندوؤں کا خیال یہی ہے۔ اور بارہا مختلف طریقے سے ظاہر بھی کیا جا چکا ہے کہ اسلام ایک بدیشی مذہب ہے اور مسلمانوں کو بدیشی مذہب، بدیشی زبان اور بدیشی نام وغیرہ بالکل اختیار نہ کرنے چاہییں۔ (انقلاب)

ہندوستانی ادب

(بقیہ صفحہ ۶)

رسول کی صحیح عظمت و وقعت تھی .... عشق رسول کے حقیقی جذبات سے انکا دل معمور تھا۔ جہاں رسول کا پسینہ گرتا وہاں وہ اپنا خون گراتے۔ رسول کے چشم و ابرو کے اشارہ پر اپنی جانیں تصدق کرتے۔ وہ رسول کی نظر کرم کو اپنی زندگی اور نظر عتاب کو اپنی موت تصور کرتے۔ ناممکن تھا کہ کسی ایک نقطہ کو بھی وہ خود رسول کی طرف غلط منسوب کر سکتے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر حدیث کی حجیت دینی اور اسکی "تاریخیت" کا انکار بدیہیات کا اور روز روشن میں آفتاب کا انکار ہے۔

تدوینِ حدیث

(۳)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ)

اس وقت ہمارے پاس ماضی کی تاریخوں کا جو ذخیرہ ہے خواہ وہ روم ہو یا یونان، چین ہو یا ایران ان قدیم اقوام کی تاریخ جن ذرائع سے مرتب ہوئی ہے، اگر ان کے اساسی سرچشموں کی جانچ کی جائیگی تو جو کچھ اس نامنقل مورخ نے بیان کیاہے، بہت کچھ اس کی توثیق کرنی پڑیگی۔ مشکل ہی سے انسانوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی تاریخی یادداشت مل سکتی ہے جسے واقعہ کے عینی شاہدوں نے خود مرتب کیا ہو۔ یا ان کے براہ راست بیانوں کو خود انہی سے سُن کر کتابوں میں درج کر دیا گیا ہو، اتفاقاً اگر کوئی ایسی چیز مل بھی جائے تو اس کا پتہ چلانا قطعاً دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے، کہ ضبط و اتقان، سیرت و کیرکٹر کے لحاظ سے انکا کیا درجہ تھا۔ معتبر سے معتبر ترین کسی تاریخی ذخیرہ کے وثوق کے متعلق اگر کوئی بات پیش کی جاسکتی ہے تو یہی ہے کہ جس زمانہ میں واقعہ گزرا ہے مورخ خود بھی اُس زمانہ میں موجود تھا، اتفاق سے کسی واقعہ کے متعلق اگر ایسی شہادت میسر آجاتی ہے تو تاریخ کا یہ حصہ زریں شاہکاروں میں شریک کر دیا جاتا ہے۔ لیکن خود اس معاصرت کا یہ حال ہے کہ قدیم ماضی کے تاریک زمانہ کو تو جانے دیجیے، آج جبکہ جدید صناعات و ایجادات نے زمین کی طنابیں کھینچ کر ایک ملک کو دوسرے ملک سے لا دیا ہے، تعلیم عام ہو چکی ہے، کم از کم یورپ کے مکتبوں اور اسکولوں میں روے زمین کے اطلسوں کا مطالعہ ہر ایک کو کرا دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ نہیں آئے دن ایسی ایسی جہالتوں اور غلط فہمیوں کے شکار غریب جاہل مشرقی ہی نہیں بلکہ فرزانہ و دانا فرنگ کے ارباب خبر و علم ہوتے رہتے ہیں، کہ بعض وقت آدمی کو حیرت ہو جاتی ہے۔ اور تاریخ جھوٹ کا جنگل ہے، دماغ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اس دعوے میں کچھ واقعہ کا عنصر بھی شریک ہے؟ بہت پرانے زمانہ کی بات نہیں ہے کہ ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ (پنجاب) کا مشہور زلزلہ ہندوستان میں آیا تھا، ایک نہیں بلکہ متعدد انگریزی اخباروں میں اس زلزلہ کے متعلق یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ "کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے، وہاں ایک سخت زلزلہ آیا" اور بیچارے اخبار والے تو شہر خبروں کی جماعت ہے، عام طور پر گپ نویسی میں یہ بدنام ہے، اس میں اس زلزلہ کے متعلق یہ عبارت اسوقت تک موجود ہے:-

"ایک سخت زلزلہ نے ایک وسیع ضلع میں جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے عام تباہی اور سخت نقصان پہنچایا"

نتائج کی تفصیل بتاتے ہوئے صرف اسی مورخ نے نہیں، بلکہ دوسروں نے بھی یہ ارقام فرمایا ہے:-

"اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے"

حالانکہ پنجاب گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس زلزلہ میں بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہیں ہوے تھے۔ معاصر مورخین کی کتابوں میں اگر اس قسم کی غلطیوں اور بوالعجبیوں کو تلاش کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو جائے۔ سیاحوں کی یادداشتوں کو بھی تاریخی وقائع کے ثبوت میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور اتنا سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پیدا ہوتی کہ خود اس سیاح کا اپنے ذاتی رجحانات، سمجھ بوجھ، سچائی، راستبازی میں کیا حال تھا۔ لیکن ان سیاحوں کی بدولت واقعات کی صورت کبھی کبھی کتنی مسخ ہو جاتی ہے اس کا ایک سرسری اندازہ ہمارے موجودہ میر شعبہ دینیات و مذہب ناظر یار جنگ جسٹس حیدرآباد (ہائیکورٹ) کے ڈرائنگ روم کی ایک تصویر سے ہو سکتا ہے جو انگلستان کے ایک معتبر اخبار سے الگ کر کے محفوظ کی گئی ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک موقع کی تصویر ہے اور اسکے نیچے چھپے خط حروف میں یہ لکھا ہوا ہے کہ بودھ مذہب کے لوگ اپنی ایک مشہور مذہبی رسم جو "اوتایا" کے نام سے موسوم ہے ادا کر رہے ہیں۔ میں نے اس تصویر کے نیچے جب اس فقرہ کو پڑھا تو بار بار حیرت ہوتی تھی کہ آخر یہ کیا ہے۔ تصویر سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے، انکی شکل و صورت، لباس، وضع، قطع، طریقہ نشست، ہر چیز ہندی مسلمانوں کی تھی، لیکن معتبر سیاح نے جس وقت یہ فوٹو لیا تھا، اسکے نیچے اس نے یہی عبارت درج کی تھی۔ آخر جب میر شعبہ صاحب باہر تشریف لائے، اُن سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے قصداً اس تصویر کو اسی لیے محفوظ کیا ہے تاکہ یورپین سیاحوں کی تاریخی شہادت کی ایک گواہی مہیا ہو، آپ نے فرمایا کہ یہ دہلی میں نماز عید کے موقع کی تصویر ہے۔ ایک مغربی سیاح نے اس عید کو "اوتایا" بنا دیا اور "اوتایا" کو خدا جانے کس طرح اس نے بودھ مذہب والوں کی رسم قرار دے کر اخبار میں اپنے اس جدید انکشاف کا اعلان کیا۔

ان چند تفکاہی مثالوں کے پیش کرنے سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ واقعی دنیا کے موجودہ تاریخی ذخیروں کو بالکلیہ غیر معتبر اور ناقابل لحاظ قرار دینا چاہتا ہوں بلکہ مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان احتمالات و شکوک کی کمزوریوں کے باوجود بھی آج جب علمی دنیا میں "فن تاریخ" ہر قسم کے احترام و اعزاز کا مستحق ہے تو "حدیث" جو صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تمام دنیا کی انسانیت کے ایک عظیم انقلابی عہد آفریں کا ایک ایسا مکمل تاریخی مرقع ہے جسے ٹھیک حقیقی اور اصلی شکل و صورت بلکہ ہر خط و خال کی حفاظت میں لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کی وہ ساری کوششیں اور تدبیریں صرف ہوئی ہیں جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق آدمی کا دماغ سوچ سکتا ہے، بلکہ اس کی حفاظت و صیانت میں بعض ایسے قدرتی عوامل نے بھی کام کیا ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا جو دنیا کے کسی تاریخی واقعہ کو نہ اس وقت تک میسر آئے اور نہ آیندہ آسکتے ہیں۔

کلیاتِ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علماء اسلام و حکماء یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ، بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں منجملہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبد القوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد بلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
" ششماہی یعہ
بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؎

صدق
لکھنؤ

نمبر ۴۴ | دوشنبہ - ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

ولاتقبل شہادۃ مخنث ومراده المخنث فی الردی من الافعال لانہ فاسق ... ولا نائحۃ ولا مغنیۃ لانہما ترتکبان محرماً ... ولا مدمن الشرب علی اللھو لانہ ارتکب محرم دینہ ولا من یلعب بالطیور لانہ یورث غفلۃ ولانہ قد یقف علی عورات النساء بصعود سطحہ لیطیر طیرہ ولا من یغنی الناس لانہ یجمع الناس علی ارتکاب کبیرۃ (ہدایہ، جلد ۳ - کتاب الشہادۃ)

اسلامی عدالتوں میں شہادت نہ قبول کی جائیگی مخنث کی، اور مخنث وہ ہے جو اپنے افعال کے لحاظ سے فاسق ہو (نہ وہ جسکے اعضاء میں پیدائشی لوچ ہو) اور نہ بین وبکا کرنے والی کی اور نہ گانے والی کی، کہ یہ دونوں عورتیں مرتکب ہیں فعل حرام کی۔ اور نہ اُسکی جو بہ طور تفریح شراب پیتا رہے، کہ وہ ایسی چیز کا مرتکب ہوتا ہے جو دین میں حرام ہے، اور نہ پرندبازکی، کہ پرندبازی سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور پرند اڑانے کے لیے کوٹھے پر چڑھنے سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ اور نہ اُسکی جو لوگوں کو گانا سناتا ہے، اس لیے کہ وہ لوگوں کو گناہ کبیرہ پر جمع کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

اقتباسات، تشریحی ترجمہ کے ساتھ، فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہدایہ کے گزر چکے۔ اسلامی حکومت کا مطلب آپ سمجھے؟ اسلامی حکومت اگر ہوتی، تو ادنٰی اور، کبوتر بازوں اور پیشہ ور گانے والوں، گانے والیوں تک کی گواہی کسی عدالت میں قبول نہ ہوتی! یہ ایسے ذلیل، ایسے حقیر ٹھہرتے! کبوتربازی بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ لیکن اسکے لازمی اور فطری روابط کیا گیا ہیں، فقہاء اسلام اور مقننین شریعت کی نظران گہرائیوں اور ان باریکیوں تک پہونچی، اور ظاہری نظر میں ایسے بے ضرر نظر آنے والے مشغلوں تک پر پہرا بٹھا دیا گیا! کیا ٹھکانا ہے اس احتیاط اور اس طہارت پسندی کا! بدی کے سرچشموں پر کس کس طرح بند باندھے ہیں! ـــــ فہرست ابھی تمام کہاں ہوئی ہے؟ چند عنوانات پر نظر اور کرتے چلیں:-

ولا من یفعل الکلام غیر الاذار او یاکل الربوا او یقامر بالنرد والشطرنج ... ولا من یفعل الافعال المستحقرۃ کالبول علی الطریق والاکل علی الطریق لانہ تارک للمروۃ واذا کان لایستحیی عن مثل ذلک لایمتنع عن الکذب فیتہم۔

اور نہ اُسکی گواہی قبول ہوگی جو حمام میں برہنہ داخل ہو، اور نہ اسکی جو سود کھاتا ہے، اور نہ اس کی جو جوا کھیلتا ہے نرد یا شطرنج کے ذریعے ... اور نہ اسکی جو خفیف و حقیر حرکتیں کرتا ہے، مثلاً سڑک پر پیشاب کرتا ہے، سڑک پر کھانا کھاتا ہے، اس لیے کہ جب اس میں اتنی بھی غیرت و خودداری نہیں، تو وہ جھوٹ سے کب باز رہیگا۔

یہ قاعدے اور ضابطے بجائے خود کیسے ہیں، اسے چھوڑیے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ اگر کہیں (امر محال سہی، لیکن بہرحال فرض کرلینے میں ہرج ہی کیا ہے؟) اسلامی حکومت قائم ہوگئی، شریعت کا قانون اگر کہیں نافذ ہوگیا، تو جس تہذیب اور جس تمدن پر آج اتنا فخر ہے، جس شائستگی اور جس نظام پر آپ آج لٹے ہوئے ہیں، اسکی کوئی گنجائش باقی رہ جائیگی؟ میوزک کالجوں کا کیا حال ہوگا؟ سینما ہاؤس کے دن کے دوالے نکلیں گے؟ آرٹ کے بڑے بڑے نگار خانوں کا کیا حشر ہوگا؟ نقاشوں، مصوروں کو زندگی کے دن کی نصیب ہوگی؟ فلم اسٹار، ریڈیو اسٹار کے گھڑی جینے پائینگے؟ سرراہ بڑے بڑے ریسٹورانوں، چائے خانوں [illegible]

لندن، نیویارک کے عالیشان ہوٹلوں کی عمارت پر کیا گزر کر رہیگی؟ کارنیوال کی قسم کے تماشے ایک دن بھی جینے کی مہلت پا سکینگے؟ تاش، گنجفہ، چوسر، شطرنج کی ترقیوں کے لیے قائم ہونے والے کلب کس کا سہارا ڈھونڈینگے؟ —— "اسلامی حکومت کی طلب و تمنا کیجیے" اسکے یہ معنی و مفہوم سمجھنے کے بعد بھی باقی ہے؟

پہنچا تو دیگا تجھ کو مبارک یہ حال تیر
سایہ بھی چھوڑیں آپ نے تو دل کو لگا سیکھا

دو مسلسل مضمون

صدق میں دو مضامین پچھلے دو نمبروں سے ایسے نکل رہے ہیں، جو ناظرین کی توجہ و التفات کے خاص طور پر محتاج ہیں، ایک مضمون مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ کا ختم نبوت پر ہے۔ یہ مبسوط مقالہ ابھی متعدد نمبروں میں نکلیگا۔ اپنی بحث اور اسکے متعلقات پر جامع، اور گویا آخری فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا کا قلم اپنی نکتہ آفرینیوں کے لیے تو مشہور ہی ہے، لیکن یہ مقالہ تو گویا الہامی ہے۔ دل میں اگر کچھ بھی انصاف باقی ہے، تو بڑے سے بڑے منکر ختم کے شبہات کے ازالہ کے لیے کافی ہے۔ عوام و خواص دونوں کو ان شاء اللہ اپنے اپنے کام کی باتیں مل جائینگی۔ دوسرا مضمون کہنا چاہیے کہ صدق کا اب ایک مستقل جزو رہیگا۔ اس سے مراد اردو تفسیر قرآن سے ہے۔ ان شاء اللہ اس کی قسطیں برابر نکلتی رہینگی۔ یہ انگریزی سے ترجمہ نہیں (جیسا کہ اسکے قبل کا سلسلۂ تفسیری رہ چکا ہے) بلکہ خود اردو کی زیر تحریر مستقل تفسیر ہے۔ قسط وار اسکی اشاعت سے مقصود خاص یہ ہے کہ اہل علم کی نظر اس پر پڑتی رہے۔ اور ان حضرات سے استدعا ہے کہ ازراہ کرم اپنے مشوروں، ترمیموں، ہدایتوں سے مدیر کو مطلع فرماتے رہیں۔ ابھی گنجائش اصلاح، ترمیم، حذف و اضافہ کی ہے۔ کتابی صورت میں آنے سے قبل ایسی امداد ہم پہونچ جانا ایک نعمت ہے۔

سر شاہ سلیمان مرحوم

مارچ کی ۱۲ تھی کہ پائنیر میں سر شاہ سلیمان کی خبرِ وفات پر دفعۃً نظر پڑی۔ دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ فرطِ ذہانت سے چمکتی ہوئی آنکھوں والا نقشہ نظروں کے سامنے پھر رہا تھا، اور دل کسی طرح یہ قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا کہ ایسا درخشاں چہرہ اتنی جلد یوں زیرِ خاک ہو جائیگا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ انکی ظاہری شہرت، دنیوی مرتبہ و اعزاز سے سب واقف ہیں، سائنس اور ریاضیات میں انکا جو پایہ تھا، اس سے بھی ہندوستان ہی کے نہیں، یورپ اور امریکہ کے خواص خوب واقف تھے۔ کم لوگوں کو علم ہوگا، کہ مرحوم باین فضل و کمال، باین جاہ و حشم، پختہ مسلمان بھی تھے۔ طبیعت میں تواضع و انکسار غضب کا تھا۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے جلسوں میں بارہا یہ منظر دیکھنے میں آیا، کہ کوئی اسلامی و دینی مسئلہ درپیش ہوا اور "روشن خیال" و "تجدد نواز" ممبروں نے حسب معمول اس پر اشتعال انگیز طبع آزمائی شروع کی، اُس وقت وائس چانسلر سر سلیمان ہی کی مذہبیت آڑے آتی، اور وہ اپنے اقتدار و تدبر دونوں کو کام میں لاکر جلسہ کو مزید برہمی سے بچا لے جاتے —— ابھی ایک ہی سال اُدھر کی بات ہے، جلسہ میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن سے ہونا چاہیے۔ "روشن خیال" ممبروں نے مضحکہ شروع کر دیا۔ ایک صاحب بولے، جلسہ ہی کا نہیں، ایجنڈا کی ہر ہر دفعہ کا آغاز قرآن سے ہونا چاہیے۔ دوسرے صاحب نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن ہی نہیں، دو دو رکعت نماز سے ہونا چاہیے —— ان حضرات کے نزدیک تجویز ایسی ہی عجیب غریب و قابلِ مضحکہ تھی! —— سر سلیمان نے خوش ظرفی سے اس مظاہرہ کو روکا اور تجویز نہ صرف منظور کرادی، بلکہ ہر جلسہ کا افتتاح خود ہی آیۂ کریمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ہلکا سا نمونہ تھا انکی مذہبیت کا۔ آج سے چار سال اُدھر جب مدیر صدق کے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کا پہلا پارہ تھوڑی سی تعداد میں بطور نمونہ طبع ہو کر تقسیم ہوا، تو اونچے حلقوں میں اسکی سب سے زیادہ داد دینے والے مرحوم ہی تھے۔ آج کام یہی چیزیں آ رہی ہونگی۔ الہ آباد ہائی کورٹ کی چیف جسٹسی و فیڈرل کورٹ کی ججی، اور سارے مناصب و مراتب تو بس اسی عالم آب و گل تک ساتھ دینے والے تھے۔

ملی بے غیرتی

"دو شاعر جسکے ہاں اتنا تنوع ہوگا اور جو اتنا پھیلا [illegible] کبھی کبھی لغزش شعر بلکہ غلط شعر بھی سرزد ہو جائیگا۔ انگریزی شاعر پوپ کا یہ مصرعہ ضرب المثل ہو گیا ہے، کہ کبھی کبھی ہومر بھی اونگھنے لگتا ہے۔ اور کچھ راسخ العقیدہ مگر اللہ کو بھی چھیڑنے: اے منچلے مسلمان قرآن پاک تو مسلسل پڑھا کیے اُٹھتے ہیں کہ اللہ میاں آپ سے کیا کہنے لگے" (رسالہ ... مارچ ۴۱ء صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴)

اقتباس اردو کے ایک ہندو شاعر کے تازہ مضمون سے ہے۔ مضمون میں شاعر صاحب نے اپنی شاعری پر اپنے ہی قلم سے تبصرہ فرمایا ہے۔ اور اپنے کلام کے نشیب و فراز، پست و بلند کی توجیہ میں یہ فقرہ بھی تحریر فرمایا ہے جس پر یہاں خط کھینچ دیا گیا ہے۔ اس بحث کو چھوڑیے، کہ یہ تعبیر خود صحیح کہاں تک ہے، اور ان "راسخ العقیدہ" مسلمانوں کا وجود اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے کہاں ہے، جو (نعوذ باللہ) اللہ کو بھی چھیڑتے رہتے ہیں۔ مضمون نگار کے اس ذوق سلیم و جذبۂ شرافت کی داد دینے پر وقت نہ ضائع کیجیے، کہ اس نے ایک مسلمان رسالہ کے صفحات کی میزبانی سے کیا خوب فائدہ اٹھایا! بیچارہ کو کیا خبر کہ مسلمان کا تعلق اپنے اللہ سے کیا اور کس قسم کا رہتا ہے، اور یہ بے محل تمسخر کسکے لیے کس درجہ دلآزار ہے۔ حیرت صرف رسالہ کے مسلمان اڈیٹر پر ہے۔ انھوں نے آخر کیا سمجھ کر اس فقرہ کو بعینہ اسکے حال پر رہنے دیا؟ اگر اسکو سرے سے حذف نہیں کر سکتے تھے، تو کم از کم اس پر ایک تنبیہی فٹ نوٹ بھی کیا نہیں دے سکتے تھے؟ —— عقائد کا سوال یہاں اتنا نہیں، جتنا غیرت و خودداری کا ہے۔ —— اور پھر جب یہ یاد کر لیا جائے کہ پرچہ اُنکا یا کسی کا ذاتی نہیں، بلکہ ملک کے ایک مشہور "اسلامی" ادارہ درسگاہ کا ماہنامہ آرگن ہے!!

سورۃ الفاتحہ

(بہ سلسلۂ [illegible])

صراط الذین انعمت علیہم ۝ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝ — راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ہے۲۸، نہ اُن لوگوں کا جو زیرِ غضب آ چکے ہیں۲۹، ۳۰ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۳۱۔

ف۲۸ (باب ہدایت میں) یہ صراط المستقیم کی تشریح مزید ہے۔ تعلیمات و ہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے اندر آ گئیں۔ لیکن حکمت الٰہی نے مزید شفقت و کرم سے ان تعلیمات و ہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی روح و قالب میں، انسانی سیرت و صورت میں دنیا میں بکثرت بھیج دیے ہیں، تاکہ اس راہ مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہو جائے۔ انعام پائے ہوئے لوگ، انبیاء و مرسلین ہیں جنکی زندگی کے واقعات قرآن مجید میں بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے سردار سرورِ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی سیرت پاک کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر انکے بعد انکے جو صحیح نائب و جانشین ہوتے رہے ہیں، اور ہر دور میں ہوتے آتے ہیں، یعنی اولیاء امت یا صدیقین، اور پھر شہیدان راہ حق اور عام صالحین، یہ بھی ایک حد تک نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے ہوؤں کی فہرست کے عنوانات خاص گنا دیے ہیں۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین (سورۃ النساء ع ۹)

انعمت علیہم کے لفظ سے بعض اہل تحقیق نے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ جن بزرگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے، اسکی تہ میں اصل شے محض انعام الٰہی و فضل خداوندی ہے۔ وفی ہذہ الآیۃ دلیل واضح علی ان طاعۃ اللہ جل ثناؤہ لا ینالہا المطیعون الا بانعام اللہ بہا علیہم وتوفیقہ ایاہم لہا۔ (ابن جریر)

ف۲۹ غیر المغضوب سے مراد غیر صراط المغضوب ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا ہے، مضاف محذوف ہے۔ عربی میں اسطرح حذف کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ایسا حذف قرینہ مقام سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ فحذف الموصوف واکتفی بالصفۃ وہکذا غیر المغضوب علیہم اکتفی بالمضاف الیہ عن ذکر المضاف وقد دل علیہ سیاق الکلام (ابن کثیر)

ف۳۰ یعنی دانستہ و ارادۃً کج روی کی بدولت۔

"زیر غضب" سے مراد "زیر غضب الٰہی" ہے۔ انعام الٰہی کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا۔ وہاں صیغہ استعمال ہوا تھا معروف کا، اور ضمیر مخاطب صریح تھی۔ انعمت "تو نے انعام کیا ہے" یہاں ذکر غضب الٰہی کا ہے، صیغہ بجائے معروف کے مجہول کا ہو گیا، اور ضمیر مخاطب صریح نہ رہی۔ یہ اثر ہے غلبۂ رحمت الٰہی کا۔ غضب خداوندی کا ذکر اگلے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے:—

"اب تو مجھکو چھوڑ کہ میرا غضب اُن پر بھڑکے اور میں اُنہیں بھسم کر دوں" (خروج - ۳۲:۱۱)

نیز خروج ۳۲: ۱۲، ۲۲، تثنیہ ۹: ۱۹، ۲۱ - ۱۰۔ اور انجیل جسے سراسر حلم و شفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے، وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ مثلاً متی ۳: ۷، ۸، ۱۰، مکاشفہ ۱۹: ۱۵۔

بعض جدید اہل قلم نے مسیحی پادریوں کے جدل سے متاثر ہو کر یہ عجیب روش اختیار کی ہے کہ اسلام میں غضب الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔ پادریوں نے غضب الٰہی کو قیاس کیا تھا انسانی غصہ اور طیش پر۔ جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کے اس انفعال و تاثر کا بے شبہ گزر نہیں۔ لیکن اسکے آثار سے ہوئے قوانین و احکام جو سراسر انسان ہی کے نفع و مصلحت، فلاح و بہبود کے لیے ہیں، کوئی بدبخت اگر انھیں توڑنے پھوڑنے پر آ جائے، تو کیا ان کم فہموں کا خیال ہے کہ حق تعالیٰ بھی بر ایں عظمت و جلال، بر ایں قدرت و کمال، کوئی سادھو، سنیاسی ہوا ہے، کہ یہ سارا تماشہ بے حسی، خاموشی کے ساتھ، جمود و تعطل کے ساتھ دیکھتا رہے، اور اصلاح حال کے لیے اپنی غیر محدود قوت اور لامتناہی توانائی کو حرکت میں نہ لائے؟ دفع فساد کے لیے عملی اقدام نہ کرے؟ —— اسی اقدام عملی، اسی حرکت ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضب الٰہی ہے۔ جب دوستوں، عزیزوں اور ماں باپ کے لیے ناممکن ہے کہ بچہ کو زہر گلاس پیتے دیکھیں، اور فرط شفقت سے خاموش رہ جائیں، تو حق تعالیٰ تو بندوں کے حق میں ہر باپ اور ماں سے ہزاروں درجہ زیادہ شفیق ہے، وہ کیسے جامد و ساکت رہ سکتا ہے؟ اسکا غیظ و غضب درحقیقت اسکی رحمت ہی کا تتمہ و تکملہ اور اسکی شفقت کا لازمی نتیجہ ہے۔

مفسرین علی العموم اس طرف گئے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں۔ احادیث و آثار اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ من لعنہ اللہ وغضب علیہ سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن بعض نے مراد مشرکین بھی لی ہے۔

عجب نہیں کہ یہ لفظ عام ہو اُن سب کے حق میں جو حق کی مخالفت ازراہ شرارت و خبث نفس دانستہ کرتے رہتے ہیں۔

ف۳۱ یعنی نہ اُنکا راستہ جو اپنی غفلت و بے التفاتی کی بنا پر حق کا رخ ہی نہیں کرتے۔

عموماً مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ احادیث و آثار بھی اسی کی تائید میں ہیں اور آیۂ کریمہ قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔

لیکن دونوں الفاظ کے مصداق کا حصر انھیں دونوں کے ساتھ کر دینا مشکل ہے۔ ملحدین و مشرکین تو ان سے بھی بڑھ کر ضلالت میں مبتلا اور ان سے زیادہ غضب الٰہی کے مستحق ہیں۔ مفسر رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ مغضوب علیہم میں رکھا جائے، اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کو طبقۂ ضالین میں۔ بل الاولی ان یحمل المغضوب علیہم علی کل من اخطأ فی الاعمال الظاہرۃ وہم الفساق ویحمل الضالین علی کل من اخطأ فی الاعتقاد لان اللفظ عام والتقیید خلاف الاصل (کبیر)

تذییل

(۲) سورۃ کے خاتمہ پر آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ معنی ہیں

تدوین حدیث

(از جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۴)

سمجھ گئے۔ البتہ یہیں اس کا بھی اضافہ کرنا چاہیے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی اطاعت کی اتباع ہی ان بزرگوں کے لیے ضروری نہ تھی بلکہ جب قرآن اور جس قرآن نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا تھا اسی نے انکو اسکا بھی ذمہ دار بنایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کہتے ہوئے انھوں نے سنا ہے اور جو کچھ کرتے ہوئے انھوں نے دیکھا ہے وہ دوسروں تک مسلسل پہنچاتے چلے جائیں ہر حاضر غائب کو اور ہر پہلا پچھلے کو اسی طرف بلاتا جائے۔ قرآنی آیتوں

(۱) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر — تم ایک بہترین امت ہو انسانوں کی (بہی خواہی) کے لیے تم نکالے گئے ہو تاکہ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو اور بری باتوں سے انکو روکو۔

(۲) ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر — چاہیے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

ہی کی یہ تفسیر تھی جو مختلف پیرایوں میں صحابہ کرام کو مخاطب کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے منی کا میدان ہے خیف کی مسجد ہے ایک لاکھ سے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا مجمع ہے، سب کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے

(۱) نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا (صحاح) — تروتازہ رکھے اللہ اس بندہ کو جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا اور جسنے نہیں سنا ہے اس تک اسے پہنچایا۔

یہی منی کا میدان ہے، حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ میں اعلان فرمایا جاتا ہے

(۲) ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (صحاح) — میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جنکے بعد پھر تم گمراہ نہیں ہو سکتے (ایک تو) اللہ کی کتاب (اور دوسری) میری سنت یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے جب تک کہ حوض (کوثر) پر پھر میرے سامنے آ جائیں

مجمع سے یہ دریافت فرمانے کے بعد کہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ آسمان کی طرف انگلیاں اٹھا کر اللھم ھل بلغت اللھم ھل بلغت کے ارشاد فرمانے کے بعد آخر میں رخصت کے اس خطبہ کو اس مشہور متواتر فقرہ پر ختم فرمایا جاتا ہے

الا فلیبلغ الشاھد الغائب (صحاح) چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچاتا جائے

جس دھوم کے اثر انگیز ماحول میں اس خاتمہ کا اعلان ہوا ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن جذبات و ہیجانات سے مخاطب مجمع بھرا ہوا تھا اس پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اسی وقت کا آپ کو یقین تھا کہ صحابہ کی جماعت کو خطاب کر کے بطور پیشگوئی کے آپ فرماتے:

تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم (ابوداؤد) (مستدرک) — تم مجھ سے سن رہے ہو تم سے بھی سنا جائیگا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہے ان سے بھی لوگ سنیں گے۔

نہ صرف عام مجامع میں یہ اعلان کیا جاتا تھا بلکہ ملک کے مختلف حصوں سے وفود آتے تھے اور وفود کے جو سلسلے دربار نبوت میں حاضر ہوا کرتے تھے عموماً ان کو ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا جہاں سے "وحی و واقعہ" کے معائنہ و مشاہدہ کا ان کو کافی موقع مل سکتا ہو، جسکے وہ موقع بتلائے جاتے تھے۔ پھر جو کچھ سنانا اور دکھانا مقصود ہوتا وہ سنایا اور دکھایا جاتا۔ آخر میں رخصت کرتے ہوئے حکم دیا جاتا، جیسا کہ بخاری میں ہے:—

احفظوھن و اخبروا من من وراءکم — ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان سے مطلع کرتے رہنا۔

حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:—

یشمل من جاء من عندھم باعتبار المکان ویشمل من یحدث لھم من الاولاد وغیرھم وانما باعتبار الزمان (فتح الباری) — یہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جنکے پاس سے یہ لوگ آئے تھے اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے اور ان آئندہ نسلوں کو بھی شامل ہے جو بعد کو پیدا ہونیوالی تھیں اور یہ بات زمانہ کے حساب سے ہوگی۔

اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں، کہ اسلام کے دائرہ میں قبائل داخل ہوتے جاتے تھے دربار رسالت سے انکی تعلیم و تلقین کے لیے ذمہ دار اصحاب کو بھیجا جاتا، حکم دیا جاتا تھا کہ جو کچھ تم نے ہم سے سیکھا ہے وہ انھیں بھی جا کر سکھاؤ۔ صرف استحبابی احکام ہی نہیں بلکہ قرآن کی آیت:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون — جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جسے ہم نے اتارا ہے، اور جو کھلی باتوں اور سمجھ بوجھ (ہدایت) کی باتوں پر مشتمل ہے اور اسکے بعد چھپاتے ہیں جب انسانوں کے لیے کتاب میں ہمنے اسے بیان کر دیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں۔

کی بنیاد پر صحابہ کرام جس تاریخ کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے اسکا چھپانا گناہ خیال کرتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کرتے تھے:—

من سئل عن علم ثم کتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من النار (ابوداؤد و ترمذی) — جو کوئی پوچھا جائے کسی علم کی بات سے اور وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اسے پہنائی جائیگی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ سکرات میں مبتلا ہیں لیکن بعض صحابہ سے مروی ہے کہ اس وقت بھی محض اس خیال سے کہ "علم کے چھپانے" کا الزام ان پر نہ رہ جائے حدیث بیان کرتے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم و عام صحاح)

مجلس نظام اسلامی کا ابتدائی خاکہ

(مجلس نظام اسلامی کے ایک معزز ممبر رکن کی طرف سے ذیل کے معروضات سرسری و قلم برداشتہ مباحث کے بالکل ابتدائی خاکہ کے طور پر پیش کیے گئے تھے۔ ناظم صاحب نے انھیں ارکان مجلس میں اضافہ، ترمیم و اصلاح کے لیے گشت کرایا ہے۔ موضوع کی اہمیت، ارکان مجلس کے علاوہ عام اہل علم کو بھی دعوت فکر و نظر دے رہی ہے۔)

پہلے ایک مبسوط مقالہ، بحث کے مبادی ایمانی پر لکھا جائے۔ یعنی قرآن نے کائنات میں انسان کی کیا حیثیت، کیا پوزیشن رکھی ہے۔ بغیر اسکے سمجھے ہرگز کوئی سا بھی سیاسی، معاشی، عمرانی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ یورپ کی اصل اور بنیادی گمراہی تو یہی ہے کہ بغیر صحیح عقائد کے، بغیر صحیح الٰہیات کے وہ معاشیات، عمرانیات، عمرانیات وغیرہ کی منزلیں طے کرانا چاہتا ہے، اور ان فروع بلکہ فروع در فروع کو نیز اصول اور مستقل علوم بنائے بیٹھے ہے۔ قرآن مجید اس عالمگیر گمراہی کا خاتمہ کیونکر دے سکتا ہے۔

جب خلافت الٰہی، نیابت الٰہی، عبدیت اور توحید کی آیات کی مفصل تفسیر و تشریح آپ کر چکیں تو بقیہ ابواب کی سرخیاں اس قسم کی رکھی جا سکتی ہیں:—

۱۔ حکومت عادلہ۔ تنفیذ قوانین الٰہیہ، تبلیغ کی ماموریتی، بلاد اسلامی کے حقوق وغیرہ پر نصوص قرآنی و حدیثی۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کے طرز حکومت سے استشہاد و استنباط۔ اسوۂ رسول، اسوۂ خلفائے راشدین۔ عاملین کا تقرر۔ رقبۂ حکومت کی صوبہ وار تقسیم۔ تحصیل زکوٰۃ و جزیہ۔ بیت المال وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ ترکیب و تشکیل حکومت۔ "شوریت" کی اہمیت۔ امرہم شوریٰ بینہم۔ وشاورہم فی الامر وغیرہ کی تفسیر۔ اطاعت امیر۔ اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی تشریح۔ حقوق رعایا۔ فان تنازعتم فی شیء۔ الخ۔

۳۔ مساوات حقوق۔ (مردوں کے حق عورتوں پر۔ عورتوں کے حق مردوں پر۔ والدین کے حقوق۔ اولاد کے حقوق۔ اہل اسلام کے حقوق۔ فقراء و مساکین کے حقوق۔ اعزہ کے حقوق۔ صلۂ رحم کی اہمیت۔ وغیرہا۔

۴۔ معاشیات۔ (تقسیم دولت۔ دولۃ بین الاغنیاء کی تفسیر۔ حرمت سود و قمار و تجارت حرام کی اہمیت۔ تقسیم ترکہ کی اہمیت۔ وغیرہا

۵۔ نظام جنگ۔ (غلامی وغیرہ)

۶۔ جرائم، حدود و تعزیرات۔ طریق فصل خصومات۔

اسکے بعد دوسرا حصہ مسائل جدیدہ پر لکھیے۔ اور یہ دکھایے کہ اوپر کے نظام اسلامی کے بعد ان مسائل میں سے نصف فی صدی سے زیادہ اٹھ ہی نہیں سکتے۔ محکمۂ آبکاری۔ محکمۂ افیون۔ بنک۔ بیمہ کمپنیاں۔ سودی دستاویزوں کا کاروبار۔ پیشۂ وکالت و بیرسٹری۔ امراض جنسی کے لیے بڑے بڑے اسپتال۔ لاٹری۔ گھوڑدوڑ کی بازی۔ سینما۔ تھیٹر۔ ورقص وغیرہ کا سرے سے وجود ہی کہاں باقی رہتا ہے جو اسکے لیے حل سوچے اور نکالے جائیں۔ جتنی جائز چیزیں باقی رہ جاتی ہیں (ریل کی سمت قبلہ، ہوائی جہاز میں نماز وغیرہ) انکے فقہی جوابات تحقیق کر کے لکھ دیے جائیں۔

مراسلہ

مخدوم محترم۔ بعد سلام مسنون عرض ہے کہ صدق ۳ رد ۴ میں مسئلہ "حیثیت احادیث" سے متعلق دو جداگانہ مقالے شایع کیے گئے ہیں۔ ایک مولانا گیلانی مدظلہٗ کا بعنوان "تدوین حدیث" جسنے پورا صفحہ لے لیا ہے، دوسرا مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب کا بعنوان "فتنۂ انکار حدیث" جس صفحہ ۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۷ کی ۱۴ سطریں لے لی ہیں۔

اس باب میں میری خواہش (اور میرا خیال ہے بعض دیگر ناظرین صدق بھی اسکے خواہشمند ہونگے) یہ ہے کہ آیندہ یہ دونوں مقالے ایک دوسرے سے الگ شایع ہوں اور اس طرح پر کہ ہر ایک کیلیے ایک ایک ورق مختص کر دیا جائے۔ اور اس ورق مختص پر حتی الوسع کسی اور اہم مقالہ کا کوئی حصہ نہ آنے پائے۔ کوئی شذرہ یا کسی شذرہ کا کوئی حصہ آ جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔

اسکا فائدہ ناظرین کو یہ ہوگا کہ وہ ان دونوں مقالوں کو کامل صورت میں صدق سے الگ کر سکینگے۔ انھیں صرف اتنی زحمت کرنی ہوگی کہ پرچۂ زیر نظر میں سے صفحہ ۵ والا مضمون نقل کر لینگے۔

کاتب صاحب کی خدمت میں التجا ہے کہ وہ ناظرین صدق کی خاطر اتنی تکلیف گوارا فرمالیں جو اسکے التزام میں انھیں پیش آئیگی۔

احقر عبدالرحیم اردو بازار یا نڈہ(؟)

صدق۔ مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب کا مضمون تو ختم ہی ہو چکا۔ مولانا گیلانی مدظلہٗ کے مبسوط مقالہ سے متعلق آپ کی فرمایش کاتب صاحب تک پہونچا دی گئی۔ آپ جیسے مخلص کی فرمایش کی تعمیل سے بڑھکر مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن عملاً ایسا ہونا دشوار ہی ہے۔

نمبر ۴۵ - دوشنبہ - ۹ - ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۷ - اپریل سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۶

سچی باتیں

ذکر، سنہ ۱۹۴۱ء کا ہے، اور ابھی چند ہفتوں کا۔ شمالی ہند کی ایک یونیورسٹی میں بی اے کے پرچوں کے بعد طلبہ کا زبانی امتحان ہو رہا ہے (اصطلاح میں اسے viva voce کہتے ہیں)۔ غیر مسلم ممتحنوں کے سامنے ایک مسلم طالب علم پیش ہوتا ہے۔ ممتحن پوچھتے ہیں، کہیے، بی اے پڑھنے کے بعد کیا ارادہ ہے؟ مسلمان طالب علم کڑک کر جواب دیتا ہے ڈکٹیٹر بننے کا، اور یا پھر گداگری کرنے کا۔ ممتحن کہتے ہیں، اچھا فرض کیجیے، ڈکٹیٹر بن گئے، تو آئندہ پروگرام کیا رہیگا؟ لڑکا اب جو جواب دیتا ہے، ظاہر ہو گیا گویا اسے امتحان گاہ کی جگہ، دیوار کے سامنے، وہ رکھا جانے کہتا ہے:۔

"ہندوستان کا ڈکٹیٹر ہو کر میرا کام یہ ہوگا کہ سارے ملک میں مذہب اسلام پھیلا دوں۔ کسی قوم کی ضد میں نہیں، کسی پر ظلم کر کے نہیں، بلکہ سب کی محبت، سب کی خیر خواہی میں۔ اسلام تو میرے پاس بہترین تحفہ ہے۔ اسے سب کو بانٹتا ہوں، بیتاب ہوں اسکے لیے کہ اسے سب کے دلوں میں اتار دوں، سب کے دماغوں میں اتار دوں، سب کو بہترین نقشۂ زندگی دکھا دوں، سمجھا دوں۔ غیروں کے ساتھ صلح و دوستی یہی ہے، یہی ایک دستور العمل ایسا ہے جو دنیا سے ہر قسم کے فتنہ و فساد کو مٹا سکتا ہے، اور ہر فلاح و ترقی کا ضامن ہے۔"

ممتحن یہ تبلیغ بصورت تقریر سُن، صرف اتنا اور پوچھتا ہے، وہ بھی مسکرا کر، کہ اپنا نام اور پتہ تو لکھاتے جائیے، کہ اگر آپ کہیں ہو گئے ڈکٹیٹر تو مجھے اپنے کو شناخت کرانے میں دقت نہ ہو، اور امتحان ختم کر دیتا ہے۔

گفتگو ظاہر ہے کہ انگریزی میں تھی۔ اور یہاں اسکا دعویٰ نہیں کہ جو کچھ درج ہوا ہے، وہ روایت بالفظ ہے۔ تقریر کا [illegible] لب لباب بہرحال

یہی تھا۔ — سوال یہ ہے کہ یہ جرأت ہم میں اور آپ میں کیوں نہیں؟ وہ لڑکا تو دیوبند یا ندوہ یا کسی اور دینی درس گاہ کا نہیں، خاص انگریزی کالج کا طالب علم تھا۔ اُسے اسکا بھی خوف نہ ہوا کہ کہیں غیر مسلم ممتحن اسے فیل ہی نہ کر دے۔ جو اسکے جی میں آیا، جو اسکے دل و دماغ نے سمجھایا، بے کھٹکے کہہ گزرا۔ کیوں نہ ہم آپ اس کمسن کی اس جرأت ایمانی سے سبق لیں، اور ریل گاڑی ہو یا ہوٹل، دفتر ہو یا دوکان، کچہری ہو یا تفریح گاہ، نرمی سے لیکن صفائی سے اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہیں؟ یقین فرمائیے کہ جس دن ہمارے اندر یہ جرأت پیدا ہو گئی، اور ہمارے بوڑھوں اور جوانوں اور بچوں اور عورتوں اور مردوں اور بڑوں اور چھوٹوں کے اندر یہ مادہ عام ہو گیا، اور ہم نے کلمۂ توحید بے دھڑک اور بے جھجک کہنا شروع کر دیا، پاکستان یا اسلامستان، اُسی گھڑی بے مانگے مل کر رہیگا۔ — سارے پروگرام کی قوت کا راز بجز اس جوش توحید اور "جنون تبلیغ" کے اور تھا کیا؟

شروع سنہ ۱۹۱۹ء تھا۔ اور محمد علی نظربندی کے زمانہ میں ایک بار، امپول سے چھندواڑہ کے لیے لکھنؤ کے راستہ سے گزرے۔ ریل میں ساتھ ہو اور کچھ دیر تک ساتھ رہا۔ اسی جوش تبلیغ سے لبریز تھے۔ اس سوال پر کہ رہائی کے بعد کیا پروگرام ہے؟ ابل پڑے، اور کہنے لگے کہ "یورپ کا دورہ تبلیغ اسلام کے لیے کروں گا۔ ہر ہر جگہ لوگوں کو دعوت اسلام دونگا اور سب کو مسلمان کرتا پھرونگا۔ میں تو از سر نو مسلمان ہوا ہوں۔ اور نو مسلموں کا سا جوش رکھتا ہوں۔ جو نعمت مجھے ملی ہے، وہی سب کو پہونچاتا پھرونگا۔ دنیا سے کہونگا، کہ اگر جنگ کی مصیبتوں سے تنگ آ چکی ہے، تو عافیت اسلام ہی کے دامن میں ملیگی"۔ افسوس ہے کہ حالات نے [illegible] موقع تو اس جوش کے اظہار کا نہ دیا۔ دوسرے دینی مشاغل ایک سے بڑھ کر ایک عزیز تر برابر پیش آتے ہی رہے۔ آپ پھر بھی یہ دُھن کسی [illegible] تک آخر [illegible] رہی۔ اور جب ذرا بھی مہلت پا جاتے [illegible] دوستوں سے نزدیک تو بے موقع بھی تبلیغ سے نہ چوکے [illegible] لیکن آج حضرات صاحب کے دل سے

حق کا حصر کسی ایک شخصیت یا چند شخصیتوں کے ساتھ کر دینا، یہ بجائے خود وقت کا ایک اہم فتنہ ہے۔ شخصیتیں تو خود حق کی تابع ہوتی ہیں، نہ یہ کہ حق کا معیار شخصیتوں کو بنا لیا جائے؟ آنکھ بند کر کے پیروی اور اتباع کے قابل تو صرف حضرات انبیاء کی ذات ہوئی ہے۔ کسی اُمتی کے احترام میں حسب درجہ کمی و تفریط خطرناک ہے، اسی طرح یہ غلو و افراط بھی۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں کی رائیں صحیح ہوں، ہو سکتا ہے کہ دونوں کی رائیں غلط ہوں، ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے صرف ایک کا مسلک صحیح ہو، بہرصورت ان میں سے کسی کی "بزرگی" کا تعلق کسی خاص مسلک سیاسی کی صحت سے ہرگز نہیں۔ اور آگے بڑھنے سے قبل لازمی ہے کہ ذہن کو شخصیتوں کے تعلق سے بالکل پاک کر لیا جائے۔

سائل کے ذہن کے سامنے کیا امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی مثالیں نہیں؟ کیا ایسے مسائل نہیں، جن میں ایک طرف بڑے سے بڑے فقہاء ہیں، اور دوسری طرف اکابر محدثین؟ ان سے بھی اوپر چلیے، حضرات صحابہ کے درمیان کیسے کیسے اختلافات رہ چکے ہیں، اور آخر میں تو نوبت زبان سے گزر کر شمشیر و سنان، جدال و قتال کی آ گئی ہے! اور قرآن مجید میں تو ذکر خود انبیاء علیہم السلام کے اختلاف اجتہاد کا ملتا ہے۔ ایک مقدمہ میں حضرت داؤدؑ فیصلہ کچھ کرنا چاہتے تھے، اور رائے انکی بھی غلط نہ تھی، حضرت سلیمانؑ نے فیصلہ دوسرا کیا، اور رائے قابل ترجیح انھیں کی قرار پائی۔ اور حضرت ہارونؑ کی صلح و امن کی پالیسی پر تو حضرت موسیٰؑ کو اس قدر ناگواری پیدا ہوئی، کہ حملہ تک سے دریغ نہ فرمایا! ——
حق ہمیشہ اپنی جگہ پر رہا، اور شخصیتیں اپنی جگہ پر۔ اشخاص کیسے ہی محترم سہی، حق اللہ کے نزدیک ان سے بھی محترم تر ہے۔ انھیں چھوڑا جا سکتا ہے، حق سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔

آگے بڑھنے سے قبل بہتر ہو گا، ایک چھوٹا سا لطیفہ راقم سطور کی آپ بیتی کے سلسلہ میں سن لیجیے۔ بیس اکیس سال کی بات ہے۔ سنہ غالباً ۱۹۲۰ء تھا، یا شاید شروع سنہ ۲۱ء۔ تاریخ کو ایجی ٹیشن کا شباب تھا، اور جب سے مولانا ابو الکلام نے اسکے لیے بجائے "عدم تعاون" کے "ترک موالات" کی اصطلاح رکھ دی تھی، مسلمان علی برادران کی قیادت میں جوق در جوق اس نئی تحریک میں شریک ہو رہے تھے، اور گاندھی جی کی سرداری قبول کر رہے تھے۔ میں خود، بہت سے مسلمان نوجوانوں کی طرح (گو علی برادران کا ہو نہ سکا) "مہاتما جی" کی سیاسیات سے کہیں بڑھ کر انکی روحانیت اور مذہبیت کا قائل تھا، اور انھیں ایک بڑا مقدس و برگزیدہ شخص سمجھ رہا تھا۔ الہ آباد میں حضرت اکبرؒ کا مہمان ہوا۔ دوران گفتگو میں اُنہیں اس نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی، اور انھیں وقت کی تحریکات کی طرف راغب اور ان میں شامل کرنا چاہا۔ حضرت اکبرؒ چند منٹ تو تحمل سے سنتے رہے، اسکے بعد بولے "کیوں صاحب! ان کمیٹیوں میں داخلہ کی پہلی شرط لا الٰہ الا اللہ ہے یا نہیں؟" —— میرے اوپر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا، جواب کیا دیتا۔ خود سوچ میں پڑ گیا، کہ جن مجلسوں میں توحید کی اتنی بھی قدر نہیں، اور توحید اور شرک ایک سطح پر ہوں، ان مجلسوں سے کیا ہاتھ کو

مذہب کو روحانیت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے!

لطیفہ ختم ہوا۔ لیکن ساتھ ہی مسئلہ کا حل بھی بہت ہی آسان ہو گیا۔ پیچیدگی کوئی پیدا کرنا چاہے تو جتنی چاہے پیدا کر لے۔ ورنہ سہل سا سوال، صاف اور سیدھا، تو بس اسی قدر ہے، کہ مسلمان کا سیاسی آئیڈیل اور مطمح نظر ہونا کیا چاہیے؟ جواب، جامع اور دو لفظی صرف ایک ہی ہے، یعنی اسلام کی حکومت، قرآن کی بادشاہت۔ بس اسکے سوا کوئی اور نصب العین نہ ممکن ہے نہ اب تک پیش ہوا ہے۔ زمین کی بادشاہتیں، محدود جغرافی رقبوں کی حکومتیں اگر اسی اصل کی فرع ہیں، اگر حکومت الٰہی کے قیام سے از خود لازم آ جاتی ہیں، تو سبحان اللہ۔ ایک درجہ میں وہ خود بھی مطلوب و مقصود ہیں۔ باقی گر اس میں شامل نہیں، یا کسی حیثیت سے بھی اس میں معارض و مزاحم ہیں، تو مسلمان کا ان سے اصلاً تعلق نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد اُس طبقہ کی غلطی و غلط روی از خود واضح ہو جاتی ہے، جس نے اس سے کمتر کسی نصب العین پر قناعت کر لی ہے، یا کسی غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کر کے اُسکے اندر مسلمان نامے ایک قوم کی محض دنیوی مرفہ الحالی و خوشحالی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔ مسلمان تو صرف اللہ کا بندہ ہے، اللہ کا غلام ہے، اللہ کی رعایا ہے۔ اسکا قانون صرف قرآن کا قانون ہے۔ اسکا ضابطہ تعزیرات، ضابطہ مال، ضابطہ دیوانی، صرف قانون شریعت ہے، یعنی کتاب و سنت اور اسکے استنباطات۔ اسے چھوڑ کر کسی غیر اسلامی نظام کے ماتحت، اعلیٰ و ادنیٰ ملازمتوں پر قانع ہو جانا، توہین ہے اسکی اسلامیت کی، اور تحقیر ہے اُسکے مرتبۂ خلافت الٰہی و نیابت خداوندی کی —— یہ ذہنیت تھکی ہوئی اور ہاری ہوئی فوج کی ذہنیت، پست ہمت، کم حوصلہ اور ضعیف الارادہ لوگوں کی ذہنیت ہے۔

لیکن یہ غلطی پھر بھی نظر انداز کیے جانے کے قابل ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر شدید اور صریح کج روی یہ ہے کہ اسلامیت کے اس محدود و ناقص تصور کی بھی اہمیت سے قطع نظر کر لی جائے، اور اپنے کو تمامتر ایک دابۃ الارض فرض کر کے، محض ایک ملک یا خطۂ زمین کا باشندہ فرض کر کے اپنی جد و جہد کو محدود و محصور اس پر کر دیا جائے، کہ وہ محدود رقبۂ زمین "پردیسیوں" یا غیر ملکیوں کے نظام حکومت سے نکل کر دیسیوں یا ملکیوں کے حلقۂ اقتدار میں آ جائے، اور اسکا لحاظ کیے بغیر کہ اسلامی یا غیر اسلامی بلکہ مخالف اسلام ہونے کے لحاظ سے "یہ اور وہ دونوں نظام بالکل مساوی ہیں! اور اتنا ہی نہیں"۔ اس مقصد کے حصول کا واسطہ اور آلہ کسی ایک ایسی انجمن کو بنا لیا جائے، جو مشترک ہو، یعنی جو علی الاعلان غیر اسلامی ہو، اور جسکے اندر مومن، ملحد، مشرک یکساں مرتبہ و حیثیت رکھتے ہوں! —— پہلے طبقہ کے ہاں مرکزیت کا مقام کم از کم اسلام کی ظاہریت کو تو حاصل تھا، اس دوسرے طبقہ نے تو دین کی معنویت و ظاہریت دونوں سے یکسر قطع نظر کر لی، اور دین کی جامعیت کو تمامتر حصول دنیا پر قربان کر دیا!

ظاہر ہے کہ یہاں سوال اس طبقہ کے افراد کی شخصی و انفرادی زندگیوں کا متعلق نہیں، اس لیے انکے "تقویٰ و طہارت" کو استدلال میں پیش کرنا

بالکل ٹھیک ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شخصی زندگیوں میں عابد، زاہد ہوں، متقی ہوں، تہجد گزار ہوں، لیکن سوال وقت اُنکی سیاست کا ہے۔ سوال اسکا ہے کہ انھوں نے اپنی سیاسیات، تو دینی سیاسیات کس کتاب سے بنایا؟ قرآن کو کیا حیثیت ایک جامع و ہمہ گیر دستور العمل کے کہاں تک پیش نظر رکھا؟ ہو سکتا ہے، اور ہوتا رہا ہے، کہ ایک شخص قرآن مجید کو دلائل الخیرات یا حزب البحر کی قسم کی کوئی کتاب مجرب عملیات یا وظائف کی سمجھ کر دن بھر اسکی تلاوت کرتا رہے، رات دن اسے سینے سے لگائے رہے، لیکن اس سے رہنمائی اور رہبری کا کام لینے کے باب میں اسکی ذہانت اسکو جواب دے جائے، اسکا ذہن کند ہو جائے، اور وہ دنیاوی فلاح [illegible] کے لیے اعتماد کرنے لگے غیر قرآنی تعلیمات پر، مشرکوں کے فلسفہ پر، ملحدوں کے نظریوں پر! ——— ایسا گروہ بجز اپنے اسی عمل سے ظاہر کر رہا ہے کہ وہ شخصی حیثیت سے جیسا بھی کچھ ہو اجتماعی تعلیمات کے باب میں اسے قرآن پر نہیں۔ وہ سہارا غیر قرآن کا ڈھونڈھ رہا ہے، اور نیت اسکی جو کچھ بھی ہو (نیتوں کی ٹٹول اور ان پر باز پرس کا حق صرف عالم الغیب کو ہے) وہ ہے شاہراہِ اسلام سے ہٹا ہوا۔

امت کی فلاح جب ہوگی مسلمانوں کی اپنی ہی انجمنوں، مجلسوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ خود ان مجلسوں کی ترکیب خالص ترین اور بہترین مسلمانوں سے ہونی چاہیے، چہ جائیکہ فلاح امت کو مسلم و غیر مسلم، مشترک ہاتھوں میں دیدیا جائے! یہ صرف بے دانشی ہی نہیں، بے غیرتی بھی ہے۔ لیکن اسکے یہ معنی بھی نہیں، کہ غیروں سے دنیوی مقاصد کے لیے کسی قسم کا بھی اشتراک نہ رکھا جائے۔ مقدم شے اپنا ایک مخصوص اسلامی اجتماع ہے۔ یہ مرکزی ادارہ، جب اور جس طرح مناسب سمجھے غیر مسلم وطنی و ملکی اداروں سے اتحادِ عمل کر سکتا ہے، انکا حلیف بن سکتا ہے۔ مشترک سیاسی انجمن کی شرکت بذات خود ممنوع ہرگز نہیں، اپنے اسلامی مرکزی ادارہ سے تعلق قطع کیے، براہ راست اس میں شرکت، اور اسی کو مقصود بالذات بنا لینا البتہ کوئی پہلو جواز کا نہیں رکھتا۔

سارا خلط مبحث لفظ "آزادی" سے پیدا ہوا ہے۔ غیر مسلم ہندوستانیوں کے نزدیک اسکے معنی ہیں "غیر ملکی" حکومت پر دیسی حکومت کے قانون سے مخلصی۔ مسلم ہندوستانی کے نزدیک، اسکے معنی صرف وہی ہو سکتے ہیں جو مسلم عرب، مسلم ترک، مسلم مصری، مسلم جاپانی، مسلم انگریز کے ذہن میں ہونگے۔ یعنی "غیر اسلامی نظام" حکومت سے رہائی۔ خواہ یہ غیر اسلامی حکومت کسی کی بھی ہو، عیسائی کی ہو، یہودی کی ہو، ہندو کی ہو، مجوسی کی ہو، ملحد کی ہو، مشرک کی ہو، محض نام کے مسلمان کی ہو، یا ان میں سے دو یا تین کی مشترک ہو۔ ہندو جب سوراج کا لفظ بولیگا تو اسکی مراد ہندو حکومت سے ہوگی یا ہندی حکومت سے۔ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے دونوں یکساں ہیں۔ مسلمان جب "سوراج" بولیگا تو اس کی مراد، صاف و صریح الفاظ میں "اسلامی حکومت" ہونی چاہیے۔ اس میں ضرورت نہ کسی رواداری کی نہ تقیہ کی۔ مسلمان کو **بیزاری جو کچھ بھی ہے، وہ کفر سے ہے** ۔ انگریز بیزاری، ہندو بیزاری یا کوئی اور بیزاری ہرگز اسکا دین نہیں۔ اسکا دین صرف کفر بیزاری ہے، خواہ وہ کفر جس صورت، جس قالب میں، جس نام سے پایا جائے۔ اور اس معنی میں یقیناً ہر مسلمان "کمیونلسٹ" ("فرقہ" پرست ترجمہ غلط ہے۔ "امت دوست" یا "ملت دوست" ہونا چاہیے) ہے۔ انٹرنیشنلسٹ ہرگز نہیں۔ "کمیونلزم" اُسکے حق میں گالی نہیں، عین فخر کی چیز ہے۔ "نیشنلزم" البتہ اسکی توہین ہے۔ نیشنلزم کے معنی تو یہ ہیں کہ اس نے اپنی ہمدردی کو، اپنی خواہش کو، اپنی نظر کو ہمالیہ اور راس کماری کے حدود کے اندر محدود و مقید کر دیا۔ بر خلاف اسکے کمیونلزم مترادف اسکے ہے کہ اس کی ہمدردیاں سارے عالم کے، چین کے، اور جاپان کے، اور روس کے اور انگلستان کے، آسٹریلیا کے اور کناڈا کے، کلمہ گویوں تک، لشکر توحید کے سپاہیوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ [illegible] وہ ہمدردی اور ہواخواہی کی آنکھیں پھیلائی ہوئی نظروں سے روئے زمین کے ایک ایک فرد کو دیکھ رہا ہے۔ بہترین نعمت اور عزیز ترین تحفہ (رضائے [illegible] اسلام) ان سب تک پھیلانے کے لیے بیتاب و بیقرار ہے ——— [illegible] "تنگ نظر" کون ہوا؟ "انٹرنیشنلسٹ" یا کمیونلسٹ؟

"آزادی" کا جو مفہوم آج غیر مسلم پروپیگنڈے نے پھیلا دیا ہے، مسلمان بھی بڑی حد تک اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہ تصور سراسر غیر اسلامی ہے۔ اس آزادی کے معنی صرف اسقدر ہیں کہ پردیسیوں کے لائے ہوئے غیر اسلامی نظام کے بجائے دیسیوں کا بنایا ہوا نظام حکومت قائم کر دیا جائے۔ گویا مرض سے تو کچھ غرض نہیں، گویا مقصود صرف طاعون نامی ایک بیماری سے نجات ہے، خواہ اسکے عوض [illegible] دوسری بیماری فوراً کام تمام کر دے! [illegible] کے لحاظ سے ظاہر ہے جیسی یہ ویسی وہ۔ اور دونوں [illegible] محض آزادی [illegible] اور [illegible] ہے، جو صحت کی طرف لانے کے بجائے، مریض کو محض ایک مخصوص بیماری سے منتقل کرنے پر اپنی ساری کوشش صرف کر رہا ہے درانحالیکہ مریض کو [illegible] بیماری سے نہیں، بلکہ صرف ایک مخصوص و معین بیماری سے [illegible] ہے۔ گویا زندگی کی رفتار ہلاکت کی طرف بدستور جاری ہے۔ اکبر نے [illegible] اسی نکتہ کو پالیا تھا ؎

ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم [illegible] دلوں کو ملامت حق سے [illegible]
نہ یہ کہ [illegible] ہمیں ضعیف سمجھ کر غرض رکھتے ہیں

ایک اور شاعر نے اپنے رنگ میں اسلامی نقطۂ نظر کے اسی مقام کی ترجمانی کی ہے

جو عدو سے باغ ہو برباد ہو [illegible] کوئی ہو [illegible]

(۱) تو خلاصہ یہ کہ مسلمان کے لیے اپنی ایک مرکزی انجمن یا اتحاد لازمی ہے۔ خود اس انجمن کی تشکیل صحیح اسلامی طور پر ہونی چاہیے۔ مقصود اصلی ہر حال میں اعلاء کلمۃ اللہ اور حاکمیت الٰہی کی عالمگیری رہے۔

(۲) اس مرکز سے منسلک ہو جانے کے بعد پھر اختیار ہے کہ ملک کی دوسری اور مشترکہ انجمنوں سے بھی بطور حلیف کے دوستانہ اور اتحادی تعلقات مخصوص مقاصد کے لیے قائم کر لیے جائیں۔

رہا یہ کہ سب کو ایک مسلک پر جمع کیسے کیا جائے۔ ہونا ہر ہے کہ جب حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی سی مقدس و صاحب تدبیر ذاتیں اس کوشش میں ناکام رہیں، تو آج اس فتنۂ انتشار و تفریق کے ختم ہونے کی توقع ہی کیوں کی جائے۔ لیکن اسکی کوشش بقدر امکان ہر کلمہ گو پر فرض ہے۔ اور اس راہ کا اولیں قدم یہ ہے کہ اپنے مسلک پر دیانت و اخلاص سے قائم رہ کر دوسروں کی بدگوئیوں اور [illegible] میں [illegible] سے احتیاط رکھی جائے [illegible]

تو بن سکتے ہیں لیکن مسلمان نہیں بن سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں کوئی تجویز پیش کروں تو میں یہ کہونگا کہ اسلامی تعلیم کی اصل اور بنیاد قرآن مجید ہے اسلیے اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم اس طرح دیجیے کہ وہ اسکو سمجھ سکیں اور اُن میں اسلامی روح پیدا ہو۔ یہ مقصد بغیر قرآن مجید کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے حاصل نہ ہوگا۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

آپ نے اگر پہونچا دیا مسلمانوں کو مارکس کے پاس یا ہٹلر اور مسولینی کے پاس تو اس سے کیا حاصل؟ اگر آپ کی درسگاہ میں قرآن مجید کی تعلیم نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ تو بیشک کہا جائیگا کہ آپ تعلیم کی خدمت کررہے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ مسلمانوں کی یا اسلام کی خدمت کررہے ہیں۔ دنیا تم سے کہتی ہے کہ تم آگے بڑھو! اگر میں کہتا ہوں کہ ساڑھے تیرہ سو برس پیچھے ہٹو۔ جبکہ تم آزاد تھے اور کسی کے غلام نہیں تھے۔ مسلمان پستی میں گر چکے ہیں انہیں پھر اُٹھائیے اور اُن میں خالدؓ اور ابوعبیدہؓ پیدا کیجیے۔

سلسلۂ تقریر میں آپ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اے نوجوانو، ملت کے مستقبل کا مدار تم پر ہے۔ تم کو لباس اور صورت کے لحاظ سے مسلمان ہونا چاہیے اور اس سے بھی زیادہ "سیرت" کے لحاظ سے حضرت معاذؓ بن جبل جب رستم ثانی کے پاس گئے تھے تو کس دلیری و شان کے ساتھ گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک مسلمان جا رہا ہے۔ اسی طرح ایک طالب علم کو اپنی درسگاہ سے اس طرح نکلنا چاہیے کہ لوگ دیکھ کر کہیں کہ یہ جا رہا ہے مسلمان جو آزاد ہے اور کسی کا غلام نہیں۔ ستم ہے مسلمان اور کسی کا غلام رہے، جہاد کا نام لیکر جھومنے والے مسلمانو۔ تم کو صرف جسم سنوارنا آتا ہے روح کو کیوں نہیں سنوارتے۔

حضرات۔ مجھے دوسرے مدارس سے کوئی گلہ نہیں لیکن یونیورسٹی سے گلہ ہے کہ وہ قرآن مجید اور مذہبی تعلیم کا اہتمام کیوں نہیں کرتی۔

اب رات کا ایک بج چکا تھا اس لیے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے معذرت کرتے ہوئے اپنی تقریر ختم کردی۔ اور فرمایا کہ میں نہایت شرمندہ ہوں کہ آپ نے میری تقریر سے جو امیدیں قائم کی تھیں وہ میں پوری نہ کرسکا۔

مندرجۂ بالا تقریر کے بعد جسکا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا آپ نے فرمایا کہ حیدرآباد نے علوم اسلامیہ کی جو خدمت انجام دی وہ ظاہر ہے۔ خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے ۲۵ سالہ دور میں حکومت نے تعلیم کے متعلق جو کام کیا ہے وہ کسی دوسری جگہ سے کم نہیں ہے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ میں جناب صدر کے توسط سے کانفرنس کے ممبروں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنا آئندہ سالانہ اجلاس حیدرآباد میں منعقد کریں میں جناب صدر سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ کانفرنس کے ارباب حل و عقد سے اس کی منظوری حاصل کرلیں تاکہ میں ابھی سے اجلاس کی تیاریاں شروع کردوں۔"

نواب صاحب کی اس دعوت پر جناب صدر اور تمام حاضرین نے گرمجوشی سے اظہار مسرت کیا۔ بعد ازاں یہ دفعہ ابوبکر احمد حلیم صاحب صدر شعبہ نے مختصر الفاظ میں یہ بتایا کہ مسلم یونیورسٹی میں قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم کا انتظام موجود ہے۔ جس پر نواب صاحب بہادر یار جنگ بہادر نے اظہار مسرت کیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ بجے رات کو شعبۂ تعلیمی کا یہ اجلاس ختم ہوا۔
(کانفرنس گزٹ)

مکہ معظمہ کا ایک مشاہدہ

[پچھلے دنوں دہلی جانا ہوا تو اتفاق سے ملاقات میں مولوی سید احمد صاحب اکبر آبادی ایم۔ اے۔ ایڈیٹر رسالہ برہان نے اپنے سفر حج ۱۹۲۶ء کا ایک واقعہ بیان کیا۔ جس سے ایک طرف سیرت محمد علیؒ پر روشنی پڑتی تھی اور دوسری طرف استجابت دعا پر۔ درخواست کرنے پر موصوف نے واقعہ کو قلمبند بھی کردیا۔ ناظرین صدق کے لیے پیشکش ہے۔ صدق]

واقعہ یہ ہوا کہ ۷ ذی الحجہ کی شام کو مغرب کے بعد والدہ ماجدہ مرحومہ کے سینے میں سخت درد ہوا اور بخار بھی تھا۔ میں نے فوراً ایک ترکی ڈاکٹر کی امداد حاصل کی۔ انھوں نے بہت توجہ سے دیکھا بھالا اور ایک نسخہ لکھدیا۔ میں نے اس نسخہ کی کئی خوراکیں دیں، لیکن درد میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اسی پریشانی میں رات کے ۲ بج گئے۔ اگلے دن یعنی ۸ ذی الحجہ کی صبح کو حج کیلیے منا اور وہاں سے عرفات جانا تھا۔ اور ادھر والدہ ماجدہ کا یہ حال کہ شدت کرب سے بیتاب اور درد [illegible] ماہی بے آب کی طرح مضطرب تھیں۔ جب کوئی اور تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو والدہ نے کہا "خدا کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے" طلب صادق شرط ہے [illegible] "امّن یجیب المضطر اذا دعاہ" فرمایا ہے۔ وہ اجابت [illegible] کی تاثیر بھی دیکھنی چاہیے۔ اس خیال کے آتے ہی میں [illegible] اٹھا۔ پہلے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنے۔ اور پھر والدہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر سیدھا مسجد حرام پہونچا۔ جاتے ہی دو رکعت نفل ادا کرکے طواف کیا۔ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اس وقت ایک اور دو بجے کے درمیان کا ہنگام ہوگا۔ دن کے مقابلہ میں اس وقت طواف کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ انھیں کم لیکن خوش نصیب انسانوں میں میں نے دیکھا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک نہایت والہانہ انداز میں طواف کررہے ہیں پیچھے پیچھے انکی بیگم آرہی ہیں۔ مولانا خود طواف کی دعا پڑھتے جاتے ہیں اور اتنی بلند آواز سے کہ اسی کے مطابق انکی بیگم بھی دعا پڑھ رہی ہیں۔ میں مولانا محمد علی کی اس عبرت و نصیحت آموز حالت کو دیکھکر ایک کونے میں مقام ابراہیم کے پاس بیٹھ گیا۔ اور مولانا کی ایک ایک حرکت کو دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا نے طواف کے آخری شوط (چکر) میں حجر اسود کو بڑے جذبۂ اشتیاق سے بوسہ دیا۔ اور پھر غلاف کعبہ پکڑ کر بچوں کی طرح رونا شروع کردیا۔ یہ منظر دیکھکر میرے بھی آنسو نکل آئے۔ اور دیر تک عجیب کیف طاری رہا۔ مولانا مرحوم غلاف کعبہ پکڑے ہوئے دیر تک رو رو کر دعائیں کرتے رہے۔ [illegible] ایسی بھرائی ہوئی تھی کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ انھوں نے کیا کیا دعا مانگی۔

کی۔ وہ، تو مولانا محمد علی نے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے کلمات تھے۔ اور صرف اسی لیے تھے کہ خدا تک پہونچیں، اور خدا سے ان کا کیا تعلق ہوتا؟ ...

یہ واقعہ دو حیثیتوں سے خاص طور پر اہم ہے۔ ایک تو مولانا محمد علی کی اس حالت کے مشاہدہ کے لحاظ سے اور ایک لحاظ سے کہ اس دن مجھے اجابت دعا کا تجربہ ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا میں نے عرض کیا ہے میں اُس وقت نہایت پریشان ہو کر بارگاہ حق میں اپنی والدہ کی صحت کی دعا کرنے آیا تھا۔ چنانچہ میں نے طواف کے بعد ملتزم پر بھی دعا کی۔ اس وقت قلب کا جو حال تھا اُس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنکو اس قسم کے احوال پیش آئے ہوں۔ خدا کی شان دیکھیے مسجد حرام سے واپس لوٹا تو دل اگرچہ "انا عند ظن عبدی بی" کے تصور سے بہت کچھ پُر امید اور ہشاش و بشاش تھا، لیکن پھر بھی ایک دھڑکن لگی ہوئی تھی۔ اور جیسے گھر کے جتنا قریب آتا جاتا تھا اُسی قدر اس دھڑکن میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ گھر پہونچا۔ دروازہ میں قدم رکھا تو کان کھڑے ہو گئے کہ شاید اب پوا (والدہ صاحبہ) کے کراہنے کی آواز آئیگی۔ لیکن یہ خدشہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ گھر میں داخل ہو کر دیکھا کہ پوا بڑے اطمینان سے سو رہی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کوئی تکلیف ہی نہیں رہی تھی۔ نبض دیکھی تو بخار بھی نادارد تھا۔ خوشی کے مارے دل اُچھلنے لگا۔ فوراً دو رکعت نفل شکرانہ کے ادا کیے۔ اپنی ایک رفیقۂ سفر سے جو پوا کے پاس اسی مکان میں مقیم تھیں اُن سے ماجرا پوچھا تو کہنے لگیں "تمہارے جانے کے بعد بھی درد شدید تھا۔ مگر کوئی آدھ گھنٹہ ہوتا ہے کہ درد یکایک بند ہو گیا۔ اور پوا کی آنکھ لگ گئی۔" میں نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ درد کے رکنے کا وقت بعینہ وہی تھا جبکہ میں خدا کی بارگاہ میں عجز و الحاح سے دعا کر رہا تھا۔ پوا کی غیر متوقع حالت سے دل کو جو پریشانی ہوئی تھی میں اُسکو بہت مبارک سمجھتا ہوں کہ اُسکے ذریعہ دل نے ارشاد خداوندی "امن یجیب المضطر اذا دعاہ" کی حقیقت کا مشاہدہ شک و تردد نہیں بلکہ جزم و یقین کی آنکھ سے کر لیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔ صبح کو پوا کی آنکھ کھلی تو بالکل تندرست تھیں، اس قسم کے درد کے بعد جو کمزوری ہو جاتی ہے اُس کا بھی کہیں پتہ نہیں تھا۔

(بقیہ صفحہ ۳)

اور پھر! قانون جلنے ہی عصمت فروشی یہ مور پیشہ اور بے حیائی کی دوکان کا سرے سے سوال ہی نہیں، اتفاقی اور صرف ایک لغزش کی بھی یہ سزا کہ مجرم اور مجرمہ دونوں پتھراؤ کر کے ہمیشہ کے لیے ختم ہی کر دیے جائیں؟ یا یہ کہ کم از کم، دونوں بدکاروں پر مجمع عام میں سو سو کوڑے اس طرح برسا دیے جائیں، کہ وہ ادھ موئے ہو کر تو رہ ہی جائیں!

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" رشید آباد بلس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریدار صاحبان کی میعاد خریداری ۱۰ اپریل ۳۱ء میں ختم ہو رہی ہے۔ انکی خدمت میں التماس ہے کہ سال آئندہ کا چندہ ختم ماہ سے پہلے روانہ فرما دیں۔ ورنہ سنہ ۳۱ء کی ابتدائی تاریخوں میں وی۔پی روانہ ہونگے۔ اگر خدانخواستہ کسی صاحب کو آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو دفتر کو اطلاع دیدیں تاکہ دفتر کو تاوان محصول وی۔پی کی واپسی سے زیر بار نہ ہونا پڑے۔

خریدار ۲ و ۴ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۶ و ۲۶ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۶ و ۳۹ و ۴۳ و ۵۰ و ۵۶ و ۶۴ و ۶۲ و ۶۳ و [illegible] و [illegible] و ۱۲۵ و ۱۴۶ و ۱۴۹ و ۲۴۹ و ۲۵۴ و ۲۶۰ و ۳۲۵ و ۳۴۸ و ۳۵۰ و ۴۷۱ و ۵۰۲ و ۵۱۲ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۶۳۳ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۸ و ۷۹۰

بزم ہمدردان صدق

جناب مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر فیض آباد — ایک خریدار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچ لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلات اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
" ششماہی ؎
بیرون ہند سے سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ؎

صدق لکھنؤ

نمبر ۴۶	دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۴۱ء	جلد ۶

ایک انگریزی مضمون

صدق ۱۹۴۱ میں ڈربن کے ایک انگریزی مضمون کا ذکر آ چکا ہے، جو قدوائی صاحب پر اسلامک ریویو (کیننگ سٹریٹ لکھنؤ) میں نکلا ہے۔ یہی مضمون انگلستان سے، اسی ماہ مارچ میں لنڈن کے اسلامک ریویو میں بھی شایع ہوگیا ہے۔ اور اصل میں بھیجا بھی اسی کے لیے گیا تھا۔ جب وہاں اسکی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی تو مجبوراً لکھنؤ کے رسالہ کو دیا گیا۔ اب وہ وہاں بھی چھپ گیا۔ نفس مضمون تو دونوں پرچوں میں ایک ہی ہے۔ لیکن کاغذ، طباعت، صفائی وغیرہ محاسن ظاہری میں اسلامک ریویو کا پلہ اپنے معاصر سے کہیں بھاری ہے، اور پڑھنے کا لطف اسی میں پڑھنے میں آتا ہے۔ ہندوستان میں اسکا پتہ:- عزیز منزل، برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔

ایک مسلمان خبر رساں ایجنسی

ہندوستان میں اب تک ملک میں مسلمانوں کی کوئی خبر رساں ایجنسی نہ تھی۔ انگریزی نیوز ایجنسیاں سب کی سب غیر مسلم ہاتھوں میں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایک تو مسلمانوں کے مذاق و دلچسپی کی خبروں کی اشاعت ہی برائے نام ہو پاتی۔ دوسرے جس واقعہ سے متعلق جو خبریں انگریزی پریس اور اسکا ترجمہ ہوکر اردو پریس میں آتی، اُس میں رنگ غیر اسلامی، غیر مسلمانہ ہی غالب رہتا۔ غنیمت ہے کہ مسلمانوں کو اب ہوش آیا، اور کچھ روز سے انکی بھی ایک نیوز ایجنسی اورینٹ پریس نیوز روس کے نام سے قائم ہوگئی ہے صدر مقام دہلی۔ شاخیں تمام مرکزی مقامات، لاہور، لکھنؤ، حیدرآباد، ڈھاکہ وغیرہ میں۔ خوشی کی بات ہے کہ اب تک ایجنسی مذکور کی کارگزاری اچھی ہے، خبریں جلد دے رہی ہے، مفصل دے رہی ہے، صحیح دے رہی ہے۔ مسلم اکابر کی تقریریں، مسلم اداروں کی روئدادیں، جن کی جھلک تک انگریزی پریس میں نہ پہونچنے پاتی، اسوقت محض اس ایجنسی کے مستعد، سرگرم عمل عہدہ داروں اور کارپردازوں کے ہاتھوں، منظر عام پر آ رہی ہیں۔ خدا کرے یہی حالت آیندہ بھی قائم رہے۔ ابھی تو زمانہ تھوڑا ہی ہوا ہے، اس لیے زیادہ امید ہی قائم کرتے جی ڈرتا ہے۔

معاشیات اسلامی کی برتری

"سود کے متعلق اسلامی نظریات جدید ترین تحقیقات سے بھی بہتر پایۂ ثابت ہو رہے ہیں۔ اور اب یہ مسئلہ کلیہ سمجھا جانے لگا ہے کہ جو ملک جتنا زیادہ مہذب ہوگا وہاں قرض لینے کی شرح سود اتنی ہی کم ہوگی اور ظاہر ہے کہ جو انتہائی مہذب ملک ہو اسکی شرح سود صفر ہونا چاہیے۔ اس حقیقت کو نظریہ کی حد تک مغرب نے معلوم کر لیا ہے"

جامعہ عثمانیہ کے استاد معاشیات پروفیسر انور اقبال قریشی نے دکن کے ایک انجمن قرض حسنہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر اپنی تقریر میں کہا——

ایک ماہر فن کے اس اعلان پر بیان کے بعد ان بیچاروں کا کیا حشر ہوتا ہے جنکی ساری عمر کی کمائی، مشرق یا مغرب کے کسی علم و فن میں مہارت نہیں، بلکہ صرف "روشن خیالی" ہے! جو اسود پر رسالہ شایع کرنے اور مسلمانوں کے اندر تبلیغ سود کے موقع کیسے! قدم آگے نکل گئے ہیں! حیدرآباد کی خوش قسمتی، حکومت آصفیہ کی خوش اقبالی، اور باقی جامعہ عثمانیہ کی خوش نصیبی کا ثمرہ ہے کہ اسکے اساتذۂ فن میں اچھی خاصی تعداد صاحب ایمان اشخاص کی جمع ہوگئی ہے۔ یہ حضرات چاہیں، تو تاریخ، معاشیات، اجتماعیات میں دین کی مفید اور ٹھوس خدمت بہت کچھ انجام دے سکتے ہیں۔

سر سلیمان کا ایک کارنامہ

سر شاہ سلیمان مرحوم پر "ایک تعزیتی مضمون کا اقتباس":

"سب سے بڑھکر یہ کہ آپ ایک عقیدت مند مسلمان تھے، اپنی سرگرمیوں کے ہر شعبہ میں اسکا مظاہرہ فرماتے تھے۔"

تدوینِ حدیث

(۶)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اس نے صحابۂ کرام کی ذہنی قوتوں اور عملی توانائیوں میں نئی زندگی کی روح بھر کر ان میں ایسی لہر پیدا کر دی تھی کہ بقول "گاڈ فری ہیگنس عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیرووں میں پیدا کر دیا تھا کہ جسکو عیسیٰ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے سود ہے"۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ عیسائی ہی نہیں بلکہ دنیا کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس سے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابۂ کرام کے اس نشہ کی خبر کتنے صحیح الفاظ میں دی تھی۔

ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک ووفدت علی قیصر وکسریٰ والنجاشی واللہ ان رأیت ملکاً قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد محمداً واللہ ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منہم فدلک بہا وجہہ وجلدہ واذا امرہم ابتدروا امرہ واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہ واذا تکلم خفضوا اصواتہم عندہ وما یحدون الیہ النظر تعظیماً لہ (بخاری)

لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقع ملا ہے قیصر (روم) کسریٰ (ایران) نجاشی (ابی سینیا) کے سامنے حاضر ہوا ہوں، قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جسکی لوگ اتنی عظمت کرتے ہوں، جتنی عظمت محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں۔ قسم خدا کی جب وہ بلغم تھوکتے ہیں تو نہیں گرتا ہے، وہ لیکن انکے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں۔ پھر وہ اپنے چہرہ اور بدن پر اُسے مل لیتا ہے (محمدؐ) جب کسی بات کا انہیں حکم دیتے ہیں تو اسکی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں، جب محمدؐ وضو کرتے ہیں تو اُس وقت اُنکے وضو کے پانی پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں، جب محمدؐ بات کرتے ہیں تو انکی آوازیں پست ہو جاتی ہیں محمدؐ کو نگاہ بھر کر انکی عظمت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے۔

یہ دوست کی نہیں، بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس جماعت کے نشہ کا یہ حال ہو، جو الکلام، ادامر تو بڑی چیزیں ہیں، تھوک اور غسالہ تک کو اپنے اندر پیوست کرتے تھے، اور اگر دوسرے پر سبقت کرتے ہیں گویا باہم الجھ پڑتے تھے، ایک ایک موئے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی جنہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک ہاتھ آگیا تھا، فرماتے

...... عندی شعرۃ منہ احب الیّ من الدنیا وما فیہا

میرے پاس کسی بال کا ہونا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب کچھ میرے یہاں ہو

جن لوگوں کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا ہو، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "زندگی" جسکے خدا کی طرف سے یہی وہ محافظ اور مبلغ قرار دیے گئے تھے، سوچنا چاہیے کہ ان ہی لوگوں نے اس "زندگی" کی نگہداشت میں کس اہتمام کس انہماک اور توجہ سے کام لیا ہوگا۔ ایک ایک موئے مبارک بھی جن کے نزدیک دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب تھا ان ہی کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی غور کرنا چاہیے کہ کیا قیمت تھی۔ اب ایک طرف حضرات صحابہ کرام کے ان جذباتی طوفانوں کو اپنے سامنے رکھیے اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجیے، کہ جس محمدؐ ہے اس "تاریخ" کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری قدرت کی جانب سے انھیں سپرد ہوئی تھی اس زمانے میں انکے پاس کسی قسم کا کوئی دماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا۔ عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس حیرت انگیز بعثت اچانک۔ امی بیداری کے زمانہ سے پہلے وہ اور انکا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلوں سے مفلس تھا جنکا چرچا عموماً حضارت: تمدن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگرچہ میں اسکا تو قائل نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عرب کے ایام جاہلیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کی حالت ہندوستانی بھیلوں اور گونڈوں کی تھی، نہ صرف قریش بلکہ اور بھی دوسرے قبائل کے صحیح حالات سے جو واقف ہیں، وہ ایک سکنڈ کے لیے یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے بلکہ جیسا کہ عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئیگی کہ جاہلیت" کا یہ ترجمہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، عربی زبان اور قرآن مجید جس میں یہ لفظ غالباً پہلی دفعہ استعمال ہوا اسکے عام محاوروں کے خلاف ہے۔ عربوں کی جہالت کا جو مطلب سمجھا ہے وہ دراصل واقعات سے جاہل ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کے سلسلہ میں عرب کا بھی اس زمانہ میں تقریباً وہی حال تھا جو عموماً اس زمانہ میں اگر کامل متمدن ممالک نہیں تو نیم متمدن ممالک کا تھا۔ یعنی جس طرح قدیم زمانہ میں تقریباً ہر ملک اور قوم میں لکھنے پڑھنے والوں کا ایک خاص پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا، اور عام پبلک کو اس سے چنداں تعلق نہیں ہوتا تھا نہ اسکی اتنی ہمت تھی۔ کسی ملک میں پادریوں، کسی میں موبدوں، کسی میں برہمنوں، الغرض ایک قسم کے لوگوں کے ساتھ یہ کام مخصوص تھا، اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا۔ آئندہ یہ بتایا جائیگا کہ عربوں میں بھی ایک خاصی تعداد خواندوں اور نوشندوں کی تھی، نہ صرف مرد بلکہ ایام جاہلیت میں بھی بعض لکھی پڑھی عورتیں پائی جاتی تھیں، شرفا ہی نہیں بلکہ غلاموں میں بھی ایسے افراد موجود تھے۔ میں اپنے اس دعوے کی تھوڑی بہت تفصیلیں آگے بھی کروں گا، لیکن بایں ہمہ اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ معمولی نوشت و خواند چند گنے چنے لوگوں تک محدود تھی رفتہ رفتہ آگے، عربوں کی ذہنی اور دماغی قوتوں کے لیے اس زمانہ میں کوئی خاص اہم خوراک موجود نہ تھی، اور قرآن مجید

کچھ تھی بھی تو وہ دوئم درجہ کی تھی۔ ان کا سب سے بڑا دماغی مشغلہ شعر و شاعری کا تھا، یا باہم دوسرے پر تفاخر کے لیے یا توہین کے لیے وہ انساب کے علاوہ بھی دلچسپی رکھتے تھے، اور بھی ابتدائی نوعیت کی کچھ فنی چیزیں معدودے چند افراد کے پاس تھیں، لیکن اسلام نے شریعت کا جو معیار مقرر کیا تھا اس میں گانے بجانے، تصویر سازی، بیہودہ مفاخرت یا مشاجرت وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی، اہل خمریات و فخریات، فحش و مبالغہ والی شاعری کی بھی اس نے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ ایک طرف عربوں کی ذہنی اور علمی بھوک کی وہ شدت، اور دوسری طرف یوں ہی ان کے پاس کا دماغی مشغلہ سے خالی ہونا چنانچہ کبھی کبھی ادنیٰ درجہ کی کچھ چیزیں ان کے پاس جو موجود تھیں ان کے سامنے سے انکا بھی ہٹ جانا اور سب کو ہٹا کر اس شدید ذہنی تشنگی کے وقت میں ان کے سامنے صرف قرآن اور تبلیغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا علم اور فن کے رنگ میں پیش ہونا، اسی کی کمی بیشی پر سوسائٹی میں افراد کے مدارج کا قدرتاً مقرر ہو جانا غور رکھنے کی بات ہے کہ ایسے احوال میں ہر چیز سے ٹوٹ کر جب تمام مغلیں دو چیزوں میں گروہ ڈوب گئے تھے، تو آپ ہی اندازہ کیجیے کہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ ایسی حالت میں یقیناً یہی ہو سکتا تھا اور یہی ہو کر رہا، لیکن اسی کے ساتھ ہم جب اس واقعہ کو بھی ملا لیتے ہیں، کہ فاقہ کش، غریب، اور مفلس عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایام جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوششوں کا شکار بنا ہوا تھا، تعیش و رفاہیت کا کیا ذکر ہے، ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی انکو آسمان و زمین کے قلابے ملانے پڑتے تھے۔ ساری عمر عرب کے چٹیل، ریگستانی اور سنگستانی صحراؤں میں بیچارے صرف اس لیے کہ دو وقت کی خشک روٹی خواہ کسی شکل میں بھی مل جائے اور وہ بھی بمشکل میسر آتی تھی لیکن اسلام نے ایک طرف ان کے باطنی قوی کے اور ذہنی مطالب میں یہ طوفان برپا کیا۔ دوسری طرف پندرہ پندرہ بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی مطالبوں کے لیے رسد کا ایک ایسا سیلاب تھا، سمندر تک اس خیر آباد قلیل التعداد ملک میں امنڈ کر آیا ٹھیں مارنے لگا کہ سچ یہ ہے کہ اسکی نظیر بھی عرب کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی اور نہ آج تک پھر وہ تماشا دیکھنا نصیب ہوا۔ اُن خزائن اور دفائن غنائم اور نقدی کے جو قرنہا قرن سے کسریٰ ایران کے خزانے میں جمع ہو رہے تھے، یا وہ دولت جو زمین فرعون (مصر) سے یا ارض شام سے آئی تھی ستون کی عشرت (یعنی ساٹھ گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا) والا جو اہرنگار "بہار" نامی ایرانی قالیچہ، جسکے تمام نقش و نگار رنگا رنگ مختلف مناظر اور موسموں سے تھا انمول جواہرات کے ذریعہ کاڑھے گئے تھے۔ کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی پتھروں کی وجہ سے بجائے سر پر رکھنے کے سونے کی زنجیر سے لٹکا دیا جاتا تھا، اور کسریٰ ایران اسی میں اپنا سر داخل کر دیتا تھا۔ کھجوروں کے تنے پر مدینہ میں جو مسجد کھڑی تھی اس میں یکے بعد دیگرے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا آ رہا تھا۔ خوراک کی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط میں حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بن عاص کو غلہ کے لیے جب لکھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اونٹوں کی ایسی قطار غلہ سے لاد کر بارگاہ تحت خلافت میں بھیجتا ہوں کہ جسکا پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا اور آخری اونٹ کی دم میرے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ سب تو نقد دولت تھی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ میں حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، ایران، شام، مصر کے لاکھوں مربع میل کے جو علاقے فتح ہوئے، جن میں بجز حجاز کے تقریباً اکثر حصہ صرف ثروت و دولت کا بیت تھا، سرچشمہ تھا۔ مصر سے پہلا خط عمرو بن العاص کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام آیا تھا کہ ایک ایسی زمین پر خدا نے قبضہ دلایا ہے جو ابتک موتی کی طرح سفید، اور پھر عنبر کے مانند سیاہ، اور اسی کے بعد ہیرے کے مانند سبز ہو جاتی ہے۔ ان سارے علاقوں کا ایک بڑا حصہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگیروں پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اموال غنیمت کے حصوں کے ساتھ ساتھ ہر صحابی کے گھر میں سالانہ کتنی دولت ان جاگیروں سے آتی تھی۔ تاریخوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی تک پہونچتے پہونچتے مدینہ کی بازار کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ عہد نبوت میں جس گدھے کی قیمت بارہ درہم تھی، اب پندرہ سو میں ملتا تھا۔ بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غابہ کی زمین جو مدینہ کے پاس ہے کل ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں مول لی تھی، لیکن انکے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جب اسے فروخت فرمایا تو اسکی قیمت سولہ لاکھ ملی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی داد و دہش کی وجہ سے مرنے کے وقت ایک پیسہ نہ چھوڑ سکے لیکن مکانات اور زمین کی شکل میں جو انکی جائداد تھی، اسکی قیمت بخاری میں ہے پچاس کروڑ دو لاکھ لگائی گئی تھی۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے انتقال کے وقت جو ترکہ چھوڑا اسکا حساب تو بہت طویل ہے، لیکن فراخی و فراغبالی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے ثلث مال سے انھوں نے وصیت کی تھی کہ ہر بدری صحابی (جن کی تعداد اس وقت تقریباً ایک سو کے قریب رہ گئی تھی) چار چار سو دینار دیے جائیں۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور

کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو

"محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق"

عشرت آباد ولیلین۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ: للعہ

ششماہی: ؏

بیرون ہند سے سالانہ ۔ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۱ار

صدق

ہفتہ وار — لکھنؤ

نمبر ا | دوشنبہ ۷۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۵ مئی سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

نقلی سونا

۲½ روپیہ تولہ والا

"میں ایک روز فلم آرٹسٹس ایسوسی ایشن کے جلسہ میں وقت سے ذرا پہلے پہونچ گئی۔ کوئی دور اس وقت تک آیا نہ تھا۔ عمارت کا چوکیدار موقع دیکھ میرے قریب آگیا، اور باتیں شروع کردیں۔ میں کیا سنتی ہوں؟ یہ کہ میں دن کو کارخانہ میں کام کرتا ہوں اور رات کو یہاں پہرہ دیتا ہوں، میں اپنے موجودہ مشغلوں سے بیزار اور آپ کے پیشہ پر جان دیتا ہوں، اگر کہیں آپ کی طرح فلم اسٹار بن جاؤں تو زندگی کا لطف آجائے"

یہ ہندوستان کی ایک مشہور غیر مسلم فلم ایکٹرس لیلا "اسٹار" نے اپنے ایک تازہ مضمون میں لکھا، اور پھر آگے چل کر اپنے تجربہ ومشاہدہ کی بنا پر لکھا:۔

"میرا تجربہ تو یہ ہے کہ دولت یا کام کیلئے لالامز دور ہو یا دفتر کا چپراسی، یا کالج کا طالب علم ہو، ہوٹل کا مہمان ہو، سب ہی کی آنکھیں پردۂ سیمیں کی چمک دمک سے خیرہ ہورہی ہیں۔ اور سب ہماری طرف رشک ہی نہیں، حسد کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

اس بارہ میں آپ کہتا ہے اس پردۂ سیمیں کے عقب میں حقیقت کیا ہے، اسکا جواب بھی اسی خوش نصیب "قابل رشک" ایکٹرس کی زبان سے سن لیجیے۔

"یہ صحیح ہے کہ ہم میں سے بعض کو ہزاروں کی تنخواہ ملتی ہے، موٹریں بھی ہوتی ہیں، بنگلہ، ٹیلیفون بھی ہوتا ہے، مگر جن کو یہ اعزاز حاصل ہے، انکی تعداد بہت ہی محدود ہے۔ میرا تو اندازہ ہے کہ بام ترقی پر پہونچکر ہزاروں کی تنخواہ پانے والوں کی تعداد ایک فی صدی سے زائد نہیں۔ ۵۰ فی صدی تو ایسے ہیں جو آدھی منزل تک بھی نہیں پہونچ پاتے ۔۔۔۔ اگر آپ کو مبدأ فیض سے حسن وجمال کی دولت ملی ہے، تو سمجھ لیجیے کہ آپ ۔۔۔ زیادہ سے زیادہ ۶ سال کی مدت اس عیش کی زندگی بسر کرسکتے ہیں، اسکے بعد بلندی سے پستی کی طرف ڈھکیل دیے جائینگے"

گویا اول تو دولت وثروت کی منزل تک پہونچتا ہی کون ہے۔ کون۔

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک!

اور پھر کوئی پہونچا یا پہونچ بھی گیا تو بادشاہی کی مدت کل ۶ سال کی! پھر اسکے بعد؟

"اگر آپ ازراہ خود بینی یہ سمجھ رہے ہوں کہ آپ کا حسن وجمال پندرہ بیس سال تک قائم رہ سکتا ہے، تو یہ آپ کی غلطی ہے۔ تماشائیوں کی نگاہیں جو آج آپ کے حسن کیلیے بیقرار ہیں بہت جلد اکتا جائینگی، اور وہ نئے نئے فلمی چہروں سے لذت اندوز ہونا بیچینی سے انتظار کرینگی ۔۔۔۔۔۔

وہ ستارے آج کہاں ہیں، جو کل تک فلمی افق پر جلوہ پاش تھے؟ وہی تاج جو کل تک انکے سروں پر چمک رہا تھا، آج وہ دوسروں کی زینت بن رہا ہے ۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔۔

آپ کو اس لائن میں پنشن بھی نہیں ملیگی لاکھوں انسانوں کے لیے تفریح وتفنن کا سامان بہم پہونچا سکے

کے بعد آپ ایک بدلتے دستانہ کی طرح بیکار بن جائینگے، اور وہ خوش وضع بنگلے، اور بیش قیمت موٹر، وہ ٹیلیفون، غرض عیش و راحت کے جملہ سامان ایک ایک کرکے آپ کے قبضہ سے نکال لیے جائیں گے"۔

یہ وعظ کسی خشک ملا کی زبان سے نہیں، خود ایک نامور ایکٹرس کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ آخر کا بھی ارشاد سن لیجیے اور ہو سکے تو اس سارے مضمون کو ایک ایک اسکول اور ایک ایک کالج کے دروازہ تک پہونچا دیجیے :۔

"میں ایک بہت بڑے ایکٹر کو جانتی ہوں جسے کبھی اپنے حسنِ مردانہ پر ناز تھا۔ آج اس کی ہیئت کذائی دیکھیے۔ لال بھبھوکے رخسار زرد پڑ کر پچک گئے ہیں۔ روشن اور بڑی بڑی آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔ اور زندگی مسرت سے خالی ہو چکی ہے۔ اسی طرح ایک ایکٹرس بھی ہے جسکی قسمت کا ستارہ اب گردش میں آ چکا ہے، اور وہ ظلمت گمنامی میں محو ہو چکی ہے ...... غرض یہ کہ وہ چمک دمک جسکی خاطر نوجوان فلم اسٹوڈیو کی طرف کشاں کشاں چلے آ رہے ہیں، ایک موہوم چیز ہے، حقیقت سے کوسوں دور ...... جو کام کی خاطر اس لائن میں آنا چاہے وہ آئے ضرور، لیکن اس چمک دمک کا فریب کھا کر مت آئے۔ یہ چمک دمک اس نقلی سونے کی ہے، جو بازاروں میں ڈھائی روپیہ تولہ بک رہا ہے"۔

ان بدنصیبوں کا "کل" جو کچھ ہونے والا ہے، اسے چھوڑیے، انکا آج کچھ کم قابل عبرت ہے؟

کام کی رفتار

اردو ترجمہ و تفسیر کا کام گو بحمد اللہ جاری تو ہے، لیکن پچھلی پندرہویں میں رکاوٹیں بہت پیش رہیں، اور رفتار گویا رکی رہی۔ موانع کچھ تو خانگی تھے، اور کچھ دوسرے کام بھی۔ اور اندیشہ ہے کہ ابھی کچھ دن ابھی رفتار اور ایسی ہی سست رہیگی۔ اس درمیان میں رقم ذیل، بالکل گمنام، وصول ہوئی، اور قبول کی گئی۔

۲۳- اپریل- از رنگون (بذریعہ ایک مخلص از کلکتہ) [illegible]

سچی باتیں

ذیل کا اقتباس جناب ہوش بلگرامی حیدرآبادی کے ایک مضمون کا ہے، جو اسی اپریل کی کسی تاریخ کے پیام کے صفحہ اول پر شایع ہوا ہے :۔

"مگر آہ! نہ اب اسلامی تعلیمات ہمارے حافظوں میں باقی ہیں اور نہ مشرقی عادات و اطوار ہم میں موجود ہیں۔ ماں کا احترام، باپ کا ادب اور بزرگوں کے لحاظ کا زمانہ لد گیا۔ یہ تو انکا شعار ہوتا ہے، جن کے قلوب ایمان کی روشنی سے منور ہوتے ہیں، جنکی نظریں اسوۂ حسنہ کی برکتوں کو پہچانتی ہیں۔ اب تو حالت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اگر ماں بیمار پڑی ہے تو ہم سینما میں داد عیش دے رہے ہیں، اگر باپ نزع کے عالم میں ہے تو ہم "بغلگیر رقص" میں مصروف ہیں، اگر بہن کا جنازہ اٹھ رہا ہے تو اٹھے مگر ہم کو کلب کی تفریحوں سے فرصت کہاں! ہماری زندگیاں دائرۂ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے ان حدود میں داخل ہو گئی ہیں جہاں نہ ماں کی کوئی حیثیت ہے اور نہ باپ کا کوئی مرتبہ۔ جہاں نہ محبت ہے اور نہ شفقت، نہ مذہب ہے اور نہ ملت، نہ ادب ہے اور نہ احترام، نہ محرم ہے اور نہ غیر محرم۔ جب اسلامی تعلیمات کا جنازہ [illegible] سے ہمارے ہی کاندھوں پر اٹھ جائے تو کیا ایسی قوم سے والدین کی اطاعت کے توقعات قائم کیے جا سکتے ہیں؟ یہ سعادت تو انکے لیے ہے اور یہ جوہر تو انکی فطرت کو عطا ہوتے ہیں جو اپنی الہامی کتاب پر غور و فکر کرتے ہیں، اسکے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں۔ مگر جنکی کتاب بدنصیبی سے صرف مخملی غلافوں میں رکھی رہتی ہو اور وہ مغربی افکار پر سر دھنتے ہوں، یا کسی رقاصہ کے رقص پر تھرکتے ہوں یا کسی مغنیہ کے نغموں پر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہوں، وہ سچائیات اخروی کے ان اسرار کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ مغربی تہذیب کا یہ کھیل ہمارا دین و مذہب بن کر رہ گیا ہے، اور اس میں ہم ایسے الجھ کر رہ گئے ہیں، کہ اس سے نکلنا اگر مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں"۔

"سچی باتیں" آخر پیام کے بھی صفحۂ اول پر نکلنے لگیں!

منہ کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں!

خاتونِ جدید

شایع ہوا ہے، کہ امریکہ میں ۱/۲ ۲ کروڑ عورتیں افزایش حسن و جمال کے مصنوعی طریقوں سے کام لیا کرتی ہیں۔ اوسطاً ہر عورت کا خرچ ان چیزوں پر ۴ پونڈ سالانہ ہوتا ہے۔

گویا امریکی خاتون کا مجموعی خرچ ۱۰ کروڑ پونڈ سالانہ کا اسی ایک مد میں ہوتا ہے۔ اس ۱۰ کروڑ میں سے ۶ کروڑ پونڈ تو گھر کے اندر اس سامان میں صرف ہوتا ہے، اور ۴ کروڑ پونڈ شہر کے پرتکلف حسن خانوں میں جا کر۔

سو میں ۸۵ عورتیں مختلف کریمیں (روغنیات) چہروں پر لگاتی ہیں، اور سو میں سے ۹۰ عورتیں مختلف پوڈر (غازے)

لپ اسٹک کا استعمال ہر ۸ بالغ عورتوں میں سے ۷ عورتیں کرتی ہیں۔

دنیاسے بیدار کی خاتونِ جدید کی "ترقیوں" میں اب بھی کسی کو شک و شبہ کی گنجایش ہے؟

بدنصیبوں کے حقوق

"سوویٹ روس نے شادی بیاہ کے ضابطوں کے سلسلہ میں جو جدتیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ

۶- ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ۵	یقیناً جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا برابر ہے اُنکے حق میں خواہ آپ ڈرائیں اُنکو یا نہ ڈرائیں اُنکو، وہ ایمان نہ لائیں گے	۷- ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم	مُہر کردی ہے اللہ نے اُنکے دلوں پر اور اُنکی شنوائی پر اور اُنکی آنکھوں پر

مطلق فلاح سے، اور المفلحون سے مراد ہے لکاملون فی الفلاح۔ اس سے معتزلہ کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہی کہ آیت سے مرتکب کبائر کے لیے عدم فلاح نکل رہی ہے۔ عدم فلاح نہیں عدم فلاح کامل البتہ نکلتی ہے۔ ویدل علی انھم الکاملون فی الفلاح فیلزم ان یکون صاحب الکبیرۃ غیر کامل فی الفلاح (کبیر) فالحصر للفلاح المطلق لا مطلق الفلاح فمانیا فی فلاح المخلین بالاعمال فلا حجۃ فیہ للمعتزلۃ (تھانوی)

۵۳ (اور اسرار پر اڑے رہے) وثبتوا علی الکفر۔ (ابن عباسؓ)

ایسے لوگ علم الٰہی میں حالت کفر ہی پر مرنے والے ہیں۔ جو لوگ دلائل حق پر غور نہیں کرتے، اور کسی نہ کسی عصبیت کے ماتحت اپنے دین باطل پر ہی جمے رہتے ہیں، انکی استعداد قبول حق روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے۔

ائمہ سلف سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ آیت میں خاص اشارہ یہود مدینہ کے سرغناؤں کی جانب ہے جنکا کفر کفر جحود تھا، یعنی یہ لوگ دیدہ و دانستہ اخفائے حق کرتے تھے۔ وانما معنی الکفر فانہ الجحود (ابن جریر) وکان ابن عباس یری ان ھذہ الآیۃ نزلت فی الیہود والذین کانوا بنواحی المدینۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توبیخاً لھم فی جحودھم نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر- عن ابن عباسؓ)

۵۵ (انکے عدم التفات اور بے حسی کی بناء پر)۔

۵۶ (لیکن آپ کا فرض تبلیغ برابر جاری رہے اے پیغمبر!)- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرص تھی کہ کاش سب کے سب اسلام قبول کرلیں۔ یہاں آپ کو خبر دیدی گئی، کہ آپ خواہ کچھ بھی کریں، جو بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی کو ضائع کرچکے ہیں اُنکے حق میں سب یکساں ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرص ان یؤمن جمیع الناس ویتابعوہ علی الھدی فاخبرہ اللہ تعالی انہ لا یؤمن الا من سبق لہ من اللہ السعادۃ فی الذکر الاول (ابن کثیر- عن ابن عباسؓ) ثم انہ سبحانہ وتعالی بین لہ علیہ السلام انھم لا یؤمنون لیقطع طمعہ منھم ولا یتاذی بسبب ذلک (کبیر) فلا تذھب نفسک علیھم حسرات، علیھم الرسالۃ فمن استجاب لک فلہ الحظ الاوفر ومن تولی فلا تحزن علیھم (ابن کثیر)

ظاہر ہے کہ یہ صرف خبر ہے جو علم الٰہی کے مطابق دی گئی ہے۔ یہ نہیں کہ مرضی الٰہی کا بیان ہو رہا ہو۔ "علم" اور "مرضی" کے درمیان فرق زمین و آسمان کا ہے۔ اور عوام ان میں خلط کرکے عجیب الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ طبیب حاذق بار ہا مدتوں پیشتر خبر دیدیتا ہے کہ فلاں مریض برابر پرہیز سے اچھا نہ ہوگا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ مریض کی موت کی خواہش طبیب کے آس پاس بھی نہیں ہوتی۔ "اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے ساتھ استعداد قبول حق کی رکھی ہے، مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور خود غرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے، حتی کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے۔ اُسوقت وہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ طبیب روحانی یوں کہہ سکے کہ یہ حق کو نہ قبول کریگا، کیونکہ اسکی استعداد درست نہیں رہی۔" (تھانوی)

۵۷ (اس لیے کہ وہ ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے، اور تعلیمات اسلامی پر تعصب سے آنکھیں بند کرکے غور ہی نہیں کرتے) یریدون ان یؤمنوا (ابن عباسؓ) اس سے پہلے فقرہ کی اور تاکید اور توضیح ہوگئی۔ اور معاندوں کے حق میں انذار و عدم انذار کا یکساں ہونا اور زیادہ روشن ہوگیا۔

بالعموم جملہ کی ترکیب نحوی یوں ہی کی گئی ہے، اور معنی یہی قرار دیئے گئے ہیں۔ جملۃ مؤکدۃ للتی قبلھا (ابن کثیر) جملۃ مفسرۃ لاجمال ما قبلھا ادحالا مؤکدۃ (روح) لیکن ایک دوسری ترکیب بھی جائز ہے، اور متعدد اہل تفسیر ادھر بھی گئے ہیں۔ یعنی لا یؤمنون جملہ مفسرہ نہ ہو بلکہ خبر ہو ان الذین کفروا کی۔ سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہو۔ اصل مقصود دونوں ترکیبوں کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔ یحتمل ان یکون لا یؤمنون خبرا لان تقدیرہ ان الذین کفروا لا یؤمنون ویکون قولہ تعالی سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم جملۃ معترضۃ (ابن کثیر) ویجوز ان یکون لا یؤمنون خبرا لان والجملۃ قبلھا اعتراض (کشاف) خبر ان والجملۃ قبلھا اعتراض (بیضاوی) خبر ان والجملۃ قبلھا اعتراض (مدارک) ویجوز ان یکون لا یؤمنون خبر ان وسواء علیھم وما بعدہ معترض بینھما (عکبری)

۵۸ اللہ کی طرف سے مُہر کر دینے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اسکے قبل۔ فطرت سلیم اور حق میں غور و فکر کی قوت ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ لیکن جب انسان ہدایات و آیات الٰہی سے منہ موڑ کر قانون شیطانی پر چلنے کا عزم کر لیتا ہے، تو وہ سلسلۂ غضبی میں جا داخل ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرت الٰہی اسکا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب اُسے ہر روشنی تاریک اور ہر تاریکی روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اُس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ اُسے مسبب علت العلل اپنے قانون تکوینی کے اعتبار سے (قانون دنیا کے) ماتحت دیتا جاتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مُہر لگ جانے کے۔ ظاہر ہے کہ یہ مُہر مجازی ہے کوئی مادی چیز نہیں۔

والختم علی قلوبھم اشارۃ الی ما اجری اللہ بہ العادۃ ان الانسان اذا تناھی فی اعتقاد باطل او ارتکاب محظور ولا یکون منہ تلفت بوجہ الی الحق یورثہ ذلک ھیئۃ تمرنہ علی استحسان المعاصی وکانما یختم بذلک علی قلبہ (راغب) ولا ختم ولا تغشیۃ علی الحقیقۃ والمراد بھما ان یحدث فی نفوسھم ھیئۃ تمرنھم علی استحباب الکفر والمعاصی واستقباح الایمان والطاعات بسبب غیھم وانھماکھم فی التقلید واعراضھم عن النظر الصحیح فتجعل قلوبھم بحیث لا ینفذ فیھا الحق (بیضاوی) والختم ھنا معنوی فان القلب لما لم یقبل الحق ولم یحلہ استعیر لہ اسم المختوم علیہ (بحر)

۵۹ (یعنی اب وہ سمجھتے نہیں)- دل سے مراد سینہ کے اندر کا دل شفتہ گوشت

مسیح و مریم علیہا السلام

(سلسلۂ صدق ۔۔۔)

(از مولانا سید حبیب اللہ شاہ صاحب قادری - حیدرآباد دکن)

یعنی امام مہدی سب مذاہب و ملل کو اُٹھا دیگا اور سوائے خالص و اصلی دین کے اور کوئی باقی نہ رہیگا جسکی اصل بنیاد کتاب اللہ ہوگی اور حدیث بہ طور شرح و تفسیر۔ فقہاء کی مختلف فقہیں اور کلامیوں کے مختلف خانہ ساز عقائد و کلامیات سب ہباءً منثورا ہو کر رہینگی۔ جب فرقہ وارانہ عقائد و نظریات مختلفہ و مجتہدات فقہیہ متنوعہ ختم ہو جلینگی تو ساری قومیتیں مٹ کر ایک ہی نوعیت قومیت کی قائم ہو جائیگی تو دنیا اپنی نجات کا وہ منظر دیکھ لیگی جسکے لیے وہ زمانہ سے تڑپتی رہی ہے۔

محمدؐ اور مسیحؑ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انا اولی بعیسیٰ بن مریم ولیس بینا نبی۔ یعنی میں سب انبیاء سے زیادہ عیسیٰ بن مریم اسرائیلی سے صورۃً و بروزاً اور کلمۃ اللہ و روح اللہ سے حقیقۃً و معنیً قریب ترخصوصیت رکھنے والا ہوں اور ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اس حدیث میں اسی اتحاد حقیقتین کی طرف اشارہ ہے۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی تعلیم لیے تشریف فرما ہوئے جو حضرت سیوع ناصری ابن مریم دنیا کو دینا چاہتے تھے جیسا کہ فارقلیط کی نسبت حضرت یسوع اسرائیلی نے فرمایا تھا کہ میں اپنے باپ (مالک و مربی) کے پاس جاتا ہوں اور اس فارقلیط روح الحق کو تمہارے پاس بھیجے دیتا ہوں جو تمام وہ تعلیمات تم کو دیگا جو میں دنیا چاہتا تھا اور اخیر زمانہ کی سب کے واقعات تم کو بیان کریگا (اس مضمون کو وہ مختلف عبارتوں میں ادا کرتے تھے)۔ دیکھو اناجیل موجودہ۔ مگر چونکہ یہود پر حجت ختم ہونی تھی اور عیسیٰ محض تو تنبیری حضور اقدسؐ کی سنانے آئے تھے اس لیے انکو اس تعلیم کی تبلیغ نہ کرنی تھی اور نہ انھوں نے کی۔ اور درحقیقت وہ کر بھی نہیں سکتے تھے اسلیے کہ وہ ناقص البشریت پیدا کیے گئے اور محض یہود پر حجت ختم کرنے اور انکو مغضوب علیہم و ملعون بنانے آئے تھے۔ لہذا انسانیت کاملہ کی تعلیم ایک ناقص البشریت مغلوب الملکوتیت انسان دے نہیں سکتا تھا۔ لہذا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام کے لیے چن لیا گیا جنکو سید انبیا سے انسان کامل کا بہترین نمونہ بنایا گیا تھا جو ادھر اتم انسان کے صفات بشریہ میں بھی ایک کامل ترین انسان تھے اور ادھر اس بشریت و انسانیت کاملہ کے باوجود قرب ایزدی کے اس تقدس اعلیٰ کا رتبہ حاصل فرمایا تھا جو خود کسی ملکوت والے کو بھی حاصل نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ محض نفخۂ جبریلی اور دیکھتے ہوئے رہ گیا کہ

اگر یکسر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

انکی وجہ یہی ہے جو میں اب تک متواتر بار بار بیان کرتا آیا ہوں کہ نقص ملکوتیت و تقدس خدا کے ہاں کوئی قابل قدر چیز نہیں بلکہ جو کچھ قابل چیز ہے عنداللہ بھی اور عندالناس بھی۔ وہ انسانیت کاملہ ہے جو امانت یزدانی و خلافت رحمانی ہو۔ یہ انسان کو عملاً پوری کر دکھانے کہ ادھر عبودیت بھی کامل و اتم رہے اور ادھر امور دنیوی کی تنظیم اور جملہ طرح معیشت انسانیہ بھی بدرجہ اتم پوری ہو۔ یہ درجہ اکملیت عبودیت کسی انسان کو سوا ذات محمدیؐ کے حاصل نہ ہو سکا۔ مگر بدقسمتی عرب کی وجہ چونکہ امامت عظمیٰ یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت تھوڑی مدت کے بعد ہی رفع ہو گئی اور ملک عضوض کاٹ کھانے والی بادشاہت یعنی ملکیت مطلقہ و استبداد و تغلب و تسلط نے بیجا طور اسکی جگہ لے لی۔ اور رفتہ رفتہ اس نظام بدیع و کیتا کے جاتے رہنے سے اسلام کی ساری خصوصیات اسلامیہ و احسانیہ رفت و گذشت ہو گئے حتیٰ کہ مغلوں، ترکوں اور پھر یورپین قوموں (یاجوج و ماجوج) کی وجہ اسلام پر بدحواسیت ہونے کی نوبت آگئی اس لیے پھر ضرورت ایک مسیحا کی ہوئی جو شریعت کاملہ محمدیہ کو پھر ایمانیات و احسانیات یعنی عبودیت و انسانیت کے رنگ میں حسب تعلیم خالص قرآن و حدیث زندگی دے تاکہ ملکوت السماء حسب اصطلاح انجیل اور امامت عظمیٰ حسب اصطلاح اسلام پھر دنیا پر قائم ہو سکے جسکے قیام سے ہی وہ امن و امان عام دنیا میں قائم ہو سکتا ہے جسکی پیشنگوئیاں کی گئی ہیں اور اسلام میں تو نہایت صراحت کے ساتھ اسکی تفصیلی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

دوسرے زمین پر امامت عظمیٰ کا قیام۔ ظاہر ہے کہ ایک نہایت ہی سخت انقلاب عظیم کا محتاج ہے جو اپنی ہیبتناکی و فظاعت میں سابقہ انقلابوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور جو حق کو غالب اور باطل کو ہمیشہ کیلیے مغلوب کر دے لہذا ہے ساعت و قیامت کبریٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اسکی سامان و موجبات کو اشراط الساعۃ بھی کہتے ہیں مگر اس عاجز نے بحث یاجوج و ماجوج والے مضمون بجاریہ "صدق" میں بالتفصیل یہ الکھی بات بتادی ہے کہ حسب قرآن و حدیث ساعات تین ہیں۔ صغریٰ، وسطیٰ، کبریٰ۔ صغریٰ موت کا نام جو ہر انسان کی انفرادی و جزئی قیامت ہے۔ اور وسطیٰ قومی و ملی موت والا انقلاب ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اقوام سابقہ عاد و ثمود وغیرہما کی قومی بربادیوں اور ہلاکت کو قیامت کے الفاظ جو عذاب یوم الیم، عذاب یوم کبیر وغیرہا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلامی قوم کی حیات ملیہ قومیہ کے تین دور ہیں احسانی و ایمانی و اشتراکی۔ اور ان تینوں حیاتوں کے لیے بھی انقلابات مقرر ہیں۔ دور احسانی خلافت راشدہ و دور ایمانی ملوکیت عربیہ گزر چکے ہیں اور ان دونوں کے بھی انقلابات ہائلہ یعنی قیامتہائے وسطیٰ قائم ہو چکے ہیں یعنی قتل عثمانی و جنگ صفین و جمل و حرہ وغیرہا اور قیامتہائے ترکیہ و مغلیہ چنگیز خانی و گورگانی و عثمانی وغیرہا اب رہی تیسری قیامت وسطیٰ جو ان سب میں کبریٰ ہے اور سخت ہولناک وہی انقلاب عظیم ہے جسکے علامات و اشراط یاجوج ماجوج اور مسیح دجال وغیرہ وغیرہ ہیں اور شاید اس صدی کے اندر ہی اندر دنیا۔ وہ انقلاب امامت عظمیٰ کے قیام کا دیکھ لے اور ملکوت السماء کا مشاہدہ کر لے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

مراسلہ

مولانائے محترم دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج اقدس!

تقریباً پانچ سال ہوتے ہیں کہ خاکسار کی توجہ کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاسی اداروں پر مرکوز رہی اور ہمیشہ یہ سمجھنے کی کوشش رہی کہ ان ہر دو اداروں میں سے کونسا ادارہ مسلم قوم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کا حامل ہے - لیکن اپنی کم سوادی کے باعث کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکا۔

تین ماہ قبل ایک شب کا واقعہ ہے کہ اسی حیص بیص میں نصف شب کے بعد آنکھ لگ گئی، علی الصبح قوم و یقظہ کی درمیانی حالت میں آیت ذیل تلاوت کرائی گئی

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیآئہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمات۔

اس ہدایت ربانی کی روشنی میں اپنے فہم ناقص کی بنا پر غور کرنا شروع کیا۔ کانگریس کے متعلق یہ خیالات پیدا ہوئے کہ

(۱) اسکے بنیادی اصول ہیں توم اور وطن پرستی - اہنسا - ان اصول کا نہ صرف زبانی اقرار کرنا - بلکہ دلی یقین کے ساتھ ان پر عمل کرنا بھی لازمی ہے۔

(۲) اسکے جلسوں کی ابتدا خدائے پاک کے نام سے (جو رب العالمین اور حی القیوم ہے) نہیں ہوتی بلکہ "بندے ماترم" کے ترانہ سے جس میں وطن کو (جو محض ایک بے جان چیز ہے) ایک دیوی تصور کرکے اسکی حمد و ثنا کی جاتی ہے - جہاں خدا کا نام لینا ممنوع ہے اور جو قوم پرستی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

(۳) جو شخص جس قدر شدت اور ملسنانہ آہنگی کے ساتھ خدائے پاک کا انکار اور تضحیک کرتا ہے اسی قدر تعریف و توصیف کا مستحق اور لیڈری کے لیے موزوں تصور کیا جاتا ہے۔

(۴) جس چیز کا خدائے پاک سے معمولی سا بھی تعلق پایا جاتا ہے وہ چیز قابل نفرت اور اس کا مٹانا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً رسم الخط اردو جسے اہل ملک نے بلا لحاظ مذہب و ملت ہندوستان میں رائج کیا، اسی جماعت کی اکثریت نے اسے صرف اس بنا پر کہ وہ قرآن (جو مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کلام ہے) کے رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، علی الاعلان مٹانے کا تہیہ کر لیا۔

(۵) اس جماعت نے عملی طور پر بھی اپنی حکومت اور وزارتوں کے زمانہ میں مسلمانوں کے دینی رسم و رواج - تعلیم و تہذیب وغیرہ کے خلاف جو کچھ کیا وہ اخباروں اور غیر جانبدار اشخاص اور اداروں کے بیانات سے بخوبی واضح ہے۔

(۶) جہاں نسل - قوم - وطن حیثیت اولیٰ رکھتے ہیں اور مذہب ثانوی حیثیت - مادیت اصل الاصول - روحانیت تقویم پارینہ -

ان خیالات کے پیدا ہونے ہی پکار کر کہدیا کہ یہی جماعت اولیاء و طاغوت ہے - خود فرمائیے کہ علمائے کرام کی ایک زبردست جماعت مسلمانوں کو کانگریس میں جوق در جوق شریک ہونے اور اسکی ہدایتوں پر آنکھ بند کر پیروی کرنے کی ترغیب دلانے اور عملاً شرکت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے - لیکن اسکے باوجود مسلمان رفتہ رفتہ کانگریس سے علیحدگی اختیار کریں اور علمائے کرام "بے سبب ہے کاروان" ہو کر مارے مارے پھریں، کیا یہ خدا کی تائید نہیں ہے؟ خدا کی شان، وہ لوگ جو علوم دین سے کورے - خدا اور رسول سے بیزار - مغربی علوم و فنون کے دیوانے - تو دین سے نزدیک ہو رہے بلکہ ندامت کی طرف عود کر رہے ہوں - اور ہمارے علمائے کرام وقضاۃ وغیرہم اہل بہ تجدد - اور مادی باطل پرستی - یا الہی یہ کیسا انقلاب عظیم ہے -

"حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل این چہ بوالعجبی ست؟"

اب جو مسلم لیگ کی طرف خیالات رجوع ہوئے تو اسکے اغراض و مقاصد، طریق کار، اثرات حسب ذیل پائے گئے -

(۱) اسکے بنیادی اصول اسلام سے متصادم نہیں ہیں - خدا اور رسول کے احکام کے خلاف کسی قانون کے وضع کرنے سے انکار - مادیت سے بیزاری - روحانیت سے دلچسپی -

(۲) اسلامی رسم و رواج - تہذیب و ثقافت کی ترویج و تائید - شریعت حقہ کا نفاذ اور پاسداری -

(۳) اسکے جلسے خدا کے نام اور آیات قرآنی کی تلاوت سے شروع اور ختم ہوتے ہیں -

(۴) خدا کی ہستی - وحدانیت - رسالت - قرآن کے کلام ربانی ہونے کا لسانی اور دلی اذعان -

(۵) وطن کے حدود شرعیہ کے اندر محبت اور عزت - غیر اقوام کے ساتھ مساوات اور رواداری -

(۶) اس جماعت میں گو شریعت کی پابندی کرنے کی کمی ہو لیکن شرک - لادینی سے یہ جماعت ضرور بیزار ہے - اس میں بے عملی چھوڑ کر عمل کی طرف رجوع ہونے کی تڑپ پائی جا رہی ہے - بے اعتدالیوں سے توبہ کا احساس اور نقائص سے پاک ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا جا رہا ہے -

مندرجہ بالا مقاصد اور طریق عمل سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا عجب خدائے پاک اس جماعت کا دست بنجائے - اب تک تو یہ جماعت صرف تائید الہی سے ترقی کر رہی ہے -

یہ خیالات تو مجھ ناچیز کے تھے - چونکہ مولانائے محترم کا شعار ہمیشہ حق پرستی رہا ہے - اور اظہار حق سے کبھی دریغ نہیں فرمایا گیا، لہذا اس بارے میں بھی خاکسار کی رہنمائی فرمائی جائے تو باعث ممنونیت ہے - مخفی مباد کہ خاکسار کا دریاباد سے قدیم خاندانی تعلق ہے - میری ساتویں پشت کے جد اعلیٰ - دریاباد ہی سے اولاً دکن میں وارد ہوئے - جنکے فیضان الہی کا سرچشمہ حضرت سید سکندر دریابادی رہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبد القوی

مضامین - کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو:- محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۲ؔ
بیرون ہند سالانہ
۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ؎ ۱م

صدق

نمبر ۴ | دوشنبہ - ۲۸ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۶ مئی سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

کام کی رفتار

اردو ترجمہ و تفسیر قرآن قسط وار ان صفحات میں نکل رہی ہے۔ کام بحمد اللہ جاری ہے، مگر رفتار بہت ہی سست ہے۔ دوسرے مشاغل قدم قدم پر حارج ہوتے رہتے ہیں، اور انھیں میں سے انگریزی ترجمے کے ضمیمے بھی ہیں۔ کئی کئی دن متصل گزر جاتے ہیں، کہ اردو ترجمہ و تفسیر کا وقت ہی نہیں ملتا۔ جس روز وقت ملتا بھی ہے، کام قرآن مجید کی ایک دو آیتوں سے زیادہ نہیں ہو پاتا۔ بہرحال جیسا بھی ہو رہا ہے، اسکے نمونے پیش ہی ہوتے رہتے ہیں۔ اہل علم میں سے تفصیلی رائے کسی صاحب نے بھی مشرف نہیں فرمایا ہے [illegible] رائے بھی [illegible] صاحبوں کی آئی ہے۔

ادارہ کی رقم اس ماہ میں حسب ذیل قبول کی گئی۔-

۱۰ - مئی - ایک مخلص از پشاور (قسط دوم) ؏ ۱۰

"نگار" حکومت کے سایۂ عاطفت میں!

ایک مراسلہ نگار تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہو کہ نیاز فتحپوری نے جس طرح ریڈیو پر اپنا رنگ جما رکھا ہے، اسی طرح انھوں نے صوبہ گورنمنٹ کے محکمۂ پبلسٹی میں بھی اپنا رسوخ بڑھا لیا ہے۔ چنانچہ آپ کے .... صاحب کی عنایت سے جو اسوقت اس محکمہ کے اسسٹنٹ سکریٹری ہیں، رسالہ نگار کے ۴۰۰ پرچے گورنمنٹ نے خرید لیے ہیں۔ یہ سیاہ مئی میں ختم ہوتی ہے، لیکن موصوف نے اسکی تجدید کی فکر تو کر ہی لی ہوگی۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ خریداری مسلم مطبوعات کے ذیل میں ہوئی ہے - بہرحال نعوذ باللہ ملکت خویش خسرواں دانند ...."

گورنمنٹ کو مشورہ دیتے رہنا صدق کے دائرہ کی چیز نہیں، لیکن صورت واقعہ اگر یہی ہے، جو مراسلہ میں درج ہے، تو اظہار حیرت ناگزیر ہے۔ کیا سرکار کا محکمۂ اطلاعات اس سے بےخبر ہے کہ مسلم پبلک اس "مسلم" رسالہ کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟ یہ چار سو پرچے گورنمنٹ آخر کن حلقوں میں تقسیم فرماتی ہے؟ مسلم آبادی کے آخر وہ کون سے طبقے ہیں، جو جناب نیاز کی رہنمائی کے منتظر رہتے ہیں؟ ———— اور پھر جہاں تک حکومت برطانیہ کی حمایت و تائید کا تعلق ہے، نگار میں ہو کیا رہا ہے؟ اپریل و مئی نمبر زیر مدیر صدق کی نظر سے گزرے ہیں، کم از کم ان دو نمبروں میں تو چند سطریں بھی ایسی نہ ملیں، جو برطانوی اغراض کے لیے مفید ہوتیں! اور پھر سب سے بڑا لطیفہ یہ کہ ایسے مسلم آزار رسالہ کا شمار مسلم مطبوعات میں کیا جا رہا ہے! ——— انگریزی مثل شاید ایسے ہی موقع کے لیے ہے کہ واقعات، افسانے سے بڑھ کر عجیب ہوتے ہیں!

مراسلہ میں جن مسلمان عہدہ دار کی طرف اشارہ ہے، وہ ذاتی طور پر یقیناً ایک پیکر تواضع و شرافت ہیں۔ افسوس ہے کہ انکی مروت سے کوئی دلیر و بیباک شخص یوں فائدہ اٹھالے ——— نگار کی خوش قسمتی میں تو بہرحال شک ہی نہیں کہ عین اسوقت جبکہ بیسیوں اسلامی انجمنیں اور ادارے اس پر ملامت کا رزولیوشن پاس کر چکے تھے، مسلم پریس میں شدید سے شدید اسکا تفصیلا ہو چکا تھا، حیدر آباد جیسی اسلامی ریاست اس کا داخلہ اپنے حدود میں بند کر چکی تھی، اُسے صوبہ گورنمنٹ کا سایۂ عاطفت نصیب ہو گیا! مبارک ہو اُسے یہ نئی سرافرازی!

دو صحیح علمی اعزاز

علمی اور ادبی حلقوں میں یہ خبر یقیناً بڑی مسرت سے سنی جائیگی، کہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی نے بالآخر قوم و ملت کے دو دیرینہ کارکنوں کو، اردو علم ادب کے دو نامور خدمتگزاروں کو ڈاکٹر آف لٹریچر (ڈی لٹ) کی اعزازی ڈگری سے سرافراز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان دو میں سے ایک رسول اللہ صلعم کے مشہور سیرت نگار مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اڈیٹر معارف ہیں، اور دوسرے انجمن ترقی اردو کے دیرینہ سال، جوان ہمت، سرگرم عمل سکریٹری مولوی ڈاکٹر

اور پارکوں اور سبزہ زاروں کو چھوڑ، تین ہزار بعد ایک بار پھر غاروں اور سنسانوں کے جنگلوں اور پہاڑوں اور گڈھوں اور گڑھیوں میں گھسنے اور چھپنے لگے!

زوال فرانس

فرانس مرحوم کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ

" دونوں داشتہ عورتیں رکھے ہوئے تھے، بیگم فلاں اور بانو فلاں۔ اور بار بار ایسا ہوتا کہ ملک کے مصالح کو ان نسائی فرمائشوں کی نعمیں پر قربان کر دیا جاتا۔

یہ بیان دشمن کا نہیں، دوست کا ہے۔ ینڈریو موروا، جو فرانس میں آغاز جنگ کے وقت موجود تھے، اسکے قبل سے موجود تھے۔ انکی شہادت سماعی نہیں عینی شہادت ہے۔ حال میں انھوں نے " زوال فرانس کے اسباب " پر انگریزی میں ایک کتاب اپنے مشاہدات کی بنا پر شایع کی ہے۔ اس میں یہ مضمون بھی ہے، جو ابھی اوپر درج ہوا، جیسا کہ پانیر مورخہ ۱۱ مئی کے تبصرہ میں نقل ہوا ہے ——— جب صورت حال یہ تھی، کہ ایسے ایسے ذمہ دار وزراء سلطنت ان بیگم اور بانو کے اشاروں پر رقص کر رہے تھے، تو فرانس کے حیرت انگیز، عبرت انگیز انجام پر حیرت کیوں کیجیے؟ تحریک " آزادیٔ نسواں " کے علمبرداروں کو اپنی کامیابی مبارک! سچ ہے کہ

" بول آخر کیوں نہ بالا ہو!

پرواز کی ترقی

ماہرین فن کے اندازے شایع ہوئے ہیں کہ

انسان کی دوڑ کی شرح زیادہ سے زیادہ			۲۲	میل فی گھنٹہ ہے۔	
شکاری کتے (گرے ہونڈ)	"	"	۳۶	"	"
گھوڑ دوڑ کے گھوڑے	"	"	۴۴	"	"
شتر مرغ	"	"	۶۰	"	"
قاز کی اڑان	"	"	۷۲	"	"
عقاب "	"	"	۱۲۰	"	"
باز "	"	"	۱۸۰	"	"
مونٹیٹ (ایک خرابی پرندہ) "	"	"	۲۰۰	"	"
موٹر کی رفتار	"	"	۳۶۹	"	"
ہوائی جہاز کی اڑان	"		۴۴۰	"	"
ایک خاص قسم کی مکھی	"		۸۵۰	"	"

گویا انسان اپنی دماغی بلند پروازیوں کی انتہائی ترقیوں اور مداومت کی زورآزمائی کے بعد گو پیدل گھوڑوں اور بہت سے جانوروں سے آگے نکل گیا ہے، تاہم ایک مکھی سے پیچھے ہی ہے! اور ترقی کی مزید منزلیں طے کر لینے کے بعد، بالفرض آگے نکل بھی جائیگا، تو یہ فتح ایک مکھی کے مقابلہ میں ہوگی!

مزید تعزیتی نامے

اخلاص اور محبت سے بھرے ہوئے پچاسوں تعزیت ناموں میں سے دو چار آج اور درج کیے جارہے ہیں۔ سلسلہ کو جاری رکھنا ہرگز مقصود نہیں۔ ایک صاحب دل حیدرآباد سے لکھتے ہیں:-

" کل جو اخبار صدق آیا، وہ آپ کی والدۂ مرحومہ مغفورہ کے انتقال کی خبر لایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی زندگی کے جو مختصر حالات آپ نے لکھے ہیں، ان میں ایسی تسلی ہے کہ کیا کہوں۔ اسلام نے جس فلاح کی بشارت دی ہے، اسکی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ کیسی نعمت بطفیل خاتم النبیین صلعم کس افراط سے ملتی ہے! اور تعجب کیا کہ وہ رحمۃ للعالمین ہے، بالمومنین رؤف رحیم ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ! ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانا دنیا میں سب سے بڑا ناگہ ہے

خاص رنج اس سانحہ سے ہوا، لیکن یہ مرحلہ بہرصورت ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت میں اعلیٰ مقام اور آپ کو اور نیز ہم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین والسلام

ایک اور اہل حال کا تعزیت نامہ:

" اعظم گڈھ کی حاضری سے اس طرف، ان نظر نہیں آتی، ورنہ تو وہیں دریا پاؤں تو آپ کی والدہ مرحومہ کی تعزیت کی سعادت حاصل کرتا۔ باقی مومن اور آپ جیسے مومن کے لیے اس سے بڑھکر کیا تعزیت و تسلی کی جا سکتی ہے کہ مرحومہ حسب ارشاد نبی اس کے پاس جا پہونچیں، اس سے بڑھکر یہ کہ ہم سب بھی جلکے ہیں، ان شاء اللہ آگے پیچھے اسی سے جا ملنے والے ہیں، جس مسافر نے کامیابی کے ساتھ منزل کو پہلے پا لیا، خوش قسمت ہی ہے، اور آج کل کی دنیا میں تو بہت ہی خوش قسمت ہے۔ دعا فرمائیے کہ مرحومہ کی طرح ہم کو آپ کو بھی ایمان کے ساتھ واپسی نصیب ہو، اور جب تک دنیا میں رہیں لقاء رب سے غافل نہ رہیں۔

البتہ والدین کا سایہ اس دنیا میں بھی، اتنی دین و دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا سرمایہ ہے کہ میرا تو شاید ہی کوئی دن دعا ان کے لیے طول عمر کی دعا سے خالی جاتا ہو اور اسلیے اندازہ کرتا ہوں کہ کتنے قیمتی سرمایہ سے آپ کو محروم ہونا پڑا ہے ان شاء اللہ اس پر صبر رضا کا اجر بھی اتنا ہی قیمتی ہوگا۔"

فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی چند سطریں گلابی بیت سے:

"... اگر صدق کے آخری نمبر سے آپ کے سر سے آخری سایہ کے ڈھل جانے کی جانکاہ حادثہ کی خبر نہ ملتی تو شاید رسم تعزیت بھی یہ عریضہ نہ لکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جانے والی کو وہ مقام عالی نصیب فرمائے جسکی تیاری میں تقریباً ایک صدی تک زندگی گزاری۔ خوش نصیب اور بڑی عاقبت اندیش تھیں جب مسلمانوں کا گھر گھر بھرا ہوا تھا، وہ کیسے مبارک دن تھے۔ ایک قصباتی خاتون کے جن حالات کو آپ نے ہم لوگوں تک پہونچایا ہے کیا چودھویں صدی میں بھی اسلامی گھرانے ان باتوں سے خالی نہ تھے؟ غفر اللہ لہا و لعقبہا و للذین اتبعوا باحسان"

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی کی ایک سطر تسلین کا خزانہ ہے :-

" والدہ ماجدہ کی سی موت ہوئی۔ تعزیت کے ساتھ ایسی موت پر شکر کی بھی رائے دیتا ہوں۔"

اللہ ان سب دعا دینے اور تعزیت کرنے والے حضرات کو جزائے خیر دے۔

۱۴ - واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا، واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن -	اور جب وہ ملتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں (تو) کہتے ہیں ہم (تو) ایمان لے آئے ہیں، اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس (تو) کہتے ہیں ہم تو تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو تمسخر کر رہے تھے۔

منافقین کی ذہنیت یہ تھی، کہ عام اور غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے، لیکن مسلمانوں میں جو صاحبِ اثر و اقتدار ہوتے، اُنکے آگے خود جھک جاتے، اور اُن سے بہ تملق پیش آتے۔

۸۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں)

آمنا فی السر وصدقنا ای یا منا کما آمنتم فی السر وصدقتم یہ (ابن عباسؓ)

آمنا کا یمانکم (معالم)

۸۹ خلیٰ کا صلہ الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہا ہونے کے تنہائی میں ملنے کے۔

خلا الیہ ای انتھیٰ الیہ فی خلوۃ (راغب) خلا الیہ اجتمع معہ فی خلوۃ (لسان)

۹۰ یعنی اپنے شریر رفیقوں، سرداروں کے پاس۔ شیطان کا لفظ عربی میں بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے ہر سرکش، ور کفر کرانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔

الشیطان کل عات متمرد من الانس والجن ومن دابۃ (تاج) الشیطان اسم لکل عارم من الجن والانس والحیوانات (راغب) شیاطین الجن مردتھم وکذلک شیاطین الانس مردتھم (ابن قتیبہ)

مراد یہاں رؤسائے یہود و منافقین ہیں، جو اپنے طغیان و سرکشی کے لحاظ سے مجسم شیطان بنے ہوئے تھے۔ رؤسائھم (ابن عباسؓ) رؤسھم فی الکفر (ابن جریر۔ ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ) سادتھم ورؤسائھم وکبرائھم (ابن کثیر عن السدی) رؤسائھم وقادتھم فی الشر (ابن جریر۔ عن قتادہ)

۹۱ (اپنے اصلی عقائد و خیالات میں)۔ یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہرداری کے طور پر اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً ہم تو تمھارے ہی ہم عقیدہ و ہم مذہب ہیں۔

علیٰ دینکم فی السر (ابن عباسؓ) انا معکم علی ما انتم علیہ من التکذیب بمحمد (ابن جریر)

۹۲ مطلب یہ ہے کہ عوام منافقین جب اپنے سرداروں سے تنہائی میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم دل و جان سے تو تمھارے ہی ساتھ ہیں، باقی مسلمانوں کو بنانے کے لیے، اُنکے سامنے اپنے کو مسلمان ظاہر کر دیتے ہیں

استھزاء کے معنی تمسخر کرنے، ہنسی اُڑانے کے ہیں۔

۹۳ یعنی اُنکے تمسخر کو انھیں پر پلٹے دیتا ہے۔

مجازات کے موقع پر لغت عرب میں یہ محاورہ عام ہے۔ سزائے استہزاء کو بھی استہزاء کہہ دیا جاتا ہے۔ ای یجازیھم جزاء الھزو (راغب) ای یجازیھم جزاء الاستھزاء ومثلہ قولہ نسوا اللہ فانسیھم ای جازاھم جزاء النسیان (ابن قتیبہ) سمی والجزاء باسمہ لانہ بمقابلتہ (معالم) سمی جزاء الاستھزاء

۱۵ - اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون -	اللہ اُنھیں بنا رہا ہے، اور اُنھیں ڈھیل دے رہا ہے (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔

باسمہ اذ سمی جزاء السیئۃ سیئۃ (بیضاوی)

ہنسی اور تمسخر کا انتساب حق تعالیٰ کی جانب توریت میں بھی موجود ہے۔

"تو اے خداوند ان پر ہنسیگا، تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادیگا"

(زبور - ۵۹ : ۸)

"از بسکہ میں نے بلایا، پر تم نے نہ مانا - میں نے اپنا ہاتھ لمبا کیا، پر کوئی متوجہ نہ ہوا ۔۔۔ تو میں بھی تمھاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے مارونگا"

(امثال ۱ : ۲۶)

۹۴ (اپنے قانون تکوینی کے مطابق)

۹۵ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے استہزاء کی۔

عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ نہ سوجھائی دے، اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا رہے۔

ھو التردد فی الضلال والتحیر فی منازعۃ (تاج) ھو تردد ولا یدری این یتوجہ (تاج)

وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اپنی محدود و ناقص عقل کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے، طرح طرح کے "نظریے" قائم کرتا ہے۔ ہر طرف خیال و قیاس دوڑاتا ہے، کھلا ہوا راستہ کوئی سوجھائی نہیں دیتا۔ شک، ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا چلا جاتا ہے۔

نمبر ۵ | دوشنبہ - ۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۶ جون سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

زمانہ آج سے ۱۲ صدی ادھر کا ہے۔ سنہ ۷۱۱ء کا۔ ملک اسپین۔ ۹۔ جولائی کو ایک دریا کے کنارے دو فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتی ہیں۔ ایک طرف شاہ اسپین راڈرک ہے، دوسری طرف مسلمان حملہ آور طارق کی سپہ سالاری میں:-

"راڈرک بڑی شان سے میدان میں آیا۔ آگے آگے تخت رواں پر سوار تھا۔ سر پر چتر شاہی سایہ افگن اور جلو میں مسلح گارڈ اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا ... دونوں کی حالت اور قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ ایک لاکھ فوج تھی۔ اسپین بھر کے نامور بہادر اور جاگیردار تھے۔ اپنا ملک تھا۔ سامان رسد کی فراوانی تھی۔ ہر طرح کے ذرائع مہیا تھے۔ بادشاہ وقت خود کمان کر رہا تھا۔ دوسری طرف اپنے ملک سے دور، ۱۲ ہزار پردیسی تھے، جن کے لیے اندلس بالکل اجنبی مقام تھا۔ نہ ان کے پاس ترقی یافتہ اسلحہ تھے نہ سامان رسد کے ذرائع۔" (تاریخ اسلام از مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی، حصہ ۲ ص ۱۱۰ مطبوعہ ۱۹۴۱ء)

فتح ان مادی اسباب کی بنا پر یقیناً مسیحیوں ہی کو ہونا چاہیے تھی لیکن مادی عالم میں معنوی عوامل بھی معطل اور بے اثر نہیں رہتے۔ چنانچہ

"معنوی اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق تھا۔ ۱۲ ہزار مسلمان ایک مقصد کے لیے متحد تھے، اور ان کا ہر فرد جام شہادت کے لیے بیتاب تھا۔ اس کے برعکس اسپینیوں میں باہم اختلاف تھا گو راڈرک کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی، لیکن وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، اس لیے اسپین کے اکثر شرفاء، علماء اور خاندان شاہی کے افراد اس کے خلاف تھے ... چنانچہ انھوں نے راڈرک سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور عین میدان جنگ میں انھوں نے دغا دہی کی۔ راڈرک کی ساری قوت کا مدار امراء اور جاگیرداروں پر تھا، اس لیے ان کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اور ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک تاریخ اس کا انجام بتانے سے قاصر ہے۔" (ایضاً)

گویا فتح کی نہ کمی گنتی تعداد ہی کام آئی، نہ ہتھیاروں کی زیادتی، نہ قوت، نہ سامان کی فراوانی، نہ تخت و تاج کی جگمگاہٹ۔ کام جو آئی، قلیل التعداد اور پردیسی مسلمانوں کی صرف

(۱) دینیت (یعنی صحیح اور سچا اسلامی جوش۔ ذوق شہادت، پختگی ایمان)

(۲) وحدت مقصد (یعنی تفرقہ و اختلافات، خودغرضی و خودرائی سے اجتناب۔ اطاعت امیر)

یہ نتائج آٹھویں صدی عیسوی میں اسپین کی سرزمین پر نکلے۔ کیا بیسویں صدی میں، اور ہندوستان کے ملک میں انھیں اسباب کے نتائج یہ نہیں پیدا ہو کر رہیں گے؟

اردو مصر میں مسلم یونیورسٹی گزٹ، ایسٹرن ٹائمز (لاہور) کے حوالہ سے لکھتا ہے:-

موقر معاصر ایسٹرن ٹائمز ناقل ہے کہ پروفیسر محمد حسن عزمی صاحب جو جمعیت اخوۃ الاسلام قاہرہ کے سکرٹری ہیں اور جامعہ مصریہ میں شعبۂ اردو کے انچارج ہیں، آج کل ہندوستان تشریف

لائے ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں۔ انھوں نے نمایندۂ اخبار سے بیان کیا کہ جامعۂ مصریہ میں اردو کا ایک الگ شعبہ قائم ہو گیا ہے اور اعلیٰحضرت شاہ فواد نے اپنے فرمان خاص سے اردو کو زندہ زبانوں کا رتبہ عطا فرمایا ہے۔ جامعۂ مصریہ کے شعبۂ اردو کے انچارج خود پروفیسر عزمی صاحب ہیں۔

اردو کے علاوہ ہندوستان بھر میں کوئی دوسری زبان ہے جو ملک کے حدود کے باہر سمجھی جاتی ہو، بولی جاتی ہو، قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہو؟

اقبال اور مصر

جمعیۃ اخوۃ الاسلام (قاہرہ) کے سکریٹری اور جامعہ مصریہ کے استاذ اردو شیخ محمد حسین عزمی نے یہ بھی فرمایا کہ مصری علامہ اقبال مرحوم کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اور ان کے ترانۂ ملی کا عربی میں ترجمہ ہو گیا ہے جو جماعت اخوۃ الاسلام کے ہر جلسہ میں سنایا جاتا ہے۔ اس انجمن کی طرف سے علامہ موصوف کی سوانح عمری بھی تیار ہو رہی ہے جو اردو، فارسی، عربی اور ترکی زبانوں میں شائع کی جائیگی۔

اقبال نے اپنے کو دنیائے اسلام میں زندہ کر رکھا تھا۔ دنیائے اسلام کب تک ان سے بے خبر رہتی۔ اس سے قطع نظر اصل مسرت اسکی ہے کہ اقبال کے کلام کے اثر سے ان شاء اللہ مصر کی مذہب اسلامیت محکم ہو جائیگی۔ افرنگیت اور وطنیت کے زہر کا بہترین تریاق اقبال کا کلام ہے۔

نیا اصول تنقید!

"علیگڈھ سے ایک نیا اخبار جاری ہوا ہے جسکا نام "تحریک" ہے.... "تحریک" کے مالک و پبلشر ایک وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹر ہیں، ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس طبقہ میں بھی صحافت کے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں" (پیام ۲ جون ۴۱ء)

"بظاہر وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹری سے ہمارے پیشہ کا کوئی تعلق تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے، لیکن معاملہ چونکہ علیگڈھ کا ہے.... (پیام ۳ جون ۴۱ء)

"گذشتہ پچاس سال کی صحافت میں یہ شاید پہلا اردو اخبار ہے جو کسی سرکاری وظیفہ یاب کے نام سے ہماری حیات صحافت کے افق پر نمودار ہوا ہے" (پیام ۳ جون ۴۱ء)

گویا ایک ہفتہ کے اندر تین تین "سرا ہوں" اور نکتہ چینیوں اور سلسلۂ تنقید کا اصل اصول یہ ٹھہرا کہ نقد کے لیے ہدف بنانا چاہیے کلام کو نہیں متکلم کی ذات کو، تحریر کو نہیں، محرر کی شخصیت کو! اور پھر علیگڈھ کی تاریخ سے استناد، واقعات سے کتنا مطابق! ——— واقعیت بہت حسب معیار تجدد!

گویا تہذیب الاخلاق کے مضمون نگاروں اور تحریک علیگڈھ کے چلانے والوں میں (دو ایک کو مستثنیٰ کرکے) بجز سرکاری پنشن یافتوں کے کوئی اور بھی تھا؟ گویا علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے آنریری ایڈیٹر اکثر و بیشتر سرکاری پنشن یافتہ ہی نہیں رہے ہیں! اور گویا آج بھی صاحب پیام کے دست راست علیگڈھ ہی کی صحافت میں ایک پنشنر کپتان پولیس کے سوا کوئی اور بزرگ ہیں! ——— اچھا ہے کہ پیام اپنے دفتر میں ہر ایڈیٹر کے سابق پیشوں اور مشغلوں سے متعلق ایک "ہسٹری شیٹ" کھول رکھے!

عورت اور مردنما عورت

"مرد کی "آزاد" عورت سے بھی تو سخت اور معقول شکایت ہے۔ وہ ایک طرف تو ان جدید حالات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالینا چاہتی ہے، اپنی نئی مساوات کا ہر طرح اعلان کرتی رہتی ہے۔ لیکن دوسری طرف وہ ان مراعات سے بھی ہرگز اور کسی درجہ میں بھی دست بردار نہیں ہونا چاہتی، جو مرد نے آج سے صدیوں پیشتر اسے صنف ضعیف سمجھ کر عطا کر رکھی تھیں گویا مرد سے عین معرکہ آرائی کے وقت عین جنگ میں وہ مردانہ شیوہ تمامتر زنانہ ہی مقابلہ کرنا چاہتی ہے!" (پروفیسر مورسن و ڈاکٹر فورا بحد کی کتاب (Love, Marriage and Jealousy میں۔ صفحہ ۲۹۰)

کہہ دیجیے کہ اس طرح کی ساری عبارتیں صدق اپنے ناظرین کو خوش کرنے کے لیے گڑھ لیا کرتا ہے!

طلاق بطور فیشن

"آج جہاں ایک طرف ناکام شادیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ہر شادی میں ناموافقت کے موقع زیادہ ہوتے جاتے ہیں، وہیں انقطاع تعلق کی نو پیدا آسانیوں کے اثرات بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ طلاق میں اب عورت کے لیے کوئی عیب ہی نہیں رہا ہے۔ اب طلاق عورت کے لیے نہ باعث ذلت رہی ہے نہ باعث شرم۔ بلکہ کثرت وقوع اور عموم کی بنا پر اب تو وہ داخل فیشن ہو چکی اور موجب عزت بن چکی ہے۔" (کتاب مذکور۔ مقالہ مذکور، صفحہ ۲۹۲)

کہیے، اب بھی اسلامی طلاق پر طعن کا حوصلہ باقی ہے؟ ——— اور اسلامی طلاق کو بھی چھوڑیے، "جاہلیت" میں بھی طلاق کی گرم بازاری کیا اس سے کچھ زیادہ تھی؟

زندگی بخش تمدن!

"۱۴۶۹ ق م سے لیکر ۱۹۳۰ء تک مدت ۳۳۹۹ سال کی ہوتی ہے۔ اس ساری مدت میں کل ۲۸۶ سال امن و امان سے گزرے، باقی ۳۱۱۳ سال برابر جنگ جاری رہی!

۱۵۰۰ ق م اور ۱۸۶۰ء کے درمیان معاہدے ۸۰۰۰ کی تعداد میں ہوئے، مقصد ہر معاہدہ کا "مستقل" قیام امن ہی کہا جاتا رہا، لیکن اوسطاً کسی معاہدہ کی بھی زندگی دو سال سے زائد نہ ہو پائی!

۱۶۱۸ء سے جبکہ "سی سالہ" جنگ شروع ہوئی ۱۹۳۸ء تک بڑی لڑائیاں ۱۷۰۰ کی تعداد میں لڑی جا چکی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ فریق جنگ فرانس رہا ہے۔ اس کے بعد آسٹریا ہنگری، اور پھر برطانیہ

سلب کرلیتا کان انکے اور بصارتیں انکی۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۱۔ یٰایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

اے انسانو! عبادت (اختیار) کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے قبل تھے۔ عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

۲۲۔ الذی جعل لکم الارض فراشًا والسماء بناء

(وہ رب) وہی (ہے) جس نے بنایا تمہارے واسطے زمین کو ایک فرش اور آسمان کو ایک چھت۔

اسلام کا خدا قادر مطلق ہے۔ مصر، ہندوستان، یونان وغیرہ کے دیوتاؤں اور ارسطو کے خدا کی طرح اسکی قدرت ناقص و محدود نہیں۔

۱۲۵؎ قرآن مجید کا مخاطب عالم انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل مثلاً بنی اسرائیل یا بنی آمیس اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ اور یہ طرز خطاب بجائے خود اسکی عالمگیری کی دلیل ہے۔

خطاب لجمیع من یعقل (مدارک) ... الصحابۃ ... دواثًا ذانکرًا

ابھی اوپر پچھلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم از روئے عقائد بیان ہو چکی ہے یعنی مومن، کافر، و منافق۔ اب خطاب سارے عالم انسانی کو مجموعی طور پر شروع ہو رہا ہے۔

۱۲۶؎ قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس پیام کا عنوان اول مسئلہ توحید ہے، کہ وہی اصل و اساس ہے سارے عقائد و مسائل اسلامی کی۔

۱۲۷؎ (تن تنہا، بلاکسی کی شرکت و اعانت کے۔ اور عدم محض سے، بغیر کسی سابق مادہ کے) عمل تخلیق خالص خدائی عمل ہے۔ ہمسرانہ و مساویانہ الگ رہا، بہ حیثیت ماتحت و معاون بھی کوئی اللہ کا شریک نہیں۔ اور یہ بات ہے کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود ہو اور اللہ نے محض ترتیب دیدی ہو۔

اعبدوا ربکم ای وحّدوا ربکم (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) افردوا الطاعۃ والعبادۃ لربکم دون سائر خلقہ (ابن جریر)

۱۲۸؎ (پس الوہیت و معبودیت سزاوار ہے اسی خالق بے ہمتا کو)۔

الذین من قبلکم سے پچھلی انسانی نسلیں مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقت انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے قرآنی لفظ ان سب مخلوقات پر حاوی ہے۔

"تم کو" اور "تم سے قبل والوں کو" یہ دو لفظ لاکر قرآن نے ایک اشارہ یہ بھی کر دیا، کہ توحید کا درس، ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۹؎ لعل ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کے لیے، لیکن جب خدا تعالیٰ کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس میں آرزو کی جگہ وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ترجمہ اردو میں "تاکہ" سے بھی جائز ہے۔

ہی کلمۃ رجاء وطمع وشک وقد جاءت فی القرآن بمعنی کے (لسان) وجاءت فی القرآن بمعنی کے (تاج) وذکر بعض المفسرین ان لعل من اللہ واجب وفسر من انواع بلی (راغب)

۱۳۰؎ کہ توحید ہی مرتبہ تقویٰ تک پہونچانے کا بے خطا نسخہ ہے۔

وتکونوا من المتقین الذی رضی اللہ عنھم ربھم (ابن جریر)

دوسرے معنی یہ بھی منقول ہیں تاکہ تم بچ جاؤ (مہلکات آخرت سے)۔

لکی تتقوا السخطۃ والعذاب (ابن جریر عن ابن عباسؓ) لکی تنجوا من العذاب (معالم)

۱۳۱؎ تعلیم اس آیت کی یہ ہے کہ زمین انسان کے لیے خلق ہوئی ہے۔ انسان زمین کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے، زمین اسکے لیے خادم ہے۔ اس میں رد آگیا ان مشرک قوموں کا جو زمین کو معبود یا دیوی دیوتا کا درجہ دیتی رہی ہیں، اور آج بھی دھرتی مائی وغیرہ مختلف ناموں سے اس کی پوجا کر رہی ہیں۔ زمین کو دیوتا یا دیوی سمجھنا تاریخ شرک کا ایک باب ہے، اور شرک کا نہ ذہبوں کا ایک اہم جزو شرک۔ بابل، ہندوستان، روم، سب کہیں کی قدیم متمدن "مہذب" قوموں نے زمین کی خدائی کا کلمہ پڑھا ہے۔ قرآن مجید نے پڑھے لکھے جاہلوں کی ہزارہا سالہ غلطی کی اصلاح کی اور بتایا کہ معبود ہونا، نیم معبود ہونا الگ رہا، زمین تو غیر مخلوق بھی نہیں، مخلوق ہے۔ اور مخلوق ہی نہیں، انسان کے لیے مخلوق ہے۔

۱۳۲؎ زمین کی شکل و ہیئت بیان مطلق زیر بیان نہیں۔ بیان صرف اس امر کا ہو رہا ہے کہ زمین کا تعلق انسان سے کیا ہے۔ فراش کے معنی ہیں مُفرش۔ یعنی وہ چیز جو بچھائی جائے، یا بچھی ہوئی چیز۔ فرش۔ یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز جس پر قدم رکھ سکیں، چل سکیں، بیٹھ سکیں، لیٹ سکیں، نہ ایسی کھردری یا پلپلی چیز جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ اب زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گردوں ثابت ہو یا چپٹی، بہرصورت اس کا قارت اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے، اور قرآن مجید نے اس کا یہی وصف بیان کر دیا۔

۱۳۳؎ جس طرح ارض (زمین) ہر اس چیز کو کہینگے جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو، اسی طرح سماء (آسمان) ہر اُس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو۔ السماء کل اعلاک (تاج)۔ جس طرح ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے، سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو محسوس و مرئی چیز اسقدر بلند ہو کہ انسان کے بنائے ہوئے بڑے سے بڑے بلند میناروں کی بلندیاں، اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں کی اور ہوائی جہازوں کی بلند سے بلند پروازیں سب اُسکے اندر سما جائیں، اور سب اُس سے پست ہی رہیں، سماء کا اطلاق اُس پر نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟

۱۳۴؎ (یا عمارت)۔ یعنی جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے۔ سماء (آسمان) وہ چیز ہے جو ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ البناء ... المبنی بناءً کان او قبۃ او خباء او طراف (تاج)

آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم ہے یا محض ایک خلا نہتہائے نظر اس قسم کے مسائل کا تعلق تمامتر دنیوی، تجربی علوم سے ہے۔ قرآن مجید کو جس طرح زمینی جغرافیہ کی تحقیق سے کوئی سروکار نہیں، اُسی طرح ہیئت و فلکیات کے مسائل سے بھی اسکا کوئی واسطہ نہیں۔ اُسے تو صرف تعلق زمین و آسمان کا انسان سے دکھانا ہے۔ اور اس غرض کے بے موزوں ترین الفاظ بھی ہو سکتے تھے۔

بقیہ صفحہ ۸

سے پُرزور درخواست کرتا ہوں کہ وہ فوری طریقہ پر اس طرف غیر معمولی توجہ فرمائیں۔

زرِ چندہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے پاس بھیجدیں یا دہلی میں نئی سڑک کوٹھی حاجی علی جان مرحوم پر بنام حافظ محمد زبیر صاحب ارسال فرمائیں۔ ان دونوں جگہوں سے معتبر طریقہ پر چندہ مدینہ منورہ میں پہونچیگا۔ اور اجر عظیم (ایک کا ہزار یا پچاس ہزار) حاصل ہوگا اور صدقہ جاریہ علیحدہ کا شرف اس سے علیحدہ ہوگا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

صدق۔ یہ مدینہ منورہ کا وہی مشہور مدرسہ ہے، جس کا ذکر سچ کی جلدوں میں اور مدیر صدق کے سفرنامہ حجاز میں بار بار آچکا ہے اور جو ہر طرح امداد و اعانت کا مستحق ہے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

حسب ذیل اصحاب کی میعاد خریداری جون ۱۹۴۱ء میں تمام ہو رہی ہے براہ کرم چندہ ماہ جون کے اندر بھیجدیں۔ دفتر شکر گزار ہوگا۔ ورنہ یکم جولائی کو وی پی ارسال خدمت ہوگا۔ اس صورت میں آپ کا ۴ر کا نقصان ہے:

خریداری ۸۶ و ۱۰۶ و ۲۷۹ و ۳۳
و ۵۲۰ و ۵۰۹ و ۶۲۰ و ۶۲۸
و ۶۳۲ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱
و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۵۲ و ۹۸۰

مہتمم

"نگار" اور حکومتِ صوبہ

(۱) مدینہ (بجنور)

معاصر عزیز صدق لکھنؤ نے اپنے ایک مراسلہ نگار کی یہ اطلاع شایع کی ہے کہ نیاز فتح پوری نے یو۔پی کے محکمۂ نشر و اشاعت کے مسلم اسسٹنٹ سکرٹری کے ذریعہ حکومت کو ۴۰۰ پرچوں کا خریدار بنا لیا ہے، اور یہ خریداری مسلم مطبوعات کے ذیل میں ہوئی ہے۔ یوں تو نیاز صاحب ایک عرصہ سے محکمۂ ریڈیو کے خوانِ نعمت پر ریزہ چینی کرتے نظر آرہے ہیں۔ مسلمانوں کے لعن و طعن نے انکے ہزلیات کی اشاعت اور انکے مقصد کی کامیابی کی طرف سے مایوس کرکے انھیں حکومت کے آغوش شفقت میں بٹھا دیا ہے اور وہ ریڈیو پر ماہرانہ انداز میں جنگ اور بین الاقوامی سیاسیات پر تبصرہ فرماتے ہیں (ہم اس سلسلہ میں بھی انکی مقبولیت کا تذکرہ کرکے حکومت کی نظر انتخاب کی غلطی واضح کرچکے ہیں) لیکن نگار کے ۴۰۰ پرچوں کی خریداری اور انکو مسلم مطبوعات میں شامل کرنے پر ہم حکومت سے احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حکومت نگار اور صاحب نگار کے متعلق مسلمانوں کے جذبات اور اسلام کے فیصلہ سے ناواقف نہیں ہے، پھر دریافت طلب یہ امر ہے کہ اُس نے اس کو مسلم پرچہ کیوں قرار دیا۔ وہ کون سی ضرورت تھی جو اسکی خریداری سے پوری ہوئی اور وہ کون سے مسلم حلقے ہیں جن میں اسکو تقسیم کیا جاتا ہے۔ حکومت کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ جس شخص کو چاہے اپنی سرپرستی میں لے اور جس اخبار و رسالے کو پسند کرے اُسے خریدے، لیکن ایک ملحد اور زندیق کے ملحدانہ خیالات کی نشر و اشاعت کرنے والے پرچہ کو مسلم پرچہ قرار دے کر خریدنا سخت قابل اعتراض ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت ہماری معروضات پر توجہ دیگی اور مسلم اسسٹنٹ سکرٹری صاحب اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں گے۔

(۲) زمیندار (لاہور)

معاصر عزیز "صدق" لکھتا ہے کہ یو۔پی گورنمنٹ نے رسالہ "نگار" لکھنؤ کے چار سو پرچے خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں "نگار" کو اسلامی مطبوعات میں شمار کیا گیا ہے۔ ہم یو۔پی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ایک اردو رسالہ پر مراحم خسروانہ کی بارش کی۔ لیکن "نگار" کو اسلامی مطبوعات میں شامل کرنا غلط فہمی اور غلط اندیشی کا بدترین ثبوت ہے۔ کیونکہ اس رسالہ میں الحاد و دہریت کی حمایت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ باتیں اسلام سے اتنی ہی دور ہیں جتنا چمگادڑوں کو سورج سے ہونا چاہیے۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس "اسلامی مطبوعہ" کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ حرکت اور بھی قابل اعتراض ہے۔ گویا یو۔پی کی حکومت نادانستہ طور پر مسلمانوں میں دہریت و الحاد کی آگ پھیلا رہی ہے۔ اس سے دین "نگار" پر نوازش نہیں کرتی بلکہ زندقہ کو تقویت پہونچاتی ہے۔ اگر حکومت نیاز صاحب کی ریڈیائی تقریروں کا نوازش افزا جواب دینا چاہتی ہے تو اسکے سب سے ناقابل اعتراض طریقے بھی مہیا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے یو۔پی گورنمنٹ کو اپنے فیصلہ پر غور کرنا چاہیے۔"

امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے

اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقا

(از مولانا مسعود عالم ندوی)

(۶)

اکبری دور کی یہی فتنہ سامانی تھی، جس نے مسلمانوں کی اندرونی زندگی کھوکھلی کر دی۔ زندگی کا سارا نظام ہندوانہ سانچے میں ڈھلنے لگا۔ معروف اور منکر کا امتیاز جاتا رہا۔ اور خدانخواستہ اگر یہ ارتقا یا ترقی معکوس یا برقرار رہتی تو آج ہم آپ اس حال میں نہ ہوتے، ایک ہندوستان ہوتا، جہاں مسلمان نام رکھنے والے بھی خالق اور اہل جلیدہ کے پہلے ارجن اور رام چندر جی کے کارنامے پر فخر کرتے۔ والعیاذ باللہ — اب تک ہندوستان کی تاریخیں تمامتر دنیاوی یا غیر اسلامی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں اور اکبر کو "رواداری" یا اکبر اعظم کا لقب دیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان لکھنے والے اسلامی ہند کی تاریخ میں اکبری راج سے زیادہ [illegible] نہیں۔ اسلیے اگر ہم اسے [illegible] تعبیر کرتے ہیں تو کوئی زیادتی نہیں کرتے۔

حضرت مجدد سرہندی (۹۷۱ - ۱۰۳۴ھ)

اب ہم اسلامی ہند کے دینی ارتقا کی تاریخ کے اس نقطہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صحیح اسلامی رہنمائی شروع ہوتی ہے۔ زمین تپتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ آخر شب کی اندھیاری ہی کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔ جب معصیت حد سے گزر جاتی ہے تو رحمت باری جوش میں آتی ہے۔ اسی طرح جب زندقہ و الحاد نے حکومت کی آغوش میں بال و پر نکالنا شروع کیے اور ان ہی مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا، اور ملک کے طول و عرض میں ہر طرف "ظلمات بعضها فوق بعض" کا منظر نظر آنے لگا اور ایک نئے احمد بن حنبل کی ضرورت محسوس ہوئی تو قدرت نے ایک درویش کو خلعتِ تجدید عطا فرمایا، جس نے عبارت درس کی تیرھویں میں پہلی مرتبہ بھولے بھٹکوں کی صحیح رہنمائی کی، کفر و شرک کی اندھیاری کا فور کی اور بدعات کی شب تار میں سنت و ہدایت کی شمع روشن کی۔ محمد ابن عبداللہ (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین کو بت پرستی کی آلودگیوں سے پاک کیا، ہندوانہ تصوف کی جگہ خالص توحید کا بول بالا کیا اور شریعت کے دامن سے رفض کا داغ دھونے کی کوشش کی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افضل الجہاد کی سنت زندہ کی اور "کلمۂ حق" کہکر سیکڑوں ہزاروں بلکہ پوری قوم کی متاع ایمان کی رکھوالی کی —— یہ کون تھا؟ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ رحمۃ الابرار الصالحین مع عبادہ و نور ضریحہٗ۔ حق یہ ہے کہ وہ "مجدد" کہے جانے کے حقدار ہیں۔ حسین ابن علی، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے جو کام اپنے اپنے زمانہ میں انجام دیے تھے، وہی خدمت اس پوریہ نشیں کے حصہ میں بھی آئی، جسنے اسے انجام دیا، اور پورے کر و فر کے ساتھ، شانِ استغنا کے ساتھ، اُسی شان محبوبیت کے ساتھ جو ازل سے خاصہ اہل ہندوستان سے مقدر ہے۔ حضرت مجدد کی دعوت جو اکبر (۱۰۱۴ - ۱۰۳۷) کے دور میں سرسبز ہوئی جبکہ وہ منکرات کے مٹانے اور بدعات کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ بتعداد خلقت آپ کے ہاتھوں ہدایت پذیر ہوئی، نزدیک اور دور سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ آپ تو آپ اُن کے خلفاء کا یہ عالم تھا کہ فوج میں تبلیغ کرتے اور افسر و اشخاص بلا تفریق انکے ذریعہ سے ہدایت پاتے۔ اول اول تو حکومت وقت نے ان پر سختی کی، لیکن جب رفتہ رفتہ ان کی زبان صاف معاف [illegible] تو ارکین حکومت میں کھلبلی مچ گئی، اور بادشاہ کو طرح طرح سے انکے خلاف اکسایا گیا .... آخر دربار سے طلبی ہوئی .... آپ تشریف لائے۔ شانِ استغنا کے ساتھ اندر داخل ہوئے، سلام مسنون پر اکتفا کی اور زمانہ کے رواج کے مطابق زمین بوس نہ ہوئے، تو اہالیانِ مملکت بھڑک گئے .... مجاہد وہاں بھی کلمۂ حق سے باز نہ رہا۔ تقریر کی جس میں بدعات و منکرات کی مذمت کی کتاب و سنت .... نتیجہ ظاہر تھا: گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ سنتِ یوسفی وہاں زندہ ہو گئی، تذکیر و ہدایت شروع ہوئی اور تھوڑی ہی مدت میں قیدخانہ کی کایا پلٹ گئی، اور حیوان نما انسان، انسانوں میں تبدیل ہو گئے۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ "اس قیدی نے تو حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بنا ڈالا، یہ ولی صفت انسان تو قیدخانہ کے قابل نہیں۔" بادشاہ متاثر ہوا اور پایۂ تخت آنے کی دعوت دی۔ ولیعہد شہزادہ خرم نے استقبال کیا، خود بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور معذرت کی۔ موقع غنیمت تھا، مجاہد نے اپنا فرض ادا کیا، اور مندرجۂ ذیل امور کے نفاذ اور اُن پر عمل کا مطالبہ کیا: —

(۱) بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی کی موقوفی۔
(۲) گائے ذبح کرنے کی اجازت۔
(۳) بادشاہ اور ارکین دولت پر جماعت نماز کی پابندی
(۴) عہدۂ قضا اور شرعی احتساب کے محکمہ کی تجدید
(۵) تمام بدعات اور شرعی منکرات کا قلع قمع۔
(۶) غیر شرعی قوانین کی منسوخی
(۷) شکستہ اور منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر

شاہی حکم نافذ ہوا، اور نصف صدی کی گھٹا ٹوپ اندھیاری کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوئی اور عام مسلمان اس تبدیلی سے مسرور اور مطمئن ہو گئے۔

حضرت مجدد کی خدمات کہاں تک گنائی جائیں، دین اور دینی اصلاح کا ہر شعبہ انکے احسانات کا مرہون منت ہے۔ ایک طرف اگر "رد روافض" میں انکے کارنامے آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، تو دوسری طرف شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش بھی انھیں کے ہاتھوں دور ہوئی، انھوں نے اس "باطل" تصوف کی اصلاح کی، اتباع سنت پر زور دیا اور لوگوں کو کتاب و سنت کے چشمۂ صافی کی طرف واپس لانے میں بڑی حد

ا؎ اس مضمون کا حق تو یہ تھا کہ اس میں حضرت مجدد کے مشن اور ان کی خدمت پر تفصیلی گفتگو کی جاتی۔ لیکن مجدد نمبر کی اس اشاعت کے بعد [illegible] بیکار معلوم ہوتی ہے۔ [illegible] ہمارا یہ باب بھی مختصر ہے گا۔

بڑی حد تک کامیاب ہوسے - عاجز کے نزدیک انکا ایک بڑا تجدیدی کارنامہ "بدعتِ حسنہ" کی پردہ دری ہے - دوسری تیسری صدی ہجری ہی سے علماے سوء اور نام نہاد صوفیہ نئی نت نئی بدعتوں کی پردہ پوشی "بدعتِ حسنہ" کے خوبصورت اور جاذب فقرہ سے کیا کرتے تھے ۔ کسی منکر پر حرف گیری کرو، جواب ملیگا "بدعتِ حسنہ" ہے کسی بدعت پر متنبہ کرو فوراً حسنہ کی سپر سامنے آ جائیگی ۔ الشدہ ۔ رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہو من احدث فی امرنا ہذا الیس منہ فہو ردود ۔ لیکن علماء سوء ہیں کہ دین کے اندر بدعات کا انبار لگاتے چلے جاتے ہیں اور پوچھو تو ایک جواب - "بدعت حسنہ"۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے اندر جو اضافہ کیا جائے وہ بدعت ہے اور اسکا نام ضلالت ہے ۔ حسنہ اور سیئہ کی کوئی تفریق نہیں ـــ میں "دین کے اندر" کہہ رہا ہوں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "فی امرنا ہذا" فرمایا ہے ۔ دنیاوی معاملات، اُٹھنے بیٹھنے کے آداب اور طریقوں کا سوال نہیں - بحث اُن جدتوں اور نو تراشیدہ رسموں سے ہے جو دین اور دینی اعمال کے اندر پیدا کر لی گئی ہیں، وہ کسی حال میں حسنہ نہیں ہو سکتیں ۔ مجدد صاحب کا احسان ہے کہ اُنھوں نے اس کفرزار میں پہلی مرتبہ بدعت کا راز فاش کیا ۔ اُنھوں نے صاف صاف فرمایا - النصیحۃ ہی الدین : متابعۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام واتیان السنۃ السنیۃ والاجتناب عن البدعۃ اللامرضیۃ وان کانت البدعۃ تری شبہ فلق الصبح لانہا فی الحقیقۃ لا نور فیہا ولا ضیاء ولا للعلیل منہا شفاء ولا للداء منہا دواء کیف والبدعۃ اما رافعۃ للسنۃ او ساکتۃ عنہا والساکتۃ ان تکون زائدۃ علی السنۃ فتکون ناسخۃ لہا فی الحقیقۃ ان الزیادۃ علی النص نسخ لہ فاذا ہی کیف کانت تکون رافعۃ للسنۃ نقیضۃ لہا فلا خیر فیہا ۔ فیا لیت شعری من این حکموا بحسن البدعۃ المحدثۃ فی الدین الکامل ... (مکتوب ۱۹ - حصہ ششم دفتر دوم) سچ کہا حضرت مجدد نے - معلوم نہیں ان لوگوں نے (دین کامل کے اندر) اختراع کردہ بدعتوں کی بہتری اور سچائی کا حکم کہاں سے لگا دیا؟

"بدعت حسنہ" کی پردہ دری میں مجدد صاحب کے اقوال اس درجہ صاف اور واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں - لیکن کتنے ہیں جو مجدد صاحب کی پیروی اور عقیدت کا دم بھرتے ہوئے بھی اس میں لت پت ہیں؟ اللہ ہم سب کو سچائیوں اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق دے - (باقی آئندہ)

لہ بدعت حسنہ کی مذمت میں تو اچھا خاصا دفتر بھرا پڑا ہے - الفرقان کے نمبر میں جا بجا اقتباسات آئے ہیں -

---

براہ کرم

خط وکتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور لکھدیا کریں -

"ادارہ"

نظام اسلامی

بسلسلۂ صدق ...

حصۂ دوم - اسلام کے عقائد سے اسکا فلسفۂ اخلاق کس طرح ایک منطقی نتیجہ کے طور پر نکلتا ہے بنیادی اخلاقی تصورات کا تجزیہ اور پھر اس نظام اخلاق کی تفصیلی صورت جو ان بنیادی تصورات سے پیدا ہوا ہے اسلام و انسانیت کو جس سانچے میں ڈھالتا ہے اسکا مقابلہ ان مختلف سانچوں سے جن میں دنیا کے دوسرے اخلاقی فلسفے انسان کو ڈھالتے ہیں (اس سلسلہ میں ہندو - بودھ - زرتشتی - مسیحی اخلاقیات پر بحث کی جائے) اور اسکے ساتھ ان اخلاقی نظامات پر بھی تبصرہ کیا جائے جو انقلاب فرانس اور انقلاب روس سے تعلق رکھتے ہیں -)

حصۂ سوم - عبادات پر مفصل بحث - اسلام کے تصورِ عبادت کی تشریح - اسلامی عقائد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق سے عبادت کا منطقی ربط - یہ عبادات کس طرح انسانی سیرت کی تشکیل کرتی ہیں - کس طرح اُس خاص طرز کے آدمی تیار کرتی ہیں جو اسلامی سوسائٹی کو درکار ہیں - اور کس طرح اُس خاص طرز کی سوسائٹی کو وجود میں لاتی ہیں جو اسلام بنانا چاہتا ہے -

حصۂ چہارم - اسلامی اجتماعیات کا مجمل گر جامع بیان - اسلام کا فلسفۂ اجتماع کس طرح اسکے عقائد اور فلسفۂ اخلاق سے ایک منطقی نتیجہ کے طور پر نکلتا ہے - انسان اور انسان کے باہمی تعلق کی اساس کیا ہے (انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی تفسیر) انسان کے بنیادی حقوق - انسان کے بنیادی فرائض - جماعت کی تشکیل کے اصول - فرد اور ہیئت اجتماعیہ کا تعلق - قومیت اور بین الاقوامیت کا توازن - تمام نوع انسانی صرف اسلام ہی کے نظام اجتماع میں امن اور سلامتی کے ساتھ مجتمع ہو سکتی ہے -

حصۂ پنجم - اسلامی نظام معاشرت پر اصولی بحث اور مقاصد کی تشریح - مرد و عورت کا تعلق - خاندان کی تشکیل - ہمسائگی کا تعلق - شہریت کے حقوق و فرائض - اجتماعی زندگی کے امن اور رفاہیت کی تدابیر

حصۂ ششم - اسلامی نظام معیشت پر اصولی بحث اور مقاصد کی تشریح - کسبِ دولت کے طریقوں پر پابندیاں اور حلال و حرام کی تمیز - صرفِ دولت کے طریقوں پر پابندیاں اور جائز و ناجائز کی تحدید - اکتناز دولت پر پابندیاں اور زکوٰۃ کی فرضیت - وراثت کا قانون جس کے ذریعہ سے ہر شخص کی موت پر اُس کے جمع کردہ مال کا تقسیم کر دیا جانا - زمین کا بندوبست - تجارت و صنعت میں سرمایہ و محنت کے درمیان عدل اور فصل خصومات کا انتظام - تجارتی معاملات کو پیچیدگی اور نزاع آفرینی اور تغابن کے پھیل سے روکنے کی تدابیر - معیشت کو لوگوں کے لیے تنگ کر دینے والے اسباب کا سدباب - ہر شخص کو کم سے کم انسانی ضروریات بہم پہونچنے کا انتظام ...

وتجارتی ترقی اور خطرات و حادثات سے تحفظ کے لیے فینانس، بینکنگ اور انشورنس کا انتظام کس طرح ہوگا۔ بین الاقوامی تجارت اور تبادلۂ زر کی کیا صورت ہوگی۔ اسلامی نظام معیشت کا مقابلہ سرمایہ داری سسٹم، سوشلزم، کمیونزم اور فاشزم سے۔

حصۂ ہفتم۔ اسلامی نظام حکومت۔ اسلام کا نظریۂ سیاسی اور خلافت کا اساسی تصور۔ بادشاہی، آمریت اور انسانی ساخت کے تمام دساتیر حکومت سے اسلامی نظام حکومت کا اصولی اختلاف۔ حکومت اسلامی کی ہیئت ترکیبی۔ خلیفہ کی حیثیت، اسکے تقرر کی مدت، اسکے اختیارات و فرائض اور اس کا طریق انتخاب۔ مجلس شوریٰ۔ شوریٰ کے اصول اور ارکان مجلس کے انتخاب کا طریقہ۔ مجلس قانون ساز کے بجائے ماہرین قانون شریعت کی ایک مجلس جو اصول شرع سے فروعی احکام کا استنباط کرے۔ نظم مملکت کی انتظامی خصوصیات۔ آن سرحدیں۔ عدالت پولیس۔ احتساب۔ مالگزاری۔ وضع محاصل۔ اسٹیٹ فینانس۔ امور نافعہ (پبلک ورکس) صنعت۔ تجارت۔ خبررسانی۔ تعلیمات۔ فوج۔ دفاع ملکی۔ اور حقوق اہل ذمہ پر تفصیلی بحث۔

حصۂ نہم۔ اسلامی قانون۔ اس حصہ میں پہلے اصول قانون پر روشنی ڈالی جائے۔ پھر فقہ کے چاروں اسکولوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان اسکولوں نے استنباط احکام کے لیے جو شاہراہیں بنا دی ہیں ان پر چل کر ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق احکام اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حدود اللہ کی تشریح بھی کردی جائے جس سے یہ بات ذہن نشیں ہو جائے کہ ان حدود نے زندگی کے ہر شعبہ میں کس طرح بے راہ روی کے امکانات کا سدباب کیا ہے۔

حصۂ دہم۔ بین الاقوامی تعلقات۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی مختلف شکلیں، جبکہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت ہوں۔ جبکہ وہ معاہد ہمسایہ ہوں، جبکہ وہ برسر جنگ ہوں۔ ان تینوں حالتوں کے متعلق احکام کی تفصیل۔ جنگ کے مقاصد اور قوانین۔ دار الحرب دار الکفر میں مسلمانوں کی حیثیت۔ دار الحرب میں مسلمانوں کی حیثیت۔ دار الاسلام میں دار الحرب یا دار الکفر سے آنے والوں کی حیثیت۔

حصۂ یازدہم۔ علم اور ادب اور ہنر (آرٹ) کے متعلق اسلام کا رویہ۔ اسلام کس طرح صحیح علمی تحقیقات کی نہ صرف ہمت افزائی کرتا ہے بلکہ تحقیق کے راستہ میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اسلام ادب اور آرٹ کے غلط رجحانات کو روک کر کس طرح ایسے راستوں پر نشو و نما دینا چاہتا ہے کہ وہ انسانی سعادت میں مددگار ہوں۔ اسی سلسلہ میں "فنون لطیفہ" پر تفصیلی بحث کی جائے۔ اسلام سائنٹفک ترقی سے حاصل شدہ قوتوں کا صحیح طریق استعمال بتاتا ہے اور غلط استعمال سے روکتا ہے۔ اسلام کی رہنمائی کس طرح انسان کو غلط تجربات کے نقصان اور ضیاع وقت و قوت سے بچاتی ہے۔ اور اگر اسکی رہنمائی سے استفادہ کیا جائے تو انسان کی رفتار ترقی کسقدر تیز ہو سکتی ہے۔

مراسلہ

مدرسہ شرعیہ (مدینہ منورہ)!

(از مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند)

اگرچہ مدینہ منورہ میں جنگ عظیم کے بعد جبکہ ترکی حکومت کا سایہ مدینہ منورہ زید شرفاً سے اٹھ گیا تھا اور اسکے اوقاف اور امدادوں سے عموماً مدارس اور اساتذہ و تدریس محروم ہونے کی وجہ یا جنگ کی ہلاکت آمیز کارگزاریوں سے فنا کے گھاٹ اتر گئے تھے) بہت سے مدارس تعلیمی یا صنعتی یا پبلک یا حکومت حجاز کی طرف سے قائم کیے گئے مگر وہ یا تو صرف ہاتھی کے دانت ثابت ہو کر اضمحلال کے درجہ کو تقریباً پہونچ گئے ہیں یا ارباب حکومت کی پالیسیوں اور مصری اور شامی یورپ زدوں کے زیر اثر آکر علوم دینیہ اور معارف قرآنیہ و حدیثیہ سے تقریباً خالی ہو گئے ہیں۔ ایسے تاریک عصر میں مدرسۂ شرعیہ ہی وہ ایک تنہا ادارہ ہے جو اپنی خوش انتظامی اور للہیت، علوم نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی سچی خدمت کی بنا پر روزافزوں ترقی کر رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی علاوہ باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے تمام ممالک حجاز میں اپنی نظیر صرف اپنے آپ ہی رکھتا ہے۔ مدرسۂ شرعیہ کی بے لوث اور مخلصانہ صحیح خدمات کو دیکھ کر عموماً اہل مدینہ منورہ (ہمسایگان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اپنے بچوں کو اسی مدرسہ میں داخل کرکے فیوض نبویہ سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

حال میں آنے والے خطوط سے (جو کہ اواخر محرم ۱۳۶۰ھ کے لکھے ہوئے ہیں) پتہ چلتا ہے کہ بالفعل مدرسہ موصوفہ میں تعلیم پانے والے لڑکوں کی مقدار (۷۸۰) سات سو اسی طلبہ سے زائد ہے۔ شہر مدینہ منورہ کے کسی مدرسہ میں اسکے چوتھائی طلبہ بھی غالباً نہیں ہیں۔

اس عظیم الشان دینی اور علمی عمارت کا سہرا اہل ہند اور صرف اہل ہند کے سر پر ہے جسکا ظہور بانی سید احمد صاحب مرحوم فیض آبادی کی مخلصانہ جد و جہد اور مسلمانان ہندوستان کی مالی امدادوں سے ہوا ہے۔ حکومت حجاز کا کوئی دخل مالی امداد میں نہیں ہے اور نہ انتظامی اور داخلی کارروائیوں میں اس کا کوئی رسوخ ہے۔ اہل ہند اس پر جس قدر بھی فخر کریں یقیناً وہ بیجا نہ ہوگا۔ جو لوگ بارہا اس مدرسہ کے معائنہ سے فیضیاب ہوئے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مدرسہ مذکورہ میں دینیات اور ادبیات عربیہ کے مکمل نظام تعلیمی کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ اور صناعتی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ موجودہ جنگ کی وجہ سے حجاج اور زوار کا جانا وہاں بہت ہی کم ہوا اس لیے مدرسہ موصوفہ کی آمدنی بھی بہت کم ہوئی جسکی وجہ سے مالی مشکلات نہایت زیادہ پیش آ رہی ہیں۔ طلبہ کی افزائش، تعلیم کی ضرورت، جیران آقائے نامدار علیہ السلام کی بیش از بیش جلیل القدر تعلیمی خدمات کی شدید ترین حاجت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس میدان میں نہایت فراخ حوصلگی سے قدم بڑھایا جانا چاہیے۔ مگر سرمایہ کی قلت قدم قدم پر رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

وہاں سے آئے ہوئے خطوط بار بار اس طرف ہندوستانی مسلمانوں کو دلانے کے درپے ہو رہے ہیں۔ بنا بریں ارباب خیر اور طالبین اجر عظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسے سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی
مضامین کے بارے میں مراسلت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ و انتظامی امور
کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم اخبار صدق
مرشد آباد، [illegible] گولہ گنج۔ لکھنؤ

سالانہ: للعہ
ششماہی: [illegible]
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر

ہفتہ وار
صدق
لکھنؤ

نمبر ۸ | دوشنبہ ۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۳ جون سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

مقدس محرف

"یا ایہا المدثر ..... مدثر سے مراد انسانیت ہے ظلم و کفر [illegible] الاہیدا۔
قُم۔ یعنی اے وہ کہ تو دیتا ہے، انسانیت سے کفر و طغیان اور ظلم و جور دُور کرنے کا مشن سے کر اٹھا ہے۔ بیٹھ کر تجویزیں سوچنے اور روز ریزولیوشن پاس کرنے سے کام نہیں ملیگا بلکہ اُٹھ کر کمر ہمت باندھ ....
وثیابک فطہر۔ اس انقلاب کے لیے کسی خاص نشان یا وردی کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ بین الاقوامی انقلاب ہے۔ اس میں ہر قوم اور نسل کے افراد جو انسانیت کی خدمت کے لیے آمادہ و تیار ہوں شامل ہوسکتے ہیں۔ البتہ ایک شرط ہے کہ لباس پاک ہو اور پاک رہ سکتا ہو۔ اخلاق کی پاکیزگی میں ممد و معاون ہو ......
ساُصلیہ سقر۔ لیکن اس ارتجاعی کے لیے اس بد اخلاقی کی آگ سے بچنا محال ہے۔ اسے ظلم کی تائید کرنے کی آگ میں ڈالا جائیگا۔" (زمزم۔ لاہور۔ غلاظت نمبر)

یہ چند جواہر ریزے ہیں، اُس سراپا مرصع "تحریک" کے، جو سورۂ مدثر کی "حکیمانہ تفسیر" کے عنوان سے "حضرت مولانا" عبید اللہ سندھی کے نام سے شایع ہوئی ہے!

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے!

اگر اسی کا نام "تفسیر" ہے، تو خدا معلوم تحریف اور بدترین تحریف کا نمونہ اور کہاں ملیگا! —— ہمارے علمائے کرام، بعض اُن میں کے یقیناً مخلص و نیک نیت، لیکن عقیدت میں غلو و افراط کے شکار، ایک بڑی شخصیت کے نام سے مرعوب و مسحور، براہ کرم ہم عامیوں کو بتائیں کہ اگر یہ تفسیر بالرائے اسی درجہ میں بھی دینی خدمت کہی جاسکتی ہے، تو آخر ہم سب ان کو عنایت اللہ المشرقی کو امام عصر تسلیم کرلیں؟ اس ذہب کی

عبارتیں تحریف قرآنی کے باب میں کیا اس سے کچھ بڑھی ہوئی ہیں؟

شرف ہم زبانی

اسٹیٹسمین (کلکتہ۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۰ء) میں ایک مراسلہ ٹاٹا نگر سے آیا ہوا اہمیت و ندرت کے لحاظ سے اڈیٹوریل صفحہ پر شایع ہوا ہے، اسکا مفہوم اردو میں:-

"یقین آپ کو یوں نہ آئے، تو تجربہ کرکے میرے بیان کی تصدیق کرلیجیے۔ واقعہ یہ ہے کہ کتے جس آسانی کے ساتھ انگریزی سمجھ لیتے ہیں، ہندوستانیوں کی کوئی اور زبان نہیں سمجھ پاتے۔ اسباب پر غور کرتے میں، میں راتوں کی نیند حرام کرچکا ہوں، لیکن واقعہ بہرحال یہی ہے۔ اگر بعض صاحبوں ہی کے کتے انگریزی داں ہوں، جب بھی غنیمت ہے۔ لیکن ستم یہ ہے کہ کوئی سا بازاری مرجائی کتا لے لیجیے، تجربہ سے معلوم ہوجائیگا کہ انگریزی تو وہ فوراً سمجھ لیگا، باقی کسی اور زبان میں لاکھ پکارئیے تو وہ بہرا نظر آئیگا۔ میرا بہرا جو انگریزی کے صرف چند لفظ جانتا ہے، میرے کتوں کو کبھی ہندوستانی میں نہیں، بلکہ صرف انگریزی ہی میں مخاطب کرتا ہے۔ اور جب میں نے وجہ پوچھی، تو بولا کہ کتے لوگوں کی زبان ہی انگریزی ہے، دوسری زبان نہیں سمجھتے۔"

مبارکباد اس شرف ہمزبانی پر! سمجھ میں نہ آیا کہ کسے پیش کی جائے —— "صاحب" کو یا صاحب کے کتوں کو!

تعلیم قرآن کا انتظام

مجلس اتحاد المسلمین کے اس سالانہ اجتماع کی غور کردہ رائے ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی و دینی فلاح و بہبود کا انحصار بالکلیہ قرآنی تعلیمات پر ہے اور چونکہ سرکاری مدارس میں اس طرف کما حقہ توجہ نہیں کی جاتی۔ لہٰذا مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ عام سالانہ حکومت کو اس طرف توجہ کرتا ہے کہ مدارس میں مسلمان طلباء کے لیے قرآن مجید..

کی بامعنی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا جائے اور شرکاء نصاب دینیات کیا جائے۔
اور خود مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی آئندہ ہر قسمی فلاح و بہبود کے لیے خود بھی اسکا کوئی معقول انتظام کریں ہمیشہ سے مسلمانوں کی مساجد انکی مذہبی تعلیم کا مرکز رہی ہیں بلکہ قدیم ابتدائی تعلیم کا دارومدار ہی مسجدوں کے مکاتب پر تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع اتحاد المسلمین کی تمام مجالس ابتدائی و مجالس اضلاع پر زور دیتا ہے کہ وہ سجابت مکنہ اچھے اپنے علاقوں کی مسجدوں میں بامعنی قرآن کریم کا انتظام فرمائیں اور محلہ کے تمام مسلمان بچوں اور بالغ مسلمانوں کو بھی اس سے استفادہ کا موقع دیں تاکہ مسلمان احکام قرآن سے واقف ہوکر ان پر عمل کرنے کے قابل ہوسکیں۔"

دکن کی مشہور انجمن اتحاد المسلمین ایک فعال جماعت ہے اور اپنی قوت عمل کے لیے بجا طور پر نیکنام۔ یقین ہے کہ اپنے تازہ اجلاس کی اس قرارداد کو عمل کا قالب محمد و ند ... [illegible] دیگی۔

نئی دعوت قرآنی

مجلس اتحاد المسلمین دکن کے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت کا اقتباس:

"مجلس اتحاد المسلمین سرار سیاست کو جو قرآن کے منبع فیض سے سیراب نہیں ہے سراب سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی تنظیمی وسعت کے بعد بھی اس نے جو دستور اپنے لیے مرتب کیا اس میں اپنے وجود کی اولی غرض اعتصام بحبل اللہ قرار دی۔ زمانہ نے ممکن ہے راستوں میں کچھ تبدیلی کر دی ہو لیکن منزل اگر قرآنی منزل نہیں ہے تو وہ ذلت و خواری کے جہنم کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں آپ کے منتخب کردہ خادم اور اس مجلس کے صدر کی حیثیت سے آپ سب ارکان مجلس اتحاد المسلمین بالعموم اور ارکان عاملہ و شوریٰ مملکتی مجلس، صدر صاحبان و عہدہ داران مجالس ضلع و ابتدائی اور مبلغین مجلس اتحاد المسلمین پر خصوصاً رکنیت مجلس کی شرط اولین کے طور پر یہ پابندی عائد کرتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک عمل کی نیت سے اور معنی و مطلب کو سمجھکر قرآن مجید کی کم از کم تین آیتیں روز تلاوت کیا کرے اور اس پر نہ صرف اپنے خدا کو گواہ ٹھہرائے بلکہ ماہواری مختصر رپورٹ بھی مملکتی مجلس کو روانہ کیا جاتا رہے، بمطابقت دل اطلاع دے کہ وہ کس حد تک اس شرط کا پابند رہا ہے۔ میری اس عمل پر مداومت نے ثابت کیا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد آپ پر ثابت ہوگا کہ قرآن کس طرح سب پر فلاح و صلاح انفرادی و اجتماعی کے نئے نئے دروازے کھولتا ہے"۔

اللہ ری رجعت پسندی! اس بیسویں صدی میں بھی مجالس کے ایسے ایسے صدر موجود ہیں، جو اپنے شعبوں میں رکنیت مجلس کی شرط ہی قرآن خوانی بتاتے ہیں — وہ تہذیب کی برق غضب سے ذرا نہیں ڈرتے! "ہر روز کچھ سوچیے" کے ... بجائے یہ نیا نعرہ "ہر روز کچھ قرآن پڑھیے" کا۔

اردو کی ایک اہم خدمت

اردو انسائیکلو پیڈیا کا ذکر کئی ہفتے ہوئے ان صفحات میں آچکا ہے۔ پچھلے ہفتہ نمونہ کے چند اوراق چھپے ہوئے مع متفرق معلومات کے وصول ہوگئے۔ یہ نمونہ بڑی اور چوڑی تقطیع کے ۱۵ صفحوں پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں تین گنجان کالم ہیں۔ لیکن کتابت طباعت صاف۔ اور وقتی ضخامت میں چھوٹے بڑے ملاکر ۱۹ مقالے درج ہیں۔ زبان صاف، بیان واضح۔ مضامین سب کے سب سنجیدہ، پُر معلومات، مستند۔ ایک انسائیکلو پیڈیا کے شایان شان۔ صرف ایک مقالہ، یعنی صف پر کٹ کے نصف آخر میں مقالہ "اتاترک" میں تجدد کی جھلک نظر آئی، مگر وہ بھی کچھ ایسی نمایاں نہیں ہے۔

مجلس ادارت کے صدر اردو کے مشہور خادم دکن ڈاکٹر زور ہیں، دو معتمد ہیں۔ ... چھ ارکان۔ (ارکین کا لفظ ترمیم طلب ہے) کی کمیٹی انکے علاوہ۔ کُل فہرست مباحث ۲۶ ابواب میں تقسیم ہے:
سیاسیات، عمرانیات، تہذیب و ثقافت، تاریخ و سیاست، جغرافیہ، اسلامیات، عربی زبان و ادب، دیگر السنۂ قدیم و جدید، فلسفہ و نفسیات، تعلیمات، ریاضی، طبیعیات، انجینئری، کیمیا، طب، علم الاقتصادیات، نباتیات، حیوانیات، اردو زبان و ادب، قانون، کرکٹ، کھیل، نسائیات، سندھی، مرہٹی و دیگر زبانیں، فلکیات، زراعت و جنگلات، آثاریات۔

ان میں سے ہر شعبہ مستند ماہرین فن کے ہاتھوں میں ہے، مثلاً شعبۂ اسلامیات میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالقدیر صدیقی حیدرآبادی وغیرہم ہیں۔ کم از کم یہ نمونہ جس معیار کو پیش کررہا ہے، وہ ہماری توقعات سے بلندتر ہے۔ اندازہ ہے کہ پوری کتاب ۱۲ جلدوں میں تمام ہوگی، اور ہر جلد کم از کم پانچ سو صفحہ کی ضخامت کی ہوگی۔ اردو زبان کی یہ ٹھوس، سنجیدہ، اور قابل قدر خدمت اردو کے ہر ہوا خواہ کی تائید اور علمی ہمدردی کی مستحق ہے۔ نمونہ کے یہ اوراق، دفتر اردو انسائیکلو پیڈیا، خیریت آباد، حیدرآباد دکن کے پتہ سے ۴ کے ٹکٹ میں حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر زور اور انکے رفقاء یوں بھی سالہاسال سے اپنے کو خدمت اردو کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ مگر انکا یہ کارنامہ حقیقۃً ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اور نسلوں تک انکی یادگار رہ جانے والا ہے۔

تفاوت رہ

"حیدرآباد - ۱۵ - امرداد - اعلیحضرت حضور نظام نے اپنی والدہ ماجدہ کی یادگار میں اور انکے نام پر ایک مسجد، مسجد زہراء کے نام سے تعمیر کرانے کا حکم ڈاکٹر سرضیاء الدین احمد کو علیگڈھ میں دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نواب زین یار جنگ ماہر تعمیرات سرکار دکن سے طے کرلیا ہے کہ موصوف وسط جولائی میں علیگڈھ میں کوئی موزوں زمین دیکھنے آئیں گے"۔ (خبر)

ایک مسلمان بادشاہ یہ ہیں، جو اپنی والدہ محترمہ کی یادگار میں مسجد تعمیر کراتے ہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے تعلیمی مرکز میں! ایک "روشن خیال" فرمانروا وہ ہوتے ہیں، جو یادگار میں پتھر کے مجسمے اور بت نصب کراجاتے ہیں، یا بہت احتیاط برتی تو تصویروں اور نقاشیوں کی کوئی آرٹ گیلری قائم کرادی! یہ ہیں تفاوت رہ الخ

سائنس کی رجعت پسندی

انجمن ترقی اردو کے سلسلۂ مطبوعات

میں ۱۹۳۲ء پر ایک ضخیم تازہ کتاب ہے "آثار جمال الدین افغانی" (اختصار کے لیے صرف "آثار جمال" لکھنے میں کیا مضائقہ ہے؟) مشہور روزنامہ پیام کے مشہور مدیر، جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی کے قلم سے۔ کتاب ہے شیخ کی سیرت اور اصلاحی خدمات پر۔ لیکن کوشش محترم مصنف کی ہر جگہ یہی ہے — بین السطور میں بھی اور سطور میں بھی — کہ گویا شیخ اپنے وقت کے اتاترک تھے! اتاترک نہیں جب بھی اس "لازوال مردار" کے "نقش اول" تو۔ چنانچہ مقدمہ سے بھی پہلے جو بیس لفظ ہے اُس کی بسم اللہ بھی اتاترک ہی کا ایک قول زریں ہے

کتاب پر تو حیات مصطفیٰ ... بھی بحر کا بیان کہ یہ ہے کہ انجمن کے سلسلہ مطبوعات میں ایک کتاب ۱۹۴۲ء کی "کمالات سائنس" ہے۔ بعض امریکی ماہرین سائنس کی تصنیف، اور جامعہ عثمانیہ کے ایک استاد سائنس کا ترجمہ۔ اس کا ماخذ ایک کتاب ہے ڈاکٹر اکسما (سائنٹیفک سائنس اکاڈمی، نیویارک) کے قلم سے ہے۔ بیان بعض عنوں جسم کی فعلیت کا ہوا ہے کہ" ان ہی غدودوں سے قانونی صنفی خصوصیات کا تعین ہوتا ہے"۔ اس پر سائل سوال کرتا ہے کہ وہ خصوصیات کیا ہیں؟ جواب ملتا ہے:-

"یہی صورت، جسم، اور تناسب اعضا وغیرہ، مثلاً مرد کے چوڑے کندھے اور پتلی کمر، اور عورت کے چھوٹے کندھے اور چوڑے سُرین۔ موٹی مردانہ آواز اور باریک زنانہ آواز" (ص ۱۵۱)

اتنے فرق تو اسی جواب سے ظاہر ہو گئے۔ سائل جو تجدد کا وکیل معلوم ہوتا ہے مزید جرح کرتا ہے:-

"کیا دونوں صنفیں دماغی خصوصیات کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتی ہیں؟"

گویا کہلوانا چاہتا ہے کہ نہیں، جسمانی فرق جو کچھ بھی ہو، دماغی اعتبار سے تو دونوں یکساں ہیں۔ لیکن سنیے۔ ڈاکٹر موصوف کیا فرماتے ہیں:-

"مختلف ہوں بھی تو بہت کم۔ بایں ہمہ دونوں صنفوں کی جذباتی زندگی مختلف ہو سکتی ہے، بلکہ اکثر ہوتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر مردوں اور عورتوں میں فکر کی راہیں تو بہت کچھ ایک سی ہوتی ہیں۔ لیکن جذبات کی راہیں بسا اوقات جدا جدا ہوتی ہیں (ص ۱۵۱)

لیجیے، خشک سائنس کا یہ فتویٰ، کہ جسمانی امتیازات و اختلافات کے علاوہ جذبات کے لحاظ سے بھی مرد و عورت کی زندگیاں الگ ہیں مختلف ہوتی ہیں! —— اور انجمن ترقی اردو کی ستم ظریفی کا کمال، کہ ۱۹۴۲ء کے جٹ پٹ بعد ۱۹۴۴ء پر جگہ اپنی مطبوعات میں ایسی "رجعت پسند" کتاب کو دیدی! آن کی آن میں مزہ ہی کرکرا کر دیا!

تجدد کی نیرنگی

"ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اُنکے [یعنی جدید وائس چانسلر کے] کام میں کوئی ایسی مداخلت نہ کریں جو یونیورسٹی کے عام مفاد کو متاثر کرتی ہو۔ طلبہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہ سمجھ کر علیگڈھ جانا چاہیے کہ وہ قوم کا سب سے بڑا تعلیمی مرکز ہے" (پیام)

اسد اکبر! یہ وہی وائس چانسلر ہیں، جنکے انتخاب کی مخالفت ابھی کل تک قلم کسی کو آتش نشاں کا دہانہ بنا ہوا تھا! اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ادھر انکا انتخاب ہوا، اور اُدھر علیگڈھ کی اینٹ سے اینٹ بج کر رہی! پبلک کا حافظہ یقیناً قابل اعتماد نہیں ہوتا، لیکن اُس سے ایسی بدظنی بھی کیا، کہ ابھی کل تک جو کچھ سیاہ تھا، اُسے آج بے تکلف سفید کہا جانے لگے! —— کوئی آتش نشاں اسقدر آناً فاناً کبھی کہیں سرد ہوا ہوگا! —— سچ کہا ہے کہنے والے نے ؏

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں!

منکروں کا اقرار

ہندوؤں کی سوشل ریفارم ایسوسی ایشن (مجلس اصلاح معاشرت) بمبئی نے اپنے ایک تازہ میمورنڈم (یادداشت) میں لکھا ہے:-

"جزوی قانون سازی سے (ہندو) عورتوں کو فائدہ پہونچنے کی بجائے اُلٹا نقصان پہنچیگا، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوؤں پر بہ حیثیت مجموعی نظر ثانی کی جائے اور اس میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ وقت نے ہندوؤں کی سوشل حالت میں جو تبدیلیاں رونما کر دی ہیں وہ اُنکا ساتھ دے سکے"

گویا یہ کھلے لفظوں میں اعتراف ہے، کہ ہندو قانون، کم از کم ہندو عورتوں کے حقوق کی حد تک تو زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا!

اور پھر لکھا:-

"لڑکی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اُسکو اپنے ماں باپ کی جائداد سے حصہ ملنا چاہیے۔ تاہم چونکہ لڑکی کو اپنے باپ کی حیثیت میں، "ورثہ" "استری دھن" کے حقوق کے باعث اسے بیٹے پر فوقیت ہوگی۔ اس لیے ایسوسی ایشن کی رائے ہے کہ لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کو نصف حصہ ملنا چاہیے"

لیکن صاف لفظوں میں یہ کہدینے کی ہمت نہ ہوئی، کہ ہندو قانون، لڑکیوں کے حق میراث کے باب میں بالکل وہی ہو جائے جو اسلامی شریعت میں پچھلے ۱۳ سو سال سے چلا آرہا ہے!

انجمن ترقی اُردو

انجمن ترقی اُردو ہند، ہندوستان میں خدمت زبان و ادب اُردو کی سب سے پرانی اور مستند انجمن ہے۔ اسکی شاخیں ۱۸۸ کی تعداد میں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔

اسکے قائم کیے ہوئے مدرسے ۶۴ کی تعداد میں ہیں۔

اسکی مطبوعات کا شمار ڈیڑھ سو سے اوپر پہونچ چکا ہے۔ لغت، ادب، تاریخ، سیاسیات، فلسفہ، صرف و نحو، سائنس، سب اسکے دائرہ میں ہیں۔

۲۵ کتابیں صرف ۱۹۴۹ء میں شایع ہوئیں۔ ۳۰ کتابوں کی منظوری ۱۹۵۰ء کے لیے تھی۔

اسکا ایک پندرہ روزہ اخبار ہماری زبان کے نام سے نکلتا ہے، اور دو سہ ماہی رسالے، ایک کا نام اُردو ہے، دوسرے کا نام سائنس ہے

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

نئی کتابیں

(۱) **فیض الباری علیٰ صحیح البخاری** (عربی) از حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ

جلد اول۔ صفحات ۵۰۰ × ۱۲ ۴ ۔ تقطیع کلاں۔ قیمت غالباً عمہ | پتہ :- (۱) مجلس علمی۔ ڈابھیل۔ ضلع سورت

(۲) ایضاً۔ جلد دوم۔ صفحات ۴۲۲ + ۴۹ ۵ تقطیع کلاں قیمت غالباً عمہ | (۲) کتبخانہ رشیدیہ، قریب جامع مسجد۔ دہلی

بخاری کو جو مرتبہ اور جو شہرت عالم اسلام میں حاصل ہے، اتنی نہ سہی، لیکن اسی سے ملتی جلتی ہوئی شہرت بخاری کے شارح حضرت انور شاہ کشمیریؒ کو ہندوستان کے حلقۂ علمیں میں حاصل ہے۔ اور یہ انکے امالی کا مجموعہ ہے۔ بخاری کی شرحیں اب تک متعدد لکھی جا چکی ہیں، اور لکھنے والے بجائے خود اپنے فن کے امام گزرے ہیں، اس پر بھی کوئی تو ایسی بات ہے کہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور لکھنے والوں کو باتیں لکھنے کے قابل مل ہی جاتی ہیں۔ پھر شاہ صاحبؒ کا ایسا دقیق النظر عالم کو نکتہ رسی تو انکا حصہ ہی تھا۔ یہ سب اسلیے عرض کیا جا رہا ہے، کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے، کہ ان جدید شرح میں محض قدیم شرحوں کا بے مزہ اعادہ ہوگا عبارتیں کا ذکر نہیں، منتہیوں کو بھی ان شاء اللہ فیض الباری کے مطالعہ سے نفع ہی ہوگا جلد اول کتاب التیمم کے آخر تک ہے۔ اور جلد دوم کتاب الصلوٰۃ سے کتاب الجنائز تک۔ کل شرح چار مجلدات میں ہے۔ باقی دو جلدوں میں یقیناً بقیہ ابواب ہونگے۔ اسوقت تو پیش نظر پہلی ہی دو جلدیں ہیں۔ شروع میں ایک بہت مفصل و بصیرت افروز مقدمہ مولانا محمد یوسف بنوری کے قلم سے ہے، اور ایک مختصر پُر مغز و جامع تقریظ فاضل جلیل مولانا شبیر احمد عثمانی کے قلم سے۔ حاشیہ پر ایک دوسری کتاب ان امالی کے مؤلف و مرتب مولانا بدر عالم میرٹھی کے قلم سے البدر الساری الیٰ فیض الباری کے نام سے ہے جو گویا اس شرح کی ضروری شرح ہے۔ کاغذ نفیس، کتابت روشن، حسن ظاہری جمال معنوی کا پرتو۔ فہرست مضامین، مطالب، انگریزی کتابوں کی طرح، شروع میں بہت ہی مفصل ——— حیثیت ظاہری مجموعی طور پر ایسی دلکش کہ کم استعدادوں کا بھی حوصلہ بڑھ جائے، اور نہ پڑھنے والوں کا بھی دل پڑھنے کو خواہ مخواہ چاہنے لگے۔

مصنف علام مغفور کی خوش قسمتی کہیے یا انکے حسن نیت کی برکت کہ اپنے پیچھے شاگردوں، رفیقوں کی جماعت ایسی مخلص و فرض شناس چھوڑ گئے۔ مجلس علمی، ڈابھیل دین اور علم کی جو گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے اُسکے کارناموں میں ایک روشن ترین کارنامہ کا عنوان یہی فیض الباری کی اشاعت ہے۔ کسی اسلامی کتبخانہ کی الماریاں، اور کسی شایق علم خوشحال مسلمان کا کتبخانہ ایسے گوہر بے بہا سے خالی نہ رہنا چاہیے ——— دائرۃ المعارف حیدرآباد اگر اس قسم کی گراں بہا خدمات انجام دے رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ سرکار دکن کی امداد و سرپرستی اسکے شامل حال ہے۔ اصل کمال یا کرشمہ تو یہ ہے کہ اعجاز، مجلس علمی کے غریب و خاموش کارکنوں کا ہے، کہ اتنے بڑے بڑے کارناموں کی ہمت کر جاتے ہیں۔

(۳) **جمہرۃ البلاغۃ** (عربی) از معلم عبد الحمید الفراہی۔ ۸۰ صفحے۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت ۱۲ر پتہ :- دائرۂ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ۔

مفسر قرآن مولانا حمید الدینؒ کی وفات کو دس گیارہ سال گزر چکے، لیکن جو جواہر ریزے وہ اپنے بعد چھوڑ گئے ہیں، انکی طبع و اشاعت کا سلسلہ انکے لائق جانشینوں کی عالی ہمتی کے ہاتھوں، بحمد اللہ برابر جاری ہے۔ اور پہلی انکی نادر تصانیف میں سے کبھی عربی، کبھی اردو، ایک آدھ نکلتی ہی رہتی ہیں۔ اس فہرست کا اور میں تازہ ترین اضافہ جمہرۃ البلاغۃ ہے۔

مولانا کے قرآنیات کا اہم ترین جزو انکا ذوق ادب تھا۔ ادب عربی کا ذہن رسا اسکے اور نادر نکتے پیدا کرتا رہتا تھا اور انکا انطباق وہ بلاغت قرآن پر کیا کرتے تھے۔ انکا خیال یہ تھا کہ ہمارے اکثر علمائے ادب نے اپنے فن بلاغت کو مدون اس وقت کیا، جب عجمی علوم بکثرت اسلامی دماغ میں داخل ہو چکے تھے، اور یونانی علوم و فنون کے عربی ترجمے ہو چکے تھے، اسلیے ہمارے اکثر اصول و قواعد بلاغت بجائے خالص عربیت کے عجمی اور یونانی تخیل کے سانچے میں ڈھل گئے، اور عربیت کے اصلی اور سادہ جوہر ادب کے خلاف بہت سے معیار رواج پا گئے۔ مولانا ایک مجتہدانہ دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ وہ ایک بے مثل ادیب ہی نہیں، نقاد ادب بھی تھے۔ انھوں نے ارسطو اور مقلدین ارسطو کی تقلید سے آزاد ہو کر نئے اصول نقد قائم کیے، اور انھیں اصول پر بلاغت قرآنی کو جانچا اور پرکھا۔

جمہرہ میں اسکے شواہد قدم قدم پر ملتے ہیں۔ بلاغت عجم و بلاغت عرب میں فرق، شعر و خطابت میں امتیاز، تشبیہ، استعارہ، تمثیل و مجاز کی حقیقت، ایجاز و اطناب کے مباحث، اشارہ و کنایہ و تعریض کے مسائل۔ ان سب کے دقائق کا تعلق اصل کتاب کے مطالعہ ہی سے ہے۔ ارسطو کے فلسفۂ تشبیہ وغیرہ پر نقد خصوصیت کے ساتھ قابل دید ہے۔ مسودہ میں جگہ جا بجا چھوٹی ہوئی ہے، اور بعض عبارتیں ناتمام رہ گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر ثانی اور تکمیل کا موقع مصنف علامؒ کو بالکل نہ مل سکا۔ ممکن ہے کہیں کہیں نفس مفہوم بھی پوری طرح واضح نہ ہو سکا ہو۔ بایں ہمہ کتاب عربی کے ہر متعلم کے لیے اول سے آخر تک پڑھنے کے قابل ہے۔ علم معانی و بیان کے وہ دو نکتے اس مختصر ضخامت والی کتاب کے اندر مل جائیں گے، جو محقق موصوف ہی کا حصہ تھے۔

(۴) **زبان و قلم** - از قاضی عبد الصمد صاحب صارم۔ صفحات ۱۲۶ صفحے قیمت ۱۱ر ملنے کا پتہ :- مکتبۂ "برہان" قرول باغ۔ نئی دہلی۔

اصلاً یہ کتاب اس آریہ سماجی اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے کہ قرآن عربی زبان میں کیوں ہے، جو صرف ایک مخصوص ملک کی زبان ہے؟ لیکن اس سوال کے مفصل جواب کے علاوہ کتاب میں اور بہت سی قابل قدر تحقیقات آگئی ہیں۔ کتاب کئی چار حصوں میں منقسم ہے:۔

(۱) مضامین متفرق۔ اسکے تحتانی مباحث انسانی پیدایش، زبان حضرت آدم کی زبان وغیرہ ہیں۔

(۲) دنیا کی زبانیں۔ اسکے ماتحت تقسیم السنہ، ام الالسنہ وغیرہ بہت سے عنوانات ہیں

(۳) فن کتابت ۔ اس میں ایجاد کتابت عرب وکتابت وغیرہ پر گفتگو ہے۔

(۴) مورخین کی غلطیاں ۔ اس میں بعض قدیم غیر مسلم مورخوں کے کلام پر نقد و جرح ہے۔

کتاب کچھ بہت مرتب صورت میں نہیں، تاہم متفرق معلومات کے لحاظ سے دلچسپ بھی ہے اور پُرمغز بھی ۔ بعض جگہ حوالے ناکافی ہیں ۔ مثلاً صفحہ ۸ کے ذیل میں جہاں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ذکر ہے وہاں اُسکے ایڈیشن کا ذکر بھی ضروری تھا۔

(۵) سائنس اور اسلام ۔ از مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی ۔ صفحات ۹۲ × ۴ ۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲ ۔ پتہ، سکرٹری "انجمن اسلامی تاریخ وتمدن" مسلم یونیورسٹی ۔ علیگڈھ

موضوع نام سے ظاہر ہے ۔ اس موضوع پر اُردو میں متعدد کتابیں موجود ہیں، لیکن شاید ہی کسی میں موضوع پر اس وقت نظر اور جامعیت سے سنجیدہ و مدلل بحث کی گئی ہو، جیسی اس رسالہ کے صفحات میں موجود ہے ۔ فاضل مصنف اپنی ژرف نگاہی اور تحقیق پسندی کے لیے پہلے ہی سے مشہور ہیں ۔ یہ تازہ تصنیف انکی اس شہرت میں اور چار چاند لگا رہی ہے۔

کتاب دراصل تصنیف نہیں، مولانا کا ایک مقالہ ہے، جو علیگڈھ میں ۳۸ء میں پڑھا گیا تھا، اور وہی اب کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے ۔ مسلم یونیورسٹی میں چند سال سے ایک بڑی مفید و کارگزار انجمن مجلس تاریخ و تمدن اسلام کے نام سے قائم ہے، وہ ہر خیال ملک کے منتخب اہل علم حضرات کو فاضلانہ خطبات کے لیے دعوت دیتی رہتی ہے ۔ اسی سلسلہ میں ایک خطبہ یہ بھی ہے ۔ اور حق یہ ہے کہ مقالہ نویس نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

مقالہ کی ابتدا، ترمذی کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جسکا بظاہر کوئی تعلق موضوع سے نہیں معلوم ہوتا، لیکن مقالہ کے چند صفحے بھی نہیں ختم ہونے نہیں پاتے ہیں کہ بہترین ربط موضوع اور اس حدیث کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے ۔ مقالہ کے بڑے حصے یہ چار ہیں :۔

۱۔ سائنس کی حقیقت ۔

۲۔ اسلام کی حقیقت ۔

۳۔ دونوں میں باہمی نسبت ۔

۴۔ اس تحقیق کے نتائج : احکام ۔ مادیات کی پستی، روحانیات کی بلندی۔

سارے مقالہ میں بجز ص۴۴ و ۵۴ کے جہاں بعض مثالیں نسبۃً کمزور ہیں، اور ہر ہر صفحہ متانت فکر، صحت استدلال وحسن استنباط کا ایک مرقع ہے ۔ اور اس دور میں خدمت دین کا ایک بہترین نمونہ ہے ۔ پوری خوبیاں اصل رسالہ کے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ۔ مستحق داد ہیں فاضل مقالہ نویس، اور قابل داد ہے علیگڈھ کی وہ انجمن ۔

(۶) بزم اکبر ۔ از مولوی قمرالدین احمد صاحب بدایونی بی اے بی ٹی ۔ صفحات ۲۲۳ ۔ تقطیع ۱۸ × ۲۲ ۔ قیمت درج نہیں ۔ غالباً عہ ہو ۔ پتہ، انجمن ترقی اُردو ۔ دریا گنج ۔ دہلی ۔

اکبر جیسے نامور سخن گو کی کوئی قابل ذکر سوانحعمری اب تک اُردو میں موجود نہیں ۔ کلام پر تبصرہ بھی اُنکے شایان شان نہیں ۔ کلام کا ایک خاصہ بڑا حصہ، وفات کے ۲۰ سال گزر جانے پر آجتک غیر مطبوع اور اُنکے صاحبزادہ کے پنجۂ غضب میں محصور ہے ۔ اس صورت میں انجمن ترقی اُردو کی یہ کوشش یقیناً قابل داد ہے کہ اُس نے کچھ تو اس سلسلہ میں قدم بڑھایا، اور ایک کتاب اوسط درجہ کی سہی اکبر کی سیرت و کلام پر شائع تو کرا دی ۔

بزم اکبر کے مصنف خود بھی شاعر ہیں، سخن فہم ہیں، اور حضرت اکبر کے آخر زمانہ کے ملنے والے ۔ لیکن تصنیفی تجربہ شاید زیادہ نہیں رکھتے ۔ حالات اُنھوں نے اچھے خاصے جمع کر دیے ہیں ۔ کلام پر تبصرہ بھی بُرا نہیں ۔ لیکن اول تو وسعت موضوع کے لحاظ سے کتاب مختصر بہت ہے، اور پھر کتاب کی ترتیب اور انتخاب مضامین میں بھی ترقی کی بہت کچھ گنجایش تھی ۔ حضرت اکبر معصوم یقیناً نہ تھے، لیکن سیرت کی جن کمزوریوں کو نمایاں کرنے کی کوئی شدید قومی و ملی ضرورت نہ ہو، اُنھیں غیر واضح ہی رہنا چاہیے تھا ۔ اسی طرح اکبر کے کلام پر تبصرہ کے ضمن میں مصنف کا اپنے یا اپنے عزیزوں کے کلام کو پیش کرنا، یا اپنی "اصلاحوں" کا ذکر کرنا بھی مذاق سلیم کو بہت ہی گراں ہے ۔ مصنف اکبر کے سامنے بالکل خورد تھے لیکن لب و لہجہ جو اختیار کیا ہے وہ بالکل برابر والے معاصرین کا ہے ۔ کلام پر گرفتیں جو کی ہیں اُن میں سے اکثر خود قابل گرفت ہیں ۔ توجہ جتنی مناقب اکبر پر کی ہے اُس سے کچھ کم مثالب اکبر پر بھی نہیں ۔ اور ذیل کے نقرے اور الفاظ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، کس عالم میں قلم سے نکل گئے ہیں :۔

"خود اس جہل مرکب سے نہ بچ سکتے تھے" ۔ (ص۲۱۳) کوئی بات نظم میں ادا کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو، موقع کہنے کا ہو یا نہ ہو، مرحوم کو کہہ چلنے کی ایک عادت ہو گئی تھی" (ص۲۱۳) "زیادہ گوئی کو کہنے کی حد تک پہونچا دیتے تھے" (ص۲۱۴) "یہ شاعری ہے کہ ہذیان ہے یہ وقت بخار" (ص۲۱۵) "بے کار رہا تو کچھ کیا کر، کپڑے ہی اُدھیڑ کر سیا کر" (ص۲۱۵) "کک کا گرنا اکبر کی ملا جانے" (ص۲۱۶) "سفلانہ نقالی" (ص۲۱۷) "طفلانہ کاوشیں" (ص۲۱۷) "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ نفیس" (ص۲۲۰) "رکیک و غلیظ اشعار" (ص۲۲۱)

خدا نہ کرے کہ اس خوش تمیزی کی ہوا اُردو میں عام ہو جائے، اور خدا نہ کرے انجمن ترقی اُردو جیسی خود دار ادبی مجلس آیندہ ایسے خوش سلیقہ اہل قلم کا قلم آزاد رکھے چھوڑے!

ان پہلوؤں کے، باوجود کتاب فی الجملہ دلچسپ ہے اور اکبر سے ہر دلچسپی رکھنے والے کے لیے قابل مطالعہ۔

(۷) محاسن سجاد ۔ مرتبہ مولانا سید عالم ندوی ۔ صفحات ۱۷۸ × ۷ صفحے ۔ قیمت عہ ۔ پتہ، الہلال بک ایجنسی ۔ بانکی پور ۔ پٹنہ

بہار کے نائب امیر شریعت مولانا محمد سجاد کی وفات کے ابھی دن ہی کے ہوئے ہیں، کتنوں کے دل میں ابھی یہ زخم ہرا ہوگا ۔ محاسن سجاد اُنھیں کی یاد میں دوستوں، رفیقوں، معتقدوں کے قلم سے نکلے ہوئے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے ۔ شروع میں مدیر صدق کے قلم سے پیش لفظ، جو صدق کے ایک پچھلے نمبر میں نقل ہو چکا ہے ۔

مضامین عموماً سنجیدہ ہیں اور محاسن [illegible]

امام ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے

اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء

(۷)

(از مولانا مسعود عالم ندوی)

شیخ عبدالحق دہلوی
۹۵۸ - م ۱۰۵۲ھ

مجدد صاحب کے کارناموں کے ساتھ ساتھ انکے معاصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خدمات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کی ذات سے شمالی ہند میں علم حدیث کو جگہ ملی، اور سنت نبوی کا خزانہ ہر خاص و عام کے لیے عام ہو گیا۔ ہمارے نزدیک حدیث کی خدمت اور کتب حدیث کی نشر و اشاعت خود بخود دین کی صحیح روح سے قریب کرتی ہے۔ اگلے "علماء" اور صوفیوں میں متاخرین کی فقہ اور معقولیت میں الجھ کر رہ گئے اور کم از کم شمالی ہند میں حدیث کا عام چرچا نہ ہو سکا۔ بد دینی اور بدعقیدگی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ شیخ عبدالحق نے اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی اور اس لیے ہم آج ان کے شکر گزار ہیں اور انکی علمی خدمات کا دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ شیخ کی تصنیفات بہت ہیں۔ فقہاء اور صوفیہ دونوں کی شان میں رطب اللسان ہیں۔ معاصرت کی وجہ سے حضرت مجدد اور شیخ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں جو بشریت کا تقاضا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے۔ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ایک دوسرے کو اپنی تالیفات میں اس طرح یاد کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہاں تو معمولی سوء تفاہم ہوا تھا جو بعد کو رفع ہو گیا اور تعلقات استوار ہو گئے، اور دونوں خاندانوں کے اتحاد سے اصلاح و تجدید کے کاموں کو بڑی تقویت پہنچی۔

عالمگیر اورنگ زیب
۱۰۶۸ - ۱۱۱۸ھ

جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ) ہی کے آخر دور سے حکومت مغلیہ کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی اور شاہجہاں (۱۰۳۷ - ۱۰۶۸) کے زمانہ میں مسلمانوں کو اپنی مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل رہی، نیز بادشاہ کے ستھرے ذوق کے طفیل کم از کم تعمیر اور فنون لطیفہ سے ہندوانہ اثرات زائل ہونے لگے۔ شاہجہاں کے زمانہ کی عمارتیں ایرانی اور ہندی فنون (آرٹ) کے امتزاج کا اچھا نمونہ ہیں اسی طرح روزمرہ کی زندگی میں بھی اعتدال پیدا ہونے لگا . . . پر ایک ایسے فرماں روا کی ضرورت باقی تھی جو اکبر کی پیدا کی ہوئی بیماریوں کا مداوا کر سکے۔ اکبر اور اسکے حواری سالہا سال تک فتنہ الٰہیہ کی آبیاری کرتے رہے انکی ذہنی اور قلبی بیماریوں کے جراثیم معاشرت اور سماج کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے۔ ان جراثیم کے دفعیہ اور شجرۂ خبیثہ کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے بھی ایک صاحب عزم اور صاحب نظر حکیم پوش سلطان کی ضرورت تھی، جو الحمد للہ کہ ابو المظفر محی الدین عالمگیر (انار اللہ برہانہ و جعل الجنۃ مثواہ) کی تخت نشینی سے پوری ہو گئی۔ تخت نشینی کیا تھی ایک مسلسل جہاد کا عزم! ایک نہ ختم ہونے والی جد و جہد کا آغاز۔ دارا اور عالمگیر کی آویزش صرف دو بھائیوں کی آویزش نہ تھی، یہ دو مختلف اصولوں کی جنگ تھی دو نظر ( ) کی کشمکش تھی۔ ایک اپنے پردادا کے طور طریقے زندہ کرنا چاہتا تھا، دوسرا اپنے پیغمبر اور ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر فریفتہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اگر دارا شکوہ بادشاہ ہوتا تو آج مغلیہ حکومت زندہ رہتی۔ ہو سکتا ہے کہ زندہ رہتی اس پر ہم سر دست اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے، پر اسلام کا اس دیس سے جنازہ نکل چکا ہوتا . . . . سچی بات یہ ہے کہ اسلامی ہند کی کوئی تاریخ اس درویش شہنشاہ کے کارناموں کے بغیر مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ یہ پہلا بادشاہ تھا --- (اگر ہم تغلق خاندان کے بعض فرماں رواؤں کو الگ کر دیں) جس نے بتوں کی اس سرزمین میں دین حنیفی کو تقویت دی بدعات اور منکرات کا قلع قمع کیا اور پہلی مرتبہ اس ملک کے مسلمانوں کو فرماں روا قوم کے ایک فرد کی حیثیت دی۔

امام ولی اللہ دہلوی
۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ

ایک طرف چھ سات سو سال کی گمراہیاں تھیں، دوسری طرف ایک فقیر اور ایک شہنشاہ کی مجاہدانہ کوششیں، یہ کوششیں اپنی جگہ پر آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور صاحب عزیمت ہوتے تو یقیناً یہ کوششیں بار آور ہوتیں اور انکے اچھے ثمرات ظاہر ہوتے۔ لیکن وہ جو کہ ہندی ملت کے ناموس کا آخری نگہبان تھا اسکے جانشین ایسے کمزور اور بودے ثابت ہوئے کہ آن کی آن میں حکومت ڈانواڈول ہونے لگی اور فتنوں نے پھر از سر نو سر اٹھایا۔ اب دستور بدعات کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ ہندوانہ چلن جو حضرت مجدد اور سلطان عالمگیر کی جد و جہد سے مٹنے لگے تھے، پھر رواج پانے لگے۔ شیعیت آخری کمزور بادشاہوں کی گود میں پھر سر چڑھنے لگی۔ یہ تو عام فضا تھی، "خواص" یعنی اہل درس اور اصحاب سند کا حال اور برا تھا۔ صاف صاف کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، پر موقع ایسا آ پڑا ہے کہ بے کہے ہوئے بھی رہا نہیں جاتا . . . نام نہاد فقرا اور صوفیہ فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے مال اور اسباب پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ مدرسوں میں ابھی تک ارسطو کی سڑی ہوئی لاش پر عمل جراحی جاری ہے۔ شمس بازغہ اور قاضی مبارک کی دھوم ہے۔ قرآن کریم اور حدیث رسولؐ کی کانوں میں بھنک پڑ جائے تو خیر حرج نہیں، لیکن انکی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کیے جائیں، یہ ناممکن۔ بڑے بڑے علماء کے خانوادے مشکوۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھانا کافی خیال کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق کی ترغیب و تحریص کے فیض سے کوئی جماعت اگر یکسر محروم رہی تو انھیں اہل مدرسہ کی۔ اہل فتوے کا حال نہ پوچھو انکے ہاں بس متاخرین کی تدوین کردہ فقہ اور روایتوں کی گویا پرستش ہونے لگی۔ کیا مجال کہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے کسی فتوے یا قول سے آپ اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں۔ اور اگر کسی سر پھرے نے کبھی ایسی جرأت کی تو وہ وہابی، مبتدع، غیر مقلد . . . . اور دوسری شرعی گالیوں کا مستحق ٹھہرا۔

آپ پوچھیں گے کہ اس بزم میں کتاب ربانی کا کیا حال تھا؟ تو سچی بات یہ ہے کہ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ یہ ان اہل "مدرسہ" کے ہاں کتاب عزیز کبھی پڑھائی جاتی تھی۔ اور نہ انھیں ان بیچاروں کو "علوم الہیئے" سے اتنی فرصت کہاں ملتی تھی کہ وہ کتاب الٰہی کی طرف رخ کرتے۔ پورے "درس نظامی" میں اگر واقعی کوئی کتاب درس سے خارج تھی، تو یہی کتاب ربانی جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے، جس پر ہم آپ ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں —— یہ تو علماء اور اصحاب درس کی حالت تھی۔ عوام اور متوسط طبقہ کی حالت اور دردناک تھی۔ ایک غیر مسلم مبصر کے الفاظ میں فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں آسکتے تو وہ اپنے پیرؤوں کے ارتداد، بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے[۱] جدید دنیائے اسلام مصنفہ Stoddard (مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی)

یہ پُرآشوب زمانہ تھا اور یہ دردناک حالات تھے کہ غیرت حق کو حرکت ہوئی۔ وقت آیا کہ از سرنو پیام محمدی کی تجدید ہو۔ مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کے دو طالب علم خاص طور پر اسی منصب سے نوازے گئے۔ ایک ہندی نژاد تھا، دوسرا نجد کا بادیہ نشیں۔ آپ سمجھے۔ یہ طالب علم کون تھے۔ نجد کا بادیہ نشیں محمد بن عبدالوہاب (و ۱۱۱۵ھ - م ۱۲۰۶ھ) اور ہندی نژاد ولی اللہ ابن عبدالرحیم دہلوی (و ۱۱۱۴ھ - م ۱۱۷۶ھ) یہ دونوں کیا تھے، انھوں نے کیا کیا، اس کی تفصیل ضخیم جلدوں کی محتاج ہے، ہم اتنا جانتے ہیں کہ آج ہندوستان میں ایمان اور علم دین کی جو کچھ بڑی کھچی متاع ہمارے پاس موجود ہے وہ امام ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کا صدقہ ہے، اور اس دیس میں جہاں کہیں بھی علم اور سبیل کی معرفت جاری ہے اس کا منبع وہی ذات گرامی ہے جس کی یاد تازہ کرنے کے لیے آج کی صحبت مرتب کی گئی ہے اور جس کی خدمت میں ہم آپ اپنے علم اور حوصلوں کے مطابق اپنی عقیدت اور محبت کی نذر پیش کر رہے ہیں۔

راقم کے ذمہ امام ولی اللہ سے پہلے اسلامی ہند کی دینی تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا، مقدور بھر اس نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اگر خامی رہ گئی ہو تو یہ اسکے علم کا قصور رہے اور اگر لہجہ میں کہیں تلخی ہو تو یہ شدت احساس کا نتیجہ ہے، جس کے لیے معذرت کی ضرورت نہیں۔

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی
(الفرقان: ولی اللہ نمبر)

---

[۱] اسٹاڈرڈ نے اپنی کتاب میں اٹھارویں صدی کی اسلامی دنیا کا جامع اور پُردرد نقشہ کھینچا ہے۔ امیر شکیب ارسلان کی رائے میں کوئی حاذق مسلمان بھی اس سے زیادہ صحیح تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ سیرت سید احمد شہید (ص ۵۰-۵۱) میں اسٹاڈرڈ کا پورا اقتباس درج ہے۔ طوالت یہاں درج کرنے سے مانع ہے۔

[۲] اسی طرح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے مجاہدانہ اور مجددانہ کارنامے بھی کچھ کم اہم نہیں۔ راقم نے شیخ الاسلام کی مفصل سیرت لکھی ہے جو انشاء اللہ اپنے موضوع پر جامع چیز ہوگی۔

دس بنیادی اصول

(از مرزا عبدالحمید صاحب ایم اے، ناظم دینیات اسلامیہ کالج لاہور)

۱۔ تمام اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں میں (جنکا قیام بالعموم قوم کے سرمایہ سے ہوتا ہے، جو اسلام اور قرآن عزیز کا واسطہ دے کر بنام اسلامیہ سے اکٹھا کیا جاتا ہے) تعلیم قرآن عزیز کو لازمی قرار دیا جائے۔ اور کسی طالب علم کو ایسے اسکولوں میں ترقی نہ دی جائے جو مجوزہ نصاب دینیات میں کامیاب نہ ہو۔ خواہ انگریزی اور حساب میں اسکے نمبر سب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ اگر نمبرا - پر فوری عمل نہ ہو سکے، تو کم سے کم یہ پابندی ضرور لگا دی جائے کہ کسی طالب علم ترقی نہ دی جائے جب تک وہ مذہبی استاد سے یہ سند نہ حاصل کر لے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ طالب اس قابل ہے کہ اسے اعلیٰ درجہ میں ترقی دی جائے۔

۳۔ قرآن عزیز کی تعلیم کے لیے وقت کم از کم اتنا ضرور ہو جتنا دوسرے لازمی مضامین کے لیے ہوتا ہے۔

۴۔ ہر اسلامیہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر اور اسلامیہ کالج کا پرنسپل پابند ہو کہ وہ ہر صبح کم از کم قرآن عزیز کی ایک آیت کا ترجمہ خود تمام طلبہ کو پڑھائے۔ (جس طرح شیرانوالہ ہائی اسکول میں مرحوم مولوی محمد الدین صاحب کا دستور تھا) اگر ابتدا میں ایسا ممکن نہ ہو تو ہال میں تمام طلباء کے [illegible] اور مذہبی مدرس اس فرض کو سرانجام دے۔ لیکن افسر اعلیٰ کا حاضر ہونا ہر دن میں لازمی ہو۔

۵۔ قرآن عزیز کی تعلیم کے لیے مستند اور اعلیٰ قابلیت کے استاد مقرر کیے جائیں جو ڈسپلن (ضبط) اور تعلیم کے لحاظ سے کسی "ایس اے وی" یا "بی ٹی" سے کم نہ ہوں۔ انکی تنخواہ اور انکی عزت دنیاوی تمام علوم پڑھانے والے اساتذہ سے کسی حیثیت میں کم نہ ہو۔

۶۔ مذہبی استاد ہونے کی حیثیت میں انسرانِ بالا انکا خاص احترام کے لیے اپنے ماتحتوں کے سامنے وقتاً فوقتاً عملی نمونہ پیش کرتے رہیں جس طرح عیسائی دنیا میں بشپ وغیرہ بلحاظ عہدہ ایک خاص احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مجلسی اجتماعات میں انکے لیے کرسی کی خاص جگہ مقرر ہوتی ہے، اسی طرح مذہبی استاد کے لیے امتیازی حیثیت تسلیم کی جائے۔ یہ مثال صرف مغرب زدہ احباب کے لیے ہے ورنہ اس احترام کے لیے اسلامی [illegible] میں ہارون الرشید اور امام مالک کے نام زندہ ضمانت ہیں۔

۷۔ اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں میں سب سے زیادہ وظائف، فیس کی رعایتیں اور عام رعایتیں ان طلبہ کے لیے ہوں جو مذہبی حیثیت میں عملی طور پر بہتر ہوں۔

۸۔ اسلامی درسگاہوں میں مذہبی اساتذہ کے اختیارات عام اساتذہ سے زیادہ ہوں۔ جس طرح اسوقت تک دوسرے مضامین کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ مثلاً اگر عام غیر حاضری کا جرمانہ ۱ر ہو تو مذہبی پیریڈ کی غیر حاضری کا جرمانہ کم از کم ۸ر ہو۔

۹۔ ہر اسلامیہ اسکول اور کالج میں ایک مشنری گروپ (جماعت مبلغین)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

ہفتہ وار

صدق

لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم انتظامیہ "صدق"

خدا آباد بلڈنگ- گولہ گنج- لکھنؤ

چندہ سالانہ: للعہ

ششماہی: عہ

بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ار

نمبر ۱۱ دوشنبہ- جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۴۱ء جلد ۷

سچی باتیں

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بدر فلما کان بحرۃ الوبرۃ ادرکہ رجل قد کان یذکر منہ جرأۃ ونجدۃ ففرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین رأوہ۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم کوچ کر رہے تھے بدر کی جانب کہ راستے میں ایک مقام پر ایک شخص کوئی آ ملا، آ گیا (قال المنذری، وہو موضع علی نحو من اربعۃ امیال من المدینۃ) یہ شخص ایسا تھا جسکی بہادری کی دھوم تھی، مسلمان اسے دیکھ کر باغ باغ ہوگئے۔

اور کیسے نہ ہوتے، جنگ کے موقع پر زبردست حلیف کے میسر آجانے سے کون خوش نہیں ہوتا؟ اور مسلمان تو قریش کے قافلہ رسد رسانی کے قطع کرنے کے ارادہ سے نکلے ہی تھے۔ جانتے تھے کہ قافلہ قریش کی شہرگ ہے، اسے بچانے قریش اس کی حفاظت میں جان لڑا دینگے۔

فلما ادرکہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئت لاتبعک واصیب معک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤمن باللہ ورسولہ قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرک

وہ شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں بھی تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں، میرے حصہ میں بھی کچھ مال غنیمت آجائیگا۔ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو بتاؤ ایمان رکھتے ہو توحید و رسالت پر؟ جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ بس تو پھر واپس جاؤ، مشرک سے میں مدد نہیں لیا کرتا۔ اسپر وہ شخص چلا گیا۔ لیکن جب مسلمین فلاں مقام پر پہونچا، تو پھر وہ شخص آملا، اور پھر اس نے رسول اللہ صلعم سے وہی عرض کیا، اور پھر اسے وہی جواب ملا۔

قالت ثم مضی حتی اذا کنا بالشجرۃ ادرکہ الرجل فقال لہ کما قال اول مرۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اول مرۃ قال فارجع فلن استعین بمشرک

امداد کی احتیاج ظاہر ہے کہ تھی اور شدید تھی۔ اس پر بھی یہ عالم کہ ملتی ہوئی امداد ٹھکرائی جا رہی ہے، واپس کی جا رہی ہے، اور ٹوٹل استحادیوں اور حلیفوں کی نہیں، ایمان و اسلام کی ہے! — جنگ میں فتح یقیناً مطلوب تھی، اور دل سے لگی ہوئی تھی، لیکن مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات تو وہی ایمان تھا، اسلام تھا۔

قالت ثم رجع فادرکہ بالبیداء فقال لہ کما قال اول مرۃ تؤمن باللہ ورسولہ قال نعم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق (صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، تجرید ختم- باب ۲۵)

وہ شخص پھر چلا گیا۔ اسکے بعد ایک اور مقام پر ملا۔ ابکی پھر وہی سوال و جواب ہوا۔ اور ابکی جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ توحید و رسالت پر، تو ابکی اس نے جواب میں "ہاں" کہا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا، اچھا تو ساتھ چل سکتے ہو۔

رسول کا یہ اسوہ امت نے دیکھ لیا؟ نہ ہوبہو آج کے قوم پرست اور روشن خیال "مجدد نواز" نہیں تو جرح کر ڈالتے کہ قومی فتح و ظفر کو اعتقادی پیمان بین کی خاطر پس پشت ڈال دینے کے معنی کیا؟ ضرورت ہتھیاروں کی تھی، ملک کی تھی، اپنی آزاد حکومت کی تھی، غیروں کی غلامی سے خلاصی کی تھی۔ یہ عقائد و ایمانیات کی بحث چھیڑ دینا (نعوذ باللہ) بری ملائیت ہے! — "اتاترک" کے مریدوں اور "المازوال سردار" کے نقیبوں کی ذہنیت کیا اس سے کچھ بہت مختلف ہے؟ — خود اپنے اندر اسلامی عقائد میں ضعف و تزلزل آجانے کا سوال نہیں، محض دوسروں کی شرکت کے موقع پر یہ جانچ پڑتال ہو رہی ہے؟

ایک آیت پر مزید روشنی

بعض استفسارات کے جواب میں پچھلے سال صدق نمبر [illegible] کالم میں آیت ذیل پر گفتگو آچکی ہے۔ قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین (آل عمران، آیت ۱۳)۔ اس میں اشکال جو کچھ آپڑا ہے، وہ یرونہم مثلیہم کی ضمیروں سے پڑا ہے۔ ائمہ تفسیر خود اس باب میں بہت مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ اقوال ذیل زیادہ مشہور ہیں:۔

(۱) کافر دیکھ رہے تھے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا۔

(۲) مسلمان دیکھ رہے تھے کافروں کو اپنے سے دوگنا۔

(۳) مسلمان دیکھ رہے تھے اپنے کو کافروں سے دوگنا۔

صدق میں ان سب سے ہٹ کر مفسر تھانوی مدظلہ کی موافقت میں یہ پہلو اختیار کیا گیا تھا

(۴) مسلمان دیکھ رہے تھے اپنے کو کافروں سے کئی گنا۔

یعنی یرونہم میں فاعل و مفعول دونوں کی ضمیر کا فروں کی طرف اور مثلیہم میں معنی دوچند کی بجائے [illegible]۔ ایک شبہہ اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ کلمہ مثلین کا اطلاق تو صرف دوگنا ہی پر ہوتا ہے، حالانکہ کافر مسلمانوں سے تگنا تھا، مگر لغتِ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے صرف دوگنا دیکھ رہے تھے۔ مثلین کا لفظی ترجمہ بے شک یہی ہے۔ لیکن صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ مراد مطلق کثرت عدد ہے نہ کہ تعداد کا ٹھیک دوگنا ہونا۔ مثلیہم ای المسلمین ای اکثر منہم۔ اور جمل حاشیہ جلالین میں ہے المراد بالمثلین مطلق الکثرۃ لا خصوص المثلین۔ اور ایک مشہور نحوی و لغوی فراء کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ مثلین یہاں دوگنے کے نہیں بلکہ تگنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وزعم الفراء ان معنی یرونہم مثلیہم ثلاثۃ امثالہم کقول القائل عندی الف وانا محتاج الی مثلیہا (بحر المحیط) اور امام ابن جریر نے بھی محاورۂ عرب سے اسی معنی میں استشہاد کیا ہے: ادا قال مثلیکم یعنی ادا کم فضعفیکم قالوا فہذا علی معنی ثلاثۃ امثالہم۔ اور معالم اور ابن کثیر میں بھی مثلیہم کی یہی تاویل نقل ہوئی ہے۔

اُردو کی جہانگیری

روزنامہ سٹیٹسمن کا مشہور و مقبول انگریز نامہ نگار Kim لکھتا ہے:۔

"میں اعتراض نہیں کر رہا ہوں، بطور امر واقعہ بیان کر رہا ہوں کہ جن قوموں نے اسلام قبول کر لیا ہے، انھوں نے عربی کو اپنی زبان ثانوی نہیں بنا لیا ہے۔ البتہ ایک اور مشرقی زبان ایسی ہے، جسے افریقہ جنوبی، وسطی و شمالی کی ساری قومیں بہت آسانی کے ساتھ اور بہت تیزی کے ساتھ سیکھتی جا رہی ہیں۔ میری مراد ہندوستانی زبان سے ہے۔ اندرون افریقہ کے سیاح حیرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے قدیم ترین اقوام کی زبان سے نفرت اور الفاظ ہندوستانی زبان کے سنے ہیں۔ انھوں نے کہیں یہ نفرت سے نہیں اور حسن کر یاد کر لیے ہیں۔ ہندوستانی زبان میں ایک عظیم الشان خوبی ہے۔ وہ یہ کہ اس کی صرف و نحو اس قدر با قاعدہ کہ بالکل سادہ ہے۔ افعال بے قاعدہ سماعی کی تعداد اتنی کم ہے، کہ مشکل نہیں۔ دو کو یاد کرنے کے لیے دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے، ہزارہا ہندوستانی سپاہیوں کا سابقہ ہر قسم کے افریقیوں سے پڑنے لگا ہے۔" (مورخہ ۲۹ جون ۱۹۴۲ء ملاحظہ ہو)

"صاحب" کی اصطلاح میں ہندوستانی وہی ہے، جسے ہم آپ اردو کہتے ہیں۔ اب تک تو ہندوستان ہی کے طول و عرض میں اسکی اشاعت پر پیچ و تاب کھایا جا رہا تھا، اب ہندوستان سے باہر ہزاروں میل دور، افریقہ میں اس کی اس اشاعت و مقبولیت بعض دلوں پر خدا جانے کیا قیامت ڈھا کر رہے گی! لیکن عصبیتِ بیجا کو چھوڑ کر اور ٹھنڈے دل سے سوچا جائے، تو آخر اس میں حیرت کی بات ہی کون سی رہتی ہے۔ یہ زبان اتنے مختلف و متعدد عنصروں سے مل کر بنی گی، اس میں قدرۃً لوچ بھی زائد ہوگا، اور دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں زبانِ ثانوی بن جانے کی صلاحیت قدرۃً اُس میں بہت زائد ہوگی۔ "ہندی" کو آپ مختص المقام بھی کرتے جاتے ہیں، چاہتے ہیں کہ دیسی زبان [illegible] اُس میں زیادہ سے زیادہ رہے، اور سرا پا دہ ہندیت کے رنگ میں ڈوبی رہے اور پھر اسکے ساتھ یہ بھی چاہیں کہ عربی بولنے والے، ترکی بولنے والے، فارسی بولنے والے اسے آسانی سے اختیار کر لیں، تو اس ناممکن کوشش میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ یا اگر اسے بین الاقوامی یا بین الملکی بنانا ہے، تو لامحالہ اس میں بدیسی اور غیر ملکی عناصر کو داخل کرنا پڑیگا، ورنہ پھر محض اُسکے ملکی و قومی ہونے کو کافی سمجھیے۔

ہندو دھرم اور عورت

منوسمرتی کا اقتباس ذیل حال میں (روزنامہ ہندو، مدراس، ۱۹ جون ۱۹۴۲ء میں) ایک ہندو بیرسٹر خاتون کے قلم سے نقل ہوا ہے:۔

"بچپن میں عورت کو اپنے باپ کی نگرانی میں رہنا چاہیے، جوان ہو کر اپنے شوہر کی۔ اور شوہر کی وفات کے بعد اپنے لڑکوں کی۔ اور اگر کوئی بیٹا نہ ہو تو قریب کے سسرالی عزیزوں کی۔ اور اگر وہ بھی نہ موجود ہوں تو اپنے میکے کے عزیزوں کی۔ اور اگر ان میں سے بھی کوئی باقی نہ رہا ہو تو پھر حکومت وقت کی۔ آزاد ہو کر کبھی بھی عورت کو نہ رہنا چاہیے۔"

یہ اُس مذہب کے مقنن اعظم نے کہا جس میں ایک طرف عورت جائداد سے بالکل محروم ہے، تو دوسری طرف اسکا مرتبہ "دیوی" کے برابر بھی رکھا گیا ہے! افراط و تفریط کی انھیں بیماریوں کو دور کرنے کے لیے دنیا میں اسلام آیا۔

ہندو دھرم میں عورت کا کوئی حصہ جائداد میں نہیں۔ باپ کے یا شوہر کے دور دور کے عزیز کو حصہ مل سکتا ہے، لیکن بیٹی اور بیوی کو کسی حال میں نہیں۔ اور اسکا فلسفہ یہ ہے کہ عورت کو جائداد کی ضرورت کیا؟ وہ تو اپنی زندگی کے ہر دور میں کسی نہ کسی مرد کے قبضہ میں رہیگی، بس وہی اسکا خرچ اُٹھائیگا۔ اور پھر [illegible] ہے جائداد پر حق تو ان وارثوں کا ہوتا ہے جو مورث کو کسی طرح کا نفع پہنچا سکیں۔ اور عورت اپنے مردہ باپ یا شوہر کو کوئی نفع پہنچا سکتی نہیں، اس لیے کہ عورت شرادھ نہیں کر سکتی ہے۔

سرقہ و سزائے سرقہ

(از عبد الماجد)

(۲)

چوری یا سرقہ بولنے میں ایک لفظ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ لفظ کے ساتھ اسکی حقیقت و ماہیت کی گنجایش بھی دل میں نکل آئے۔ لفظ سرقہ کے لغوی معنی ہیں السرقۃ فی اللغۃ اخذ الشئ من الغیر کسی دوسرے کی چیز چھپا کر لے لینا، آنکھ علی سبیل الخفیۃ والاستسرار بچا کر اڑا لینا۔

شرعی اصطلاح میں اس پر چند قیدوں کا اضافہ کردیا گیا، مثلاً

(۱) مال کی ایک حد مقرر کی گئی کہ کم از کم اتنا ہونا چاہیے جب اسکی چوری پر جرم کا تحقق ہو سکیگا۔ ایک دو گھونٹ کی چوری چوری نہیں کہلائیگی۔

(۲) چور کے لیے ایک حد عقل کی } مقرر کردی گئی، چنانچہ مجنون چور نہیں سمجھا جائیگا

(۳) ,, ,, ,, بلوغ کی } مثلاً نابالغ بچہ چور نہیں سمجھا جائیگا۔

(۴) مال کے لیے یہ بھی لازم قرار پایا کہ وہ کسی مقام محفوظ میں رکھا ہو۔ راستہ میں پڑی ہوئی بے حفاظت چیز کے اٹھا لینے پر حد سرقہ کی نہیں لگیگی۔

(۵) متعدد اشخاص حد سرقہ سے مستثنیٰ قرار پائے۔ مثلاً شوہر پر بیوی کے مال میں اور بیوی پر شوہر کے مال میں حد نہیں جاری ہوگی۔ وقس علیٰ ہذا

(۶) بعض چیزوں (مثلاً جنگل کی گھاس، مچھلی، پرند وغیرہ) سے حد سرقہ ساقط کردی گئی۔

اب چور کی نفسیت پر غور کیجیے۔ سب سے پہلے تو اسکے دل میں یہ چور پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع نہیں ہوتا، اور بجائے محنت اور جائز کسب معاش کے، ناجائز و حرام طریقوں سے اپنی موجودہ حالت بدلنا چاہتا ہے۔ یہ پہلی منزل ہوئی خبث نفس کی۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے اموال کا جائزہ اُن سے چھپ کر اور بدنیتی سے لے۔ یہ بجائے خود ایک مرض ہے۔ چور اس سے آگے بڑھ کر، اُنکے گھروں میں انکی بلا اجازت و بلا اطلاع چھپ کر اور مالکوں اور پاسبانوں کی نظر بچا کر گھس جاتا ہے ——— سلسلۂ جرم کی ساری کڑیوں کو گنتے رہیے ——— اور انھیں انکی دولت اور اندوختہ سے اچانک اور بےخبری میں محروم کرکے گھر والوں کو شدید تکلیف قلب اور صدمۂ روح میں مبتلا کردیتا ہے۔ اور جو گھر ابتک عشرتکدہ تھا، اُسے ماتم سرا بنا دیتا ہے۔

اب اگر آپ چور پر ترس کھاتے ہیں کہ وہ بیچارہ قید ہو جائیگا، یا ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جائیگا، تو کھائے پیے گا کہاں سے، تو یہ غلطی تمامتر آپ کے خیال کی ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود ہی تو، بلا وجہ ابتداء کرکے اپنے ایک بھائی اور اُسکے کُنبے کو اسی طرح رزق سے محروم کرچکا ہے، اور آسایش قلب کے بجائے درد و الم میں مبتلا کرچکا ہے۔ اب اگر سوسائٹی انتقام نہیں لیتی، تو گویا وہ چاہتی ہے کہ اسکی مثال اور پھیلے، اور دوسرے لوگ اسکی ریس کرکرکے اسی طرح دوسروں کو تباہ و برباد کرتے رہیں۔

غرض یہ کہ چور اپنے خبث نفس کی بنا پر اللہ کا مجرم تو ہوتا ہی ہے۔ اسکے علاوہ جسکے گھر میں چوری کرتا ہے، اُسکا بھی۔ اور پھر سوسائٹی یا معاشرہ کا مجموعاً بھی۔ وہ سوسائٹی کے سب سے بڑے رکن، یعنی حفظ و امن کے مجرم

سے دو چند ہے اور جو اس پر کھاتا ہے سب سے بے تکلی اور بےدردی کے ساتھ ہوتا تو اس شریعت پر بنی ہے وہ خدا اور بندوں دونوں کا مجرم ہے۔ خدا کا ایک بار تو بندوں کا سو بار۔

قانون اسلام کی کسی ایک دفعہ پر شبہ کرتے لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہر ایک دفعہ، دوسری دفعات سے الگ اور بے تعلق ہوکر ایک مستقل ذاتی وجود کبھی ہی کیسے ہے؟ شریعت تو نام ہے زندگانیٔ حیات کا ایک مکمل ترین اور منظم ترین ہی ہے۔ ہر شاخ دوسری شاخ سے پیوستہ ہوئی، ہر جزو دوسرے اجزاء سے پیوستہ۔ ہر ریشہ دوسرے ریشوں سے جڑا ہوا۔ مشین کا ہر پرزہ اپنی جگہ پر ایسا چسپ کہ ذرا جنبش کا امکان نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے جسم انسانی کے کسی حصہ کسی خاص حصہ کی حالت پر غور کرنا اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک جسم بہ حیثیت مجموعی پیش نظر نہ ہو ——— جسم انسانی بہترین نمونہ حکمت تکوینی کا، قانون اسلام بہترین نمونہ حکمت تشریعی کا — دونوں میں باہمی نسبت و تعلق ہونا بالکل ظاہر۔

سارق کی اسلامی سزا پر بھی غور اسلامی نظام سلطنت و معاشرت کے اندر ہی ہو سکتا ہے، اس سے الگ اور بے تعلق کرکے نہیں۔ اب حکومت اسلامی جہاں کہیں بھی قائم ہے، وہاں کی صورت حال کا نقشہ ذہن کے سامنے جما کر خود سارق کی حرکت پر غور کیجیے۔ یہاں وجود نہ مہاجنوں کا نہ سود خوار ساہوکاروں کا، جو مال حرام کی کمائی سے بڑی بڑی کوٹھیاں بنوا رہے ہیں۔ اور انکی دیواروں کے نیچے انھیں کے بھائی بند پیٹ بھرنے کے لیے موٹی روٹیوں کو ترس رہے ہیں۔ یہاں آبادی نہ قمار بازوں کی، نہ لاٹری بیچنے والوں کی، نہ گھوڑدوڑ میں بازی لگانے والوں کی، نہ شراب کی تجارت کرنے والوں کی، نہ سینما اور تھیٹر کے مالکوں کی، نہ ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی، نہ عیش پرست امراء کی، اور نہ رشوت خوار حکام کی۔ یہاں تو خود ہی عدل و عدالت کی حکمرانی ہے، تقویٰ و شرافت کا دور دورہ ہے۔ ہر قابل زکوٰۃ مال پر زکوٰۃ نکل رہی ہے۔ ہر متوفی کا ورثہ تقسیم عادلانہ کے ساتھ سارے وارثوں کے درمیان تقسیم ہو رہا ہے۔ صدقات و خیرات کی مدیں کھلی ہوئی ہیں اور ان سے کوئی کسی پر احسان نہیں رکھتا، بلکہ خود اپنے لیے سرمایۂ سعادت و باعث نجات سمجھتے ہیں۔ بیت المال سے ہر مقدار، ہر مستحق کے لیے وظیفہ مقرر ہے۔ اپاہجوں، کمزوروں، بیماروں، سب کی امداد و خبرگیری حکومت خود کر رہی ہے۔ کوئی کسی کو بیگار میں نہیں پکڑ سکتا، کوئی کسی کی مزدوری نہیں مار سکتا۔

امن و سکون، اطمینان و عافیت کی اس جنت ارضی میں جو شخص رخنہ ڈالنا چاہتا ہے، اب اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ چوری ایک گندی اور کمینہ حرکت تو یوں ہی ہے، لیکن اس ماحول میں تو اسکی گندگی اور کمینگی کی کوئی حد ہی نہیں رہ جاتی۔ اس فضا میں تو شریعت اسلامی ایسے مجرم کی جتنی بھی سخت سزا رکھ دیتی، سب بجا تھی۔ اُسکا یہی انتہائی کرم ہے کہ اس نے مجرم کا سر نہیں کٹایا، صرف ہاتھ کٹانے پر اکتفا کی!

آگے بڑھنے سے قبل ایک لمحہ سزا کے مقصد و غایت پر غور کرنے کے لیے بھی نکال لیجیے۔ یہ فطرت بشری ہے کہ انسان کو جب جب کسی قسم کا بھی دکھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب۔ (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ۔ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم اخبار "صدق"

مرشد آباد پلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؏
بیرون ہند سے سالانہ ششماہی
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق

لکھنؤ

(رجسٹرڈ نمبر ل ۱۳۹۱)

نمبر ۱۲ | دو شنبہ - ۲۴ - جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۱ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

بات بہت دن کی نہیں، ابھی حال ہی کی ہے کہ ملک کے ایک مشہور اور ہر دلعزیز رہنما بڑے عزت یافتہ ہندو لیڈر سر ہری سنگھ گوڑ، ایم اے، ایل ایل ڈی (ناگپور والے) ولایت میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک ہوٹل میں مقیم ہونا چاہا۔ ہوٹل والوں نے چہرہ مہرہ، رنگ روپ دیکھ کر ٹھہرانے سے انکار کر دیا، اور کہہ دیا کہ ہوٹل کو کالے آدمیوں (ہندوستانیوں) کے ٹھہرانے سے بالکل معذوری ہے۔ — ہندوستان کے اخبارات میں ایک طوفان برپا ہو گیا کہ یہ کیا اندھیر ہے! بیسویں صدی میں، اور بالخصوص اس جنگ کے دوران میں، گورے اور کالے کا یہ امتیاز! یہ کیا قہر ہے! ہندوستان کے ہمدرد خود انگریز ممبر، پارلیمنٹ کے، انھوں نے پارلیمنٹ تک میں سوالات کر ڈالے، کہ یہ کیسی تنگ نظری اور سیاسی نادانی ہے؟ — آپ اگر اخبارات پڑھتے رہتے ہیں تو یہ ساری چیخ پکار ابھی آپکے حافظہ میں تازہ ہوگی۔

اس طرح کا کوئی واقعہ ہمارے دورِ عروج میں بھی پیش آیا تھا؟ اسکی کوئی نظیر "عرب امپیریلزم" کی تاریخ میں بھی ملتی ہے؟ رنگ کی، نسل کی، وطن کی، زبان کی، بنیاد پر تحقیر اسلام نے کہیں جائز رکھی ہے؟ تحقیر نہ سہی، امتیازی سلوک ہی؟ تعلیمات اسلامی کو بھی چھوڑیے، تاریخ سلاطین کو لیجیے۔ بڑے بڑے جبار و متکبر، مطلق العنان دنیادار بادشاہوں کے زمانہ میں بھی کبھی یہ ہوا ہے کہ سرائے میں مسافر آیا ہے، اور پورا کرایہ دے رہا ہے، لیکن سرا کا بھٹیارہ یہ کہکر اسے دھتکار رہا ہے کہ تم کالے کلوٹے ہو، کسی نیچ ذات کے معلوم ہوتے ہو، گنوار دیہاتی نظر آتے ہو؟ اور خیر رنگ، نسل، وطن وغیرہ تو خیر غیر اختیاری چیزیں ہیں، اختیاری چیز عقیدہ ہے، اور اسی بنا پر اسلام نے عقیدۂ کفر و شرک کو سخت رذیل سمجھا ہے، لیکن دنیا کے معاملات میں، خرید و فروخت میں، تجارت میں ایسا برتاؤ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بھی کب جائز رکھا ہے؟ — اور "صاحب" کے عہد میں، گورا شاہی کی تاریخ میں کمال بے تکلفی کے ساتھ "حسن معاشرت" کی، "حسن معاملات" کی یہ تازہ مثال، پہلی بار تو دنیا کے سب سے بڑے ہی کب ہے؟ شکر اسی پر بجا لایئے، کہ ہوٹل کے منیجر نے بڑھ کر بوٹ سے ٹھوکر نہ مار دی، ورنہ عجب نہ تھا کہ تلی تو اسی وقت پھٹ کر رہ جانا یقینی تھی!

لیکن اس واقعہ پر اتنا شور و شغب ہندو پریس میں آخر کیوں؟ ہندو قوم کا روزانہ طرز عمل پردیسیوں کے ساتھ نہیں، خود دیسیوں کے ساتھ کیا ہے؟ سمندر پار والوں کے ساتھ نہیں، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیا ہے؟

تو وہ رونا در حقیقت کیوں رویا، کہ برا زمانہ آگیا؟

مسلمانوں کا ہاتھ لگ جائے تو کھانا ان کا ناپاک، پانی ان کا ناپاک ہو جائے! ملیچھ کا سایہ پڑ جائے تو ناپاک ان کا جسم ہو جائے! حد یہ ہے کہ خود انہیں کے عقیدہ و مذہب کا کوئی "نیچ ذات" والا ان کے جسم سے چھو جائے تو دھرم ان کا بھرشٹ ہو جائے؟ —— ایسی قوم کو تو ناخوش ہونے کی جگہ اور خوش ہونا چاہیے، کہ شکر، صد شکر، کہ آخر یورپ کو بھی سناتن دھرم ہی کے نقش قدم پر چلتے بن پڑا! —— نہ ہوا "صدق" دلی روزانہ اخبار ورنہ مبارکباد ہندو قوم کی خدمت میں پیش کی جاتی، اور خبر چھاپی ہی جاتی اس عنوان سے کہ

"چھوت چھات "صاحب" کے دیس میں!"

مشعلِ راہ جامعہ عثمانیہ (دکن) کے تعزیتی جلسہ میں —

"مسٹر محی الدین خاں بی اے نے طلبہ کے جذبات ... کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ عثمانیہ یونیورسٹی مملکت دکن کے ...

دلائل بہر تفریق اپنے اپنے رکھتا ہے گو ان سطور کے راقم کے نزدیک قوی ترین دلائل حنفیہ کے ہیں -

(۴) چوتھے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیم اضطرار کی حالت میں چوری خصوصاً کھانے پینے کی چوری میں کیا کوئی رعایت نہیں ؟

عرض یہ ہے کہ حکومت اول تو اگر اسلامی ہیں (اور وہاں کے سرا سزائے شرعی کا اجراء اور ہوگا کبھی کہاں ؟) تو اضطرار کی، نیم اضطرار کی اشارت، فاقہ اور گرسنگی کی نوبت ہی کسی مسلمان کے لیے کیوں آنے لگی، غریب سے غریب شخص کے بقدر ضرورت کھانے پینے کا انتظام، معدود بمکان کے، اسلامی حکومت کے لیے لازمی ہے، بلکہ اسلامی نظام معیشت سے جزو لازم آجاتا ہے لیکن اس سے قطع نظر یوں بھی کھانے پینے کی، اور ایسی ہی ضرورت کی چیزوں کے باب میں تو فقہائے اسلام نے بہتری زائد گنجائشیں رکھی ہیں۔ ایسی کہ حیرت تنگیوں پر نہیں۔ سہولتوں پر ہوتی ہے

لا قطع فی ما یتسارع الی الفساد کاللبن واللحم والفواکہ الرطبۃ (ہدایہ)	ہاتھ نہ کاٹا جائیگا ان چیزوں کی چوری میں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں مثلاً دودھ گوشت ترمیوہ -

[illegible] نہیں بلکہ یہ چیزیں جو اسلامی حکومت میں عام طور پر ہر شخص کو ملجاتی ہیں وہ فہرست عام میں [illegible] کی ہیں، اُن میں سے کسی پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا

ولا القطع فی ما یوجد تافہا مباحا فی دار الاسلام کالخشب والحشیش والقصب والسمک والطیر والصید والزرنیخ والمغرۃ والنورۃ (ہدایہ)	اور ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اس چیز کیلیے جو دارالاسلام میں حقیر طور پر مل جاتی ہے، مثلاً لکڑی (جلانے کی) اور گھاس اور نرکل اور مچھلی اور پرندے اور شکار کیے ہوئے جانور، اور ہرتال اور گیرو اور چونا -

یہ فہرست پھر بھی ناقص اور مختصر ہے - فقہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھیے تو کل فہرست اس سے کہیں زیادہ لمبی چوڑی نظر آئیگی -

یہاں تک کہ بعض فقہاء کے ہاں تو یہ تصریح بھی مل جاتی ہے، کہ قحط سالی کے زمانہ میں کھانا چرانے کی سزا قطع ید باقی نہ رہیگی -

اذا سرق طعاما والسنۃ سنۃ قحط لا یجب القطع بسرقتہ سواء کان طعاما یتسارع الی الفساد او لا یتسارع وسواء کان محرزا او لم یکن (عالمگیری - عن الذخیرۃ)	اگر کوئی قحط سالی میں کھانا چرالے تو اس چوری پر قطع ید نہ کیا جائیگا، چاہے کھانا جلد بگڑ جانیوالا ہو یا ایسا نہ ہو - اور خواہ محفوظ کرکے رکھا گیا ہو یا نہ ہو -

(۵) اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے، کہ قطع ید سے انسان ساری عمر کیلیے بیکار ہو جاتا ہے، اور سوسائٹی پر بار بن جاتا ہے - ایسی سزا جسکا خمیازہ دوسروں کو بھگتنا پڑے، کس مصلحت پر مبنی ہے ؟

لیکن یہ سوال صرف قطع ید ہی پر کیوں وارد کیا گیا ہے ؟ مطلق سزا کی ہر صورت پر کیا اسی شدت و قوت سے عائد نہیں ہوتا ؟ دنیا میں آخر وہ کونسی سزا ہے جسکا اثر تمامتر مجرم کی ذات ہی تک محدود رہتا ہے، اور اُسکی بیوی بچوں، عزیزوں، قریبوں، خاندان اور برادری تک متعدی نہیں ہوتا ؟ چور کو سزا قطع ید کی نہیں، "دائم الحبس" کی ملے، جب کون سا سہارا اُسکے گھر والوں کیلیے باقی رہ جائیگا ؟ جب کب وہ کمائی کے قابل باقی رہیگا ؟ جب کب وہ سوسائٹی پر بار نہ ہوگا ؟ حبس دوام نہ سہی، سال، دو سال، چار سال ہی کے لیے جیل سہی، کیا اسی منطق کی رو سے، مجرم کے بیوی بچوں کے حق میں کچھ شدید ظلم نہیں ؟ پھر خود یہ جو جیل اور پولیس اور خفیہ پولیس کے عظیم الشان محکمے ہر مہذب حکومت کے جزو بنے ہوئے ہیں، انکے اونچے اونچے انسپکٹر جنرلوں کی ہزارہا روپیہ ماہوار کی تنخواہیں، ڈاکٹروں، سپرنٹنڈنٹوں، کپتانوں، جیلروں کے مشاہرے، [illegible] سب انسپکٹروں، داروغوں، منشیوں، پھر کوتوالوں کی [illegible]، [illegible] کانسٹبلوں، چوکیداروں، جاسوسوں، [illegible] کی بے اندازہ تنخواہیں، جیل، کوتوالی، تھانہ وغیرہ کی عظیم الشان عمارتیں وغیرہ وغیرہ یہ سارے [illegible] اخراجات آخر کہاں سے ہو رہے ہیں ؟ کیا مجرموں کی جیب سے ؟ یا اسکے برعکس بے گناہ و بے قصور رعایا [illegible] کی جیب سے ؟ — مجرم کے ہاتھ میں جب ہتکڑیاں پڑتی ہیں، مجرم کے پوشیدہ جسم کو ننگا کرکے جب اُس پر تڑاتڑ بید پڑتے ہیں، تو مجرم کی چیخ پکار، آہ و زاری کے ساتھ ساتھ، اُس کی بیوی کے، بہن کے، بیٹی کے، ماں کے، باپ کے دل پر کیا گزرتی رہتی ہے ؟ —— مالی اور جسمانی عقوبتوں کو بھی چھوڑیے، محض تفضیح و رسوائی، بدنامی کے پہلو تک رہیے - سزا ایک کو ملتی ہے، بدنامی اُسکے سارے خاندان کے نصیب میں آکر رہتی ہے [illegible]

تو اس فلسفہ پر اگر عمل ہو، تو آغاز آفرینش عالم سے لیکر آج تک کسی کو بھی سزا کوئی ہلکی سی ہلکی کسی بڑے سے بڑے جرم میں کبھی ملنی ہی نہ تھی - اسلیے کہ آج تک کون سا مجرم ایسا ہوا ہے، جسکا نہ کوئی عزیز ہو نہ دوست، نہ مخلص ہمدرد [illegible] کی بنا یہ ہے کہ فرد کو سوسائٹی سے بے تعلق، ایک منقطع انسان فرض کر لیا گیا ہے - اور یہ مفروضہ ہی بے بنیاد ہے - شخصی تعلقات، خاندانی جکڑ بند، خونی رشتے، وطنی علاقے، نسلی محبتیں، عزیزانہ گرمجوشیاں، یہ تو سب رکھی ہی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر گئی ہیں، کہ انکا دباؤ ہر امکانی مجرم پر قائم رہے، اور انسان کا قدم، خوف خدا سے نہ سہی، رضائے الٰہی کی غرض سے نہ سہی، تو کم از کم انھیں وابستگیوں کی بنا پر جادۂ مستقیم پر قائم رہے - تواصی بالحق و تواصی بالصبر تو انسان کے فرائض میں داخل ہے - دوست اور عزیز ہوتے ہی اس واسطے ہیں کہ راہ حق پر قائم رکھنے، کجروی سے بچانے، نیکی کی خوش انجامی سمجھانے [illegible] انسانیت میں [illegible] اجتماعیات، کھانے میں ایک انسان دوسرے کا معین و مددگار رہے - ایک کی کمائی سے دوسرے نفع اٹھاتے ہیں - ایک کی سزا پانے سے دوسرے بھی نقصان بھگتیں - یہ تو سزا کا ایک لازمی عنصر ہے - اگر کسی طریقے سے اس عنصر کو فنا کر دیا جائے، تو سزا کا مقصود ہی ایک حد تک باطل ہو جاتا ہے -

کیا یہ روزمرہ کا مشاہدہ نہیں، کہ ماں خود فاقہ کر لیتی ہے، لیکن بچے کو بھوکا نہیں سلا سکتی، باپ خود اپنے اوپر الزام رکھ لیگا، خود چوٹ سہہ لیگا، لیکن بچے پر آنچ نہ آنے دیگا ؟

جب یہ صورت حال ہے، جب عزیز پرستی اس حد تک جزو فطرت بشر تا ہے، تو مجرم کی سزا سے تعذیب کو محض اُسی کی ذات تک محدود رکھنا مقصود ہی کب رہا ؟ مقصود تو یہ بھی ہو گیا کہ اپنے پیاروں کی [illegible] کلیجے کے ٹکڑوں کی مصیبت [illegible] متاثر ہو [illegible]

تدوین حدیث

(۱۲)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

بہرحال یہ تو میرا دعویٰ ہے۔ اس دعوے کے [illegible] شاید بہت سی باتیں اب انھیں پیش کرنی ہوں، لیکن قبل اسکے کہ ان دلائل بیان کی جائیں پہلے یہ سن لینا چاہیے کہ اس وقت حدیث کے باب میں حدیثوں کا جو معتبر اور قابل اعتماد ذخیرہ موجود ہے اسکی مقدار اور ان حدیثوں کی تعداد کیا ہے۔ یوں تو عام طور سے جہاں حدیث کے حافظوں کا ذکر کیا جاتا ہے انکی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو غیر معتبر [illegible] شدہ حدیثوں کے سوا جو قابل اعتماد سرمایہ محفوظ تھا اس کی تعداد سات لاکھ تک پہنچتی [illegible] امام ابو زرعہ جو حفظ حدیث میں خاص امتیاز رکھتے ہیں انکی حدیثوں کی تعداد بھی سات لاکھ بتائی جاتی ہے۔ امام بخاری کے متعلق عام طور سے سنتے ہیں کہ انھیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں۔ امام مسلم سے لوگوں نے انکا یہ قول نقل کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح کے متعلق خود فرمایا کرتے تھے کہ تین لاکھ حدیثوں سے یہ مجموعہ منتخب ہے۔ اسی طرح مختلف لوگوں کی طرف بڑے بڑے اعداد منسوب ہیں، لیکن ان اعداد سے جو سمجھتے ہیں کیا اسکا مقصود بھی یہی ہے؟ بات یہ ہے کہ لوگ محدثین کی اصطلاح سے چونکہ ناواقف ہیں اسلیے انھیں حیرت ہوتی ہے [illegible] کہ مثلاً امام بخاری کو اگر اتنی صحیح حدیثیں [illegible] یاد تھیں تو [illegible] اپنی کتاب میں سب کو کیوں درج نہیں کیا [illegible] حفاظت و بیان کا جو روایتی طریقہ ہے پہلے بیان کر چکا ہوں [illegible] مضبوط بنانے کے لیے ابتدا سے شاہدات [illegible] کا طریقہ مروج ہوگیا تھا یعنی ایک ایک حدیث کو جن جن سندوں اور طریقوں سے روایت کرنا ممکن تھا، محدثین ان تمام طرق کو جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور انکی یہ اصطلاح تھی کہ ایک ہی حدیث کو انکے متفاوت طریقوں کے اعتبار سے بجائے ایک کے، طریقوں کے حساب سے شمار کرتے تھے، مثلاً انما الاعمال بالنیات کی حدیث جیسا کہ بیان کرایا ہوں واقعہ کے لحاظ سے ایک حدیث ہے لیکن محدثین چونکہ سات سو طریقوں سے روایت کرتے ہیں، اس لیے بجائے ایک کے صرف اسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے اور یہ کسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے اور یہ کسی ایک حدیث کا نہیں بلکہ حدیث کے بیشتر حصہ کا یہی حال ہے، حدیثوں کے ان عجیب و غریب اعداد کی بنیاد ایک تو یہ ہے دوسرے پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ گو ابتدا میں حدیث جس کے لفظی لغوی معنی بات کے ہیں، اسکا اطلاق محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات طیبہ پر کیا جاتا تھا پھر اس میں وسعت پیدا ہوئی اور آپ کے افعال و تقریرات کو بھی اسکے نیچے درج کیا گیا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اطلاق میں اور کشادگی پیدا ہوئی اور صحابہ کے اقوال و فتاوے، فیصلوں بلکہ تابعین و تبع تابعین تک کی چیزوں کو بعض لوگوں نے "حدیث" کے نیچے داخل کردیا۔ ظاہر ہے کہ اس وجہ سے قدرۃً حدیثوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، لیکن عامی خیال کرتے ہیں کہ یہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی تعداد ہے۔ [illegible] توجیہ انور لکھتے ہیں

> وکثیراً من المتقدمین کانوا یطلقون اسم الحدیث علی ما یشمل آثار الصحابة والتابعین وتابعیهم وفتاویهم ویعدون الحدیث المروی باسنادین حدیثین الخ

> متقدمین کی سب سے بڑی جماعت لفظ حدیث عام مفہوم پر بولتی تھی جس میں صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے آثار و فتاوی سب کچھ داخل ہیں نیز ایک ہی حدیث جو دو سندوں سے مروی ہوتی اسے دو حدیث قرار دیتے تھے

اور یہی مراد ہے ابن جوزی کے اس فقرے سے جو حدیثوں کے ان اعداد کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان المراد بهذا العدد الطرق لا المتون (تلقیح ص۱۸۴) یعنی ان اعداد سے مقصد حدیثوں کے متن کی مقدار نہیں ہے بلکہ انکے طریقے اور اسناد مراد ہیں۔

یہ حدیث کے ان بڑے بڑے اعداد کا حال ہے، لیکن واقعی وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ کہاں لاکھ دو لاکھ چار لاکھ کی باتیں تھیں اور اب سنیے کہ امام بخاری کی صحیح سند کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہیں انکی تعداد دہرے کے بغیر دو ہزار چھ سو دو ۲۶۰۲ ہے، اور امام مسلم کی حدیثوں کی تعداد کل چار ہزار ہے لیکن اسکے معنی نہیں ہیں کہ مسلم میں بخاری کے سوا چار ہزار حدیثیں ہیں بلکہ زیادہ تر دونوں کی روایتیں مشترک ہیں۔ یہ تو ان دو بڑی کتابوں کی حدیثوں کا حال ہے، موطا امام مالک جسے بعض لوگ صحیح بخاری پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اسکی کل حدیثوں کی تعداد صرف چھ سو ستانوے ہے۔ بہرحال شمار کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ صحیح، حسن، ضعیف، ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اسوقت صحاح ستہ مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں انکی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے، اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے، [illegible] ابن جوزی نے نہیں، جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے، بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت میں مشہور ہیں انکا یہ بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہونچ سکتی۔ اب حاکم کی اس رپورٹ کو اپنے سامنے رکھیے اور اسکے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان خطوط، اور معاہدوں، امان ناموں، جاگیر و قطائع وغیرہ کے فرامین کے سوا جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے، اور جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے اور حدیث کی جو تعریف ہے ان پر وہ بھی صادق آتی ہے، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ کے سوا، عہد نبوت و قرون صحابہ میں حدیث کا کتنا سرمایہ کتابی شکل اختیار کرچکا تھا، دنیا کو یہ سن کر حیرت ہوگی، لیکن کیا کیا جائے واقعہ

---

۱ ہمارے فاضل و عزیز دوست ڈاکٹر مولانا حمید اللہ صاحب ڈی فل [illegible] پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ان کو ایک خاص فاضلانہ ترتیب کے ساتھ جمع کردیا ہے۔ اور اب ان کی یہ کتاب مصر میں الوثائق السیاسیہ کے نام سے طبع ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح کو عہد نبوی کے (۲۷۰) کتابی وثائق مل چکے ہیں ۱۲

بھی ہے کہ دس ہزار ہی نہیں بلکہ اس سے بھی نہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں جو عہد صحابہ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ آخر آپ خود جو شبہہ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں اور مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے، اور ایک ذریعے نہیں مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنی یادداشت کے لیے اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی شکل میں لے آئے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع میں انکی اس کتاب کے واقعہ کو اس طرح درج کیا ہے مشہور صحابی عمرو بن امیہ ضمیری جنکو طاہر موقر با اور داستان امیر حمزہ نے عمرو عیار کے نام سے بہت مشہور کر دیا ہے، انکے صاحبزادے نے بیان کیا ہے

تحدثت عن ابی ہریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی قد سمعتہ منک فقال ان کنت سمعتہ منی فھو مکتوب عندی فاخذ بیدی الٰی بیتہ فارانا کتبا کثیرۃ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد ذٰلک الحدیث فقال اخبرتک انی کنت حدثتک بہ فھو مکتوب عندی

میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک حدیث پڑھی انھوں نے اسکا انکار کیا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس حدیث کو آپ ہی سے سنا ہے، فرمایا اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرہ میں لے گئے۔ مجھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں اسی ذخیرہ میں وہ حدیث بھی پائی گئی حضرت ابوہریرہ نے اسکے بعد فرمایا میں نے تمھیں خبر دی تھی کہ میں نے جو حدیث تم سے بیان کی تھی وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے [illegible] نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہؓ کے پاس صرف چند حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، بلکہ جو کچھ وہ روایت کرتے تھے کتابی شکل میں انکے پاس وہ موجود تھی جب یہ معلوم ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر ہے اسکے بعد اگر مانا جائے کہ پانچ ہزار سے اوپر حدیثیں ان کے وقت کی لکھی ہوئی تھیں، تو کیا اس روایت سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی، اور صرف ایک یہی نہیں، دارمی جو حدیث کی مستند کتاب ہے اور اس کا درجہ صحاح ستہ کی اکثر کتابوں سے ابلند ہے اس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ ان کی حدیثوں کا تیار کر کے خود انکو پڑھ کر سنایا تھا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عن بشیر بن نہیک قال کنت اکتب ما اسمع من ابی ہریرۃ فلما اردت ان افارقہ اتیتہ بکتابہ فقرأتہ علیہ وقلت لہ ھذا ما سمعت منک قال نعم۔

حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا انکو میں لکھ لیا کرتا تھا جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا تو انکی حدیثوں کی جو کتاب تھی اسے لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر ان حدیثوں کو انکے سامنے پڑھ گیا، اور آخر میں کہا کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں، بولے ہاں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ [illegible] شاگرد [illegible] جنہیں [illegible] کے امراء میں تھے [illegible] کی خدمت [illegible] حدیثوں کو جمع کیا، جو صحیفہ ہمام [illegible] مشہور ہے، امام احمد بن حنبل [illegible]

ایک بہت بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کیا ہے، تو یا اسکے معنی یہ ہوئے کہ اسی زمانہ میں حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کے یہ بہن نسخے تیار ہو چکے تھے اور واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ جنکے شاگردوں کی تعداد امام بخاری نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کتنوں نے اس کام کو کیا ہوگا۔ خود حضرت ابوہریرہ نے جب اپنے لیے نسخہ تیار کیا تھا، تو کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ انکے شاگرد ایسا نہ کرتے۔ اور اس سے بھی میں اور آگے بڑھتا ہوں، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیان درج ہے، وہ فرمایا کرتے تھے۔

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں حضور کی حدیثوں کا بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہے البتہ عبداللہ بن العاص اس سے مستثنیٰ ہیں (یعنی انکی حدیثوں کی تعداد مجھ سے زیادہ ہے)

جس کے معنی یہ ہیں کہ عبداللہ بن عمرو کی مرویات کی تعداد ابوہریرہ کے ذاتی اعتراف کی بنیاد پر انکی حدیثوں سے زیادہ تھی حدیثیں پانچ ہزار سے زائد ہیں تو انکا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ کے روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر سے یقیناً زائد ہونی چاہیے بخاری کے صریح الفاظ کا یہ تقاضہ ہے۔ اب سنیے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیثوں کا کیا حال ہے۔ بخاری ہی کی حدیث میں ابوہریرہ ہی کا یہ بیان درج ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انھوں نے اسے جمع کیا تھا یا وفات کے بعد لیکن عبداللہ بن عمرو بن العاص جن کی حدیثوں کی تعداد حضرت ابوہریرہ ہی کے بیان کے مطابق ان کی حدیثوں سے زیادہ اور کثیر ہے۔ انکے متعلق تو سب کو معلوم ہے کہ خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ آپ کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ انکا اپنا بیان ہے جسکا حافظ ابن عبدالبر ابن سعد بلکہ ابوداؤد وغیرہ سب نے ذکر کیا ہے۔ میں حافظ عبدالبر کی روایت درج کرتا ہوں، خود حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں

قلت یا رسول اللہ اکتب کل ما اسمع منک؟ قال نعم قلت فی الرضا والغضب؟ قال نعم فانی لا اقول فی ذٰلک کلہ الا حقا

میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ حضور نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا کہ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتوں کو لکھ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا ہاں، کیونکہ ان سب حالتوں میں، میں نے نہیں کہا لیکن صرف "حق"۔

اس روایت میں "اکتب کل ما اسمع" وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں، قابل غور ہے، جسکے معنی یہی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں خواہ رضا یا غضب کے حال میں کی ہو، لکھ لیا کرتے تھے۔ محدثین میں انکی یہ کتاب "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اسکا تذکرہ موجود ہے۔ وہ خود بھی اپنی اس کتاب کو اسی نام سے یاد کرتے تھے [illegible] لیکن خیال آتا ہے کہ [illegible] اس لئے [illegible] یہ نام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کیا ہوا تھا۔ [illegible]

دیوتاؤں کی پرستش کا مقلد تھا۔ اور یہ کہ وہ ہرگز مسلمان نہ تھا۔"

(۲) "سکندر بہ اتفاقِ اربابِ تاریخ جابر و قاہر تھا، نہ کہ نیک سیرت و نیک نفس"

(۳) "یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ اس کی فتوحات اور سیاحت [illegible] کی جانب نہیں بڑھا"

(ص ۱۶۰، ماہنامہ [illegible] بابت جولائی ۶۱ء)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں دعوے مسلمات ہونا الگ رہا، سب کے سب خود مشکوک و مجروح ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ نزول قرآن سے قبل ذوالقرنین ظاہر ہے کہ اصطلاحی معنی میں تو مسلمان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے مومن [illegible] ہونے سے مراد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ موحد اور اپنے زمانہ کے نبی کا مطیع ہو۔ سو وہ ایات یہود میں (اور یہی ایک موحد قوم اُس زمانہ میں تھی) اُسے اسی حیثیت [illegible] چنانچہ جوزیفس (جو حواریانِ مسیح کا ہمعصر ہے) کی قدیم تاریخ یہود میں یہ صراحت موجود ہے کہ سکندر نے ہیکل یروشلم میں حاضری دے کر وہاں عبادت کی، وہاں کے دینی پیشواؤں کی تعظیم و تکریم کی، اور جب دانیال نبی کی یہ پیشگوئی اُسے دکھائی گئی کہ ایک یونانی فاتح ایران کی شہنشاہی کو برباد کر دیگا، تو وہ اس پیشگوئی کا مصداق اپنے ہی کو سمجھا۔ اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح آج تک لکھی چلی آ رہی ہے، کہ اُس وقت کے یہود اُسے مسیح موعود ماننے کو تیار رہتے۔ (جلد ۱، ص ۳۴۲)۔ ظاہر ہے کہ نہ یہود یہ معاملہ کسی مشرک کے ساتھ روا رکھ سکتے تھے، اور نہ کوئی مشرک فرماں روا خود یہ معاملہ مرکزِ توحید کے ساتھ روا رکھتا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ سکندر کا جابر و قاہر ہونا تاریخ کے مسلمات میں داخل نہیں۔ بہت کچھ مختلف فیہ ہے۔ تاریخ میں اقوال دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ کم از کم شک کا فائدہ تو اسے ملنا ہی چاہیے۔

تیسری عرض یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات تاریخ کو مسلم ہیں کہ شمال و مغرب ہی کی جانب ہوئی تھیں۔ اور مقدونیہ کے مغرب ہی کی سمت میں وہ جھیل ہے جس کا پانی اتنا گندہ ہے کہ سیاہی مائل ہو گیا ہے، اور وہیں سورج ڈوبتا نظر آتا ہے۔ وجدہا تغرب فی عین حمئۃ۔ جھیل کا نام آرکیڈا ہے۔ جس علاقہ میں ہے، اُس کا بھی یہی نام ہے۔ وہ جنوبی سرویا (یوگوسلاویہ) میں مناستر سے ۵۰ میل جانب مغرب واقع ہے۔ جو دریا اس جھیل سے نکلتا ہے اس کا انگریزی نام پانی کے سیاہ رنگ کی مناسبت سے Black Drin ہے۔

اخبار کے مختصر نوٹ میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں، ورنہ تفصیلاً بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ جزم کے ساتھ کسی کی بھی تعیین کرنا یقیناً دشوار ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کی بیان کی ہوئی علامت کا پورا مصداق اب تک کوئی بھی نہیں ملا ہے ——— آخر مستقبل کے طلبۂ قرآن کے لیے بھی تو کوئی موضوعِ تحقیق باقی رہے، یا ساری تحقیقات چودھویں صدی ہجری تک ختم ہو جائے؟ ———

لیکن جہاں تک اغلب اور ارجح ہونے کا تعلق ہے، اسکندر رومی یا یونانی یا مقدونی کا نمبر کسی اور سے پیچھے نہیں۔ اور یہ امر ہمارے قدماء کی عظمت کے لیے بس کرتا ہے۔

حکمتِ ابتلاء

ایک صدق نواز خاتون اپنی ایک سہیلی کی شدید علالت اور انتہائی کرب کا ذکر کر کے ایک مذہبی سوال کرتی ہیں:—

"... اب اللہ کے دربار کی تیاری کر رہی ہیں۔ بظاہر کسی خلافِ شریعت [illegible] میں کبھی مبتلا نہیں رہیں لیکن [illegible] شدید نماز اور ذکرِ الٰہی جاری ہے ——— میں آپ سے اس معاملہ کو صاف کرنا چاہتی ہوں۔ آخر کیا راز ہے کہ ایک فاسق اور بدکار [illegible] کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے، اور ایک نیک کار پر ایسی شدید [illegible] گزرتی ہے۔ اس سوال کا جواب آپ کے قلم سے سننے کو دل چاہتا ہے۔"

شبہہ کی بڑی بنیاد تو اس مغالطہ پر ہے، کہ بیماری، شدید بیماری کے کرب و اذیت کو [illegible] کا کرب و اذیت سمجھ لیا جاتا ہے، اور اس کا تعلق کسی درجہ میں عالم آخرت سے فرض کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تو تکلیفیں تمامتر [illegible] عزیزوں کے مشاہدہ میں آتی ہیں، یہ سرتاسر [illegible] عالم آخرت سے متعلق نہیں، اسی دنیا کی ہیں، جیسے اور تکلیفیں ہوتی رہتی ہیں۔ تو اب گویا سوال یہ ٹھہرا، کہ نیک کار کو دنیا میں سرے سے کوئی تکلیف ہی کیوں پیش آتی ہے؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بدکار کی ساری زندگی رو رو کر، تڑپ تڑپ کر گزرتی، اور نیک کار زندگی کی ہر منزل ہنسی خوشی، مسرت و اطمینان کے ساتھ گزار دیتا!

سوال کا آدھا جواب سوال کی اسی تصحیح ہی سے نکل آتا ہے۔ نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد، اگر اسی دنیا میں فی الفور، اور ہمیشہ نکل آتا، تو کسی دوسرے عالم کی، جزا و سزا والے عالم کی ضرورت ہی سرے سے کیا تھی؟ اس عالمِ ناسوت کی تو آفرینش ہی اسی غرض سے ہوئی ہے کہ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا انسان کو جانچا جائے، پرکھا جائے، عمل سے اس کا امتحان لیا جائے۔ نتیجہ امتحان اُٹھا رہا ہے دوسرے عالم کے لیے پورے شانِ ظہور کے ساتھ۔ گو اس کی کچھ جھلکیاں سی یہاں بھی دکھا دی جاتی ہیں (اور جن کی نظر بہت تیز اور بصیرت بہت صاف ہے، وہ تو جھلکیوں سے زیادہ یہیں دیکھ لیتے ہیں)۔ اس عالمِ اسباب کا دار و مدار تو قوانین مادی و تکوینی پر رکھا گیا ہے۔ آگ کا کام جلانا ہی ہے، خواہ اس کی لپیٹ میں قرآن مجید یا مسجد ہی کیوں نہ آ جائے۔ تلوار کا کام کاٹنا ہے خواہ اس کی زد میں سید الشہداء حمزہؓ یا سردارِ جوانانِ جنت حسینؓ ہی کے جسم کیوں نہ آ جائیں۔ زہر کا کام مارنا، پانی کا کام ڈبونا، ہر حال اور ہر صورت میں ہے۔ زہد و تقویٰ خشیۃ اللہ کوئی شے ان قوانین طبعی کے فعل و انفعال کی مانع نہیں ہو سکتی ——— اب جس کے قویٰ خلقۃً کمزور ہوں گے، یا جو قوانین صحت کی پوری پابندی نہ کر سکا، یا جو اتفاقی طور پر کسی وبائی یا متعدی مرض کا شکار ہو جائیگا، اُسے لامحالہ شدید جسمانی تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، اسے اُس کے زہد و تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ علیٰ ہذا جس کے قویٰ مضبوط ہوں گے، جو ورزش وغیرہ کا پابند ہو گا، جو وبائی اور متعدی امراض سے بچا رہیگا وہ لازمی طور پر جوان اور تندرست ہو گا، خواہ اخلاقی و روحانی اعتبار سے کیسا ہی پست ہو۔

قرآن کا وعدہ صرف اس قدر ہے کہ ہر نیکی اپنے وقت معین پر، اور ہر بدی اپنے وقت معین پر، اپنا ثمرہ دکھا کر رہیگی ——— بیج اپنے وقت پر یقیناً ایک تناور زبردست درخت بن کر رہیگا، بہت زمین گھیر لیگا، بڑی گھنی چھاؤں پھیلائیگا، بیسیوں شاخیں، سیکڑوں ٹہنیاں، ہزاروں پتیاں پیدا کریگا، لیکن ابھی تو سردست تو ساری ظاہری نگاہیں، اُسے زمین میں غائب ہوتے، مٹی کے اندر ٹپ جاتے دیکھ رہی ہیں ——— نتائج عمل کا ظہور اگر تعجیل کے ساتھ فی الفور ہونے لگتا، ہر شراب خوار کا منہ شراب کے پہلے قطرہ کے ساتھ گندگی اور

... یہ جھٹکے دینے لگتا، ہر تمام کائنات کے اعضا سے بھی تخلیق کا ہی کی ملی حرکت کے ساتھ ہی مٹرنے شروع ہو جاتے، تو سطح زمین پر نہ ایک کافر کا وجود رہ جاتا نہ ایک فاسق کا۔ اضطراراً سب کے سب مومن و متقی اور صالح ہوتے۔ عالم ابتلا کی مصلحت جاتی رہتی، ہو جاتی، اور آزمائش و امتحان کے اغراض کے لیے پھر کسی نئے عالم کی آفرینش کی ضرورت پڑ جاتی۔

یہی کائنات کے ہر جزوی واقعہ کی حکمت، سو ایک ایسی بیماری کے کرشمے دیکھنا ہو تو نہ ہے یہ جو ہر روز قحط پڑتے رہتے ہیں، سیلاب آتے رہتے ہیں، آگ لگتی رہتی ہے، بجلیاں گرتی رہتی ہیں، ریلیں لڑتی رہتی ہیں، جہاز ڈوبتے رہتے ہیں، ڈاکے پڑتے رہتے ہیں، گھر اجڑتے رہتے ہیں، وبائیں پھوٹتی رہتی ہیں، زہریلے اور جنگلی جانوروں سے ہلاکتیں ہوتی رہتی ہیں، ان میں سے کسی کی پوری توجیہ عقل بشری آج تک کر سکی ہے؟ اسی طویل فہرست میں بیماری کی شدت کو بھی شامل کر لیا جائے۔ باقی بیماری سے بیمار کے معاصی کا دھلنا، بیماری کا اُس کے گناہوں کے حق میں کفارہ ہو جانا، بیماری کی شدائد سے اُس کے مرتبہ کا بڑھنا، یہ سب چیزیں احادیث نبوی سے ثابت ہیں۔ اور اس لیے کوئی مسلمان اس حال میں مبتلا ہو کر گھاٹے میں نہیں، نفع ہی میں رہتا ہے۔

پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ خود ہمارا مشاہدہ کب کامل، قطعی و ہمہ گیر ہو سکتا ہے؟ کامل و ہمہ گیر علم تو صرف عالم الغیب ہی کا ہو سکتا ہے۔ اسکا احتمال انسانی علم کے لیے ہمیشہ ہی موجود ہے کہ جسے ہم بہتر متقی سمجھ رہے ہیں، وہ چھپا رستم ہو، اور جو پیکر فسق نظر آ رہا ہے، اُس کا صرف ظاہر ہی خراب ہو۔ بشری علم و مشاہدہ تو کبھی بھی حسن ظن و سوء ظن کے حدود سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا۔

آنکھ کا فتنہ

"جتنے حواس کا اوپر ذکر گزر چکا (لامسہ، ذائقہ، شامہ و سامعہ) وہ سب شہوانی زندگی میں محرک ہونے کی حیثیت سے گھٹ اور نیچ ہیں اُس قوی ترین محرک اعظم 'حاسہ باصرہ' کے آگے۔ ممکن ہے کسی کو اس بیان سے اختلاف ہو، لیکن اسکی صداقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم اسکا خیال کرتے ہیں کہ آنکھ ہمیشہ تلاش حسن و جمال میں رہا کرتی ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ حسن و جمال ہی وہ شے ہے جو عشق و شہوانیت کو بھڑکاتا رہتا ہے۔"

(Woman and Love جلد ۲۔ ص ۲۲۳)

دنیا کے ڈاکٹر برنارڈ ایرک یہ تحقیق نفسیاتی، عضویاتی، حیاتیاتی تجربات کے دفتر کے دفتر چھان ڈالنے کے بعد اب بیسویں صدی میں ہے، اسکے مقابلہ میں خیال عرب کے اُس اُمی اور دنیا سے انسانیت کے اُس حکیم اعظم کا کیجیے جسکی شریعت نے ساتویں ہی صدی عیسوی سے مرد و عورت دونوں کو الگ الگ حکم دے رکھا ہے کہ نظریں نیچی رکھو۔ نامحرم پر حتی الامکان نظر ہی نہ پڑنے دو!

—— اسلام نے سب سے زیادہ زبردست پہرہ فتنہ کے اسی دروازہ پر بٹھا لیا ہے، اور اسلام اور عورت دونوں کے دانا دشمن کی تقلید میں دونوں کا نادان دوست بھی آج اسی سیبد سے بڑی حفاظتی قوت کے درپے ہو رہا ہے!

فتنہ سامانیاں

"..... آج یورپ اسی معکوس تمدن کا علمبردار بن کر اپنے گھروں کو اجاڑ کر اب مشرق کے گھرانوں کو اُجاڑنے کے درپے ہو رہا ہے۔ اسکول اور کالج کی وہ کتابیں جنکے متعلق مرحوم لسان العصر نے فرمایا تھا۔

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

ان کتابوں کے زہریلے آثار و نتائج بتدریج مشرقی ممالک کے خاندانوں میں سرایت کر رہے ہیں۔ ان کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ بچوں کو پال کر جوان کر دے، اور باپ کا فریضہ فقط یہ ہے کہ جہاں سے بھی ہو اسکول اور کالج کی زندگی کے مصارف، جن میں فیشن، سینما، رقص و سرود وغیرہ کے مصارف بھی داخل ہیں، انکی اپنی صاحبزادی کے لیے مسلسل کرتا رہے۔ اور جب پچیس تیس سال کی عمر کے بعد صاحبزادی میں کچھ کمانے کھانے کی صلاحیت پیدا ہو تو نسوانی حقوق کے محافظ بن کر وہ اپنے جوشے کے ساتھ جہاں جی چاہے "ہنی مون" مناتے پھریں۔ بڈھی ماں خبطی اور کھوسٹ باپ شہر کے جس کوچہ اور گاؤں کی جس گلی میں چاہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیں۔ آج اس خبیث مغربی تمدن کی موجیں شریف گھرانوں کو ٹکریں دے رہی ہیں، اور کتنے خاندان گر چکے ہیں۔" (جامعہ عثمانیہ میں اردو دکن کے تعزیتی جلسہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی تقریر)

افسوسناک اور دردانگیز چاہے جس قدر بھی ہو، مبالغہ آمیز آپ اس تصویر کے کسی جزو کو بھی کہہ سکتے ہیں؟ عجب نہیں جو اکثر صورتوں میں تو اس تصویر کا رنگ بجائے گہرے ہونے کے ہلکا ہی ثابت ہو۔

بے پردگی کے ثمرات

بمبئی میں لڑکیوں اور عورتوں کے جتنے شرمناک واقعات ہوتے رہتے ہیں انکی تعداد پورے ملک کے واقعات کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ یہاں پردہ نہیں ہے اور یورپین تہذیب مشرقی تہذیب و تمدن پر غالب آ گئی ہے۔ ایک مکان میں سیکڑوں آدمی رہتے ہیں اور عورتوں اور لڑکیوں کو مردوں سے ملنے جلنے اور باتیں کرنے کا بہت زیادہ موقع ملتا رہتا ہے، اور جو خاندان پورے فلیٹ میں رہتا ہے وہ اپنے تمول کی وجہ سے یورپین تہذیب و تمدن کا مقلد ہو جاتا ہے اور یورپین تہذیب کا پہلا زینہ "بے پردگی" ہے اور دوسرا "بے حیائی" ہے۔ بے حیائی سے مراد ہے شانہ تک بانہیں اور سینہ تک گردن عریاں رکھنی۔ ساڑی یا دوپٹہ اتنا باریک ہونا کہ باپ بھائی دیکھ کر شرما جائیں اور ساڑی کے پلو کا بار بار شانہ سے ڈھلک جانا اکہ ایک طرف کا سینہ کھل جائے۔ چہرہ پر غازہ پوتنا، اور بھووں کو گوندے باریک بنانا۔ ہونٹوں پر سرخی لگا کر ہاتھ میں شوہ لیکر مردوں کی مجلس میں بے محابا گھس جانا۔ غیر مردوں سے تھوڑی دیر میں بے تکلف ہو جانا۔ اور باپ بھائی یا شوہر کو ساتھ لیے بغیر دوست احباب سے ملنے جانا۔ یہ انحطاط صرف شادی شدہ عورتوں ہی تک محدود نہیں ہے کنواری لڑکیاں بھی یہی کرنے لگی ہیں۔ اور اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو دہی فرسودہ جملے کہدیتی ہیں "یہ زمانہ روشنی کا ہے اندھیرے کی باتیں نہ کیجیے" یا وہ جملہ دہرا دیتی ہے جو فلموں کی کنواری ہیروئن اپنے باپ سے کہا کرتی ہے۔ اس حیائی کا لازمی نتیجہ یہی ہے جو بمبئی میں روزانہ دیکھنے یا سننے میں آتا رہتا ہے۔ ناجائز تعلق، اغوا، تبدیل مذہب، شوہر سے جنگ، ضبط تولید پر عمل، بے عزتی، عصمت فروشی، رسوائی، ذلت، خاندان کی ...

([illegible])

نئی دنیا

(تقریر:- ڈاکٹر سر محمد ظفر اللہ خاں رکن قانون حکومت ہند)

(۳)

حقیقت یہ ہے کہ ملکوں اور قوموں کے معاملات میں خرابی اسی وقت پیدا ہوتی شروع ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد سمجھنے لگ جاتی ہیں۔ حالانکہ جس طرح افراد پر اخلاقی ذمہ داری ہے ویسے ہی قوموں پر بھی ہے۔ جس طرح ایک فرد کے لیے لالچ، حرص، ظلم، جھوٹ نقصان دہ ہیں اسی طرح قوموں ملکوں اور حکومتوں کے لیے بھی یہ امور ناپسندیدہ ہیں۔ جس طرح ایک فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہے اور سوسائٹی کا مفید رکن بننا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ کمزوروں کی امداد کرے اور ان کے لیے ترقی کا سامان پیدا کرے اور اپنے بھائی کو حقیر نہ سمجھے اسی طرح قوموں، ملکوں اور حکومتوں کے لیے بھی ان امور کی ویسی ہی ضرورت ہے۔ اور جب تک دنیا کی اقوام اور حکومتیں ان اصول کو مد نظر نہ رکھیں گی کبھی دنیا میں امن قائم نہ ہوگا اور وہ نئی دنیا جس کے بنانے کی خواہش دلوں میں پیدا ہو رہی ہے کبھی وجود میں نہ آئیگی۔ اسی جنگ کو دیکھو جو اسوقت لڑی جا رہی ہے۔ اسکی سوائے اسکے کیا وجہ ہے کہ بعض ملک اپنی ذاتی ترقی پر قانع نہیں ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے ملکوں اور اپنی سرحدوں کے پار اور دور جاکر دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں پر حکومت کریں۔ اور انکی دولت و مال سے فائدہ اٹھائیں۔ اس خواہش کو سوائے دلوں کی اصلاح اور اخلاق کی درستی کے کونسی چیز دبا سکتی ہے طاقت سے اگر یہ خواہش دبا بھی دی جائے تو پھر کچھ سال کے بعد دوبارہ کسی اور شکل میں اور شاید کسی اور قوم میں یہی خواہش پھر ظاہر ہو جائیگی۔ لیکن اگر دنیا یہ فیصلہ کر لے کہ سب کی سب اقوام انسانی افراد کی طرح اپنے آپ کو اصول اخلاق کے تابع سمجھیں گی اور ان پر اسی طرح کاربند ہوں گی۔ جیسے کہ انسانی افراد کی نسبت امید کی جاتی ہے کہ وہ کاربند ہوں تو یقیناً ملک گیری کی ہوس نہ صرف ایک قوم کے دل سے بلکہ سب قوموں کے دل سے اور نہ صرف ایک وقت کے لیے بلکہ ایک لمبے عرصہ تک کے لیے نکل جائیگی۔

وہ مقدس کتاب جسکے پیرووں میں ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے اس بارے میں نہایت لطیف تعلیم دیتی ہے۔ وہ فرماتی ہے:- لا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحيوة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خير وابقى۔ یعنی چاہیے کہ کوئی قوم اس دولت اور طاقت اور سامانوں کی فراوانی کی طرف جو دوسری بعض اقوام کو حاصل ہوں، آنکھیں اٹھا اٹھا کر نہ دیکھے۔ یہ تو سب کچھ زندگی کی زیبائش کی اشیاء ہیں اور انکی پیدائش کی غرض صرف یہ ہے کہ انکے ذریعہ سے اقوام کی اندرونی قابلیتوں کو ظاہر کیا جائے۔ اور خدا تعالیٰ نے جس ملک کی ترقی کے لیے جس رنگ میں سامان ذاتی قابلیتوں کے اظہار کے لیے موجود ہیں تو پھر قوموں کو ایک دوسرے پر تصرف پیدا کرکے انکے معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی طرح یہی مقدس کتاب فرماتی ہے، ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا، تتخذون ايمانكم دخلا بينكم ان تكون امة هي اربى من امة۔ یعنی اس عورت کی طرح مت بنو جو سوت کات کات کر ڈھیر کرتی رہی اور جب کافی مقدار سوت کی جمع ہوگئی تو بجائے اسکے کہ اس سے کپڑا بننے کا کام لیتی اس نے اس سوت کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سوت کے تیار ہو جانے سے بھی کسی قسم کی رونق کا نفع بھی اُسے حاصل نہ ہوا بلکہ اُس کی کوشش اور محنت اور مال سب ہی اکارت گئے۔ یہ مقدس کتاب بتاتی ہے کہ یہ مثال اُن قوموں اور ملکوں کی ہے جو آپس میں معاہدات کرتے ہیں۔ اور بظاہر دنیا میں امن قائم کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں اُن معاہدات اور جدید تعلقات کے ذریعہ سے اپنی معاہد قوم سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اور اُسکے اندرونی نظام میں رسوخ اور نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہیں جس سے دلوں میں کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور گو ایک قوم طاقتور اور دوسری کمزور ہو جاتی ہے مگر وہ اتحاد جو معاہدہ کی اصل غرض ہے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اُسکے پیدا ہونے کا امکان بھی مٹ جاتا ہے۔ جس طرح تاگے کو اگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ دیا جائے تو اُس سے گرہ باندھنے کا کام ناممکن ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں امن قائم رہے تو اس قسم کے معاہدات کبھی نہ کرو، بلکہ چاہیے کہ تمہارے معاہدات کی غرض اقوام کے رشتے کو مضبوط کرنا ہو اور کمزور قوموں کو دبا کر انکو اور کمزور کرنا اور اُن سے فائدہ اُٹھانا مد نظر نہ ہو۔

دونوں ایسے زریں اصول ہیں کہ اگر مد نظر رکھے جائیں تو دنیا فساد سے بکلی محفوظ ہو جاتی ہے اور ایک ایسی دنیا کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے کہ جو موجودہ دنیا سے بالکل نئی فتنوں سے پاک اور امن اور صلح کے سامانوں سے پُر ہو۔

غرض ایک نئی دنیا صرف سیاسیات اور موجودہ حالات کی معمولی درستی سے کسی صورت میں پیدا نہیں کی جا سکتی۔ ایسی تمام کوششیں رائیگاں جائینگی اور فساد اگر آج مٹا یا جائیگا تو کل پھر پیدا ہوگا۔

اس نئی دنیا کی بنیاد صرف اور صرف اخلاق فاضلہ پر ہی رکھی جا سکتی ہے جبکہ بنی نوع انسان یہ فیصلہ کر لیں کہ اقوام اور حکومتیں بھی اخلاق کی حکومت کے تابع رہیں گی اور مختلف ناموں اور مختلف بہانوں سے غیر قوموں اور غیر ملکوں کو کمزور رکھ کے اپنی قوت بڑھانے کی کوششوں کو کلی طور پر ترک کر دیں گی جب تمام بنی نوع انسان اس مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیں گے، اور جن سے غلطی ہو چکی ہے وہ اسکی اصلاح کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے تب یقیناً ایک ایسا نظام دنیا میں قائم ہوگا جو پائدار بھی ہوگا اور پُر امن بھی۔ اور جس میں چھوٹی اور بڑی قومیں اور کمزور اور زبردست قومیں یکساں امن سے بسر کر سکینگی۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ حرص اور لالچ جو اسوقت دنیا کے امن کو برباد کر رہے ہیں انکا قلع قمع کرنے کے لیے مناسب تدابیر کی جائیں۔ ان تدابیر کو اختیار کرکے ہی دلوں کے اندر وہ صفائی پیدا کی جا سکتی ہے جسکا پیدا ہونا نئی دنیا کے ظہور کے لیے ضروری ہے۔ یہ تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:-

اول۔ چاہیے کہ سود کو دنیا سے بالکل مٹا دیا جائے۔ کیونکہ ایک تو سود کے کاروبار سے مال جمع کرنے اور بڑھانے کی حرص کو حد سے زیادہ بڑھاوا ملتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرص بڑھ جائے تو پھر اسکی حد میں رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اور ایسی بڑھی ہوئی حرص ہی قوموں پر قوموں کی چڑھائیوں اور ظلموں کا موجب ہوتی ہے۔ پھر سود کے ذریعہ سے دنیا کی دولت چند ہوشیار لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور ایک تو خود اُن کے ملک کا بہت سا حصہ غربت اور افلاس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دوسرے جب انکے اپنے ملک میں ترقی کے ذرا

مقروض ہو جاتے ہیں۔ تو پھر سود خوار لوگ اپنا اپنی حکومتوں پر تصرف حاصل کرکے غیر قوموں کو لوٹنے کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس طرح فساد اور جنگ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

میرے نزدیک دنیا کے ایک ترین دوزخ میں سے ایک دن وہ تھا جبکہ مختلف اقوام نے یہ قرار دیا۔ کہ سود دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو غریبوں سے لیا جاتا ہے یہ تو ناجائز ہے۔ اور دوسرا وہ جو تجارتی کاروبار کے لیے ہو۔ یہ البتہ جائز ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ دونوں قسم کے سود ناجائز ہیں اور لعنت ہیں۔ جو سود غریبوں سے لیا جاتا ہے وہ افراد کے لیے لعنت ہے اور جو تجارتی کاروبار کے لیے لیا جاتا ہے وہ قوموں اور حکومتوں کے لیے لعنت ہے۔ اس سود کی وجہ ہی سے موجودہ زمانہ کی اکثر جنگیں لڑی گئی ہیں۔ اور یہی سود جنگ کو مالداروں کا مشغلہ بنائے رکھتا ہے۔ اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ان دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کرکے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ سود بھی حرام ہے جو غریبوں سے لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو تاجر اور کارخانہ دار اور دیگر پیسے لوگوں کو روپیہ دے کر لیا جاتا ہے بلکہ قرآن کریم نے صاف فرما دیا تھا کہ ایسے سود کا نتیجہ جنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے حالات نے اس سچائی کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے۔

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام تجارتی کاروبار سے نہیں روکتا بلکہ تجارتی کاروبار اور شراکتوں کے لیے ایسے اصول اسلام نے وضع کر دیے ہیں جن پر عمل کرنے سے افراد اور قومیں سود کی مضرتوں سے محفوظ رہتے ہوئے زیادہ انفرادی اور قومی فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

دوسرے۔ چاہیے کہ روپیہ جمع کرنے کے امکانات کو کم کیا جائے۔ کیونکہ ان سے بھی حرص بڑھتی ہے۔ اور چند افراد کو قوموں اور ملکوں پر بغیر ذاتی قابلیت کے حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ جس شخص کے پاس روپیہ کی صورت میں دولت ہو اُسکے راس المال پر نہ کہ اُسکے نفع پر حکومت ایک ٹیکس لگا دے۔ اس طرح ایک طرف تو لوگ روپیہ جمع کرنے کی عادت چھوڑنے پر مجبور ہونگے۔ اور روپیہ بیکار پڑا رہ کر ملک کی مالی حالت کی خرابی اور چند افراد کی ناجائز طاقت کا موجب نہ ہوگا۔ اور دوسری طرف اس ٹیکس کی آمد قوم کے کمزور حصہ کو ترقی دینے میں صرف ہو کر تمام قوم کی ترقی اور مضبوطی کا باعث ہوگی۔

تیسرے۔ یہ قانون جو بعض ممالک میں رائج ہے کہ ورثہ صرف بڑے لڑکے کو ملتا ہے۔ اس سے بھی مصنوعی ذریعہ سے بعض افراد کو طاقتور بنا دیا جاتا ہے اور ایک طرف تو جھوٹے تفوق کا خیال بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف چند افراد کو نسلاً بعد نسلٍ ایسی قوت دیدی جاتی ہے جو انکو دوسرے بنی نوع انسان پر ناجائز حکومت کرنے کا موقع دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے تمام قانون جو وراثت کو محدود کرتے ہیں بالکل منسوخ ہونے چاہییں، تاکہ مال اور طاقت بعض خاص افراد کا حق بنکر نہ رہ جائیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی شخص مال اور دولت میں ترقی کرے تو اسکی دولت اور اسکا مال اسکے بعد لازماً اس کی تمام اولاد اور دیگر رشتہ داروں میں تقسیم ہو کر اس خاندان کو دوبارہ اپنے سے چھوٹے خاندانوں کی صف میں لا کھڑا کرے۔ یہاں تک کہ ایک دو نسلوں میں وہ باقی لوگوں کی طرح ہو جائیں۔ اور اُن میں سے وہی لوگ ترقی کریں جو ذاتی قابلیت رکھتے ہوں۔ اور انکی ترقی اُنکے ملک اور باقی دنیا کیلیے مفید ہو۔

چوتھے۔ تمام بنی نوع انسان کو برابر قرار دیا جائے۔ اور کسی نسل اور قوم کو دوسری نسلوں اور قوموں سے برتر تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں بھی ایک قوم کو دوسری قوم پر اور ایک نسل کو دوسری نسل پر حکومت کرنے یا حاصل شدہ حکومت کو قائم رکھنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

پانچویں۔ سب حکومتوں کا فرض قرار دیا جائے کہ تمام افراد ملک کے کھانے کپڑے۔ مکان اور تعلیم کی ذمہ دار ہوں۔ تاکہ وہ ہزاروں روحیں جو بھاڑ کی وادیوں میں پیدا ہونے والے پھولوں کی طرح بغیر اپنی قابلیت کا جوہر دکھائے دنیا سے گزر جاتی ہیں انھیں اپنی قابلیتوں کے جوہر دکھانے کے موقع حاصل ہوں اور دنیا فطرت کے ان قیمتی خزانوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ اور حکومت طاقت اور اختیارات صرف چند خاندانوں یا افراد کا حق نہ بنے رہیں۔

چھٹے۔ نقد روپیہ کے عوض تجارت کے طریق کو جہاں تک ہو سکے کم کیا جائے اور تبادلۂ اشیاء کے طریق کو زیادہ سے زیادہ رائج کیا جائے تاکہ مالدار اقوام غریب ملکوں کی دولت کو سستے داموں نہ لوٹ سکیں۔ اگر ان تجاویز پر عمل کیا جائے تو اس سے انسانی ذہن میں ایسی تبدیلی پیدا ہونی ممکن ہے جو اسے لالچ اور حرص سے آزاد کر دے۔ اور اقوام آپس میں محبت اور پیار سے رہ سکیں۔

لیکن چونکہ باوجود پوری احتیاط کے پھر بھی بعض دفعہ خرابی کہیں نہ کہیں سے پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے اس نئی دنیا کو دوام اور ثبات عطا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ سب حکومتیں اور قومیں اس نفسی نفسی کی پالیسی کو جو اب رائج ہے ترک کر دیں۔ اور سب مل کر یہ عہد کریں کہ اگر آئندہ کوئی ملک یا قوم بھی اگر کوئی اور ملک پر حملہ کرے گا۔ تو اول تو وہ بیچ بچاؤ کرکے صلح کرانے کی کوشش کرینگی۔ اور اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی ساری قومی طاقت کے ساتھ ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کریں گی۔ جب تک تمام یا اکثر حکومتیں اس ذمہ داری کو قبول نہ کرینگی ظلم دور نہ ہوگا۔ اگر منچوریا اور ابی سینیا کی جنگوں کے موقع پر دنیا کی حکومتیں اپنی ذمہ داری کو سمجھتیں اور ادا کرتیں تو آج کی جنگ کبھی نہ ہوتی۔ اور جو نقصان دنیا کو آج ہو رہا ہے، اُس وقت اس سے ہزاروں حصے کم نقصان اٹھا کر امن ایک لمبے عرصہ کے لیے قائم کر دیا جاتا۔

بغیر ان تدابیر پر عمل کیے ایک نئی دنیا کے بنانے کا خیال محض ایک وہم ہے جو کسی صورت میں پورا نہیں ہو سکتا۔ مگر اصل اور یقینی ذریعہ جس سے ایک نئی دنیا پیدا کی جا سکتی ہے اور جس میں یہ سب تدابیر اور انکی تمام تفاصیل شامل ہیں، یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان اُس خدائے قدیر و حکیم کی طرف جھکیں، جو دنیا کا پیدا کرنے والا ہے اور جو انسان کی پیدائش کی غرض کو خوب جانتا ہے۔ اور اُس سے عرض کریں کہ اے رحمتوں اور فضل والے خدا! تو نے ہم کو ہر قسم کے آرام اور راحت کے سامان بخشے تھے، مگر ہم نے اُن سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور اُن ہی سامانوں کو اپنے لیے زحمت اور عذاب کا سبب بنا لیا۔ اب تو ہم پر رحمت کی نظر سے دیکھ۔ ہم اپنے ہاتھوں کے کیے سے بیزار ہو کر تیری طرف اور صرف تیری طرف جھکتے ہیں اور تیری خالص توحید کا اقرار کرتے ہوئے تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو ہم پر اپنا فضل اور رحم فرما۔ اور اس دنیا کو ہمارے لیے آرام و سکون کی جگہ بنا دے۔ اور وہ نیا نظام قائم کر دے جس سے ہمارے یہ دکھ دور ہو جائیں۔ اور اگر اس نظام کے قیام کا سامان تو نے پیدا کر دیا ہے تو ہماری توجہ اس طرف پھیر دے اور ہمیں اسکے قبول کرنے اور اس سے

انتظار تھا۔ شمالی ہند کے ایک مشہور ناشر قرآن سے مراسلت ہو رہی ہے اور امید ہے کہ ان شاء اللہ دو ہفتہ میں شرائط معاملت طے ہو جائینگے۔ کاغذ اور سارے سامان طباعت کی اس غیر معمولی گرانی کے زمانہ میں اس تفسیر کی طبع و اشاعت کا انتظام ہو جانا عجائب قدرت میں سے ہے۔ لیکن حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت کے لئے تو عقل بشری کو حیران کر دینے والے ایسے عجیبے روز ہی صادر ہوتے رہتے ہیں: وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

پچھلے ہفتہ رقوم ذیل بہ مد اعانت قبول کی گئیں:۔

۔ اگست	ایک مخلص از دیناجپور (قسط ۲)	۵ہ
۔۔	ایک عنایت فرما از ضلع خاندیش علاقہ دکن	۵ہ

سدِ سکندری

لکھنؤ سے ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

"صدق میں ذو القرنین قرآنی" پر آپ کا مفصل نوٹ پڑھا۔ ایک شبہ پھر بھی باقی رہ گیا۔ وہ یہ کہ ذو القرنین سے مراد اگر سکندر یونانی ہی ہے تو اسکی سد کا ذکر تاریخوں میں ضرور آنا چاہیے تھا۔ قرآن مجید نے ذو القرنین کی بڑی پہچان تو یہی سد بتائی ہے۔ آپ کے نوٹ سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی"

وہ شذرہ ذو القرنین پر کوئی مستقل مقالہ تو تھا نہیں جس میں سارے ضروری پہلوؤں سے بحث کی جاتی۔ اسکا مقصد تو صرف اس قدر تھا کہ جن تین دلائل کی بنا پر سکندر یونانی کے ذو القرنین ہونے سے انکار کیا گیا ہے، وہ بنیادیں خود ہی ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں۔ سدِ سکندری کی بحث پھر کسی موقع پر آتی اور ضرور آتی۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ وسطی ایشیا میں شہر بخارا سے کوئی ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر سمت جنوب و مغرب میں ایک مقام دربند ضلع حصار میں واقع ہے (اس دربند سے دھوکا اس دوسرے دربند کا نہ ہو، جیسا بہتوں کو ہو چکا ہے، جو قفقاز میں بحر خزر کے قریب واقع ہے) یہ وسطی ایشیا والا دربند اس بڑی شرک کے کنارے ہے جو ہندوستان اور ترکستان کے درمیان ہے۔ اسکا طول البلد ۶۷ درجہ شرقی اور عرض البلد ۳۸ درجہ شمالی ہے۔ سکندر اعظم اپنی تیسری فوجکشی میں اسی علاقہ تک گیا تھا (جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں مضمون "مقدونی فتوح" کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے) یہیں وہ فصیل ہے جو روز سکندری کی یادگار ہے۔ اسکا نام اسکندر قل ہے۔ یہیں وہ مقام ہے جسے اب ترکستانی زبان میں قولقا [illegible] ہے، لیکن پہلے باب الحدید یا درہ آہنی کہتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں ایک چینی سیاح نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ یہاں دو پہاڑیوں کے درمیان دو بڑے آہنی پھاٹک ہیں۔ اس دربند کے مختصر حالات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۵ طبع یازدہم میں ملینگے۔

احمدیت کا حملہ

ایک مسلم معاصر کا اقتباس:۔

"لاہوری احمدی جماعت اس سال ایک تبلیغی پروگرام بنا رہی ہے، انکے امیر جماعت نے حکم دیا ہے کہ ہر لاہوری احمدی عام مسلمانوں سے، دس میں آدمیوں کو چن لے اور ہر ممکن ذریعے سے کوشش کرے کہ وہ احمدی بن جائیں۔ اس سال کم از کم ہزار آدمیوں کو اس تبلیغ کے لیے چنا جائیگا اور انھیں ایک فرقہ سے نکال کر دوسرے فرقہ میں شامل کیا جائیگا"

یہ تازہ فرد عمل اس فرقہ کی ہے، جسکا اب تک سب سے بڑا دعویٰ یہی تھا کہ وہ ہر فرقہ وارانہ سوال سے الگ ہے، اور وہ تبلیغ احمدیت کی نہیں، اسلام کی کرتا رہتا ہے!

یقین تھا کہ لاہوری جماعت کا سرکاری گزٹ اسکی پرزور تردید کریگا، لیکن حیرت اور تاسف دونوں کے ساتھ آنکھوں کو بجائے تردید کے منظر تائید کا دیکھنا پڑا:۔

"ہمارا پروگرام اس جماعت کو مضبوط کرنے کے لیے ہے، جسکا مقصد وحید اعلاء کلمۃ الحق ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں خدا اور خدا کے رسول کا نام بلند کرنا ہے"

"ہم ہر مسلمان کو جسکے قلب میں غیرت اسلام ہے اور جسکی آنکھوں کے سامنے غلط بینیوں اور غلط فہمیوں کی دھند نہیں، دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس جہاد بالقرآن میں ہمارا شریک ہو۔ بدنصیب اس جہاد بالقرآن میں ہمارا شریک ہونا نہیں چاہتا اسکی بدبختی پر ہمیں افسوس ہے"

گویا اسلام کا نام آج تک جو باہر سے بھی بڑی تحریکیں اٹھی ہیں، انھوں نے اپنا مقصد اپنی زبان سے اسکے سوا کچھ اور بتایا تھا؟ گویا انھیں نے کہا تھا کہ ہم خدا کی نہیں، خودی کی تبلیغ کے لیے اٹھے ہیں؟ گویا قرامطہ اپنے کو خدا کا نہیں، شیطان کا ایجنٹ بتاتے تھے! گویا بہائیہ اپنا مقصد حیات، اعلاء حق کے بجائے اعلاء باطل بیان کرتے ہیں! گویا اہل قادیان جب وہ صف خودی گویم" پر آتے ہیں، تو اپنے کو اس سطح سے کچھ بھی نیچا رکھتے ہیں!

—— رہیں اس قسم کی اخباری سرخیاں کہ "ہم صداقت بناہ میں ہیں"، تو یہود و نصاریٰ تو اس سے بھی بڑھ بڑھ کر تعلّیوں کے مظاہرے پیش کر چکے ہیں، نحن ابناء اللہ و احبائہ۔ وقس علیٰ ہذا۔ قادیان کے نائبوں کے مسلسل طعن کے جواب میں یہ مانا کہ لاہوریوں کو بھی کثرت تعداد پر توجہ کرنی ہی پڑ گئی ہے، لیکن یہ کیا ضرور تھا کہ اس ضرورت کو مسلمانوں کے ہمدرد و خادم ہی پر جا پڑ کر پورا کر دیا جاتا؟ اور "پیغام صلح" کے دعوے کو پیغام جنگ میں تبدیل کر دیا جاتا!

مشن کی کامیابیاں

"اعلیٰ تعلیم یافتہ عیسائیت کی کوشش ہندوؤں میں کہیں زیادہ کامیاب رہی ہے بہ مقابلہ مسلمانوں کے۔ ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں مسلمانوں، خصوصاً اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں نے ہمیشہ اس تعلیم کے قبول کرنے سے بے رغبتی ظاہر کی ہے، جو کہ اسکولوں اور کالجوں کے ذریعہ سے پیش کی جاتی رہی ہے ... مذہبی جوش و غلو کی بنا پر تو کبھی کبھی مغربی تمدن کی ضرورت ہی سے انکار کر بیٹھتے ہیں" (سر جان اسٹریچی کی "انڈیا" صفحہ ۲۵۰)

بات کچھ نہیں پچاس پچپن سال ادھر سے متعلق ہے۔ خوش ہونا چاہیے کہ انکی کوششیں بارآور ہوئیں، مسلمانوں کی غیرت و خودداری نے شکست کھائی۔

اور اب الحاد و انگریز گیا، انکا ایمان بھی صاحب کے علوم و فنون پر ہے
ان سوانح کے باوجود [تعلیم نسواں میں] کچھ نہ کچھ ترقی نہ ہوئی
ہی ہے ...... وہ بھی زیادہ تر جنوبی ہند میں جہاں شمال کے
مقابلہ میں پردہ ہلکا ہے۔ مدراس میں ۱۸۸۱ء میں کل ۱ ہزار لڑکیاں
اسکولی تعلیم میں تھیں۔ ۱۸۹۱ء میں انکی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار
تک پہونچ گئی۔ یہ ترقی جو کچھ بھی ہوئی ہے زیادہ تر نتیجہ ہے
زنانہ مشن کا۔ سرکاری اسکولوں سے زیادہ انھیں مشن
اسکولوں میں لڑکیاں زیر تعلیم ہیں اور زنانہ مشن کی لیڈیاں
خود ہندوستانی گھرانوں کے اندر بھی کم و بیش دنیوی علوم کی
تعلیم دیا کرتی ہیں" (ایضاً - ص ۲۵۱)

تجدد کو مبارک ہو کہ اسکے نصیب اور علاً ملبعت مشن والوں اور مشن والیوں
کی کوششیں بارگر ہوئیں۔ اسلامی غیرت، خودداری کا قلعہ" ! کچھ تیا کا ٹم
والوں کے ہاتھوں رفتہ رفتہ مسمار ہو کر رہا، خاتون اسلام کے حجاب رخصت ہو گئیں!
کھل گئے دروازے بارشاہ مشرق کو حجاب ۔ فلک ہم حجاب کا ، دل اسکے یورپ کے گرد
شداحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست ۔ آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید!

دخترکشی اور اسلام

" ہندوستان میں پنجاب کی گکھر قوم
میں دخترکشی کی رسم نامعلوم زمانہ سے چلی آرہی تھی۔ اور
ہندوستان کے مختلف حصوں میں اس کا رواج بطور ایک
مستقل رسم کے تو ابھی انیسویں صدی کے ثلث آخر تک
رہا ہے" (انسائیکلو پیڈیا آف انڈیا - جلد ۲، ص ۳۶۳)
اسکے آگے تفصیل درج ہے کہ یہ رسم علاوہ پنجاب کے، اودھ، بنارس،
گجرات، نیلگری، کچھ، راجپوتانہ، اور بلوچستان کے فلاں فلاں علاقوں میں
پھیلی ہوئی تھی۔ برٹش گورنمنٹ کو اسکی اطلاع ۱۷۸۹ء میں ہوئی تھی،
اور اسی وقت سے روک تھام کی کوششیں شروع ہو گئیں، بذریعہ قانون
بھی اور بذریعہ افہام و تفہیم بھی۔ ۱۷۹۵ء میں، ۱۸۲۱ء میں، ۱۸۲۵ء میں،
۱۸۳۴ء میں برابر ان کوششوں کی تجدید ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ آخری بار
۱۸۷۰ء میں، بلکہ ۱۸۷۲ء میں اس جرم کی مثالیں پولیس کے علم میں آئیں۔
ان واقعات سے دو نتیجے تو بالکل کھلے ہوئے نکلتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جو قومیں اسلام کے اصلاحی اثر سے باہر رہیں، وہ کتنی مدتوں
تک کیسی اخلاقی پستیوں میں پڑی رہیں۔ زمانہ گزرتا گیا، دنیا ترقی کرتی
گئی، لیکن وہ بدستور انسانیت سے محروم بنی رہیں۔

(۲) حکومت انگریزی کو باوجود اتنے قوت و اقتدار کے، رسم کے مٹاتے مٹاتے
اسّی سال کا زمانہ لگ گیا ــــــ اسلام نے اس سے کتنی کم مدت
میں، اور عرب جیسی اُجڈ قوم میں، بغیر اسکولی تعلیم وغیرہ
دوسرے ذرائع کی امداد کے اسے مٹا کر دکھا دیا تھا!

سائنس کی بھینٹ

" کلکتہ - ۲ - اگست - مسٹر نل کمار
گھوش (۲۸ سال) مع اپنی بیوی مس موہنا گھوش (۲۰ سال) اور
چھ بچوں کے اٹلو پاڑہ (؟) بالی گنج میں رہتے تھے اور کلکتہ یونیورسٹی
کے شعبہ انگریزی میں اسسٹنٹ تھے۔ آج دوشنبہ کی شام کو دو یا
بجے دفتر سے گھر آئے، اور ریڈیو پر فٹ بال ٹورنامنٹ کی خبریں
سننے لگے۔ ریڈیو گھر میں آج پہلے ہی دن لگایا گیا تھا، اور اس کا
"ایریل" (ہوائی تار) چھت سے کل ۳ فٹ بلند رکھا گیا تھا۔
بیوی نیچے کھانا پکا رہی تھیں اور بچے چھت پر کھیل رہے تھے۔
اتنے میں بڑی لڑکی رکھیا (۱۱ سال) کا کھیلتے کھیلتے ہاتھ ایریل
پر جا پڑا، اسکے لگتے ہی وہ بیہوش ہو گئی۔ لڑکیوں کا شور و غل
سن کر ماں دوڑ کر آئی، دہشت سے کر لڑکی کا ہاتھ تار سے
ہٹایا، لیکن خود بجلی کی گرفت میں آ گئی۔ اتنے میں نرمل بابو
خود دوڑ کر چھت پر آئے، اور بیوی کو تار کی گرفت سے چھڑانے
لگے، لیکن خود انکے ہاتھ تار سے چپٹ گئے۔ اب گھر کی خادمہ
کوٹھے پر آئی، اور اسکے شور و غل سے پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے
ڈاکٹر فوراً بلائے گئے۔ لیکن اتنے میں میاں بیوی دونوں مر چکے تھے۔
اور خالی کمرہ میں ریڈیو سٹ، فٹ بال میچ کی روداد بدستور
نشر کر رہا تھا" (ایسوشی ایٹڈ پریس)
المیہ کی درد انگیزی اور حسرتناکی کسی حاشیہ کی محتاج نہیں۔ یاد کر لینے کی بات
صرف اتنی ہے کہ یہ بجلی آسمان سے گرنے والی بجلی نہ تھی، مہذب اور متمدن انسان
کی اپنی ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی بجلی تھی! ــــ غافل انسان موت و
ہلاکت کے کتنے نئے نئے راستے اپنے ہاتھوں تیار کرتا جاتا ہے، اور اسکا
نام 'ترقی' رکھتا ہے!

ہمدردانِ صدق سے

پچھلے سال عین یہی زمانہ تھا، یعنی جولائی اور اگست کا مہینہ، کہ حسب ذیل صدق نوازوں
اور کرم فرماؤں نے ۱۰ ۱۰ سالانہ کی کثیر امداد سے صدق کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو
سنبھال لیا تھا، اور اپنے محبوب پرچہ کو گویا ازسرنو زندگی عطا کر دی تھی:-

۱- جناب مسرز محمد احمد اینڈ برادرز (کھاری بازار - بمبئی)
۲- "
۳- "
۴- "
۵- جناب اہتمام بیگم صاحبہ (بھوپال)
۶- جناب خان صاحب محمد یوسف صاحب (گجرات - پنجاب)
۷- جناب منشی منظور علی صاحب (ریاست بھوپال) (نصف رقم)
۸- جناب عبد اللطیف صاحب (فرنیچر بازار - بمبئی)
۹- جناب سلیمان داد ابھائی برادرس (ایڈورڈ اسٹریٹ رنگون)] بذریعہ چیک
۱۰- ماڈرن ٹیلرس (کھاری بازار - بمبئی)] "
۱۱- جناب نعیم الدین منادق صاحب (سورت)
۱۲- جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی (حیدرآباد دکن)
سال پھر کے چلنے پر پھر وہی مجبوراً پھر وہی سوال ان حضرات سے کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر کثیر
خریدار حضرات اپنی قدردانی کا عملی ثبوت دینے میں مستعد رہتے تو نوبت اس التماس
اعلام کی کیوں آتی۔ نیاز مند مہتمم صدق

سورۃ البقرۃ ع ۴

(بہ سلسلۂ صدق ۱۹۵۱)

۳۰ - وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

۳۰ اور (وہ وقت یاد کرو)[۱۹۱] جب کہا تیرے رب[۱۹۲] نے فرشتوں[۱۹۳] سے بیشک میں بنانے والا ہوں زمین[۱۹۴] پر (اپنا) نائب[۱۹۵] - وہ بولے کیا تو بنائیگا اس[۱۹۶] میں ایسے کو جو فساد برپا کرے اس میں اور خون[۱۹۷] بہائے درآنحالیکہ[۱۹۸] ہم تسبیح کہتے رہتے ہیں تیری حمد[۱۹۹] اور تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں[۲۰۰] ؟ ارشاد ہوا بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

۱۹۱ اِذْ کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے - بعض نے اذکر اسکے اوپر مقدر مانا ہے۔

وہو نصب باضمار اذکر والمعنی اذکر لہم (کبیر) واذکر واذ قال ربکم آدم (ابن جریر) تقدیرہ واذکر اذ قال (کبیر)

ابو عبیدہ لغوی نے کہیں کہہ دیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے - اسکی شدومد سے تردید اہل لغت و اہل تفسیر دونوں نے کی ہے - ردہ ابن جریر قال القرطبی وکذا ردہ جمیع المفسرین (ابن کثیر) قال ابن اسحٰق ہذا اقدام من ابی عبیدۃ (لسان) قال الزجاج ہذا اجترام من ابی عبیدۃ (ابن کثیر)

۱۹۲ (آفرینش آدم کے وقت)

رکوع اول میں بیان تھا فطرت انسانی کا، کہ قرآن کے مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک اسکے پیام کو قبول کرنے والے، صالح وسلیم فطرت والے - دوسرے اس سے انکار کرنے والے - دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا - تیسرے رکوع میں اصل پیام سنا دیا گیا، یعنی توحید و رسالت کی تبلیغ کی گئی - اب اس چوتھے رکوع میں اس پیام کی تاریخ شروع ہوتی ہے - یعنی یہ پیام ابتداءً مورث نسل انسانی حضرت آدمؑ کو دیا گیا اور اُن سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا آیا ہے۔

۱۹۳ مَلَک کے اصل معنی پیغامبر کے ہیں، من الالوک الرسالۃ ومنہ الکنی اسے البغہ رسالتی (راغب) اور ملائکہ کا اصل کام پیام رسانی ہی ہوتی ہے بین الالوکۃ وہی الرسالۃ فہم رسل الی الناس کالرسل الیہم (روح)

فرشتے نوری مخلوق ہیں - عادۃً انسان کے لیے غیر مرئی رہتے ہیں - وجود خارجی رکھتے ہیں، محض صفاتِ الٰہیہ یا قوائے طبعیہ کے مترادف نہیں۔ مختلف شکلیں حسب ضرورت اختیار کر سکتے ہیں - اجسام لطیفۃ ہوائیۃ تقدر علی التشکل باشکال مختلفۃ مسکنہا السمٰوات وہذا قول اکثر المسلمین (کبیر) ذہب اکثر المسلمین الی انہا اجسام لطیفۃ قادرۃ علی التشکل باشکال مختلفۃ مستدلین بان الرسل کانوا یرونہم کذلک (بیضاوی)

تعداد انکی اللہ ہی کے علم میں ہے - وجود میں انسان پر تقدم زمانی رکھتے ہیں - سرشت معصومانہ ہوتی ہے، یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے، خالق کے فرمانبردار خادم ہوتے ہیں - مخلوق، محکوم اور بندے ہوتے ہیں۔ بالکل انسان ہی کی طرح، خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی طرح مطلق نہیں رکھتے - اور یہیں سے رد ہوجاتا ہے اُن تمام مذاہب باطلہ کا جنھوں نے ملائکہ کو خواہ کسی نام سے، خواہ دیوی دیوتا قرار دے کر انھیں خالق و مخلوق کے درمیان ایک برزخ کا درجہ دے رکھا ہے۔

۱۹۴ (منقریب) بعض اہل تفسیر نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری مخلوق کی ہوئی ہے، جنات کی بھی اور ملائکہ کی، جنت کی بھی اور عرش کی بھی - لیکن اور کسی کے بھی ارادہ تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن نے نہیں کیا - یہ ذکر صرف خلقتِ آدمؑ کے ضمن میں آیا، اور یہ دلیل ہے آدمؑ کی تفضیل اور اشرفیت کی - ولم یقل انی خالق عرشًا او جنۃ او ملکًا وانما قال ذلک تشریفًا وتخصیصًا لآدم (بحر)

۱۹۵ (تنفیذ حکومت الٰہی کیلئے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف و مرتبہ! دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان کو اس بلند مرتبہ پر نہیں رکھا ہے - اور مذاہب شرکیہ کا تو خیر ذکر ہی نہیں، خود یہودیت و مسیحیت بھی اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں - بائبل میں اس موقع پر صرف یہ ذکر ہے:-

"خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے، اور زمین سے بخار اُٹھتا تھا، اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا، اور اُسکے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو آدم جیتی جان ہوا۔"

(پیدائش - ۲: ۵ - ۷)

گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک جانور آدم بھی پیدا ہوگیا جسکا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ "زمین کی کھیتی کرے"! کہاں یہ اتنا طویل لیکن مغز سے خالی بیان اور کہاں قرآن کا باوجود شدت اختصار اتنا بلند و جامع مضمون!

نائب یا خلیفۃ اللہ وہ ہے جو روئے زمین پر شریعت الٰہی کی حکومت قائم کرے - یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ انسان کو جو قوی ملیں گے وہ اسی غایت و مقصود یعنی منصب خلافت الٰہی کے متناسب ملیں گے۔

یخلفنی فی الحکم بین خلقی وذلک الخلیفۃ ہو آدم ومن قام مقامہ فی طاعۃ اللہ والحکم بالعدل بین خلقہ (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ) خلیفۃ اللہ فی ارضہ لاقامۃ احکامہ وتنفیذ قضایاہ (معالم)

نسل انسانی خود اپنی صلاح و فلاح کے لیے اسکی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ کسی اپنے ہم جنس کے واسطہ سے شریعت الٰہیہ سے استفادہ کرے اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا - وکذلک کل نبی استخلفہم اللہ فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسہم وتنفیذ امرہ فیہم (بیضاوی)

۱۹۶ (بطور اعتراض یا گستاخی نہیں، بلکہ دو فرط نیازمندی، فرط وفاداری اور جوش جاں نثاری سے)

لیس علی وجہ الاعتراض علی اللہ ولا علی وجہ الحسد لبنی آدم کما قد یتوہمہ بعض المفسرین (ابن کثیر) ولیس باعتراض علی اللہ تعالٰی ولا طعن فی بنی آدم علی وجہ الغیبۃ فانہم اعلٰی من ان یظن بہم ذلک (بیضاوی)

ثبوت دُنب عظیم کا کفارہ ہو جائیگی۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو قولی حدیثیں ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ تو موجود نہ تھیں لیکن آپ نے اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ اور اپنی کھلائی اُم ایمن رضی اللہ عنہما کے ساتھ جس احترامی برتاؤ کو عمر بھر جاری رکھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک امتی کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے۔ مشہور بات یہ اور مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ نہ صرف حلیمہ سعدیہ بلکہ انکے شوہر، انکے صاحبزادہ تک کے لیے سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اپنی ردائے مبارک کو فرش کی جگہ بچھاتے تھے۔ ہوازن کے اسیران (جنگی قیدیوں) پر صرف اس لیے رحم کیا گیا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں کا وسیلہ ڈھونڈھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم خاص راوی ہیں کہ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی کے پاس حضورؐ کے ساتھ ایک دن میں بھی گیا۔ ام ایمن نے شربت کا ایک گلاس پیش کیا۔ حضورؐ نے روزہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے پینے سے انکار کر دیا۔ سننے کی بات ہے کہ عرب کی ایک بوڑھی خادمہ آسمان و زمین کے بادشاہ کے ساتھ اس شکل میں پیش آتی ہیں کہ انس انکی تعبیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں فجعلت تصخب علیہ وتذمر علیہ (مسلم) ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چیخنے اور چلانے لگیں یعنی پینے پر زبردستی کے ساتھ اصرار کیا جیسے ایک بڑا اپنے کسی عزیز کو کھانے پلانے پر اصرار کرتا ہے) لیکن اس سارے صخب (چیخ) اور ذمر کا جواب زیر لب تبسم کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا؟ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث طیبات کے ذکر کے بعد آخر میں عرض کیا گیا۔ لیکن اسکے ساتھ بخاری اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ (الساعت) قیامت کے شرائط کے متعلق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل امینؑ نے دریافت فرمایا گیا کہ ان تلد الامۃ ربتہا (صحاح) لونڈی اپنی ربتہ (آقائن اور مالکن) کو جنیگی۔ محدثین حدیث کے اس فقرہ کی شرح میں مختلف ہیں، لیکن ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ پچھلی نسلیں پہلی نسلوں کی خادم ہونے کی جگہ الٹی ان پر آقائی کرینگی حتی کہ آزاد شریف عورت نہیں بلکہ لونڈی تک کے پیٹ سے لڑکا نہیں بلکہ جو لڑکی پیدا ہوگی وہ اپنی ماں کی ربتہ (آقائن اور مالکن) بن جائیگی۔ گویا خاندانی ارکان کے ہزارہا ہزار سال سے جو تعلقات چلے آرہے تھے وہ الٹ جائیں گے جس سے منزلی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ اور خاندانی نظام کی بربادی قوم کی بربادی ہے۔ جب ہر قوم اسی حال میں مبتلا ہو جائیگی تو انسانیت کا نظام پراگندہ و منتشر ہو جائیگا اور یہی عالم کی تباہی کا پیش خیمہ ہو جائیگا۔ آج یورپ اسی معکوس تمدن کا علمبردار بن کر اپنے گھروں کو بگاڑ کر اب مشرق کے گھرانوں کو اجاڑنے کے درپے ہی ہے۔ اسکول اور کالج کی وہ کتابیں جن کے متعلق لسان العصر مرحوم نے فرمایا تھا ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جنکو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

کتابوں کے زہریلے اثرات و نتائج بتدریج مشرقی ممالک کے خاندانوں میں سرایت کر رہے ہیں۔ ماں کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ بچوں کو پال کر جوان کر دے، اور باپ کا فریضہ فقط یہ ہے کہ جہاں سے بھی ہو اسکول و کالج کی زندگی کے مصارف جن میں فیشن، سنیما، رقص و سرود وغیرہ کے مصارف بھی داخل ہیں انکی بلا بجائی صاحبزادہ کے لیے مسلسل کرتا رہے اور جب پچیس تیس سال کی عمر کے بعد کچھ کمانے کھانے کی صلاحیت پیدا ہو تو نسوانی حقوق کے محافظ بن کر وہ اپنے جوڑے کے ساتھ جہاں جی چاہے "ہنی مون" مناتے پھریں۔ بڑھی ماں، خبطی اور کھوسٹ باپ شہر کے جس کوچہ اور گاؤں کی جس گلی میں چاہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیں۔ آج اس خبیث مغربی تمدن کی موجیں مشرق کے شریف گھرانوں کو ٹھوکریں دے رہی ہیں۔ کتنے خاندان گر چکے اور گرنے والے تھے کہ ہوالذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ، وہی ہے جو بارش کو بھیجتا ہے جب وے ناامید ہو چکتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ عین وقت پر مشرق کی عظیم ہستی، علوم کا سلطان، مسند کی سب سے بڑی حکومت کے مطلق العنان بادشاہ خلد اللہ ملکہ کو ماہ تیر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں پرانی حویلی سے مسجد جودی تک پیادہ پا چلتے ہوئے اس حال میں پایا گیا کہ آگے آگے مادر مشفقہ (مادر دکن) غفر اللہ لہا کا جنازہ جا رہا تھا اور پیچھے پیچھے اورنگ مغل اور دیہیم آصفی کا وارث اپنے وزرا و امراء کے درمیان اپنی ماں سے بچھڑے ہوئے فرزند کا سچا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ بیسویں صدی کے تاریک عہد میں برالوالدتی کی (حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی قرآن نے منجملہ دیگر خصوصیتوں کے انکی اس خصوصیت کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والوں میں سے تھے) پیغمبرانہ سنت کا آفتاب یوں عملی طور پر تم سب کے سامنے درخشاں ہوا جن کی آنکھوں میں نور ہے وہ دیکھیں اور جن کی قسمتوں میں سعادت ہے وہ تاریخ کے ان جگمگاتے ہوئے ورقوں کو پڑھیں۔ حالانکہ جہاں تک میرا علم ہے، ان کے جنازہ کے پیچھے پیچھے پیادہ پا چلنے والے بادشاہ نے دو دن سے کافی کی ایک پیالی سے زیادہ کچھ اور نہیں نوش فرمایا۔ اور یہ تو آخری دن کی بات تھی، بیماری کے طویل دنوں میں چوبیس گھنٹوں کے اندر ان کے قدموں کے نیچے ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈیڑھ کروڑ انسانوں کے مالک فرزند کو لوٹتے ہوئے کس نے نہیں دیکھا تھا۔ فللّٰہ الحجۃ البالغۃ۔

طلبۂ جامعہ سے عرض کیا گیا تھا وہ قرآن کی آیتیں اور یہ رسول پاکؐ کی حدیثیں تھیں جو آپ کو میں نے سنائیں لیکن سچ یہ ہے کہ انھیں قرآنی آیات اور نبوی ارشادات کی عملی شکل کو آپ کے اور ہمارے آقا خلد اللہ ملکہ نے کر کے دکھایا ہے۔ پھر کیا ہم سب کے لیے وقت نہیں آگیا ہے کہ دکن کی اس عظیم قربانی (وفات مادر دکن) کی قیمت کو ضائع ہونے سے ہم بچالیں۔ حقوق الوالدین کے بھولے ہوئے سبق کا آپ کو آپ کے مصلح بادشاہ نے عملی قالب میں درس دیا ہے اطال بقاءہ۔ پھر ہم میں کون ہے جو ان سے بھی زیادہ بڑائی کا دعویدار ہو۔ لیکن ہم میں جو سب سے بڑا اور سب سے اونچا ہے جب اپنی ماں کے سامنے اس نے اپنے کو سب سے چھوٹا کر کے دکھایا ہے تو چھوٹا کر کے دکھایا ہے تو جو چھوٹے ہیں اُن کو سوچنا چاہیے کہ اپنے والدین کے سامنے اُنھیں کیا بننا چاہیے۔

عرض کیا گیا تھا جیسا کہ آپ نے بھی مقالۂ افتتاحیہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ موت و حیات اس زندگی کا اٹل قانون ہے۔ میں نے قرآن کی آیت

سید حسین احمد صاحب شیخ الہند دیوبند مدظلہ العالی کا منشور بابت درس علوم شرعیہ مدینۂ منورہ کا پڑھا تھا۔ یہاں تعمیر خود ہی میں کوشش کی گئی تو مبلغ مجموعہ ستر روپیہ فوراً ہی تین پائی جمع ہوگئے تھے۔ ہم نے تحریری ہدایت کے مطابق مقام دہلی کسی شریف کر لکھی حاجی علیجان صاحب مرحوم، جناب حافظ محمد زبیر صاحب کے پاس ۱۰ اگست ۱۹۳۸ء کو صرف مبلغ جمع کرا دیے ہیں اور رسید حاصل کر لی ہے۔ آپ کو اطلاعاً عرض ہے۔

معظم علیخاں مرحوم

افسوس ہے کہ ۱۰ اگست کو شب میں معظم علیخاں صاحب رامپوری نے ایک طویل علالت کے بعد اندور میں وفات پائی۔ انا للہ۔ اخبارات میں بھی ایک آدھ سطر اور کہیں ذکر تک نہ آیا۔ خود اس شذرہ کے پڑھنے والے بہتیرے یہ سوال اٹھائیں گے کہ یہ تھے کون؟ مولانا محمد علیؒ کے عزیز قریب، اور انکی بیگم صاحبہ کے برادر معظم تھے۔ بیرسٹر اور ایک زمانہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں لکچرر تھے۔ آخر میں رامپور ہائی کورٹ کے چیف جج ہوگئے تھے۔ خیر یہ تو انکی ذاتی حیثیتیں تھیں، پبلک حیثیت یہ تھی کہ ۲۲-۱۹۲۳ء میں جب علی برادران کی نظربندی کے زمانہ میں مرکزی خلافت کمیٹی کے سکرٹری اور اسکے روح رواں تھے۔ ۱۹۲۳ء میں سرکاری کونسلوں کا مقاطعہ، کانگریس اور خلافت کمیٹی کے پروگرام کا اہم ترین جزو تھا۔ علی برادران اور گاندھی جی کی قید کے بعد، سی۔ آر۔ داس کی رہنمائی میں اسی کے خلاف بغاوت شروع ہوئی۔ ایک نئی پارٹی سوراج پارٹی کے نام سے قائم ہوئی، اور موتی لال نہرو، اور حکیم اجمل خاں مرحوم کے داخلۂ کونسل کی حمایت کے علمبردار خاص تھے۔ اس سیلاب کے روکنے کی قوت کس میں تھی۔ اچھے اچھوں کے پیر اکھڑ گئے۔ زبردست اور پُرقوت مقابلہ صرف دو شخصوں نے کیا۔ ہندوؤں میں کانگریس کے ذریعہ سے راج گوپال آچاریہ نے، اور مسلمانوں میں خلافت کمیٹی کے واسطہ سے معظم علیخاں نے۔ معظم مرحوم کی عملی عظمت اور اہمیت کا وہ دور تھا۔ وہ دور جس نے دیکھا نہیں، وہ اب اُسے سمجھ نہیں سکتا۔ جس تدبر اور جس استقامت کا اس وقت انھوں نے ثبوت دیا تھا، وہ حصہ صرف محمد علی کا سمجھا جا سکتا تھا۔ وضع اور چہرہ بھی (بے داڑھی کے) اسلامیت کی تصویر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خلافت کمیٹی ہی گم ہوگئی تو اسکے خادموں کو کون یاد رکھتا ہے؟

بمبئی اور رنگون کے ناظرین سے

مولوی عبدالرؤف خاں صاحب (مولوی عالم) صدر مدرسہ سراج العلوم جونڈیہ نگر، ڈاکخانہ رام دت گنج، ضلع بستی (یو۔پی) علاقہ بمبئی اور رنگون کے ایسے اہل کرم کے نام جاننے چاہتے ہیں، جو علم دوست اور عقائد اہل سنت کے حامی ہوں۔ ناظرین صدق میں سے جو صاحب اس خدمت کا اجر لینا چاہیں، وہ براہ راست مولوی صاحب موصوف کو مطلع فرما دیں۔

نئی کتابیں

(۱) **تمدن اسلام کا پیام**، بیسویں صدی کے نام۔ از عبدالماجد، ۲۲ صفحے قیمت ۲ر، پتہ: معتمد نشر و اشاعت، انجمن اردوئے تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

مدیر صدق کا ایک مقالہ جو علیگڑھ میں طلبہ و اساتذہ کے مجمع میں پڑھا گیا تھا۔ مع تبصرہ از مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی۔

(۲) **اقسام القرآن**۔ مترجمہ مولوی امین احسن صاحب ۹۰ صفحے قیمت ۸ر پتہ: دائرہ حمیدیہ سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی)

مشہور شارح و مفسر قرآن علامہ حمیدالدین فراہی کے عربی رسالہ امعان فی اقسام القرآن کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ قرآن مجید میں جو قسمیں آئی ہیں، اُنکے متعلق جو اشکالات وارد ہوتے ہیں، اس رسالہ میں اُن پر نادر تحقیق و جامعیت کے ساتھ نظر کی گئی ہے۔ جوابات بعض دوسرے اکابر نے بھی اپنے اپنے رنگ میں دیے ہیں، لیکن اس رسالہ کی شاہراہ سب سے الگ، سب سے نرالی ہے۔ اس میں قسم کے فلسفہ، عربی ادب میں قسم کے مفہوم، قسم کے مقصد و غایت وغیرہ، سارے مباحث متعلقہ پر نہایت دقیقہ سنجی کے ساتھ گفتگو موجود ہے۔ جو اہل علم مسئلہ کے سارے پہلوؤں کو سمجھنا چاہتے ہیں، اُنکے لیے یہ ایک تحفہ بے بہا ہے، اور انکے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

اب تک یہ عربی میں تھا۔ اردو میں آجانے سے افادہ کا دائرہ کہیں زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ مترجم کے قلم کا یہ بار تعارف تحسین حاصل ہے۔ اس دریا کے بڑے پُرانے شناور ہیں، وہ اپنے شیخ کی عربی کی تصنیف کا ترجمہ کرنے بیٹھے ہیں تو ترجمانی کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ ترجمہ ایک طرف تو تقریباً لفظی رہتا ہے، یعنی اصل سے زیادہ سے زیادہ قریب، اور دوسری طرف نہ ثقیل ہے نہ مغلق، اور ایک خاص قسم کی شگفتگی اور سکینت جو حضرت مصنفؒ کی صحبت میں محسوس ہوتی تھی، وہ اس ترجمہ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

(۳) **فرعونِ قاہر**۔ از جناب حکیم اسمٰعیل حسن صاحب آتشیں، ۴۰ x ۵۳ صفحات، قیمت درج نہیں (غالباً ۶ر) پتہ: تجارتی کتبخانہ ۲۵۱ فریزر اسٹریٹ، رنگون، برما۔

فرعون کے جابر و قاہر سلطان مصر ہونے، بنی اسرائیل کے اُسکے ہاتھوں شدید اذیت اٹھانے، اور بالآخر اس سے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ لیکن متعدد علمی و تاریخی سوالات زمانہ حال میں اس قسم کے پیدا ہوگئے ہیں، کہ فرعون تو سلطان مصر کا ایک عام لقب ہوتا تھا۔ یہ مخصوص فرعون کونسا تھا؟ اسکا زمانہ کونسا تھا؟ وہ ایک ہی تھا، یا دو فرعون تھے؟ وقس علیٰ ہذا۔ ہمارے قدیم مفسرین نے اس جانب توجہ نہیں کی، اور انکو ضرورت بھی نہیں۔ بائبل کے مفسرین نے سوالات کو حل کرنا چاہا، اور طرح طرح کے اشکالات میں مبتلا ہوگئے، تاہم اب تک ایک بڑی حد تک عام اتفاق تھا کہ وہ رعمسیس ثانی (۱۲۹۵ ق م

اور اسکے تحت میں ۱۰ پیشے ہیں۔ پشتہ نانبائی پیشہ، اور چاک گر وغیرہ۔ چوتھی فصل متفرقات خوراک پیشے اور اسکے ماتحت پانچ پیشے ہیں۔ اچار سازی، شکر سازی، حلوائی وغیرہ۔ اور کوئی ۳ ہزار اصطلاحات اس حصہ میں بھی آگئی ہیں۔ آلات وغیرہ کی تصویریں بھی کثرت سے درج ہیں۔ کام بڑی محنت، تلاش، دیدہ وریزی کا ہے۔ کتاب زبان سیکھنے والوں کے بھی کام کی ہے، اور مختلف پیشوں سے واقفیت رکھنے والوں کے کام کی بھی۔ ہر صورت سے کتاب مستحق قدردانی و حوصلہ افزائی ہے۔ ہم لوگ زبان کی بڑی بھلی خدمت میں اپنی عمروں کا معقول حصہ صرف کر چکے ہیں، انکی بھی آنکھیں ایسی کتابوں سے کھل جاتی ہیں۔ اپنے جہل کا انکشاف ہو جاتا ہے اور اندازہ ہو جاتا ہے کہ اپنی ہی زبان کے ہزارہا الفاظ سے ابھی تک ہم کیسے بےخبر ہیں!

رسائل و اخبارات

(۱) **ہمدرد صحت** (قدرتی علاج نمبر) نگراں حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی۔ ضخامت ۱۷۴ صفحے قیمت ۱۲ر پتہ ہمدرد منزل لال کنواں دہلی

ہمدرد صحت اور اسکے خصوصی نمبر کم از کم قدیم ناظرین صدق کے لیے کسی جدید تعارف کے محتاج نہیں۔ تقریباً اسکا ہر خصوصی نمبر کاوش و جامعیت کا ایک نمونہ ہوتا ہے، اور یہ نمبر بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں۔ رسالہ مختلف ابواب میں تقسیم ہے۔ پہلا باب ہوا پر ہے، دوسرا پانی پر، تیسرا غذا پر، کل ۱۳ ابواب ہیں۔ ایک مستقل باب روزہ پر ہے، اور پڑھنے کے قابل ہے۔ دو چار افسانچے بھی ہیں، ان میں ایک آدھ ایسا بھی جو معنی فی بطن الشاعر کا مصداق۔ ۱۲ر کی قیمت میں اتنا ضخیم مجموعہ متفرق (اور اکثر مفید) طبی معلومات کا ہاتھ آجانا گویا بالکل مفت ہاتھ آجانا ہے۔

(۲) **مسلم ہیرلڈ** (انگریزی) ہفتہ وار۔ ایڈیٹر سید محمد شاہ، ایم اے، ۸ صفحے۔ چندہ سالانہ ۶ روپے، فی پرچہ ۲ پیسہ پتہ ظفر منزل تاج پورہ، لاہور

اسکا صرف ایک نمبر موصول ہوا ہے (۸؍) پرچہ ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ سیاست میں مسلم لیگ سے مسلک ملتا ہوا ہے۔ اچھے مسلم پرچوں کی ضرورت انگریزی میں بہت شدید ہے۔ خدا کرے کہ کسی درجہ میں وہ ضرورت یہ پرچہ پوری کر دے — اسکے ایڈیٹر وہی ہیں جو اردو میں ادھر "پیغام حق" نکالتے ہیں، اور اقبال کے خاص عقیدتمندوں میں ہیں۔

خریداران صدق کی خدمت میں التماس

تمام شائقین صدق نہایت مسرت کے ساتھ یہ مژدہ جانفزا مطالعہ فرمائیے کہ میرے پاس صدق کے نقش اولین یعنی "سچ" کے جلد اول سے جلد ۹ تک جملہ نو جلد کا مکمل سٹ ولایتی چمڑے کے ساتھ ہر ایک جلد نفیس مجلد موجود ہیں۔ جنکو اب میں فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ قیمت ہر ایک جلد کی رعایتی صرف سات روپیہ مقرر ہے۔ مکمل سٹ کے خریدار کے ساتھ خاص رعایت کیجائیگی۔ خط و کتابت اور تصفیہ امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ لفوف حسب ذیل پتہ پر آنے چاہئیں:—

قاضی محمد صادق مدرس مدرسہ اسلامیہ ڈاکخانہ ٹلا کا تیار ضلع حیدرآباد سندھ

مولانا مودودی

اور انکے عقائد و خیالات کی صحیح تعبیر

[صدق نمبر میں جو مکتوب مفتوح مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب "ترجمان القرآن" کے نام شائع ہوا تھا، اس سے کم از کم اتنا نفع تو ضرور ہوا کہ مولانا کو اپنے خیالات کی مزید تشریح و تفسیر کا ایک موقع ہاتھ آگیا۔ موصوف نے صدق کے مراسلہ نگار کے جواب میں آنا اگرچہ مناسب نہیں خیال فرمایا، تاہم ازراہ کرم اپنے اصل خیالات سے مدیر صدق کو اپنے دو مختلف مخصوص کرم ناموں میں مطلع فرما دیا۔ ذیل کے اقتباسات مولانا کے انھیں دونوں مکتوبات سے لیکر ایک ہفتہ کے شذرات کو روک کر مولانا کی اجازت کے بعد بمسرت تمام شائع کیے جاتے ہیں، صرف اتنے تصرف کے ساتھ کہ مولانا کے بعض فقرے نمایاں کرنے کے لیے زیر خط کر دیا گیا ہے۔ بحث و مناظرہ کے لہجہ میں اگر بری کی لغزش نہ پیدا ہونے پائے، تو وہ تو وضوح حق کا بہترین ذریعہ ہے۔ صدق]

صدق کے شائع کردہ مکتوب میں انھوں نے میرے جس فقرے پر قیاسات کی عمارت قائم کی ہے، اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر اسلام فی الواقع اسی چیز کا نام ہوتا جو آجکل کے مسلمانوں کی زندگی میں نظر آتی ہے تو آج میں ملحد یا دہریہ ہوتا۔ مجھ پر اپنی ابتدائی زندگی میں چند سال کا ایک دور ایسا گزرا ہے جبکہ میں تارک نماز تھا بلکہ ایمان باللہ و ایمان بالرسالت سے بھی میرا دل خالی ہو گیا تھا۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ اپنے گرد و پیش جس قسم کی مذہبیت میں نے دیکھی وہ مجھے اپنا معتقد بنانے کے بجائے مذہب سے برگشتہ کرنے والی تھی۔ اسکے بعد جب میں نے گہری نظر سے قرآن کا مطالعہ کیا اور پھر حدیث پر غائر نگاہ ڈالی تو مجھے معلوم ہوا کہ اصل دین کچھ اور ہے اور مسلمانوں کے موجودہ عقائد اور اخلاق و اعمال کچھ اور ہیں۔ یہی چیز ہے جس نے مجھ کو اسلام کا از سر نو معتقد بنایا اور آخری نقطہ انحراف کے قریب پہنچ جانے کے بعد میں ایمان کی طرف پلٹا۔ یہ میری ذاتی روداد ہے۔ مختلف لوگوں کو مختلف طور پر ہدایت نصیب ہوتی ہے اور مختلف لوگوں کے اسباب گمراہی بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اگر میں اپنے بعض ذاتی تجربات و مشاہدات کی وجہ سے گمراہ ہوا اور اگر قرآن و سیرت کو پڑھ کر مجھے پھر ایمان نصیب ہوا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔

شاہ صاحب قبلہ میرے اس فقرہ کو دیکھ کر دو عجیب نتیجے نکالتے ہیں: ایک یہ کہ میرے نزدیک تمام دنیا اسلام سے بالکل خالی ہے اور کوئی اللہ کا بندہ بھی حقیقۃً مسلمان نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات کبھی میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ میرے نزدیک اکثریت جہالت میں مبتلا ہے، ایک قلیل گروہ منافقین کا ہے جو قصداً دین سے منحرف ہوا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور ایک قلیل تر گروہ مومنین صادقین کا ہے جو دین کو جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں اور عمل میں صالح بھی ہیں مگر انکے درمیان وہ ربط و نظم نہیں ہے جو اقامت دین کی جد و جہد کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان تمام صالح لوگوں کو جو منتشر طور پر مسلمانوں کے درمیان موجود ہیں ایک نظم میں منسلک ہونے

سائنس اور مذہب

سوالات (۱) سائنس انسان کو گمراہ کر دیتی ہے یا مذہب کی طرف رجوع کرتی ہے؟

(۲) انسان سائنس کے لیے ہے یا سائنس انسان کے لیے؟

جواب (۱) سائنس بدنام تو بہت ہے کہ وہ لوگوں کو مذہب سے بیگانہ کر دیتی ہے اور اسکا پڑھنے والا دہریہ ہو جاتا ہے۔ اور سچ پوچھیے تو یہ الزام کرنے والوں کا قصور بھی نہیں ہے۔ بہت سے سائنسداں در اصل ایسے ہیں جو مذہب کی ضرورت نہیں سمجھتے اور خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ یہی لوگ عام طور پر دہریے کہلاتے ہیں۔ لیکن سائنس والے ہی پر کیا موقوف ہے۔ آپ کو بہت لوگ ایسے ملیں گے جو سائنس داں نہیں ہیں لیکن لا مذہب ہیں۔ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی کثرت سے ہیں جو سائنس سے قطعاً ناواقف ہونے پر بھی سائنس کو مذہب کے خلاف پیش کرتے ہیں اور بات بات پر مذہب کو رد کرنے کے لیے سائنس کے حوالے دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے لوگ آپ کو ایسے بھی نظر آئیں گے جنکی کوشش یہ رہتی ہے کہ سائنس کے ہر نظریہ اور اصول کو مذہبی کتابوں سے ثابت کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے دائرے سے آگے نکل جاتے ہیں۔ جس طرح سائنس والوں کو مذہبی معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں اسی طرح مذہب والوں کو بھی خدا کو ثابت کرنے کے لیے سائنس کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ خدا کے عدم یا وجود کو ثابت کرنا سائنس کے بس سے باہر ہے۔ سائنس دوسرے علوم کی طرح ایک علم ہے۔ اس میں واقعات کا مشاہدہ کر کے عام قاعدے اور اصول حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس کی مختلف شاخیں ہیں۔ طبیعیات میں قوتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ کیمیا مادی چیزوں اور تبدیلیوں سے متعلق ہے۔ جانداروں کے علم کو حیاتیات کہتے ہیں اور ستاروں کا علم فلکیات یا ہیئت کہلاتا ہے۔ یہ سارے علوم اس بات کے پابند ہیں کہ اپنے حدود کے اندر واقعات کا مشاہدہ کریں اور نتیجے نکالیں۔ اس سے اگر وہ آگے بڑھیں تو سائنس کے حدود کے اندر نہیں رہتے۔ ایک فلکی کا کام یہ ہے کہ آپ کے سامنے کائنات کا ایک نقشہ پیش کرے، آپ کو سیاروں، ستاروں، سحابیوں کا حال بتائے، انکی شکل و صورت، طبعی حالات اور حرکت سے واقف کرائے۔ لیکن اگر وہ اسکا دعویٰ کرے کہ یہ سارا نظام عالم خود بخود وجود میں آگیا، اسکے لیے کسی بنانے والے کی ضرورت نہیں ہے تو اسکا یہ دعوے فلکیاتی نہیں ہے۔ یہ اس کا ذاتی خیال ہو سکتا ہے لیکن اس دعوے کے ثبوت میں وہ فلکیاتی مشاہدات کو پیش نہیں کر سکتا۔ فلکیات کا یہ کام نہیں ہے کہ اسکے ذریعہ خدا کے عدم یا وجود کو ثابت کیا جائے۔ اسی طرح سائنس کی دوسری شاخوں کو لیجیے۔ ان سب میں اپنے حدود کے اندر دنیا کی مختلف چیزوں سے بحث ہوتی ہے۔ اس بحث میں جب کبھی آپ مذہب کا ذکر دیکھ پائیں تو سمجھ لیجیے کہ سائنس اب اپنے حدود چھوڑ کر فلسفہ اور ما بعد الطبیعات میں داخل ہو رہی ہے۔

اتنا اور جان لینا ضروری ہے کہ دنیا کی سب باتوں کو سمجھنے کے لیے سائنس کافی نہیں ہے۔ دنیا میں سیکڑوں واقعات ایسے بھی ہوتے رہتے ہیں جنکو سمجھنا اور سمجھانا سائنس کے بس میں نہیں ہے۔ انسان کا علم اور اسکی دماغی صلاحیت محدود ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سائنس میں خود کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے انسان لا مذہبیات کی طرف مائل ہو۔ ویسے آدمی مختار ہے جو چاہے سمجھ لے۔ مذہب کو ضروری اور غیر ضروری سمجھنا اسکا ذاتی فعل ہے۔ سائنس کا کام صرف اتنا ہے کہ واقعات اور مظاہرات قدرت سے آپ کو ایک حد تک واقف کر دے۔ "ایک حد تک" میں نے قصداً استعمال کیا ہے۔ (راز کائنات کو پوری طرح سمجھ جانا سائنس اور انسان کے دماغ کے بس سے باہر ہے) جب آپ کو سائنس نے قوانین قدرت سے ایک حد تک واقف کر دیا تو اب آپ کا کام ہے کہ اس سے جو نتیجہ چاہے نکال لیں۔ اگر کسی کے مذہب میں یہ لازمی قرار دیا ہے کہ زمین کو ساکن چپٹی مانا جائے تو ظاہر ہے کہ سائنس کا اس سے تصادم ہو جائیگا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی ایسا مذہب ہے اور پھر یہ کہ مذہبی کتابوں کو طبیعیات اور کیمیا کی کتابیں سمجھنا اور ان سے سارے سائنسی اصولوں کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ بہت سے لوگ میں نے ایسے بھی دیکھے ہیں جو لا مذہب ہیں لیکن انکی لا مذہبیت میں سائنس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسکے برخلاف میں ایسے سائنسدانوں کو بھی جانتا ہوں جو پکے مذہبی ہیں اور جنکا ایمان ہے کہ خدا کی عظمت اور مذہب کی ضرورت سمجھنے کے لیے سائنس پڑھنا لازمی ہے۔

(۲) مجھے ندامت ہے کہ آپ کا یہ سوال کہ انسان سائنس کے لیے ہے یا سائنس انسان کے لیے، میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اگر آپ اسکو ذرا واضح کر کے لکھیں تو ممکن ہے کہ اسکا بہتر جواب دیا جا سکے۔ لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس سے نتیجہ یہ نکالتا ہوں کہ آپ سائنس اور انسان کے تعلق کو دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے سائنس دوسرے علوم کی طرح ایک علم ہے۔ اسکا جاننا نہ جاننا انسان کی مرضی پر ہے۔ یہ ضرور ہے کہ سائنس کے ابتدائی معلومات ہر انسان کو ہونی چاہیے تاکہ وہ مظاہرات فطرت اور قوانین قدرت کا دلچسپی سے مطالعہ کر سکے اور قدرت کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی قدر و قیمت سمجھ سکے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آجکل قومی ترقی کا راز سائنس کی ترقی پر منحصر ہے۔ یہ تو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جو قومیں سائنس سے لاپروائی برت رہی ہیں وہ ترقی کے میدان میں بڑی تیزی سے پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ اس لیے قومی ترقی کے نقطۂ نگاہ سے بھی سائنس کی طرف توجہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ (رسالہ سائنس)

ضروری تصحیح

صدق نمبر ۱۵ کے بعد کے دو پرچوں میں نمبر غلط ہو گئے ہیں۔ براہ کرم دونوں پرچوں پر بالترتیب نمبر ۱۶ و ۱۷ بنا لیں۔ تاکہ شمار میں غلطی نہ ہو۔

(بقیہ صفحہ ۵)

لیکن اغلاط مطبعی کی کثرت نے سارا مزا کرکرا کر دیا ہے۔ پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہوتے ہوتے ایک دم جھنجھلا کر رہ جاتی ہے۔ ۳۰ صفحے جہاں آتا اہتمام کیا غلط کتابت۔ پھر [illegible] ایک مختصر مقدمہ بھی ہے تقریباً ڈاکٹر ذاکر حسین کے قلم سے۔

رسید کتب

(۱) تذکرہ شمیم۔ از سید [illegible] صاحب ایل ٹی ۲۰۰ صفحے۔ کتابت [illegible] عام اشاعت [illegible] قیمت درج نہیں۔
مرحوم [illegible] اور پردہ کی پابندی [illegible] زیادہ تاسف ہے، ابتدائی سے [illegible] ہیں۔

(۲) باغ و گلشن۔ از [illegible] زمانی بیگم صاحبہ۔ ۱۲۰ صفحے قیمت ۱ر
پتہ: عبد العظیم عثمانی صاحب۔ ۱۲۲۰ کاچی گوڑہ، حیدرآباد دکن۔
سنبھل ضلع مرادآباد کی ایک خاتون کا دیوان غزلیات۔ بہتر ہوتا کہ کتاب کسی استاد فن کی نظرثانی کے بعد شائع کی جاتی۔

(۳) عید کارڈ۔ شائع کردہ پیرزادہ عبد الفتاح۔ ترپ بازار ۳۶۵، حیدرآباد دکن۔ قیمت فی سیکڑہ ۵ر فی درجن ۱۲
یہ لفافہ میں رکھ کر بھیجنے والے عید کارڈ ہیں۔ صفحہ اول کی پیشانی پر اقبال کا مشہور شعر "چین و عرب ہمارا" الخ لکھا ہوا اور وسط میں "عید مبارک" کا طغرہ۔ صفحہ ۳ پر دنیائے اسلام کا رنگین نقشہ، اور اسی طرح پیشانی پر سورہ لقمان کی آیت واسبغ علیکم نعمہ الخ پوری مع ترجمہ لکھی ہوئی۔

رسائل

(۱) اصلاح۔ سہ ماہی۔ ایڈیٹر مولوی ابو اللیث ندوی۔ ضخامت ۴۴ صفحے۔ قیمت سالانہ ۱ر پتہ: سرائے میر ضلع اعظم گڑھ۔
سرائے میر ضلع (اعظم گڑھ) کا مدرسۃ الاصلاح، عربی درسگاہوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ رسالہ اسی کا ترجمان (آرگن) ہے۔ تقریباً اسی نام کا رسالہ الاصلاح اسکے قبل بھی نکلتا تھا۔ وہ ماہوار تھا، یہ سہ ماہی ہے۔ وہ خواص کے لیے تھا، اسکا مقصد عوام کی خدمت ہے۔ گو دو ایک مضمون اس میں بھی اونچے ہیں۔ جو لوگ اس مدرسے سے تعلق یا دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے تو اسکا مطالعہ لازمی ہے باقی عام ناظرین بھی اسے دلچسپ و مفید ہی پائیں گے۔

(۲) سالنامہ نظامیہ۔ مرتبہ مولوی ابو الخیر کنج نشین (فاضل نظامیہ) ضخامت ۱۹۲ صفحے۔ قیمت عہ پتہ: مکتبہ مجلۂ نظامیہ۔ محلہ حسینی علم حیدرآباد دکن۔
دکن کا مدرسۂ نظامیہ ایک مشہور و معروف دینی ادارہ ہے۔ یہ سالنامہ اسکے یوم تاسیس کی مکمل مفصل روداد ہے۔ اور اس میں وہ علمی و دینی مقالے جمع کر دیے گئے ہیں، جو یوم تاسیس کے موقع پر پڑھے گئے تھے۔ بعض مقالے اب بھی سب کے پڑھنے کے لائق ہیں، مثلاً قاری عبد الرحمٰن صاحب کا مضمون "تاریخ قرأت و تجوید" پر، اور مولوی محمد علی صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کا مقالہ "آزادی نسواں" تو اس قابل ہے کہ گنجائش ہوتی تو صدق میں پورا نقل کر دیا جاتا۔ زبان عربی پر مقالہ مفرد کے لحاظ سے اچھا ہے، لیکن عربی سے ترجمہ کی جھلک صاف نمایاں ہے۔

کائنات

سائنس کے نقطۂ نظر سے

(سلسلہ صدق نمبر ۱۹)

یہ کائنات کی یہ کیفیت ہے کہ ابتدا میں جو مادہ یکساں طور پر پھیلا ہوا تھا سمٹ کر مختلف جگہوں میں لاکھوں کروڑوں سحابیوں کی صورت میں جمع ہو گیا ہے گو اس زمانہ میں ان گنت سحابیے موجود ہیں لیکن فضا کی وسعت کا لحاظ کرتے ہوئے انکی تعداد بے حقیقت ہے۔ سمجھیے کہ کسی بڑے شہر میں کسی نے آٹھ دس ریت کے دانے بکھیر دیے ہیں۔ خود سحابیوں کے جسم کے انجماد سے ستارے بنے اور ہر سحابیے میں لاکھوں کروڑوں ستارے ہیں، لیکن خود سحابیوں کا جسم بھی اس قدر بڑا ہے اور ستاروں کا آپس کا فاصلہ اس قدر زیادہ ہے کہ اس زمانہ میں ستاروں سے مادہ گویا نہیں ہے۔ ستاروں کے فاصلہ کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ ہم سے قریب ترین ستارہ شعریٰ یمانی ہے اسکی روشنی کو زمین تک پہونچنے میں ساڑھے چار سال لگتے ہیں۔ روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سکنڈ ہے اب حساب لگا لیجیے کہ اس ستارہ کا زمین سے کتنا فاصلہ ہوا۔

جس سحابیے میں ہم اور آپ ہیں اس کا نام کہکشاں ہے۔ اس کے ایک ستارے آفتاب کے کچھ حصہ کے انجماد سے زمین وجود میں آئی ہے۔ ہمارے کہکشاں میں آفتاب جیسے کروڑوں ستارے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے صحیح اندازہ لگانا کہ مادہ کب وجود میں آیا، کتنے دنوں سکون کی حالت میں رہا، اس میں کب عمل واقع ہوا؟ ناممکن ہے۔ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں عمل ایک لاکھ ارب سال سے بہت پہلے ہی واقع ہوا ہوگا۔ ہم سے قریب جو بڑا سحابیہ ہے وہ اندرومیڈا کا سحابیہ کہلاتا ہے، اس کی شکل آپ اس رسالہ کے سرورق پر اوپر کے حصہ میں بائیں طرف دیکھ سکتے ہیں۔ اسکے متعلق خیال ہے کہ یہ کم از کم ایک لاکھ ارب سال پہلے وجود میں آیا۔ ہمارے کہکشاں میں جو ستارے ہیں انکی پیدائش پانچ سے دس ہزار ارب سال پہلے ہوئی۔ کہکشاں کے ایک ستارے آفتاب سے ہماری زمین آج سے تقریباً دو ارب سال پہلے پیدا ہوئی۔ اور اس زمین پر انسان کو آئے ہوئے تین لاکھ برس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ نظام عالم کو سمجھنے کے لیے انسان دوربین کثرت سے استعمال کرتا ہے۔ دوربین کو ایجاد ہوئے تین سو سال سے زیادہ نہیں ہوئے۔ انسان کی جسارت کی داد دینی پڑتی ہے کہ اسکو بقول شخصے "پیدا ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے" اور یہ راز کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے!

باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس میں چھپ کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

اسے دست بردار ہوتا تھا، اور یہ ناقابل تصور تھا ۔۔۔ وطنی تحریک کو جیسے لیڈر کی ضرورت تھی، وہ آخر مصطفے کمال کی ذات میں بن گیا۔“ (صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲)

آگے مصطفے کمال کی عسکری سرگرمیوں اور فتحمندیوں کا ذکر مدح و توصیف کے لہجہ میں ہے۔ اسکے بعد مزید مدح و توصیف کے ساتھ:—

”۱۹۲۲ء میں منصب سلطانی کا خاتمہ، اور اس سے بھی بڑھ کر منصب خلافت کا خاتمہ کہیں زیادہ اہم اور کہیں زیادہ دشوار کارنامے تھے۔ کمال نے طے کرلیا تھا کہ وہ ترکیہ کو ایک قوم بنا کر رہیگا، اور اس سفر میں مغربی رسم الخط کا رواج اور ترکی ٹوپی کی مخالفت زبردست سنگ میل تھی۔“ (صفحہ ۱۸۳)

”لازوال مرد“ کے کمالات فرنگیت کی داد اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی! دشمن خود دل کھول کر ستائش دے رہا ہے کہ ہم نے جو معیار ترقی کا قائم کیا تھا، جو تعریف وطنیت اور قومیت کی مقرر کی تھی، اتاترک نے اپنی قوم کو ہم سے اجنبی ہونے کے باوجود، ٹھیک اسی معیار پر پہونچا دیا، ہم سے لا دیا۔ دوئی درمیان سے دور کردی۔ اور حیرت انگیز طریقہ پر ترکیہ کو فرنگستان بنادیا! —— مبارک ہو تجدد نوازوں کو یہ پروانہ خوشنودی، یہ سند قبول، سرکار فرنگ کے دربار سے!

نقالوں کا دین

”اللہ کے فضل سے مصر، فلسطین، شام، عراق، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے حرم محترم میں جہاں لاکھوں آدمی ایک وقت میں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر ابھی تک نہیں لگایا گیا ۔۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی اکثر لوگ جانتے ہیں کہ ترک جنھوں نے مغربی تقلید میں یہاں تک غلو کیا کہ عربی حروف تہجی نکال کر ترکی زبان لاطینی حروف میں بدل دی، اور تجدد کا شیطان اس قدر سختی سے مسلط ہوا کہ اذان عربی الفاظ کے بجائے ترکی میں دی جانے لگی۔ لیکن ۔۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ استانبول، انقرہ، اور اناطول کی جامع مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال اب تک نماز کیلیے نہیں ہوا ہے۔“

(ایک باخبر مراسلہ نگار کا مراسلہ روزنامہ خلافت میں)

خوب! گویا ہندی شیخ تجدد کا قدم بھی وہیں رُک جائے جو ترکی تجدد کا تھا۔ اور شاگرد کسی حال میں بھی اُستاد سے بازی نہ لے جانے پائے! —— گویا ”صاحبانہ“ زندگی کی تقلید جن کا لوں نے شروع کی تھی، وہ ٹھیک وہیں جمے رہے جہاں تک گورے پہونچ چکے تھے۔ —— کیا انقرہ کے ساتھ (خدانخواستہ مکہ یا مدینہ کے ساتھ نہیں) مراد آباد کا شہر ہمیشہ حلقہ بگوشی ہی کا قائم رہے!

فن نجوم اور سائینس

”یہ کسی طرح قابل فہم نہیں کہ ستارے انسانی معاملات پر اثر انداز ہوں ۔۔۔۔ منجموں نے اب تک کوئی معقول مفروضہ تک بھی نہیں پیش کیا ہے، جو انکی خیال آرائیوں کی بنیاد بن سکے۔ اس کمی کو وہ ایسی اصطلاحات سے پورا کردینا چاہتے ہیں جو طبیعیات و فلکیات کے ماہرین کے نزدیک بے معنی ہیں۔ جیسے طبیعیات کی تعلیم ہائی اسکول کے معیار تک بھی ملی ہے، وہ کبھی نجوم کی ایسی اصطلاحات مثلاً ارتعاش کائناتی سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔“ (لیڈر ۶۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء بحوالہ سائنٹفک منتھلی امریکہ مارچ ۱۹۵۱ء)

یہ حاصل اور لب لباب ہے اُس تحقیق کا جو امریکہ کی مشہور علمی انجمن امریکن ایسوسی ایشن آف سائنٹفک ورکرز کی شاخ بوسٹن اور کیمبرج کے ماہرین نے فن نجوم (ایسٹرالوجی) سے متعلق حال میں شایع کی ہے۔ گویا بیسویں صدی میں منکروں کی زبان سے تائید و تصدیق، کذب المنجمون کی!

ہماری پستیاں

”ہمارے ملک کے جامعہ میں عین اس وقت جبکہ جرمنی میں حملہ برسر اقتدار آیا تھا، یو۔ ٹی۔ سی (طلبہ کی فوجی رجمنٹ) کو برخاست کرکے انجمن موسیقی کا افتتاح کیا گیا۔“

”یہاں انجمن اخلاقیات آج تک نہ بن سکی، لیکن انجمن ڈرامہ برج رہی ہے۔“

”بعض سال ہوئے سکندرآباد میں وار فنڈ کا جلسہ غالباً زیر سرپرستی ریذیڈنٹ یا لیڈی ریذیڈنٹ منعقد ہوا گیا اور وہاں گانے ناچنے کی ایک جلسہ میں ایک بالکل نوعمر لڑکی نے اپنا ناچ دکھلایا۔ اس میں شک نہیں کہ باوجود آٹھ نو سالہ لڑکی ہونے کے اس نے ناچ کے خوب جوہر دکھلائے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایسے کمالات ہمارے طبقہ نسوانیت کے حاصل کرلینے سے (اخلاقی نقطۂ نظر سے قطع نظر بھی کرکے) کوئی قوم، قوم رہ سکتی ہے، یا قوم بن سکتی ہے“ ؟

”حاصل یہ کہ اس جنگ یا جوش و امتحان میں ہم نے کوئی ذہنی کام ایا بھی تو گذشتہ ہفتہ لندن و فرخندہ بنیاد میں انجمن فنون لطیفہ کا قیام ہوا، ناچ کے ذریعہ سے اسکا افتتاح ہوا تھا۔ کہیں طیارہ سازی کے کارخانہ بن رہے ہیں اور کہیں فوجی تعلیم دی جارہی ہے، لیکن ہمارے ملک میں اگر ہو رہا ہے تو اس پر آشوب زمانہ میں بھی ناچ گانے کا انتظام اور وہ بھی ہماری نوعمر لڑکیوں اور مستورات کے ذریعہ!“ (تقریر صدارت نواب ... یار جنگ بہادر)

ایک درد مند دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کچھ بھی بالغہ آمیز ہیں؟ لیکن خصوصیت دکن کی نہیں، پنجاب اور بہار، دکن اور یو۔پی، بمبئی اور بنگال سب ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ اور کشتی کا رُخ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہلاکت و خودکشی کے کیسے قعر عظیم کی جانب ہے؟

اعلان تعطیل

انشاء اللہ حسب معمول قدیم ہفتہ آئندہ دفتر صدق میں بسلسلہ عید الفطر تعطیل رہیگی۔ اس لیے ۱۹ اکتوبر کا صدق شایع نہ ہوگا۔ ناظرین انتظار نہ فرمائیں۔

مہتمم

سورة البقرة، رکوع (۷)

بسلسلۂ صدق نمبر ۲۳ ماقبل

(از عبد الماجد)

۵۲۔ ثم عفونا عنکم من بعد ذلک لعلکم تشکرون — پھر معاف کر دیا ہم نے تم کو اسکے بعد بھی،[۳۰۲] کہ شاید تم شکرگزار بن جاؤ۔[۳۰۳]

۵۳۔ واذ اٰتینا موسی الکتٰب والفرقان لعلکم تهتدون۔ — اور (یاد کرو وہ وقت) جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب[۳۰۴] اور فرقان[۳۰۵] تاکہ تم راہ پاؤ۔[۳۰۶]

۵۴۔ واذ قال موسی لقومه یٰقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هو التواب الرحیم — اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے[۳۰۷] کہ اے میری قوم یقیناً تم لوگوں نے بڑا ظلم کیا اپنی جانوں پر اپنی گوسالہ گیری سے[۳۰۸] سو اب توبہ کرو اپنے خدا سے پھر قتل کر دو اپنے اشخاص کو،[۳۰۹] یہی بہتر ہے تمہارے حق میں خدا کے نزدیک،[۳۱۰] پھر اس نے توبہ قبول کی تمہاری۔[۳۱۱] بیشک وہی تو ہے بڑا قبول کرنے والا توبہ کا، بڑا مہربان۔

۳۰۲ یعنی تمہاری توبہ و استغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد۔

چاہیے تو یہ تھا کہ گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا ساری قوم کو ملتی۔ جن لوگوں نے شرک کیا تھا انھیں واقعی شرک کی اور جو خاموشی سے یہ تماشا دیکھتے رہے تھے، انھیں سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی۔ لیکن سزا صرف ایک خاص گروہ کو ملی جیسا ابھی آتا ہے، اور باقی لوگ توبہ و استغفار کے بعد بچ گئے۔

۳۰۳ (کہ) احسان گزاری اور منت پذیری تو جوہر شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے۔ اور اس موقع پر شکرگزاری توحید و طاعت پر ثبات تھی۔

۳۰۴ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق ”الکتاب“ کا لفظ علاوہ قرآن کے توریت کے لیے بھی آیا ہے۔

۳۰۵ فرقان کے لفظی معنی ایسا امر و تمیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ کل ما فرق به بین الحق والباطل فهو فرقان (لسان) الفرقان ایک نام ہے قرآن کا، اس لیے کہ قرآن حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اسکا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت و انجیل پر بھی ہو سکتا ہے، کہ یہ کتابیں فارق ہیں حق و باطل کے درمیان عقائد میں، صدق و کذب کے درمیان اقوال میں، اور اچھے اور برے کے درمیان اعمال میں۔ (راغب)

یہاں الفرقان کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں، مثلاً

(۱) یہ کہ الفرقان کا عطف تفسیری ہے الکتٰب پر، اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے، یعنی توریت۔ توریت کی دو صفتیں ہیں، ایک صفت کتابیت، دوسری صفت فرقانیت۔ اول کے لحاظ سے اسے الکتاب کہا گیا، دوسری کے لحاظ سے الفرقان۔

۵۵۔ واذ قلتم یٰموسی لن نؤمن لک حتی نری الله جهرة فاخذتکم الصٰعقة وانتم تنظرون۔ — اور (یاد کرو وہ وقت) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز باور نہ کریں گے آپ کے (کہنے) سے[۳۱۲] جب تک ہم خود نہ دیکھ لیں خدا کو علانیہ،[۳۱۳] سو (اس پر) آ لیا تم کو کڑک نے[۳۱۴] اور تم (اسکا آنا) دیکھ رہے تھے۔

(۲) مراد اس سے توریت اپنے بیان احکام شرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباسؓ اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ هو الکتاب الذی فرق به بین الحق والباطل وهو نعت التوراة (ابن جریر)

(۳) مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئے تھے، مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ ید بیضا وغیرہ۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ انه المعجزات الفارقة بین الحق والباطل (معالم)

(۴) مراد ہے وہ فتح و غلبہ جو بنی اسرائیل کو حکومت فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا۔ النصر والفرج الذی اتاه الله بنی اسرائیل علی قوم فرعون (کبیر)

یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے مسائل و اسرار کی تعلیم حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی، جو انکے بعد سے سینہ بہ سینہ، نسلاً بعد نسلٍ انکی قوم میں منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں، سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اس علم سفینہ کے علاوہ یہ علم سینہ ہے۔

۳۰۶ راہ انھیں ملنا تو پہلے ہی ملی چکی تھی۔ اب کتاب اس لیے نازل فرما دی گئی کہ ایک مستقل و مرتب دستور العمل ہمیشہ کے لیے ہاتھ میں رہے اور راہ بھٹکنے نہ پائیں۔

۳۰۷ (بعد اسکے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہو چکے تھے)

۳۰۸ (کہ توحید جیسی دولت بے بہا پا کر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سفلیت پر اتر آئے)

۳۰۹ توریت میں ہے:۔

”اور موسیٰ نے کہا کہ آج خداوند کے لیے اپنے تئیں مخصوص کرو، ہر مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے تاکہ وہ تمھیں برکت دیوے“ (خروج ۳۲: ۲۹)

فتوبوا میں فا سببیہ ہے، کہ جو انھوں نے ظلم کیا ہوتا وہ آج توبہ کی نوبت آئی۔ الفاء للسببیة لان الظلم سبب للتوبة (روح)

۳۱۰ (اپنے ہاتھ سے) یعنی مجرمین کو غیر مجرمین قتل کریں۔ فلیقتل الذی لم یعبد العجل الذی عبده (ابن عباسؓ)

شرک شریعت موسوی میں خونداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا مستلزم قتل۔ چنانچہ توریت میں مشرک اور مشرکہ کے لیے یہ تصریح ہے کہ

”اس مرد یا اس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مر جاویں … گواہوں کے ہاتھ اس پر پہلے اٹھیں، تاکہ اسکو قتل کریں بعد اسکے باقی سب لوگوں کے ہاتھ۔ تم یوں ہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست و نابود کیجیو“ (استثناء ۱۷: ۵-۷)

اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ خود صاحب شریعت کے سامنے نہ ہوتا؟ شرک کے مجرمین پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے، اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے۔ توریت میں ہے:۔

”تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے، اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکرگاہ میں گزرتے پھرو۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے“

اور (تین) خدا نہ کہو۔

عیسائی کلمۃ اللہ کی تاریخ

اس قسم کے تمام عقائد باطلہ جنھوں نے دین عیسوی کو بالکل مسخ کر دیا، انکے متعلق حافظ ابن قیم نے اغاثۃ اللہفان (ص ۲۰۱) میں بہت معقول بات کہی ہے کہ عیسائیوں نے جب اپنے صحیح دین کو کھو دیا، اور دوسرے مذاہب نیز اہل فلسفہ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو عیسوی مسائل میں ایسی لچک پیدا کرنا شروع کر دی کہ ہر مذہب و مسلک کے لوگ انکے دین میں گنجائش پا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے اہل فلسفہ کو دیکھا کہ وہ عقل، عاقل اور معقول کے اتحاد کے قائل ہیں تو انھوں نے بھی باپ، بیٹے اور روح القدس کا فلسفہ اپنے یہاں کھینچ لیا۔

حافظ ابن قیم نے [illegible] جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے عقیدۂ کلمہ کی تاریخی حیثیت آشکارا ہوتی ہے۔ اس لیے اسکی کسی قدر وضاحت کی ضرورت ہے

جس طرح اہل مذہب عبد و معبود کے درمیان وسائط کو مانتے ہیں، جنکے ذریعے اللہ تعالیٰ تدبیر عالم کا کام لیتا ہے، اسی طرح اہل فلسفہ کے یہاں بھی اس قسم کا تخیل موجود ہے، انکو مسلمانوں کے سوا تمام دوسرے فرقوں نے اس سلسلہ میں سخت دھوکا کھایا ہے اور انھوں نے ان وسائط (یعنی فرشتوں) کو معبود بنا لیا ہے!

چنانچہ اہل مذہب میں صابی ان ہستیوں کو ستاروں کی صورت میں مانتے ہیں، پارسی امشا سپند کہتے ہیں، یہودی کروبیم کہتے ہیں عیسائی جبرئیل اور روح القدس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، ہندو دیوتا اور دیوی کی شکل میں انکو مانتے ہیں، اہل عرب خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے![1]

اسی طرح مصری، اسکندرانی فلسفہ بھی اسی تصور کے ماتحت عقول عشرہ اور نو آسمانوں میں الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کرتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تاریخ البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۱ میں کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت

وقالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذالک قولہم بافواہہم	اور یہودیوں (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں، یہ انکا قول ہے

[illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں خدا کے بندے اور رسول کی حیثیت سے آئے تھے لیکن عیسائیوں کی فلسفہ پرستی نے انکو عقل اول کی تقلید میں کبھی خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا کبھی خدا بنایا اور کبھی بیک وقت دونوں بنا دیا!

یونانی فلسفہ میں لوگس کیا چیز ہے؟ اسکو ڈاکٹر ولہم نیس کی زبان سے سنیے! وہ کہتا ہے:-

"اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ خدا بالکل ماورائے عالم ہونے کے باوجود اسکے اندر کس طرح عمل کرتا ہے، فائلو ایک مفروضہ قائم کرتا ہے جس سے اس زمانے کے لوگ بھی ناواقف نہیں تھے لیکن جس کو فلاطینوس سے پیشتر فائلو سے زیادہ منظم طور پر کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ یہ وہ مفروضہ ہے کہ خدا اور عالم کے درمیان واسطی ہستیاں پائی جاتی ہیں، ان ہستیوں کے مزید تعین کے لیے وہ ملائکہ اور جنات کی نسبت یہودی عقائد اور روح عالم و تصورات کی نسبت افلاطون کے بیانات کے علاوہ رواقی تعلیم سے بھی کام لیا کہ خدا کی ہستی سے روحی اخراجات تمام عالم میں حلول کیے ہوئے ہیں۔

ان متوسطی ہستیوں کو وہ قوتیں یا ملکات کہتا ہے۔ ایک طرف انکو صفات الٰہیہ یا افکار الٰہیہ قرار دیتا ہے جو عقل کل اور قوت کل کے اجزا ہیں، دوسری طرف انکو خدا کے بندے اور پیامبر کہتا ہے، اور انھیں ارواح، ملائکہ اور جنات قرار دیتا ہے جو خدا کے ارادے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ان دونوں انداز بیان میں موافقت پیدا کرنا اور اس بات کا جواب دینا کہ آیا یہ قوتیں شخصیت رکھتی ہیں یا نہیں، اسکے لیے ممکن نہ تھا، یہ تمام قوتیں ایک واحد قوت کے اندر پائی جاتی ہیں جو لوغوس ہے۔ لوغوس خدا اور عالم کے درمیان ایک واسطہ کلی ہے وہ تمام تصورات کا ماخذ اور خدا کی عقل و حکمت ہے وہ تمام قوتوں کو شامل ہے۔ وہ خدا کا خلیفہ اور سفیر رسول ہے عالم کی خلقت اور حکومت اسی کے ذریعے سے ہوتی ہے وہ سب سے بڑا فرشتہ اور خدا کا سب سے پہلا بیٹا ہے جسے خدائے ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ لوغوس یا کلمہ عالم کا اصلی نمونہ ہے جس نے کائنات کو بہ صورت ایک پیراہن کے پہن لیا ہے![2]

فلسفۂ یونان کا یہ لوگس عیسائیوں کے یہاں یوحنا کی انجیل میں اس طرح ظاہر ہوا:

ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اسکے ہوئی! (یوحنا ۱)

عیسائیوں نے اہل فلسفہ کی طرح جب مسلمانوں کو اپنے دام میں لانا چاہا تو لوگس کے اسی تخیل کو قرآنی لفظ کلمۃ اللہ کے ذریعہ ادا کرنا چاہا تاکہ شاید ابن کلاب جیسے بعض اور لوگ بھی انکے ہاتھ آ جائیں! یہ ہے عیسائی کلمہ کی تاریخ! (باقی آئندہ)

---

[1] ڈاکٹر توفیق صدقی اپنی کتاب نظرۃ فی کتب العہد الجدید میں کہتے ہیں کہ [illegible] یہ شہیر یونانی فلسفی [illegible] کا بڑا مداح اور معتقد تھا۔ نیز خود یوحنا بھی لوگس کے عقیدہ [illegible] سے بہت متاثر تھا

[2] مختصر تاریخ فلسفہ یونان۔ ص ۲۶۹۔ دارالترجمہ حیدرآباد دکن۔

۶۰ - وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔

اور (یاد کرو وہ وقت) جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے ۲۳۷ سو ہم نے کہا (اے موسیٰ) مارو اپنا عصا (فلاں) پتھر پر ۲۳۸ پس پھوٹ نکلے اس میں سے بارہ چشمے ۲۳۹ معلوم کر لیا ہر گروہ نے اپنا گھاٹ ۲۴۰ کھاؤ اور پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے ۲۴۱ اور مت پھرو زمین پر فساد کرتے ہوئے۔ ۲۴۲

اصل باعث شرائع موسوی کی مخالفت ورزی تھی۔ —— شریعت کی بارگاہ معاصی اور امراض کے درمیان کے ان خفی تعلقات تک بآسانی پہونچ جاتی ہے، جو دنیا کے بڑے بڑے اطبا و حکماء کی نظر سے مخفی رہ جاتے ہیں۔ عارف رومی نے سچ کہا ہے ؎

ابر ناید از پے منع زکات

وز زنا افتد وبا اندر جہات

۲۳۷ جب پوری قوم اسرائیل نے حضرت موسیٰ کی رہبری میں اپنے وطن اقامت مصر سے ہجرت کر کے اپنے وطن آبائی شام و فلسطین کی طرف یک بیک چپکے سے روانہ ہوئی ہے، تو رات کے اندھیرے میں راہ بھٹک کر بجائے شمال کی جانب خشکی خشکی سیدھے فلسطین پہونچ جانے کے، جنوب و مشرق کی طرف پڑ لی، اور بحر قلزم کی ایک تنگ شاخ کو امداد غیبی سے عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں پہونچی، اور برسوں اسی لق و دق بیابان و کوہستان میں بسر کرتی رہی۔ اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہوتی رہتی تھی، کہ یکایک ایک ایسی جگہ پہونچے، جہاں پانی نایاب تھا، اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ قوم اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ کے سر ہو گئی کہ ہم پیاسوں مرے جاتے ہیں، جہاں سے بن پڑے، پانی دلوائیے۔ توریت میں ہے:۔

"تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا۔ وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے اور کہا ہم کو پانی دے کہ پئیں ..... موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں؟ وہ سب تو ابھی مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔"

(خروج ۱۷: ۱-۴)

اور قدیم یہودی مورخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔

"وہ مقام رفیدیم میں پہونچے، جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے۔ یہاں کی سرزمین پر پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر پھر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے ..... لیکن وہ خدا کے آگے دعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گئے" (باب ۳ فصل ۲)

لیکن توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدس) بار درج ہے:۔

"بعد اسکے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے مہینے میں دشت صین میں آئی اور قادس میں رہنے لگی ... وہاں جماعت کے لیے پانی نہ تھا۔ سو وہ موسیٰ اور ہارون کے برخلاف اکٹھے ہوئے اور ان لوگوں نے موسیٰ سے جھگڑا کیا اور کہا ... یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں۔ تب موسیٰ اور ہارون جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے اور منہ کے بل گرے" (گنتی ۲۰: ۱-۶)

اس بنا پر علماء توریت میں سخت اختلاف پڑ گیا ہے، کہ وہ مقام جہاں یہ واقعہ پیش آیا کونسا تھا۔ لیکن بہرحال وہ مقام وہ ہو یا یہ ہو، یا دونوں جگہ دو مرتبہ یہ صورت پیش آئی ہو، نفس اس واقعہ کا وقوع تاریخ اسرائیل کے مسلمات میں ہے۔

۲۳۸ (تاکہ اس چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے) - پہاڑی چشموں کی تفصیل کے شاہدہ میں آ چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پانی کے لیے دعا کی، تو انھیں ہدایت ہوئی کہ فلاں چٹان تک چلے جاؤ، وہاں چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی وافر نکلے گا۔

توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ حورب کا ہے۔

"خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے، اور اپنا عصا جو تو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں حورب کے چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہونگا، تو اس چٹان کو ماریو، اس سے پانی نکلیگا تاکہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا۔" (خروج ۱۷: ۵، ۶)

"تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان کو دو بار اپنی لاٹھی سے مارا، تو بہت پانی نکلا اور جماعت نے اور انکے چارپایوں نے پانی پیا" (گنتی ۲۰: ۹-۱۱)

الحجر سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسیٰ کے علم میں تھی۔ والاشارۃ الی حجر معلوم (کبیر) اللام فیہ للعھد (بیضاوی) کان حجرا معینا بدلیل انہ عرفہ بالالف واللام (معالم)

اضرب بعصاک الحجر کے صاف سیدھے اور کھلے ہوئے معنی چھوڑ کر آیت کا ترجمہ یہ کرنا کہ "اے موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ" لغت عربی پر، واقعات تاریخ پر، اپنے فہم سلیم پر، سب پر ظلم کرنا ہے۔ ضرب کے معنی عربی میں چلنے کے جب ہی آ سکتے ہیں، جب فعل ضرب کا صلہ "فی" کے ساتھ ہو، مثلاً ضرب فی الارض اور یہ یہاں موجود نہیں۔ پھر پہاڑی چشموں سے پانی کا رواں ہوتے رہنا، تجربہ و مشاہدہ کے خلاف کیسے کہا جا سکتا ہے؟

۲۳۹ یعنی اس پہاڑی چشمے سے بارہ دھارے، بارہ ٹونٹیاں الگ الگ جاری ہو گئیں۔ یہ تعداد بارہ قبیلوں یا بارہ ٹکڑیوں کے عین مطابق ہے۔

بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر رکھ دیا ہے۔ قدرت نے اسکا جواب بھی خود مسیحیوں ہی کی زبان سے دلوا دیا! جارج سیل، انگریزی میں قرآن کا قدیم ترین مترجم ہے، اپنے حاشیہ میں لکھتا ہے:۔

"ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے، تصریح سے بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا۔"

اخلاص

(از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

خلوص، اخلاص، اور مخلص وغیرہ الفاظ ہماری زبان میں بہت چڑھے ہوئے ہیں، ہم جب کسی شخص کے کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور اسکی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو ان لفظوں میں سے کوئی نہ کوئی لفظ ضرور اسکی تعریف میں لگا دیتے ہیں۔ عموماً تو یہ استعمال کچھ بیجا سا بلکہ مسرفانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات صحیح بھی معلوم ہوتا ہے، مثلاً جو لوگ یہ جماعتی کام کرتے ہیں، اسکے لیے ہر طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں جیلخانے جاتے ہیں، پولیس کے ڈنڈے کھاتے ہیں، اخبار، مالک و جائداد کے خطرات برداشت کرتے ہیں اور بظاہر اس کام سے سلسلے میں اپنی ذات یا اپنے متعلقین کی کوئی منفعت شخصی سامنے نہیں رکھتے۔ ایک اسکول یا کالج کھولتے ہیں، اسکے لیے دربدر بھٹکتے ہیں، اسکو ترقی دیتے ہیں اور مرتے ہیں تو کفن تک کے لیے پیسے چھوڑ کے نہیں جاتے۔ یا کتابیں لکھتے ہیں اور اس سے کوئی تاجرانہ مقصد پیش نظر نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ اس بات کے ضرور مستحق ہیں کہ اگر انکے کاموں میں شہرت طلبی اور خواہش نام و نمود کی کوئی کھلی ہوئی علامت موجود نہ ہو تو انکو مخلص کہا جائے۔

لیکن ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو مخلص مانیے، تو لوگ اخلاص اور اصابت میں کچھ ایسا منطقی لزوم سمجھتے ہیں، کہ پھر آپ سے اس کے اعمال کی صحت و اصابت تسلیم کرنے کا بھی مطالبہ کرینگے۔ یہ مطالبہ ذرا ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے۔ پہلی بات تو سماحت کرکے مان لیجیے تو دل پر کچھ ایسی گراں نہیں گزرتی، مگر مجھ کے بعد اس دوسرے کو تسلیم کرنا ان طبیعتوں پر شاق ہوتا ہے، جو اخلاص کے معنی مطالب سے بیخبر نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ بہت کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی شخص کا اخلاص اسکے عمل کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنے ارادہ میں نہایت مخلص ہو، مگر اسکا عمل بالکل غلط ہو۔ ماں کی امتا کتنی بے غرض چیز ہے، بیٹے کے لیے وہ جو کچھ کرتی ہے، بیٹے کے لیے وہ جو کچھ کرتی ہے سچے مادری جوش کے سوا اور کیا چیز اسکی محرک ہوسکتی ہے، لیکن دیکھیے وہ اخلاص کتنے بچوں کی جانیں روز لیا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مجرد اخلاص کافی نہیں ہے، بلکہ اسکے ساتھ علم بھی ایک ضروری شرط ہے۔ آپ طبیب نہیں ہیں مگر مریضوں کا علاج شروع کر دیں، مذہب سے واقف نہیں ہیں مگر فتوے نویسی کی مسند بچھا دیں، عربی کی الف بے بھی نہیں جانتے اور قرآن کی تفسیر لکھ ڈالیں، انجنیئر نہیں ہیں مگر پل بنانے کی ذمہ داری اٹھالیں، ڈرائیور نہیں ہیں مگر موٹر چلانے لگ جائیں، تو چاہے کتنے ہی اخلاص کے ساتھ ان کاموں کو انجام دیں، مگر آپ کا عمل صحیح نہیں ہوسکتا، اور اگر صحیح ہوگا تو یہ ایک اتفاقی بات ہوگی، اور یہ اتفاقی صحت آپ کو ایک خطرناک اقدام کی ذمہ داری سے بری نہیں کرتی۔ آپ اس بات کے مستحق ہونگے کہ آپ کو امراض دماغی کے کسی شفاخانہ میں بھیجا جائے۔

یہ بات اخلاص اور خلوص کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھ کر کہی گئی ہے جو عرف عام میں مشہور ہوگیا ہے، لیکن ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتے ہیں کہ اخلاص کا یہ مفہوم غیر قرآنی ہے، قرآن میں، یہ لفظ کسی کام کو صرف اللہ کے لیے انجام دیا جائے وہ اخلاص کا کام ہے۔ اور جو شخص خالص اللہ کے لیے کسی کام کو کرے وہ مخلص ہے۔ اس لفظ کی اصلی روح توحید ہے۔ چنانچہ سورۂ اخلاص جو توحید کی سورۃ ہے اسی وجہ سے سورۂ اخلاص کے نام سے موسوم ہے۔ تمام آیتیں نقل کرنے میں طول المستوجب ہوگی، ہم صرف چند آیتیں محض بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

سورۂ نساء میں ہے، اخلصوا دینھم للہ جنھوں نے اپنی اطاعت اللہ کے لیے خالص رکھی۔ فاعبد اللہ مخلصین لہ الدین۔ پس اللہ ہی کی عبادت کرو اسکے لیے اپنی عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔ ونحن لہ مخلصون، اور ہماری اطاعت اللہ کے لیے خالص ہے، وغیرہ۔ پس اخلاص کا کام وہ ہے جو اللہ واحد کے لیے کیا جائے، اس میں کوئی اور شائبہ نہ پایا جائے۔ اور مخلص وہ شخص ہوگا جسکے اعمال و افعال کی محرک صرف خدا کی خوشنودی ہو، وہ بچوں کے منہ میں لقمہ ڈالنے سے لیکر قوموں کی سیادت و قیادت تک جو کچھ کرتا ہو، مجرد رضائے مولی کے داعیہ سے کرتا ہو، اس میں کوئی دغدغہ اور وسوسہ شامل نہ ہو، احادیث میں یہ حقیقت نہایت دلآویز لفظوں میں تعبیر ہوئی ہے، اور شاہ صاحب نے شرح فرمایا، بعض احادیث کے ذیل میں اور ابن قیم نے اپنی بعض تالیفات میں ایسی باتیں فرمائی ہیں کہ ان سے روح کو تازگی اور ایمان کو غذا نصیب ہوتی ہے۔ مگر ان لطائف کی تفصیل کے لیے اس مختصر اور سادہ تحریر میں گنجایش نہیں ہے۔

بہر حال قرآن میں اس لفظ کی جو حقیقت ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی خدمت کو مخلصانہ اور کسی شخص کو مخلص سمجھنے کے لیے تنہا یہ بات کافی نہیں ہے، کہ وہ ذاتی مفاد کی آلائشوں سے پاک ہے۔ بے شبہ جو شخص ہر کام اپنے ہی پیٹ اور تن کے لیے کرتا ہے اور جسکی تمام تگ و دو کا محور اس کی اپنی ہی ذات ہے اس نے حیوانیت کے دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالا ہے، اور اسکے مقابل میں وہ شخص ایک دوسری حیثیت رکھتا ہے، جو ذات کی تنگنائے سے نکل کر خاندان، قوم، ملک، وطن وغیرہ کی وسعتوں میں بڑھ گیا ہے، لیکن قرآن کے مفہوم اخلاص کو سامنے رکھ کر جب ہم ان دونوں میں مقابلہ کرینگے تو یہ مقابلہ دو برائیوں میں ہوگا، دو اچھائیوں میں نہیں ہوگا۔ یعنی یہ کہیں گے کہ پہلے کے مقابلہ میں دوسرا کم برا ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ پہلے کے مقابل میں دوسرا زیادہ اچھا ہے، کیونکہ قرآن مجید تنہا یہ نہیں مطالبہ کرتا کہ ایک آدمی اپنی ذات اور شخصیت کی پرستش سے چھوٹ جائے، اسکا مطالبہ تو یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے سوا آدمی کے اعمال کے لیے کوئی اور محرک ہی باقی نہ رہے، اور اسی لیے جیے، اسی کے لیے مرے، اور اسی کی رضا کی تلاش میں ہر لمحہ سرگرم کار رہے۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو مخلص ہونا تو درکنار اسکے تمام اعمال اللہ تعالی کی نظر میں اکارت ہیں۔

ممکن ہے بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے، گرچہ بالکل صاف

بالکل بجا ہے کہ انسان کے اعمال کے لیے اگر صفات و ذات کے سوا کوئی اور محرک تسلیم کر لیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اسکی تمام روحانی عظمتوں کا خاتمہ ہو جائیگا بلکہ انسان زمین میں خدا کا خلیفہ ہونے کے بجائے شیطان کا ایجنٹ بن جائیگا۔ جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ رکھا ہے، انکے سامنے اُنکی ذات سے لیکر قوم و ملک تک سینکڑوں صنم ہیں، ان میں سے کس کے ساتھ رشتۂ اخلاص جوڑ کر انسان اپنے اعمال کو ایک دم صالح بنا سکتا ہے؟

ممکن ہے آپ جواب میں قوم و ملت، وطن وغیرہ (صحیح ہے، اس زمانہ کے سب سے اونچے دیوتا یہی ہیں) اور اگر ایک شخص اپنی قوم کا مخلص ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ قوم ہی کے مفاد کے لیے کرتا ہے تو ہم اسکے ترانے گاتے ہیں لیکن اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ جو شخص اپنی قوم کا دوست ہے وہ دوسری قوموں کا دشمن ہے۔ افلاطون اور ارسطو بڑے فلسفی اور عقلمند تھے لیکن افلاطون کی جمہوریت اور ارسطو کی سیاست میں دیکھیے کہ یہ فلسفی بھی اپنی قوم کے سوا دوسروں کے ساتھ انصاف نہ کر سکے۔

اور ان پرانے فلسفیوں کے نام گنانے کی ضرورت کیا ہے؟ ہٹلر، مسولینی اور یورپ و امریکہ کے دوسرے ائمہ سیاست کے اخلاص میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟ ان میں سے ایک ایک اپنی قوم کا جاں نثار ہے اور قوم و وطن ہی انکے اعمال و افعال کے محرک ہیں، لیکن دیکھیے کہ انکے اخلاص وطنی و قومی نے آج دنیا میں کیا ہنگامہ بپا رکھا ہے اور غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں سے جسکا اخلاص اپنی قوم کے لیے جتنا ہی زیادہ بڑھا چڑھا ہوا ہے وہ دنیا کے لیے اتنا ہی بڑا عذاب ہے۔ لیکن اگر یہ وطن و قوم کے بجائے خدا کے مخلص ہوتے، تو نہ دنیا پر یہ آفت نازل ہوتی اور نہ خود انکی قومیں اس عذاب میں مبتلا ہوتیں

خدا کا اخلاص محض تقدس کے لیے ضروری نہیں بلکہ ایک عملی ضرورت ہے، اسکے بغیر انسان کا جو قدم بھی اٹھیگا غلط اٹھیگا۔ صرف خدا ہی کے تعلق سے انسان کے دماغ میں وہ روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے وہ اپنا اور دنیا کا صحیح مفاد پہچان سکتا ہے۔ اسکے بغیر اگر وہ چلیگا تو کتنا ہی بڑا فلسفی اور مدبر کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی کھڈ میں ضرور گر جائیگا۔ اپنے گھر کی نالی میں نہیں گریگا، شہر کے بیچ بیچ میں گر جائیگا، مگر گریگا ضرور۔

بہر حال دنیا کی قومیں جسکو چاہیں مخلص کا لقب دیدیں لیکن مسلمان تو صرف اسی کو مخلص کہہ سکتا ہے جسکی تلاش زندگی بھر یہ رہی ہو کہ خدا کی مرضی کس بات میں ہے۔ ممکن ہے اُس نے اپنے فیصلوں اور کاموں میں نہایت فاحش غلطیاں بھی کی ہوں، لیکن یہ اجتہادی غلطیاں ہونگی، اس سے اسکا اجر و ثواب ضائع نہیں جائیگا، لیکن جن لوگوں کے پیش نظر خدا کی مرضی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے وہ اگر قومی خدمات کے جوش میں اپنے تکے بوٹی کرا دیں تو وہ قومی سرفروش، وطنی لیڈر اور نہ جانے کیا کیا کہے جا سکتے ہیں، اور اپنے وطن و قوم کے وہ مخلص بھی پکارے جا سکتے ہیں، لیکن جس اخلاص کی تعلیم قرآن مجید نے دی ہے وہ اخلاص اپنے ساتھ ایک مخصوص نسبت رکھتا ہے۔ اور بغیر اس نسبت کے کسی فعل یا شخص کے لیے اسکا استعمال صحیح نہیں ہے۔

شیرِ خدا علیِ مرتضیٰؓ

(از جناب مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب۔ حیدرآباد دکن)

جسکو خدا نے آخری طور پر نسل انسانی کو غلط راہوں سے ہٹا کر صراطِ مستقیم پر لانے کے لیے بھیجا تھا، اُس نے سب سے بہتر قرن کے لیے بہترین قلوب کو چُنا، اپنی صحبت اور رفاقت میں رکھا۔ پھر بنی آدم کو حکم دیا کہ "بایہم اقتدیتم اہتدیتم" (ان میں سے جس کسی کی پیروی کروگے سیدھی راہ پاؤگے۔

مردوں میں ایک ایسا جوان اسلام نے پیدا کیا جو باتفاق محدثین و مورخین آغوش نبوت میں اپنی عمر کے آٹھویں سال قطعی طور پر آ گیا تھا۔ محمد بن اسحٰق صاحب سیرت نے لکھا ہے (رفاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضمہ الیہ) یعنی بیٹا بنالیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو (حضرت ابوطالب سے) لپٹالیا اپنے سینہ سے۔

پھر کون نہیں جانتا کہ جس نے نبوت کے آغوش میں ہوش سنبھالا اُسنے جب عالم غیب سے اس خاندانِ شہادت کو دینے بارک ناموں سے سرفراز فرمایا تو اسکے ظہور کی کیا دیر ہی ہوگی، تعلق جسکے متعلق ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ وہ ہر قسم کے مخالف قوت سے محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ اپنے خاندان کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کھانے پر جمع فرمایا اور اُس وقت دریافت فرمایا کہ میرا ساتھ کون دیتا ہے؟

ایک نو عمر بچہ (علیؓ) نے جواب دیا "گو میرے پاؤں کمزور ہیں لیکن میں ساتھ دونگا" ابو لہب اس پر ہنسا کہ بس اسی ایک لڑکے کے بھروسے اور سہارے کام چلے گا؟ لیکن دنیا نے دیکھا کہ جسے لڑکا سمجھا گیا تھا، اُس نے تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا اور جو وعدہ کیا تھا اسکو پورا کر دکھایا۔

اس نے حضرموت کی بنی ہوئی سبز چادر میں لپٹ کر اُس وقت لیٹا جس وقت سب کہہ رہے تھے کہ موت کی اس چادر میں لپٹ کر سونے والا شاید کبھی نہیں اُٹھیگا۔ حالانکہ جو سویا تھا وہی جاگا اور ابد تک اُسکا نصیب جاگتا رہیگا۔ جو کفار کے حملہ کے ارادے سے جاگ رہے تھے وہی سوگئے اور نامرادی کی نیند صرف اُن ہی کے لیے تھی۔

دیکھو! دنیا میں نبوت کی شعاعوں کو نازک گھڑیوں میں کون پھیلا رہا ہے، معرکۂ بدر ہے۔ ادھر کفار حملہ آور ہیں، اُدھر رسول اللہ ﷺ سر بسجود دعا ہے کہ اگر آج اس چھوٹی سی جماعت کو شکست ہو گئی تو اے خدا زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔ مسلمانوں کے متعلق قرآن خبر دے رہا ہے کہ وہ گمان کر رہے تھے کہ ہم موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں۔

قریش کے سورماؤں نے اپنے پرچم کو ہلا کر غرور کے لہجہ میں پکارا، (یا محمد، اخرج الینا اکفاءنا) اے محمد ہمارے ہم پلہ لوگوں کو بھیجو۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک بیس سالہ نوجوان نکلا، جسکے متعلق ابولہب نے کہا تھا کہ کیا اسی لڑکے کی مدد کام آئیگی؟ لیکن بدر کا نقشہ دیکھو
لڑکے کی وجہ سے [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد

دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبد القوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلات اس پتہ پر بھیجیے: محمد عبد الرؤف باسمی مہتمم "صدق" مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ / ششماہی / بیرون ہند سے سالانہ / قیمت فی پرچہ

صدق لکھنؤ

نمبر ۱۰ | دوشنبہ ۲۶ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

پارسی مذہب دنیا کا ایک مشہور مذہب ہے۔ تاٹا اور موٹی اور نوروجی کے نام سے انگریزی پڑھے لکھوں میں کون ناواقف ہے؟ قرآن مجید میں ذکر مجوس کا آیا ہے۔ اور فارسی شعر و ادب تو کنشت و مغبچہ اور پیر مغاں اور آتش کدہ کی تلمیحات سے بھرے پڑے ہیں۔ انکی مقدس اور الہامی کتاب اوستا آپ جانتے ہیں کس طریقہ پر محفوظ و مدون ہوئی ہے؟ پارسی عقیدہ یہ ہے کہ

"زرتشت کی تعلیمات کو جو لکھی ہوئی شکل میں محفوظ تھیں، سکندر نے جلا کر تباہ کر دیا تھا۔ جب اردشیر اول کو دوبارہ انکے لکھوانے کا خیال آیا تو اس زمانے میں اردا ویراف ایک نہایت باخدا و متقی شخص تھا اور صاحب کشف و کرامات تھا۔ اسکو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس نے مناسب غسل، طہارت کے بعد ایک نہایت قوی نیند آور دوا کھائی، اور سات دن تک سوتا رہا۔ اس عرصہ میں اسکو عالم رویا میں زرتشت کے تمام اوراق حفظ کرا دیے گئے، جو اس نے بیدار ہو کر لفظ بلفظ لکھوا دیے۔ اور یہی ہے کتاب مقدس اوستا۔"

سوال اوستا کی الہامیت کا نہیں، وہ تو بہت بعد کا سوال ہے، گفتگو صرف اسکی صحت و ثبوت کا ہے۔ بالفرض وہ الہامی ہی سہی، ہر حال ہم تک پہونچی کن ذریعوں سے ہے؟ —— راویوں کے ذریعہ سے نہیں، اور جب روایت کا وجود ہی سرے سے نہیں، تو اس پر جرح کیسی، اور راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کی بحث ہی کیا؟ —— وہ کتاب جس پر مذہب کا دارومدار ہے، صرف خواب کے ذریعہ سے پہونچی! خواب صرف ایک شخص کا! اور خواب بھی قدرتی نہیں، مصنوعی! اور دوا کے ذریعے پیدا کیا ہوا!

آگے چلیے۔ دنیا کے مشہور ترین مذہب مسیحیت کو لیجیے۔ کلیسا کی مسلم اور معتبر چار دس انجیلیں، جیسے خود مسیح بھی سہی، آخر بیسیوں جعلی اور غیر مستند انجیلوں میں سے کیونکر چار، اور کس معیار سے معتبر اور مستند قرار پائیں؟

"انا جیل کا شوق پیدا ہوتے ہی لوگ ہر جگہ جھوٹی سچی ہر قسم کی انجیلیں لکھنے لگے۔ نیقیہ کی کونسل (۳۲۵ء) میں جو پہلی کوشش ہوئی وہ یہ تھی کہ مستند و غیر مستند جتنی بھی انجیلیں تھیں سب گرجے کے صدر مقام پر رکھدی گئیں، اور بزرگان دین نے بڑے خضوع و خشوع سے دعا مانگنی شروع کی کہ جتنی کتابیں روح القدس کے الہام کے مطابق ہوں اوپر رکھی رہیں، اور جو غیر مستند ہوں نیچے گر پڑیں۔ بس اس موقع پر جو کتابیں نیچے گر پڑیں وہ تو مسترد کر دی گئیں، اور جو اوپر رکھی رہ گئیں، واجب العمل مانی گئیں۔ ... کونسل کے ممبروں میں سے دو بشپ عین انعقاد کونسل کے زمانہ میں مر گئے۔ کونسل کی کارروائیوں کے استناد کے لیے ان دونوں کے بھی دستخطوں کی ضرورت تھی۔ کونسل کے فیصلوں کی مسلیں انکی قبروں پر لے جا کر رکھ دی گئیں اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ کوئی اندر نہ جانے پائے۔ محترم بزرگان کلیسا رات بھر دعا مانگتے رہے۔ صبح کو قبروں پر جا کر دیکھا تو مسلوں پر دونوں مرحومین کے دستخط موجود تھے!"

کیسے اسے مسلم مذہب کے پاس ان کرامات، ان عجائبات، ان معجزات کے مقابلہ کی کوئی چیز؟ بڑا دعوی لے دے کے تواتر کا ہے، یعنی اپنے قرآن کے ہر ہر لفظ، ہر ہر حرف، ہر ہر نقطہ، ہر ہر اعراب سے متعلق، ہر زمانہ میں، ہر قرن میں، ہر عہد میں، بے شمار و بے حساب تعداد میں راویوں کی مسلسل و بلا انقطاع سلسلۂ روایت کا، سند متصل کا! اور قرآن تو خیر بہت بڑی چیز ہے، اسکے توضیح و تفسیر حدیث تک کا ایک ایک لفظ جنچا تلا ہوا ہے، تلا ہوا ہے، جرح کیا ہوا ہے! اسکے حریف آج ایسے ایسے ہیں جنھیں ضرورت ہے کسی

جرح کی، نہ کسی سند کی، نہ کسی تحقیق ثقہ و غیر ثقہ، معتبر و غیر معتبر کی۔ ملامت اپنا خوش عقیدگیاں کہ بس ایک رات کی تاریکی، اسپلیں دوگی کافی ہے برات کو دن بنا دینے کے لیے، ہر باطل کو حق میں تبدیل کر دینے کے لیے ہر بندہ ومین نمود مذاق پیدا کر دینے کے لیے!

دہلی ۱۸۵۷ء میں

خطوطِ غالب مرتبہ "مولوی" مہیش پرشاد کی جو جلد الہ آباد، ہندوستانی اکاڈمی سے شائع ہوئی ہے، وہ علاوہ اپنی ادبی لطافتوں اور نورتوں کے، تاریخی معلومات کے لحاظ سے بھی بیش قابل قدر ہے۔ مرزا صاحب ۱۸۵۷ء کے مشہور ہنگامہ کے پانچ ہی چھ مہینے کے بعد ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو، منشی ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:-

"واللہ، ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر کیا غریب، کیا اہلِ حرفہ۔ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔ ... یہاں غریب کیا، بلکہ دیوار بہ دیوار گھر ہیں حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں راجہ نریندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجہ نے صاحبانِ عالیشان سے عہد لے لیا تھا کہ بروقتِ غارتِ دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح کے راجہ کے سپاہی آ بیٹھے، اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ مبالغہ نہ جاننا، امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار، پنشن دار، دولتمند، اہلِ حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمانِ قلعہ پر شدت ہے اور بازپرس اور دار و گیر میں مبتلا ہیں۔ ... گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آج تک بدستور ہے۔ ... دیکھیے انجامِ کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ ابھی دیکھا چاہیے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔" (صفحہ ۲۹)

حقائق پر کوئی پردہ کہاں تک ڈالے رکھ سکتا ہے؟ مسلمان اپنی مغلوبیت اور بیکسی کی تازہ داستان کو بھلانا چاہیں بھی تو کیسے بھلا سکتے ہیں؟

"صاحب" کی خونی تفریح

نیویارک ۳۰ ـ ستمبر ـ کل رات کو جو لوئیس مشہور و معروف حبشی مکہ باز کا مقابلہ "ورلڈ چیمپین شپ" (دنیا کی استادی) کے لئے سفید فام حریف لو نووا سے ہوا ـ اور لوئیس حسب معمول غالب رہا ـ تین پھیروں تک تو مقابلہ معمولی رہا ـ اس کے بعد لوئیس نے جو مکے برسانا شروع کیے، تو نووا کو کہیں پناہ نہ ملی ـ نووا ایک بار گر گر گیا، حلقہ کے باہر ہی آ رہا تھا پھر سنبھلا ـ لیکن سر پر اور منہ پر لوئیس کے متواتر مسلسل مکوں نے حواس گم کر دیئے ـ چھٹے پھیرے میں جا کر یہ نوبت پہنچی کہ گویا اس پر غشی طاری تھی ـ منہ چہرہ اور داہنی آنکھ سے خون کی نلکی چل رہی تھی، اور سر اس زور سے چکرا رہا تھا کہ اس منزل تک وہ پہنچ کر بھی نہ سمجھ پایا کہ معاملہ ختم ہو چکا اور اسے شکست ہو چکی ہے ـ تماشائیوں کا مجمع ۶۰ ہزار کا تھا اور ٹکٹ کے ذریعے آمدنی کا تخمینہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار پونڈ (پونے ۱۵ لاکھ روپیہ) کا کیا گیا ہے ـ اس میں ۲۸ ہزار پونڈ لوئیس کو ملیں گے ـ

(رائٹر کی تار برقی ـ ملخصاً)

شاہان اودھ اور دہلی کے بدنام شوق مرغبازی اور بٹیر بازی کو کوئی نسبت "صاحب" کے اس نیکنام شوق "انسان بازی" سے ہے؟!

"صاحب" کی "آرٹ پروری"

۲۵ ـ اکتوبر کو ہز ایکسیلنسی گورنر صوبہ اور لیڈی ہیلٹ نے ادے شنکر کے کلچر سنٹر (الموڑہ) میں جا کر طلبہ اور طالبات کے کمالات ملاحظہ کیے ـ ہز ایکسیلنسی دوبارہ ۱۸ ـ اکتوبر کو صبح کے وقت گئے، اور دو گھنٹے تک تماشہ گاہ میں رام لیلا کا تماشہ دیکھا ـ اس کے بعد ادے شنکر صاحب کے ہمراہ ہز ایکسیلنسی سمٹولہ تشریف لے گئے، جہاں اس کلچر سنٹر کی آئندہ تعمیر زیر تجویز ہے ـ اور یہاں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت مجوزہ عمارتوں کے سمجھنے اور ان سے دلچسپی لینے میں صرف فرمایا ـ" (اسٹیٹسمین ۲ ـ نومبر ۱۹۴۱ء)

گورنر صاحب کے وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے، اور جنگ کی مصروفیات کے سلسلہ میں تو سنا ہے کہ قیمت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے ـ آرٹ نوازی کا کمال ہے کہ رقص و رقاصی جیسے شریف پیشہ اور مفید و ضروری فن کی سرپرستی میں اتنا وقت، اور دن کے کئی کئی گھنٹے صرف فرمائے جا رہے ہیں! ——

فلاں راجہ یا فلاں نواب، اگر ارباب نشاط کی سرپرستی کریں، تو یہ بدبخت مشرقی تو ہوتے ہی ہیں رنگ رلیاں منانے والے، اور انھیں پر اپنی دولت، ریاست، سلطنت لٹا ڈالنے والے! لیکن وہی توجہ اگر "صاحب" فرمائیں، تو یہ عین "آرٹ پروری" اور "فنون لطیفہ" کی جلیل نوازی!

ایران کی "ترقی پسندی"

لیڈی ڈاکٹر روزان ارشن، ایم ـ ڈی امریکہ کی مشہور و مقبول مصنفہ ہیں ـ ان کی کتاب "اے وومن سرجن" ہاتھوں ہاتھ نکل چکی ہے ـ ایران کی سیاحت دوبار کر چکی ہیں ـ ان کی تازہ کتاب "ٹلے ہیم آگرس ان ایران" پر مفصل ریویو مسلم ورلڈ (نیویارک) کے جولائی نمبر میں نکلا ہے ـ اس کے ضمن میں اصل کتاب کے بھی اقتباسات متعدد آ گئے ہیں ـ ایران، جدید ایران، شاہ رضا پہلوی کے اصلاح یافتہ "ترقی پسند" ایران کی زبردست مداح ہیں، جوش مدح میں آکر لکھتی ہیں: ——

"کسی اور دوسرے سبب سے زائد یہ مشنریوں ہی کا اثر ہے کہ معاشرت جدید کے قدم ایران میں جم گئے ہیں ـ انھیں نے غیر معمولی صبر آزما ہمت سے کام لیکر مغربی دنیا کے طور اور طریقوں کو مشرق تک پہونچایا ہے ـ ... جدید اصلاحات کا تعلق مسیحیت سے خاص ہے ـ واقعہ یہ ہے کہ ایران والے، چاہے وہ خود اس سے باخبر ہوں یا نہ ہوں، مغربی طرز معاشرت کو قبول کر کے مسیحی ہی نظام فکر کو جذب کر رہے ہیں ـ جدید رنگ ڈھنگ سیکھ رہے

تو

اصول اخلاق و پاکیزگی کے مادّی مظاہر ہیں — وہی اصول جن پر یورپ اور امریکہ چل رہے ہیں۔ ایران کے جدید قومی و خانگی اصولِ زندگی کا ماخذ مسیحیت ہی ہے۔" (مسلم ورلڈ۔ ص ۳۵۶)

مبارک ہو تجدد کو، اسلام کے بجائے مسیحیت کی حلقہ بگوشی! جدید ایران اور جدید ترکیہ کے بھی تو یہی پیچھے ہیں کہ روز بروز بعد ہوتا چلا گیا اپنے دین سے، اور قرب حاصل ہوتا گیا "صاحب" کے آئین سے! —— بہ اصطلاح قادیان گویا تجدد نام ہی ہے ظلّی مسیحیت کا!

تجدد کی گونج

"سوال صرف اشارہ جاتا ہے کہ عبادتوں کے اداے ارکان میں بھی سکا (مائیکروفون کا) اتباع و اعتبار مثل انسانی آواز کے کیا جائیگا؟ ... نماز بھی عبادتِ منصوصہ ہے۔ اسکی تکبیرات، قرأت، وغیرہ یہ بجز امام و نائب امام یا شریک جماعت کے، خارج سے مداخلت کسی انسان کی بھی قبول نہیں، چہ جائیکہ کسی مادی آلہ کی! ... اس لیے مکرفون کی آواز، آواز کے حکم میں نہیں بلکہ گونج (صدائے بازگشت) کے حکم میں داخل ہو جاتی ہے۔ پس ان حالات میں نماز کے اندر احکام میں اس آلہ کا اتباع کسی طرح جائز نہیں" (صدق)

"ہم عرض کرتے ہیں کہ مساجد کے گنبدوں کی گونج کے متعلق کیا خیال ہے؟ جب یہ صدائے بازگشت نماز کی شرائط کو ناقص نہیں کرتی، تو پھر لاؤڈ اسپیکر کے عدم جواز پر اس قدر اصرار کیوں؟ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ شاید مساجد کے گنبد قدیم زمانہ کے لاؤڈ اسپیکر ہی تھے"! (پیام 'سرراہ')

یہ آج معلوم ہوا کہ دنیا میں کچھ مسجدیں ایسی بھی ہیں، جہاں نماز میں اتباع، امام یا نائب امام کی آواز کا نہیں، بلکہ ان مسجدوں کے گنبدوں کی گونج کا کیا جاتا ہے! اور رکوع، سجود، قیام، قعود، اس لیے نہیں ہوتا کہ امام آواز دے رہا ہے، بلکہ اس لیے کہ گون گنبدوں سے گونج یہ اٹھ رہی ہے! گونج کے اتار چڑھاؤ پر اٹھنے اور بیٹھنے اور جھکنے والے نمازی آخر اس دنیا کے پردہ پر کہاں موجود ہیں؟ انقرہ میں؟ مراد آباد میں؟ آخر کہاں؟ —— دین اور شعائر دین کی "سرراہ" ہنسی اڑانے کا نتیجہ یہی ہونا ہی تھا کہ خود اپنا کلام مضحکہ بن جائے، اور شوخ نگاری ایک بھدے مسخرہ پن میں تبدیل ہو کر رہ جائے!

ایک مفید رسالہ

بمبئی میں میمن برادری کے ایک ہونہار نوجوان صدیق لکھتے ہیں، اردو کے علاوہ گجراتی زبان میں بھی اصلاحی مضامین صدق کے رنگ کے لکھتے رہتے ہیں۔ حال میں انکا مختصر سا رسالہ "تعلیم جدید پر ایک نظر اور روشن خیالوں کی نذر" کے عنوان سے انجمن اسلامی تاریخ و تمدن، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے شائع کیا ہے۔ شروع میں "دو لفظ" دیر صدق کے قلم سے ہیں۔ یہاں حرف بحرف نقل کیے جاتے ہیں:—

"صدیق کی ایک تحریر کے لیے حکم ہوا ہے صدق کے ایڈیٹر کو کہ اس پر دو لفظ تعارف کے لکھ دے۔ مناسبت صدیق کی صدق سے بالکل ظاہر ہے۔ لیکن تحریر کی تقریب و تعارف میں کیا کہا جائے؟ وہی لفظ سہی، لیکن آخر وہ دو لفظ بھی کیا ہوں؟ مشک خود ہی خوشبو دے رہا ہے، عطار صاحب لگائے بھی تو کیا لگائے؟

صاحبِ تحریر کا ابھی تو آغاز ہے، اٹھان ہے۔ پختگی پر پہنچتے پہنچتے خدا کرے ایمان میں اتنے پختہ ہو جائیں کہ شمار زمرۂ صدیقین میں ہونے لگے۔ الذین آمنوا باللہ و رسلہ اولٰئک ہم الصدیقون و الشہداء عند ربہم۔ اور آج تو زمین پر انسان ان کو صدیق کہکر پکارتے ہیں، کل جنت میں فرشتے بھی انھیں "صدیق، صدیق" ہی کہکر ہاتھوں ہاتھ لیں۔

اللہ انکی اس خدمت کو قبول کرے اور انکے اس رسالہ سے لوگوں کو پوری طرح مستفید کرے۔"

رسالہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے مطالعہ میں رکھنے کے خاص طور پر قابل ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴)

صورت بالکل چندرما سے ملتی ہوئی۔ ولدیت اسی کی تسلیم ہوئی۔ اس جواب دیتے ہوئے شرمائی لجائی — لڑکے کا نام باپ نے بدھ رکھا۔ زمین پر ایک سلطنت اسے حکومت کے لیے عطا ہوئی۔ قوت تسخیر کا یہ عالم کہ اچھی اس طرح پیچھے پیچھے پھرتے، گویا کوئی کتا دم ہلاتا ساتھ ساتھ ہے! —— دیوتاؤں نے کہا، کہ

بیا بیا عراقی تو از آن خاص مائی!

یہ تو ہم میں شامل ہونے کے قابل ہے، اسے زمین سے آسمان پر اٹھا لو۔ برہما جی نے حکم دیا، کہ آج سے اسکا شمار بھی آسمان کے دیوتاؤں میں ہو۔ عطارد ستارہ کو آپ پہچانتے ہیں؟ یہ وہی مہتاب زادہ ہے!

خود چندرما جی بھی اپنے گرو کی بددعا کے اثر سے نہ بچے، دق کا مرض مسلط ہو گیا۔ گنگا مائی کے کنارے آ، ہردوار کے قریب، ریاضتیں کرنی شروع کیں۔ مہادیو جی اس کفارہ سے راضی ہو گئے، حکم ہوا بیماری دور —— گنگا جی کے کنارے رشی کیش میں چندریشر کا جو تیرتھ مندر ہے، یہ تیرتھ اسی مقدس واقعہ کی یادگار ہے

بزم ہمدردان صدق

جناب عبد الہادی صاحب انصاری، بھوپال نے مبلغ چھ روپے بہ مد امداد "صدق" ارسال فرمائے۔ فجزاہ اللہ خیرا لجزاء۔

صدق کی دینی خدمات

کے پیش نظر، اس کی توسیع اشاعت پر توجہ ہر خریدار صدق کا فرض ہے۔ خصوصاً جبکہ کاغذ و سامان طباعت کی گرانی حد سے سوا ہو چکی ہو۔

رسالہ ہے تو عورتوں کے لباس اور انکی زنگارنگیوں کا ۔ لیکن مصنفہ کے
شوخ رنگ تحریر نے اسے دلکش اور جاذب نظر بنادیا ہے ۔ پھر مسز نائیڈو
کے قلم سے مختصر پیش لفظ اور اردو کے نامور انشاپرداز مرزا فرحت اللہ بیگ
دہلوی کا مقدمہ! سونے پر سہاگہ! رسالہ کا ماخذ ہیں تو زیادہ تر انگریزی ہی
کتابیں، لیکن خود تعلیم یافتہ مصنفہ پر وہی مشرقیت کا رنگ چڑھا ہوا ہے
"خدا حافظ" کہتے ہوئے کہتی ہیں :-

"ہماری ضرب المثل روحانیت اور شستگی فنا ہوتی جا رہی ہے،
..... ہنر کی نمائش کرنا آگیا ہے، مگر ہنر دکھانا بھول گئے ہیں.
مشین کی قلعیں ایسی سر چڑھی ہیں کہ ہماری دماغی مشین کے عقل
پرزوں پر زنگ چڑھا جارہا ہے ۔ رنگ و عکس پر خوشبو اور سندری نثار
کردی گئی ہے ۔ ہماری زندگی میں حسن تھا، اب اسنو اور
پاؤڈر سے حسن طلب کیا جاتا ہے ۔ ... علم کی روشنی ہم کو تم
سب کو مبارک لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم علمی امتحانوں میں پاس
مگر عملی زندگی میں فیل ہوتے جا رہے ہیں ۔ بہ قول اکبر مرحوم سے
اُن سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی" (ص ۹۰۔۸۰)

رسید کتب

(۱) صلوٰۃ وسلام ۔ ۶۲ صفحے ۔ از حکیم خواجہ شمس الدین احمد صاحب
قیمت اور پتہ درج نہیں ۔ غالباً نامی پریس، نخاس، لکھنؤ سے مل جاتا ہے
فضائل درود و سلام اور متعلقہ مباحث پر ایک جامع و دلچسپ رسالہ

(۲) اسلامی بادشاہت ۔ ۳۲ صفحے ۔ از مولوی شاہ راشد علی قیمت
چھ روپیہ فی سیکڑہ ۔ ۲۵ جلدوں سے کم نہ روانہ ہونگی ۔ پتہ، سکرٹری مسلم [illegible]
تحصیل فتحپور ۔ ضلع بارہ بنکی ۔
اسلامی نظام حکومت کا سرسری خاکہ، اور زکوٰۃ، بیت المال وغیرہ
کے مسائل پر خاصی تفصیلی بحث ۔ رسالہ اسلامی انجمنوں میں اشاعت کے
قابل ہے ۔

رسائل

(۱) دارالاسلام ۔ نومبر و دسمبر نمبر ۔ ۷۲ صفحے ۔ ایڈیٹر حکیم عبدالحمید مرزا
صاحب ایم اے ۔ پتہ ۔ ڈاکخانہ جمال پور فرنٹ فارم ۔ پٹھان کوٹ (پنجاب)
رسالہ دارالاسلام اب ایک عرصہ سے قرآن مجید کی توضیح و تشریح کے
لیے وقف ہے ۔ یہ تعلیمات قرآن نمبر ایک مستقل کتابی حیثیت رکھتا ہے
اور پڑھنے کے قابل ہے ۔ یہ ۲۷ بابوں اور بہت سی فصلوں پر شامل ہے ۔ اس
میں سورۂ توبہ کے رکوع ۱۴ تک کے مضامین آگئے ہیں ۔ متن میں متن
قرآن موجود نہیں، صرف خلاصۂ مطالب مع ضروری تشریحات مندرج
ہیں اور داہنے ہاتھ کے حاشیہ پر ان مطالب کا بھی مختصر خلاصہ دیدیا گیا
ہے ۔ زبان مشکل نہیں ۔ اوسط درجے کے تعلیم یافتوں کے قابل ہے ۔ انداز بیان
میں خشکی نہیں ۔ جا بجا اشعار وغیرہ کے اضافے سے دلچسپ بنا دیا گیا ہے ۔
[illegible] ہر جزو سے اتفاق ممکن نہیں تاہم بحیثیت مجموعی،

ترجمانی صحیح اور مستند ہے ۔ محتاج ترمیم و نظر ثانی صرف ایک فقرہ مثلاً
شروع میں منافقوں کی تشریح میں دکھائی پڑا :-
"تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو انکار تو اقرار کرنے والے نمائشی مسلمان"
اسے یوں دکھایا سکتا تھا :
"تیسری قسم کے لوگ وہ منکر ہیں جو نمائشی اقرار کرکے زبانی دعویٰ
مسلمان ہونے کا رکھتے ہیں"
کوشش بہرصورت حوصلہ افزائی کی مستحق ہے ۔

(۲) نوید صحت ۔ (ماہانہ) ۳۲ صفحے ۔ ایڈیٹر عزیز کمال صاحب ۔ قیمت سالانہ
عہ فی پرچہ ۲ ۔ پتہ :۔ قرول باغ ۔ دہلی ۔
یہ ملک کے "ترقی پسند اطبا" کا ترجمان ہے ۔ نگراں صدیق حبیب صاحب
صحافت کا بڑا تجربہ رکھتے ہیں ۔ ابھی صرف ایک نمبر وصول ہوا ہے ترتیب
مضامین اچھی ہے ۔ لکھائی چھپائی بھی صاف ستھری ہے ۔ پرچہ بنا معلوم ہوتا ہے

(۳) مجلۂ عثمانیہ جلد ۱۴ نمبر ۱ و ۲ ۔ ضخامت حصۂ اردو ۲۴۹ صفحے ۔
ایڈیٹر شیخ محمد خلیل اللہ بی اے ۔ چندہ سالانہ عام خریداروں سے چھ روپیہ ۔
پتہ، جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن ۔
جامعۂ عثمانیہ کا یہ ضخیم سالانہ حسب معمول اپنی آب و تاب سے نکلا ہے
حصۂ اردو میں چند مضامین اُستادوں کے قلم سے ہیں، باقی طلبہ کے ۔ اُستادانہ
کے مضامین تو اُستادانہ ہوتے ہی تھے، طلبہ کا معیار بھی گرا ہوا نہیں ۔ اور مسلمانوں
کے دوش بدوش ہندو طلبہ بھی ۔ اگر نام درج نہ ہو، تو محض عبارت سے کوئی
اندازہ نہیں کرسکتا کہ کونسا مضمون ہندو کے قلم سے نکلا ہے اور کون سا مسلمان
کے ۔ حصۂ انگریزی بھی خاصہ دلچسپ ہے اور پر معلومات ۔ ملکی شہری حکومت
پر مقالہ (جو کسی علمی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا) فاضلانہ ہے ۔

مجلس علمائے دکن کی تجویزیں

حیدرآباد دکن۔ یکم دسمبر۔ صدر مجلس علمائے دکن نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ شوال ۱۳۸۰ھ میں حسب ذیل قراردادیں منظور کیں :-

(۱) رویت ہلال کے متعلق حکومت کے حالیہ اعلانات پر اجلاس نے غور کیا کہ تمام دنیا میں ایک ہی دن عید منانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے غیر تشفی بخش اصول پر غور کیا گیا اور طے ہوا کہ علماء ایک جماعت یادداشت شائع کر کے مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کی جائے اور حکومت آصفیہ اسلامیہ کو غیر شرعی اقدامات سے روکا جائے۔

(۲) زنانہ کالج میں طالبات کی بے پردگی پر حکومت سے پرزور احتجاج کر کے اس قسم کے اعمال کا آئندہ استیصال کرنے کی خواہش کی گئی تھی اس کا جواب متعلقہ تعلیمات سے غیر تشفی بخش وصول ہونے کے باعث نواب صدر اعظم بہادر کو کہ توجہ دلائی جائے کہ حکومت اس بارے میں اپنی پالیسی کا اظہار فرمائے اور طالبات و طالبات کے مذہب میں مداخلت نہ ہو۔

(۳) اخبار "الامان" دہلی مورخہ یکم نومبر ۱۹۳۱ء نے "سنڈے نیوز" امریکہ کے حوالے سے یہ خبر نقل کی ہے کہ لارڈ لوتھیان مشہور برطانوی سفیر نے اپنے ایک مضمون میں شارکا، خون آشامی اور غلام سازی میں رسول اللہ سے مقابلہ کر کے حضور اکرم کی شان میں گستاخی کی ہے اور "سنڈے نیوز" نے اس مضمون کی بنیاد پر اس سے زیادہ گستاخانہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔

مجلس علمائے دکن اس مردود سفیر اور ملعون اڈیٹر کے خلاف پرزور احتجاج کرتی ہے اور حکومت برطانیہ پر واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ حکومت کے اپنے ذمہ دار ارکان کی اس طرح نازیبا حرکتیں مسلمانوں کو حکومت سے متنفر کر رہی ہیں اور مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت برطانیہ ایک عام ہدایت اپنے سفیروں اور دیگر ذمہ دار افسروں کے نام جاری کرے کہ اسلام اور حضرت رسالتمآب کے خلاف گندہ دہنیوں سے وہ ہمیشہ سختی سے اجتناب کریں۔ (رہبر دکن)

ہر مصیبت کو کسی مادی سبب کا نتیجہ بتا کر اپنی جگہ پر مطمئن ہو جاتا ہے اور آخر برباد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غفلت شعار قومیں بھی مادی اسباب میں چھپی ہوئی حقیقت سے ناآشنا رہ کر فنا ہو جاتی ہیں!

فکاین من قریۃ اھلکناھا وھی ظالمۃ فھی خاویۃ علیٰ عروشھا وبئر معطلۃ وقصر مشید (حج)	اور کتنی آبادیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ وہ گنہگار تھیں۔ تو وہ اپنی گری ہوئی چھتوں پر بیکار ہو گئے اور اونچے محلوں سمیت اجڑ گئیں (معارف)

قانون مکافات

جس طرح کسی انسانی جسم میں فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں تو بخار، درد سر، اور دوسرے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ فاسد مادے نکل جاتے ہیں تو جسم میں صحت کا دور جھلکنے لگتا ہے۔ اسی طرح لڑائیاں دنیا کے جسم میں فاسد مادوں کے اجتماع کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لیے اگر اس وقت دنیا خون میں نہا رہی ہے۔ تو اس سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ممکن ہے کہ وہ اسی غسل سے نکھر رہی ہو۔

یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ جو قومیں اپنی قوت کے غرور میں خدا کو بھولی ہوئی تھیں۔ اس مشکل کے وقت میں اسی کا سہارا ڈھونڈھ رہی ہیں۔ بالشویک روس ابھی زندہ ہے۔ مگر اسکے لیڈروں کے ایمان میں فرق پیدا ہو چلا ہے۔ یہاں تک کہ خود اسکو اپنی مذہبی ناطرفداری کا اعلان کرنا پڑا۔ جب دیار کفر والوں نے تو خدا یاد آیا ہے۔

دولت کی بہتات۔ تمدن کے فساد اور اخلاق کے بگاڑ کا سبب ہے۔ اسی لیے قرآن نے بتایا ہے اور تاریخ نے اس کی تصدیق کی ہے کہ انسانیت کی بہت سی تمدنی برائیاں دولت کی افراط کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا، فتلک مسٰکنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلا، وکنا نحن الوارثین (قصص)	اور ہم نے کتنی آبادیوں کو جو اپنی دنیا کے عیش میں اترا رہی تھیں برباد کر ڈالا۔ یہ ہیں انکے رہنے کے مقامات جن میں پھر کوئی نہیں بسا، مگر کم۔ اور ہم ہی اسکے مالک رہ گئے۔

کم نگاہ انسان خدا کے ہاتھ کو گوشت پوست کی صورت میں اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اسکے انتقام کا ہاتھ آگ، پانی، زلزلہ، وبا، لڑائی۔ غرض ان مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے جن سے گنہگار قومیں ہلاک ہوتی رہی ہیں۔

تاریخ کے ظاہر بین برباد شدہ قوموں میں عاد۔ ثمود۔ قوم صالح فرعون وغیرہ کے ناموں کو سن کر غیر تاریخی وجود کا شبہہ کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر تاریخی یہ بھی نہیں۔ تاہم ان کی تاریخی قوموں میں بھی اس انجام کی مثالیں کم نہیں۔ قدیم یونان کیا ہوئے۔ روما کے بسنے والے کہاں ہیں؟ کارتھیج کے بہادر کدھر گئے۔ سمیمس کہاں ہیں۔ بابل۔ نینوی اور مصر میں خدائی کا دعویٰ کرنے والے کدھر گئے۔ ایران کے پاک نژاد کیانی کس سیلاب میں بہہ گئے۔ سلجوق۔ غزنی۔ غوری۔ ویلم کہاں گئے۔ کیا ان میں سے ہر قوم قرآن پاک کے دعوے کی شہادت نہیں۔

جو کچھ کل ہوا ہے وہ آج بھی ہوگا۔ عاد۔ ثمود۔ فرعون۔ ہلاکو وغیرہ مثالی پیکر ہر زمانے میں ہوئے اور ہر زمانے میں ہوں گے۔ انکے پیکر بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن حقیقت نہیں بدلتی۔ اسی طرح قومی بربادیاں بھی ہر زمانے میں بھیس بدل بدل کر آتی ہیں۔ مگر اس کی حقیقت عذاب الٰہی ہی کی ہے جو کبھی نہیں بدلیگی۔ غفلت کا ماتا انسان جسمانی [illegible]

شیخ غلام حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

کی مشترک اور مخلوط تعلیم خاص تحفہ تہذیب فرنگ کا، اور کن اہم دین تجدد کا سمجھا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ اسکا رشتہ تو عرب جاہلیت سے جڑا ہوا ہے! اور پھر اس تمدن کی مشہور ہیرو تھی، ضرب المثل مخش کاری والی ظلمہ، ٹھیک اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلی جسکے نمونے آج بھی ترقی یافتہ حلقوں میں نایاب نہیں! — مبارک ہو دینِ تجدد کو اپنی قدامت اور یہ دعوتِ صدی ہجری کی یعنی عہد قبل ہجرت و قبل بعثت کی ترقیاں اور ان تہذیبوں سے تاریخ کی بازگشت!

تحریکِ "جماعتِ اسلامی"

ایک بی اے ال ال بی لکھنؤ سے لکھتے ہیں۔ —

"مولانا مودودی صاحب سے جس حد تک اختلافات آپ کو ہے، مجھکو بھی ہے۔ ابھی جب وہ لکھنؤ آئے تھے تو یہاں ادارہ اقبال میں انھیں، جو کہ شہر کے مخصوص تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک مجلس کہی گئی تھی، جس میں انکی تقریر کے بعد ان سے اہم سوالات کیے گئے تھے۔ اور انکی تقریر کا جواب بھی ادارہ کے ناظم عبد الوحید خاں صاحب (مصنف "جنگ آزادی") نے دیا۔ یہاں سب لوگوں کا یہی خیال رہا کہ مولانا اطمینان بخش جواب نہ دے سکے۔ جو طریقہ کار انھوں نے رکھا ہے، وہ اگر چل گیا تو مسلمانوں کے باہمی افتراق و تشتت کا خطرہ آپس میں بہت کافی ہے۔"

لکھنؤ یونیورسٹی میں مولانا کی تقریر معاشی مسائل اور انکا اسلامی حل پر ہوئی تھی۔ اس جلسہ کی رپورٹ اس سے مختلف ہے، اور مولانا اس قسم کے مسائل پر جب کبھی بولتے ہیں صحیح ہی بات کہتے ہیں۔

فشارِ خون اور تمدن

دلی کا جدید ماہنامہ "نذیر طبیب" دسمبر کے رسالہ میں لکھتا ہے: —

"اب محققین فشارِ خون کے ایک نئے سبب پر مزید روشنی ڈال رہے ہیں، اور انکا خیال ہے کہ فشار کے ۹۰ فی صدی مریض صرف نفسانی تحریک اور عصبی ہیجان کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ مرض زیادہ تر انھیں لوگوں میں پایا جاتا ہے جو متمدن ہیں اور جذبات کی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں۔ عام طور پر ۴۰ سال کی عمر کے بعد شریان کی لچک کم ہو جانے کی وجہ سے خون کا دباؤ بڑھ جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، لیکن آج کل بہت سی عورتیں اس سے کم عمر میں مختلف قسم کی شکایات لے کر طبیب کے پاس جاتی ہیں، تو وہ فشارِ خون کی مریضہ ثابت ہوتی ہیں۔ ... اور علاج میں تقلیل غذا، تسکین اور مفرحات و معتدلات کا استعمال ... کام دیتی ہیں۔ ان عورتوں میں خون کا دباؤ بڑھ جانے کا سبب نفسانی اثرات خانگی زندگی کی تلخی اور شوہر ... کی طرف سے بے اطمینانی یا غم و غصہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا"

گویا عامی سوال کرتا ہے کہ فشارِ خون کا مرض اب تو عام ہو گیا ہے آخر پہلے اتنا کیوں نہ تھا؟ اور طبیب جواب دیتا ہے کہ فشارِ خون کے اتنے اسباب،

آخر اس تمدنِ جدید اور اس کی جگمگاہٹ سے قبل کب اکٹھے تھے؟ — نئے نئے امراض، نئے نئے اسبابِ امراض، یہ خلاصہ ہے دو لفظوں میں "صاحب" کے لائے، اور میم صاحب کے پھیلائے ہوئے تمدن کا!

"ندائے حرم" سے

میر لطف علی صاحب عارف، عارف منزل، فتح دروازہ، حیدرآباد دکن نے ایک کھلی چٹھی اڈیٹر صاحب رسالہ "ندائے حرم" (قرول باغ - دہلی) کے نام اشاعت کے لیے بھیجی ہے۔ اصل مراسلہ طویل ہے، ملخص حسب ذیل ہے: —

"منکے رسالہ کے حوالہ سے رہبرِ دکن، ۲۵- اکتوبر ۱۹۴۱ء میں ایک مضمون بعنوان "راہ تبلیغ میں جہاد کا قدم اول" شائع ہوا ہے، جس میں ایک طرف تو حضرت صدیق اکبرؓ کا انتہائی ایثار اور شانِ صدیقی کو دکھایا گیا ہے اور دوسری طرف انتہائی گستاخی اور توہین کے پہلو کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ [آگے وہ قابلِ اعتراض فقرہ نقل ہے] آپ سے سوال ہے کہ آپ نے یہ واقعہ جس میں ایسی دلآزار صراحت موجود ہے کس کتاب سے اخذ فرمایا ہے، اگر فی الحقیقت کوئی معتبر مورخ اسکا راوی ہے، جب بھی اس دلآزار صراحت کے ساتھ اس واقعہ کی اشاعت کی ضرورت کیا تھی؟"

اس فقرہ کو نقل کرنا خود اس توہین کی اشاعت مزید کا سبب بنتا ہے۔ "ندائے حرم" کہ منظمہ کے مشہور قدیم مدرسہ صولتیہ کا ترجمان ہے، اور ایک خالص مذہبی رسالہ ہے۔ اُسکے نکالنے والے، چلانے والے مذہب اور حمایتِ مذہب میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ ان سے یہ بدگمانی تو ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ قصداً کسی اہانت یا بے ادبی کے مرتکب ہونگے۔ لیکن بڑے بڑے محتاط انسانوں سے بھی کبھی کبھی بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے۔ اور انسان، خطا و نسیان سے مرکب کہا ہی ایسے موقع کے لیے گیا ہے۔ صاحب رسالہ امید ہی نہیں، بلکہ یقین ہے کہ ان شاء اللہ اسکے بعد سے اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے، اور آیندہ کبھی بھی بلا ضرورت اس قسم کی صراحت اپنے صفحات پر نہ آنے دینگے جو متعصب ہندوؤں کے لیے اشتعال انگیز اور صاحبِ تذکرہ کے حق میں توہین آمیز ہو — اور یہیں اس ناخوشگوار بحث کو ختم ہو جانا چاہیے۔

ایک دریا دل کی وفات

پچھلے عشرہ گورکھپور کے مشہور رئیس اور قومی کارکن مولوی سبحان اللہ خاں کی خبرِ وفات شائع ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رئیس بہ لحاظِ جائداد تو کچھ ایسے بڑے نہ تھے لیکن جہاں تک دل ... کا تعلق ہے، رئیس نہیں، رئیس اعظم تھے۔ اور حبیب فیاضی کا جو ... تو کہنا چاہیے دالیانِ ملک سے ٹکر لے لیتے تھے۔ ... کی زندگی ایک زمانہ میں ... ... قومی اور ملی تحریکوں میں ایسی جوش ... ... کو مالا مال کر دیا ... ... تھے۔ عرصہ ہوا ایک بہترین ذخیرۂ علم یونیورسٹی لائبریری کی نذر کر دیا۔ تصوف کی کتابوں کے بڑے دلدادہ تھے۔ خود بھی ... نقش تھے،

محمد علیؒ کے خطوط

[تین سال سے دہلی ریڈیو اسٹیشن نے اپنے ان نئے مشاہیر کے خطوط پر تقریروں کا ایک سلسلہ کا آغاز کیا تھا۔ سلسلہ کا عنوان تھا "سمندپار کے خطوط"، اور اس میں وہی خطوط لیے جا سکتے تھے، جو ہندوستان کے باہر لکھے گئے ہوں۔ اپریل میں باری محمد علیؒ کے خطوط کی بھی آئی۔ اور اس وقت مضمون نگار نے ذیل کی تقریر نشر کی۔ ریڈیو ایک سرکاری محکمہ ہے، اس کی پابندیوں کو ناظرین تقریر پڑھتے وقت ذہن میں رکھیں۔ تقریر کا وقت ۱۵ منٹ کا تھا۔]

نوجوانی سے لے کر اپنے قبل از وقت بڑھاپے تک محمد علی یورپ، سمندر پار بہت بار گئے۔ اور خطوط ہر دفعہ وہاں سے بہت سے لکھے۔ لیکن شروع میں ان خطوط کو کون محفوظ رکھتا؟ اس وقت کسے خبر تھی کہ گودوں کا کھلایا ہوا لڑکا، ساتھ کا کھیلا ہوا نوجوان ایک روز شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے گا؟ آخر کے خطوط بے شک بہت سے ہوں گے اور بہت سے لوگوں کے پاس۔ لیکن وہ زیادہ تر خانگی اور نجی معاملوں سے لبریز۔ انھیں کوئی ریڈیو پر کیسے لائے۔ خاص و عام کو کیسے سنائے؟ اس ذخیرہ کے علاوہ بھی جتنے ہیں اتنے زائد ہیں کہ کوئی انھیں پھیلانے پر آئے تو آج کا سارا پروگرام اسی ایک عنوان کی نذر ہو جائے۔ داستان گو تھک جائے، اور داستان ختم نہ ہو پائے۔

محمد علی، مولانا تو بہت بعد کو ہوئے۔ شروع میں برسوں مسٹر رہے، مسٹر ہی کہلائے۔ پہلا سفر ۱۸۹۸ء میں کیا۔ جب پرانی صدی کے ختم ہونے کے دو سال رہ گئے تھے۔ سن اس وقت بیس سال کا تھا۔ دوسرا سفر ۱۹۰۲ء میں کیا، جب نئی صدی کو شروع ہوئے بھی دو ہی سال ہوئے تھے۔ سن اس وقت ۲۴ سال کا۔ دونوں سفر طالب علمی ہی کے سلسلہ میں تھے۔ زیادہ تر آکسفورڈ اور لندن میں۔ مشغلے اسی سن و سال کے لائق اور مراسلے انھیں مشغلوں کے مناسب حال۔ انگریزی میں لکھے ہوئے بڑے بڑے طویل مراسلے علیگڈھ منتھلی میں Oxford Idling کے عنوان سے کئی کئی نمبروں میں نکلتے رہے۔ ذکر ان میں زیادہ تر ہوتا کالج کے کھیل کود کا، ہمجولیوں کی رنگ رلیوں کا، اور سب سے بڑھ کر کشتی رانی یا کشتی بانی کا۔ اس دور سے یقیناً آپ کو کچھ زیادہ دلچسپی نہ ہوگی۔

تیسری بار انگلستان جانا ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ اب محمد علی ملک کے ممتاز جرنلسٹ اور انگریزی کے مشہور انشا پرداز تھے۔ کامریڈ عرصہ سے نکل رہا تھا۔ اور اب ہمدرد بھی نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ کانپور کی ایک نئی نکلنے والی سڑک کی زد میں ایک مسجد کا گوشہ آ رہا تھا۔ اس پر قدرۃً ایک سخت ہیجان برپا ہو گیا تھا۔ اور معاملہ شہر بلکہ صوبہ کے حدود سے نکل کر "آل انڈیا" بن چکا تھا۔ محمد علی مسلم لیگ کے سکرٹری کو ساتھ لے چپ چپاتے ولایت روانہ ہو گئے کہ وہاں جا کر اس معاملہ، اور ایسے ہی کئی، ملک کے بہت سے معاملات پر لوگوں سے ملیں ملائیں، دلوں کو گرمائیں، طبیعتوں کو نرمائیں، تحریر سے، قلم سے، زبان سے۔ غرض وہاں پہنچ کر ہندوستان خط بہت سے لکھے۔ عموماً انگریزی میں۔ اکثر کامریڈ میں چھپ بھی گئے۔ انھیں پڑھ کر نقشہ نظر کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اس وقت کے ہندوستان کا، اس وقت کے ہندی مسلمان کا، اس وقت کے انگلستان کی شان و شوکت کا۔ ناکامیاں قدم قدم پر پیش آتی ہیں۔ ہمت پست نہیں ہوتی۔ دعوتیں اور ضیافتیں محمد علی کی کثرت سے ہوئیں لندن میں بھی اور ایڈنبرا، نیو کاسل وغیرہ میں بھی۔ ان جلسوں اور صحبتوں میں شریک انگلستان کے چوٹی کے مشاہیر بہت سے ہوئے۔ مثلاً اہل قلم و اہل علم میں ایچ۔ جی۔ ویلز، جی۔ کے چسٹرٹن، اے۔ جی۔ گارڈنر، سی۔ پی۔ اسکاٹ، جے۔ اے۔ اسپنڈر، ولیفٹان ویمس اور آئرلینڈ کے مشہور شاعر ڈبلیو۔ بی۔ ایٹس۔ اہل سیاست میں ریمزے میکڈانلڈ، کیر ہارڈی، جان ڈلن، آبرے ہربرٹ، ڈاکٹر رڈفورڈ، مسٹر جونسن وغیرہم۔ کچھ ایسے مشاہیر بھی تھے جو عین وقت پر خود آنے سے معذور ہو گئے اور اپنے بجائے اپنے معذرت نامے بھیج دیے۔ مثلاً برنارڈ شا، سر لیمنٹ وغیرہم۔ محمد علی ان جلسوں سے خوب کام نکالتے۔ جو کچھ کہنا ہوتا انھیں موقعوں پر کہہ ڈالتے۔ طویل مراسلے انکے ٹائمز میں تو بار نہ پاتے البتہ دوسرے مشہور اخبارات میں انکے برابر نکلتے رہتے۔ لارڈ ہیڈلے اس زمانہ میں نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور لیڈی ایولین کوبولڈ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکی تھیں، ان دونوں سے بھی محمد علیؒ نے انگلستان کی سوسائٹی کے اندر خوب گٹھ میٹھ پیدا کر لی۔ اور اپنے مشن میں کچھ ایسے زیادہ ناکام نہ رہے۔

۱۷؍ دسمبر ۱۹۱۳ء کے کامریڈ میں جو مراسلہ نکلا ہے اس میں اپنے اس سفر پر گویا تبصرہ کرتے ہیں: "۲۷ دسمبر کو ہم لوگ خود ایک اور دعوتی لنچ اپنے دوستوں اور ہمدردوں کو دے رہے ہیں۔ اس لنچ کی حیثیت سیاسی اور نزاعی نہ ہوگی بلکہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم ہندوستان اور انگلستان اور اسلام اور مسیحیت کے درمیان سفارت کا کام دے سکیں۔ اور تاکہ ہم اپنے مخاطب انگریزوں اور انگریزنوں دونوں کو بتا دیں کہ وہ ہمارے ملک اور ہمارے مذہب سے ایسے بے تعلق تو نہ رہیں جیسے کہ اب تک رہ چکے ہیں، بلکہ ہمارے عزم اور ہمارے مقصد اور ہمارے گلے شکوے خود ہماری زبان سے سن لیں۔ مشہور افسانہ نگار ایچ۔ جی۔ ویلز سے ملاقات ہو ہی چکی ہے۔ بلکہ اب کی جمعہ کو تو ان میاں بیوی نے اپنے ہاں رات کو کھانے پر مدعو کر دیا ہے۔ اور وقت بھی میری خاطر سے ساڑھے آٹھ کا رکھا ہے کہ میں اس وقت تک ہندوستان کی ڈاک سے فارغ ہو جاؤں"۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "ہندوستان اور اسلام کے معاملہ میں ان لوگوں کی بے خبری اور جمود دور کرنے اور انھیں بار بار چونکاتے رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ہم خیال لوگ ہندوستان سے بار بار آتے اور یہاں کی رائے عامہ کو برابر تیار کرتے رہیں۔ میں بہ حیثیت مجموعی مایوس نہیں ہوں"۔

محمد علی اب ملک و ملت یعنی ہندوستان اور اسلام دونوں کے سفیر تھے اور یہ دوہرا نقطۂ نظر قائم ہو چکا تھا۔ چوتھا سفر انگلستان اور فرانس کا ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے صدر کی حیثیت سے کیا۔ اب انکا شمار ملک کے مسلم لیڈروں میں تھا، اور مسلمانوں میں تو وہ مقبولیت و ہردلعزیزی حاصل تھی کہ باید و شاید۔ اب انکی حیثیت سفیر سے زیادہ مجاہد کی تھی۔ انگلستان خصوصاً شہر لندن میں بہت سی تقریریں کیں۔ ایسیکس ہال، کیکسٹن ہال وغیرہ میں، اور کچھ فرانس میں بھی۔ موضوع تقریر اسلام اور ہندوستان

دونوں کی ترجمانی اور پُرجوش ترجمانی ہی رہتا تھا۔ تقریروں اور پبلک تحریروں سے اتنا کہاں کہ ہندوستان خطوط لکھنے کا وقت کہاں سے نکلتے۔ اور جو کچھ لکھے ہیں اُنکی اشاعت کی نوبت اور بھی کم آئی۔ کوئی اخبار اُس وقت اپنے ہاتھ میں تھا نہیں، نہ اُردو کا نہ انگریزی کا۔

پانچویں بار۔ بیمار اور زار ونزار ایک قدردان وجوہر شناس ہندو رئیس کے خرچ پر ۱۹۲۹ء میں اپنے علاج کے لیے یورپ روانہ ہوئے۔ ذیابیطس کا علاج ٹاقوں کے ذریعہ سے کرنا تھا، اور اس طریق علاج کے ماہرین فرانس میں تھے۔ اس لیے قدرۃً انکی زیادہ تر قیام فرانس ہی میں رہا۔ اور ڈاکٹروں کی شدید تاکید پر سیاسیات وغیرہ سے ایک بڑی حد تک الگ تھلگ رہنا پڑا۔ اس سفر میں راستے سے جو مفصل خط لکھا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ اقتباس ذرا طویل ضرور ہوگا لیکن اس سے ایک طرف تو اس سفر اور پچھلے سفروں کے مقاصد روشنی میں آ جائیں گے۔ اور دوسری طرف مولانا کا مذہبی اور معاشری نقطۂ نظر بھی کسی قدر واضح ہو جائیگا۔ خط راجپوتانہ جہاز سے بیٹے دنیا سے لکھا گیا ہے۔ تاریخ ۳ر جون ۱۹۳۰ء کی پڑتی ہے۔ اور اب جامعہ والوں نے خطوط محمد علی کے مجموعہ میں چھاپ بھی دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:—

"چوتھا سفر ۱۹۲۰ء میں کیا گیا۔ اور ایک آخری کوشش اسکی کی گئی تھی کہ خلافت عظمیٰ کو برقرار رکھا جائے۔ ترکی سلطنت اور اسکے اقتدار کی حفاظت کی جائے ..... گذشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے تھے کہ کیا حشر ہوگا۔ مگر

رہے نہ دل میں ہوس آؤ یہ بھی کر دیکھیں

اس خیال سے احرام سفر باندھا گیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اسکا بھی کیا حشر ہوا۔ اس سفر کے بعد تو یہ کر لی تھی کہ اب آستاں بوسی نہ کریں گے۔ اگر یورپ جائیں گے تو اسی لیے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ پر دستخط کرینگے۔ افسوس وہ معاہدہ آج بھی دور نظر آتا ہے۔ مگر الحمدللہ کہ توبہ آج بھی نہیں ٹوٹی۔ ... آج مسٹر ولکنسن پولیٹیکل سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا سے جہاز پر ملاقات ہوئی تو انکی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ بٹلر کمیٹی[1] کے سلسلہ میں انگلستان جا رہا ہوں۔ محض اپنی صحت کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اور اس پر ہنسی آتی ہے کہ ایک فاقہ کش ملک سے متمول ملک کی طرف ایک فاقہ مست بصرف کثیر اس لیے سفر کر رہا ہے کہ وہاں جاکر فاقہ کرکے اپنا علاج کرائے

ہندوستانی عورتیں اس جہاز پر بھی ہندوستانی لباس میں سفر کر رہی ہیں لیکن سوائے مسز اینی بسینٹ کے اخبار نیو انڈیا[2] کے ایڈیٹوریل اسٹاف کے ایک رکن کے جو اچکن اور آڑا پائجامہ پہنے ہوئے ہیں، مردوں میں صرف میں ہی ایشیائی لباس میں ملبوس ہوں ..... آج صبح سے تموج میں بہت کمی ہوگئی ہے اور آج شب کو ۹ بجے سے جب سے یہ خط شروع کیا گیا ہے۔ جہاز پر مردوں اور عورتوں کا ناچ ہو رہا ہے ..... ڈیک پر میرے قریب ہی ایک خوش رو وجیہ اور بلند قامت فوجی افسر بیٹھا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ایک دو لفظ بول لیا کرتے تھے۔ آج ایک بجے سے میری دیر تک گفتگو رہی جس میں زیادہ تر میری بچیوں کے نام اور انکی عمر وغیرہ کے متعلق اُنکے سوالات اور میرے جوابات تھے۔ یہ ظاہر ہے سُن کر اور کچھ دلچسپ پاکر ان صاحب نے مجھ سے گفتگو شروع کی۔ اور دو گھنٹے تک نہایت آزادی اور صفائی سے گر پُرلطف طریقہ پر سیاسی گفتگو رہی جسکے بعد اُنھوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور داد بھی دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ بریگیڈیر جنرل ہیں۔"

دوسرا خط فرانس کے قیام کے بعد لندن سے ۱۹۔ اگست کا لکھا ہوا ہے۔ اسکے طویل اقتباسات بھی نہ لطف سے خالی ہونگے نہ فائدہ سے اس لیے اور بھی کہ اس میں ذکر ایک مشہور بزرگ قوم کی وفات کا ہے جن سے محمد علی سے نامعلوم کیا شناسائی رہ چکی تھی۔ اپنی صحت اور بیماری کی تفصیل کے بعد لکھتے ہیں :-

"جمعہ کی صبح کو میں نے اپنا فاقہ ختم کیا۔ کیا معلوم تھا کہ ٹھیک جس وقت میں افطار کر رہا تھا اُسی وقت سید امیر علی صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے ..... گو کچھ عرصہ سے وہ صاحب فراش تھے تاہم کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہیں۔ یہاں جس طرح جینا مشکل ہے اُسی طرح مرنا بھی مشکل ہے۔ جس دن امیر علی صاحب کا انتقال ہوا ہے لوگ چھٹیاں منانے جا رہے تھے۔ تجہیز و تکفین کا سامان مشکل سے مہیا ہو سکا۔ یورپین رسم کے مطابق پھولوں سے تابوت چھپ گیا ہوگا اس لیے کہ جب میں قبرستان پہنچا تو قبر پھولوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی ..... وکنگ کی مسجد کے امام صاحب نماز جنازہ پڑھا چکے تھے۔ اس قبرستان میں ہزاروں ہی برس اور اس شہر خموشاں کا نام بھی NECROPOLIS ہے۔ ریل کی پٹری اسکے اندر تک آگئی ہے۔ نہایت وسیع میدان میں باغ لگا یا گیا ہے جسکے چاروں طرف بجائے احاطہ کی دیوار ہے۔ نہایت عمدہ سڑکیں روشیں چلنے پھرنے والوں کے لیے بنا دی گئی ہیں۔ اس شہر خموشاں کے اندر اچھی خاصی ریسٹوران بھی موجود تھی جہاں لنچ کھایا جا سکتا ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا حصہ مسلمانوں کی قبروں کے لیے بھی ہے۔ یوں تو تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے والی کمپنی نے سب کچھ کر لیا تھا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ قبر کا رُخ کسی قدر غلط تھا لیکن الحمدللہ کچھ زیادہ غلطی نہ تھی۔ اور امام صاحب نے میت کا منہ صحیح طور پر قبلہ کی سمت موڑ دیا تھا۔ ہم لوگ جب پہنچے تو قبرستان میں پندرہ بیس ہی آدمی رہ گئے تھے۔ جن میں لارڈ ہیڈلے اور پنجاب کے سابق لفٹنٹ گورنر سر لوئی ڈین تھے۔ سر لوئی ڈین نے مجھے پہچان کر اُردو میں مزاج شریف کہکر میرا حال دریافت کیا اور فرمایا کہ ہاں میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں جواب میں الحمدللہ کہکر اور اُن سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھا ....

مسلمانوں کی قبریں غالباً پہلے یہاں نہ تھیں۔ جتنے کتبے تھے اُن سب کو میں نے پڑھا۔ اور معلوم ہوا کہ سب سے پرانی قبر ایک خاتون صفیہ احمد نامی کی ہے۔"

یہ خط بھی جامعہ کی چھپی ہوئی تازہ کتاب خطوط محمد علی میں درج ہو چکا ہے۔ آگے چل کر اسی خط میں بمبئی، حیدرآباد، جہلم، راندیر اور مصر کی متعدد میتوں کی قبروں کا ذکر ہے۔ اسکے بعد فوجیوں کی قبروں کی ایک بڑی طویل فہرست ہے۔ اس سے کچھ تو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ محمد علی سیاسیات کے علاوہ بھی انگلستان میں کیا کیا دیکھتے تھے اور کس نظر سے۔

"اس پر بھی وہ کلام کر رہا ہوں جو نہ کسی اور سے ہو سکتا ہے نہ کوئی کرتا ہے۔

[1] ایک سرکاری کمیٹی، اسلئے سلسلۂ اظہار دیے بہت سے ہندوستانی ولایت گئے تھے
[2] مدراس کا مشہور انگریزی روزنامہ کئی سال تک بڑی آب و تاب سے نکلتا رہا۔

باشعور لوگوں پر گفتگو سے اثر ڈالتا ہوں۔ ٹیلیفون پر رات دن باتیں ہو اکرتی ہیں۔ خواہ ٹائمز کا فارن ایڈیٹر ہو خواہ برنرڈشا ..... وزیر ہند نے نہایت شرافت سے خود ہی دوبارہ آنے پر بیان اصرار کیا۔ اس طرح گھنٹہ بھر گفتگو کی اور مجھ سے اعتراف کیا کہ تم نے جو باتیں بتائیں وہ تو عجیب و غریب بلکہ پیچیدہ ترین مسائل ہیں جو سمجھ ہی میں نہیں آ سکتے تھے، آج ایک دشمن کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ اسپاٹیٹر کے ایڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوا کیں۔ اور اس پر پورا اثر پڑا۔ اسی طرح ٹائمز کے فارن ایڈیٹر سے پہلے سے ۲ اسی تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی۔ خود ہی اس نے ملنے کی خواہش کی۔ سوا گھنٹہ اس سے ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ بھی گرویدہ ہو کر گیا"۔

یہ وہ وقت تھا جب محمد علی نے، جو اب نہ مسٹر تھا نہ مولانا ایک بیمرضٹ پولانا، راونڈ ٹیبل (گول میز) کانفرنس کے بھرے مجمع میں اپنی موت کا اعلان کر دیا تھا۔ ہندوستان کا ساحل آخری بار چھوڑتے وقت بھی تو جب ایک مخلص نے بڑھ کر پوچھا تھا کہ "آخر آپ کس حالت میں جا کس لیے رہے ہیں؟" تو دیوانہ کی زبان سے پھوٹ سے ہی نکلا تھا کہ "مرنے کے لیے"۔ سچے کی بات اللہ نے سچ بھی کیسی کر دکھائی!

(بقیہ صفحہ ۳)

بلکہ نیم مجذوب سے۔ شعر و ادب کے بھی بڑے قدر دان تھے۔ اور قدردانی میں قدیم مشرقی رؤسا کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ ریاض مرحوم کے ایک مطلع پر پھڑک گئے، اور مشہور ہے کہ ایک ہزار نقد کی تھیلی اسی وقت اٹھا کر دیدی۔ یہ خوبیاں اور وضعداریاں اب تلاش سے بھی نہ ملینگی۔ ایک جوان عمر صاحبزادہ مولوی رضوان اللہ، صوبہ مسلم لیگ کے سکرٹری ہیں۔ اللہ درجات عالیہ نصیب کرے۔

بقیہ صفحہ ۵

توریت کی جو نہایت ضخیم اور مستند شرح "تالمود" کے نام سے یہود کے ہاں موجود ہے، اس کے حوالہ سے اس اجمال کی تفصیل میں یہ دو عبارتیں جیوش انسائیکلوپیڈیا میں درج ہیں:—

"حق تبارک و تعالیٰ نے انکے اوپر کوہ سینا کو الٹ دیا جس طرح کوئی بڑا ظرف الٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے۔ (جلد ۲ صفحہ ۳۲)

"خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر الٹ کر اونچا کر دیا۔ اور ان سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہیگا"۔ (ایضاً)

ہمارے مفسرین نے جو آثار نقل کیے ہیں، ان میں بھی روایات اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تصحیح صدق، ۲۹ ص ۱ کالم ۲، س میں "فارسی بلکہ عربی ہیں" میں لفظ "بلکہ" "عربی" سے پہلے چھوٹ گیا ہے، درست کر لیا جائے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

ان حضرات کی میعاد خریداری ماہ دسمبر ۵۱ء میں ختم ہو رہی ہے، براہ کرم ختم ماہ سے پہلے چندہ بھیج دیں۔ ورنہ یکم جنوری ۵۲ء کو وی۔ پی روانہ ہونگے۔ اگر کسی صاحب کو خدا نخواستہ آیندہ خریداری منظور نہ ہو تو پہلے سے ایک کارڈ بھیج دیں تاکہ غریب دفتر بلا وجہ وی پی کے مصارف کا زیر بار نہ ہو:—

خریدار نمبر ۲۰۱، ۲۰۳ (رنگون)، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۶۷، ۳۲۲، ۳۳۹ (رنگون)، ۳۷۸، ۴۶۶، ۴۷۵، ۴۸۲، ۵۸۹، ۵۹۵، ۶۶۳، ۶۹۴، ۶۶۷، ۶۹۹، ۷۰۲، ۷۱۷، ۷۲۰، ۷۲۵، ۹۳۳، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۸، ۹۴۳، ۹۴۵، ۹۵۵ (رنگون)، ۹۵۸، ۹۶۰، ۹۵۹، ۹۶۴، ۹۸۰، ۹۹۵

افق لکھنؤ سے ایک نئے ستارہ کا طلوع

"گلکدہ"

طبقہ نسواں میں یہ اطلاع دلچسپی کے ساتھ سنی جائیگی کہ لکھنؤ سے عنقریب ایک ادبی، اخلاقی، علمی اور معاشرتی دلفریب رسالہ "گلکدہ" کے نام سے زیر ادارت ہمشیرہ عبدالرزاق عباسی ایڈیٹر "ہمدم" و "حق" اور بیگم عبدالحمید خاں صاحب کمبال آب و تاب شائع ہونے والا ہے۔ جن محترم خواتین نے اس کی ادارت کی ذمہ داری منظور کی ہے پڑھی لکھی بہنیں انکے طرز نگارش سے بخوبی روشناس ہیں۔ مضامین میں اصلاحی پہلو زیادہ سے زیادہ نمایاں رہیں گے۔ بچیوں کے لکھے ہوئے مضامین، افسانے، کہانیاں، اور لطیفے خاص طور پر قبول کیے جائیں گے۔

جن خواتین کو اس رسالہ کی خریداری منظور ہو وہ حسب ذیل پتہ پر اپنا زر چندہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں یا پہلا پرچہ وی۔ پی بھیجنے کی اجازت دیں۔ حجم ۳ جزو سائز $\frac{20 \times 30}{4}$ چندہ سالانہ للعہ ششماہی ۲ر

منیجر "گلکدہ" مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و احادیث کے احکام اور علماے اسلام و حکماے یورپ کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں۔ ضخامت ۰۰ صفحے۔ اشاعت ختم کرنے کے لیے قیمت میں غیر معمولی رعایت۔ یعنی صرف ۱۲ ر (ساڑھے چار آنے) کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ و انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرتضیٰ آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؀
بیرون ہند سے سالانہ ۵ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱مر

نمبر ۳۱ | دوشنبہ۔ ۱۸۔ ذیقعدۃ المکرم ۱۳۶۰ھ مطابق ۸۔ دسمبر ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

غالب کوئی زاہد نہیں، شیخ وقت نہیں، ایک شاعر و ادیب تھے اور وہ بھی رندانہ مزاج اور لاابالی مذاق کے۔ خطوط غالب (مولوی مہیش پرشاد کی مرتب کی ہوئی) تازہ کتاب، تصوف و معرفت، اخلاق و موعظت کی نہیں، خالص ادب و انشا کی کتاب ہے۔ لیکن کیا مضائقہ ہے اگر کوئی کام کی بات کسی رند لاابالی کی زبان سے سن لی جائے، اور عبرت کا ٹکڑا کسی ادیب و انشاپرداز کے کلام میں نظر آ جائے؟ —— غالب صاحب ۲۶ جنوری ۱۸۶۱ء کو اپنے ایک نہایت عزیز ہندو شاگرد مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:-

"سنبلستان کا چھپا ہونا، خدا تم کو مبارک کرے، اور خدا ہی تمہاری آبرو کا نگہبان ہے۔ بہت گزر گئی ہے۔ تھوڑی رہی۔ اچھی گزری ہے، اچھی گزر جائیگی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا، جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھکو نفع ہوگا؟ سعدی نے "بوستان" سے کیا پھل پایا جو تم "سنبلستان" سے پاؤگے؟ اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے، نہ سخن ہے نہ سخنور ہے، نہ قصیدہ ہے نہ قصد ہے۔ لاموجود الا اللہ" (جلد اول، ص)

غالب اب بوڑھے ہو چکے ہیں، کلام جتنا پھیلنا تھا پھیل چکا ہے، اردو بھی، فارسی بھی۔ شہرت جتنی حاصل ہونی تھی، سب حاصل ہو چکی ہے، قدرشناس نواب صاحب رامپور کے استاد رہ چکے ہیں۔ دلی کے شاہی دربار میں، انگریزی سرکار میں، جتنی عزت ملنی تھی مل چکی ہے —— ان سب تجربوں کے بعد فرماتے ہیں تو کیا، یہی کہ دنیا ہیچ ہے، کاروبار دنیا ہمہ ہیچ!

دنیا اور اسکے سارے کاروبار کی، اسکے دولت و اعزاز کی، اسکے منصب و جاہ کی بے ثباتی، بے حاصلی، بے حقیقتی!

"اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے، نہ قصیدہ ہے نہ قصد ہے۔ لاموجود الا اللہ"!

کیا کسی صوفی عارف نے اس سے زیادہ کچھ کہا ہے؟ وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور کی تفسیر اس سے بڑھکر کیا ہوگی؟ —— انھیں غالب صاحب نے ایک بار ایک بڑا پرزور قصیدہ فارسی میں شاہ نصیرالدین حیدر والی اودھ کی مدح میں لکھ کر ایک صاحب کے توسط سے لکھنؤ بھیجا۔ قصیدہ پہونچا، تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا۔ حکم ہوا کہ فوراً پانچ ہزار کی رقم انعام، بڑی جلد نے۔ شاعر کی آرزو برآئی، قسمت جاگ گئی، لیکن آگے سنیے۔ پانچ ہزار میں سے تین ہزار تو وزیر سلطنت نواب روشن الدولہ بہادر کی نذر ہوئے۔ دو ہزار ان متوسط صاحب کے ہاتھ آئے، وزارت پناہ کے اس ارشاد کے ساتھ کہ جو کچھ مناسب سمجھنا غالب کو دیدینا! —— ان صاحب کو مناسب یہی نظر آیا کہ ان دو ہزار میں سے دو روپیہ بھی غالب تک نہ پہونچنے پائیں۔ شاعر غریب کی قسمت جھپک مارتی رہ گئی۔ جاگ کر پھر سو گئی!

لکھنؤ میں غالب کی ایک پرانے شاگرد آتش تھے، دہلی سے لکھنؤ خط آیا کہ بھائی تم مدد کرو، اور اس معاملہ میں میری داد رسی کراؤ، داد فریاد دربار سلطانی تک پہونچاؤ —— مطلع جس شاہ پر ہائے قصیدہ پہونچا اس کا ملاحظہ ہو:-

"یہ خط لکھکر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا، تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیرالدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں، اور ناسخ کیا کرے؟" (ص)

یہی قصیدہ اگر نقد ہوتا، جب بھی یہ انجام کسی ... تھا، شاعر [illegible]

... کی قوت سے ... دولی کی حمد سنا جا ... نظر غیب [illegible]

توحید کے مضمون پر کچھ ہوتی، کوئی امکان مسلمے محرومی کا تھا؟ — ثانیاً
کے بجائے باقی سے لو لگانے والوں میں کوئی آج تک محروم رہا ہے؟ کوئی
اُس در سے کبھی محروم پھرا ہے؟ فرشتوں سے بھی کوئی ارادی رخنہ کوئی غیر ارادی
سلب ان کا ممکن ہے؟ — سچ کہا ہے اُس سچے نے جس نے شعر کی زبان میں
حکمت و معرفت کے دریا بہا دیے ہیں ؎

عشق بر مردہ نہ باشد پائدار
عشق را بر حی و بر قیوم دار

کام کی رفتار

پچھلے ہفتہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کی طباعت کا کام شروع ہو جانے کی اطلاع پاکر بعض احباب نے مدیر صدق سے سوالات شروع کر دیے ہیں کہ پہلا پارہ کب تک چھپیگا؟ قیمت کیا ہوگی؟ کل مدت اشاعت کیا ہوگی؟ وقس علیٰ ہذا۔ ان سب حضرات کی خدمت میں ایک بار پھر گزارش ہے کہ ایسی تمام خدمات سے مدیر صدق کو معاف رکھا جائے۔ اور مخاطبت و مراسلت براہ راست تاج کمپنی لاہور سے ہی رکھی جائے۔ جس بے تدبیرے معمولی اُردو ہفتہ وار کے انتظامی پہلوؤں کا تحمل نہیں ہو سکتا وہ انگریزی و عربی کی اتنی عظیم الشان ضخیم کتاب کی چھپائی، کاغذ وغیرہ کا اہتمام ظاہر ہے کہ کہاں تک کرسکتا ہے؟

شروع نومبر میں بسلسلۂ امداد، پشاور کے ایک مخلص کی پانچ روپیہ ماہوار کی تازہ قسط قبول ہوئی۔

ایک آیت کی شرح

ایک ندوی عالم و متعلم قرآن لکھتے ہیں:۔

"صدق کی پیشانی پر آیت والذی جآء بالصدق و صدّق بہ کا جو ترجمہ درج ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ الذی جآء بالصدق اور صدق بہ دو الگ الگ مستقل صفتیں ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمہ میں آیت و من اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں کو ایک ہی صفت قرار دیتے ہیں۔ البتہ آیت والذی جآء بالصدق کا ترجمہ کسی قدر مبہم ہو گیا ہے۔ لیکن ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ جلد ۴ میں اس آیت پر خاصی بحث کی ہے، اور لکھا ہے کہ ذات نے الذی جاء بالصدق کے ساتھ والذی صدّق بہ نہیں کہا ہے، یعنی انہیں الگ الگ صفت نہیں قرار دیا ہے بلکہ صرف صدّق بہ لا کر اسے الذی جاء بالصدق ہی سے متعلق رکھا ہے۔ یعنی جو سچائی لیکر آیا اور سچائی کی تصدیق کی۔ معلوم نہیں کہ دوسرے محققین کی کیا رائے ہے۔ اسوقت مراجعت کتب کا وقت نہیں، بہرحال ابن تیمیہ کی رائے یہی ہے۔ اسوقت یہ [illegible] منہاج السنۃ کی تفسیری آیات دیکھ رہا تھا، اس پر بھی نظر پڑگئی اس لیے عرض کر دیا۔"

بیشک ان دونوں حضرات کی رائے یہی ہے۔ اور ان کے ساتھ دوسرے اکابر کی بھی اچھی خاصی جماعت ہے۔ لیکن دوسری طرف بھی بہت سے اکابر ہی ہیں۔ ان حضرات نے تقدیر کلام الٰہی یہی سمجھی ہے کہ والذی صدق بہ۔ اور اسی جماعت میں رازیؒ صاحب تفسیر کبیر بھی داخل ہیں۔

ابن جریرؒ نے حسب دستور متعدد معانی نقل کیے ہیں۔ ان میں سے صرف پہلے معنی تو جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں، دونوں صفتوں کا مصداق ذات رسول اللہ صلعم کو ٹھہرایا گیا ہے، اور باقی چاروں معانی میں جو حضرت علیؓ سے لیکر حضرات تابعین قتادہ و مجاہد و ابن زید وسدی تک منقول ہیں، دونوں صفتوں کا مصداق بالکل الگ الگ ذاتوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔ گویا ان سب حضرات نے صدق بہ کے ساتھ والذی کو مقدر ہی کرکے پڑھا، اور خود ابن جریرؒ نے بھی ترجیح اسی کو دی ہے کہ

ان یقال الصدق ہو القرآن وشہادۃ ان لا الہ الا اللہ و المصدق بہ المؤمنون بالقرآن	صدق سے مراد قرآن اور شہادت توحید ہے اور مصدّق کے مفہوم میں قرآن پر ایمان رکھنے والے سب مومن داخل سمجھے جائیں۔

دو آیتیں

معتمد علی صاحب خورجوی سے دریافت کرتے ہیں:۔

۱۔ "آیۂ کریمہ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک (نمل ع ۳) میں یہ کس کا قول نقل فرمایا گیا ہے؟ آیا حضرت آصف یا حضرت سلیمان علیہ السلام کا؟

۲۔ آیۂ کریمہ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال (احزاب ع ۹) میں امانۃ سے کیا مراد ہے؟"

پہلے جواب دوسرے سوال کا عرض ہے، آیۂ کریمہ میں امانت سے مراد وہ خاص چیز ہے جسکی بنا پر انسان جمادات حیوانات وغیرہ سے ممتاز ہے اور جسکی بنا پر وہ خلیفۃ اللہ قرار پایا ہے۔ اسی چیز کا نام اخلاقی ذمہ داری یا تکلیف شرعی ہے۔ ہوا یہ کہ خلقت کائنات کے بعد ساری زمینی مخلوق میں بقدر ضرورت شعور پیدا کرکے سب سے سوال کیا گیا کہ "کون مکلف شرعی بننا چاہتا ہے؟ کون ارادہ و اختیار کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے؟ احکام کی اطاعت کا صلہ بہتر سے بہتر ملیگا، اور اسی طرح نافرمانی پر سزا بھی سخت سے سخت ہے"۔ اور ساری مخلوق نے اپنے ضعف و بے ہمتی کا لحاظ کرکے کہدیا کہ ہمیں یہ بار امانت قبول نہیں۔ انسان نے اسے قبول کرلیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر وغیرہ تابعین کے قول میں امانۃ کی تفسیر جو افترض اللہ الطاعۃ علی العباد سے کی ہے اُس سے لبیبہ یہی مراد ہے۔ اور اسی پر کہنا چاہیے کہ سب کا اتفاق ہے۔ کوئی بڑا اہم اختلاف مفسرین کے درمیان موجود نہیں۔

پہلے سوال کا جواب البتہ مختلف فیہ ہے۔ اہل تفسیر کے اقوال دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کہنے والے حضرت آصف تھے، اور مخاطب حضرت سلیمانؑ۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ کہنے والے تو خود حضرت سلیمان تھے اور مخاطب وہ عفریت من الجن۔ اور بعض نے تو حضرت جبرئیل کا نام لیا ہے اور بعض نے کسی اور کا۔ [illegible] کے ذوق میں سیاق قرآنی کے لحاظ سے ترجیح قول اول کو ہے۔ کوئی شرعی [illegible] سامنے [illegible] بعض [illegible] قرآنا

دو اور مکتوب

(شاہ نذیر احمد صاحب صوفی - شبلی منزل مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے خطوط بھوپال کی ایک خاتون کے سوالات کے جواب میں)

(۱)

خواہر عزیز! وعلیکم السلام آپ کا خط ملا

عزیزہ من! مودودی صاحب کے ہاں اسلام کے اپنے سیدھے سادے اجتماعی پہلو کے نفاذ کی دعوت نہیں بلکہ انکی دعوت نہایت ایک پیچیدار تجزیہ کی طرف ہے۔ انکا دعویٰ ہے کہ ان نے اسلام کو سرے سے سمجھا، اسکی مثال گزشتہ پیش میں کوئی موجود نہ تھی۔ پھر اس سرنو سمجھے ہوئے اسلام کے لیے ایک خاص قسم کا لٹریچر پیدا کیا۔ اور اب جبکہ یہ لٹریچر بھی پیدا ہو چکا اور اسکے کچھ سمجھنے والے بھی پیدا ہو گئے تو اب ان جدید الاسلام لوگوں کی ایک جماعت بنانے کی ضرورت ہوئی۔ جیسے کہ ہر امت کو ایک جماعت کی حیثیت اختیار کرنا ضروری تھا ہے۔ چنانچہ اس جماعت کو بنا لیا گیا اور اب اس جماعت کا فرض ہے کہ اسی نقطۂ نگاہ کی طرف تمام عالم کو اسی طرح دعوت دے جس طرح ایک امت کو اسلام کی طرف سب عالم کو دعوت دینا فرض ہے۔ اس دعوت لینے میں مسلمان کہلانے والے اور غیر مسلم کہلانے والے سب برابر ہیں۔ ان میں سے جو بھی اس نئی امت میں داخل ہوگا وہ اسکے متعین کردہ کلمہ طیبہ پر اسی حیثیت میں ایمان لائے گا جس حیثیت میں وہ مودودی صاحب نے بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ لٹریچر پڑھے گا اور اس لٹریچر کے پڑھنے سے جو نقطۂ نگاہ پیدا ہوگا۔ اسکے بعد جو انقلاب پیدا ہوگا وہ مودودی صاحب کے نزدیک صحیح اسلامی انقلاب ہوگا۔

ہاں خواہر عزیز! تو اس سب آدعیٰ کا مختصر مفہوم ایک خاص لٹریچر کی ترویج۔ اس سے ایک نقطۂ نگاہ کی تخلیق اور اسکے نتیجہ میں ایک انقلاب ہے۔ راقم کو اس طرز تحریک۔ اس لٹریچر اور اس سے پیدا شدہ نقطۂ نگاہ پر اعتراض ہے۔ باقی رہا مطلق قانون شریعت کے اجتماعی نفاذ کی سعی تو اسکے لیے سعی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں خود راقم بہت سے احباب کی ترغیب کا موجب رہا ہے اور اب بھی ہے۔ آپ چاہیں تو یہ حروف مودودی صاحب کو بھیجکر ان سے بھی اپنی تسلی کر سکتی ہیں۔ چونکہ اس سلسلہ میں اور بھی لوگ شبہات کر رہے ہیں اس لیے راقم آپ سے اجازت چاہتا ہے کہ اسے اخبار میں دیدے۔ والسلام

(۲)

...(۱) یہ طرز تحریک ایک مستقل امت قائم کرتا ہے۔ جو بالاصالۃ ایک شخص کے محض ذہنی افکار پر مبنی ہے۔ اس میں وہ اسلامی فرض کفایہ (خلافت کا قیام) جو اصالۃً ہر مسلم پر عائد ہوتا ہے ایک ضمنی چیز ہو جاتی ہے۔ اصل میں ایک شخص کے افکار کی ترویج ہوتی ہے وہ فرض ایک طبعی ثمرہ کی طرح آگے کہیں مل گیا تو مضائقہ نہیں۔ حالانکہ معاملہ قطعاً اس سے مخالف نوعیت کا ہے۔ اصل میں اسوقت مسلمانوں کا فرض صرف کفایہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دین کے باقی اجزاء وعقائد موجود ہیں۔ انھیں سرنو ایک خاص انداز پر مرتب کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

(۲) یہ سب مغالطہ تجدید و تاسیس کے فرق کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ محرک اپنی تحریک کو تاسیس کہہ رہا ہے۔

(۳) اس تحریک کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ جب اس فرض کفایہ کو بطور فرض کفایہ مسلمانوں کے سامنے لانے کی سعی کی جائیگی تو جو لوگ اسکے ساتھ ایک خاص سلسلہ افکار کو وابستہ کر چکے ہیں وہ ایک طرف انکی طرف توجہ ہونے سے جھجکیں گے اور دوسرے مسلمان خود اس مغالطہ میں پڑ جائیں گے کہ یہ ہو کیا رہا ہے کہ ایک جماعت جب پہلے کام کر رہی ہے اس کی موجودگی میں پھر دوسری جماعت اس مقصد کے لیے آمادہ کیوں ہو۔ کیا یہ سارے معاملات نفس کی دوکانداریاں تو نہیں۔ سو اس طریق سے مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی اس مقصد دین کی طرف شرعی فرض کفایہ کی حیثیت میں متوجہ کرنا پھر ایک دفعہ مشکل کر دیا جائیگا حالانکہ اسکے لیے مسلمانوں کا موجودہ اضطراب بہت بڑا موقع تیار کر چکا ہے۔ راقم فقیر کو جو اس تحریک میں قادیانی تحریک کے جراثیم نظر آرہے ہیں وہ بالکل اسی حیثیت کے باعث ہیں۔ قادیانی تحریک کی ابتداء بھی اس انداز سے ہوئی تھی کہ جب عیسائی مشنریوں کا وار مسلمانوں میں ایک ایسی تڑپ پیدا کر چکا تھا کہ وہ کسی متحدہ محاذ پر جمع کیے جا سکیں اور پھر حضرت رشید احمد گنگوہی، حضرت محمد قاسم نانوتوی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب جیسے صاحبان استقامت بزرگوں کے توسط سے ان میں ایک نئی روح دوڑ جائے کہ اس نقلی تحریک نے اسکی راہ میں ایک نمایاں روڑا پیدا کر کے امت کی نئی پیدا ہونیوالی وحدت کا امکان ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ پھر جس وقت تک امت بہ حیثیت مجموعی اس تحریک جدید کے باطل ہونے کے نتیجہ پر قطعاً پہنچے اسوقت تک وہ ابھرے ہوئے جذبات نہایت دھیمے پڑ چکے تھے۔

اب راقم صدق کے مدیر محترم کی خدمت میں بھی بعض گزارشیں پیش کرتا ہے۔ آپ کو فقیر کی آتش زبانی قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے۔ مگر راقم کو انکی خدمت میں یہ گزارش کرنا ہے کہ مندرجہ صدر الزامات میں سے کس الزام کو وہ نادرست سمجھتے ہیں۔ اسکو بالتعیین انکا بیان کرنا بہت سے لوگوں کے لیے مفید ہوگا۔ لیکن اگر یہ الزامات صحیح ہیں تو کیا یہ ایک نفسیاتی حقیقت نہیں کہ ایک غلطی پر مستقل ایک شخص کو اصرار ہو اسکی اصلاح میں جب تک اتنی ہی شدت نہ برتی جائے تب تک اسکے اعتقادی جمود میں کوئی حرکت اور اسکا اپنی پوزیشن پر سرنو غور کرنا مشکل ہوتا ہے۔ البتہ جو لوگ سادہ ذہن ہوتے ہیں وہ اپنے جذبۂ خیراندیشی میں نرمی کی توقع رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ محترم مدیر صدق بھی اپنی اسی سادہ دلانہ خیرسگالی کے باعث فقیر کو یہ الزام دے رہے ہوں۔ باقی جہاں تک نیک نیتی کا سوال ہے اسکے متعلق عرض ہے کہ راقم نے تحریک کے بانی کے متعلق ابھی تک اپنی تحریر میں دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا ہے چنانچہ سب سے آخری خط میں بھی فقیر نے (الف) جہل (ب) اور [illegible] دونوں لفظ استعمال کیے ہیں۔ جس میں سے اگر ایک سے نیک نیتی کا پہلو پیدا ہوتا ہے تو دوسرے سے اس دوسرے پہلو کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔

"تحریکِ اسلام"

[صاحبِ "معارف" مولانا سید سلیمان ندوی کے شذرات ذیل صدق کے بھی پورے ترجمان ہیں۔ اور اس لیے انھیں اتفاق کامل کے ساتھ بمسرت تمام درج کیا جاتا ہے۔ صدق]

ہر زمانہ میں پیروان مذہب کے اندر اہلِ عقل اور اہلِ نقل کے دو گروہ قائم رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ اہلِ عقل یہ چاہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں علوم، خیالات اور افکار پیدا ہوتے رہتے ہیں، دین کو اس زمانہ کے لوگوں میں قابلِ قبول بنانے کے لیے اسکی ترجمانی ہر زمانہ میں اسکے علوم و افکار کے مطابق کی جاتی رہے ۔۔۔۔ بات یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایک نہ ایک کوئی ایسا نظری خیال پیدا ہو جاتا ہے جو ہر طرح مشکوک، نا پائدار اور بے دلیل ہونے کے ساتھ اس درجہ یقینی، پائدار اور مدلل معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا ہر انسان اسکو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ متکلمین یہ چاہتے اور کرتے رہتے ہیں کہ دین کی تعبیر اور اسکے مسائل کی ترجمانی اسی کے مطابق کر دیں تاکہ اس زمانہ کے لوگ انکو آسانی سے قبول کر لیں۔

ابھی جدید علم کلام کی آفرینش کو نصف صدی بھی نہیں گذری ہے کہ اس پر چار دور گزر گئے۔ سرسید نے جنکے زمانہ میں سائنس کا نیا نیا زور تھا، نیچر اور انکار خرقِ عادت کے اصول پر اسکو تول کر پیش کیا، انکی اس ترازو پر جو مسئلہ پورا اترا اسکو مانا اور جو نہیں آیا وہ کم و بیش کرکے پورا کیا گیا تو اس کمی و بیشی کے ساتھ اسکو قبول کر لیا اور اس پر بھی جو نہیں آیا اسکو رد کر دیا۔ مولانا شبلیؒ کے عہد میں جدید تہذیب و تمدن کی گرم بازاری تھی تو انکی ساری عمر اسلام اور مسائلِ اسلام کو تہذیب و تمدن یا سولائزیشن کے اصول پر سمجھنے اور سمجھانے میں گزر گئی۔ اور اسی لیے وہ ہمیشہ تاریخِ اسلام اور تاریخِ سلاطینِ اسلام سے تمدنی مسائل کی تحقیق کرنے اور انکو موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے مستحسن کرکے دکھاتے رہے۔

اسکے بعد تیسرا دور سیاسیات کا آیا جس میں عقائد و عبادات کے بجائے اسلامی مسائل میں سے سیاسیات کی بحث اہم ہو گئی اور انکی تعبیر جمہوریت، دستوریت، نظامِ شوریٰ، خلافت، امارت، وطنیت اور دین و ملت اور وطنیت میں تطبیق کی صورت میں نمایاں ہوئی۔ اسکے بعد ہی بالشوازم نے جنم لیا تو بیت اور روٹی اور مزدوری کے نظریے سامنے آگئے۔ متکلمین عصر نے انکی تطبیق کی طرف توجہ فرمائی رہی تھی کہ یورپ کی جنگ سامنے آگئی، اور نازی ازم اور فیسزم کی تحریکوں کی قوت ظاہر ہوئی۔ اب اس زمانہ کے متکلمِ اسلام ایک تحریک کا نام رکھکر سارے مسائل کی گتھیوں کو اس میں کھپانے میں مصروف ہیں،

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

لیکن دوسرا فریق جو اہلِ نقل کا ہے اسکے نزدیک اسلام کے حقایق اپنی جگہ پر خود مستقل ہیں۔ انکی تعبیر و ترجمانی کسی زمانہ میں بھی کسی خارجی

مصلحت اور ہنگامی تطبیق کی خاطر ایسی نہیں کرنی چاہیے اور دین، اطفال
مصلحت اور ہنگامی تطبیق کی خاطر ایسی نہیں کرنی چاہیے کہ دین، اطفالِ عقل کا بازیچہ بن جائے، اور اسکی اپنی اصلی مستقل حیثیت کے بجائے دوسروں کے ضمیمہ کی ہو جائے، جو دھوپ چھاؤں کی طرح ہر نئی گردشِ آفتاب کے ساتھ نیا نیا رنگ بدلتا ہے۔

اہلِ عقل کے نظریہ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں دین پر براہِ راست قلبی یقین کے بجائے عقلیات کے سہارے یقین پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ سہارا جہاں ہٹا عقائد و اعمال کی ساری عمارت نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ اسکی دوسری کمزوری یہ ہے کہ نتیجہ کے طور پر دین کی کوئی مستقل حیثیت قائم نہیں رہتی، بلکہ ہر عصر اور زمانہ میں اسکے نئے نئے قالب بدلتے رہتے ہیں، اسکی نئی نئی شکلیں نکلتی رہتی ہیں۔ اسی سے فرقہ آرائی کا سامان پیدا ہوتا ہے اور نئے نئے فرقوں کا ظہور ہوتا ہے، اور پھر ہر طرف سے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کی لعنت برسنے لگتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶)

جبکہ ایک شخص کے اتنے بڑے دعوے کی موجودگی میں نظرانداز کرنا غالباً زیبا بھی نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط شائع فرما دیا جائے۔

راقم نے خیال کر لیا تھا کہ آخری خط (جو صدق نمبر میں ابھی حال ہی میں شائع ہو چکا ہے) اسکے بعد تنقید کے سلسلہ کو ختم ہی کر دے۔ اور دیکھیے کہ علما اپنے فرض کے متعلق کتنے چوکس ہیں مگر لوگوں کے سوالات کا سلسلہ سکوت کی حدود سے باہر کھینچ کھینچ لاتا ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے متعلق خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
رشید آباد پیلس۔ گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؎۲
بیرون ہند سالانہ ۷ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق لکھنؤ

نمبر ۳۲ | دوشنبہ ۲۵- ذیقعدہ الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۵- دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء | جلد ۷

سچی باتیں

دلّی کے پُرقوت ریڈیو اسٹیشن کے ماہرین فن انجنیروں نے بڑے بڑے پُرقوت آلات کی مدد سے اب ٹوٹتے ہوئے تاروں کی موسیقی کو سننا شروع کردیا ہے۔ ستارے ٹوٹ کر جب زمین پر گرنے لگتے ہیں، تو پہلے کرۂ زمین کی فضاء سے ٹکراتے ہیں، اور اسی ٹکر کے وقت یہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ خود اس فضا کی بلندی ۶۰ میل کی ہے۔ گویا یہ آواز سطح زمین سے ۶۰ میل اوپر پیدا ہوتی ہے۔ اور وہیں سے سُنی جانے لگی ہے۔ یہ آواز ماہرین انجنیروں کا بیان ہے کہ ایک خاص انوکھے قسم کی ہے، تاہم اسے نغمہ کہا جا سکتا، اور موسیقی کے ماتحت لایا جا سکتا ہے۔ جوں جوں سطح زمین سے قریب ہوتی جاتی ہے، آواز تیز معلوم ہوتی جاتی ہے ——— اکبر مرحوم نے جب ۲۵-۳۰ سال اُدھر اپنا یہ شعر سُنایا تھا؎

ایک صوتِ سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے۔
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے۔

تو الحاد وتشکیک کے ادب سے ایک نوجوان کو ہنسی آگئی تھی، کہ یہ صوفیہ اور اُنکے معتقدین بھی کیسی بے تکی ہانکا کرتے ہیں۔ یہ "صوتِ سرمدی" کیسی؟ نہ کہیں اسکا وجود، نہ کوئی اسکا ثبوت۔ ساری آوازیں سُن لی گئیں، کیسے کیسے آلات نکل آئے، اس آواز کا پتہ کسی کو نہ لگا، لگا تو کس کو؟ صوفی شاعروں کو!

اب ہنسی اپنے اُس تمسخر پہ آتی ہے تارے ٹوٹتے ہمیشہ سے تھے، آواز بھی ہمیشہ ان میں ہوتی تھی۔ بس اسکے سننے کے قابل کان نہ تھے۔ وہ کان اب سنہ ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے ہیں۔ آلات بڑے سے بڑے پہلے بھی مدت سے تھے۔ لیکن اس خاص مقصد کے لیے وہ کافی نہ ہوئے۔ اور آج سے قبل کے بڑے بڑے ماہرین فن انجنیر اس آواز کو سُنے بغیر ہی رخصت ہو گئے —— یہ آواز تو پھر بھی مادی ہے اب جو آواز اس سے بھی بڑھ کر لطیف ہو، اور درجہ ہی میں نہیں، قسم میں بھی اس سے مختلف ہو، اُسکے لیے کوئی کان، ان مادی حواس کے ساتھ کہاں سے لائے؟ اور جو آواز اُس عالم کی ہو جسے، میں گفت اور حرف نے، آواز نے۔

اُسے کس آلہ کی مدد سے گرفت میں لایا جائے؟ ابھی تو ہماری ٹھوس اور مادی ستاروں ہی کی کتنی آوازیں سننے میں آسکی ہیں، چہ جائیکہ فرشتوں کے پروں کی سرسراہٹ، فرشتوں کے منہ سے نکلے ہوئے بول، نباتات، جمادات کی تسبیح، انکو کوئی کہاں سے سُن سکے! —— اعتماد آج ہم کو ریڈیو کے اہلکاروں پر ہے۔ اُنکی سُنی ہوئی آواز کو ہم اپنی ہی سُنی ہوئی سمجھ رہے ہیں۔ اور نہیں ہے اعتماد تو ہم کو (نعوذ باللہ) پیمبر کی تلائی ہوئی آوازوں پر۔ وہ پیمبر، جس کی صداقت، دیانت، امانت، ہر مثال اور ہر نظیر سے بالاتر۔ وہ پیمبر، جسکی قوتِ ادراک ہر انجنیر، ہر ماہر فن سے ہزارہا درجہ بڑھی ہوئی ہے!

ادھر آواز سُنی گئی، اُدھر رفتار بھی ناپ لی گئی۔ اول رات، اور آدھی رات کا حساب تو شاید کچھ اور ہو، باقی رات کے پچھلے پہر میں جو تارے آکر زمین پر گرتے ہیں اُنکی شرح رفتار ۴۰ میل فی سکنڈ ہے! گھنٹہ یا منٹ نہیں، ۴۰ میل فی سکنڈ!

یعنی ایک منٹ میں ۲,۴۰۰ میل۔
اور ایک گھنٹہ میں ۱۴۴,۰۰۰ میل
گویا بندوق کی گولی سے ۸۰ گُنا زائد!

قدرتی رفتاریں، اب بھی سائنس کی پیدا کی ہوئی رفتاروں سے کہیں زیادہ تیز ہیں، کہیں زیادہ حیرت انگیز ہیں! —— بُراق کی رفتار، حرکت کو بالکل مادی اور جسمانی میں مان کر، خلاء کائنات میں کیا اب بھی

"ناقابلِ یقین"، "خلافِ عقل" رہتی؟ سپٹنکوں کے کرشمے تو لوہا وغیرہ عنصریات و مادیات سے مرکب ثابت ہو چکے۔ مگر شک و شبہ انکے باب میں نہیں، براق ہی کے باب میں! وہ براق جسکی ترکیب اگر مادہ سے ہو بھی، تو بہرحال وہ مادہ بھی کتنا لطیف تر ہوگا!

ایک گمنام نامور کی وفات

عنوان میں تناقض نہیں۔ گمنام نامور منطق کی خیالی دنیا میں ہوتے ہوں نہ ہوں، عملی دنیا میں، گوشت پوست کے انسانوں کی بنی ہوئی دنیا میں تو یہ ہوسکتے ہیں اور ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ یہ ایک مخصوص و محدود دائرہ کے اندر نہایت مشہور و معروف، لیکن اس محترم حلقہ سے باہر کوئی انکے نام تک سے آشنا نہیں۔ اسی قسم کے بزرگوں میں ہمارے مہربان مولانا حکیم حاجی محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری۔ لیکن اب ایک عمر سے مقیم میرٹھ میں تھے۔ عالم، فاضل، علومِ دینی میں گہری نظر رکھنے والے۔ علومِ عقلی کے ماہر۔ زاہد، مرتاض، صاحبِ نسبت۔ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر پہونچے ہوئے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے رشید ترین شاگرد، اور قدیم ترین خلیفہ۔ اور مشہور یہ ہے کہ حضرت کے لیے "حکیم الامت" کا لقب سب سے پہلے انھیں کے قلم سے نکلا تھا۔ اور ملت نے اسے قبولِ عام کی سند دے دی۔ خود بھی شیخِ وقت اور بہتوں کے مرشد۔ ان دینی و معنوی کمالات کے ساتھ ساتھ فنِ طب میں نظر اتنی دقیق، ذکاوت ایسی کہ اس زمانہ میں تو نظر آنا دشوار۔ بہرحال کہنا چاہیے کہ یہ بے بدل۔ دولت خانہ مصاحبانی (میرٹھ) کی ساری [illegible] ہوئی۔ طب میں متعدد کتابوں کے بھی مصنف تھے۔ علمِ کلام میں "حل الانتباہات" کے نام سے اپنے استاد و مرشد حضرت تھانوی کی الانتباہات المفیدہ کی شرح، جامع و مفصل، ہر حیثیت سے قابلِ قدر، اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ استغنا اور جوشِ خدمتِ خلق کی کیفیت یہ تھی کہ خاص اپنی اور صدری نسخے بے تکلف دوسروں کو بتا دیتے۔ ادھر علیل عرصے سے رہنے لگے تھے۔ آخر پچھلے عشرہ میں اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ درجاتِ عالیہ سے سرافراز کرے۔ ــــ بے نیاز اور مستور رہ صفات ہے بس ایک ذات، جو جب چاہے ایسے باکمالات کو، جامع الکمالات کو وجود میں لے آئے اور جب چاہے اُسی لمحہ اور اُسی آن واپس بلا لے!

ذاتِ معبود جاودانی ہے
باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے

"صاحب" کی رقص نوازی

"ابھی قیامِ الموڑہ کے زمانہ میں میں پھر اودے شنکر کلچر سنٹر کے تماشوں سے بہت محظوظ ہوا۔ پہلے کھیل میں تقریباً سارے اداکار اودے شنکر کے شاگرد ہی تھے۔ اودے شنکر نے اپنے متعدد شاگردوں کو اپنا ہی جیسا ماہرِ فن باکمال بنا دیا ہے۔ دوسرا کھیل میں نے رامائن سے لیا ہوا پلاٹ دیکھا۔ ... میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ میں نے اس سے بڑھ کر پُرلطف کھیل کہیں اور نہیں دیکھا ہے؛ اور مجھے یقین ہے کہ جو کوئی بھی اسے دیکھے گا، ویسا ہی لطف محسوس کرے گا.....

ایک بڑی اور خاص خوبی اس کلچر سنٹر میں یہ ہے کہ یہاں شاگردوں کو صرف ناچنا اور دوسروں کے ناچ کی نقلیں اتارنا ہی نہیں سکھایا جاتا، بلکہ نئے ناچ اور انکے لوازم کی تخلیق بھی سکھائی جاتی ہے ... اگر اودے شنکر کے منصوبے پورے ہوگئے تو وہ کامیاب ہو جائیگا ہندوستان کو مسرت بخشنے میں، ہندوستان کے قدیم فنونِ تہذیب کے از سرِ نو زندہ کرنے میں، اور جدید حالات کے مطابق انکا نیا قالب ڈھالنے میں" (اسٹیٹسمین، ۳۰ نومبر ۴۱ء)

یہ ایک مختصر سا تمام خلاصہ ہے۔ صوبہ کے گورنر سر ہارس ہیلٹ کی لمبی چوڑی اپیل کا۔ لاٹ صاحب کی اپیل ملک کے مشہور مغنیے کے ناچ گھر کے لیے! جی نہیں، ناچ گھر کہاں، لاٹ صاحب ہی کی زبان میں "کلچر سنٹر" کے لیے، "مرکزِ تہذیب" کے لیے! اور کسی میں ہمت ہے کہ "مرکزِ تہذیب" کا نام سن کر اسکی عالی اپیل پر مسکرا سکے، ہنس سکے، اسے قابلِ مضحکہ سمجھ سکے ـــ ترقی کا قدم کہاں سے کہاں پہونچا اور آپ ہیں کہ اب تک "دارالعواشہ" کو کلمہ تحقیر کا سمجھ رہے ہیں، اور شرمائے جا رہے ہیں محمد شاہ کی رنگ رلیوں سے، واجد علی شاہ کی رقص نوازیوں سے، لیلاؤں سے، ناٹکوں سے!

جو گناہ کیجیے ثواب ہے آج!

جو کچھ چاہیے کیجیے۔ بے تکلف اور کھلے خزانے کیجیے، صرف نام اور صفات بدل دیجیے۔ بولی بیسویں صدی کی سیکھ لیجیے!

میٹھا زہر

مسلم ورلڈ (نیویارک) مذہبی مسیحیوں کا مشہور سہ ماہی رسالہ ہے۔ ایڈورڈ کیسن صاحب نے ایک تازہ نمبر میں "مسلمانوں کے درمیان تبلیغ" کے عنوان پر توجہ فرمائی ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:—

"مسلمانوں کے درمیان کام اب نئے انداز پر ہونا چاہیے۔ پرانا طریقہ عموماً مناظرانہ تھا۔ کوشش یہ رہتی تھی کہ مسلمانوں کو قائل کیا جائے کہ مسیحی مذہب سچا ہے اس پر انکے اعتراضات غلط ہیں۔ اور انکو عقلی و فکری حیثیت سے مسیحیت قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ یہ طریقہ ناکام ہو چکا۔ اور اب سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کامیابی ذاتی دوستی اور خدمت کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔" (جولائی نمبر، ص ۲۳۳)

گویا "زور" کا طریقہ ناکام ثابت ہو چکا اور اب باری "زر" کی اور "زاری" کی آرہی ہے! ـــ سامنے سے گولی چلانے والے اسلحہ جب شل ہو جائیں تو آخر اس میں مضائقہ ہی کیا ہے کہ شربت کے گلاس میں کچھ قطرے زہرِ ہلاہل کے ملا کر پیش کر دیا جایا کریں!

حریف کا اعتراف

"اور خود مسلمان بھی تو بہت سی چیزیں مسیحیوں کو سکھا سکتے ہیں۔ مسیحیوں کی عادت کے برخلاف"

سلمانوں میں رنگ یا نسل کا تعصب نہیں ہوتا، مسلمان توحید کے قائل رہتے ہیں، اور انکا مذہب انکی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی رہتا ہے" (مسلم ورلڈ، نیو یارک، جولائی نمبر ۱۹۳۲ء)

الفاظ ایک صاحب بحرینی مسیحی مشنری کے قلم سے ہیں۔ یہ اُن مسلمانوں کی زندگی سے متعلق تاثرات ہیں، جو خود ہی محض نام کے مسلمان، اور جنکا اسلام محض نام کا اسلام ہے۔ اگر کہیں ہم واقعی مسلمان ہو جائیں اور اسلام ہمارے ذریعہ سے اپنے اصلی خط و خال میں ظاہر ہونے لگے، تو حریف کو کبھی حوصلہ بھی مقابلہ کا یا حملہ کا پڑ سکتا ہے؟

اعلیٰ تعلیم

"اس بیس سال کے عرصہ میں انگریز نوجوانوں پر سب سے زیادہ گہرا اثر بقول اس مصنف کے، ان دو چیزوں کے پڑے۔ ایک سوشلزم کا، دوسرے مسائل جنسی کا۔ قدیم اخلاقی نظام کی شکست و ریخت بڑی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ شہوانی دلچسپیاں معلوم ہوتا ہے برطانیہ کی یونیورسٹی تعلیم نظام کی ترکیب میں داخل ہو چکی ہیں۔ اور خیال ایسا ہوتا ہے کہ کہیں یہی تو خاص کشش ہمارے ملک کے نوجوانوں کو انگلستان تعلیم کے لیے لیے لے جانے والی تو نہیں؟" (ہندوستان ٹائمز، ۲۲ نومبر ۱۹۳۲ء)

اقتباس ایک جدید انگریزی ناول کے ایک تبصرہ سے ہے۔ ناول لکھا ہوا آکسفورڈ اور لندن میں ایک عمر بسر کیے ہوئے ہندوستانی نوجوان کا ہے۔ نوجوان بھی اور سوشلسٹ بھی۔ اسکے سوا کس ہم "جمود پسندوں" میں ہے یہ ہمت کہ صاحب کے ملک میں اعلیٰ تعلیم پانے والے نوجوانوں کو، صاحبزادوں کو، لڑکوں اور لڑکیوں کو، بقول کسی "شہوانیت زدہ" جیسے گندے اور مکروہ لفظ سے یاد کر سکیں؟

تمباکو کا زہر

حیدرآباد کے جدید پندرہ روزہ طبی رسالہ صحت عامہ میں لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر محمد اشرف الحق کے ایک مضمون کا اقتباس:—

"مضرت کے لحاظ سے تمباکو شراب سے قوی ہے اور آتشک سے دوسرے درجہ پر ہے، اور صلابت شریانی کا ایک بڑا سبب ہے۔ تمباکو نوشی سے قلب کے انقباضی عروق تباہ ہو جاتے ہیں، اور قلب میں صلابت شریانی کا عارضہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے اشخاص میں جو زیادہ تمباکو کے زبردست عادی ہیں موت اکثر دفعۃً اور قبل از وقت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسے اشخاص کو آتشک کا عارضہ ہو چکا ہو تو بس، اللہ ہی حافظ ہے ......

مردوں میں تمباکو کے استعمال سے شدید مضر اثرات ظہور پذیر نہیں ہو سکتے جسقدر عورتوں، بخصوص بڑی عمر والی لیڈیوں میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ نسوانی آلات اپنی پیچیدہ ساخت کی وجہ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اور اُنکے نازک عضویات میں تمباکو کا مقابلہ کرنے کی اتنی قوت نہیں رہتی جسقدر کہ مردوں کے آلات میں ہوتی ہے ...... قدرت نے عورتوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انکے ذریعہ نسل بڑھے۔ مگر جب موجودہ نسل کی نوجوان لڑکیاں تمباکو اور سگرٹ نوشی کی زبردست عادی ہو کر حد سے زیادہ تمباکو پینے لگتی ہیں تو نہ صرف اُنکا حسن جسکو برقرار رکھنے کی وہ بہت خواہشمند ہوتی ہیں برباد ہو جاتا ہے بلکہ زیادہ عرصہ تک وہ اپنی جوانی کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتیں، اور اُنکو اولاد بھی نصیب نہیں ہوتی، جو آخری عمر کا بہترین سہارا ہے۔"

کاش یہ نصیحت ہمارے بڑوں اور چھوٹوں، بوڑھوں اور نوجوانوں، مردوں اور عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں سب کے کانوں تک پہونچ سکتی!

عورتوں کی سنیما بینی

["ہمصر پیام" کی ایک خاتون مضمون نگار کے قلم سے]

موجودہ زمانہ کی ترقی نے سنیما جیسی چیز پیش کر کے ہماری موجودہ پست حالت کو اور بھی خراب کر دیا۔ ہند کی خرابی کی اور بیبیوں کی بربادی، اسکے سوا فلم اور اُسکا طرز ادا خواہ کتنا ہی نصیحت آمیز کیوں نہ ہو، عورت اور مرد کا ایک دوسرے کے مقابل ہو کر ایکٹ کرنے کا دیکھنے والے ہر دو فریق پر اپنے اپنے جذبات کے تحت اثر انداز ہونا ناگزیر ہے۔ خاص کر نوجوان حضرات پر اسکے بہت بُرے اثرات پڑتے نظر آتے ہیں۔ میں اپنی عزیز بہنوں سے بہت ادب کے ساتھ یہ عرض کہنے کی جسارت کرتی ہوں کہ وہ ہرگز ہرگز سنیما نہ دیکھا کریں۔ اپنا یہ پیسہ بچائیں اور یہی رقم کسی مفید کام میں صرف کریں۔ طبقۂ ذکور کی نسبت مجھے کچھ عرض کرنا نہیں ہے مگر اپنی ہم قوم بہنوں سے اتنا ضرور عرض کروں گی کہ وہ جہاں تک ہو سکے اپنے مردوں اور بچے بچیوں وغیرہ کو سنیما بینی کی لت نہ پڑنے دیں۔ کبھی کبھار اگر کوئی بہترین کھیل آ جائے تو مردوں کو اسکے دیکھنے سے اُنکی طبیعت کے خلاف روکا نہ جائے۔ ہر بُرا کام کلیۃً موقوف نہیں کیا جا سکتا بلکہ بتدریج حسب موقع اُسکا ازالہ کرنا ہی مصلحت ہے۔ دیکھو عرب میں شراب پی جاتی تھی مگر قدرت نے بتدریج احکام صادر فرمائے، اگر تم حالت سُکر میں ہو تو نماز نہ پڑھو، وغیرہ وغیرہ۔ ایک عرصہ کے بعد حرام قطعی قرار دیدی گئی۔ لہٰذا میری عزیز بہنو، تہیہ کر لو کہ تم کبھی بھولے سے بھی سنیما بینی کی طرف رُخ نہ کرو گی۔ ہر چیز کی نسبت خود پہلے عمل کرو۔ اپنا گھر درست کرو، پھر عزیز و اقارب پھر دوست احباب سب کی باری باری سے خبر رکھو۔ اگر عورت اس معاملہ "سنیما بینی" کے انسداد کے لیے اُٹھ کھڑی ہو، تو میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے جسکو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

ہم اور وہ

از خواجہ محمد شفیع دہلوی

ماضی اور حال کا بصیرت افروز تقابل۔ [illegible] زبان کوثر سے دُھلی ہوئی۔ بیان سحر طرازانہ

ملنے کا پتہ:- خواجہ محمد شفیع۔ اردو اکادمی [illegible] دہلی

تمدنِ اسلام کی کہانی

اُسی کی زبانی

[مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی "انجمن اسلامی تاریخ و تمدن" ہر سال اپنا "اسلامی ہفتہ" مناتی ہے۔ اب کی مرتبہ بھی حسبِ معمول منایا گیا۔ اس موقع پر ذیل کا مقالہ مدیرِ صدق نے پڑھا۔ اس میں متکلم خود تمدنِ اسلام ہے، اور واحد متکلم کی ساری ضمیریں اسی کی طرف پھرتی ہیں۔ صدق]

دینی بھائیو اور عزیزو!

بچپن کی بات، بیہوشی کا زمانہ، تاریخ کی پیدائش سے بھی قبل کا دور۔ ؎

بھولا ہوا سا خواب ہے کچھ ہے خیال کچھ نہیں

یاد اتنا ضرور آتا ہے کہ جب پہلی آنکھ اس گوشت پوست کی دنیا میں، اس آب و خاک کے کارخانہ میں کھلی، تو دیکھا کہ سر پر سایہ دو خاک کے پتلوں کا ہے۔ ایک کا نام بابا آدم، دوسرے کا اماں حوا۔ یہ لوریاں دے رہی ہیں، وہ سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ کچھ پیاری پیاری نورانی صورتیں اور بھی دھندلی سی یاد پڑ رہی ہیں، فرشتہ شاید انھیں کو کہتے ہیں۔ ایک روز بابا آدم نے کان میں کچھ ایسے الفاظ پھونکے، کہ دل میں اتر گئے۔ حافظہ پر گڑ گئے۔ آج تک ازبر۔ بولے "جانِ پدر! تم اولادِ معنوی ہو۔ اللہ تمہارا اقبال بڑھائے، میری صلبی اولاد کو سدا تمہاری راہ پر چلائے۔ لیکن تقدیر کے نوشتہ کو کون میٹ سکا ہے، لکھا ہوا یوں ہی ہے کہ تمہاری زندگی اول سے آخر تک ایک موذی کے مقابلہ میں گزرے گی، جد و جہد میں کٹے گی۔ تمہارے اصلی جوہر بھی اسی مقابلہ سے چمکیں گے، اصلی کمالات اسی معرکہ سے ابھریں گے۔ میرا اور تمہارا ازلی دشمن، نام ابلیس، حسد کی آگ کا پتلا کھلکر سامنے نہ آئیگا۔ حملہ ہمیشہ آڑ سے کریگا۔ کہیں یہ روپ بھر کر، کبھی وہ نقاب چہرہ پر ڈال کر۔ اسکا لشکر بے شمار، اسکے چہرہ کے نقاب بے حساب، لیکن غم نہ کرنا، اسکی نیرنگ سازیوں سے ذرا نہ ڈرنا۔ انجام کار فتح تمہارا ہی مقدر ہے"——

بابا آدم کی وصیتوں سے تو بس اسی قدر حافظہ میں ہے۔ ہاں خوب یاد پڑ گیا اسی دور کا ایک حادثہ خونیں نظروں کے سامنے اس طرح پھر رہا ہے، کہ گویا کل ہی کی بات ہے! ایک دن ہوا کیا، کہ میں بھائی ہابیل کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، معصومیت کے کھیلے ہوئے چمن میں گشت کر رہا تھا، کہ اتنے میں قابیل نے عفریتی تیور سے وار کر دیا۔ ہابیل غریب کا تو خیر کام ہی تمام ہو گیا، لیکن میرے جسم نے بھی زخم کا خراش اور اسکا مزہ پہلی بار جب ہی جانا!

دن گزرے، اور گزرتے رہے۔ سال شروع ہوئے اور ختم ہوتے رہے۔ صدیوں بعد، کوئی [illegible] ق۔م کے لگ بھگ میں نے اپنے کو سطح زمین کے اس خطہ میں پایا جہاں دریائے فرات بہہ رہا ہے۔ یعنی دیارِ عراق و بغداد کے درمیان، اور یہیں کچھ دور پر سلسلۂ کوہستان ارارات واقع ہے اور اسکی ایک چوٹی کا نام جبل جودی ہے۔ جھیل [illegible] کے جنوب مغرب میں۔ اسوقت انسانی آبادی سارے روئے زمین پر پھیلی ہوئی نہ تھی بلکہ سب کا مسکن یہی علاقہ تھا۔ قوم کی قوم کو دیکھا کہ اچھے خاصے ہوشیار، تمیزدار، دیکھنے میں عاقل و فرزانہ، لیکن مجھ سے سب کے سب بیگانہ۔ دل سب کے سب میری طرف سے پھرے ہوئے۔ اور خیر میں تو کیا چیز ہوں، چہرے میرے مالک و مولیٰ کی طرف سے مڑے ہوئے! حرکت کیا کی کہ مجسمے بنائے اپنے بڑوں کے، سرداروں کے، ناموروں کے۔ اور پہلے تو اسکا نام محض یادگار رکھا، لیکن تعظیم کے ڈانڈے ملے ہوئے پرستش سے جا ٹھہرے۔ لگے انھیں کے آگے اپنی حاجتیں پیش کرنے، انھیں سے اپنے دکھ سکھ میں سوال کرنے۔ اگلی نسلیں گزرتی گئیں، اور نئی نسلوں نے ان سے وہ معاملہ شروع کر دیا، جو بندوں کا ہوتا ہے خدا کے ساتھ، مخلوق کا خالق کے ساتھ۔ گویا یہ پتھر کی مورتیاں انکے عقیدہ میں شریک تھیں خدا کی خدائی میں، حاکم و متصرف تھیں خلق کی حاجت روائی میں—— عقلمندوں نے اتنا نہ سوچا، کہ جو ماوراء جسم و قالب ہے، وہ بھلا کہیں صورت پکڑ سکتا ہے، اور جو منزہ ہے قید و تعین سے، وہ بھلا گرفت میں آ سکتا ہے کسی مصور کے، نقاش کے، سنگتراش کے! ایک مرد خدا نوحؑ بن لمک نامی اسی سرزمین سے اٹھے، اور پکار پکار بولے کہ "میرے بھائیو، یہ کیا اندھیر ہے! بلا کی حماقت اور انتہا کی شامت، کہ بندوں کو درجہ خدا کا دیتے ہو، اور جو محض بے بس ہے اُسے قدرت والا سمجھتے ہو"! تہذیب و شائستگی، عقل و خرد کے مدعیوں نے جواب اسوقت بھی وہی دیا جو آج دے رہے ہیں۔ بولے "تم ایک خشک بے مغز شخص کیا قدر جانو ہمارے ان فنونِ لطیفہ کی؟ یہ مجسمے تراشنا، انھیں نمایاں مقامات پر نصب کرنا، تو عین ہنرپروری ہے، دلیل اور علامت ہے ترقی زندگی کی۔ یہ شرک و معصیت کا قصہ تم نے کہاں سے نکال لیا؟" اس زمانہ کا اوسط عمر آج سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ مقدس بندہ نوحؑ نے اس بڑھے ہوئے معیار سے بھی کہیں بڑی عمر پائی۔ نیچے سے ایک عظیم الشان سیلاب اُمڈا، اور اوپر سے بارش ہوئی۔ سیلاب دھار۔ مخالفین، معاندین، سب کے سب ڈوب کر رہ گئے۔ بس نوحؑ اور انکے مخلصین باقی بچ گئے۔ اشارۂ غیبی پاکر حفاظت کا سامان ایک طویل و عریض کشتی کے ذریعہ سے پہلے ہی کر لیا تھا۔

اس طوفانِ عظیم کے نفسِ وقوع سے تو تازہ ارضیاتی (جیولاجیکل) اور اثری (ارکیولاجیکل) شہادتوں کے بعد بیسویں صدی کو انکار کی گنجائش رہی نہیں ہے، البتہ ہنسی آ جاتی ہے، جب لوگوں کو اعتراض و انکار کے لہجہ میں کہتے سنتا ہوں کہ "طوفان مقامی ہو تو ہو، عالمگیر نہیں ہو سکتا"۔ بیشک وہ زمین کے سارے حصوں پر محیط نہ تھا، اور کیوں ہوتا۔ مقصود تو صرف خطاکاروں کو غرق کرنا، اور وہ خطاکار قوم صرف قوم نوحؑ تھی۔ لیکن اس ایک قوم کے سوا اور انسانی آبادی تھی ہی کہاں؟ پس اگر قوم نوحؑ غرق ہوئی تو اسکے معنی ہی یہ ہیں، کہ اسوقت کی ساری دنیائے انسانیت غرق ہو گئی!

دنیا کی عمر کچھ اور کھسکی۔ دو چند صدیاں ابھی اور گزری تھیں، کہ اسی

سرزمین پر ایک اور قوم ابھری، تہذیب و تمدن میں اگلوں سے بڑھی ہوئی، ستارہ شناسی کے علم میں طاق، سنگتراشی کے فن میں شہرۂ آفاق، اس کے درمیان ماہرین فن کا ہجوم، صنعت گروں کی دھوم۔ مورتیں اس صفائی اور صناعی سے بناتے کہ نقل کو اصل کر دکھاتے۔ بیجان میں گویا جان ڈال دیتے، ترقی کا قدم سائنس اور آرٹ کی تو ان بلند منزلوں میں، اور عقائد کی پستیوں کا حال یہ کہ مندر سورج دیوتا کے بنے ہوئے، اور خلیفۃ اللہ انسان کے ماتھے چاند اور تاروں کے آگے سجدوں میں گرے ہوئے، مورتی پوجا اپنے شباب پر، گویا شرک کا وہی جو ہندوستان میں آج بھی رائج ہے۔ ملک وہ تھا جسے آج عراق کہتے ہیں، کبھی بابل کہا جا چکا ہے اور کبھی کالڈیا یا کلدانیہ۔ اُسوقت ہندوستان سے کچھ ایسا دور بھی نہ تھا، بلکہ خیال تو کچھ ایسا پڑتا ہے کہ سندھ کی سرحدیں اُس سے ملی ہوئی تھیں، اور درمیان میں یہ سمندر حائل نہ تھا۔ اسی قوم میں میرے وہ مربی پیدا ہوئے جنھوں نے پھیکا کر دیا بابا آدم کی بھی شفقتوں اور نوازشوں کو، نام ابراہیمؑ یا ابراہام۔ والد کا نام تارح یا عربی تلفظ میں آذر۔ یہ ابراہیم موحد ہی نہیں، موحد گر تھے، موحدوں کے سردار تھے۔ شرک کا رنگ دیکھ تاب کہاں لا سکتے تھے۔ تبلیغ کی اور خوب ہی کی، دین توحید کی، توحید کے تمدن کی، توحید کی تہذیب کی۔ تہذیب جاہلی ان سے گتھ گئی۔ حکومت اسکی نصرت پر، سوسائٹی اسکی حمایت پر۔ کوئی طریقہ جور و ستم کا ان پر اُٹھا نہ رہا۔ حد یہ ہے کہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیے گئے۔ زندگی جسکے حکم کے تابع ہے، اُسی کے حکم سے زندہ نکل آئے۔ آخر ترک وطن پر مجبور ہوئے، عراق سے شام پہنچے، اور شام سے چلے تو فلسطین اور مصر سے گزرتے ہوئے حجاز میں آن کر ٹھہرے۔ جہاں کہیں بھی پہونچے، غلغلہ ڈالتے رہے میرے دین کا۔ ادھر سے بھی گزرے، جھنڈا لہراتے گئے، میرے آئین کا! مکہ پہنچے تو باپ بیٹے نے مل کر مکان کھڑا کر دیا، جو آج تک مرکز چلا آ رہا ہے توحید کے دین کا، اہل توحید کے آئین کا۔

کچھ اور بعد عرب کے جنوب مشرق میں قوم عاد آباد رہی، اور پھر انکے بعد شمال مغرب میں قوم ثمود۔ دونوں کا اپنے اپنے زمانہ میں خوب دور دورہ رہا۔ تنومند، زور آور، قد آور لوگ تھے۔ اپنے تہذیب و تمدن پر نازاں، انجینیری، صنعت کاری، ہندسہ کے فن کے بادشاہ۔ پتھر کے محل تراش ڈالتے، اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر محل تعمیر کرتے۔ میری انکی آویزش قدم قدم پر رہی۔ انکی تہذیب جاہلی۔ میری تعلیم توحیدی۔ انکے ہاں سفر حیات کی ہر منزل پر اخلاق کی گندگی اور باطن کی سیاہی۔ میرے ہاں زندگی کی ہر سانس پر روح کی جلا اور قلب کی صفائی۔ دعوے اُدھر قوت کا اور کثرت کا، بھروسہ ادھر صداقت کا، وحدت کا۔ بہتے علمبرداروں نے بڑے بڑے دُکھ اٹھائے، دُکھ جی بھر کے سہے۔ آخر میں فتح میری ہوئی۔ اور تختے اُلٹ کر رہے قوت کا زعم رکھنے والوں کے، ناز کرنے والوں کے، اور یہی انجام ہر جاہلی تمدن کا ہو کر رہتا ہے۔ شرک کی بنیادی اور ذہنیت کی عملی گندگیوں سے لبریز، تمدن کو تباہی اور ہلاکت سے بچا لیجا ہونی

نہ کوئی سپاہ، آج تک دریافت ہو سکی ہے نہ کوئی قلعہ ——— ان دونوں قوموں سے قبل اور قوم ثمود سے کچھ ہی فاصلہ پر اسکے شمال و مشرق میں ایک اور قوم آباد تھی۔ اپنے مصلح حضرت لوطؑ کی جانب منسوب۔ اس کے تمدن کے غیر صالح، ناسزا عناصر کی ناپاکیاں، حد اکی پناہ! بالآخر ملیامیٹ ہو کر رہی۔ اور اب تو ایک نامور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن نے اس کا زمانہ تک متعین کر دیا ہے۔ ۲۰۶۵ قبل مسیح۔ اسکی یادگار دنیا کی نہ سہی آبی، آج بھی عرب و شام کے درمیان بحر مردار (Dead sea) کی شکل میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس جھیل یا بحیرہ کے اوپر اور اندر بھی چار ہزار سال گزر جانے پر آج تک موت ہی کی عملداری! نہ اندر کوئی مچھلی زندہ رہ کر سانس لے سکے، نہ اوپر کسی پرندہ کی مجال کہ پر مار کر گزر سکے! عذاب الٰہی کی بے پناہی، معاذ اللہ!

ان سب کے بعد اور ان سب کے علاوہ ایک اور قوم بھی گزری ہے، حضرت مسیح سے کوئی ۱۵۰۰ سال قبل۔ علمبردار توحید شعیبؑ نبی کی جانب منسوب۔ تجارت پیشہ کاروباری لوگ آباد تھے علاقہ مدین میں، خلیج عقبہ کے متصل۔ مصر، فلسطین، عرب اور بحر روم، بحر قلزم کے بیچ راہ پر۔ انکی تہذیب میں جائز تھا دوسرے کا حق مار لینا، اپنا نفع غبن فاحش کے ساتھ حاصل کرنا۔ غرض تجارتی معاملات میں ہر قسم کی چالاکی اور خیانت۔ میری بھلا ان سے کیا بنتی! خوب مقابلے رہے۔ یہاں تک یہ قوم بھی فنا کے اسی گھاٹ اُتر گئی، جہاں تک ان سے قبل بہت سے پیشرو پہنچ چکے تھے۔

اب نمبر آتا ہے مصر کا۔ یہاں میرے قدم یوسفؑ صدیق کے عہد میں ۱۸۷۵ ق۔م ہی میں پہونچ چکے تھے اور انکی زندگی بھر میری ہی حکمرانی رہی۔ لیکن چند روز بعد جب سلطنت بدلی تو قوم کا نظام بھی بگڑا، اور ہوتے ہوتے تین چار سو برس کے عرصہ میں تو تہذیب جاہلی پورے زور و شور کے ساتھ خم ٹھونک کر میرے مقابلہ پر آ گئی۔ حکومت اب اُس نامدار کے ہاتھ میں تھی، جو اپنے کو بندہ نہیں، بندوں کا آقا، بندوں کا رب سمجھ رہا تھا۔ معبود اکبر سورج دیوتا یا "راع" کے اوتار، اور انسانی قالب میں خدا، یا "فرعون" (یعنی "راع" کے نمایندے) تو یہاں کے فرماں روا عرصہ سے سمجھے جا رہے تھے (جیسے ہزاروں برس کے بعد آج بھی میکاڈو شاہ جاپان سمجھے جا رہے ہیں)! لیکن اب جو بادشاہ مصر کا ہوا، اسکا نمبر فساد عقیدہ و فساد عمل دونوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ میری زبان تھے اُس وقت موسیٰ کلیم اللہ، اور میرے ترجمان ہارون نبی اللہ۔ دونوں نے اپنی والی سب ہی کچھ کر چھوڑی۔ تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ سمجھ اور مشرک مزاج خلقت دلائل سے زیادہ گرویدہ خوارق و معجزات کی ہوتی ہے۔ خالق بے نیاز نے دونوں بزرگ بندوں کے ہاتھوں اس طرح کے کرشمے بھی نہ معلوم کتنے دکھا ڈالے۔ پتھر سب جونک لگانی تھی۔ جابر و قاہر حکومت کا غیظ و غضب بڑھتا ہی گیا۔ نتیجہ جو کچھ نکلا، تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ مظلوم بنی اسرائیل نے چاہا کہ اپنے وطن فلسطین کو چلے جائیں۔ قاہرہ کے قاہر کی مصلحتیں سد راہ رہیں۔ آخر

(باقی آئندہ)

ایک روز رات کے وقت موقع پاکر بنی اسرائیل نکل کھڑے ہوئے، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے سب۔ آج کل کی سی کوئی پکی صاف سیدھی سڑک لگی ہوئی تو تھی نہیں۔ رات کا وقت تھا، تعاقب کا خوف اور گھبراہٹ، راستہ بھول گئے، اور بجائے شمال کی طرف ذرا اور آگے بڑھ کر پھر مشرق کی طرف مڑنے کے، پہلے ادھر ہی مڑ گئے۔ اب جو دیکھا تو سامنے سمندر یعنی بحر قلزم (RED SEA)[1] کی شمالی مغربی آنہائے، جس کے بعد اب نہر سویز شروع ہو جاتی ہے، اور اس وقت تک نکلی تھی۔ واپس ہونا چاہا تو دیکھتے کیا ہیں، کہ خود ہزا ہیرل ہیبتی فرعون لاؤ لشکر کی کمان کرتا ہوا بھاگا بھاگ چلا آرہا ہے۔ اب اسرائیل غریب کریں تو کیا کریں؟ داہنے اور بائیں پہاڑ، سامنے سمندر، اور پشت پر یہ لشکر جرار! جو توحید والے تھے انھیں اشارۂ غیبی ہوا کہ بے تکلف سمندر میں کود پڑو۔ وہ کود پڑے۔ اور اسے اب زلزلۂ بحری کا اثر سمجھیے یا جو بھی تعبیر اختیار کیجیے۔ بہرحال سمندر پھٹا، انکے لیے راستہ بن گیا۔ اور وہ بخیریت اتنا حصہ عبور کرکے، جزیرہ نمائے سینا کی خشکیوں پر آگئے۔ ادھر فرعون نے اپنے لشکریوں کو للکارا کہ دیکھتے کیا ہو ڈال دو، تم بھی انکے پیچھے سمندر میں اپنے فوجی رتھ[2] اور گھوڑے۔ فرعونیوں کا سمندر کے بیچ میں پہونچنا تھا کہ پانی کی جا بجا سی کھڑی ہوئی دیواریں آپس میں مل گئیں۔ اور وہ فرعون جو بے سامان نہیں باسامان تھا، مع اپنے سارے ساز و سامان کے غرق ہو کر رہ گیا! یہ واقعہ عجب نہیں کہ ۱۲۸۰ ق۔م میں واقع ہوا ہو۔

اب میرا قیام سالہا سال تک جزیرہ نمائے سینا میں رہا۔ موسیٰ علیہ السلام پر پوری شریعت اسی زمانہ میں اتری۔ اور انھوں نے میری حکومت ایک ایک جزوی تفصیل کے ساتھ اپنی قوم پر پھیلانی چاہی۔ خود قوم والے مخالف بن بیٹھے۔ مخالفت کا لیڈر قوم ہی کا ایک بڑا اسیٹھ، ساہوکار، یا بنکر تھا۔ قارون نام۔ اسکی بے انداز دولت کی تفصیل بیان ہو، تو کتنوں کو آج افسانہ معلوم ہو۔ اتنی زائد دولت کا ایک ہی جگہ اجتماع، پھر اسکے حاصل کرنے کی حرص، اور اسکے خرچ کرنے میں بخل۔ بھلا یہ چیزیں میرے ساتھ کبھی جمع ہو سکتی ہیں، جو اب ہوتیں؟ فرعون تو خیر دولت ایمان ہی سے محروم تھا، قارون بدبخت تو خاص مومنوں کے درمیان پیدا ہوکر، انکے درمیان پل کر، بڑھ کر، پھر انھیں سے بغاوت کر نکلا!

ٹیڑھا لگا تھا قط قلم سرنوشت کو!

انجام یہ ہوا کہ خود مع اپنے سارے سرمایہ کے زمین میں دھنس گیا!—— وقت کے ایک اور بدنصیب سامری نامے نے تو غضب ہی کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی چند روزہ غیر حاضری میں ظالم نے بنی اسرائیل کے عقائد ہی مسخ کر دیے۔ اور جو توحید کی شاہراہ کے مسافر تھے، انھیں بت پرستی کی بھول بھلیاں میں اُلجھا دیا —— مقصود گزارش یہ کہ غیر تو غیر ہیں خود اپنوں کی بھی سرکشی، تمرد و بغاوت کا مقابلہ بارہا کرنا پڑا ہے۔

داؤد نبی (متوفی ۹۶۳ ق۔م) اور سلیمان پیغمبر (متوفی ۹۳۲ ق۔م)[3] کے نام آپ نے سنے ہونگے، شام و فلسطین میں ولادت مسیح سے کوئی ایک ہزار سال قبل میرے ہی نمائندے تھے۔ اللہ کے پیغمبر، بادشاہ بھی اور دنیا کے نامی گرامی تاجدار بھی۔ ایک طرف صاحب زہد و تقویٰ، دوسری طرف تاج اور گنبد رکھتا۔ ایک طرف نظریں مثال انکی رکھیے، اور مصر کے وزیر مال اور وزیر اعظم یوسف نبی کی، اور دوسری غریب و بے زر انبیاء اور مفلس و تہیدست اولیاء الٰہی کی۔ ان دونوں سروں کا وجود ثبوت ہے اسکا کہ میری ذات پابند نہ غربت کی نہ امارت کی، نہ افلاس کی، نہ بادشاہت کی۔ میری روح، میرا جوہر، میرا سرمایۂ حیات ہے کچھ ہے عدل ہے، اعتدال و توازن ہے، ادائے حقوق ہے، احساس عبودیت ہے۔ میں امیروں کے قیش محل میں جب آنکلتا ہوں، تو شکر کا مظہر بنا کر، اور غریبوں کے جھونپڑے میں جب گزر کرتا ہوں تو صبر کا پیکر بن کر۔ عیش میں خوف خدا کا نقیب ہوں فقر میں یاد خدا کی ترغیب ہوں۔ زرداروں کو ڈراتا ہوں، کہ دولت و ثروت کے اس خزانہ سے حساب پائی پائی کا دینا ہوگا۔ ناداروں کو سمجھاتا ہوں کہ اصل دولت قناعت کی تو تمھیں نصیب ہے۔ نہ میرا یارانہ کیپٹلزم سے، نہ میری دوستی کمیونزم سے۔ میں دونوں کی زیادتیوں کا یکساں اعتدالیوں کا مخالف۔ اور اگر خوبیاں ان میں سے کسی میں ہیں، تو وہ میرا ہی علیحدہ پرتو ہیں!

اُدھر باہر یہ سب کچھ ہوتا رہا، ادھر آپ کا ہندوستان بھی خاموش او معطل نہیں رہا۔ نئے نئے مذہب، نئے نئے فلسفے، اور انکے ماتحت نئے نئے تمدن یہاں بھی پیدا ہوتے، اور فنا ہوتے رہے۔ صدائے توحید بھی بیشک کبھی کبھی اٹھی۔ لیکن عام رو شرک و بت پرستی کا غلغلہ والی یہاں بھی جاری رہی۔ تناسخ کے عقیدہ کا ایک لازمی نتیجہ نکلا کہ ذاتی سعی کی اہمیت جاتی رہی، اور انفرادی عمل کی معنویت ہی بالکل بے معنی رہ گئی۔ دار و مدار "کرم" ٹھہرا۔ یعنی پچھلے جنم کا ثمرۂ اعمال، گویا آج اگر کوئی شرابی ہے، تو اس لیے نہیں کہ وہ ارادۃً شراب پینے کی معصیت کر رہا ہے، بلکہ اس لیے کہ اسے "کرم" یعنی پچھلی زندگی کے اعمال کے مطابق شرابی ہونا ہی تھا۔" ورن آشرم" کے عقیدہ نے وحدت انسانی کا تخیل ہی پاش پاش کر دیا۔ اب انسان محض کے کوئی معنی ہی نہیں رہے۔ اور خدا کی بنائی ہوئی انسانی وحدت تقسیم ہوگئی۔ انسان کی گڑھی ہوئی چار ذاتوں میں اور پھر انکی بیشمار شاخوں میں

---

[1] مصر کا یہ موجودہ دارالسلطنت تقریباً اسی جگہ آباد ہے، جہاں فرعون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی آبادی و مقیم محلہ جاشن یا انگریزی تلفظ میں Goshen۔

[2] فوجی رتھیں اور گھوڑے سامان حرب کا اہم ترین جزو تھیں۔

[3] حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے سنین وفات میں مورخین کا اختلاف ہے۔ یہاں وہ سنہ دیے گئے ہیں جو محض اثریات سر چارلس مارسٹن کی تازہ تحقیق کے مطابق ہیں۔

برہمن، چھتری، ویش، شودر، یہ چار مستقل سانچے ہر فرد کے لیے اس کی پیدائش ہی کے وقت سے موجود۔ پھر ہر ایک کی شاخیں، پھر ان شاخوں کی شاخیں۔ عزت و شرافت کا معیار شخصی نہیں، بلکہ نسلی و موروثی قرار پا گیا۔ جو اونچا ہے وہ اس لیے کہ اس کے باپ دادا اونچے تھے۔ جو نیچا ہے وہ اس لیے کہ اس کے باپ دادا نیچے تھے۔ اور غیر ایک ذات تو دوسری ذات سے شادی بیاہ کیا کرتی، ایک ہی ذات کی ایک شاخ بھی دوسری شاخ سے پیوند نہیں لگا سکتی۔ ایک ہی پلیٹ میں ساتھ کھانا کھانا، ایک دوسرے کے آگے کا بچا ہوا کھانا کھانا الگ رہا، ایک دوسرے کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا نہیں کھا سکتے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کا پانی نہیں پی سکتے۔ نیچ ذاتوں میں بھی ایسی نیچی، کہ ان کا جسم اگر اونچی ذات والے کے جسم سے چھو جائے، اس کا سایہ اگر ان پر پڑ جائے تو یہ ناپاک ہو جائیں! انسان نے انسان کو کتے سے بدتر سمجھ لیا، اور لگے ایک دوسرے سے بچنے، بدکنے، بھڑکنے۔ جرم یہ نہیں کہ حرکتیں فلاں اور فلاں کیوں کیں، بلکہ صرف یہ کہ پیدائش فلاں اور فلاں ناشدنی خاندان میں کیوں ہوئی!

وہم پرستیوں کی گرم بازاری ہو گئی۔ ضعیف الاعتقادی یہاں تک آئی۔ ہر ندی، ہر پہاڑی ایک دیوی، ہر پہاڑ ہر دریا ایک دیوتا۔ گائے، بیل، سانپ، کچھوا، چوپائے اور کیڑے خدا کے اوتار، پیپل، برگد، تلسی کے پتوں، پتیوں میں الوہیت کے آثار! کواکب پرستی کے اثر سے جوتش اور نجوم کا زور۔ فلاں دن نحس، فلاں تاریخ منحوس۔ چلتے وقت اگر چھینک آ گئی تو قدم آگے نہ اٹھائیے۔ زندگی میں سانس لینا دشوار۔ قدم قدم پر وہم پرستیوں کا پہرہ، گھر گھر میں بھوت پریت کا دورہ دورہ! آج سیتلا مائی کی سجے منائیے، کل کالی دیوی کی بھینٹ چڑھائیے۔ بے حیائی ہر رسم میں گھسی ہوئی، گندگی ہر رواج میں گھر کیے ہوئے۔ بہار کا موسم آئے تو ہولی منائیے، شراب پی پی کر فحش راگ گائیے۔ برسات کے ختم پر جاڑے شروع ہوں، تو دیوالی کے چراغ جلائیے، لکشمی جی کی پیشوائی کے لیے جوئے کے پانسے پھینکیے، اور مندروں کی دیوداسیوں کی شرمناک شرح و تفصیل کوئی اس بھرے مجمع میں کہے تو کیسے کہے! —— غرض شراب خواری، فحاشی، حرام کاری، قمار بازی، جائز ہی نہیں، بعض موقعوں پر اور بعض موسموں میں جزو عبادت! اعمال کا اثر محض معاد و آخرت کے مسائل تک کب محدود رہا ہے! مجلسی، معاشرتی، خانگی، منزلی، غرض زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ کے ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک انھیں گمراہیوں کے رنگ میں رنگے ہوئے!

ہندوستان سے کچھ ہی فاصلہ پر ایران ہے، اور شاید ایک ہی آریہ نسل سے دونوں قوموں کی آبادیاں ہیں۔ بہرحال تاثر ہندوستان سے یہ بھی بہت کچھ رہا۔ نام کے لیے اس کا مذہب اور تمدن ہندوستان سے الگ، لیکن حقیقۃً دونوں میں بہت کچھ مشترک۔ گویا تخم ایک درخت دو۔ بت پرستی تو بےشک یہاں کم آئی، لیکن کواکب پرستی، عناصر پرستی، شمس پرستی کچھ زیادہ ہی نمایاں۔ پہلا دھوکا تو اس کی توحید کے بارے میں کھایا، جو ہر غیر مسلم مذہب کی سمجھ سے باہر رہی ہے یعنی خدا سمجھا ایک کے دو فرض کیے۔ نیکی کے خدا، بڑے خدا کا مظہر نور یا روشنی کو مانا۔ اور پھر دنیا میں اس کا مظہر آگ کو قرار دیا۔ آتش پرستی مستقل طور پر لازم آ گئی۔ اسی طرح بدی کا خدا، چھوٹے خدا کا مظہر تاریکی کو ٹھہرایا، اور ہر اس چیز کو جو اندھیرے سے تعلق رکھنے والی ہو، منحوس قرار دیا۔ اعمال و معاملات میں۔ کبر و نخوت عجمی تمدن کا نمایاں عنصر۔ اونچی مرتبہ والوں کے لیے خواجگی و آقائی اور نیچے طبقہ والوں کی قسمت میں خدمت گزاری، غلامی، زرتشت نے، اور عجب نہیں کہ وہ پیمبر ہوں، اپنی والی بہت کچھ اصلاحات کرنی چاہی۔ پر تہذیب جاہلی کی سرشت ہی میں جو بے عنوانیاں پڑی ہوئی ہیں، وہ پوری طرح کیونکر مٹ سکتیں۔ دولت پرستی کے اس دور کا رد عمل آخر دولت دشمنی کی شکل میں ظاہر ہوا اور اسی کا خوبصورت نام آج ڈیڑھ ہزار سال کے بعد کمیونزم گڑھا گیا ہے۔ مزدک نامی ایک شخص اٹھا، اور اس نے سوشلزم اور اس کی انتہائی صورتوں کی تبلیغ شروع کر دی۔ شخصی ملکیت کوئی چیز نہیں۔ زمین مشترک، زر مشترک، یہاں تک کہ زن مشترک!

اب ایران و ملحقات ایران سے مل کر پھر سرزمین انبیاء، شام و فلسطین میں آ جائیے۔ سنہ عیسوی ابھی شروع نہیں ہوا ہے اور سنہ ہجری کے شروع ہونے کو تو ابھی کوئی چھ سو سال باقی ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک ہی خاندان میں پہلے صالح ابن صالح یعنی یحییٰ بن زکریاؑ پیدا ہوتے ہیں، اور پھر عیسیٰؑ ابن مریم۔ دونوں کی تعلیم تمام تر قناعت، زہد، ایثار و توکل علی اللہ کی ہے۔ بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ ذہنیت اس سادہ تعلیم کے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ خود اپنی ہی قوم استقبال کرتی ہے اس دعوت کا بغاوت سے، اور داعیوں کی عداوت سے۔ پہلے حضرت زکریاؑ ختم کیے جاتے ہیں۔ پھر حضرت یحییٰؑ کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ آخر میں نوبت حضرت عیسیٰؑ کی آتی ہے۔ حکومت اعلیٰ رومیوں کی، ان کا مذہب اور تمدن مشرکانہ۔ انھیں کی ماتحتی میں فلسطین ایک نیم آزاد صوبہ تھا۔ رسم و رواج کے قتیل، ظاہر پرستی کے شہید، کبر و نخوت میں مبتلا یہود، ایک اسی پیمبر صدیق کے خلاف، حکومت سے بغاوت و غداری کا کرشمہ کراتے ہیں، اور عدالت سے فیصلہ اپنے موافق حاصل کر کے اپنے نزدیک آپ کو سولی چڑھا ہی دیتے ہیں۔ ادھر یہ ہوتا رہتا ہے، ادھر آپ کے غالی معتقدوں کو ایک اور یہودی پال، پولوس نام، یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ عیسیٰ مسیح رسول اللہ نہیں، ابن اللہ تھے، نعوذ باللہ، خدا کے بیٹے تھے، بلکہ خود شریک الوہیت تھے۔ اور الوہیت میں شریک ایک تیسری ہستی روح القدس بھی ہے۔ ظالموں نے اس طرح مسیح کی لائی ہوئی توحید کو اپنی گڑھی ہوئی تثلیث سے بدل دیا۔ اور یہی تمدن، تہذیب، قانون، معاشرت، سب پر رنگ شرک و جاہلیت کا چڑھا دیا۔

—— سیرۃ کا ایک دور اس منزل پر آ کر تمام ہو جاتا ہے۔ اور اب آغاز دوسرے دور کا ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

یورپ اور اسلام کا مورخ

(در سلسلہ صدق نمبر ۱۳ جلد ۱)

بحث یاجوج و ماجوج موعود

(از مولانا سید اشرف شاہ صاحب حیدرآباد دکن)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یاجوج و ماجوج کا ملک کاکیشیا (کوہ قاف) کے شمال میں ہے۔ جغرافیہ کے کسی نقشہ کو دیکھو کہ یورپین روس وغیرہ دیگر یورپین اقوام سب کے سب اسی کوہ قاف کے شمالی اور شمال مغرب میں بستے ہیں اور اب تک بھی عرف عام اہل عرب میں ہے کہ یاجوج ماجوجی اقوام جبل القاف کے ورے ہیں۔ ابوالریحان بیرونی آثار باقیہ میں مفسر نیشاپوری و فخر رازی وغیرہ مفسروں نے اُس سے نقل کیا ہے کہ

مقتضیٰ ہذا الخبر ان ذا الموضع فی الربع الغربی الشمالی من المعمورۃ

مقتضا اس خبر کا یہ ہے کہ یہ موضع سد جسکے پیچھے یاجوج ماجوج بستے ہیں ربع مسکون کے شمالی غربی حصہ میں ہے۔

تفسیر کبیر جلد پنجم ص۵۵۰ میں علامہ رازی بھی یہی لکھ رہے ہیں

الاظہر ان موضع السدین فی ناحیۃ الشمال وقیل جبلان بین آذربائیجان و آرمنیۃ

ظاہر تر بات یہی ہے کہ موضع سد ناحیہ شمال کی طرف واقع ہے اور بعض نے کہا وہ آذربائیجان اور آرمینیا کے درمیان میں ہے۔

تفسیر ابوالسعود برحاشیہ تفسیر کبیر ص۸۲۶ جلد پنجم میں لکھا ہے۔

ثم اتبع سببا ای طریقا ثالثا معترضا بین المشرق و المغرب آخذا من الجنوب الی الشمال

پھر چلا (ذوالقرنین) ایک راستہ یعنی مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف جاتا ہوا۔

اسی طرح تمام مفسرین ثم اتبع سببًا کی یہی تفسیر کر رہے ہیں کہ ذوالقرنین مشرق سے واپس ہوتے ہوئے شمال کا ارادہ کیا۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں (ساری عبارتیں نقل کرنے میں بجز تطویل کوئی فائدہ نہیں)"

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پاک سے جو ملک یاجوج ماجوج کا معلوم ہوتا ہے وہ شمالی اور مشرقی شمالی حصہ ربع مسکون ہے اور یہ ظاہر ہے اور جغرافیہ کے طالب العلم تک جانتے ہیں کہ آج کرۂ زمین کے منطقہ شمالی و شرقی شمالی میں بجز روسی اور یورپین اقوام کے کوئی اور قوم موجود نہیں۔ اس فقیر کا نظریہ یہ ہے کہ گاگ یا یاجوج مغلی و ترکی نسلوں کا بہت قدیم نام ہے اور میگاگ یا ماجوج تمام یورپین اقوام موجودہ کا نہایت عظیم الشان قدیم نام ہے۔ جیسا کہ آج روسیا یا روس ہے چنانچہ آج سوویٹ روس جس حکومت کا نام ہے وہ اپنے قلمرو میں اُن تمام ممالک کو شامل کر چکی ہے جنکے باشندے ترکی و مغلی نسل کے ہیں (مغول و تاتار) بعد کے لفظ ہیں عرب قدیم کے میلا یا عرب صدر اول کے یہاں بھی ان سب کا جامع نام اتراک ہی تھا تمام مفسرین کے علاوہ اہل جغرافیہ و تاریخ قدیم بھی اسی کے قائل ہیں کہ یاجوج ماجوج کا وطن و مسکن ربع مسکون و کرۂ زمین کا شمالی حصہ ہے جو اقلیم پنجم و ششم و ہفتم پر مشتمل ہے۔ جسکے مشرقی حصوں میں تاتاری مغلی اقوام یعنی بعرف قدیم عرب ترکی اقوام بستے ہیں اور مغربی حصوں میں یورپین اقوام (اخبار الاول للقرمانی ص۴۱۹ مطبوعہ یورپ میں ہے)

ومسکن یاجوج و ماجوج فی آخر الشمال فی ارض متصلۃ ببحر الظلمات طولہا ثمانون سنۃ

اور مسکن یاجوج ماجوج کا انتہائی بلاد شمالی میں ایک سرزمین میں ہے جو بحر ظلمات سے متصل ہے جسکا طول تقریباً اسّی سال کی مسافت ہے۔

اس آخر بلاد شمال میں بحر ظلمات ممالک شمالیہ روس فنلا لاپ لینڈ ہنٹ لینڈ فن لینڈ آج کون ہے؟ یہ بحر ظلمات آج کس نام سے موسوم ہے اور اسکے متصل شمالی ممالک کون ہیں؟ کیا بلاد روس جرمنی ناروے سویڈن وغیرہ ممالک یورپ اسکے مصداق نہیں؟ کیا علم الجغرافیہ یہ نہیں بتاتا ہے کہ اس منطقۂ شمالیہ منجمدہ میں مہینوں رات رہا کرتی ہے جبکہ آفتاب خط استواء سے گزرکر جنوب کی طرف خط جدی تک چلا جاتا ہے۔ جو انتہائے میل جنوبی ہے۔ مغلوں کے عہد کے فقہا خصوصًا اس شمالی ملک کے قرب و جوار میں رہنے والے خصوصًا خوارزم کے فقہا سرزمین بلغار کسے کہتے تھے؟ مسئلۂ نماز عشاء میں معمولی اختلاف اس سرزمین کے متعلق کیوں پیدا ہوا؟ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ روس کے شمالی ممالک کو مغلی سلطنت کے ان عربی الجنس فقہاء کی اصطلاح میں بلغار کہا جاتا تھا، نہ وہ بلغار جو آج بلگیریا کے یا بلغاریہ کے نام سے معروف و مشہور ہے اور جو یکصدی پیشتر تک قسطنطنیہ کی ترکی حکومت کا صوبہ تھا اور پھر روس و یورپ کی مہربانی سے ایک آزاد صوبہ بنا اور پھر آج خودمختار ترکی کا آرمینیا ہوا ہے۔ اس میں یہ کیفیت نہیں ہے۔ چنانچہ خط سرطان یا اسکے قرب و جوار میں جب تک آفتاب رہتا ہے تو ان ممالک شمالیہ مذکورہ میں غروب کے تھوڑے ہی دیر بعد پھر آفتاب نکل آتا ہے۔ لہذا نماز عشاء کا وقت یہاں آتا ہی نہیں۔ لہذا جن فقہاء و اصولیین کے ہاں نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے انکے یہاں نماز عشاء ان ممالک میں فرض ہی نہیں ہوتی۔ موسم گرما میں ان ممالک کا یہی حال ہوتا ہے اور موسم سرما میں خصوصًا انتہائے میل جنوبی کے زمانہ میں ان ملکوں میں آفتاب طلوع ہی نہیں ہوتا۔ غالبًا دو مہینوں بھر و اسفندار اور کچھ فروری تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ اسی وجہ سے عرب قدماء نے اسے ارض ظلمات سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کے متصل سمندر کو بحر ظلمات کہا ہے۔ جیسے بالٹک سی (بحیرۃ المطبق) وغیرہ شمالی روس و یورپ کے بحیرات۔ اب رہی یہ بات کہ مورخ قرمانی نے اس سرزمین کی مسافت ثمانون سنۃ یعنی اسّی سال کی مسافت بتائی ہے سو یہ بھی تقریبی لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ

روس کی مشرقی انتہائی سرحد سے لیکر یورپ میں انتہائی غربی حد تک اس قدر بعید مسافت ہے کہ پہلے زمانہ میں پیدل اسے انسان تقریبًا اسّی سال ہی میں ختم کر سکتا تھا۔ بشرطیکہ یہ کبھی ممکن بھی ہو

(باقی آئندہ)

... سنسکرت کی

... یہ ایک مشترک تہذیبی سامان مہیا
کر دیگی اور ایک بڑی حد تک جداگانہ رجحانات کو مٹا دینگے
خواہ وہ تعلیمی ہوں یا مذہبی ہوں یا صوبہ وارانہ ہوں یا ذات پات
والے ہوں اور اس طرح ایک رشتۂ اتحاد قائم ہو جائیگا۔
آئی، سی، ایس، بنارس کے پنڈت کے درمیان، ہندو و مسلم
کے درمیان، بنگالی اور گجراتی کے درمیان، اور برہمن اور ہریجن
کے درمیان .... لڑکپن کے تاثرات زندگی بھر قائم رہتے ہیں
اس لیے یہ قطعاً ضروری ہے کہ ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کو
شروع ہی میں مشترک تہذیبی پس منظر کی تعلیم مل جائے "

(مراسلہ "لیڈر" مورخہ ۱۲۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں)

مراسلہ نگار کوئی غیر معروف و گمنام شخص نہیں۔ الہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی کے صدر ہیں! تو گویا اب "ہندی پرچار" بالکل کافی نہیں۔ صوبہ کے سب سے بڑے ہندوستانی عہدہ دار تجویز یہ پیش کرتے ہیں کہ صوبہ کے ہر لڑکے کیلیے سنسکرت کی تعلیم لازمی ہونی چاہیے ——— اس سوال کو نہ چھیڑیے کہ اگر کسی پڑھے لکھے مسلمان عہدہ دار نے یہ تجویز پیش کردی ہوتی تو اُس غریب کا کیا حشر صوبہ کے ہندو پریس، ہندو پلیٹ فارم اور ہندو ارکان کونسل کے ہاتھوں ہوا ہوتا! ——— پلیٹ فارم سے آواز یہ اٹھی، اور اسکی تائید بصورت ترمیم پریس میں یہ پیش ہو رہی ہے، کہ سنسکرت کی تعلیم لازمی تو ضرور قرار دی جائے، لیکن ہندوؤں ہی کے لیے کیوں؟ مسلمانوں کے لیے بھی لازمی ہو، یہی بہت اپنی انفرادیت اپنی زبان سے بگھارا کرتے ہیں، اسکا علاج یہی ہے کہ شروع سے انھیں بھی سنسکرت کے آغوش میں لو۔ سنسکرت پڑھیں، سنسکرت بولیں، سنسکرت کی فضا میں لیں پڑھیں۔ سنسکرت کوئی اکیلے ہندوؤں کی زبان تھوڑے ہی ہے، یہ تو کل ملک کی مشترک زبان ہے! ——— گویا "جداگانہ رجحانات" کا سرے سے گلا ہی گھونٹ دیا جائے، اور ہندوستان صحیح معنی میں "ہندو" ستھان بن جائے!

"صاحب" زدگی

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (ایڈیٹر "الفرقان") ملک کے ممتاز صاحب اخلاص و صاحب بصیرت علماء میں ہیں۔ اور مدتوں بزرگان دیوبند کی جماعت میں شامل رہ کر کام کرچکے ہیں۔ اپنے ایک تازہ مضمون میں لکھتے ہیں :-

"مجھے مسلمانوں کی ان بہت سی سیاسی یا نیم سیاسی و نیم مذہبی جماعتوں کی مجالس ناقصہ و عامہ میں جو بیسوں برس سے اپنی معلومات کے مطابق مسلمانوں کی خدمت کر رہی ہیں، بارہا حاضری کا شرف ... نظام کار وہاں کا بالکل ہی

آپ کے ہاں کا طریقہ کیا ہے۔ اور معلوم ہوتے ہی اسی کے مطابق عمل کیا گیا ::

یہ مشاہدہ اور تجربہ کیلیے مولانا منظور صاحب کا نہیں۔ صدہا اہل علم کے سامنے اور نکل آئیں گے۔ دماغی مرعوبیت اور ذہنی غلامی کی یہ انتہا ہے! اور یہ صرف سیاسی جماعتوں! انگریزی خواندوں تک محدود نہیں، اچھے اچھے جید علماء کی رہنمائی میں جو نیم سیاسی نیم مذہبی ادارے چل رہے ہیں، وہاں یہ کیفیت شاید کچھ اور زیادہ ہی نمایاں ہے! ——— گویا یہ ہے یا نہیں: کتاب ہے نہ سنت۔ نہ تعامل خلفائے راشدین ہے، نہ ماخذ دین کے استنباط جدید کا کوئی طریقہ ہے! ——— پستی کی کوئی منزل اب اسکے بعد بھی باقی رہتی ہے؟ اپنا اب رہ ہی کیا گیا ہے ——

جان سپرد ڈاکٹر، مال بسپرد احباب
عقل سپرد ماسٹر، روح سپرد ڈارون!

تمدن اسلامی کی برکتیں

صدق ۳۰ کی سچی باتوں کو پڑھ کر دہلی کے طبیہ کالج کے پڑھے ہوئے ایک طبیب لکھتے ہیں :-

"صدق ۳۰ کی سچی باتوں میں مسلمان طبیبوں کے نسخے پر ہو الشافی لکھنے کا ذکر کیا۔ آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ دہلی طبیہ کالج میں میرے ساتھ متعدد ہندو اور سکھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے، دوران تعلیم میں نسخوں پر برابر وہ بھی ہو الشافی یا اسکا مخفف لکھتے تھے، اور اب بعد فراغت تعلیم اپنے مطب میں بھی وہ اسی دستور کو جاری رکھے ہوئے ہیں"

اسلامی تہذیب و تمدن کی یہی تو برکتیں تھیں، جس غیر کو بھی اپنے قریب کیا، اپنا کلمہ پڑھا دیا۔ مشرکین کو صحبت کے بعد توحید کی ہوا تو بہرحال لگ ہی جاتی تھی۔ کایستھ کایستھ ہی رہے، مسلمان نہیں ہوئے، کشمیری پنڈت پنڈت ہی رہے، اسلام نہیں قبول کر لیا، لیکن واللہ اور انشاء اللہ سب بولنے لگے، سبحان اللہ اور انشاء اللہ سب کی زبانوں پر آگیا ——— کل تک دوسرے ہم سے متاثر ہوتے تھے اور نقالی کرنے لگے تھے ہماری چال ڈھال کی، بول چال کی۔ آج اُلٹے ہم دوسروں سے متاثر اور مرعوب ہیں۔ لوٹے پڑتے ہیں اُنکی وضع و لباس پر، انکی زبان و رسم خط پر، گرے پڑتے ہیں اُن کی گندہ عادتوں پر، اُنکی حیوانی خصلتوں پر۔ اور اسکا نام اپنے ہی نفس کو دھوکا دینے کے لیے رکھ لیا ہے "تجدد" "روشن خیالی" "قومی ترقی"!

سچی بات

اُردو کے ایک ادبی رسالہ نے حال میں ٹیگور نمبر نکالا۔ مضمون کی فرمائش اُردو کے مشہور شاعر سید اکبر آبادی سے بھی کی، سیماب صاحب نے جو جواب دیا اُسکے بعض اقتباسات اس قابل ہیں، کہ اُس

مرحوم پر عیش کرتا، ہر کوئی نظم کہی ... میں بھی نا روسے جھکا اور اسکے سوا کچھ اور کہنا نہیں چاہتا ...... ٹیگور بنگالی شاعر تھے۔ بنگال نے اپنی عقیدت کا خراج کتنا دل سے دے دیا۔ اب آپ انکے لیے اور کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کہ ادب اردو کی دنیا میں انکا ویسا ہی ماتم کیا جائے، جیسا بنگالی لٹریچر کی دنیا میں کیا گیا؟ جب ...... دہلوی ...... لکھنوی وغیرہ مشاہیر ادب اردو کا انتقال ہوا، تو کیا بنگالی یا ہندو دنیائے ادب میں انکے لیے بھی "نمبر" نکالنے کا خیال کسی کو پیدا ہوا تھا؟ اگر ٹیگور ہندوستانی تھے تو کیا یہ لوگ ہندوستانی نہ تھے؟ ٹیگور کی زبان صرف انھیں کے صوبہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، مگر ان لوگوں کی زبان دانی کا سکہ تو ہندوستان کے ہر صوبہ میں جاری تھا۔

آپ فرمائیں گے کہ ٹیگور بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے، تو میں عرض کروں گا کہ انکی بین الاقوامی شہرت انکی اجتماعی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک نظم بنگلہ زبان میں کہتے تھے اور انکے تنخواہ یاب مترجمین اسکا ترجمہ دنیا بھر کی مشہور اور زندہ زبانوں میں کرکے انھیں زبانوں کے اخباروں اور رسالوں کو بھیج دیا کرتے تھے ...... آپ کے ملک میں مشاہیر ادب و شعر کی کمی نہیں ہے، کمی ہے تو صرف اسباب شہرت کی ...

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

اس شعر میں اگر آپ روح القدس کی جگہ "دینار و زر" بنا لیں، اور مسیحائی کی جگہ کسی طرح "ٹیگور" کھپ سکے، تو یقیناً آپ میرا مافی الضمیر اچھی طرح سمجھ لینگے"۔

شاعر شعر میں جیسی بھی خیال آرائیاں کر لیتا ہو، نثر میں تو بہر حال وہ [illegible] زمین پر قدم جما کے رکھتا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے وہ تمام تر نہ سہی، بڑی حد تک حق و صداقت کا آئینہ بردار نہیں؟

ایک رباعی حضرت امجد حیدرآبادی کا کلام اپنے عارفانہ انداز کلام [illegible] پہلوؤں کے لیے عرصہ سے ممتاز ہے۔ حال میں انکی ایک تازہ رباعی، رسالہ سب رس (حیدرآباد دکن) دسمبر میں نظر پڑی۔ جو بہ رنگ حضرت اکبر الہ آبادی کا رنگ لیے ہوئی پرواز خیال، اور اس سے بھی بڑھ کر نشست الفاظ۔ ملاحظہ ہو

عارف کی تمنا، کہ خدا مل جائے   عاشق کی ہوس کہ دلربا مل جائے
ہم اپنے بھی دل کی بات کہہ دیتے ہیں   وہ یہ کہ کہیں سے روپیہ مل جائے

"تمدن اسلام کی کہانی" اس عنوان سے جو مقالہ مسلسل گزشتہ نمبر سے [illegible] شروع ہوا ہے اور غالباً ۴ نمبروں میں ختم ہو [illegible]

وہ ان کل الثمرات کر سکتے۔ اس آیت کے بعد

واوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون، ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا۔ یخرج من بطونها شراب مختلف الوانہ، فیہ شفاء للناس۔	اور تیرے رب نے وحی کی شہد [illegible] میں گھر بنا اور درختوں میں اور ان چیزوں میں جن سے لوگ اپنے گھر چھاتے ہیں، پھر کھا ہر قسم کے "الثمرات" سے اور چل اپنے رب کی راہ پر فرماں بردار بنکر۔ نکلتا ہے اسکے پیٹ سے ایک شربت جسکے رنگ مختلف ہوتے ہیں اس میں "الناس" کے لیے شفاء ہے

قرآن نے اسکے بعد فرمایا تھا۔

ان فی ذلک لآیۃ لقوم یتفکرون	یقیناً اس میں نشانی ہے انکے لیے جو سوچتے ہیں۔

لیکن شاید اس تفکر کی زحمت نہ اٹھائی گئی، ورنہ دنیا کے سیکڑوں "متفکروں" کے مقابلہ میں ایک عجیب و غریب طبی نظام النحل کا بھی ہوتا۔ میں نے اس سلسلہ میں یہ کہا تھا کہ "مرض" فطرت کے نقطہ سے ہٹ جانے کا نام ہے اسی لیے جب انسان کی فطرت اپنے بنیادی اعتدال کے نقطہ سے ہٹ جاتی ہے تو اسکو پھر "الفطرت" کی طرف واپس لانے کے لیے حق تعالیٰ کسی برگزیدہ انسان پر وحی فرماتے ہیں، لیکن جب انسانی چونکہ ایک حیوانی وجود ہے، اس لیے اسکی شفا بخشی کے لیے "النحل" یعنے ایک حیوانی پرند پر وحی ہوئی ہے۔

ہم اور وہ

(از خواجہ محمد شفیع)

ماضی و حال کا بصیرت افروز تقابل - انقلاب انگیز ہے۔ زبان کوثر سے دھلی ہوئی۔ بیان بحر لطافت۔

ملنے کا پتہ

خواجہ محمد شفیع۔ اردو مجلس پبلشرز، ٹیامحل۔ دہلی

اعلان تعطیل

حسب معمول قدیم امسال بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر دفتر صدق میں تعطیل رہیگی۔ اس لیے ۲۹- [illegible]مبر کا صدق شایع نہ ہوسکے گا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔

خاکسار مہتمم

ہاں مساوات اور دن اپنے دورے اسی طرح

جب میں سرزمین عرب کے مطلع سے طلوع ایسے آفتاب کا ہوا آفتاب جو جاہ و جلال کے لحاظ سے، ماہتاب حسن و جمال کے لحاظ سے۔ اس نے مجھے آغوش شفقت میں لیا اور میں اس کے سایۂ عاطفت میں پلا اور بڑھا۔ اب تک گویا میرا لڑکپن تھا۔ اب جوان ہوا۔ اور اس عہد میں میرا شباب اپنے پورے قوت اور پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ اس میں شک نہیں کہ شروع کے تیرہ سال میرے اوپر جو کچھ گزرے، وہ جور و تعدی کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ جاہلیت نے جی توڑ کر مقابلہ قدم قدم پر کیا۔ جنگ گھٹنے ٹیک ٹیک کر چپہ چپہ پر کی۔ لیکن ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ ہجرت محمدی، تاریخ عالم کا وہ بے نظیر واقعہ ہے جس نے انسانیت کا رخ ہی پلٹ دیا۔ دس سال کے اندر ہی اندر میں نے دنیا کو ایک نئے نظام سے روشناس اور مانوس کر دیا۔ محض لفظاً اور قولاً نہیں، عملاً اس کا نفاذ کر دیا، چلا کے دکھا دیا! New social order کا چرچا آج آپ ہر طرف سن رہے ہیں، حقیقۃً New order نظام نو، تو میرا نظام تھا۔ جمود کے خلاف ایک مستقل چیلنج (اعلان جنگ) دنیا کے سارے نظاموں کے مقابلہ میں ایک مستقل نعرۂ جنگ۔ ساری کہانی کے لیے فرصت اس مختصر نشست میں نہ آپ کو سننے کی نہ مجھ کو سنانے کی، لیکن قصہ مختصر، کچھ تو بہرحال سن لیجیے۔

میری زندگی کی روح کہیے یا جوہر، سب کو معلوم ہے عقیدۂ توحید ہے۔ اس بنیادی، مرکزی عقیدہ کا پہلا عملی اثر یہ ظاہر ہوا، کہ نیم الوہیت یا فوق البشری تقدس کا خیال کسی مخلوق، کسی بڑے سے بڑے انسان کے لیے باقی نہیں رہنے پایا۔ عبادتیں میرے ہاں سب کے لیے بالکل یکساں، استثناء کسی قانون میں پیر، شہید، ولی، نبی، کسی کے لیے بھی نہیں۔ نماز فرض، پانچ وقت کی عوام کے لیے بھی، خواص کے لیے بھی۔ روزے فرض مہینہ بھر کے ان کے لیے بھی انکے لیے بھی۔ نماز جماعت میں جس کو جہاں جگہ مل جائے بس وہی اسکا مقام۔ یہ نہیں کہ عوام پچھلی صف میں رہیں اور اکابر امت کے لیے جگہ اگلی صف میں نکالی جائے۔ اولیائے امت کو دوسروں کی عبادتوں میں، طاعتوں میں، تخفیف کرنے کا حق الگ رہا، اپنے ہی لیے کمی بیشی کر سکنے کا ذرا حق نہیں رکھتے۔ کسی حلال کو حرام وہ نہیں کر سکتے۔ کسی حرام کو حلال وہ نہیں بنا سکتے۔ سلام کے طریقے میرے ہاں ساری امت کے لیے بس یہی، السلام علیکم (اللہ کی طرف سے سلامتی ہو تمہارے اوپر)۔ یہی سلام بڑوں کے لیے، یہی چھوٹوں کے لیے، یہی برابر والوں کے لیے، یہی عالموں کے لیے، یہی جاہلوں کے لیے۔ یہ نہیں کہ اونچی ذات والوں کے آگے ڈنڈوت کی جائے، ان کے پیر پڑا جائے، یا بڑے مرتبہ والوں کے آگے آداب بجا لائے، زمین بوس ہوا جائے

[illegible]

عوام کے اخلاق میں امتیاز فاسق و متقی کا نہیں رکھا ہے۔ یہ نہیں کہ گناہ عوام سے تو کیا جائے، لیکن کسی تقدس مآب شیخ وقت کا سامنا ہو تو توبہ آزاد ہی چلائے۔ اسی طرح معاملات ہوں جیسے وصیت یا نکاح یا مبادلات ہوں جیسے رویت ہلال، یا جرائم ہوں جیسے چوری۔ غرض جہاں کہیں بھی شہادت کا معیار کوئی عدد رکھا گیا ہے، خواہ وہ دو کا یا چار کا، وہاں یہ گنجائش کہیں بھی میرے ہاں نہیں کہ عوام اگر ہوں تو وہی تعداد رہی دو یا چار کی رہے لیکن اگر کوئی اپنے وقت کے جنید یا اپنے وقت کے ابو حنیفہ ہوں تو گواہی ایک ہی کی معتبر مان لی جائے ---- روحانیت کے اس تخیل سے میں ناآشنا ہوں، کہ عبادت میں، کہ معاشرت میں، معاملات میں، قانون کی دفعات کی پابندیاں فلاں کے لیے ہوں اور فلاں کے لیے نہ ہوں۔ حاضری عدالت سے مستثنیٰ ہو جانا تو بڑے سے چھوٹا رئیس بھی اپنا حق سمجھتا ہے۔ میرے زمانہ میں خلیفہ وقت تک بھی یہ آرزو ڈھونڈھ نہیں سکتے تھے!

مساوات کی تعلیم عبادات کے ذریعہ سے، احکام فقہی کے واسطہ سے، میرے پروگرام کی خاص رہے۔ نماز ہے تو جماعت کے ساتھ، اور جماعت، جماعت میں کھڑے ہوتے عالم و عامی، محمود و ایاز، سلطان و غلام، رئیس اور اور کنگال، بازو سے بازو ملائے ہوئے، شانہ سے شانہ بھڑائے ہوئے۔ حج کو نکلے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین جاتے تو، اور انکا ادنیٰ سے ادنیٰ غلام جاتے تو، دونوں کے جسم پر لباس ایک ہی رہتا، وہی بے سلا ہوا کپڑا، ایک چادر کمر سے بندھی ہوئی، دوسری صرف ایک شانہ کو ڈھکے ہوئے اوپر کے جسم پر پڑی ہوئی۔ حاضری دیں عرفات میں، کنکریاں پھینکیں مزدلفہ میں۔ قربانی کریں منیٰ میں، چکر کاٹیں خانہ کعبہ کے، سعی کریں درمیان دو پہاڑیوں کے، سب ایک ہی وردی میں، خدائی فوج کے ایک ہی یونیفارم میں۔

پھر جب زندگی کے ختم پر مالک کے ہاں سے بلاوا ہو پہنچے، تو وہی سادہ کفن کے تین کپڑے بادشاہ ہفت اقلیم کے لیے بھی اور اسکی غریب سے غریب رعایا کے لیے بھی ---- میرے اس نظام زندگی کے ماتحت باقی رہ سکتی ہے کسی گردن کش میں انانیت؟ زندہ رہ سکتا ہے کسی کا پندار تفوق؟

امارت و افلاس، دولت و فقر کے نقش امتیاز کو مٹا دینے کی غیر طبعی کوشش میں میں نے کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ مساوات مطلق، مالی و معاشی اعتبار سے، نافذ کرنے کے خلاف فطرت کاوش میں کبھی قوت صرف نہیں کی۔ البتہ انتظام ایسا کر دیا اور احتیاطیں ایسی رکھ دیں، کہ اس امتیاز سے پیدا ہونے والی تلخیاں زیادہ سے زیادہ گھٹ کر رہیں۔ سانپ کی جان نہیں لی، لیکن اسکے ڈسنے والے دانت نکال لیے۔ امیروں کو حکم دیا کہ امیروں کو بھی اپنا بھائی سمجھیں اور غریبوں کو بھی امیروں کو اس لیے کہ باہمی جلاپے، رشک، حسد و رقابت کے امکانات نہ رہیں، غریبوں کو اس لیے کہ نخوت و خود بینی کے جراثیم فنا ہو کر رہیں، اور خود غرضیوں میں اپنی

ذات پر کرینگے۔ غفلت برتیں گے تو مجرم ہو کر پیش ہونگے۔ اپنی بھلائی اگر مقصود ہے تو لازم رکھیگے اپنے نفس پر محتاجوں کی اعانت، مظلوموں کی نصرت، داد خواہوں کی فریاد رسی —— صحیح، اصلی، سچی سوشلزم اس سے بڑھ کر اور کیا لیگی؟

کھانے پینے میں پرہیز، چھوت چھات آپس میں تو کجا میرے ہاں تو ان سے بھی نہیں جو مجھسے باغی ہیں۔ میرے ہاں بڑے سے بڑا شخص اگر اسکا دل گوارا کرے، بے تکلف چھوٹے سے چھوٹے شخص کا جھوٹا کھا سکتا ہے پی سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اونچی ذات والا نیچی ذات والے کے ساتھ بیٹھ کر نہ کھائے، اسکے ہاتھ کا نہ کھائے۔ ایک دوسرے کے برتن میں نہ کھائے۔ نہ یہ ہو کہ چوڑا، ڈوم، "کا منہ" اسکے ساتھ میز پر کھانا نہ کھاسکے، اسی فوج کا پیادہ اپنے کرنل کے مس کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت نہ کرسکے! میرے ہاں تو منکروں سے، ہاں توحید کے منکروں سے، آفتاب پرستوں سے، کواکب پرستوں سے، عناصر پرستوں سے، پتھر کی مورتیاں پوجنے والوں سے، کسی سے بھی کھانے پینے کا پرہیز نہیں سب کے آگے کا جھوٹا جائز ——— ہے دنیا کی تہذیبوں میں اس وسیع رواداری کی کوئی مثال؟ وحدت انسانی پر عمل میں اس حد تک بڑھنے کی کوئی نظیر؟

شادی بیاہ میں میرے ہاں صرف کفو دیکھا جاتا ہے یعنی جوڑ۔ کہ فریقین اگر معاشی و معاشرتی حیثیت سے ہم سطح ہونگے تو آیندہ نباہ کی زیادہ توقع رہیگی۔ باقی ذات کی اونچ نیچ کا اینچ پینچ میں کیا جانوں۔ ذات پات کا وجود ہی میرے نظام میں نہیں۔ پیشے اپنے اختیاری پیشے ہوسکتے ہیں، لیکن آبا و اجداد کے پیشہ کی بنا پر ذات کا پڑ جانا میرے لغت میں بالکل بے معنی ہے۔ کوئی شخص اپنے ارادہ اور اختیار سے نائی کا پیشہ سیکھے ہوئے ہے، کوئی دھوبی کا، کوئی جلاہے کا، کوئی دھنیے کا، کوئی رنگریز کا، کوئی بنیے کا، یہاں تک بالکل ٹھیک۔ لیکن فلاں شخص ذات کا جلاہا ہے، ذات کا نائی ہے، ذات کا دھوبی ہے۔ یعنی کسب کی بنا پر نہیں، نسب کی بنا پر خواہ مخواہ اس طبقے میں داخل ہے، میں اس تخیل سے ناآشنا ہوں۔ یہ ضلالت تمامتر دورِ جاہلیت کی یادگار ہے، جو کسی حد تک میرے اندر گھس آئی ہے۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور قلق بھی۔ آج مسلمانوں کی بعض "ذاتیں" فریاد کر رہی ہیں کہ ہمیں نیچ سمجھ لیا گیا ہے، اور سید، شیخ، وغیرہ شریف ذاتیں ہمیں حقیر خیال کر رہی ہیں۔ کوئی ان سادہ طبع لوگوں کو یہ جواب نہیں دیتا کہ یہ شکایت تو آپ کی اپنے ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ آپ اپنے کو ان "نیچ" ذاتوں میں شمار ہی کیوں کیتے ہیں؟ اونچ نیچ، شریف و رذیل کا سوال بعد کا ہے، گزارش یہ ہے کہ نفس تقسیم ہی ذات پات میں میرے ہاں کب جائز ہے؟ آپ کہیے شوق سے فرمایے کہ ہم فلاں پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ٹھیک اور بالکل ٹھیک۔ لیکن جس دن آپ نے کہا کر

شخصی اور خانگی زندگی کے اہم ترین اور اہم ترین اور نازک ترین دور نسبت ہیں۔ دونوں کا ایک سرسری منظر ذرا میرے زیر اثر گھروں میں دیکھتے چلیے۔ مسلمان لڑکی ادھر سیانی ہوئی، ادھر فکر ماں باپ کو شادی کی شروع ہوئی۔ نسبت کے پیام آنے لگے۔ نکر اسکی نہیں کہ زائچہ ملایا جائے کنڈلی ملائی جائے، منحوس گھڑی ساعت سے بچا جائے نجومی، جوتشی، رمال کا دخل کسی موقع پر نہیں۔ نہ یہ بےفکری کہ ملدی کیا ہے، لڑکی جوان ہو کر اپنا شوہر خود ہی ڈھونڈھ لیگی۔ عمر بھر کے شریک زندگی کا انتخاب، زندگی کا دقیق ترین، دشوار ترین، اہم ترین، نازک ترین انتخاب ہے۔ ضرورت اس میں جوش کی نہیں ہوش کی، جذبات اور دیوانگی کی نہیں عقل اور فرزانگی کی۔ اچھے اچھے تجربہ کاروں کی پختہ کاروں کی عقلیں چکر کھا جاتی ہیں۔ عقل و تجربہ سے خالی اور جذبات سے بھری نوجوان لڑکی یا نوجوان لڑکے کے سر اسکا بار ڈالی دینا، اور خود دور سے محض تماشہ دیکھنا، اولاد کے ساتھ نہ ہمدردی ہے نہ انصاف۔ صاف اور صریح ظلم ہے۔ گویا ایک پندرہ سال کی لڑکی یا لڑکے سے توقع یہ ہے کہ اسے ضروریات و جذبات کا اندازہ ہے ۲۵ برس کے بھی سن کا، اور ۲۵ برس کے بھی سن کا، اور ۴۵ برس کے بھی سن کا، اور ۵۵ برس کے بھی سن کا! زندگی کے جو اتار چڑھاؤ، فطرت بشری کی جو نیرنگیاں نوجوانوں کے لیے ابھی پردۂ راز میں ہیں، بڑے بوڑھوں کے لیے آپ بیتی بن چکی ہیں۔ البتہ صلاح و مشورہ کی حد تک ان نوجوانوں کو بھی شریک رکھنا ضروری ہے، کہ بہرحال رہنے تو کسی درجہ میں وہ بھی رکھتے ہیں۔ غرض بڑوں نے (یا فقہ کی اصطلاح میں اولیا نے) اپنے طور پر خوب جانچ پڑتال کرکے، چھوٹوں کی رائے اور مرضی دیکھ کر، بات ٹھہرائی، جہیز کا سامان مہیا کیا گیا حسب حیثیت۔ یہ نہیں کہ جہیز کے لیے قرضہ اتنا لیا جائے کہ آخر میں خودکشی کی نوبت آجائے۔ کورٹ شپ کا قدم کسی منزل میں درمیان میں نہ آنے پایا۔ اور مسلمان عروس اور اسکا شوہر دونوں ان بےحیائیوں سے بچ گئے، جن سے آج اسی روئے زمین پر بیشمار گھر اپنے جہنم کا نمونہ بن کر رہ گئے ہیں۔ خیر یہ مرحلے طے ہو لیے، تو ایک تاریخ معین نکاح کی قرار پائی۔ دولھن کے گھر پر دولھا والے اور خود دولھن والے جمع ہوئے۔ شوہر سے اسکے حسب حیثیت ایک رقم مہر کا اقرار کرایا گیا ——

(باقی آیندہ)

...ہوں جسے اس پر تعجب ہوا

... یہ بھی کالج جو اعلیٰ حضرت کا آجکل سب سے پیارا

ادارہ ہے، طلبہ کے اصرار پر یادِ تو: شہ یار انکار کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مجھے بھی ایک تقریر کرنی پڑی۔ میں فکر ہی میں تھا کہ اس تقریر کا خلاصہ آپ کو بھیجدوں، کہ آپ کا یہ نوٹ نظر سے گزرا۔

اس تقریر میں "طب یونانی" کے لفظ یونانی کی مخالفت کرتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ جس طب کی آپ کے مدرسہ میں تعلیم دی جا رہی ہے در اصل اسکی ابتداء اسی سرزمین سے ہوئی جو سال سے دوبارہ انسانیت کا ظہور قرآن کی راہ سے ہوا۔ یعنی ارض نوح۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے کالڈیا والوں کو اس فن کی تدوین کا خیال آیا صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ مریضوں کو عام گزرگاہوں پر بٹھایا جاتا تھا راہگیروں میں سے جو کوئی اس مرض میں مبتلا ہو کر اچھا ہو چکا ہوتا، اس سے پوچھتے کہ تم نے کیا دوا کھائی یا کیا علاج کیا۔ جو بتاتے اسکو لکھ لیا جاتا۔ اور اپنے سرغولاؤں (میناروں) میں وہاں کے ہی شش (کاہن) تختیوں میں لکھ کر مرض کا نام اور علاج کے ساتھ لٹکا دیتے۔ یوں ہی ایک ذخیرہ معالجات کا فراہم ہو گیا۔ کالڈیا کے بعد جیسا کہ قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارض بابل کا تمدن جنوبی و شمالی عرب بن آیا۔ یعنی عاد و ثمود میں، اور یہاں سے منتقل ہو کر اسکا آخری مرکز نیل کا ساحل قرار دیا۔ جہاں سب کچھ مصر پہونچا، معالجات کا یہ سلسلہ بھی پہونچا۔ مصریوں نے اس فن کو بہت آگے بڑھایا۔ دواؤں اور جھاڑ پھونک دونوں طریقوں سے علاج کرتے تھے۔ کاہن (طبیب مصری) جب مریض کے پاس جاتا، تو ساتھ ساتھ دو صندوق ایک دواؤں کا، ایک میں کتاب جھاڑ پھونک کی ہوتی۔ انھوں نے اپنے فن کو اس بلندی پر پہونچایا۔ جسکی شہادت وہاں کی محفوظ لاشیں دے رہی ہیں۔ بڑا کمال اس سلسلہ میں انکا یہ تھا کہ دواؤں سے مُردوں کا مغز گھلا کر باہر نکالدیتے تھے، گو یا سہل کی یہ شکل ایسی تھی، جس پر شاید اس زمانہ کے اطباء بھی قادر نہیں۔ مصر ہی سے پھر یہ فن دنیا کے اُن حصوں میں پھیلا، جہاں جہاں انسانی تمدن کا نشو و نما شروع ہوا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں تو اسکی یادگار وہ لفظ باقی ہے یعنی ہندی اطباء کو اسوقت تک دکن میں مصرانی طبیب اور شمال میں مصری کہتے ہیں۔ سب سر برآوردہ ہندوؤں کے نام کے بعد بھی "مصر" کا لفظ جو کبھی کبھی نظر آتا ہے یہ اسی تاریخی تلمذ کی یادگار ہے اور مدینہ والوں کا تو مصر سے تعلق اتنا قوی ہے کہ آج تک پانی کو نیلوی کہتے ہیں جہاں کے عام بت خانوں میں بجانے گا سے کے وہی "العجل" بچھڑے کی

... سب کے مرکز کا نام ... اسکے بعد ... سے آزاد ہو کر تھوڑی بہت اس تمدن کی نمائش دنیا کے اکثر حصوں میں ہوتی رہی۔ تا آنکہ چھٹی صدی عیسوی میں دو نمایاں تمدنوں کا ظہور دنیا میں ہوا۔ جن میں ایک کو شرقی دوسرے کو مغربی کہہ سکتے ہیں۔ مشرقی تمدن کا امام ایران تھا، اور اسی کے شخصی مظہر کو کسریٰ کہتے تھے، اور مغربی تمدن کا پیشوا روم تھا۔ اسکے شخصی مظہر کا نام قیصر تھا۔ دنیا اسی حال میں تھی کہ "اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده، واذا هلك قيصر فلا قيصر بعده" کی آواز اس سرزمین سے بلند ہوئی جو ان دونوں تمدنوں کے وسط میں تھا۔ اور چند ہی دنوں کے بعد دیکھا گیا کہ جو کچھ کسریٰ کے پاس تھا، سب ٹوٹ پھوٹ کر ایک ہی چیز میں جذب ہو گیا۔ جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں دنیا کے اس عالمگیر تمدن کسر و انکسار کا اثر ہوا اُسی میں طب کا فن بھی تھا۔ کسریٰ و قیصر کی تفریق کو مٹا کر نسل آدم کو زندگی کے تمام پہلوؤں کو وحدت کے رنگ میں رنگ دینے والی قوت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جسکو مٹانا چاہا وہ مٹ گیا، اور جسکو باقی رکھنا تھا وہ باقی رہ گیا۔ طب کا فن بھی اسی ذیل میں ہے۔ جسے بقاء دوام عطا فرمایا گیا۔ تداووا یا عباد اللہ فان لکل داء دواء الا الهرم (دوا علاج کرایا کرو اے اللہ کے بندو کیونکہ کوئی بیماری ایسی نہیں جسکی دوا نہ ہو بجز بڑھاپے کے) بعض روایتوں میں الا السام اسے موت آ رہا ہے۔ حاصل دونوں کا ایک ہے) عہد نبوت میں عرب بھی اپنے پاس ایک طب رکھتا تھا۔ اُس زمانہ کا مشہور عربی طبیب حارث بن کلدہ، جندیسابور جو مشرق کی سب سے بڑی درسگاہ دارستان کا مرکز تھا وہاں تعلیم حاصل کی تھی، یہ اہواز میں انوشیرواں کا قائم کیا ہوا دارستان تعلیمی اسپتال تھا۔

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس زمانہ کے علاج کے اکثر طریقے یعنی لدود (دوا پلانا) الحجامۃ (پچھنے سے علاج) التشیہ (مسہل سے علاج)۔ الفاقہ (بھوک) سے علاج سب ہی طریقے خود بھی اختیار فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی مشورہ دیتے تھے۔ صحاح کی حدیثوں میں ان طبی طریقوں کا ذکر موجود ہے۔ عہد بنی اُمیہ تک عربی طب زیادہ تر عربی طب ہی کی شکل میں رہی۔ الا یہ کہ یزید کے بیٹے خالد نے حکومت سے مایوسی کے بعد جیسا کہ عموماً مایوس دنیاداروں کی آخری پناہ گاہ کیمیا ہی بنتی ہے، خالد نے بھی کیمیا ہی کے ذریعہ سے اپنے باپ کی نعمتوں کو واپس کرنے کی کوشش کی، اور اس سلسلہ میں بعض قراباذین (کناش) کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ لیکن جب عباسیوں کا دور آیا، اور ابو جعفر منصور پیٹ کے مرض میں گرفتار ہوا، بھوک غائب ہو گئی، عربی اطباء کی دوائیں کارگر نہ ہوئیں، تب اس نے جندیسابور کے شفاخانے کے افسر اعلیٰ

اطبا و کی ایک عجیب تعداد بغداد پہونچی۔ منکہ، صالح، شاناق، جبل اور بن سقدہ اطبا و ہند وغیرہ تو تشریف لائے ہی تھے اور ہندی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا۔ علی الخصوص سانپ اور اسکے زہر کے متعلق زیادہ تر سرمایہ ہندوستان ہی سے وہاں پہونچا کہ ہمارا ملک سانپوں سے بھرا ہوا ہے اسی وجہ سے یہاں کا وہ سرمایہ بھی مدتوں رہا، بلکہ اب تک ہے۔

الغرض یوں مصری، رومانی، یونانی، ہندی، ایرانی اور خود عربی طب نے اسی کسر و انکسار کے عمل سے متاثر ہو کر بغداد میں ایک نیا قالب اختیار کیا۔ اور دن بدن اس میں ترقی ہوتی رہی۔ مسلمانوں نے بیسیوں شفا خانے (مارستان) اپنے ممالک محروسہ میں کھلوائے جہاں علاج کے ساتھ تعلیم بھی ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ گشتی شفا خانوں کا بھی ایک سلسلہ ہوتا تھا۔ جن میں چالیس چالیس اونٹوں پر دوائیں لاد کر اطبا ملک میں گھومتے رہتے تھے۔ مفردات کی تلاش میں متعدد طبیبوں کو ہم جنگلوں میں گھومتے ہوئے پاتے ہیں۔ عبدالرشید صوری کے متعلق لکھا ہے کہ اپنے ساتھ وہ مصور بھی رکھتا تھا۔ اور ہر قسم کے رنگ ہر پودے کو تا پیدا پھل پھول پتوں جڑوں تک کی حالت کو رنگ کو ظاہر کرتا یہ اس کے فرائض میں تھے۔ بیسیوں امراض کے علاج مسلمانوں نے پیدا کیے، مثلاً جذام کے مرض کا کوئی علاج مسلمانوں سے پہلے کی کتابوں میں نہ تھا اور یوں انکی ایک طویل فہرست ہے۔

یہ تو ایک تاریخی بیان تھا اور مقصود وہی تھا کہ اسلام نے صرف تاریخ ہی کے باب میں تصحیح، تصدیق و تکمیل کا فرض انجام نہیں دیا ہے بلکہ علوم کے تمام شعبوں میں اسکا یہی خاص کارنامہ ہے۔ اب موجودہ طب یونانی نہیں، اسلامی ہے، یا مسلمانوں کی طب ہے۔ جس میں وہ سب کچھ ہے جو پہلوں کے پاس تھا اور وہ بھی جو نہ تھا۔ مگر اس سلسلہ میں ایک خاص چیز جسکا ذکر آج کرنا چاہتا ہوں، وہ قرآن کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے سورۂ النحل کی آیت کا حوالہ دیا اور بتایا کہ لوگوں نے صرف یہ دیکھ کر کہ شہد سے بعض امراض میں شفا ہوتی ہے اس لیے قرآن کا دعوے شہد کے متعلق "شفاء للناس" کا جو ہے، وہ پورا ہو جاتا ہے۔ مگر غور کی نظر اگر آیت پر ڈالی جائے تو حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:-

(۱) النحل (شہد کی مکھی) کی صفت "ذللا" بیان کی گئی ہے یعنی وہ پالتو ہو سکتی ہے سدھائی جا سکتی ہے۔ ارسطو کا بیان ہے کہ جس پھول پر مکھی کو لگا دیا جائے۔ اگرچہ وہاں سیکڑوں پھول ہوں لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ اُس پھول کے سوا وہ کسی سے رس حاصل نہیں کرتی۔

(۲) مکھی کو "من کل الثمرات" سے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ثمر کے معنی پھل کے بھی آتے ہیں۔ لیکن مکھی پھل نہیں کھاتی۔ اس لیے ضرور ہے کہ "الثمرات" سے کوئی دوسرا معنی مراد لیا جائے۔ لغت کی کتابوں کو دیکھیے تثمیر اللبن (یعنی دودھ سے مسکہ باہر نکالنا) آپ کو اس قسم کے

لے معنی [illegible]

"مختلف الوانه"

ہوتا ہے کہ مختلف رنگوں کا انسان سے [illegible] ہیں!

کہ ایک جدید نظام ہی علاج کا یہ ہے کہ صرف رنگ کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے، کبھی رنگین بوتلوں میں پانی بھر بھر کر دھوپ میں رکھتے ہیں اور ان ہی بوتلوں کے پانی سے ہر قسم کے امراض میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ان بوتلوں کے پانی کے متعلق عجیب ہے۔ ان تین باتوں کو پیش نظر رکھ کر اگر قرآن کی اس آیت سے علاج کے ایک جدید نظام کی طرف توجہ کی جائے تو قرآن کی روشنی میں یہ بالکل واضح طور پر نظر آ رہی ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ جن نباتاتی چیزوں سے آپ کی طب میں علاج کیا جاتا ہے اور ایلوپیتھک کے مقابلہ میں آپ کا بڑا امتیاز یہی ہے کہ آپ "الثمرات" سے یعنی نباتاتی اشیاء کے جواہر سے علاج کرتے ہیں لیکن آپ کو یہ مجبوری پیش آئی ہے کہ ان نباتاتی چیزوں کے جواہر کو نکالنے کے لیے انکو چھانا پڑتا ہے، پھر ترشہ انبیق وغیرہ آلات ان کی تقطیر کرتے ہیں، اس پر بھی صحیح جوہر جس کی آپ کو تلاش ہے وہ میسر نہیں آتا۔ جب قرآن کہتا ہے کہ مکھی قدرۃً ایک ذلول (یعنی ذاللا مطیع فرمانبردار حیوان ہے) اور اس بنیاد پر آپ جس قسم کے نباتات سے چاہیں مکھیوں کے ذریعہ سے "الثمرات" یعنی اُسکے جوہروں کو کھنچوا سکتے ہیں، تو پھر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ سارے جوشاندہ و خیساندہ کوفتہ بیختہ کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مختلف اقسام کی مکھیوں کو مختلف دواؤں کے جوہر نکالنے پر مامور کیا جائے، اور ان کو جمع کر کے مختلف بوتلوں میں رکھدیا جائے۔ جو دوائیں جن امراض میں کام آتی ہیں بجائے انکے ان ہی نباتاتی دواؤں کے کھینچے ہوئے شہد کو مفرد طریقہ سے یا دوسرے شہدوں کے ساتھ مرکب کر کے استعمال کرائی۔ یہ نباتاتی ثمرات محض آپ نے قدرت کے عجیب و غریب مشین (النحل) سے حاصل کیا ہے، چونکہ قدرتی جوہر ہونگے اس لیے انکا

"شفاء للناس" ہونا

یعنی "الناس" کے مختلف امراض میں ان "کل الثمرات" میں سے ایک یا چند کا شفا بخش ہونا، یقیناً تعجب خیز نہیں ہو سکتا، بلکہ نباتات سفید تیختین کے جھگڑے سے بھی آپ کو نجات مل جائیگی۔ بلکہ شہد میں "فراغ" کو باقی رکھنے کی قدرتی خاصیت ہے خود تو کیا خراب ہوگا۔ دوسری چیزوں کی حفاظت شہد کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ اس لیے امید ہے کہ اس دوا کا مزاج بھی مدتوں باقی رہ سکتا ہے اور یہی میری مراد تھی کہ ہم اس آیت کے ذریعہ سے ایک جدید طبی نظام کو پیدا کر سکتے ہیں جن لوگوں کو شہد کی مکھیوں کے ذلولی عجائبات کا علم ہے۔ (براتی ص۳) پر ملاحظہ ہوا

. سید محمد قادری - حیدرآباد دکن)

نیز علامہ جغرافی ابن خورداذبہ اور حوقل کی کتاب المسالک الممالک مطبوعہ یورپ میں الفاظ ذیل لکھا ہے (صفحہ ۱۲)

اما عرض الارض من اقصاها فی حد الشمال الی حد الجنوب فانک تاخذ من ساحل البحر المحیط (الشمالی) حتی تنتہی الی ارض یاجوج و ماجوج ... ثم تستدبر بریۃ من بلاد السودان و بلاد الزنج حتی تنتہی الی البحر المحیط (ای الجنوبی) فہذا خط ما بین جنوبی الارض و شمالہا۔

لیکن کرۂ زمین کا عرض اُسکے انتہائے شمال سے انتہائے جنوب تک سو تم شمالی بحر محیط سے چلنا شروع کرو گے یہاں تک کہ تم بلاد یاجوج ماجوج پر پہنچ جاؤ گے۔ پھر تم سفر جاری رکھو گے صحرا یا درمیان درمیان بلاد السودان اور بلاد الزنج کے یہاں تک کہ تم پہنچ جاؤ سو یہ خط عرضی ہے درمیان جنوب و شمال کرۂ زمین کے۔

یہ دونوں جغرافیین ابن خورداذبہ و ابن حوقل عربی جغرافیہ کے مسلم استاد فن ان دونوں کے الفاظ بالکل متفق ہیں۔ ان دونوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ بحر محیط شمالی کے ساحل سے ادھر جنوب کو چلتے ہوئے سب سے پہلے یاجوج و ماجوج کے ملکوں پر گزرنا پڑتا ہے۔ اب دیکھو نقشہ میں کہ ان ممالک کے نام آج کیا ہیں۔ کیا یہی روسی و یورپین اقوام نہیں جو آج بلاد ایشیا و بلاد اسلامی پر چڑھ دوڑے اور یلغار مچا رکھے ہیں۔

علامہ مقریزی کی کتاب الخطط والآثار جلد اول صفحہ ۱۰ میں ہے:-

وعرضہا (الارض) من حیث العمران الذی من جہۃ الشمال وہو ساکن یاجوج و ماجوج الی حیث العمران الذی من جہۃ الجنوب وہو ساکن السودان مئتان وعشرون مرحلۃ۔ وما بین براری یاجوج و ماجوج الی البحر المحیط فی الجنوب خراب لیس فیہ عمارۃ۔

اور عرض زمین ابتدائے آبادی سے جو جہت شمال میں ہے اور جو مساکن یاجوج و ماجوج ہے اُس انتہائی آبادی تک جو جہت جنوب میں ہے اور جو سودان (سیاہ فام افریقون) کے مساکن میں دو سو بیس مرحلے ہیں۔ اور درمیان صحرائے یاجوج و ماجوج کے بحر محیط تک شمال میں اور درمیان صحرائے سودان کے بحر محیط تک جنوب میں غیر آباد زمین ہے جس میں کوئی آبادی نہیں۔

علامہ مقریزی کی تقریر سے آپ کو واضح ہو گیا کہ یاجوج و ماجوج کی سرزمین بحر شمالی سے متصل ہے۔ آج اسی سرزمین کا نام یورپ اور روس ہے یا کچھ اور؟

نیز علامہ ابو حنیفہ دینوری الاخبار الطوال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

(مطبوعہ یورپ)

...خزر و صقالبہ و تاریس ومنسک و کماری و الصین تاخذ ما بین المشرق والشمال

صقالبہ (سلاوی) تاریس ... کماری - چین - یہ کرۂ ارض کے مغربی و شمالی حصوں کو گھیرے ہیں۔

ابو حنیفہ دینوری کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ اولاد یافث مشرق و شمال زمین میں جا بسے تھے اور ابھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ شمال میں یورپ و روسی اقوام ہیں اور مشرق میں چینی و منگول۔ منگو - ختنک نامی شہر سلطنت روس میں اب تک موجود ہیں۔ اب بتائیے کہ یاجوج ماجوج کے قدیم نام والے اقوام آج یورپ و روس کے سوا کہاں موجود ہیں۔

کتاب الفصل فی الملل والنحل میں علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی (ہسپانوی) نے لکھا ہے۔ جلد اول صفحہ ۱۲۰)

فان قیل فی القرآن ذکر سد یاجوج و ماجوج ولا یدری مکانہ ولا مکانہم قلنا مکانہ معروف فی اقصی الشمال فی آخر المعمور منہ وقد ذکر امر یاجوج و ماجوج فی کتب الیہود التی یؤمنون بہا (اراد بہا صحیفۃ حزقیل وغیرہا) ویؤمن بہ النصاری وقد ذکر یاجوج و ماجوج و السد ارسطاطالیس فی کتابہ فی الحیوان عند کلامہ علی الغرانیق وقد ذکر یاجوج و ماجوج بطلیموس فی کتابہ المسمی جغرافیا وذکر طول بلادہم وعرضہا وقد بعث الیہ الواثق امیر المومنین سلاما الترجمان فی جماعۃ معہ حتی وقفوا علیہ ذکر ذلک احمد بن الطیب السرخسی وغیرہ وقد ذکرہ قدامۃ بن جعفر والناس۔

اگر کوئی کہے کہ قرآن میں ذکر سد یاجوج و ماجوج کا تو ہے مگر نہ اس سد کا کوئی ٹھکانا ہے اور نہ ان یاجوج ماجوج کا تو جواب یہ ہے کہ سد کا ٹھکانا مشہور و معروف ہے انتہائے شمال میں اُس کی آخر آبادی میں۔ نیز ذکر یاجوج کتب یہود میں بھی ہے جن پر انکا ایمان ہے (مراد اس سے صحیفۂ حزقیل وغیرہا ہے) اور جن پر نصاریٰ بھی ایمان رکھتے ہیں نیز ارسطو نے اپنی کتاب الحیوان میں انکا اور انکی سد کا ذکر کیا ہے جہاں کہ اس نے غرنیق (مرغابی و سرخاب) کا ذکر کیا ہے۔ نیز سد یاجوج ماجوج کا ذکر بطلیموس نے اپنی کتاب جغرافیا میں کیا ہے اور انکے طول بلاد و عرض بلاد کا بیان کیا ہے۔ نیز واثق باللہ خلیفہ عباسی نے سلام نامی ترجمان کو ایک جماعت کے ساتھ سد کے دیکھنے بھیجا تھا کہ یہ دیکھ آئے۔ اسکو ذکر کیا ہے احمد بن طیب سرخسی وغیرہ نے نیز قدامہ بن جعفر نے اور دوسرے اور لوگوں نے۔

(باقی آیندہ)

باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس میں طبع ہو کر دفتر صدق گولہ گنج - لکھنؤ سے شایع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- (حکیم) عبد القوی
مضامین کے اسے بیرخط و کتابت ایڈیٹر کے نام ہے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؎ہ
بیرونِ ہند سے سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؍

نمبر ۳۶	دوشنبہ - یکم محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۴۲ء	جلد ۷

سچی باتیں

"امت خواہ وہ آگ کی طرف لے جانے ہو یا جنت کی طرف، بہرحال اُس گروہ کا منصب ہے جو سمع و بصر و فؤاد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے، اور اس میں کوئی ذرہ رعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خواہ خداشناس ہو یا ناخداشناس، بہرحال وہ یہ شرط پوری کریگا تو دنیا کا امام بن جائیگا، اور نہ کریگا تو مقتدی ہی نہیں، بلکہ اکثر حالات میں مطیع بننے سے بھی نہ بچ سکیگا"

اقتباس ٹرکی کے کسی "متجددِ نواز" "روشن خیال" ایڈر کی تقریر کا نہیں، نامہ کلام سے متجد پسندی، تجدیدِ نواز مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا! ——— اجمال کی اگر تفصیل باقی رہ گئی ہو تو اُس کی تشریح بھی سنتے چلیے:-

"کلام الٰہی میں تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں، بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کی ہوئی معلومات حاصل کرنا ہے۔ بصر سے مراد خود مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہنچانا ہے۔ اور فؤاد سے ان دونوں ذرائع سے معلوم کردہ معلومات کو مرتب کرنا اور نتائج اخذ کرنا ہے۔ یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بناتی ہے جسکی قابلیت انسان کو دی گئی ہے"

کس کی مجال ہے جو یہ سوال کرسکے کہ "سمع" "بصر" "فؤاد" کے الفاظ ان معنی میں اس تیس پاروں والے کلام الٰہی کے کس پارے، کس سورہ، کس رکوع، کس آیت میں استعمال ہوئے ہیں؟ جہاں کہیں مجرد بھی یہ لفظ آئے ہیں، وہاں سیاق سے، سباق سے، تفسیری احادیث سے، تفسیری روایات، آثار سے کہیں سے ان معانی کی تائید نکلتی ہے؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا کو پڑھ کر حضرات صحابہ سے لیکر اس چودھویں صدی تک قرآن کے کسی طالب علم کا ذہن اس جدید تفسیر کی طرف منتقل ہوا تھا؟ خود آج بھی مودودی صاحب کے خاص رفقاء و کارکن مولانا محمد منظور صاحب (بریلی) مولانا امین احسن صاحب (سرائے میر) مولانا ابو الحسن علی (لکھنؤ) اور اسی علم و نظر کے دوسرے اصحاب کے ضمیر و ذہن سے سوال ہے، کہ اسکے قبل بھی آیت کی یہ تفسیر اُنکے ذہن میں آئی تھی؟ یا آج بھی اُنکا ضمیر اس پر مطمئن ہے؟ ——— کیا فرق رہ جاتا ہے ان تحریفی عبارتوں کے بعد "علامہ" مشرقی اور علامہ مودودی میں؟ زبان سے مدعی غریب مشرقی بھی تو آخر اسلام ہی کی خدمت کا، نصرت کا، حمایت کا تھا؟

چھوڑیے اور سب کو - خود صحابہ نے بھی اس جدید تفسیر کے مطابق اس آیت قرآنی پر کس دن، کے گھڑی، کے لمحہ عمل کیا؟ ابوبکر صدیق نے "علم سمع" کی کے روز اطاعت کی؟ "دوسروں کے فراہم کیے معلومات" کے حاصل کرنے میں کیا انہماک دکھایا؟ "علوم" یونان سے، مصر سے، روم سے کس دن حاصل کیے؟ عمر فاروق نے اپنی زندگی کے کے گھنٹے، کے منٹ "مشاہدۂ فطرت" کی نذر کیے؟ ارضیات، حیوانیات کے علوم جدیدہ نہ سہی، ریاضیات، ہیئت، عقلیات کے علوم قدیمہ کے مطالعہ اور ان میں اکتشافات اور "ریسرچ" پر کتنا وقت صرف فرمایا؟ عثمانؓ اور علیؓ نے کتنے مرحلے "دونوں ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کے مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے" کے طے کیے؟ ——— "حصول امامت" کے اگر یہی شرائط ہیں، جو یورپ سے مرعوب ہمارے علمبردار "متجددین" نے پیدا کیے ہیں، تو خدا کے لیے بتایا جائے، کہ ان حضرات کو اپنے وقت میں امامت کیسے حاصل ہوگئی تھی؟ --- - قرآن کی تفسیر کے ساتھ ساتھ یہ "تجدید" و "اجتہاد"

کو حق حقائق تاریخی کے ساتھ بھی تلاعب اور بازیگری کا ملکہ حاصل ہو گیا ہے؟

"صاحب" کا جشن نوروز

"نیویارک۔ یکم جنوری۔ پچھلی شب جبکہ پچھلا سال اور موجودہ سال گلے مل رہے تھے، اور وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل کی کار ٹرین پر کناڈا سے امریکہ آ رہے تھے، آدھی رات کے وقت وزیر صاحب سر چارلس پورٹل کو ساتھ لیے ہوئے یکایک ٹرین کی کھانے والی گاڑی میں آگئے۔ سگار آپ کے منہ میں دبا ہوا تھا، اور شیمپین (شراب) کا گلاس آپ کے ہاتھ میں تھا۔ پریس کے نمائندے جتنے بھی جلو میں چل رہے تھے سب کھڑے ہو گئے۔ مسٹر چرچل نے مسکراتے ہوئے گلاس ہاتھ میں اٹھایا، اور کہا کہ "سنہ ۱۹۴۲ء کے نام پر، اس محنت و تعب اور فتحمندی کی طرف لے جانے والے سال کے نام پر"۔ ٹھیک اسی وقت گھڑی میں رات کے ۱۲ بجے، پریس والوں نے اور ریل کے ملازمین نے مسٹر چرچل کو مبارکباد دی۔ اسکے بعد مسٹر چرچل نے بیساختہ ایک ہاتھ سر چارلس پورٹل کا اپنے ہاتھ میں لیا، اور دوسرے میں کسی اور کا ہاتھ۔ اور سارا مجمع اسی طرح ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال حلقہ باندھ کر گانے لگا! .... مسٹر چرچل دروازہ کی طرف چلے، اور بولے "خدا آپ سب کو بھی مبارک کرے اور ہم سب کو فتح نصیب کرے"۔ مجمع پھر جوش سے گانے اور تالیاں بجانے لگا، وزیر صاحب اپنے جواب میں V کا نشان بناتے ہوئے خوش و خرم اپنے ڈبہ میں واپس گئے۔" (رائٹر، تار برقی)

ایسی ہی خبریں پڑھ کر تو کہتے ہیں کہ آنکھوں کو نور حاصل ہوا اور دل کو سرور! بھلا بتائیے نہ، نوروز کی رات بھی اسطرح نہ منائی جائے اور کیا ہو؟ کہ آدھی رات کو سب سے بڑی سلطنت کے سب سے بڑے عہدہ دار صاحب اٹھ کر آئیں، گائیں، بجائیں، شراب کے گلاس نمائی کریں، بڑے بڑے اونچے معززین حلقہ باندھ باندھ کر ناچیں اور جے پکارے جائیں فتح و فیروزی کی!

—— یہ بھی گویا کوئی مسلمانوں کے ہاں کی عید ہے، کہ مہینہ بھر کی مشقت سے جوں توں کر کے تو روزے رکھے، چھٹی۔ یہ بھی نہیں؟ شب عید کا شمار بھی فضیلتوں اور برکتوں کے لحاظ سے رمضان ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مصلوں پر بیٹھے نمازیں پڑھ رہے ہیں، مناجاتیں کر رہے ہیں، دعائیں مانگ رہے ہیں! صدقہ فطر کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں! یہ بھی کیا مسلمانوں کی بقرعید ہے کہ ذی الحجہ کی شب دہم تکبیر میں داخل یوم الحج کے!

لفظ بے معنی

"برمنگھم۔ … برطانیہ میں جنسیات و شہوانیات کا امام ہے۔ بہت سی دوسری تصنیفات کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا … کا بھی مصنف ہے … اصطلاح "افلاطونی محبت" کے زیر عنوان لکھتا ہے:

"افلاطونی محبت سے مراد … افلاطون، مرد و عورت کے درمیان محبت … کی سطح پر رہے، اور اس میں خواہش جنسی کی آمیزش نہ ہونے پائے — افلاطون کے خیال کی غلطی یہ ہے کہ اس نے شاعرانہ … اور عشق و محبت کے درمیان خلط کر دیا۔ افلاطونی محبت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ صاف اجتماع نقیضین ہے۔ صنف مقابل کی جانب جوانی میں جو کشش ہوتی ہے اور جس پر اطلاق عشق و محبت کا کیا جاتا ہے، وہ لازماً شہوانی ہی ہوتی ہے۔ اور اگر قائم رہ گئی، تو یقیناً کسی عملی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی کوئی کشش صنف مقابل کے نوجوانوں میں ہوتی ہی نہیں، جو اصلاً شہوانی نہ ہو" (انسائیکلوپیڈیا آف سیکس، ص ۲۲۴)

"پاک محبت" کا لفظ ہمارے ہاں بھی خوب چلا ہوا ہے، خاص کر شاعروں کے حلقہ وجد و تواجد میں! یورپ کا یہ ماہر جنسیات کچھ ہمارے ہاں … والوں کا پیر معلوم ہوتا ہے، کہ ایسے … اپنے … لفظ کو "بے معنی" ہی قرار دے دیا!

چودھری افضل حق مرحوم

پچھلے ہفتہ لاہور سے افسوسناک خبر مشہور "احراری" لیڈر چودھری افضل حق کی موصول ہوئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ چودھری صاحب شروع میں تو پولیس میں ملازم تھے۔ تحریک خلافت و ترک موالات کے زمانہ میں سرکاری تعلق چھوڑ چھاڑ ان تحریکات میں جوش کے ساتھ شریک ہو گئے، اور یہ جوش عمل آخر عمر تک گھٹا نہیں بلکہ شاید بڑھتا ہی گیا، اپنی جماعت میں مفکری حیثیت سے ایک ممتاز مرتبہ رکھتے تھے۔ نظریات و خیالات میں بے اعتدالی کیسی بھی رہی ہو، بہرحال آدمی تھے جوش و اخلاص کے۔ پنجاب کی مجلس احرار میں گرمی و تازگی بڑی حد تک انہیں کے بلکہ … نقشہ زندگی کا ثمرہ تھی۔ خلافت کمیٹی کے آخر زمانہ میں انکی اور انکی پنجابی ٹولی (بزبان مولانا محمد علیؒ) کی معرکہ آرائیاں علی برادران کی جماعت سے جس نے دیکھی ہیں، وہ انہیں بھلا نہیں سکتا۔ بصیرت ظاہر ہے کہ ہر شخص کی الگ الگ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں اجر تو حسن نیت پر ملتا ہے۔ اللہ اپنی رحمتوں سے انہیں نواز دے، اور انکی مخلصانہ جد و جہد کا پورا صلہ انہیں مرحمت فرمائے!

تجدید اور دعوائے تجدید

"لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا ہوں، اور بزرگوں کے منہ آتا ہوں، حالانکہ درآنحالیکہ میں اپنے آپ کو چھوٹا ہی سمجھتا ہوں"۔ آپ [یعنی "ایک مشہور عالم اور صاحب دل بزرگ"] کا یہ شبہ کہ میرا ابتلا و امتحان کے میدان میں دعوے کے ساتھ اترنا میری قلبی حالت سے ناواقفیت پر مبنی ہے" (ترجمان القرآن، رجب تا رمضان ۵۹ھ، ۱۹۴۰ء)

صاحب "تحریک" کی تحریروں سے جو اثر لوگ لے رہے ہیں، اور ان لوگوں میں یقیناً نہ صرف ترجمان کے ناظرین ہیں بلکہ کم از کم ایک تو "مشہور عالم اور صاحب دل بزرگ" بھی ہیں، اس کا اعتراف خود اس اقتباس میں موجود ہے۔ جواب میں لازم تھا کہ نفس جرم سے انکار کی ہمت نہیں اور وہ … ہوا!

نئی کتابیں

تفسیر تعلیم القرآن - پارہ ۳۰ - از مولوی عبد الرحیم صاحب ضخامت ۲۰۰ صفحے - تقطیع حمائلی - مجلد - قیمت للعہ ر - پتہ: دار الاشاعت تعلیم القرآن تفضل گورہ - حیدرآباد دکن -

اردو میں تفسیریں نئی نئی لکھی جا رہی ہیں - اور بعض ان میں سے قابل داد بھی ہیں - یہ تفسیر جہاں تک صحت عقائد اور صحت تفسیر کا تعلق ہے بلا تامل اسی طبقہ میں رکھی جا سکتی ہے - مصنف نے معلوم ہوتا ہے کہ مستند تفاسیر کا وسیع مطالعہ کیا ہے، اور ان میں سے چن چن کر اچھی اچھی چیزیں اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں - البتہ ضرورت اسکی ترتیب پر نظر ثانی اور مزید غور کی ہے - متعدد چیزیں اس میں ایسی آگئی ہیں جو مبتدی کے کام کی بالکل نہیں - ان سے البتہ محض ذہنی انتشار پیدا ہو کر رہے گا - مثلاً سورۂ فیل میں مولانا حمید الدین فراہی کے خیالات کی ترجمانی، یا جا بجا ائمۂ نحو کے اختلافات کا ذکر - بعض مباحث صرف محققین اور طلبۂ فن کے کام کے ہیں، عوام کے کام کے نہیں - اس امتیاز کو قائم رکھنا ضروری ہے - علیٰ ہذا سور قرآنی کی ترتیب کو الٹ دینا، یعنی پارۂ عم کو بجائے سورۂ نبا کے سورۂ ناس سے شروع کرنا ہرگز صحیح نہیں - ناظرہ خوان لڑکوں کے لیے محض عبارت قرآنی کی یہ ترتیب معکوس تو شاید کوئی وجہ جواز رکھتی بھی ہو، لیکن تفسیر میں یہ مداخلت نظم قرآنی میں کر دینا بالکل بیجا ہے - اس میں سب سے پہلے آیت درج ہے، پھر اسکے ایک ایک لفظ کا ترجمہ - پھر حل لغات - اور پھر تفسیر - مصنف کی مشقت، تلاش اور احتیاط پسندی میں ذرا شبہہ نہیں - اور کتاب کا مطالعہ فی الجملہ مفید ہی ہوگا - پوری تفسیر ۱۶ مختصر صفحوں کے ہفتہ وار رسالہ کی صورت میں بھی نکل رہی ہے - اور ہر اسلامی دار المطالعہ کے میز پر رکھنے کے قابل ہے -

۲- **قصص القرآن** (حصہ اول) از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی - ضخامت ۴۲۰ صفحے - قیمت للعہ ر (مجلد للعہ ر) پتہ، ندوۃ المصنفین قرول باغ، دہلی -

موضوع نام سے ظاہر ہے - قرآن مجید کی بیان کی ہوئی حکایات، خصوصاً حکایات انبیاء، دنیا کے بہترین قصے ہیں - ان سے بہتر سے بہتر نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں، اور خود انکی مزید توضیح، تشریح و توثیق، تاریخ، جغرافیہ، اثریات، وغیرہ جدید علوم کی روشنی میں کرنا علم و دین دونوں کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے - کاش ہمارے اتنے "ڈاکٹریٹ" کی ڈگریاں پائے ہوئے مسلمانوں میں سے کسی ایک نے صحیح مقصد اور صحیح زاویۂ نظر کے ساتھ انھیں قصص کو اپنی "ریسرچ" کا موضوع بنایا ہوتا!

حقیقۃً جہاں مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ ایک قدیم طرز کی تعلیم پائے ہوئے "مولوی" کو ادھر توجہ ہوئی، اور انکی سعی و ہمت سے اردو میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب وجود میں آ گئی - کتاب دو جلدوں میں ہوگی - یہ جلد شروع سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے زمانۂ خروج مصر تک ہے - اسکے بعد کے حالات دوسری جلد میں ہونگے - اس جلد کے عنوانات جلی حسب ذیل ہیں :- حضرت آدمؑ، قابیل و ہابیل، حضرت نوحؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ - ہر جلی عنوان بہت سے ثانوی عنوانات پر تقسیم ہے - اور کوشش کی گئی ہے کہ ہر بحث سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات مختلف مستند ماخذوں سے فراہم کر دیے جائیں - بحثیں تاریخی، کلامی، نقلی ہر قسم کی سنجیدگی کے ساتھ موجود ہیں - مصنف کے ماخذوں میں ایک بڑا ماخذ ایک معاصر مصری عالم شیخ عبد الوہاب نجار کی قصص الانبیاء ہے، لیکن مصنف اپنی ذاتی تحقیق میں انکے مقلد جامد نہیں -

اتنی ضخیم کتاب اور اتنے متنوع مباحث میں یہ کہاں ممکن ہے کہ مصنف کا ہر بیان قول فیصل کی حیثیت رکھے، متعدد مقامات مختلف حیثیتوں سے نظر کو کھٹکے - مثلاً ص ۷۶ پر مصنف کا یہ دعوےٰ کہ

"کائنات ہست و بود میں عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ امراض، وبا، طوفان، اور زلزلے جیسے امور جب بھی کسی سبب سے نمودار ہوتے ہیں خواہ وہ عذاب کے لیے ہوں یا عام حالات زندگی کے اعتبار سے .... وہاں کی آبادی میں نیک و بد، ولی و شیطان ... کے مابین کوئی تمیز نہیں کرتے"

زیر خط فقرہ بہت کچھ محل نظر ہے - اسی طرح اور متعدد مقامات میں تاریخی اور کلامی دونوں حیثیتوں سے گفتگو کی بہت گنجائش ہے - بعض ابواب کا تشنہ رہ جانا بھی نمایاں ہے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے ذیل میں بعض اہم اور ضروری قرآنی بحثوں کا تذکرہ نہ پایا گیا - نہ بھولنا چاہیے کہ کتاب اردو میں اپنے رنگ کی پہلی ہے، اور مصنف کی سعی و کوشش ہر حال میں مستحق داد ہے - کم از کم اردو میں اتنا ذخیرہ ٹھوس اور فی الجملہ مستند معلومات کا اس موضوع سے متعلق کہیں اور موجود نہیں - کتاب ہر صاحب علم و صاحب ذوق مسلمان کے مطالعہ میں آنے کے قابل ہے -

(۳) **خلافت و سلطنت** - از ڈاکٹر امیر حسن صدیقی - ترجمہ سبطین احمد صاحب بی اے - ضخامت ۱۳۰ صفحے - تقطیع ۲۰×۲۶ - قیمت عہ ر پتہ انجمن اسلامی تاریخ و تمدن مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ

مسلمانوں کے ہاتھ میں اب تو جہاں کہیں ہے محض سلطنت ہی ہے خلافت کا کہیں نام نہیں - اور ایک زمانہ وہ تھا جب محض خلافت ہی تھی سلطنت کوئی جانتا نہ تھا - لیکن درمیان میں کئی صدیاں ایسی گزری ہیں، جب خلافت کے ساتھ سلطنت بھی جمع رہی ہے، اور بغداد کے تعلقات ظاہریہ، صفاریہ، سامانیہ، دیالمہ، غزنویہ، سلجوقیہ، وغیرہ کے ساتھ معاصرانہ قائم رہے ہیں، کبھی صلح کے کبھی جنگ کے - ان تعلقات کی تفصیل اور تقریباً [illegible] سے لیکر خلافت بغداد کی تباہی یعنی ساتویں صدی ہجری تک کی تاریخ اس مقالہ کا موضوع ہے - ڈاکٹر امیر حسن صدیقی علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے ایک مشہور استاد ہیں - انھوں نے یہ مقالہ لندن کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے انگریزی میں تیار کیا تھا - اور اب یہ اسکا اردو ترجمہ شائع ہوا

ہو رہا ہے ۔ مقالہ لکھا گیا ہے بڑی تلاش و تفحص سے ۔ اسکے شواہد خود مقالہ لگے اوراق ہیں ۔ رہا استناد سو اسکے لیے یہ کافی ہے کہ مقدمہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے تحریر فرما کر اس طرف سے بھی مطمئن کر دیا ہے ۔ ترجمہ میں بھی روانی و سلاست ہے ۔ گو ظاہر ہے کہ انگریزی طرز ادا کی جھلک ایک حد تک ناگزیر ہے ۔ کتاب ہر تاریخی مذاق رکھنے والے کیلیے قابل مطالعہ ہے مصنف ماشاء اللہ مسلم یونیورسٹی کی انجمن اسلامی تاریخ و تمدن کے روح رواں ہیں ۔ حیرت ہوتی اگر انجمن کی مفید مطبوعات کی فہرست خود انھیں کی کتاب سے خالی ہوتی !

(۴) **اقبال کا مطالعہ** ۔ از سید نذیر نیازی صاحب بی اے ۔ ضخامت ۱۶۳ صفحے ۔ قیمت عہ پتہ : کتاب خانۂ پنجاب ۔ ۳۶ بیرون لوہاری گیٹ ۔ لاہور ۔

نذیر نیازی صاحب اقبالؒ کے خاص مسترشدین میں ہیں ۔ انھوں نے اقبالؒ کی شخصیت اور اقبال کے کلام و افکار دونوں کا مطالعہ جسقدر قریب سے اور جتنا گہرا کیا ہے ، اسکا موقع کمتر ہی لوگوں کو ملا ہوگا ۔ یہ رسالہ ان کے ان چار مضامین کا مجموعہ ہے :- اقبال کا مطالعہ ۔ اقبال اور علمائے مغرب ۔ اقبال کی عظمتِ فکر ۔ اقبال کی آخری حالات ۔ ان میں سے آخری مضمون رسالۂ اردو کے اقبال نمبر میں کل بھی چھپ چکا ہے ۔ چاروں مضامین غور و فکر و توجہ سے لکھے گئے ہیں ۔ پہلے تین گویا دماغ سے اترے ہیں اور چوتھا دل سے ۔ مقالہ (نمبر۲) اس عام غلط فہمی کو رد کر دیتا ہے کہ اقبال کے خیالات کی بنیا د مغربی فلاسفہ کے نظریات تھے ۔ مضامین چاروں پڑھنے کے قابل ہیں ، اور سب سے زیادہ آخری مقالہ ۔ اقبال پر اتنے ہی دنوں میں رطب و یابس ہر قسم کی کتابوں کا ایک انبار سا لگ گیا ہے ۔ اقبال کا مطالعہ اس مخلوط مجموعہ میں ایک مفید قسم کا اضافہ ہے ۔

(۵) **حیات سجاد** ۔ از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی ۔ ضخامت ۱۶۰ صفحے تقطیع ۱۸ × ۲۲ ۔ قیمت عہ پتہ :- کتب امارت شرعیہ ۔ پھلواری شریف ۔ پٹنہ

مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبۂ بہار کی وفات کا زخم ابھی بہت سے دلوں میں تازہ ہوگا ۔ یہ کتاب گویا انکی سوانح حیات ہے ۔ لیکن کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی نہیں ۔ مولانا کی زندگی پر مختلف اشخاص کے مضمونوں اور تبصروں کا مجموعہ ہے ۔ پہلا حصہ ذاتی حالات کا ہے ۔ اس حصہ میں علاوہ مرتب صاحب کے مولوی عنایت اللہ صاحب اور مولانا گیلانی مدظلہ کے مضامین ہیں ۔ دوسرا حصہ محاسن و مناقب پر ہے ۔ اس میں مولانا شاہ محی الدین امیر شریعت ، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ، قاضی احمد حسن صاحب ، شاہ حسن آرزو صاحب وغیرہم کی تحریریں ہیں ۔ تیسرے حصہ کا عنوان "خدمات و برکات" اس میں مولانا احمد سعید صاحب ، شاہ عثمان غنی صاحب ، مولانا حفظ الرحمن صاحب وغیرہم کے مضامین ہیں ۔ آخر میں چند نظمیں ہیں ——— مولانا سجاد کے بعد حیات سجاد ، یہ دوسرا نذرانۂ عقیدت و محبت ہے جو صوبۂ بہار اپنے مرحوم قائد اور عالم باعمل کی یاد میں پیش کر رہا ہے ، اپنے اور انکے دونوں کے ایک بڑی حد تک شایانِ شان ۔

(۶) **تاریخ وطنیت** ۔ از "شیلان" ضخامت ۱۸۲ صفحے ۔ قیمت عہ پتہ :- ادارۂ تجدید علم ، حیدرآباد دکن ۔ محاذ اتحاد اسلامی ، دریا گنج ۔ دہلی

مسئلۂ وطنیت اور اس کی تاریخ پر ایک مفصل ، مبسوط اور خاصہ جامع علمی مقالہ ہے ۔ تمہیدی باب اول کے بعد ، باب دوم و سوم میں اسکی تاریخ ، جدید و قدیم دونوں ، یورپ میں بتائی گئی ہے ۔ باب چہارم مشرق پر ہے ، اور ترکی ، عراق ، شام ، مصر ، ایران وغیرہ اسکے تحتانی عنوانات ہیں ۔ باب پنجم ہندوستان پر ہے ۔ باب ششم و ہفتم تحریک "پان عرب" اور "پان اسلامیت" پر ۔ باب ہشتم مشرق اقصیٰ (چین و جاپان) پر ہے ۔ باب نہم یہود اور قومی وطن پر ۔ باب دہم اقتصادی تاریخ سے متعلق ہے ۔ اور باب یازدہم سیاسی تاریخ کے ۔ آخری باب میں تاریخی مباحث کا انطباق نفس مسئلہ پر ہے ۔ مصنف ماشاء اللہ تمامتر مذہبی رنگ میں ڈوبے ہوے ہیں ، تاہم انکی کتاب کانگریسی و غیر کانگریسی ، لیگی و غیر لیگی ہر خیال کے سیاسی طالب کے دیکھنے کے قابل ہے ——— انکے وسعت مطالعہ اور سنجیدگی فکر کی شہادت کتاب کا ہر ہر صفحہ دے رہا ہے ۔ گو یہ بالکل ضروری نہیں کہ انکا نکالا ہوا ہر نتیجہ بھی کانٹے کی تول بالکل تلا تلایا ہوا ہو ۔ فٹ نوٹس (حواشی ذیلی) میں بہ کثرت حوالے مغربی اہل قلم کے ہیں ۔ لیکن کہیں تو ان حوالوں کی زبان اور رسم الخط اردو ہے ، اور کہیں دونوں انگریزی ۔ اس میں یکسانیت ہونی چاہیے تھی ۔ زیادہ تکلیف دہ اور عجیب بات یہ ہے کہ کتابوں اور مصنفوں کے ناموں کے علاوہ بھی حوالے کے لیے جو رموز انگریزی میں چلے ہوے ہیں ، مصنف نے انھیں بھی اسی طرح انگریزی رسم الخط کے ساتھ اردو میں منتقل کر دیا ہے ۔ مثلاً [illegible] وغیرہا ۔ اس ایک عیب کے سوا ، اور ہر حیثیت سے کتاب قابل قدر ہے ۔

(۷) **سلیس اردو** ۔ مرتبہ انجمن ترقی اردو ۔ حیدرآباد دکن ۔ ضخامت ۲۳۲ صفحے ۔ قیمت ۱۲؍ پتہ :- انجمن ترقی اردو ۔ اردو گھر ، بنجارہ روڈ ۔ حیدرآباد دکن ۔

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے یہ درسی کتاب بالغ مبتدیوں کے لیے تیار کرائی ہے ۔ پہلا حصہ "معلوماتی مضمون" کے زیر عنوان سات مضامین کا مجموعہ ہے ، مختلف حضرات کے قلم سے ۔ "سائنس اور ترقی" از خواجہ غلام السیدین ، "سفر میں اردو" از سجاد مرزا بیگ صاحب ، "انگلستان کا سفر" "روپیہ" وغیرہ ۔ اسکے بعد تین کہانیاں ہیں ۔ اور آخر میں غالب ، انیس ، حالی ، اقبال ، جگر وغیرہ کا منتخب کلام ہے ۔ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور حوصلہ افزائی کی مستحق ۔ پردہ والے مضمون (مضمون نمبر۲) میں تو البتہ جا بجا "تجدد" کی جھلک ہے ، اور "ٹیپ" کی اصطلاح خاص دلکش ہے ۔ عام اردو میں اسکے بجائے "ٹھاٹ" رائج ہے ۔ باقی اور مضامین اچھے ہیں ، اور خود مرتب کتاب جناب نور الحسن صاحب کے قلم کے مضامین تو خصوصیت سے اچھے ہیں ۔ (بقیہ کتب و رسائل و جرائد آئندہ نمبر میں)

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام ، علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ ۔ ۴؍ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی ۔

اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی مشیت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آخری اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت وہ ہے جس کا نظام انہی ترقی اصول اور احکام کی نگرانی سے۔ آپ جس نوعیت کی بھی حکمرانی چاہتے ہیں، بہرحال آپ کو سلطنت اور طاقت کی ضرورت ہے۔

سوال:- وہ سلطنت ہمیں ہند میں کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

جواب:- مسلم لیگ، اسکی تنظیم، اسکی جدوجہد، اسکا رُخ اور اسکی مراد، سب اسی سوال کے جواب ہیں۔

سوال:- جب آپ اسلامی حکومت کو تصور و طریق دونوں میں بہترین اور بہترین حکومت یقین فرماتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لیے مطلوب ہیں کہ وہاں وہ اپنے ذہنی میلانات اور روایات کے تصورات کو مانعت کے بغیر، دیکار اور ترقی دے سکیں تو پھر اس میں کون امر مانع ہے کہ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ مسلم لیگ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر و تشریح کرے۔

جواب:- مذہبی تعبیر کے متعلق ہی کام کی نوعیت، اسکی حقیقی تقسیم عمل اور اسکے اصلی حدود کو سمجھے بغیر ہمارے علما کی ایک جماعت ان خدمات کو صرف چند مولویوں کا ایک اجارہ خیال کرتی ہے۔ باوجود ذہانت و مستعدی کے آپ کے پیرے جذبۂ خدمت کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں پاتی۔ پھر اس منصب کی بجا آوری کے لیے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انکو میں الا ماشاء اللہ ان مولویوں میں نہیں پاتا۔ وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں جانتے۔

(رہبر دکن)

ایک دینی تحریک

الندوہ کے صفحات میں مولانا محمد الیاس صاحب کی تبلیغی تحریک کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ میوات کے علاقہ میں (جو اس تحریک کا مرکز ہے) اسکے جو اصلاحی اثرات ظاہر ہوئے ہیں الندوہ کے ناظرین ان سے بھی بے خبر نہ ہونگے۔ تحریک اتنی نازک اور گہری اور اتنے دقیق اصول اور رعایتوں پر مبنی ہے کہ تحریر سے اسکا تعارف نہیں کرایا جا سکتا۔ البتہ حضرت سید احمد شہید اور مولانا سید اسمٰعیل شہیدؒ کے الفاظ میں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ "سلوک راہِ نبوت ہے"۔

ان تمام لوگوں کے لیے جو دین کا ذوق اور فہم رکھتے ہیں اور اس زمانہ کی ہنگامہ آرائیوں سے کم متاثر ہیں اور جنکے نزدیک طریق نبوت ہی عمل کا صحیح راستہ ہے نیز ان لوگوں کے لیے جو اپنے زمانہ کی دینی بے توفیقی پر حسرت کرتے ہیں، مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ دہلی بستی نظام الدین میں مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور انکے ساتھ کچھ وقت صرف کریں اور میوات میں جا کر تبلیغی کام اور اس کا نظام بھی دیکھیں اور اسکے اثرات ملاحظہ فرمائیں۔ تعجب ہے کہ دلی تاریخ کے آثار قدیمہ، بادشاہوں کی منہدم عمارتیں اور شکستہ مقبرے دیکھنے دور دور سے جاتے ہیں، لیکن قرن اول کے زندہ نمونے اور اسلام کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھنے کا شوق نہیں ہوتا اور اسکے لیے سفر کی زحمت گوارا کرنے والے بہت کم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بڑا حجاب ہے۔ نومبر کی آخری تاریخوں میں میوات کے علاقہ تحصیل نوح (ضلع گوڑگانوہ) میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ ہوا۔ میوات کے علاوہ ملک کے مشاہیر علماء شریک ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی تیرہ آدمیوں کی ایک جماعت نے جو مدرسہ کے طلبہ اور بعض مدرسین پر مشتمل تھی شرکت کی۔ یہ جلسہ اپنی خصوصیتوں کے اعتبار سے بالکل منفرد تھا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں تیس برس سے جلسوں میں شرکت کرتا ہوں، اور اس طویل مدت میں میں نے سیکڑوں جلسے دیکھے لیکن یہ جلسہ اپنی شان کا بالکل نرالا جلسہ ہے میں نے ایسا جلسہ کبھی نہیں دیکھا۔ اس جلسہ میں وہ چیزیں نہ تھیں جو عموماً جلسوں میں ہوا کرتی ہیں اور جو جلسوں کی کامیابی کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کا یہ اجتماع (جس میں بکثرت تیس اور چالیس کوس سے پیدل چل کر آنے والے تھے) کسی جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا۔ جس میں عبادت و ذکر، نمازوں کی پابندی اور نوافل کے ساتھ چستی و مستعدی، جفاکشی و مجاہدہ، سادگی و بے تکلفی، تواضع و خدمت اور اسلامی اخلاق کے نمونے بکثرت دیکھنے میں آتے تھے۔ اور بغیر کسی شوکے اور مبالغہ کے ایک حقیقی دارالاسلام کا نمونہ تھا۔ جلسہ کی کامیابی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے چار چار مہینے کے لیے یوپی وغیرہ میں پیدل چل کر، اپنا خرچ کر کے گاؤں اور قصبوں میں اور جگہ جگہ خدا کا پیغام پہونچانے کا ذمہ لیا۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور انکی کوششوں میں برکت دے۔ ناظرین کو غور کرنا چاہیے کہ ہمارا فرض کیا ہے اور اس کام میں ہم کیا مدد کر سکتے ہیں۔ (رسالہ الندوہ - لکھنؤ)

سر اکبر حیدری

۸۔ جنوری کی شام کو ریڈیو نے، اور ۹ کی صبح کو اخبارات نے خبر سنائی کہ حکومت ہند کے رکن رکین، سر اکبر حیدری ایک مختصر علالت کے بعد اس دنیا سے گزر گئے! دوسرے دن نماز جنازہ کے بعد نعش دہلی سے روانہ ہوئی۔ اسی سیلون میں جس میں بارہا خود سر اکبر سفر کر چکے ہونگے اور جسم، لیڈی حیدری کی تربت کے متصل حیدرآباد میں دفن ہوا۔ إنا لله۔

اعزاز و خطابات سے لدے ہوئے رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری (دکن کے نواب حیدر نواز جنگ بہادر) کون تھے؟ کون انکے کن کن سیاسی، انتظامی کارناموں کو بتائے، اور انکے کن کن عہدوں، مرتبوں، منصبوں کو گنائے؟ کبھی اکاونٹنٹ جنرل تھے، کبھی ہوم سکرٹری ہوگئے۔ پھر جو دیکھا تو فنانس منسٹر، اور دیکھتے ہی دیکھتے صدر اعظم! تیس سال کی زندگی حیدرآباد میں کس اقبالمندی کے ساتھ گزاری۔ عروج تھا کہ ساعت بہ ساعت، لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی رہا۔ اور آخر میں جب حیدرآباد سے چلے، تو حکومت ہند کے ہاتھوں ہاتھ لیے گئے! پریوی کونسلر ہوئے، راونڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک ہوئے، ریاستی ہند اور برطانوی ہند میں ہر جگہ یہی یہ! ——— ڈھلنے والی گھڑی آئی، تو بس اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ چاکر کی طرح خود بھی سو گئے نہ بہتر سے بہتر علاج شفا دے سکا، نہ بہتر سے بہتر نرسنگ ہوم کی تیمارداری! بڑے نیک دل، ذی مروت اور منکسر مزاج تھے اور کسی کو نقصان پہنچانا تو شاید جانتے ہی نہ تھے۔ آج کام آرہے ہونگے نہ وہ عہدے نہ وہ مرتبے، نہ دنیا کی دولتیں، حشمتیں، کام آرہی ہونگی آج وہ نیکیاں اور بھلائیاں جو ہزارہا غریبوں، مفلسوں، بیکسوں، درماندوں، یتیموں کے ساتھ اپنی زندگی میں کر گئے تھے!

مٹ گیا نقش احمد و محمود
رہ گیا لا الٰہ الّا اللہ

ایک آیت پر تازہ روشنی

یونیورسٹی کالج، ٹورنٹو (امریکہ) کے استاد اف، وی، ونیٹ (Winnett) نے حال میں، شام وغیرہ کے بہت سے قدیم کتبات کی تحقیق کرکے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ عرب قبل اسلام میں جو مسیحیت تھی، وہ مسیحیت نہیں بلکہ اسکی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ شکل، نیم مسیحیت نیم جاہلیت تھی۔ اس عہد کی نام نہاد مسیحیت کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:-

"ہمیں جو تصویر نظر آتی ہے وہ مسیحیت اور جاہلیت عرب کی ملی جلی ہوئی ہے۔ مسیح نے قدیم دیوتاؤں کو بے دخل نہیں کیا ہے انکی فہرست میں خود مسیح کا ایک اضافہ ہوگیا ہے۔ شمالی مسیحیت میں بیشک مسیح کا مرتبہ کچھ بلند ہے ..... اور جنوب میں تو انکا مرتبہ اور بھی پست تر ہے۔" آگے ایک اصل اقتباس دے کر جس میں الٰہ کی دوسری دیویوں دیوتاؤں کے درمیان مسیح کا نام لیا گیا ہے "یہ تو صاف و صریح شرک ہے اور اوپر گزر چکا ہے کہ جانور بھی مسیح کے نام بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ ان سے دعائیں اسی طرح کی جاتی تھیں جیسے دوسرے دیوتاؤں سے۔ گویا مسیح کا شمار بھی عرب کی مشرکانہ جاہلیت کے دیوتاؤں میں ہوگیا تھا" (مسلم ورلڈ، نیویارک، اکتوبر [illegible] ص [illegible])

یہ تحقیق اگر صحیح ہے تو اب خوب روشنی میں آجاتی ہیں سورۂ زخرف (پ ۲۵) کی یہ آیتیں (رکوع ۶): وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ۔ مشرکین عرب اپنے گرد و پیش کی مسیحیت کو دیکھ کر قدرۃً قرآن مجید میں حضرت مسیح کے ذکر سے بھڑکتے اور بحث کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ آخر یہ دیوتا (یعنی حضرت مسیح) ہمارے قدیم دیوتاؤں سے کیسے بڑھ گیا، اور محمدؐ کو شان کیا دیتا ہے تو آخر ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑ کر اسکا نام کیوں بار بار لیتے ہیں؟ قرآن نے اسکا یہ جواب دیا کہ یہ تمہاری کیسی کٹ حجتی ہے، اسلام مسیح کو دیوتا کی حیثیت سے پیش ہی کب کر رہا ہے، یہ تو مسیحیوں کا عقیدہ ہے، جو تم اسلام سے سر چپک رہے ہو ——— لیکن بہرحال مسیحیوں کی مثال، کچھ دیکھ کر اور اسلام و مسیحیت دونوں میں مسیح کا نام مشترک پاکر دونوں عقیدوں میں خلط کر دینا بے مغز مشرکوں کے لیے ایک مسلک قدرتی تھا۔ جیسا آج بھی اچھے فاضل پڑھے لکھے ہندو، حضرت مسیح سے متعلق اسلامی اور عیسائی عقیدہ ایک ہی سمجھ رہے ہیں!

صحبت شیخ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ کا قیام پچھلے ستمبر اکتوبر میں بہ سلسلۂ علالت لکھنؤ میں عرصے تک رہا، کبھی کبھی اس نامہ سیاہ کو بھی توفیق دریاباد سے لکھنؤ کا سفر کرکے حاضری کی ملتی رہی۔ باہر کے ایک بزرگ نے، کہ وہ اہل دل بھی ہیں اور صاحب علم و صاحب تصانیف بھی، اور باوجود اسکے بھی کہنا چاہیے کہ گمنام ہی ہیں، فرط شفقت سے اسے توجہ دلائی کہ حاضری کا اہتمام زیادہ رکھنا چاہیے، اور جب کنواں خود اپنی جگہ سے چل کر پیاسے کے پاس آگیا ہے، تو اس سے پورا نفع حاصل کرنا چاہیے۔ جواب میں کچھ معذوریاں اور طول قیام لکھنؤ کی خرابیاں عرض کی گئیں۔ اس جواب کے جواب میں ادھر سے جو کچھ ارشاد ہوا، وہ اس قابل ہے کہ اس میں ناظرین صدق کو بھی شریک کر لیا جائے:

"میرا مقصد یہ نہ تھا کہ آپ کے یہ مبارک اوقات بہترین شغل میں نہ گزرتے ہونگے۔ اسکا تو مجھے خود ہی خیال تھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ حضرت کے اس قرب سے انتفاع کی طرف آپ کی توجہ خاص طور پر مبذول کراؤں۔ اپنے خیال ناقص میں حضرت کا یہ سفر درحقیقت کسی اہم تقریب ہی کے سبب سے ہے۔ اس لیے بہ مقتضائے الطاف والا دل چاہا کہ جناب کی خدمت میں لکھنے کی جرأت کروں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ لکھنؤ دریاباد سے قریب ہونے کے باعث کسی خاص حرج یا دقت کا موجب نہ ہوگا۔ لیکن جناب نے جو وہاں کے قیام کے خصوصی موانع اور کثرت احباب وغیرہ کی بنا پر حرج کا ذکر فرمایا ہے تو یقیناً ہر حرج کار مقصود نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب کا یہ ارشاد

کہ طویل قیام میں اتنے نقصانات کے مقابلہ میں نفع کیا - صرف زیارت اور ملفوظات جو چھپے ہوئے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔" - ابھی تک میری سمجھ میں نہ آیا - میرے نقطۂ خیال سے مقصود تو زیارت اور ملفوظات دونوں نہیں، بلکہ اصل مقصود صحبت ہے - اہل اللہ کی صحبت، اعمال کی پختگی، دین کی صلابت، ایمان کی حرارت وغیرہ میں ایک مستقل حیثیت اور اہمیت رکھتی ہے، جسکی نظیر صحابۂ کرام کا حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہنا ہے - صحبہ اور صحبہ میں گو فرق زمین و آسمان سے بھی زائد کا ہو، لیکن نوع بہرحال ایک ہے - اسکے لیے اہمیت نہ ملفوظات کی ہے نہ خلوت کی - میں اصرار نہیں کرتا - آپ خود ہی اپنے قلب سے استفتاء کریں - حقیقت قلب دلوں تاکہ امتنوں - تفسیر بیان القرآن کے اوصاف جو آپ نے تحریر فرمائے بالکل صحیح ہیں - مجھے بھی بسا اوقات اس کی زیارت کی نوبت آتی رہتی ہے، لیکن اس سے مستفید رہنا تو انتفاع مولانا کے علم سے ہوا - مولانا کی ذات یا قرب سے نہ ہوا - قرب مجلس میں آخر کوئی چیز تو ہے جس کی طرف واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم الخ میں اشارہ ہے، اور حضور اقدسؐ کا اس آیت پر یہ ارشاد کہ الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرنی ان اصبر معھم - اور جب حضورؐ کا یہ عمل چھوٹوں اور نچوں کے ساتھ تو اسکے عکس کو خیال فرمالیں۔"

زمانہ کے شدید فتنوں میں سے ایک فتنہ صحبتِ صالحین سے بے نیازی کا ہے - کتابوں سے اس میں شبہ نہیں کہ معلومات بہت سے حاصل ہو جاتے ہیں لیکن زندہ شخصیت کی تاثیر ہی کچھ اور ہے - پیر پرستی کی منزل سے یقیناً بچنا چاہیے، لیکن بزرگوں کی صحبت سے بے نیازی بھی کچھ کم مہلک نہیں - اور عُجب و نخوت، خود رائی و خود بینی کا بُت تو بغیر اسکے کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں -

سائنس کی شہادت

"ابھی حال ہی کی بات ہے کہ سائنس کے یہ اصناف، بلکہ سائنس بحیثیت مجموعی خود ہی، انسان کا اپنے متعلق جو بلند خیال ہے اُسکے بالکل مخالف معلوم ہوتی تھیں - انسان اس کائنات میں اپنا جو درجہ و مرتبہ سمجھ رہا تھا، سائنس جب دیکھیے تب اس خیال کا جائزہ لیتا، اور انسان کی اس خوش خیالی کو صدمہ ہی پہونچا دیتا" (ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ Scientific Progress ص۱۱)

برطانیہ کے مشہور و معروف سائنس دانِ اعظم سر جیمس جینس (James Jeans) نے کہا، اور کیا غلط کہا - انسان سمجھے ہوئے تھا کہ یہ زمین اپنی جگہ پر ساکن و قائم ہے، اور آفتاب ہے کہ اسکے گرد چکر لگا رہا ہے - سائنس نے اس خیال کو توڑ کر رکھ دیا - انسان سمجھ رہا تھا کہ میں اشرف المخلوقات ہوں، دوسرے حیوانات سب میرے خادم - ڈارون صاحب نے اُنیسویں صدی کے وسط میں سائنس کا نام لے کر کہا کہ یہ سب واہیات - انسان کی نوع بندروں سے الگ کب ہے، بندر ہی تو ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا - وغیرہ وغیرہ - غرض سائنس کی ہر ترقی انسان کی خودداری کو دھکا ہی پہونچاتی چلی جا رہی تھی ——— لیکن اس سائنس دانِ اعظم نے آگے چل کر کہا: -

" لیکن آج میں یہ بتاؤں گا کہ ادھر چند سال سے ہوا کا رُخ بالکل بدل گیا ہے - اور اب ہم اپنا درجہ کائنات میں اُس سے کہیں برتر خیال کرنے کا حق رکھتے ہیں، جتنا دو ایک پشت قبل سمجھ رہے تھے " (ص۱۳)

اور فنی تفصیل و تدقیق میں گُھس کر مقالہ کے خاتمہ پر پھر کہا: ―

" اس صدی کے شروع تک سائنٹفک علوم اس نتیجہ پر پہنچنے پر انسان کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ اپنا درجہ و مرتبہ کائنات میں روئی اور گھٹیا سمجھے - لیکن اب تازہ ترین تحقیقات سے کوئی قطعی رائے ظاہر کرنا تو ابھی مشکل ہے ... تاہم میرا تو یہی خیال ہے کہ ادھر چند سال میں ہوا کا رُخ بدل گیا ہے ... انسان سمجھ رہا تھا کہ حق و باطل، بلندی و پستی کے درمیان میں خود انتخاب کر سکتا ہوں، وکٹوریہ کے عہد کے سائنس نے اس خیال کو جھٹلا دیا تھا ... لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکذیب خود غلط تھی ...... اور انسان کا اپنی خود اختیاری سے متعلق جو خیال تھا وہی صحیح تھا " (ص۳۷ و ۳۸)

کیا ارشاد ہو رہا ہے! سائنس زدہ دماغ جو انسان کی محض مادیت کا قائل، اور روحانیت کا منکر تھا، اور انسان کی حیثیت صرف اشرف الحیوانات کی قرار دے رہا تھا، کیا اب از سر نو قائل ہو رہا ہے اُسکے خلیفۃ اللہ ہونے کا؟ ——— صدیوں تک بھٹکنے کے بعد کیا اب وقت آگیا ہے، کہ سائنس از سر نو کلمہ پڑھ کر تفسیر پڑھنے لگے و لقد کرمنا بنی آدم کی؟ اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی؟

رسول اکرمؐ ہندو نقطۂ نظر سے

عرصہ کی بات ہے، شاید شروع ۱۹۳۱ء کی، کہ صدق کے ایک شذرہ میں تنظیم حضرت رسالتؐ پر رسالۂ زمانہ (کانپور) سے ایک سطری نوٹ نقل ہوا تھا، اور یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اگر عام ہندو قوم بھی ایسی رواداری کے لیے تیار ہو، تو ہندو مسلم مناقشات کی گتھی ایک بڑی حد تک ابھی سلجھی جاتی ہے - اس شذرہ کو پڑھ کر ایک تعلیم یافتہ ہندو دوست کا خط اُسی زمانہ میں موصول ہو گیا تھا - اشاعت کی نوبت آج آ رہی ہے: -

" امر واقعہ ہے کہ ہندوؤں کو رسول مقبولؐ کے مشن کو تسلیم کرنے میں ہرگز کوئی قباحت نہیں ہے - البتہ خاتم النبیین ماننے سے ہم لوگ مذہباً مجبور ہیں - لیکن رسولؐ کا پورا احترام کرنے میں ہمیشہ مستعد ہیں - انکی بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکے قبول و منظور کرنے میں کسی کو کوئی وسوسہ نہیں ہو سکتا ہے - میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرت محمدؐ کے متعلق ایک مختصر رسالہ لکھ کر ایسا شایع کر دیں جس سے اُنکی دنیوی زندگی کا پورا نقشہ سامنے آ جائے، اور اُنکی خاص خاص

کاروانِ نمود!

(جہیز دیکھ کر)

(از جناب ابو الاسرار رمزی اٹاوی مقیم جودھپور)

(۱)

منحمل ہو کر سمٹتا جا رہا ہے آفتاب
نیند سے بوجھل ہو جیسے ناخفتہ کی چشم خواب

سو چلی ہے رفتہ رفتہ شورش دنیائے دوں
جھٹپٹا برسا رہا ہے اپنے جادو کا سکوں

جلوہ گر ہیں کچھ جہیز سے متاع و مال کے
نفس نے پھندے بچھائے ہیں سنہرے جال کے

اک سنہری پر سجا ہے کیرکا با مخمل وقار
ہنس رہی ہے زینت ہستی کی مصنوعی بہار

صف بہ صف رنگین تکیے، پشمین و زرنگار
جیسے رومانی فضاؤں میں ہو پریوں کی قطار

سرو قامت گرم شالیں، کہکشاں گوں ساریاں
جن میں ہیں سلمے ستارے کی خنک چنگاریاں

نازنیں مقیش، دامن میں سنہری جھالریں
جھلملیں ٹانکی ہوں جیسے حلقۂ قندیل میں

نرم گدے، گدگدے قالین خواب آور لحاف
میز، کرسی، کوچ، صوفے ہم نشیں پر لے غلاف

جن میں تصویریں مناظر کی ہیں اور گلکاریاں
بعض میں احوالِ صحرا، بعض میں مرغابیاں

قد آدم آئینہ، اک بھاری بھرکم پاندان
پیکدان، حقہ، سلیپچی عطردان اور مرتبان

مخمل و کمخواب سے زربفت اور اطلس کے تھان
کر رہا ہے تبصرہ ان پر ہر اک بوڑھا جوان

کانچ اور چینی کے ساغر سونے چاندی کے گلاس
تشنگی بجھ جائے ایسا رنگ کا ہے انعکاس

فرش پر آراستہ ہیں شوخ و رخشندہ ظروف
چرخ کے صفحے پہ جیسے چاند تاروں کے حروف

بزم معراجِ فنا کے جگمگاتے شبرات
خوشنما پریوں کی صورت اک لگن میں زیورات

خوبصورت جا نماز اک رحل سے لپٹی ہوئی
ہے برابر بت وہ بھی پائینتی رکھی ہوئی

اک طرف ہے خوشنما جزدان میں قرآن بھی
تاکہ لوگوں کو یقیں ہو "ہیں یہ باایمان بھی"

بہر آرائش جیسے گلدان اور فانوس بھی
رسم کے گندے صنمخانے میں ہیں ناقوس بھی

استری، بجلی کے پنکھے، پاؤں کی سنگر مشین
پھول سے رومال، مفلر، سویٹر، برقعے حسین

سینٹ، پوڈر، ویسلین، عینک، گھڑی، موزے، [illegible]
اک دکاں کھولی گئی ہے حکمِ قدرت کے خلاف

اس اثاثہ کے سوا ہیں ساز و آلاتِ طرب
مرثیہ مذہب کا ہے تفریح ہے جس کا لقب

وائلن، طبلے کی جوڑی بھی، گراموفون بھی
رسم کی چوکھٹ پہ شرم و آبرو کا خون بھی

میں یہ منظر دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا
میری غیرت کا پسینہ اشک بن کر بہہ گیا

(۲)

یہ جہیز ابنائے حرص و آز کی تصویر ہے
جس کا ہر نقشِ جلی اسراف کی تفسیر ہے

خواب کے ذہنی مناظر کا طلسمی سلسلہ
یا مسلسل حسرتوں کا اک جھوٹا قہقہہ

شوق کی گرمی سے بیہودہ جذبوں کا ابال
یا کفِ افسوس پہ آسودہ حالی کا اگال

ایک ناجائز نمائش شفقت و احساں کی ہے۔
برملا توہین گویا دخترِ انساں کی ہے!

---

(۳)

دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اک رنگیلا آدمی — جس کی آنکھوں میں افسردہ شرارِ زندگی
اس کے چہرے سے عیاں ہے غیر آسودہ فراغ — بتکدے میں مشتعل ہو جیسے بے روغن چراغ
قلب تیرہ، ذہن جہل پروردہ دماغ — سر میں شہرت کا جنوں ہے قرض کا سینے میں داغ

داب دولت کا جنازہ مفلسی کے دوش پر
کیوں نہیں گرتی ہے بجلی انکے عقل و ہوش پر

(۴)

اللہ اللہ یہ سجاوٹ، یہ غرورِ رائیگاں؟ — منزلِ فانی میں ان کا یہ مزین کارواں
کس طرح دیتی ہے عبرت دعوتِ ادبار دیکھو! — آنے والی پستیوں کے دور سے آثار دیکھو!
اس بہارستاں میں اب بوئے خزاں پاتا ہوں میں — بطنِ مستقبل میں آسیبِ گراں پاتا ہوں میں
خطرۂ افلاس پوشیدہ یہاں پاتا ہوں میں — روحِ انساں کو شکارِ رہزناں پاتا ہوں میں

دوسروں کو جو دیا کرتے تھے درسِ سادگی
خود انھیں گھیرے ہوئے ہیں ظلمتیں اسراف کی!

سنگار کے زہریلے سامان

سنگار کے جو سامان آجکل رائج ہیں، اور عورتیں کریم اور پوڈر کی قسم کی جو چیزیں استعمال کر رہی ہیں، ان میں شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو جس میں کوئی زہر قاتل شامل نہ ہو۔ ان میں سے بہت سی چیزوں میں سنکھیا جیسا تیز زہر داخل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سنگار کے یہ سب سامان صرف اس لیے استعمال کیے جاتے ہیں کہ صحت کی خرابی کا عیب چھپ جائے، اور چہرے کی زردی یا بے رونقی اور جھریوں پر پردہ پڑ جائے،

لیکن یہ چیزیں زہریلی ہونے کی وجہ سے چہرہ کو سنوارنے کے بجائے جلد کو اذیت پہنچا کر اسے اور بھی اور بھی بگاڑ دیتی ہیں۔ بال اڑانے والا مرکب بالوں کو اس وقت تک دور نہیں کر سکتا جب تک چمڑے کی ایک پرت کو بھی نہ اڑا دے۔ خضاب جو بالوں کو رنگتا ہے، لازمی طور پر سر کی جلد کو بھی نقصان پہونچاتا ہے۔ لبوں کے رنگ کی فراش سے بعض عورتیں لب کے سرطان جیسے تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ رخساروں پر جو پوڈر لگایا جاتا ہے وہ جلد کے مسامات کو بند کر دیتا ہے، اور مسامات کے بند ہو جانے سے بخارات خارج نہیں ہو سکتے اور جلد کے نیچے کی ان روغنی گلٹیوں کا عمل خراب ہو جاتا ہے جو جلد کو نزاکت اور ملاحت بخشتی ہیں، اور اس سے چہرے کی بے رونقی اور جھریوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عورتیں اسی سے بچنے کے لیے پوڈر اور کریم کی پناہ لیتی ہیں۔

چہرے کی شادابی کے لیے ان زہریلی اور نقصان پہونچانے والی چیزوں کے مقابلہ میں یہ تدبیر ہزار درجہ بہتر ہے کہ روزانہ رات کو سوتے وقت بیسن یا کسی لطیف اور ہلکے صابن سے منہ دھو کر خشک کرنے کے بعد دو تین قطرے روغن زیتون یا روغن بادام ملائم ہاتھ سے نرم چہرہ اور گردن پر ملا لیا جائے [illegible]

(بقیہ صفحہ ۴)

اس جدید ماہنامہ کا مقصد اردو زبان کی ترقی اور اچھی کتابوں کی اشاعت ہے، اور اس مقصد کے لحاظ سے یہ پہلا نمبر خاصی حد تک کامیاب ہے۔ کتابوں کا تعارف، تصانیف پر تبصرے اچھے چھپے ہیں، اور بعض مصنفین کا بھی تعارف اچھا ہے — آئندہ نمبر امید ہے کہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہونگے۔ البتہ بعض تبصروں میں "تجدد" اور "روشن خیالی" اور "نئے ادب" کا رنگ اتنا نمایاں ہے کہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ رسالہ کے نگراں سرور صاحب (جامعی) اور نیز نیازی صاحب (جامعی) جیسے اسلامی دل و دماغ کے لوگ اشخاص ہیں۔

(۲) **پیغام صلح** تبلیغ نمبر ۲۲ صفحے۔ قیمت ۲ر پتہ: احمدیہ بلڈنگس لاہور۔ "احمدیوں" کی لاہوری شاخ کا مشہور سہ روزہ ہے۔ سالانہ جلسہ کے موقع پر تبلیغ نمبر اسکا اسی آب و تاب اور انھیں خصوصیات کے ساتھ نکلا ہے جو انکا معمول بندھ چکا ہے۔ کام کی باتیں ہم اہل سنت والجماعت بھی اس سے اخذ کر سکتے ہیں۔ اور اس مختصر سی جماعت کا جوش عمل تو بہرحال اپنے اندر ایک سبق اور بصیرت رکھتا ہے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں مع ترجمہ ۰۰ صفحے۔

اسٹاک ختم کرنے کے لیے قیمت میں غیر معمولی رعایت یعنی صرف ساڑھے چار آنے (۴۰/ر) کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی۔

المشتہر: — محمد نقی خاں۔ قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون ○ اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر۔ عبدالماجد

چندہ۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب۔ (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد پلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی عہ
بیرون ہند سالانہ ...
قیمت فی پرچہ ار

صدق لکھنؤ

نمبر ۳۸ دوشنبہ۔ ۲۲۔ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۹۔ فروری سنہ ۱۹۴۲ء جلد ۷

سچی باتیں

صوبۂ سرحد کی اسلامیت کے چرچے سُن سُن کر اشتیاق اُسکی زیارت کا مدت سے تھا، لیکن نوبت کبھی لاہور تک بھی جانے کی نہ آئی تھی۔ عملی دشواریاں ہمیشہ حائل رہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور کی دعوت نے اب کی کھینچ بُلایا۔ شہر پشاور سے کابل، درغزنی اونٹوں کے قافلے جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ وہ شیرشاہ کی بنائی ہوئی سڑک، ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ تمدن کی یادگار، ابتک قائم و محفوظ ہے۔ اس پر جو قافلے چل رہے تھے، دس دس بارہ بارہ اونٹوں کی قطار، پہاڑی اونٹ قد میں چھوٹے لیکن بال دار، اور گردن کے نیچے کے بال سیاہ رنگ کے، انکے ساتھ کل دو دو چار چار محافظ۔ آزادی، سادگی، بیفکری، بے تکلفی، تندرستی کی تصویر، چوڑے سینے اور اُن پر پشاوری صدریاں۔ کوئی گاتا چلتا چلا جاتا ہے، کوئی گنگنا رہا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مؤثر نظارہ پشاور اور سرحد کے درمیان کے راستہ کا! وہ میلوں کا لمبا چوڑا میدان، بیشمار شہیدوں کا قبرستان، وہ اسکے آگے پہاڑوں کی سنگی دیوار! آج بھی ان راستوں سے گزرنا دشوار، تو اُس وقت تو کیا کیفیت رہی ہوگی؟ ہمارے سلاطین و اجداد، بوڑھے بھی، جوان بھی، صدہا بلکہ ہزارہا تک ہے کتنی تعداد میں انھیں پہاڑوں کو پھاندتے ہوئے، انھیں پتھروں کو چیرتے ہوئے اپنے وطن کی خوشحالی چھوڑ، یہاں آئے۔ ہزاروں یہیں مرگئے، کٹ بچے، کشتہ گئے!

جو بچ گئے، اُنھیں نے اس شرکستان میں سب سے پہلے توحید کی اذان دی۔ اس کفرستان میں سب سے پہلے روشنی پھیلائی۔ سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی۔ اللہ اللہ! کیا ان کا جوش دینی ہوگا، اور کس غضب کی حرارتِ اسلامی! اس اجنبی سرزمین پر کون اُنکا استقبال کرنے والا تھا؟ بجز دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے، اور کس نے اُنکی پیشوائی کی ہوگی؟ کیسی کیسی مصیبتیں جھیل جھیل کر، کس کس طرح اپنی جانوں پر کھیل کھیل کر توحید کا چراغ وہ کفر و شرک کی تیز و تند آندھیوں میں روشن کر پائے ہونگے! اللہ کی بیشمار رحمتیں ان گمنام شہیدوں پر، ان بے نشان غازیوں پر، انکی ہمتوں پر، انکی جرأتوں پر! ——— چشم تصور گھنٹوں انھیں منظروں کا مزہ لیتی رہی۔ دعائیں اُنکے حق میں ہر بُن مو سے نکلتی رہیں! ——— کوئی مناسبت ہم ۸۔ ۱۰ کروڑ کی آبادی اور مطمئن آبادی رکھنے والوں کو اُن چند ہزار پردیسیوں سے ہے؟

اور پھر پشاور کے ختم پر معًا بعد آزاد سرحدی علاقہ! قسمت نے وہاں بھی پہونچا دیا، اور وہاں کے خوش نصیب بسنے والوں کی بھی زیارت کرا دی۔ یہ لاکھوں کی آبادی رکھنے والا، سیکڑوں میل کا لمبا چوڑا علاقہ، "جاہل" "ناخواندہ" "غیر مہذب" "نیم وحشی جرگوں اور قبیلوں کا علاقہ"، اورک زئی اور آفریدیوں کا وطن، بحمد اللہ اس بیسویں صدی میں بھی "صاحب" اور "صاحب زادوں" دونوں کی غلامی سے آزاد ہے۔ یہاں بجلی روشنی یقینًا نہیں، اسپتال اور اسکول بے شبہہ یہاں قدم قدم پر نہیں جبری تعلیم اور کونسل اور اسمبلی کی اصطلاحات سے بے شبہہ یہاں والوں کے کان ناآشنا ہیں۔ لیکن اللہ کی سرزمین کے اس وسیع خطہ میں اب بھی سال پر سال گزر جاتے ہیں، عمروں کی عمریں ختم ہو جاتی ہیں، نہ کوئی واقعہ حرام کاری کا پیش آتا ہے نہ شراب خواری کا۔ بینک یہاں کوئی قائم نہیں، سود لینا دینا

کوئی نہیں جانتا - جُوا یہاں حرام - لاٹری یہاں ممنوع - زمینداروں کے کارندے یہاں رعایا کو نہیں ستاتے، حکومت کے پیادے یہاں انکم ٹیکس اور واٹر ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس وصول کرنے نہیں آتے۔ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کا وجود یہاں والوں کی شرافت و [illegible] پر ایک داغ - ہر گھر بجائے خود ایک مہمان سرا - وکیلوں، بیرسٹروں، مختاروں کے قدوم میمنت لزوم سے ابھی تک یہ سرزمین پاک ہے سینما یہاں کوئی نہیں، تھیئٹر یہاں کوئی نہیں۔ آبکاری کا محکمہ یہاں کوئی نہیں۔ بیسواؤں کی فوج یہاں آباد نہیں - جعلی دستاویزیں بنانے اور ننگی تصویروں کی قدر کرنے کے فن سے یہاں کے لوگ ناآشنا - عورتوں کی طرف مجال نہیں کہ کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے - سب کی زندگی سادہ، سکانات سب کچے مٹی کے - دہی سیمنٹ کا نام دینے والی، ہر بڑا مکان ایک قلعہ، اور ہر قلعہ میں ایک مسجد - ہر متنفس مجاہد اور سپاہی گلے میں کارتوسوں کی پیٹی لباس کا ایک لازمی جزو ---- حجاز اور شام و فلسطین کے مقامات مقدس کا تو ذکر نہیں لیکن یہ آزاد مجاہدوں کی قابل صد رشک سرزمین بھی بجائے خود کچھ کم قابل زیارت نہیں!

میرا وطن بھی خوب ہے تیری فضا کے بعد!

سر سید بہ طور تماشہ کے

حال میں خواجہ احمد عباس صاحب مشہور جرنلسٹ اور فلمی افسانہ نویس جو علیگڈھ کے اولڈ بوائے بھی ہیں، علیگڈھ تشریف لائے - یونین کے ایک جلسہ میں آپ نے اپنی تشریف آوری کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان دنوں "سر سید کی زندگی" کے نام سے ایک فلم تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ اس فلم کے دو حصے ہونگے - پہلا حصہ سرسید کی زندگی، مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے آپ کی جد و جہد، اور مدرسۃ العلوم کے قیام سے متعلق ہوگا - دوسرے حصہ میں یونیورسٹی کی موجودہ زندگی کے مختلف پہلو دکھائے جائیں گے - آپ نے طلبا سے اپیل کی کہ وہ اس فلم کو اپنا فلم سمجھیں اور اسکی تیاری میں مدد دیں۔ امید کی جاتی ہے کہ چار یا پانچ ہفتہ میں فلم مکمل ہو جائیگا اور سب سے پہلے علیگڈھ میں دکھایا جائیگا۔"

(مسلم یونیورسٹی گزٹ)

بیان کسی غیر کا نہیں، خود مسلم یونیورسٹی کے سرکاری جریدہ کا ہے - فلم کی تفصیلات معلوم نہیں، کہ اس میں کس کس قسم کے منظر دکھلائے جائینگے۔ لیکن بالفرض کوئی منظر بیحیائی کا نہ ہو، جب بھی فلم کو اس اسلامی درسگاہ میں داخل کرنا بجائے خود بہت زیادہ قابل غور ہے - وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر انشاء اللہ دونوں شریعت اسلامی کے قوانین کا پورا احترام کرنے والے ہیں، اور کورٹ کے ممبران میں تو مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی جیسے متقی اور مولانا عبد الماجد بدایونی جیسے پرجوش علماء دین شامل ہیں، اور خود یونیورسٹی کے حدود کے اندر ایک مجلس اسلامیات ہے، اور سرکاری شعبۂ دینیات ہے، فلم سازوں نے قانونی نہ سہی کیا اخلاقی ضرورت بھی یونیورسٹی کے حکام اور ادارات متعلقہ سے منظوری حاصل کرنے کی نہیں سمجھی؟ ---- یہ فلم کا فتنہ ہے سخت، اور جس نے انگلی پکڑ لی ہے اسکے لیے پہنچا پکڑ لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہ جاتا!

دعوائے "تجدید" کا استقبال

مولانا مودودی کے آخری پرچۂ ترجمان کے بعد، اور اس سلسلہ میں حسب ذیل تحریریں مختلف اطراف سے موصول ہوئی ہیں:۔

"آپ نے بھی آخر مولانا مودودی کے خلاف اعلان کر ہی دیا۔ الحب فی اللہ و البغض فی اللہ - حاشا کہ ہم لوگوں کو بھی ان سے کوئی پرخاش نہیں، لیکن انھوں نے تو اب علانیہ تجدید کا دعوٰی کر دیا ہے - اسی کا ڈر مدت سے تھا" (ایک مشہور عالم و بزرگ قوم)

"مودودی صاحب تو اب کھل کر آپ کے سامنے آگئے۔ میں تو اب بھی یہی کہونگا کہ "واذا مرّوا باللغو مرّوا کراما" پر عمل کیجیے"

(ایک نامور عالم)

"حیات مودودی پر صدق میں تنقیدی مضامین آرہے ہیں لیکن خود جماعت کے اصول پر ابھی کوئی تنقید نظر سے نہیں گزری - نہ معلوم جماعت کے دو رسالے "دستور جماعت اسلامی" اور "جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع" ملاحظۂ عالی میں آئے یا نہیں۔ دونوں میں بہت گڑبڑ ہے - اگر یہ دونوں رسالے ملاحظۂ عالی میں آئیں تو دستور، ص[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور اجتماع [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ضرور ملاحظہ فرمائیں - یہ وہ مقام ہیں جن پر احقر نے مولانا ... کو توجہ دلائی ہے مع مختصر کلام کے، اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں خلاف شرع و اسلام درج ہیں۔ ملاحظہ فرمانے سے انکی حقیقت معلوم ہوگی"

(ایک عالم دین از اطراف سہارنپور)

انشائے اشرفی

صاحب شعر الہند، مولوی عبد السلام صاحب ندوی اردو کے ایک جانے پہچانے ہوئے صاحب نظر، نقاد اہل قلم ہیں - حال میں کانپور کی جامعہ ادبیہ کے سالانہ جلسہ کے صدر شعبۂ نثر ہوئے تھے۔ اپنے دلچسپ و قابل دید خطبۂ صدارت میں ایک موقع پر لکھتے ہیں:۔

"موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب کا اصلاحی، اخلاقی اور صوفیانہ لٹریچر ہے۔ وہ زبان میں نثر کا نہایت پاکیزہ، سستہ، صحیح اور اسکے ساتھ دلچسپ نمونہ ہے، اس لیے وہ صرف ایک صوفی منش عالم ہی نہیں ہیں، بلکہ اردو علم ادب کے بڑے خدمتگزار بھی ہیں"

یہ شاید سب سے پہلی آواز ہے جو حضرت مولانا تھانوی کی ادبی عظمت کے

محترف میں ملتی ہے۔ اور وہ بھی مولانا کے کسی مسترشد یا معتقد نہیں، بلکہ ایک بے لاگ "غیر جانبدار مبصر" کی زبان سے نکلی ہے۔ مولوی عبدالسلام صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ اُنھوں نے اس جوہر کو پرکھ کر خود اپنی جوہر شناسی کا ثبوت دیا ؎

مادح خورشید مداح خود ست
کیں دو چشمم روشن و نامرمد است!

دل میں یہ بات راقم سطور کے بھی عرصہ سے آرہی تھی، لیکن اسکے اظہار و تبیین کا شرف مولوی عبدالسلام صاحب کی قسمت میں تھا! مولانا کی شخصیت جس طرح طرح طرح کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہے، یوں ہی انکی اُردو تحریروں سے متعلق بھی یہ غلط خیال شہرت پا گیا ہے کہ وہ خشک و مغلق ہوتی ہیں۔ حالانکہ

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا!

جاننے والے جانتے ہیں کہ اُنکی بجز اُن تصانیف کے جو کسی علمی موضوع پر اہل علم ہی کے لیے لکھی گئی ہیں، باقی عام اُردو تحریروں کی زبان صاف، صحیح، سلیس و شستہ ہوتی ہے، اور ایجاز و جامعیت الفاظ اُنکی رعایت تو اس میں اس درجہ ہوتا ہے کہ اُس پر اچھے اچھے لکھنے والوں کو رشک آجاتا ہے ——— وصل صاحب بلگرامی سابق ایڈیٹر مرقع وغیرہ، کہ ان کی ایک عمر ادبی خدمات میں گزری ہے اور مذاق سلیم اُنکا مسلم ہے، اور اب وہ آستانۂ اشرفی پر مقیم ہیں، کیا اچھا ہو اگر وہ اپنی عمر کا باقی حصہ مکتوبات اشرفی، ملفوظات اشرفی و انشاء اشرفی وغیرہ مرتب کرنے کے لیے وقف کر دیں۔

مفلس ہندوستان!

ہالی وڈ مشہور و معروف سینما کے ایکٹر اور ایکٹریس اس فاقہ زدہ دنیا میں کیا کچھ کما رہے ہیں، اسکا اندازہ کچھ آپ کو ہے؟ نہ ہو، تو ۱۹۳۷ء کے اعداد (۱۹۳۹ء کے نہیں جبکہ جنگ خوب زور و شور سے جاری ہے) حسب ذیل ملاحظہ ہوں:-

چارلس لاٹن	۲۹،۰۴۲ پونڈ
کلاڈیٹ کولبرٹ (ایکٹرس)	۲۷،۵۱۹ 〃
الابن فے (ایکٹرس)	۳۵،۶۲ 〃
ڈگلس فیئربینک	۴۰،۴۲۹ 〃
بنگ کراسبائی	۶۲،۵۰۰ 〃
جیمس کیگنی	۹۲،۰۵۲ 〃
گیری کوپر	۱،۱۱۸،۵۱۶ 〃

([illegible])

آمدنیوں کے اعداد سب پاؤنڈ کے طلائی سکہ میں ہیں، انھیں سوا تیرہ سے ضرب دیجیے، جب جا کر کہیں جا کر حجازی کے چکتے ہوئے روپئے ہاتھ لگنگے! ——— گویا ان "خوش نصیبوں" کی صف میں جو سب سے ہیٹا ہے، اُسکی بھی آمدنی تقریباً ۴ لاکھ روپیہ سالانہ کی ہے، اور جو اونچے ہیں، وہ تو پندرہ پندرہ لاکھ سالانہ کی جائداد کے مالک ہیں!

چھوڑیے ان ہوشربا اعداد کو، کہ یہ ذکر ایسے ملک کا تھا، جس کے اوپر دولت گویا آسمان سے برستی رہتی ہے۔ اب غریب بمفلس ملک ہندستان کی طرف آئیے، جہاں کا اوسط آمدنی فی کس ——— جانے دیجیے اس ذکر کو۔ خواہ مخواہ طبیعت بدمزہ کرنے سے کیا حاصل؟ ——— ہاں تو اپنے غریب و غربت زدہ ملک کے کچھ اعداد سن لیجیے:-

ایک مشہور فلم ایکٹر کی سالانہ آمدنی		۱۸،۰۰۰	روپیہ
دوسرے	〃 〃	۱۸،۰۰۰	〃
تیسرے	〃 〃	۳۶،۰۰۰	〃
چوتھے	〃 〃	۴۰،۰۰۰	〃
پانچویں	〃 〃	۴۵،۰۰۰	〃
ایک مشہور فلم ساز کی	〃	۱،۰۰،۰۰۰	〃
دوسرے	〃 〃	۵،۰۰،۰۰۰	〃

مشہور ایکٹرسوں کی آمدنیاں ۱۵ ہزار اور ۱۸ ہزار سالانہ سے لیکر ۳۰ ہزار تک ہیں۔ بلکہ ایک کی تو ۳۶ ہزار تک پہونچ چکی ہے! اور سینما کے ڈائرکٹروں کی آمدنیاں ۱۵ ہزار سے لیکر ۴۵ ہزار سالانہ تک ہیں! ——— یہ ہے غریب، مفلس، فاقہ کش ہندوستان!

جنگ کا کرم

"ہندوستان میں ریلوں کی سب سے پہلی اور بڑی ضرورت فوجی سامان کی نقل و حرکت کے لیے ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ سفر کے لیے حمل و نقل کے قدیم ذرائع مثلاً اونٹ گاڑی اور دیسی کشتیاں استعمال کی جائیں"۔

صوبہ سندھ کے گورنر صاحب نے سکھر ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایڈریس کے جواب میں ارشاد فرمایا! ——— سچ کہا جس نے کہا کہ دنیا میں کوئی شر آمیزش خیر سے خالی نہیں۔ ابھی چند روز پیشتر کوئی خیال بھی کر سکتا تھا، کہ ریل کے بجائے ہم کو ترغیب اونٹ گاڑی کی دی جائیگی! اور یہ ترغیب دلانے والے کوئی دقیانوسی مولوی مُلّا نہیں، خود "صاحب" ہونگے، اور صاحبوں میں بھی لاٹ صاحب بہادر! ——— وہی "اونٹ گاڑی" جسکا تصور ہی سب "صاحبوں" اور "صاحب زدوں" کے لیے سرمایۂ صد تمسخر تھا! جنگ اگر چند سال اور قائم رہ گئی، تو دیکھنا ہے کہ متجددوں کو اپنے کیسے کیسے زبردست مورچے چھوڑنے پڑتے ہیں!

پشاور

پشاور کی زیارت کا پہلی بار اتفاق ہوا۔ لکھنؤ سے میل پر بھی پشاور کا سفر ۳۰ گھنٹے کا ہے۔ یہ اُکتا دینے والی مدت ہے، لیکن لاہور اسٹیشن اور پھر اسکے بعد کے اسٹیشنوں پر محبت سے ملنے والوں نے بڑی حد تک دشواریوں کو آسانیوں میں بدل دیا۔ اور ان ملنے والوں میں بعض ایسے بھی تھے، جن سے کوئی سابق شناسائی کسی قسم کی بھی نہ تھی۔ اور خاص پشاور میں تو اسلامیہ کالج کے ناظم دینیات اور میرے میزبان اور داعی مولوی نور الحق صاحب ندوی نے تو پردیس کو وطن ہی بنا دیا تھا۔ مجلس اسلامیات کے سکریٹری محمد اسحٰق سرحدی، ماشاء اللہ ہر طرح صالح و سعید نوجوان ہیں۔ اُنھوں نے خاص عزیزانہ مہمانداری کی۔ حافظ محمد عثمان صاحب (اُستاد ریاضی) اور کالج کے بعض دوسرے اساتذہ نے

بھی اپنے لطف و کرم سے ممنون کیا۔ شہر پشاور اسلامیہ کالج سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں صاحبزادہ فضل صمدانی صاحب کا کتبخانہ ایک نادر چیز ہے اور بجائے خود اس قابل ہے کہ اہل علم اسی کی زیارت کے لیے سفر کریں۔ صاحبزادہ صاحب خود بھی ایک صالح و متقی بزرگ نظر آئے۔ شہر میں یہاں کے مشہور قومی کارکن مولوی حکیم عبدالجلیل ندوی اور اُنکے بھائی صاحبان اخلاق و مدارات کے پتلے ہیں۔ اسمبلی کے اسپیکر ملک خدا بخش صاحب جو شام کے جلسہ کے صدر بھی تھے، اور سیرۃ کمیٹی کے کارکن ارشد صاحب اور وزرا صاحب نے اپنی وسعت اخلاق سے دل کو موہ لیا۔ اب تک سنتے ہوئے تھے تو پشاوریوں اور سرحدیوں کی شان جلالی سے متعلق تھے، مشاہدہ اور ذاتی تجربہ تو انکی شان جمالی کا ہوا۔ اور "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"!

لاہور پشاور سے ایکسپریس ۱۳-۱۴ گھنٹے کے بعد قیام لاہور میں بھی رہا۔ خواجہ عبدالواحد صاحب (سکریٹری ادارۂ معارف اسلامیہ) نے پروگرام اس طرح مرتب کر دیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں بہت کچھ دیکھ لیا اور بہت سے کرم فرماؤں سے ملاقات ہو گئی۔ اور اپنا تو سارا وقت ہی اُنھوں نے صبح تڑکے سے ایک رات تک مسافر نوازی ہی کے لیے وقف رکھا تھا۔ نیز تاج کمپنی کے منیجنگ ڈائرکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ تاج کمپنی کے کاروبار کا پھیلاؤ، انگریزی کارخانوں کی سی صفائی، نفاست، سلیقہ مندی دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں، اور شیخ صاحب کی خاطر داریاں تو لاہو بتلائے دیتے ہی تھیں۔ مذاکرے تجربہ کے بعد اُنکا کاروباری اخلاق، اُنکے شخصی اخلاق کا ہم وزن ثابت ہو۔ شیخ محمد اشرف صاحب مشہور انگریزی ناشر نے بھی بار بار سرافراز فرمایا۔ اللہ اُنکے کاروبار میں برکت عطا فرمائے، مسلمانوں کے ہاتھوں میں انگریزی کتابوں کا کام ہے ہی کہاں۔ ڈاکٹر برکت علی قریشی (وائس پرنسپل اسلامیہ کالج) کی مسافر نوازی کا شکریہ بغیر کسی سابق تعلق کے، دوپہر کے کھانے پر مدعو کر دیا۔ اور وہیں مولانا داؤد غزنوی، مولانا مودودی وغیرہم سے بھی ملاقات کا لطف رہا۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب (پروفیسر گورنمنٹ کالج) سے ملاقات گو مختصر رہی، لیکن اُنکی طرف گرویدگی پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ مولانا احمد علی صاحب (انجمن خدام الدین) سے عقیدت پہلے ہی سے تھی، شرف زیارت ابکی حاصل ہوا، آثار رشد و تقویٰ چہرہ سے بالکل عیاں ہیں۔ ملک حسیب احمد (ریڈیو پروگرام ڈائرکٹر) حفیظ ہوشیارپوری، اختر علی خاں کی محبت آمیز باتیں عرصہ تک یاد رہینگی۔ اقبالؒ کے ندیم خاص چودھری محمد حسین ایم اے اپنی خوبیوں کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ نظر آئے۔ شاہی مسجد کی زیارت، مسجد مبارک، اور حضرت ہجویریؒ کی زیارت، اور سب سے بڑھ کر موثر مزار اقبال کی زیارت رہی۔ جی میں بے اختیار آتا تھا کہ اس مرد مومن کی تربت سے لپٹ جائیے، چیخ چیخ کر روئیے اور روکر تسکین لحد کو پرسے دیتے جائیے۔ اللہ کی بیشمار رحمتیں نازل ہوں دو حاضر کے اس معلم اعظم پر! مولوی محمد علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ) کی بھی گفتگو حسن ملاقات سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ مولانا ظفر علیخاں مرحوم، مالک "متین" مدیر نیازی صاحب، غلام رسول خاں صاحب

دین و سیاست

(از مولانا ابوالحسن علی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

بہرحال جو دین یورپ میں ضروری طور پر آیا تھا، ترکی میں غیر ضروری طور پر سے آگیا۔ ۱۹۱۹ء کے انتخابات میں تو علم دین سے واقفیت رکھنے والے کچھ لوگ منتخب ہو گئے تھے اور ان لوگوں نے تین سال تک قومی مجلس عالیہ میں دوسرے نمایندوں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا، مگر ۱۹۲۳ء کے انتخاب میں یہ لوگ میدان سے ہٹا دیے گئے اور پوری اسمبلی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جو اسلام کو کچھ بھی جانتا ہو، اس کے بعد راستہ صاف تھا۔ ۱۹۲۴ء میں سیاست اور مذہب کی تفریق پایۂ تکمیل کو پہونچا دی گئی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ توڑ دیا گیا، اور امور مذہبی کا محکمہ وزیر اعظم کی ماتحتی میں دیدیا گیا۔ وزارت اوقاف توڑ دی گئی اور اسکا کام وزارت مالیات کے سپرد کر دیا گیا۔ جو مدارس مذہبی وزارت اوقاف کے ماتحت تھے وہ بند کر دیے گئے۔ ۱۹۲۵ء سے انتہا پسند عنصر غالب آگیا۔ اُس نے تغیرات (تجدد پسندوں کی زبان میں "اصلاحات") کو سختی سے جاری کیا۔ ۱۹۲۶ء میں اسلامی قانون ترکوں کی زندگی کے ہر شعبہ سے خارج کر دیا گیا۔ تجارتی قانون جرمنی سے لیا گیا، فوجداری قانون اٹلی سے، اور دیوانی قانون سوئزرلینڈ سے۔ اب ترکوں کی وراثت تک شرعی طریقہ سے تقسیم نہیں ہوتی، اور انکا نکاح اور طلاق تک شریعت کی پابندی سے آزاد ہے۔ گویا کفار کی حکومت کے ماتحت جس حد تک شرع اسلامی کا نفاذ ہم ہندی غلاموں کی زندگی میں ہوتا ہے، "آزاد" ترکوں کی زندگی میں اتنا بھی نہیں ہوتا۔ ۱۹۲۸ء میں ایک قدم اور بڑھایا گیا، عربی رسم الخط موقوف کر کے ترکی زبان کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا گیا تاکہ ترکوں کا رشتہ اُس تہذیب، اُن خیالات، اُس لٹریچر اور اُس ماضی سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے جس کا تعلق عربی رسم الخط کے ساتھ ہے۔ اسکے ساتھ اذان ترکی زبان میں جاری کی گئی اور کوشش کی گئی کہ نماز بھی ترکی ہی میں ادا کی جائے۔ یہ یورپ کی تاریخ کا سبق تھا جو ترکی میں دوہرایا گیا۔ جس طرح لوتھر کی تحریک کے بعد ہر قوم نے اپنا قومی چرچ الگ بنانا شروع کر دیا تھا اسی طرح ان نادان انقلابیوں نے چاہا کہ ترکی قوم بھی اپنا مذہب الگ بنا لے۔

خالدہ خانم اگرچہ خود بھی کچھ بہت صحیح الخیال مسلمہ نہیں ہیں تاہم مذہب و ریاست کی اس تفریق کے متعلق اُنکی یہ رائے قابل ملاحظہ ہے:-

"اس قانون پر کھلا ہوا اعتراض یہ ہے کہ اس نے ریاست کو مذہب کے سیاسی اثر سے آزاد کر دیا مگر مذہب کو ریاست کے سیاسی اثرات کا پابند بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ ابتدا میں مذہب و ریاست کی تفریق کے حامی تھے اُنھیں یہ امید تھی کہ مذہب آزاد ہو جائیگا، اُس میں خالص روحانیت کی شان پیدا ہو جائیگی اور وہ پہلے کی طرح لوگوں کی اخلاقی تعلیم و تہذیب کا کام انجام دیگا۔ اگرچہ نئے قانون کی رو سے ترکی میں عیسائی اور یہودی تو اپنے

مذہبی امور میں بالکل آزاد ہیں اور سلطانوں کا مذہب حکومت کا دست نگر ہے۔"

اب ان حرکتوں سے کون سمجھے کہ تم نے یہ حرکات کر کے کسقدر سخت نادانی کا ثبوت دیا ہے۔ تم نے صرف یہی نہیں ثابت کیا کہ تمہارے رہنماؤں میں کوئی قرآن اور سنت کا جاننے والا نہ تھا بلکہ یہ بھی ثابت کیا کہ تم میں کوئی یورپ کی تاریخ کو سمجھنے والا اور کوئی واقعات کے اندر حقیقی اسباب و علل کو دیکھنے والا بھی نہ تھا۔ تم میں کوئی اتنی سی بات سمجھنے والا بھی نہ تھا کہ یورپ نے تجربے سے جس مذہب کو انتظام دنیا کے ناقابل پایا وہ مسیحی مذہب تھا، نہ کہ وہ مذہب جس نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی قیادت میں دنیا کا بہترین نظام حکومت چلا کر دکھا دیا، تم میں کوئی دنیا کی تاریخ سے اور یورپ کی جدید ترین تاریخ سے اتنا سبق حاصل کرنے والا بھی نہ تھا کہ اخلاق و دیانت سے سیاست کا رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد صرف شیطنت، درندگی اور حیوانیت ہی باقی رہ جاتی ہے، جیسا کہ شاعر حکیم اقبال نے کہا ہے،

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

عورت کی فطرت

[تہذیبی خواتین کانفرنس (حیدرآباد) کے اس مطالبہ پر، کہ خواتین بھی مجلس بلدیہ کی رکن نامزد ہوا کریں، معاصر "رہبر دکن" کا تبصرہ]

... بلاشبہ ہماری تعلیم یافتہ خواتین کا قوم کی صحت و آرام، اور شہر کی صفائی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلکہ بغیر ان کے ان ضروری اور بنیادی امور کا تصور مشکل سے کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کی صورت یہ نہ ہونی چاہیے کہ خواتین گھروں کو چھوڑ کر ملکی اداروں میں بیٹھنے لگیں۔ عورتیں اپنے گھروں کو صاف رکھیں تو شہر کی صفائی کا کام پورا ہو جاتا ہے اور اہل بلدیہ کو صرف سڑکیں اور گلی کوچے ہی صاف کرنے میں زیادہ محنت نہیں اٹھانی پڑتی جتنی اب پڑ رہی ہے۔ اہل خاندان کی صحت کو وہ درست رکھیں تو بلدیہ کو اتنے شفاخانے اور بیمارخانے کھولنے نہ پڑیں گے جتنے اب پڑ رہے ہیں، اگر وہ اپنے گھروں میں اپنی پوری توجہ کے ساتھ بچوں کی پرورش کرینگی اور ان کی اچھی اٹھان کی ضمانت کر دینگی تو ملک کو ایک طاقتور اور تندرست، خوش اخلاق اور مضبوط کردار قوم ملیگی جس کی عمرانی ترقیوں کو کوئی روکنا چاہے بھی تو نہیں روک سکیگا۔

لیکن اگر ہماری خواتین مغربی تحریک نسواں کے تحت گھروں سے نکل کر باہر کے اداروں کو چلانے کی کوشش کرینگی تو وہ اپنے آپ پر بھی ظلم کرینگی اور پوری قوم پر بھی۔ انکی خلقت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر انھیں کاموں کو وہ اپنے گھروں میں انجام دیں تو پوری قوم کے لیے وہ بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں لیکن اگر وہ انھیں کو گھر سے باہر انجام دینا چاہیں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ رکن بلدیہ کی حیثیت سے شہر کی گلی کوچوں کی صفائی پر غور کرنے لگیں تو گھر کی صفائی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ اطفال خانوں میں وہ دوسروں کے بچوں کی دیکھ بھال اور بیمارخانوں میں مریض نوع انسانی کی ہمدردی کرتی پھریں تو انکے اپنے بچوں کی نعمت ہی سے محروم رہیں گے یا پھر طفیلی سے کچھ متعدد اولادیں ہوئی بھی تو انکی شخصی توجہ سے بہت دور رہیگی اور گھر کے بیماروں کا کوئی پرسان حال نہ رہے گا!

نہیں معلوم خواتین اپنی فطرت کو کب سمجھینگی۔ انسانی حیثیت سے وہ بلاشبہ مردوں ہی کی طرح ہیں، مگر انکی تشکیل علمائے حیاتیات و عضویات و نفسیات کی بموجب محض بقائے نسل کے لیے ہے۔ انکا یہ فطری فریضہ اور اس فریضہ کی ادائی کے مناسب ساخت انھیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ گھر سے باہر کے کاموں میں حصہ لیں اور اپنے آپ کو قوم کے لیے مفید بنا سکیں۔ گھر کے دائرۂ عمل سے قدم باہر رکھ کر وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ مردوں کو بھی بیکار کر دیتی ہیں۔ علمائے تاریخ تمدن کے پاس ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قوم کی عورتوں نے اپنے دائرۂ عمل کو چھوڑ کر کبھی بھی مردوں کے دائرۂ عمل میں قدم رکھا ہے وہ شباب اس قوم کے آغاز انحطاط کا زمانہ تھا۔ بابلی و نینوائی، یونانی و رومانی، ایرانی و ہندوستانی تمدنوں کے انحطاط کے آغاز میں یہی ہوا ہے۔ ایسی ہی تحریکیں بروئے کار آ چکی ہیں جیسی کہ مغرب کی یہ تحریک نسواں ہے جسکی اب ہم تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ اور مغرب کے حالات کا جائزہ لیکر کون نہیں قیاس کر سکتا کہ یہ اسکے دور انحطاط کا آغاز ہے؟ خواتین کے گھر سے باہر آنے سے ایک یہی نہیں ہوتا کہ گھر بگڑ جاتے، پیدائش اولاد لاپروائی ہونے لگتی، اور گھروں سے باہر نکلنے والی قوم ضعیف و ناتواں ہوتی ہے، بلکہ معاشرت میں کثرت برائیاں داخل ہو جاتی ہیں، معاشرہ بعض بہت ہی سخت قسم کے امراض سے بھر جاتا ہے۔ جن سے آئندہ نسلیں ضعیف دماغ اور کمزور قوائے والی ہونے لگتی ہیں۔ خواتین کے دل سے محبت مادری اتنی دور ہو جاتی ہے کہ طفل کشی کی وارداتیں انھیں کے ہاتھوں ہونے لگتی ہیں! مختصر یہ کہ فطرتیں مسخ ہو جاتی ہیں۔ یہ باتیں ہم من گڑھت نہیں کہہ رہے ہیں، مصنفات کے کثرت مغربی علما ہی نے جن میں موجودہ روسی اشتراکیت کے پیرو بھی شامل ہیں، اعداد و شمار کے ذریعہ سے یہ چیزیں دکھائی گئی ہیں۔ کاش ہماری تعلیم یافتہ خواتین یہ کتابیں پڑھیں (اور کتابوں کے نام اور پتے معلوم کرنا ہو تو ہم سے دریافت فرمائیں)۔ اور اگر بہرنوع انکی نیت فی الحقیقت کچھ اچھا کام ہی کرنا ہے تو موجودہ تحریک نسواں کی خرابیوں کو پیش نظر رکھے بغیر اسکو نہ اختیار کریں۔ یہ ایک مصیبت خود انکے لیے بھی ہے اور نوع انسانی اور اسکے منظم ارتقا کے لیے بھی۔ موجودہ نسوانی تحریک لذت پرست ہے نا پیدار لذتوں کے لیے وہ ملاد رکھیں نوع انسانی نہیں بنی ہے، اور کسی کام کی لذت مقصود بالذات نہیں ہے۔ اگر کھانے میں کوئی لذت ہے تو جسم کی پرورش کے لیے۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر محض لذت کے لیے کھایا جائے تو نقصان پہونچائیگا۔ یہی حال سارا لذتوں کا ہے۔ جو تمدن محض لذتوں کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے اور انکے مقصود ...

سکے قائم ہونے کی صورت میں امت کا مجموعی فرض کفایہ اس منصب کے اقامت
سے پورا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اس منصب کی اقامت کے لیے کئی مدعی سامنے
آجائیں تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ شرعی فرض یہ ہے کہ پہلے کو چھوڑ کر
باقی سب کی نفی کی جائے اسوقت تک کہ پہلے کا وجود خود شریعت کی
حدود کو توڑنے سے یا موت سے نفی کی جائے۔ اب اس موقع پر خوف
خدا کو سامنے رکھیے اور دیکھیے کہ کیا اپنی اپنی سہولت کے ماتحت ایک
فرض کفایہ کو کھلونا بنا کر نئی نئی ٹولیاں قائم کرتے چلے جانا کس طرح
خدا کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہو سکتا ہے یا اسکی نارضگی کا۔

(۴) راقم اپنے متعلق عرض کرے۔ راقم کو جب پہلے پہل ۱۹۳۶ء
اس فرض کفایہ کا احساس ہوا تو نہایت بیتابی سے میں نے چاروں طرف
نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی جماعت ہو تو اس سے تعلق پیدا کر لیا جائے۔
ایسا نہ ہو کہ با جماعت سے تعلق پیدا کیے ہی موت آجائے اور جاہلیت
کی موت مروں۔ چنانچہ اپنی طبیعت سے بہت سا بعد ہونے کے باوجود
میں نے جماعت غرباء اہل حدیث سے صرف اسی خوف کے باعث
فی الجملہ تعلق پیدا کیا۔ اس لیے کہ یہ لوگ پہلے اقامت کرنے والے تھے
لیکن چونکہ اُنکے پھیل کر پوری امت پر حاوی ہو جانے یا امت کے سب
مصالح اجتماعی کو سمجھ کر اُنکی مہیائی میں مصروف ہونے کا بہت زیادہ
امکان نہیں تھا۔ اور چونکہ نئی نئی جماعتیں امارت و خلافت کے مقصد
کے ماتحت اُٹھ رہی ہیں اس لیے میں نے جماعت کے امیر صاحب سے
یہ اجازت چاہی کہ اسوقت پوری امت کے لیے اقامتِ امارت کی ضرورت
ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو راقم وقتاً فوقتاً مختلف جماعتوں کو ایک
یونٹ میں لے آنے کی سعی جاری رکھے۔ چنانچہ امیر موصوف نے
اجازت دیدی۔ آپ نے راقم سے پوچھا ہے کہ تمہارے نزدیک کونسا
طریق صحیح ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ شریعت سے معلوم کر لیا جائے کہ کس
چیز کی کیا حیثیت ہے اور کیا حدود ہیں۔ اور پھر اپنی ذات کو پوری طرح
ایک طرف کرکے اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ شریعت کیا کہتی ہے وہ راقم نے
گزارش کر دیا ہے۔ راقم باوجود اسکے کہ اپنے اعمال و عواطف میں جدید
ترین انسانوں ہی سے ہے اور پھر مولویت کے نظام سے بہت فاصلہ پر
ہونے کے باوجود صرف ایک شرعی فرض کی بجاآوری کے لیے ایک
ایسے مولویانہ طبقہ سے تعلق پیدا کیا کہ جس سے نفس کو کافی مجبور ہونا
پڑا۔ مگر طبیعت آخر طبیعت ہے اور اسے شریعت کے تابع ہونا ہے۔

(۵) راقم نے آپ کو ڈاکٹر خیری کا کیوں حوالہ دیا۔ گزارش یہ ہے
کہ راقم اقامت امارت شرعی کی خواہش رکھنے والوں کے احساس کا
اندازہ کرتے ہوئے اس اندازہ پر پہونچا ہے کہ انھیں اپنے اپنے رجحان
کے ماتحت دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا۔ ایک وہ جو مسئلہ کی ٹھوس شرعی
حیثیت کو برقرار کرنے کیلئے اپنے فرض کے حدود دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ
مولویانہ وضع کے کہلائے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ لوگ جو کسی خاص ذہنی
ساخت کی جدت کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے لیے شرعی نظام کو عالم
میں رائج کرنے کے لیے ساعی ہونے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ ایک
قدرے اسٹیشنری طبقہ ہے اور ایک متحرک۔ مگر دونوں میں سے ایک کو
بھی باطل کہنا دشوار ہے۔ لہذا مفید یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دائروں
کے لیے ایک ایک نقطہ ماسکہ قرار دے کر انھیں اقامتِ خلافت کے
فرض کفایہ کی طرف لایا جائے۔ اور آخر ایک ہی امیر کے ماتحت جمع
کر دیا جائے۔

جدید رجحانات کے لوگوں میں راقم نے تین آدمیوں کا ذکر کیا تھا
مولوی آزاد سبحانی صاحب، ڈاکٹر خیری صاحب اور مسٹر مودودی۔
مولوی آزاد سبحانی سے اسوقت تک فقیر کی متعدد ملاقاتیں ہو چکی ہیں
آج صبح جبکہ وہ کلکتہ میں عید الضحیٰ کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے
ہوئے ہیں فقیر کی اُن سے پھر ملاقات ہوئی۔ فقیر نے اُن سے کہا کہ امارت
کے مسئلہ میں پہلی آواز آپ کی ہے اس لیے آپ کو آگے کرنے اور جو جدید
جدید جماعتیں یوماً فیوماً اس مسئلہ کے لیے بروئے کار آرہی ہیں انھیں
ختم کرنا ضروری ہو رہا ہے۔ اُن نے طویل بات چیت کے بعد صاف
کہدیا کہ میں کسی طرح اسکے لیے اب آگے بڑھنے کی اپنے میں سکت نہیں پاتا۔
اسکے بعد ڈاکٹر خیری صاحب ہیں۔ فقیر نے اُن سے بھی اس مسئلہ پر
گفتگو کی ہے۔ وہ اسکے لیے آمادہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ چند سعادتمند نوجوانوں
کو اُنکے گرد جمع کر دے کہ وہ اُنکی اعانت کر سکیں۔

پانچ نئی تحریکیں

(۱) سیالکوٹ سے "تحریک راشدہ" شروع ہوئی "تاکہ تمدن کی شب
تاریک میں صبح صادق کا طلوع ہو اور شیطان کی اسلام کُش طاقتوں کے مقابل
جذباتِ صادق کی صف آرائی کی جائے" مرکز راشدہ سیالکوٹ سے
پروگرام کے پمفلٹ شایع کیے جا رہے ہیں اور درد مندان اسلام کو بلایا جا
رہا ہے کہ "وہ اخلاص سے رنگین ہوتے ہوئے دل ہاتھوں میں لیے میدان
عمل میں آجائیں"۔

(۲) سیونی سے "سلطنتان اسکیم" عرف نجات ہند کی دعوت دی جا رہی
ہے۔ "اس اسکیم کی کتابیں ۲۰ حصوں میں تیار ہیں اور انکے بعد دیگرے
شایع ہونگی" اور ان میں ثابت کیا جائیگا کہ "نجات ہند کا واحد مدلل اور
مکمل و مستقل علاج سلطنتان اسکیم ہے"۔

(۳) تلے گاؤں دساہرے "تحریک جہاد" کا علم بلند کیا گیا ہے۔ اور
"دستور اساسی تحریک جہاد" مفت بھیجا جا رہا ہے۔ اور نوجوانان امت کو
جو موجودہ انتخابات اور اسمبلیوں کی محدود اور مخدوش سیاست سے بلند
ہو کر خالص مجاہدانہ اسپرٹ میں قوم و ملت کے تحفظ و بقا کے فرائض [illegible] اپنا
فرض اولیں سمجھتے ہیں، دعوت دی گئی ہے کہ وہ دستور اساسی تحریک
جہاد کا مطالعہ کریں۔

(۴) لاہور سے "جماعت اسلامی" کے قیام کی تحریک شروع ہوئی ہے
جسکا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر

بڑھ کر اس کی ذمہ داری ادا کرنے کا عہد کریں انکی ایک الگ جماعت بنائی جائے۔

(۵) راولپنڈی سے ایک تحریک تنظیم شروع ہوئی تھی جسکے بانی ایک دو پمفلٹ چھاپ کر قوم کی بے قدری اور بے ذوقی کا مرثیہ پڑھتے ہوئے اب خاموش ہوگئے ہیں۔

ان تحریکات کا کیا مطلب ؟

جس مسلمان کو دس بیس روپیہ ایک پمفلٹ چھاپنے کے لیے مل جاتے ہیں، وہی ایک نئی تحریک کا بانی بن جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے نماز سب کچھ ہے، دوسرا کہتا ہے کہ جہاد سب کچھ ہے۔ تیسرا کہتا ہے کہ تنظیم سب کچھ ہے حالانکہ نجات نہ صرف نماز میں ہے نہ صرف جہاد میں ہے نہ صرف تنظیم میں ہے بلکہ پورے اسلام میں ہے۔ ہمارے دوستوں کو غور کرنا چاہیے کہ نماز کا الگ، زکوٰۃ الگ، کلمۂ شہادت کا الگ اور جہاد کا الگ پروگرام شروع کرنا، چاہیے یا پورے اسلام کا پروگرام، جس میں یہ سب چیزیں شامل ہیں ؟ (آیا لند)

محمد علیؒ

دسویں برسی کے موقع پر

(از مولانا ظفر علی خاں)

دلکش فضا دہر کی محمد علی سے تھی — رنگینی اس چمن کی محمد علی سے تھی

ذوقِ سلیم جسکے نہ بھولتا نہیں — شیرینی اس سخن کی محمد علی سے تھی

ہیں زندہ جسکے عہد کہن کی روایتیں — رونق اس انجمن کی محمد علی سے تھی

اب تک لگی ہوئی جو کروروں دلوں میں ہے — بیتابی اس لگن کی محمد علی سے تھی

توحید کی رسن نے بتوں کو جکڑ دیا — اور تانت اس رسن کی محمد علی سے تھی

فرزاں کو جس نے مطلع الانوار کر دیا — تابانی اس کرن کی محمد علی سے تھی

سر پر سپید باندھتے ہیں جسکو [illegible] — آرائش اس کفن کی محمد علی سے تھی

اغیار کی گرفت سے امید مخلصی — شیخ اور برہمن کی محمد علی سے تھی

تو ہمیشہ کے اصول کی حرمت کے ساتھ ساتھ — ذلت ہر اک دشمن کی محمد علی سے تھی!

غلط رواداری

ایک زمانہ میں ہندوستان کے اندر اُردو و ہندی کا جھگڑا نہ تھا بلکہ فارسی اور ہندی کا جھگڑا تھا۔ اسے چکانے کے لیے یہ ترکیب ایجاد کی گئی کہ ہندو ہندی سے دستبرداری دے دیں اور مسلمان فارسی سے۔ اور دونوں مل کر مشترک زبان اُردو استعمال کریں۔ اس سمجھوتے پر دونوں قوموں کا عمل درآمد رہا، کیونکہ اُردو دونوں کی مشترک زبان تھی۔

اسکے بعد انگریزی کا دور آیا اور اسکی برکت سے ہندی فارسی کا نہیں، اُردو ہندی کا جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہندوستان کی ملکی زبان ہندی ہے مسلمان کہتے ہیں کہ اُردو! زبان کے بارے میں کمزوری یہیں سے شروع ہوئی۔ کہ مسلمانوں نے ہندی کے مقابلہ پر اُردو کو پیش کر دیا۔ حالانکہ معاہدے کے مطابق مقابلے پر فارسی کو پیش کرنا چاہیے تھا کیونکہ پہلے ہی کی مقابلہ ہندی اور فارسی ہی کا تھا۔ ہندوؤں نے جب اس کمزوری کو محسوس کیا تو وہ اور آگے بڑھے اور مسلمان پیچھے ہٹتے رہے۔ اب حال یہ ہے کہ اگرچہ بعض مسلمان اُردو سے دستبردار نہیں ہوئے ہیں، مگر وہ ہندی کو بھی اُردو کے پہلو بہ پہلو جگہ دینے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ ہندو اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں اور وہ فارسی کو شکست دے کر اب اُردو کو بھی شکست دینا چاہتے ہیں۔

اب ذرا مسلمانوں کی رواداری سے ہندوؤں کی غیر رواداری کا مقابلہ کرو۔ ابوہر میں ہندی ساہتیہ سمیلن کے اجلاس میں الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر جھانے اُردو و ہندی کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اُردو و ہندی میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ محاورات اور اصطلاحات میں، اوزان اور تخیلات میں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ انکا ادب بھی مختلف ہے۔ اور جذبات میں تو انکا بعد المشرقین مسلم ہے"

دوسری طرف شمس العلماء علامہ تاجور کی وہ تقریر بھی ملاحظہ ہو جو لاہور کے ولیٹ اینڈ ہوٹل میں کی گئی ہے۔ شمس العلماء نے فرمایا،

"ہندی اور اُردو میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے"

("ہندوستان ٹائمز" ۲۔ جنوری)

اگر یہ شکست خوردہ ذہنیت بدستور پرورش پاتی رہی تو مسلمانوں کی رواداری اُردو کے حق میں سم قاتل ثابت ہوگی ہندو، ہندی میں سخت ہوتا جا رہا ہے مسلمان کو چاہیے تھا کہ وہ فارسی پر جما رہتا۔ لیکن وہ تو اُردو پر بھی جمنا نہیں چاہتا۔ اور رواداری کی یہ شکل پیدا ہوگئی ہے کہ "اُردو اور ہندی میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے"۔ (زمزم)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ کرم سال آیندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے خریداری منظور نہ ہو تو جلد سے جلد دفتر کو اطلاع دے دیں ورنہ یکم مارچ ۱۹۴۲ء کو وی پی روانہ ہوگا۔ اس صورت میں آپ کا آٹھ آنہ کا زیادہ خرچ بھی ہے اور وی پی کی واپسی کی صورت میں دفتر صدق کا خواہ مخواہ نقصان۔

خریدار ۲۳۹، و ۴۰۰، و ۴۷۶، و ۴۷۹
و ۴۸۲، و ۶۰۲، و ۶۰۳، و ۶۰۶
و ۷۶۲، و ۷۶۷، و ۹۷۱، و ۹۸۳
و ۹۷۵، و ۹۷۷، و ۹۸۱، و ۷۰۶
و ۹۸۹، ۱۰۵۱، ۸۷۵

(مہتمم صدق)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق واقع گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد پیلس ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی ؎

بیرون ہند سے سالانہ

قیمت فی پرچہ ۱؍

صدق
لکھنؤ

نمبر ۔ دوشنبہ ۔ ۲۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۶ ۔ فروری سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

عن عمر ابن الخطاب ان رجلا علیٰ عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اسمہ عبداللہ وکان یلقب حماراً وکان یضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جلدہ فی الشراب فاتی بہ یوماً فامر بہ فجلد فقال رجل من القوم اللہم العنہ ما اکثر ما یؤتی بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تلعنوہ فواللہ ما علمت الا انہ یحب اللہ ورسولہ ۔ (بخاری ۔ کتاب الحدود)

عمرؓ ابن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ایک شخص کا نام عبداللہ تھا، اور وہ حمار کے لقب سے مشہور تھے ۔ اور وہ رسول اللہ صلعم کو ہنسایا کرتے تھے ۔ اور رسول اللہ صلعم انکو شراب نوشی کی علت میں کوڑے مار چکے تھے ۔ وہ ایک دن رسول اللہ صلعم کی خدمت میں (پھر اسی شراب نوشی کے جرم میں) پیش کیے گئے ۔ پس حضور صلعم نے حکم دیا اُن پر (اجراءِ حد کا) اس پر حاضرین میں سے ایک شخص بول اٹھے اے اللہ تیری لعنت اس پر! کتنی دفعہ یہ اسی طرح پیشی میں آچکا ہے! (یعنی کتنی دفعہ اس پر حد جاری ہو چکی ہے اور پھر یہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا!) تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نہیں اس پر لعنت نہ بھیجو، قسم اللہ کی مجھے علم ہے کہ یہ محبت رکھتا ہے اللہ اور اُس کے رسول سے ۔

روایت صحیح ترین کتاب حدیث کی ہے ۔ جرم قانون شریعت کے ایک سنگین جرم کا مجرم ہے ۔ بار بار کا سزا یافتہ اور عادی مجرم ہے ۔ (فتح الباری میں واقدی کے حوالہ سے ہے وکان قد اتی بہ فی الخمر مراراً) ۔ رسول اللہ کے سامنے بار بار پیش ہوتا ہے ۔ آپ کے اصحاب کرام سے بڑھ کر اذیت دینے والی چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس پر جب ایک صحابی (فتح الباری میں واقدی کے حوالہ سے روایت ہے کہ یہ صحابی خود حضرت عمرؓ تھے) قاعدہ کے لحاظ سے بالکل بجا طور پر ٹوکتے، اور بغض فی اللہ کے ماتحت اس مجرم پر اللہ کی لعنت پکار اٹھتے ہیں، تو خود رسول اللہ صلعم اُن صحابی کی تائید و موافقت نہیں کرتے، اُلٹا اُنھیں کو روکتے ہیں، اُنکی تردید کرتے ہیں ۔ اور فرماتے ہیں کہ اس مجرم کے دل میں اللہ اور رسول اللہ کی محبت موجود ہے! یہاں محض زبانی کلمۂ اسلام نہیں، دل میں محبت اللہ اور رسول کی ۔ اور وہ بھی ایک گناہ کبیرہ کے عادی مرتکب کے دل میں! ——— سند اس سے بڑھکر قوی اور نص اس سے زیادہ صریح اور کیا ممکن ہے؟ یہاں تک کہ خود امام بخاریؒ، جیسے فقیہ جس باب کے تحت میں اسے لائے ہیں، خود اُسکا عنوان رکھا ہے، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ ۔ باب اس مضمون میں کہ شرابی کو لعنت کرنا مکروہ ہے اور وہ ملت سے خارج نہیں ہو جاتا ———

عنوان باب کا دوسرا جزو خوب ذہن نشین رہے ۔ انہ لیس بخارج من الملۃ ۔ شراب پینا یقیناً گناہ کبیرہ ہے، قابل تعزیر ہے ۔ مجرم کے لیے دنیا میں سزائیں ہیں، آخرت میں عذاب ہے ۔ لیکن اسکے باوجود مجرم گناہگار ہی رہتا ہے، دائرۂ ملت سے خارج نہیں ہو جاتا ۔ یہی اصل نکتہ ہے ۔ اسی لیے امام بخاری اس حدیث کو لائے ہیں ——— اس حقیقت کو سامنے رکھیے، اس نص کو یاد رکھیے ۔ اور پھر تحریک جدید کے اس فتوے پر غور کیجیے، کہ جو عملی کمزوریوں میں گھرے ہوئے ہیں، جو اعمال کی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں، وہ صرف نام کے مسلمان، اور محض موروثی یا پیدائشی مسلمان ہیں، ورنہ عملاً اُن میں اور نامسلموں میں کوئی فرق ہی نہیں ——— اعمال میں غفلت تساہل کا علاج یقیناً ہونا چاہیے، اعمالِ ناشائستہ کی اصلاح قطعاً ضروری ہے لیکن داغ دھبوں کے دھونے میں اتنا غلو تو بہرحال نہ ہو کہ

دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی!

ایثار کی ایک مثال

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کوئی بڑے سرمایہ دار یا رئیس نہیں۔ ایک اوسط درجہ کے خوشحال آدمی ہیں۔ حیدرآباد میں جب تک رہے، مشاہرہ بھی کچھ ایسا گرانقدر نہ تھا لیکن دُھن بھی عجیب چیز ہے۔ خدمتِ اُردو کے لیے جان و تن تو سالہا سال سے وقف کیے ہوئے تھے، ہماری زبان کے تازہ پرچہ سے یہ معلوم کرکے حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی، کہ اپنا مال بھی اُنھوں نے انجمن ترقی اُردو کی نذر کر دیا ہے۔ اپنی تنخواہ سے جوڑ جوڑ کر ایک اُنھوں نے ۵۳ ہزار کلدار عثمانیہ (تقریباً ۴۷ ہزار سکّۂ انگریزی) کی رقم جمع کی تھی۔ وہ سب کی سب انجمن کے خزانہ میں منتقل کر دی —— اس ایثار کی مثالیں قوم میں اگر نایاب نہیں، تو کمیاب تو یقیناً ہیں۔ اتنی بڑی رقمیں دے ڈالنا بجز والیانِ ریاست کے اور کس کے بس کی بات تھی؟ ملک میں آج دس بیس مثالیں بھی ایسی ہوتیں، تو اُردو کا حال ہی کچھ اور ہوتا۔

فسق کی تبلیغ

"اس زمانہ میں خوش قسمتی سے ناچنے نے بھی پلٹا کھایا ہے، ایسے ایسے قابل لوگ پیدا ہوئے ہیں، جنھوں نے یہ [illegible] کی عزت سے پھر اونچے مرتبے پر پہونچا دیا ہے، اور جگہ جگہ ایسے اسکول جاری کر دیے، جہاں شریف لوگ بھی ناچ گانا سیکھ سکتے ہیں۔ .. ہندو لڑکوں اور لڑکیوں کو اس فن کے سیکھنے میں آسانی تھی، کیونکہ ناچ اُنکے کلچر کا ایک حصہ ہے ..... میں اس فن کے اختیار کرنے میں اپنے والد اور ماموں کی احسان مند ہوں، جنھوں نے اسے اچھی طرح سمجھا، اور ہمیشہ میری مدد کی، نہیں تو آج میری زندگی کچھ اور ہوتی۔"

الفاظ کسی غیر مسلمہ کے نہیں، ایسی کے ہیں جو کم از کم نام سے تو مسلمہ ہے۔ اور ہندوستان کے ایک مشہور غیر مسلم رقاص کے طائفہ میں شریک ہو کر ناچ میں اپنا نام پیدا کر رہی ہے۔ اس سے تقریر "ناچ کے فضائل" پر سرکاری محکمۂ ریڈیو نے اپنے ایک اسٹیشن سے کرائی۔ اور اس پر بھی بس نہ کرکے اسے اپنے پندرہ روزہ جریدہ آواز کے ایک پورے صفحہ پر شائع بھی کرا دیا! —— تقریر کا ابتدائی حصہ آپ سُن چکے، دل پر جبر کرکے آخری حصہ بھی سُن لیجیے:—

"پُرانے زمانہ کے رشی منیوں نے بہت سی خوبصورت کہانیاں لکھی ہیں، جن میں اعلیٰ درجہ کے خیالات ہیں۔ اور انکو ہم اپنے ناچ میں آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ہم کو اسکی کیا فکر کہ لکھنے والا کس فرقہ کا ہے۔ آخرکار ان سب کہانیوں کا نچوڑ یہی ہے، کہ سچائی، انصاف اور بہادری ہمیشہ کمینہ پن، دھوکہ بازی اور مکاری پر فتح پاتی ہے۔ اور ہر طبقہ کا یہی عقیدہ ہے۔ اب وہ **وقت آگیا ہے کہ تہذیب و اخلاق کو ترقی دی جائے۔** ہمارے ملک کے بچے بچے کو اس بات کا فخر ہونا چاہیے کہ وہ ہندوستانی ہے۔

میں خوش ہوں اس بات سے کہ میں نے پُرانے خیال کے خاندان سے ہونے کے باوجود بھی اسٹیج پر ناچنا اختیار کر لیا۔ اگر دوسروں کا حوصلہ بڑھتا ہے اور قومی ثقافت کو ذرا بھی مدد [illegible] میں میری زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔"

جس فقرہ کو جلی کر دیا گیا ہے وہ عبرت کی نظر سے پڑھنے کے قابل ہے۔ یہ بیسویں صدی کا معجزہ ہے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک ذلیل پیشہ رقص ناچنے گانے والی عورت دنیا کو "تہذیب و اخلاق" کی طرف بلا رہی ہے، اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی کلچر میں گم اور ضم ہو جانے کی دعوت دے رہی ہے! تہذیب و اخلاق! ان الفاظ کی مٹی اس قدر پلید کبھی کیوں ہوئی ہوگی —— ریڈیو کوئی خانگی ادارہ نہیں، باضابطہ سرکاری محکمہ ریل، ڈاک، وغیرہ کی طرح کا ہے۔ کیا اس محکمہ کا کام ارباب نشاط کی دلالی رہ گیا ہے؟ اس سرکاری محکمہ کو علانیہ اس تبلیغ کی جرأت ہوئی کیسے؟ ہم نو کروڑ کی تعداد میں اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں درج کرانے والے، مع اپنی مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء اور جمعیۃ احرار، [illegible] اسلام کن کن "اسلامی" جمعیتوں اور اداروں کے یہ سب کچھ بے غیرتی کے ساتھ دیکھ رہے، سُن رہے، برداشت کر رہے ہیں؟
—— بے حسی، پست حالی کا کوئی درجہ اسکے بعد بھی باقی ہے؟

حُرمتِ متعہ

جناب مقتدر علی صاحب خورد مئو سے لکھتے ہیں:—

"ولا تقربوا الزنیٰ، انه کان فاحشۃ وساء سبیلا (بنی اسرائیل ع ۴)
"والذین ھم لفروجھم حافظون، الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العٰدون۔ (مومنون ع ۱)

آیاتِ موصوفہ مکی ہیں، جن سے متعہ کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ اور روایاتِ متعہ جس قدر ہیں سب مدنی ہیں۔ پس انکی نسبت کیا سمجھنا چاہیے؟ میرے نزدیک تو یہ سب روایات غلط اور بے سروپا معلوم ہوتی ہیں۔ اب جناب والا اپنا نظریہ بعد تحقیق و تنقید (نہ کہ سرسری) تحریر فرمائیں، تاکہ مزید تسکین حاصل ہو۔

یہ عرض کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں بڑی بڑی کتابوں اور بڑے بڑے عالموں کے نام سے مرعوب ہونا پسند نہیں کرتا، جب تک روایت مشتبہ کی تشفی بخش جانچ پڑتال نہیں کر لیتا، تسکین نہیں ہوتی۔"

سوال میں کسی قدر خلط ہو گیا ہے۔ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے حرمتِ متعہ کی صحیح تاریخ۔ سو اس میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ حضراتِ محدثین کی اس میں بڑی بڑی بحثیں موجود ہیں۔ اور بعض مفسرین و فقہاء نے بھی ادھر توجہ کی ہے۔ مختلف روایات کے درمیان جمع و تطبیق کی کوششیں علاوہ اکابر سلف کے، حال کے بعض محققین نے اردو میں بھی کی ہیں، چنانچہ مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی مستند سیرتِ نبوی "اصح السیر" میں یہ بحث، دو مختلف موقعوں پر غزوۂ خیبر اور فتح مکہ دونوں کے سلسلہ میں بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ صدق کے صفحات میں نہ اتنی گنجائش، اور نہ مدیر صدق میں اس مباحثہ پر محاکمہ کی اہلیت، اور نہ اتنی جرأت کہ جن ماہرین فن نے اپنی اپنی عمریں تحقیقاتِ احادیث کے لیے وقف کر دیں، اُنکے دفتر تحقیق کو

انکی جانب نہیں ہوا۔ لیکن انکے فہم و عظمت کے لیے یہی بس ہے کہ انکا بتایا ہوا دین وہی ہے جو ٹھیک اللہ اور رسول کا بتایا ہوا دین ہے، عہد کی ہر آمیزش سے پاک، ہر آمیزش سے دور۔ انکے پیش نظر صرف اسلام رہتا ہے، بیسویں صدی کا اسلام نہیں!

ہمارے اور آپ کے دوست مولانا مودودی بدقسمتی سے (یہ بدقسمتی انکی نہیں ملتِ اسلامی کی ہے) اس آخری طبقہ میں شامل نہیں۔ انکا شمار تمام متکلمین کے اسی پچھلے طبقہ میں ہے۔ وہ ذہین ہیں، صاحب نظر ہیں، مطالعہ وسیع رکھتے ہیں، دین کی خدمت اب تک اپنے رنگ میں بہت اچھی کر چکے ہیں۔ بہت اچھے لکھنے والے ہیں۔ قلم میں زور ہے، اثر ہے۔ کوئی دوسرا جانتا ہو یا نہ جانے، یا مان کر بھی نہ ماننا ہو، نہ مانے۔ مگر خود آپ پر تو روشن ہے کہ صدق کتنا زائد مداح و معترف انکی تحریروں کا رہ چکا ہے۔ انکی کتابوں پر بہتر سے بہتر ریویو کیے، انکے مضامین بار بار اور بہ کثرت ان صفحات میں نقل ہوئے۔ جب وہ نسبتاً گمنام تھے، صدق نے خود اپنی کمنامی و بے اثری کے باوجود بھی کتنی زائد کوششیں انھیں روشناس کرنے کی کیں۔ سب سے پہلے انکے نام کے ساتھ "متکلم اسلام" کا لقب شروع کیا۔ اور خود میں ذاتی طور پر انکی تصانیف کا اپنے حلقہ میں جس طرح مبلغ بنا رہا، یہ ساری کیفیت کم از کم آپ سے تو مخفی نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا جوں جوں آگے بڑھتے گئے، اور قدرۃً مقبولیت و پذیرائی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، وہ بہ خلاف علماء راسخین کے، ٹھیٹھ اسلام، اللہ اور رسول والے اسلام سے رفتہ رفتہ ہٹ کر "بیسویں صدی کے اسلام" کی خدمت کی طرف زیادہ مائل ہوتے گئے۔

"بیسویں صدی کا اسلام"! آہ کتنا گمراہ کن، کتنا مغالطہ پرور فقرہ! کتنے اہل قلم اور اہل فکر ان سے قبل، اپنی ساری نیک نیتی اور مخلصانہ عزم کے باوجود، اسی عصری اسلام کے عمیق و مہلک، لیکن خس پوش اور سادہ سے نظر نہ آنے والے غار میں گر چکے تھے! اور اللہ کے محض فضل و کرم اور نری توفیقِ خداوندی کے بجائے اپنے دست و بازو پر اعتماد کر کے، اپنے زورِ قلم و قوتِ انشاء کے سحر میں مبتلا ہو کر، خود بینی اور خود رائی کے شہید ہو چکے تھے! —— امیر علی اور سر سید دونوں اپنے اپنے خیال میں "انیسویں صدی کے اسلام" کی خدمت میں کس جوش، کس انہماک کے ساتھ لگے رہے تھے! ٹھہرنے کے لیے، جمنے کے لیے، نہ انیسویں صدی آئی تھی نہ بیسویں صدی آئی ہے۔ انیسویں صدی کے اس عظیم الشان نظریہ" کو کہ کتاب الٰہی، خدا کا قول Word of God ہے (اس وقت کی اصطلاح میں "قانونِ قدرت") خدا کا فعل، اس لیے قولِ خداوندی و فعلِ خداوندی میں تناقض ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس لیے خوارقِ عادات (یعنی معجزات) تمامتر ناقابلِ یقین ہیں، آج کون پوچھتا ہے؟ آج کہاں اس نظریہ کی پرکاہ کے برابر بھی قدر ہے؟ سر سید کی تفسیر خود ... کون پڑھتا ہے؟ "نیچریت" کا وجود بھی کہیں باقی رہ گیا ہے؟ یہ دور تو پھر بھی پرانا ہو چکا۔ ابھی دو ... سال قبل کا زمانہ یاد کیجیے جمہوریت کا دور دورہ ... نقشہ ... کا تھا۔ ہمارے بڑے بڑے صاحب فکر سیاسی لیڈروں کے ذہن میں یہ سیاسی نظریہ، نظریہ کی حیثیت سے نہیں، ایک مسلم و متعارف حقیقت اولیہ کی حیثیت سے داخل تھا، کہ اسکی نہ کوئی عقلی تردید ہو سکتی ہے، اور نہ کوئی عملی نظام سیاسی اسکے مقابلہ میں دنیا میں لایا جا سکتا ہے۔ ہم آپ سب پورے خلوص اور حسن نیت کے ساتھ، اپنی تحریروں سے، تقریروں سے یہی ثابت کرنے میں لگے رہتے تھے، کہ اسلام کا نظام حکومت تو عین جمہوری یا بہت احتیاط ہوتی تو شورائی تھا۔ قرآن کی آیتیں وشاورہم فی الامر اور وامرہم شوریٰ بینہم اسی مسلک کی تائید میں تھیں ——

صدی کی بحث ابھی کہاں ختم ہونے پائی، ابھی تو آدھی بھی نہیں ہونے پائی، کہ زمانہ نے ایک اور کروٹ لی، اور جمہوریت غرب پر پے در پے شدید حملے دو متضاد سمتوں سے ہونے لگے۔ ایک طرف سے اشتراکیت و اشتمالیت کے، اور دوسری طرف سے آمریت کے!

اے چہ نیں سخت بے تمکیں بود!

اللہ رحمت کرے بیشمار، بھول بھیجا، کہے عارف روم کی روح پر، کتنے پتہ کی بات کہہ دی ہے۔ "پارے چہ بیں" یہی ہے۔ یہی انیسویں صدی کی طرف لپکنا، اور بیسویں صدی کی طرف دوڑنا! —— "تجدد" بیچارہ اس سراب کو آب سمجھ کر اس کی تلاش میں بہت دور آگے نکل گیا۔ اتنا کہ اب اسکی واپسی بھی دشوار۔ اور "تجدید" دراصل اسلام کو تازہ کر کے ابد تک اسلام کہنا، مشکل "تجدید" ابھی اس سے یقیناً بہت پیچھے ہے، اور دین کے بہت سے پہلو سنبھالے ہوئے ہے، لیکن راہ اصلاً ہے وہی، یعنی دنیا کو کسی نہ کسی رنگ میں دین پر مقدم رکھ لیا۔ دونوں میں کم و بیش مشترک یہی چیز ہے۔

تجدید دین سے کہیں خدانخواستہ آپ اسکے حقیقی معنی مراد نہ لے لیں۔ اصل تجدید دین تو یہ ہے کہ دین کے چہرہ پر جو گرد و غبار جم گیا ہو، اسے صاف کر کے دین کا اصلی مکھڑا پھر دنیا کو دکھا دیا جائے۔ دین کو ہر طرح کی بدعات سے، عصری فتنوں سے، پاک صاف کر دیا جائے۔ جیسی کہ کوشش حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے آج سے تین ساڑھے تین سو سال قبل کی تھی۔ تجدید اس مبارک معنی میں تو آج ہر زمان کا عین مطلوب ہونا چاہیے اور ہے۔ اوپر تجدد کے ساتھ جس "تجدید" کا پیوند لگایا گیا، اور جسکو گمراہی بتایا گیا، وہ تو ہمارے مودودی صاحب کی "تجدید" یا اصطلاحاً تجدد ہے ——

اس "تجدید" کی بسم اللہ یوں ہوتی ہے کہ دین، مذہب وغیرہ سب الفاظ فرسودہ ہو چکے ہیں، اس بیسویں صدی کے دماغ انکا سننا چھوڑ چکے، اس لیے اب اسلام کو بطور دین و مذہب کے نہیں، بلکہ بطور "تحریک" movement کے پیش کیا جائے، کہ بیسویں صدی کا دماغ اسکو بہت آسانی سے سمجھ لیتا ہے! حالانکہ یہ چلتی ہوئی اصطلاح (slogan) بیچاری بھی عمر کل اتنی ہی لیکر آئی ہے، جتنی انیسویں صدی میں "نیچر" اور "لاز آف نیچر" لائے تھے! مودودی صاحب کو "جہاد" اور "مجاہد" کے الفاظ بھی ناکافی نظر آ رہے ہیں، اور لفظ "دعوت" کی طرف تو شاید انکا ذہن بھی نہیں گیا۔ بس وہ سارا کام عصر حاضر کے چلتے ہوئے نعروں (slogans) سے لینا چاہتے ہیں!

اوپر تاثر و تعارف کا ذکر ... دوست سلطنت کا اعتراف کر چکا ہوں۔

حاکمیت الٰہی کا صحیح مقام

(از شاہ نذیر احمد صاحب صوفی مقیم بہرہ روی ڈیوڑھی اور سرکس کلکتہ)

ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہے۔ اس کی محبت میں اس کی دیوانگی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ وہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اُس کا مسجود اسی عورت کا تصور ہوتا ہے۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اُسے ورق ورق اور صفحہ صفحہ پر اُسکی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ وہ حج بیت اللہ کو جاتا ہے تو در و دیوار سے اسے اُسی اپنے معشوق کی خوشبو آتی ہے ؎

ہے گل سے مجھ کو اس گلستاں سے ارتباط
تیرا سا ان میں رنگ ہے تیری سی بو تو ہے

اس شخص کے متعلق یہ تو کہا جا سکیگا کہ وہ اپنے جذبۂ عشق میں سچا ہے مگر اسکے جذبۂ عشق کی بدولت واقعات خارجی اپنی حقیقت نفس الامری کو بدل نہیں سکتے۔ وہ وہی رہیں گے جو انھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مسجود واقعی اللہ ہی رہیگا۔ معانیِ قرآن بیان کی گئی ہیں وہ اٹل رہیں گے اور در و دیوار کعبہ سے خوشبو فی الواقع اللہ کے کوچہ کی آئیگی نہ کہ نسوانی معشوق کی۔

موجودہ دور کی اقوام کے عمرانی تسلط و تغلب نے ادھر مسلمانوں کے نزدیک مسئلۂ خلافت سے ابھی سے بھی زیادہ ہی توجہ ہو جانے نے بعض حساس قلوب و اذہان کو اس درجہ متاثر کیا کہ اب انھیں دین کے سارے شعائر و ارکان کا مصداق اور معنی صرف خلافت الٰہی نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی لاتعداد صفات کے جدا جدا معانی و مصادیق تسلیم کرنے کے وہ ان تمام صفات کا مفہوم ایک ہی لینے لگے ہیں اور وہ مفہوم حاکمیت ہے۔ اور اللہ کی سب صفات کی اپنے اپنے محل پر اس کے غیر سے نفی کرنے کے بجائے سب صفات سے صرف صفت حاکمیت کی نفی کرتے ہیں۔ حالانکہ حاکمیت و آمریت و ملوکیت اسکی مستقل صفات ہیں اور اگر غیر اللہ سے ان صفات کی نفی کرنا مقصود ہو تو ان آیات اور اسمائے صفات سے کرنی چاہیئے اس معنی پر دلالت مطابقی کرتے ہیں۔ مثلاً "ان الحکم الا للہ" مثلاً "الا لہ الخلق و الامر" مثلاً "احکم الحاکمین" اور "المالک" بھی اسکی صفات ہیں۔ ان آیات و اسمائے صفات سے تو یقیناً غیر اللہ کی حاکمیت و آمریت و ملوکیت کی نفی ہوتی ہے۔ اب یہ کیوں ضروری قرار دے لیا جائے کہ ہم خود کلمۂ طیبہ کے یہ معنی کریں کہ لا حاکم الا اللہ۔ اس لیے کہ کلمۂ طیبہ ہی نفی الوہیت غیر اللہ کی ہے۔ اور الوہیت کہتے ہیں کہ اسباب ظاہری کی تاثیر کو کامل النفوذ نہ یقین کرتے ہوئے انتہائی وقت احتیاج میں کسی غیر مرئی کامل النفوذ طاقت کی طرف استغاثہ کرنے کو۔ یہ فطرت انسانی بدو تخلیقت سے ہے کہ وہ غایت اضطرار کے وقت اسباب ظاہری کے کامل حلال المشکلات ہونے میں شک کرکے کسی اور مافوق طاقت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مگر اس تعین میں کہ وہ حلال المشکلات قوت کیا ہے اور اسکا صحیح تعین کیا ہے انسان نے عموماً غلطی کی ہے۔ چنانچہ کبھی اُس نے اپنے اپنے ظن و تخمین کے مطابق کبھی اپنے آبا و اجداد کی ارواح کو، کبھی اپنے انبیاء و اولیاء کو اور کہیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو اسکا مصداق قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب غلط تھا۔ وہ ہمہ گیر حلال المشکلات جو اسکا استحقاق رکھتا ہے کہ غایت عجز کے وقت کا یہ استغاثہ اسی کی طرف کیا جائے صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی مفہوم ہے کلمۂ طیبہ کا۔ گویا ہماری اس مرکزی عبودیت کا تعلق اسکے غیر سے کسی طرح جائز نہیں۔ بلکہ ہمیں اسے صرف ذات باری سے متعلق کرنا چاہیئے۔ چنانچہ الالٰہ کے معنی ہی مایولہون الیہ فی الحوائج۔ چنانچہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

گفت معنی لا الٰہ سیبویہ
یولہون فی حوائجہم لدیہ

یعنی سیبویہ نحوی نے الالٰہ کے معنی مایولہون الیہ فی الحوائج کیے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ جذبۂ استغاثہ عبودیت کا بنیادی و مرکزی جذبہ ہے۔ قرآن مجید نے اسکو غیر اللہ سے متعلق کرنے کا ممانعت روا رکھی ہے [illegible] صفات کی غیر اللہ سے نفی بھی [illegible] کی ہے۔ اسلیے [illegible] ہم اس بات پر متیقن ہو جاتے ہیں کہ سب اسباب ظاہری سے نیز وہ مؤثر بلکہ خود اسباب ظاہری کو بھی تاثیر دینے والا صرف ایک اللہ ہی ہے تو اسکے بعد باقی سب صفات کمال کی اللہ کے غیر اللہ سے نفی کرنا آسان بلکہ ایک طبعی امر ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن کریم نے اس پر اس قدر زور دیا ہے کہ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا۔ بہرکیف ہماری گزارش ان عمرانی مفسرین دین سے یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کے مفہوم کو اپنے محل پر رہنے دیں اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو اسکی صفات سے ثابت کرنے کی سعی کریں کہ جن سے دلالت مطابقی سے اسکی یہ صفت ثابت ہوتی ہے اور جنکا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ کلمۂ طیبہ کا یہ معنی [illegible] الدین کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

خط و کتابت و ترسیل چندہ کے اوقات میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔

(بقیہ صفحہ ۹)

کر رہے ہیں!

مجدد بننے کے لیے سب سے پہلی اور سب سے آخری بھی) شرط تقویٰ اور رسوخ فی الدین کی ہے۔ اور اسکے لیے کتب بینی سے مقدم صحبت شیخ ہے۔ "شیخ" اصطلاحی معنی میں نہیں، یعنی رسمی مریدی اور روایتی بیعت کی ضرورت ہرگز نہیں، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک مسلسل، یا متفرق طور پر بار بار استفادہ تو حاضری دے کر، وقت کے کاملین سے، عارفین سے، راسخین سے دینی تصلب اور ایمانی رسوخ حاصل کیا جائے۔ مضمون بیشک "سخت ہمدردی کے قابل ہے وہ مدعی تجدید" جو اپنے کو اس ضرورت سے مستغنی سمجھ لے! دل کے چور، بلا کسی مصلح کی نظر التفات کے، آج تک نہ پکڑے گئے ہیں، نہ آئندہ امید ہے ؎

نہم وخاطر تیز کردن نیست راہ
جز کہ اشکستہ نگیرد دست شاہ!

مودودی صاحب کے خزانۂ عامرہ میں اور سب کچھ ہو ہر دو جہاں، اس "شکستگی" کا قحط ہے۔ اور اگر دل میں کچھ تھوڑے بہت شرارے تواضع و انکسار کے موجود بھی ہیں، تو کم از کم انھیں پبلک میں لانا تو وہ مصالح تحریک کے منافی ہی سمجھتے ہیں، جیسا کہ پچھلے ترجمان سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد!

گر حیا بھی اسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے!

باقی اپنے اس نیاز مند پر جو کرم انھوں نے پچھلے ترجمان میں کیا ہے، ۱۹۴۶ء کے وسط سے ۱۹۵۰ء کے آخر تک، اسکے کچھ جوابات تو صدق میں نکل چکے ہیں، لیکن اصلی سوال، جواب تو ان شاء اللہ میدان حشر ہی میں ہوگا۔ مصنف آپ کا اور انکا یہ نیاز مند ہوگا، اور مولانا کو اپنے لکھے ہوئے ایک ایک فقرہ کو ثابت کرنا ہوگا۔

صوفی نذیر احمد غریب کی جان بھی عجب مصیبت میں ہے۔ وہ پرائیوٹ خط مولانا کو لکھے، تو جواب ملتا ہے کہ اخبار میں لکھو، صدق میں لکھو اور جب وہ صدق میں لکھتا ہے تو مولانا کا قلم آتش رقم خود صدق کی خبر لے ڈالتا ہے! —— سنٹرل فائل اٹھا کر دیکھیے، آپ کو مولانا ہی کا ایک بڑا مراسلہ مع ایڈیٹر نوٹ کے صدق میں چھپا ہوا ملیگا، اور اسکے بعد سے بھی صدق کے صفحات پر ایسے جوابات کے لیے کھلے ہوئے تھے —— جماعت کا لیڈر اور قائد بن جانے کے بعد تو انسان کو خدا معلوم کیا کچھ سننا پڑتا ہے۔ ضرورت قدم قدم پر بڑے ظرف کی، بڑے تحمل کی پڑتی ہے، جہاں یہ حال کہ پہلے ہی امتحان میں چہرہ غصہ سے لال لال!

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق
تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق!

خط نے مضمون کی طوالت اختیار کرلی، اور پھر بھی بات پوری ختم نہ ہوپائی۔ خیر اب اسوقت تو اجازت ہی دیجیے! والسلام۔

(بقیہ صفحہ ۳)

علیگڈھ اور محمد علی

مدیر صدق کی سرخی:—

محمد علی گویا محمود علی کے دلمن میں!

کچھ اس سرخی پر بھی غور فرمایئے کہ "محمد علی کا ہر خط گلا دیتا!" (پیام)

لیکن اس معرکہ طرح پر طبع آزمائی کی گنجائش ہی اب ہم نیاز مندوں کے لیے کہاں باقی رہ گئی ہے؟ مراد آباد کے ایک خوش فکر نے، ایک غزل کہیں زبردست دو غزلہ، سہ غزلہ، کہہ کہہ کر سارے حقوق تصنیف اپنے لیے محفوظ جو کرلیے ہیں!

سرکاری کتاب خانہ (اسٹیٹ لائبریری) رامپور

(۱۰- دسمبر ۱۹۵۱ء کو مدیر صدق نے اپنے حسب ذیل تاثرات کتاب خانۂ مذکور کی کتاب معائنہ پر ثبت کیے)

سچ کہا جس نے رامپور کو پہلی بار "دارالسرور" کہا۔ سرور حسی کے نشان شہر کے چپہ چپہ پر، سرور معنوی کا مرکز کتبخانہ! مدتوں کوئی یہاں رہے اور دل نہ اکتائے، طبیعت اس سدا بہار گلشن سے روز ایک نیا لطف اٹھائے۔

کتاب خانے ہندوستان میں اور بھی اچھے اچھے ہیں۔ لیکن یہ اپنے رنگ میں نرالا، اکثر سے افضل و اعلیٰ "بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"۔ آج پہلی بار نہیں، ۱۹۱۰ء سے لیکر اب تک متعدد بار اسکا استفادہ کیا اور ہر بار یہاں سے کچھ حاصل ہی کرکے گیا۔

مولانا سے روم کے ملفوظات "فیہ ما فیہ" کا قلمی نسخہ سب سے اول اسی کتبخانہ میں نظر سے گزرا۔ اور اسی کی نقل لیکر ہندوستان اور استنبول کے بعض نسخوں سے مقابلہ کرکے اس بے علم نے شائع کیا۔

پہلے بھی یہاں کے کارکن مولوی حافظ احمد علی خاں مرحوم اور مہدی علی خاں مرحوم وغیرہ بڑے مخلص، مستعد و کارگزار رہتے اور اب تو انتظام فرشیوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک "عرشی" کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اب پوچھنا ہی کیا ہے!

بہت بہتر ہو اور کتبخانہ کی حیثیت افادی بہت زائد بڑھ جائے، اگر یہاں کے نوادر وقتاً فوقتاً ایڈٹ ہوکر شائع بھی ہوتے رہیں۔ نوادر سے صرف مخطوطات ہی نہیں، عربی، فارسی، اردو کی پچاسوں قابل قدر کتابیں مطبوعہ ہونے کے باوجود بھی اب نوادر کے حکم میں داخل ہیں، انکی ترتیب، تہذیب، تحشیہ، طبع و اشاعت کا بہترین انتظام رامپور ہی جیسی علم دوست ریاست اور علم و ادب کی قدردان سرکار کرسکتی ہے۔

اسوقت اس عاجز کے فہم ناقص میں سہیلی اندلسی (متوفی ۵۸۱ھ) کی التعریف والاعلام فی ما ابہم فی القرآن من الاسماء والاعلام تو ضرور اس قابل ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کا انتخاب ناظم صاحب کتبخانہ ملک کے دوسرے اہل علم و اہل ذوق کے مشورہ سے کرسکتے ہیں۔ نفع جاری کی یہ بہترین شکل ہوسکتی ہے —— نفع عام بھی اور نفع تام بھی۔ ملک اور بیرون ملک کے ممتاز اور علمی ... بھی اگر کتبخانہ کے کسی حصہ میں بیٹھے ہوئے ملیں تو بے محل نہ ہونگے۔

شوکت حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

سچی باتیں

سمع اسامۃ بن زید یقول بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الحرقۃ فصبحنا القوم فہزمناہم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلا منہم ۔ فلما غشیناہ قال لا الہ الا اللہ، فکف الانصاری فطعنتہ برمحی حتی قتلتہ ۔ فلما قدمنا بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا اسامۃ اقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ؟ قلت کان متعوذا، فما زال یکررہا حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذلک الیوم (بخاری۔ باب بعث النبی اسامۃ الی الحرقات ۔)

اُسامہ بن زید صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو قبیلۂ حرقہ (جن کو حرقہ انھیں لیے کہتے تھے کہ انھوں نے اپنے مخالفین کو جلا جلا کر مار ڈالا تھا) کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ تو صبح کے وقت ہم اُنکے مقابل ہوگئے، اور ہم نے انھیں شکست دیدی۔ اور خود میرا اور میرے ساتھ کے ایک انصاری کا مقابلہ غنیم کے ایک شخص سے ہوگیا۔ جب ہم نے اسے گھیر لیا، تو وہ لگا کہنے لا الہ الا اللہ۔ اس پر وہ انصاری تو رُک گئے۔ لیکن میں نے اپنے نیزہ سے وار کرکے اُسے ختم ہی کردیا۔ پھر جب ہم لوگ (مدینہ) واپس آگئے، تو یہ خبر رسول اللہ صلعم کو پہونچی۔ آپ نے فرمایا کہ اے اسامہ، کیا تو نے اُسے اسکے بعد بھی قتل کردیا، جب وہ کلمۂ لا الہ الا اللہ پڑھ چکا تھا؟ میں نے کہا کہ حضرت اُس نے تو جان بچانے کو یہ کلمہ پڑھ دیا تھا! (دل سے وہ ایمان لایا ہی کب تھا؟)۔ لیکن آپ برابر اسی فقرہ کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں (فرط حسرت وندامت سے اپنے دل میں) یہ کہنے لگا کہ کاش میں مسلمان آج سے قبل نہ ہوا ہوتا! (یعنی آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تو اس شدید معصیت سے بچ گیا ہوتا)۔

واقعہ رمضان سنہ ہجری کا ہے۔ اور ہر مسلمان کے دل کو لرزا دینے کے لیے کافی۔ صحابی نے جو کچھ کیا، ہم ظاہر بینوں کی نظر سے بالکل صحیح کیا تھا۔ ہم میں سے جو ہوتا یہی کرتا۔ یعنی اپنی جان جاتے دیکھ کر مشرک اور دشمن کا، چند مختصر لفظوں کا زبان سے ادا کردینا، ہماری عقلوں کے لحاظ سے، کھلی بات ہے کہ جان ہی بچانے کے لیے تھا۔ لیکن صحابی کا یہ کھلا ہوا عذر بھی اللہ اور رسول کے دربار میں قبول نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلعم بار بار اپنے شدت ملال و ناگواری کا فقرہ دہراتے جاتے ہیں، اور بعض روایتوں میں تو اسکے ساتھ یہ فقرہ بھی ہے

کیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا اتتک یوم القیامۃ؟	جس وقت قیامت کے دن وہ شخص لا الہ الا اللہ کے ساتھ آئیگا، تو تو کیا کریگا، تیرے پاس کیا جواب ہوگا؟

صحابی لرز کر درخواست کرتے ہیں، کہ حضرت اب تو قصور ہو ہی چکا، اب آپ ہی

قال یا رسول اللہ استغفرلی	میری بخشش کی دعا فرمائیں۔

رحمت عالم دعا نہیں فرماتے، بلکہ وہی فقرہ دُہرائے جاتے ہیں، کہ تو کیا کریگا،

قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ فجعل لا یزیدہ علی ذلک ۔	کیا جواب دیگا، جب قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا دعویٰ پیش ہوگا؟

اور روایت کی یہ زیادت تو مشہور چلی آرہی ہے کہ تو نے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم؟ معلوم ہوجاتا کہ اقرار دل سے ہے یا محض زبان سے۔

العظمۃ للہ۔ کیا ٹھکانا ہے کلمۂ توحید کی اہمیت کا، عظمت کا! ——

اور یہ روایت تو صرف ایک نمونہ ہے۔ ورنہ سنن، احادیث و آثار کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں اسی مضمون سے۔

اعمال کی اہمیت یقیناً شریعت میں بہت زائد ہے۔ اور جو لوگ مسلمان کی

زندگی کو اُسکے ہر شعبہ میں اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ بیشک وہ صحیح راستے پر ہیں اور بہت بڑا کام کر رہے ہیں، لیکن درجہ درجہ کا فرق ہے۔ اور دل کی تصدیق اعمال سے بھی اہم تر، اور عقیدہ کی صحت ہر عمل پر مقدم ہے اور اسکی جانچ کا ذریعہ، ایمان و عقیدہ کے علم کا ذریعہ، ہم بندوں کے پاس صرف زبان سے اقرار اور کلمۂ شہادت کا تلفظ ہے۔ کلمۂ شہادت کا مجرد تلفظ، اسلام کے قانون میں کوئی شاعری یا نمائشی حیثیت نہیں رکھتا، اہم ترین چیز ہے۔ بدکار سے بدکار فاسق سے فاسق مسلمان، عمر کی ساری مدت میں ایک بھی نیکی نہ کرنے والا مسلمان، بہر حال مسلمان ہی ہوتا ہے، ہر غیر مسلم سے بدرجہا ممتاز، بدرجہا فائق —— آج جو تحریک "تجدید" یا دعوے سے کر رہی ہے کہ چند بیشی یا سو روپے مسلمان اور غیر مسلم، عملاً، اصلاً، سب ایک سطح پر ہیں، سارا ڈر کی سال ہیں، وہ تلفظ کلمہ کی اہمیت کو بھولے ہوئے ہے، اقرار شہادت کے مرتبہ کو پہچان نہیں رہی ہے۔ اسکی حیثیت خود بس اسلام کے ایک نادان دوست کی ہے —— حسنِ عمل حسنِ کردار کا معیار یقیناً اونچا کیجیے، لیکن کلمہ گوئی کا حق اس سے بھی بڑھ کر پہلے رہے۔ عند اللہ جیسے ایمان کا جو بھی فیصلہ ہو۔ اس عالم اسباب میں بندوں کے ہاتھ میں تو یہی ایک معیار ہے۔

کام کی رفتار

متعدد کے سامنے کرم فرما یہ سن کر یقیناً خوش ہونگے کہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے سلسلہ میں کام کی ایک اور منزل طے ہو گئی۔ یعنی تاج کمپنی نے اب باضابطہ اسکے اشتہار کی اشاعت شروع کر دی ہے۔ پورا اشتہار آٹھ صفحے پر ہے۔ اسکے ایک صفحہ پر اصل کتاب کا نمونہ بھی درج ہے۔ اور ایک صفحہ پر آرڈر فارم ہے۔ قیمت فی پارہ عارضی رکھی ہے۔ اب کمپنی مذکور کے سامنے اس مرحلہ خریداروں کی فراہمی کا ہے۔ جس کثرت اور جس تیزی سے آرڈر آتے رہیں گے، اسی نسبت سے طباعت کے کام میں عجلت اور مستعدی ہوگی۔ اگر معقول تعداد فرمائشوں کی آج وصول ہو جائے تو طباعت آج شروع ہو جائے۔ بہر حال جو حضرات اشتہار اور آرڈر فارم حاصل کرنا چاہیں، وہ براہ راست تاج کمپنی ریلوے روڈ سے طلب فرمائیں۔ فی پارہ عارضی قیمت ممکن ہے کسی کو گراں نظر آئے۔ لیکن اول تو بعض پاروں کی ضخامت ہی زیادہ ہے، دوسرے کاغذ اور جملہ سامان طباعت کے موجودہ نرخ کی گرانی کا کیا ٹھکانا!

ایک آیت کے معنی

معتدد طلبی صاحب خورد رُوسے دریافت کرتے ہیں کہ سورۂ ص، رکوع ۲ میں آیت فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ میں کس چیز کی معافی و مغفرت کی طرف اشارہ ہے؟

سوال آیت کے ایک حصہ سے متعلق ہے۔ وہ آیت ہی جس پورا رکوع حضرت داؤد سے متعلق ہے۔ اور اسکی مفصل تفسیر و طویل تبصرہ پہلے مرحوم کی جلد بابت ۱۹۳۳ء میں نکل چکی ہے۔ مستفسر صاحب کو کیسے وہ پرچے دستیاب ہو جائیں، تو ان شاء اللہ سوالات متعلقہ سے متعلق پوری تشفی ہو جائیگی۔ یہاں مختصراً صرف اتنا کہنے کی گنجائش ہے، کہ داؤد علیہ السلام علاوہ پیغمبر ہونے کے اپنے زمانہ کے بادشاہ اور حاکم اعلیٰ بھی تھے۔ ایک روز بعض اہل معاملہ بہت ہی ناوقت اور ایک خاص ہیئت غیر متعاد کے ساتھ انکے ہاں جا پہنچے۔ قدرۃً آپ کو ناگواری ہوئی، اور ممکن ہے کچھ بے التفاتی کا بھی اظہار ہو گیا ہو۔ معاً بعد آپ کو خیال آیا کہ کہیں یہ میرے ظرف کا امتحان تو نہ تھا (وظن داؤد انما فتناه)۔ اس خیال کے آتے ہی آپ اپنے مالک بے نیاز کے آگے گریۂ انابت لگے اور گڑگڑانے (فاستغفر ربه وخر راكعا و اناب) اور آپ کا وصف قرآن نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ اوّاب تھے، اور اوّاب کے معنی ہیں بار بار رجوع کرنے والا۔ اللہ کی طرف بہت جھکنے والا۔ اسی شان اوّابیت کے تقاضہ سے آپ بالکل ذرا سا لغزش کے محض احتمال لغزش کی بنا پر استغفار میں لگ گئے۔ قرآن میں ذکر یہ نہیں کہ ہم نے اُنھیں آزمائش میں ڈالا۔ ذکر صرف یہ ہے کہ داؤد کو خیال یہ گزرا کہ ہم نے انھیں آزمائش میں ڈالا ہے۔ اسی دعا کے قبول مغفرت میں ملا دیا گیا سکتی ہے (فغفرنا له ذلك) اور محض مغفرت کیسی، انکے لیے تو اپنے پروردگار کے پاس یقیناً قرب کے بڑے بڑے مرتبے اور حسنِ انجام کے بڑے بڑے درجے ہیں (وان له عندنا لزلفى وحسن مآب)۔

جاہلیت کی ایک اور فتح

"الہ آباد، ۱۱ فروری، بالکل اسکول و انٹرمیڈیٹ بورڈ یوپی نے اپنی نصاب کمیٹی کی تجویز کو منظور کر لیا اور اسے تسلیم کر لیا کہ اب سے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں لڑکوں کے لیے بھی موسیقی بطور ایک اضافی اختیاری مضمون کے رہا کریگا۔" (خبر)

اس دو سطری اور بظاہر بالکل معصوم بے ضرر خبر کا مفہوم آپ سمجھے؟ مراد یہ ہے کہ اب تک امتحان میں اب تک جس طرح اردو، ہندی، فارسی، عربی، تاریخ، حساب وغیرہ اختیاری مضمون ہوتے تھے، اور آپ کے لڑکے اُن میں سے کوئی ایک مضمون اپنے حسب پسند لے سکتے تھے، اسی طرح آپ کے لڑکے اب گانے بجانے کا فن لطیف علم تحقیت حاصل کر سکینگے اور اسی آزادی سے اب ہارمونیم، ستار، طبلہ، ڈھولک، سارنگی سے شوق فرما سکینگے! لڑکیوں کو یہ آزادی تو پہلے ہی سے حاصل تھی، پہلے اب لڑکوں کو بھی حاصل ہو گئی ہے —— مسلمانوں کے ہاں نہ قومی مجلسوں اور انجمنوں کا قحط ہے نہ ملی اداروں کا۔ لیکن اس قسم کے اہم ترین مسائل کو توجہ کرانا نہ مسلم لیگ کے پروگرام میں داخل ہے، نہ جمعیۃ العلماء کے نہ مجلس احرار کے اور نہ کسی اور دینی، سیاسی، معاشرتی ادارہ کے۔ آگ رنگ تو جزو ہے فرنگی تہذیب کا بھی اور ہندو تہذیب کا بھی، بلکہ ان دونوں کے علاوہ ہر جاہلی تہذیب کے۔ گانا، بجانا، ناچنا، ان سب کے ہاں جزو عبادت ہے۔ یہ تو اسلام نے آکر اس پر ضرب لگائی تھی۔ مبارک ہو جاہلیت کو اپنی یہ تازہ فتح!

ایک غیرت مند مسلمان

دہلی کے جامع مسجد شاہجہانی کے قریب ...

شمس العلماء مولوی سید احمد قوم میں ایک معروف ہستی ہیں۔ حال میں اُنکے دستخط اور اُنکے صاحبزادہ مولوی سید حمید (نائب امام) کے تائیدی دستخط سے حسب ذیل بیان اخبارات میں شایع ہوا ہے:-

"آج یکم فروری ۱۹۴۲ء کو بمبئی السٹریٹڈ ویکلی کو دیکھکر جس میں میری پوتی کی تصویر اُسکے خاوند ڈاکٹر سید عبد اللہ کے ساتھ شایع ہوئی ہے مجھے حد افسوس ہوا، غصہ آیا اور حیرانی شامل نظر آئی کہ کیا زمانہ آیا ہے کہ گناہ اور بے غیرتی کو لوگ عزت و فیشن سمجھنے لگے ہیں۔ چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تصویر اِن دونوں کی تحریک سے شایع ہوئی ہے، اور میری اور میرے تمام خاندان اور تمام مسلمانوں کے رنج و غم اور بے عزتی کا باعث ہوئی ہے، اس لیے میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہ کہ ان دونوں سے تعلقات منقطع کر لوں۔ لہٰذا میں مولوی سید بشیر احمد صاحب والد عبد اللہ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے آپکے صاحبزادے اور بہو سے ہر قسم کے تعلقات قطع کر دیے ہیں۔

(شمس العلماء ہند) سید احمد (شاہی امام جامع مسجد)
یکم فروری ۱۹۴۲ء

مجھے بھی اپنے والد ماجد کی تحریر سے اتفاق ہے"۔

سید حمید (امام) یکم فروری ۱۹۴۲ء

بیسویں صدی کی "روشن خیالی" اس جمود پر قہقہہ لگائیگی، اور "ستم ظریف" کو مضحکہ کا ایک اور موقع ہاتھ آئیگا، لیکن ہر وہ مسلمان جسے اپنا دین عزیز ہے یقیناً امام صاحب اور اُنکے صاحبزادہ کی جرأت کی اور حمایت ایمان کی داد دینے پر اپنے کو مجبور پائیگا۔ گو ظاہر ہے کہ قصور تمامتر دو افراد کا نہیں، اصلی خطا تو اس دیانی احول اور اُس جاہلی تربیت کی ہے، جسکے سانچے میں ڈھل کر ہر عیب ہنر بن گیا ہے۔ تاہم اشخاص و افراد اپنی ذمہ داری سے بری تو نہیں کیے جا سکتے ——— ہمارے آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ زمانہ آگیا کہ جرأت و ہمت بیحیائی کر گزرنے میں نہیں بلکہ اس سے روکنے میں رہ گئی ہے!

غیر متمدنوں کی پستی

پشاور کے ایک اخبار کا اقتباس:-

"اس سے پہلے یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ سرحد کے مشہور ڈائرکٹر مسٹر ...... صاحب اپنی پہلی پشتو فلم "لیلیٰ مجنوں" کے سلسلہ میں پشاور آئے ہوئے ہیں۔ ...... آپ نے فرمایا کہ میرا اصلی اور پیدایشی وطن صوبہ سرحد ہی ہے، لیکن اِس سال سے بمبئی کے فلمی حلقوں میں کام کر رہا ہوں۔ پشتو زبان میں فلم تیار کرنے کا مجھے ایک مدت سے خیال تھا کیونکہ یہ میری مادری زبان ہے۔ اور میں جب ہندوستان میں مختلف زبانوں کی فلمیں بنتے ہوئے دیکھتا تھا تو میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ میں بھی اپنے صوبہ کی کوئی خدمت کروں۔ چونکہ میرے خیال میں خشک مضمون یا انتہائی فلسفیانہ فلم ابتدا میں پشتو زبان پر کامیاب ہونے کا مجھے شک تھا۔ اس لیے میں نے سرزمین عرب کے اس قدر رنگین واقعہ کو جس سے پٹھان عوام بخوبی واقف تھے، منظر عام پر لانا چاہا، تاکہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ صوبہ سرحد کے عوام پشتو زبان کے لیے کسقدر عقیدت ہے"۔

گویا وہ غیرت و حمیت جسکے لیے صوبہ سرحد ہمیشہ مشہور رہا تھا، اب "تہذیب" کے اثر سے اور "ترقی تمدن" کی برکت سے رخصت ہو گئی ہے۔ اور اب سرحد بار کے ان علاقوں کی طرح نظر اپنی زندگی کی سادگی اور تمدن کی اسلامیت پر نہیں بلکہ "سرکار" دولتمداروں کی "مہذب" و "تعلیم یافتہ" رعایا کی طرح گانے اور ناچنے، عاشقانہ سوانگ بھرنے، فاسقانہ تماشے دیکھنے اور دکھانے، سینما کے ناٹکوں اور فلم کمپنیوں پر شروع ہو گیا ہے! اور اپنی مادری زبان کی خدمت کا طریقہ صرف یہ ہے کہ جس گندہ اور فاسقانہ مواد سے دوسری کتھوں کی زبانیں بھری ہیں وہ سب اسکے اندر منتقل کر دیا جائے! سرحد کے غیور پٹھان تو ہماری شرافت و اسلامیت کے قلعہ کے آخری سپاہی تھے۔ وجاہلیت کا سیلاب آخر اس بند کو بھی توڑ کر رہا! کاش یہ غریب ناخواندہ، اَن پڑھ، اور فرنگی معیار سے غیر مہذب ہی رہتے! کاش یہ اسکولوں، کالجوں کے نام سے بھی واقف نہ ہوئے ہوتے! کاش یہ ہمیشہ اپنی اُسی آزاد بدویت کی فضا میں سانس لیتے رہتے، اُسی میں جیتے، اُسی میں مرتے!

اسپرین کی وبا

ایک طبی رسالہ کا اقتباس ہے:

"اسپرین طب جدید کی ایک مشہور کیمیاوی دوا ہے جو تسکین درد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ امریکہ کے باشندوں کی زندگی میں چونکہ تحریک و ہیجان کے بیشمار سامان داخل ہو گئے ہیں، اس لیے مسکنات کی بھی اُنھیں زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسپرین بہت سی خرابیوں کے باوجود اپنی وقتی تسکین کی وجہ سے ان میں اسی طرح رائج ہو گئی ہے، جس طرح چند سال پہلے چینیوں میں افیون تھی"۔

گستاخ و بے ادب طبیب! "صاحب" کی اسپرین کو چینیوں کی افیون اور ہندوستانیوں کی تاڑی اور سیندھی سے... افیون پر قیاس کرنے کی جرأت کی ہے! تحقیر و مضحکہ کے قابل صرف کالے پیلے رنگ کے مشرقی اور ان کی عادتیں ہیں، یا گورے رنگ کے فرنگی اور اُنکے شوق؟

زکام کا ایک عام سبب

"زکام کا ایک عام سبب تمباکو اور سگریٹ کا عام استعمال ہے۔ اس سے حلق اور ناک میں خراش اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خراش و سوزش سے ان اعضا میں رطوبتوں کا امتلا اور تعفن پیدا ہو جانے کی وجہ سے زکام عارض ہو جاتا ہے۔ خصوصاً بند جگہوں، سنیماؤں، اور گھر کی بند نشستگاہوں میں سگریٹ پینا بہت مضر ہے۔ اس سے نہ صرف سگریٹ پینے والے، بلکہ ان معنوں سے بھری ہوئی کثیف فضا میں سانس لینے کی وجہ سے وہاں کے دوسرے بیٹھنے والے بھی زکام میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔

(باقی [illegible])

چھوٹی شپننگ کا من میں بہ حیثیت وزیر شریک ہوا آج کے خط میں ذکر نہیں کرونگا - نہ پارلیمنٹ کے اس مباحثہ کا جس میں نیتی سیتوج کے ساتھ پولیس کے برتاؤ کے تحقیقاتی کمیشن کی دونوں رپورٹوں پر بحث ہوئی تھی، اور جس میں شرکت کے لیے دار العوام کے اسپیکر صاحب نے مجھے "ممتاز اجنبیوں" کی گیلری کا ٹکٹ دیا - یہ سب چیزیں علحدہ علحدہ خط چاہتی ہیں ان کے علاوہ جن تھیٹروں یا سنیماؤں میں گیا ہوں انکا ذکر بھی علحدہ ہی خط میں مناسب ہے - اور ایک خاص خط تو ان شاء اللہ اسی موضوع پر لکھا جائیگا کہ میں نے کن کن ملکوں میں اور کس مشکل سے ظہر و عصر و مغرب کی نمازیں ادا کی ہیں! جن صاحب نے نہایت بلند آہنگی سے فرمایا تھا کہ

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا!

انکی ساری شیخی کرکری ہو جائیگی جب میں بتاؤنگا کہ میں نے کہاں کہاں چھپ چھپ کر نمازیں ادا کی ہیں - ....

اب سنیے کہ اس ملک کے لوگوں نے اب اچھی طرح سوچ کر ایک جگہ بنادی ہے - اور اگر وہ چیز اس جگہ کے علاوہ کہیں ذرا سی دیر کے لیے بھی کہیں اور نظر آجاتی ہے تو وہ چلا اٹھتے ہیں کہ یہ کیا گندگی پھیلا رکھی ہے .... لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ اس غور و فکر کرنے والی قوم نے بھی پہلے سے سوچ کر کوئی جگہ ایسی نہیں نکالی جہاں ایک اللہ کا بندہ نماز پڑھ سکے - چنانچہ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ کھدر کا لباس پہن کر انگلستان جیسے ملک میں باہر نکلنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ سارے ملک میں اپنی خوابگاہ کے باہر کہیں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا - لیکن میں اس نئی دنیا کا کولمبس ہوں، اور جس طرح کھدر اڑھنا تھا کا یہاں کے لوگوں کی نظروں کو عادی بنا رہا ہوں اسی طرح رکوع و سجود کے منظر کا بھی" (ص ۱۰۲-۱۰۵)

اس مختصر سے مجموعہ کے اندر ظرافت، سیاست، ادب، تفریح و تفنن، اخلاق و موعظت، عبرت، سب ہی کچھ موجود ہے اگر بجائے مرتب ہونے کے بہت متفرق اور پریشاں سہی - فاضل مرتب نے اسے شائع کر کے اردو کے ذخیرہ میں ہر پہلو اور ہر اعتبار سے ایک مفید و قابل قدر اضافہ کر دیا ہے - خود انکے قلم کا دیباچہ بھی پڑھنے کے قابل ہے -

(۲) انڈین کانسٹیٹیوشنل ٹینگل (انگریزی) یعنی ہندوستان کی آئینی گتھی - از پروفیسر جمیل الدین احمد ایم اے - ۹۰ صفحے - قیمت عہ پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب - کشمیری بازار لاہور -

کانگرس اور مسلم لیگ کے اختلافات پہلے بھی کچھ کم نہ تھے، کہ جنگ کے مسائل نے ان پیچیدگیوں میں اور اضافہ کر دیا - انگریزی پریس چونکہ مسلم لیگ اور اسکے ہم خیالوں کے ہاتھوں برائے نام ہے اس لیے انگریزی پبلک کے سامنے جتنے بیانات آرہے ہیں، کہنا چاہیے کہ وہ سب یکطرفہ ہیں - زیر نظر رسالہ کے مصنف قابل داد ہیں کہ انہوں نے قابلیت اور سنجیدگی کے ساتھ مسلم لیگ

کے نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی ہے - اور گویا لیگ کے سارے ہم خیالوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے - وائسرائے کی اگست ۱۹۴۰ء والی مشہور پیشکش، وزیر ہند کی توضیحی تقریریں، لیگ جو اسے نہ قبول کر سکی اس معذوری کے اسباب، غرض تمام مسائل متعلقہ پر خاصی تفصیل سے اور مدلل بحث کی ہے - کتاب اپنے لب و لہجہ کی متانت کے لحاظ سے لیگ کے مخالفوں، ہندوؤں، انگریزوں، سب کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے - کاغذ، چھپائی، وغیرہ ظاہری خوشنمائیوں کے لحاظ سے شیخ محمد اشرف مشہور تاجر کتب کا نام بجائے خود ایک ضمانت ہے -

(۳) دین اسلام (حصہ اول) از مولانا لطف الرحمن - چھوٹی تقطیع - ۷۹ صفحے - قیمت عہ پتہ، مکتبۂ ترجمان القرآن - دار الاسلام پٹھانکوٹ (پنجاب)

مختصر سا دیباچہ یا پیش لفظ مدیر صدق کے قلم سے ہے، ارشاد ہوا ہے:

"مولوی لطف الرحمن صاحب کے لطف و عنایت سے انکی کتاب "دین اسلام" حصہ اول کا مسودہ قبل اشاعت جا بجا سے دیکھ لیا، اور اس مطالعہ سے مستفید ہوا -

دین اسلام خود جس طرح سیدھا سادہ اینچ پینچ سے پاک مبسوط و جامع ہے، اسی طرح یہ کھول کر بیان کرنے والا رسالہ بھی صاف و سادہ، موقع موقع پر شرح و مدلل اور اپنے مقصد کے اظہار میں کافی جامع ہے - دین اسلام کیا ہے، اسکی تعلیمات کیا ہیں، خاص خاص معتقدات اور اعمال اسکے بتلاتے ہوئے کیا ہیں - اس قسم کے بحث سے سوالات کے جوابات سادہ زبان میں اس رسالہ کے اندر آگئے ہیں - اور جو مسائل رہ گئے ہیں یقین ہے کہ دوسرے حصوں میں وہ سب بھی آجائینگے -

مولوی صاحب موصوف نے اخلاص نیت کے ساتھ مسلم و غیر مسلم کے سامنے مسائل اسلام کا خلاصہ قابل مطالعہ صورت میں پیش کر دیا ہے - اللہ انکی اس خدمت کو قبول فرمائے، اور انکے ہموطنوں کو ان صفحات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق دے - آمین!"

کتاب مصنف کے مفصل دیباچہ کے بعد عقائد، عبادات، عادات کے تین حصوں میں تقسیم ہے - اسکی حیثیت نوعی نیم فقہی نیم کلامی ہے - کہیں کہیں طریق و سلوک کے مسائل پر بھی گفتگو آگئی ہے - رسالہ اسلام سے دوری کی فضا میں پلے ہوئے لوگوں کے حق میں مفید ہوگا - رسالہ کے طرز و روح نیز اس کے انداز بیان کو سمجھنے کے لیے اس کے خاتمہ کے قریب کی عبارت ذیل کافی ہوگی :—

"امکانی سعی کر کے اس رسالہ میں مذہب اسلام کی صحیح تعلیم اور جامع نقشہ پیش کیا گیا ہے، اور اسکے بعد افراد انسانی کے سامنے قرآن کریم کی وہ دعوت دوہرائی جاتی ہے جو ورد بقدر کوشش میں ہے کہ فلاح و سعادت کی راہ صرف ایمان اور عمل صالح ہے - جو کوئی ایمان اور نیک عمل اختیار کریگا ......

وطنیت اور قومیت

ایک فرسودہ تخیل

(ڈاکٹر رضی الدین ایم اے، پی ایچ ڈی کا خطبہ صدارت طلبۂ قدیم جامعہ عثمانیہ کی کانفرنس میں)

.... آپ ہم اس کانفرنس میں موجودہ حالات اور رجحانات پر غور و فکر کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں لیکن اسوقت انسانوں کی اس عالمگیر تباہی و بربادی سے جو ہمارے چاروں طرف جاری ہے اور کو دنیا نہ قصہ زیادہ ممتاز غور ہے نوع انسان کو اس خودکشی سے بچانے کے لیے ساری دنیا کے آپ ہی جیسے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ افراد کو جد و جہد کرنی پڑیگی وہ فوری اور وقتی ذرائع جو اس ہلاکت اور خونریزی کو ختم کر دیں اور دنیا کو امن اور چین کا سانس لینے دیں۔ شاید فی الحال ہمارے بس سے باہر ہیں۔ لیکن اگر کسی طرح امن قائم ہو جائے تو اسکو پائدار بنانے اور ان مہلک جنگوں کی بیخکنی میں آپ ہم بھی سب ہی حصہ لے سکتے ہیں اور ایسا کرنا ہمارا فرض ہوگا۔ اس امن عالم کے لیے جو طویل المیعاد نظام عمل بنایا جائیگا اسکا ایک اہم بلکہ غالباً سب سے اہم نکتہ میں آپ کے سامنے غور و فکر کے لیے پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن انسانوں کی بدبختی سے اسکو بھلا دیا گیا اور اب بھی اگرچہ کبھی کبھی دنیا کے کسی گوشہ میں ایک آدھ آواز اسکے متعلق اٹھ جاتی ہے لیکن ابھی تک اسکی اہمیت کما حقہٗ محسوس نہیں کی جا رہی ہے حالانکہ نسل انسانی کی نجات اسی میں ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔

مختصر الفاظ میں یہ نکتہ کرۂ ارض کی غیر منقسم وحدت اور تمام انسانوں کی عالمگیر اخوت کا ہے۔ ساری خرابی اسی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے کہ ہم پرانے اقتدار کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نئے بدلے ہوئے حالات کے تحت انکا جائزہ لینا نہیں چاہتے۔ آئیے وطنیت اور قومیت کے رائج تصور کی سائنسی تحلیل کریں اور دیکھیں کہ زمین کی جغرافی تقسیم اور نوع انسانی کی قومی گروہ بندی اس زمانہ میں کہاں تک حق بجانب اور قابل عمل ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ انسانوں کے پاس ذرائع حمل و نقل کچھ نہیں تھے، اور سمندروں اور پہاڑوں کا عبور کرنا تو کجا ندیوں اور دریاؤں کا پار کرنا بھی انکے لیے مشکل تھا جہاں تک انکی رسائی تھی وہی انکی دنیا تھی۔ انسانی جماعتوں کی توسیع انکے ذرائع حمل و نقل کے تناسب رہی ہے۔ خاندان، قبیلہ، قریہ، شہر اور ملک کی ارتقاء اور تشکیل اس طرح ہوئی ہے کہ انسانوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی سہولتیں زیادہ مہیا ہوتی چلی گئیں۔ سائنس اور تمدن کی ترقی کے ساتھ انسان کا وطن قریہ اور قصبے گزر کر شہر اور ملک تک پہونچ گیا۔ ابتدائی زمانہ میں جغرافی حالات انسانوں کے لیے فیصلہ کن تھے اور وہ مجبور تھے کہ پہاڑوں اور دریاؤں سے گھرے ہوئے خطوں کو ایک وحدت تصور کریں اور ان میں بسنے والوں کو ایک قوم۔

موجودہ زمانہ میں ہم نے اس ارتقائی اصول کو ملحوظ نہیں رکھا اور جب تک ہم اس قانون قدرت کے خلاف جائیں گے ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا جائیگا۔ غور تو کیجیے کہ ایک طرف تو انسان نے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں اور زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں اور دوسری طرف وہ اسی جغرافی وطنیت کے چکر میں مبتلا ہے اور نہیں سمجھتا کہ طیاروں اور ہوائی جہازوں نے جغرافی سرحدوں کے تصور کو نقش برآب بنا دیا ہے۔ ہم بمبئی سے نکل کر ہمارے کسی گاؤں تک جہاں طیارہ گاہ نہ ہو اتنی آسانی سے اور اتنی جلد نہیں پہونچ سکتے جتنا بصرہ یا بوسٹن پہونچ سکتے ہیں۔ پھر کس بنا پر کہا جائے کہ بمبئی اور ہمارا ایک ہی جغرافی اکائی ہیں، اور بمبئی اور بصرہ یا بوسٹن ایک جغرافی اکائی نہیں ہیں۔ ہم اسوقت یہاں بیٹھ کر نیویارک والوں سے بات چیت کر سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔ لیکن ہمیں اپنے تاشقند والوں کی خبر حاصل کرتے میں کئی دن لگ جاتے ہیں۔ پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اپنے گاؤں والوں کو ہم وطن سمجھیں اور نیویارک والوں کو غیر ملکی تصور کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم ذہنی اور سیاسی جمود کی وجہ سے جغرافی وطنیت اور اس قومیت سے جو کسی ایک ملک کے باشندہ ہونے پر منحصر ہے باہر نہیں نکل سکتے۔ حالانکہ سائنس کا یہ صریح اور واضح فیصلہ ہے کہ اب جغرافی اکائیوں اور مختلف ملکوں کے تصور کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب سارا کرۂ ارض ایک اکائی اور ایک وطن ہے اور اسکی دولت میں تمام انسان چاہے کہیں کے رہنے والے ہوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ کیا کوئی سمجھدار شخص یہ کہ سکتا ہے کہ موجودہ جغرافی اکائیاں سائنٹفک آئیڈیل ہیں۔ کیا یہ تاریخ کے حادثات اور اتفاقات پر منحصر نہیں ہے کہ ملک کی جغرافی سرحد اس حد تک پہونچکر رہ گئی اور آگے نہیں بڑھ سکی۔ مثال کے طور پر جرمنی ہی کو لیجیے۔ کیا لوتھر فریڈرک، گوئٹے، بسمارک، ہنڈنبرگ میں سے ہر ایک کے زمانہ میں جرمنی کی جغرافی سرحد غیر متغیر تھی۔ اور کیا آج کل ہٹلر کے جرمنی کی سرحد یہی رہی ہے۔ اسی طرح دوسری مثال کے طور پر خود ہندوستان کو لیجیے۔ کیا پانچ ہزار برس پہلے سے لیکر آج تک ہندوستان کی جغرافی اکائی وہی رہی ہے جو اب ہے۔ اسکے علاوہ جغرافی اکائی کی تعریف کیا کی جائے۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہمالیہ ہندوستان کو سب سے جدا کرتا ہے تو پھر کیوں دکن اور شمالی ہند کو دو جغرافی اکائیاں نہ سمجھا جائے۔ بلکہ آپ کی جغرافی اکائی کا منطقی اکائی کا منطقی نتیجہ تو یہ نکلنا چاہیے کہ جہاں کہیں کوئی خطۂ زمین کسی پہاڑی اور تالاب سے گھر جائے آپ اسکو ایک جغرافی اکائی اور علحدہ ملک تسلیم کر لیں۔ یہ تو کوئی منطق نہیں کہ آپ کہیں ہم یہیں تک تقسیم کریں گے اور اسکے آگے تقسیم کرنا نہیں چاہتے۔ اسی جغرافی تقسیم اور وطن پرستی کے غلط پروپگنڈے نے یہ سارا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ہوس نے نوع انسانی کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں اور خدا کی زمین کو مختلف جماعتوں نے تقسیم کرکے خاص اپنی ملکیت بنا رکھا ہے۔ پھر کیا تعجب ہے اگر یہ مختلف مفاد آپس میں ٹکرائیں اور وہ ہولناک شرارہ پیدا ہو جو اب ساری نسل انسانی کو فنا کر دینے کی دھمکی دے رہا ہے۔ تو پھر کیا ملکوں اور جماعتوں کے لیے اسوقت زیبا ہے کہ وہ وطن پرستی اور جغرافی اکائیوں کی تبلیغ کرکے اس آگ پر اور تیل چھڑک دیا جائے۔ کیا اسوقت ضرورت نہیں ہے کہ کم از کم

(باقی صفحہ کے ۲ پر ملاحظہ ہو)

لاہور کی نئی تحریک

لاہور میں پچھلے دنوں چند دیندار مسلمانوں نے مل کر ایک اسلامی جماعت کی تشکیل کی ہے۔ اس جماعت نے اعلان کیا ہے کہ اسکا مقصد حکومت الٰہی کا قیام ہے۔ جیسا کہ متعدد بار انہیں صفحات میں لکھا جا چکا ہے، کسی مسلمان کو اس مقصد سے انکار تو کیا، ہمارے نزدیک وہ مسلمان حقیقی مسلمان ہی نہیں جو اپنے نہانخانۂ قلب میں اس جذبہ کی آگ کے شعلے فروزاں نہیں رکھتا، اور بظاہر اسکی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اپنے دوستوں کی نیتوں پر کسی قسم کا کوئی شک و شبہ کریں۔ لیکن ہمیں اپنے ان ناآزمودہ کار احباب کے بھولے پن اور سادگی پر کچھ ہنسی بھی آتی ہے اور کچھ افسوس بھی ہوتا ہے کہ ابھی انہوں نے اس راہ میں کوئی مؤثر قدم تو اٹھایا نہیں اور پہلے ہی سے "قیام حکومت الٰہی" کا اعلان کر کے ایک طرف اپنے رقیبانِ سیاسی کو اپنی طرف سے خبردار کر دیا اور دوسری طرف اپنی جماعتی حیثیت "حریفانِ سفید فام" کے نزدیک مشتبہ بنا دی۔ ممکن ہے ایک کے تھوڑی جوش کار گزاری روز تک کے سلسلے میں سے مسلمان نوجوانوں کو اس تحریک میں لا کر حقیقتہً اسکو تحریک کہا جا سکتا ہے زیادہ سے زیادہ شریک کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہو۔ تاہم اس اعلان کر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی ہر حرکت کی کڑی نگرانی کی جائیگی۔ اور جب کبھی یہ محسوس کیا گیا کہ آپ کا وجود کسی قوم کے حق میں سیاسی اعتبار سے مضر ہو سکتا ہے، آپ کو کچل کر رکھ دیا جائیگا۔ پھر آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ آپ اپنا جماعتی تحفظ کر کے اپنے نصب العین کے لیے کوئی مؤثر جد و جہد جاری رکھ سکیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ محض تالیاں بجانے سے بھوت بھاگ جانے والے نہیں ہیں۔ تحریک خاکسار کا جو حشر ہوا اُس کی ایک زندہ اور تازہ مثال ہمارے سامنے ہے۔

ہم اسلامی جماعت کے ذمہ دار اصحاب سے پوچھتے ہیں کہ آپ حکومت الٰہی کے قیام کا دعویٰ کرتے ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی رائے میں حکومت الٰہی کا قیام مسلمانوں کی ناقابل شکست سیاسی طاقت کے بغیر ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا اور یقیناً نہیں ہو سکتا تو اب فرمائیے کہ آپ نے سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لیے کیا لائحۂ عمل بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لائحہ عمل دو ہی قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایک آئینی، دوسرا غیر آئینی۔ آپ نے ان میں سے پہلے لائحۂ عمل کی تو قطعی نفی کر ہی دی ہے۔ کیونکہ آپ اپنے شائع کردہ دستور کے مطابق نہ حکومت سے کوئی تعاون کر سکتے ہیں اور نہ کسی اور غیر مسلم سیاسی پارٹی سے۔ اب رہا غیر آئینی نقطۂ عمل، تو

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

صورتِ حال یہ ہے کہ آپ خود غلام ہیں، نہ تقریر کی آزادی ہے نہ تحریر کی۔ کوئی ہتھیار آزادی کے ساتھ رکھ نہیں سکتے۔ قانون مروجہ حکومت کی مؤثر خلاف ورزی ناقابل عمل ہے۔ پھر [illegible] میں تنہا آپ ہی آباد نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی ہیں جو جسمانی طاقت [illegible] تعلیم میں، صنعت و حرفت میں آپ سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں [illegible] میں بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس طرح اپنی الگ جماعت بنا کر سیاسی طاقت و قوت حاصل کر سکتے ہیں۔ اسوقت آپ کی مثال تو بالکل اُس مجبور و بے بس قیدی کی سی ہے جو آہنی سلاخوں میں قید ہے، ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں، اور بلند دیواروں والی جیل کے پھاٹک پر چار چار مسلح پہرہ دار بھی کھڑے ہوئے ہیں، اور بایں ہمہ یہ قیدی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ "میں اپنی حکومت قائم کر کے تمہاری حکومت کا خاتمہ کر کے رکھ دونگا اور اس کے لیے میں نے لوگ بھی جمع کرنے بھی شروع کر دیے ہیں" ظاہر ہے کہ قیدی کے اس ناعاقبت اندیشانہ اعلان کا نتیجہ یہ نکلے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مدت اسارت میں توسیع کے ساتھ ساتھ اسکی زنجیروں میں چند اور زنجیروں کا اضافہ ہو جائے تو غریب آہ سرد بھر کر کہنے لگے ؎

داغ کی شامت، جو آئی اضطراب شوق میں
حال دل کمبخت نے سب اُسکے منہ پر رکھ دیا

دوستو! اگر واقعی تم اسلام کا نام بلند کرنا چاہتے ہو تو ضرورت ہے کہ گروہ بندی، نمود و نمائش اور بلند بانگ دعاوی کر کے اپنی تشہیر سے باز آؤ، اور خلوص و للہیت کے ساتھ بالکل خاموش طریقہ پر کام کرو۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کی جماعت کو دوسرے لوگوں کے ساتھ جبر و تشدد کے بجائے صلح و آشتی اور لطف و نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے اور اسکا خیال رکھیے کہ کہیے کم اور کیجیے زیادہ، مگر جو کہیے اسے کر دکھائیے۔ (انجام۔ دہلی)

(بقیہ صفحہ ۶)

نئی نسل کو اسکی تعلیم دی جائے کہ ہماری زمین ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے، جو سارے انسانوں کا وطن ہے، جس میں ہر شخص کے لیے آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے اپنی زندگی بسر کرے۔ تمام دنیا میں صرف ایک قوم ہے اور وہ جرمنی، امریکی، ہندوستانی قوم نہیں بلکہ انسانی قوم ہے۔ مختلف ممالک جغرافی یا قومی اکائیاں نہیں بلکہ انتظامی اکائیاں ہیں، جیسے ایک ہی ملک کے مختلف صوبے اور اضلاع ہوتے ہیں۔ اس تعلیم سے نئی نسلوں کے ذہن میں تاریخ انسانی کا صحیح پس منظر پیدا ہو جائیگا اور وہ دنیا اور نوع انسانی کی مجموعی اکائی کا خیال پہلے اور جغرافی رقیبوں کا بعد میں کرنے لگیں گے۔ انسانی نسل آئندہ اسی طرح باقی رہ سکتی ہے ورنہ اگر مختلف آزاد جغرافی قوموں اور اکائیوں کے نظریہ پر اسی طرح عمل درآمد ہوتا رہا تو ہر بیس پچیس سال کے بعد تمام ملک سے ہولناک تر جنگ کا چھڑ جانا لازمی ہے۔ اور پھر اسکا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

غرضکہ انسانوں اور خصوصاً نئی نسلوں میں وحدت، اخوت اور مساوات کے اس شعور کو بیدار کرنے کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی جانی چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نوبت پر پہونچکر بھی ہر جگہ اور ہر ملک میں وہی جغرافی وطن پرستی اور قومیت کا فرسودہ اور مہلک راگ الاپا جا رہا ہے۔ کیا ہمارے تعلیم یافتہ بھائی اس جانب کچھ توجہ کریں گے؟ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۵)

وہی کامیاب ہوگا۔ کسی کے لیے کسی گروہ سے نسبی، لسانی یا ملکی تعلق کافی نہ ہوگا، خواہ وہ گروہ کتنا ہی معزز اور محترم لقب مسلم، یہودی، عیسائی، مجوسی وغیرہ کے ساتھ پکارے جاتے ہیں، تب بھی وہ اپنے عقائد و اعمال کا محاسبہ کریں۔ اگر کوئی برائی پائیں اصلاح کریں۔ اور اگر کوئی صاحب یہود، نصاریٰ، مجوسی، برہمن، بودھ وغیرہم کے ساتھ منسوب ہیں تو وہ بھی اپنے خیالات اور اعمال کا جائزہ لیں۔ اگر اپنی کوئی بات بری دیکھیں اور اسلام کی تعلیم بہتر پائیں، یا اپنی تعلیم کے موافق پائیں، اور عملاً وہ اس سے دور رہیں تو بلا کسی تعصب اور مذہبی ضد کے اپنے فائدہ کے لیے خوشی سے اسلام کی سچی تعلیم قبول کرلیں۔" (رشد)

(۶) "ناکام"۔ از خواجہ محمد شفیع دہلوی۔ ضخامت ۱۰۰ صفحے۔ قیمت ۱۲؍ مصنف ہی کے پاس سے ٹیا محل۔ دہلی کے پتہ سے مل جائیگی۔

دہلی کے جدید انشا پرداز خواجہ محمد شفیع کا نام اب نا آشنا ہے۔ اردو کے طلبہ کے لیے نا مانوس رہا ہے نہ ناظرین صدق کے لیے۔ "ناکام" انکا تازہ ترین افادۂ قلم ہے، سرسری نظر میں ایک ناول، افسانہ، گہری نظر میں حکمت و اخلاق کا خزانہ۔ اور ہر صورت میں ادب و انشا کا ایک گنج شائگاں۔ زہرہ ایک مشہور بسوا ہے، اور حسین و حاضر جواب نہ فتنہ۔ اسکا سابقہ ایک نوجوان کاظم سے پڑگیا ہے۔ کاظم ذہانت میں فرد، حاضر جوابی میں استاد۔ ہر رنگ میں رنگا ہوا، گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوے۔ لیکن اپنے کو لیے دیئے ہوئے، نفس کو قابو میں کیے ہوے۔ اسکا دل اسکے بس میں، وہ خود دل کے بس میں نہیں۔ بسوا نے خوب خوب کمندیں پھینکیں، ہر ہر طرح جال ڈالے، وہ ظالم ایک بار بھی نہ پھنسا، ہر بار خود شکاری ہی کو شکار کرتا گیا، اور چوٹ کھائے ہوے غرور و تمکنت کو چرکے پر چرکے دیتا گیا۔ لفظ و عبارت میں وہ شاعری وہ سخن آرائیاں کہ دھوکا دیوان حافظ کا ہونے لگے، معنی و مفہوم میں اخلاق و موعظت کی وہ گلفشانیاں کہ گمان گلستان سعدی کا گزرنے لگے۔ زبان کے جوہر دیکھتے ہیں تو کاظم کا معرکہ ایک رئیس کی محفل میں میراثی صاحب سے ملاحظہ ہو۔ رئیس صاحب اپنی بے فنی اور بد آوازی پر نازاں۔ سر محفل چنگھاڑ رہے ہیں، ساری محفل انکے بنانے بگاڑنے پر متوجہ۔ چوٹیں کاظم اور میراثی کے درمیان چلنے لگیں، ہلکی ہلکی جھلک دیکھتے چلیے:-

"میراثی ہچکیا پڑا جا رہا تھا، ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ داغ آثار اتار کر باتیں لا رہا تھا۔ بولا "سرکار رشاؤں سے سر نکل رہے ہیں"۔ کاظم نے کہا "عالیجاہ مجسم موسیقی ہیں، ہر بُن مو سے سُر برس رہے ہیں"۔ میراثی نے بہت زور مارا۔ اپ دادا کی ساری طاقت سے کام لیکر کہا "سرکار شاہ موسیقی ہیں"۔ وہ حاضر داغ بولا "عالی جاہ شہنشاہِ موسیقی ہیں، لحن داؤدی پائی ہے، اس فن کے پیغمبر ہیں"۔ میراثی نے زمین پہ ہاتھ ٹکا دیے اور بولا "تان سین کا قبر میں بڑا اثر ہو رہا ہے" کاظم نے عرض کیا "بیجو باورے کی روح قدمبوس ہونے آئی ہے۔ اگر باورت کو یہ فن آتا تو زہرہ کے راگ میں نہ آتا۔ سر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، راگ جلو میں حاضر، موسیقی دامن سے وابستہ، سرکار راجہ اندر ہیں، موسیقی آپ کے دم قدم سے ہے۔ اعجاز مسیحا کا ز۔ شجر و حجر جھوم رہے ہیں، مردہ دل زندہ ہوئے جاتے ہیں، مگر نہیں تان سین کا ہیں"۔ میراثی کچھ بھی ہو میراثی تھا۔ تابڑ توڑ فقرے سن کر تیورا سا گیا۔ جب زبان نہ چلی تو سر پیٹنا شروع کیا اور لگا تال کھیلنے۔ یہ راگ کاظم کے بس کا نہ تھا۔ میدان جاتا نظر آیا۔ ناز ہی ہرتی دکھائی دی۔ یہ داد دینے داغ۔ فوراً بولا "سُروں کا زور ہے۔ آگ لگ جائیگی۔ پانی ڈالو۔ جلدی کرو" اور ساتھ ہی ساتھ برت کے پانی کا بھرا ہوا جگ اٹھا کر بدنصیب میراثی پر ڈال دیا۔ میراثی حال سے بے حال ہوگیا۔ کھلکھلی بندھ گئی۔ (ص ۳۸-۳۹)"

گنہگار عورت کے دل کی چبھن دیکھنا ہو تو درق الٹیے۔ بسوا کے کوٹھے پر کسی نے ایک پُرلطف قصہ مناسب تمہید کے بعد اکبر کا یہ شعر سنا دیا:

کون خوش بخت ہے زنانہ میں ہے آگہ ہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

اس پر بسوا کے تاثرات:-

"وہ کہاں بیٹھی رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے اندھا جی زندگی اپنے مناظر پیش کر رہی تھی۔ اور زہرا اس تماشہ میں غرق تھی۔ ایک عجیب لذت تھا، عجب لطف۔ نرالی کاوش تھی، اچھوتی خراش۔ میں ان کیفیات میں ایسی کھو گئی، جیسے بیوہ کا بڑھاپے کے تصور میں، بانجھ اولاد کے خیال میں۔ سینے میں ایک چیز تھی جو کچھ مانگ رہی تھی۔ پہلو میں ایک خلا تھا، جو آج میں نے پہلی دفعہ محسوس کیا۔ میرا ہر قطرۂ خون کسی کی تلاش میں رواں۔ میری نسائی فطرت میں ایک طوفان بپا تھا۔ آج مجھ میں وہ عورت جاگ اٹھی تھی جو بیوی بننے پیدا ہوئی ہے، جو ماں بننے پیدا ہوئی ہے۔ آج وہ حقیقت انگڑائی لیکر اٹھ کھڑی ہوئی تھی جسے افیون دیکر سلا دیا گیا تھا۔ آج وہ حقیقت اپنا حق مانگنے آن پہونچی تھی جسکو کذب و ریا و غلط فضا کے انبار میں دبا دیا گیا تھا۔ رنڈی کا جامہ چاک کرکے عورت برآمد ہونے کو تھی۔ عورت جو کھونے کو پانا سمجھتی ہے۔ عورت جو اپنا خون چوساکر نسل انسانی کو پالتی ہے۔ عورت جو شفقت سے خمیر کی گئی ہے۔ عورت جو ماں سے تعبیر کی گئی ہے۔ میں آدم و حوا کے نائبوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج میں فطرت ہی فطرت تھی۔ ماحول سے بیزار۔ تصنعات بالاتر" (ص ۵۱)

غرض کتاب کیا ہے، ایک اعجوبہ۔ صورت رندوں کی، سیرت زاہدوں کی۔ چہرہ پر شوخی و ظرافت کی نقاب، نقاب کے اندر پیشانی پر زہد کے سجدوں کے نشان۔ بیسویں صدی کے ہر نوجوان کے ہاتھوں میں جانے کے قابل۔ افسانہ نام کا "ناکام" لیکن ہر اعتبار سے کامیاب۔ (باقی آئندہ)

تحفۂ خسروی

جناب میر صدق کی ایک قدیم تالیف۔ عالم و حکام کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ ۲۴ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ ہوگا۔ پتہ: محمد نفیس خاں - و مارا باد - بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جنہوں نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: نسیم احمد قدوائی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:—

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی ہیہ

ممالک غیر سالانہ شلنگ

قیمت فی پرچہ امر
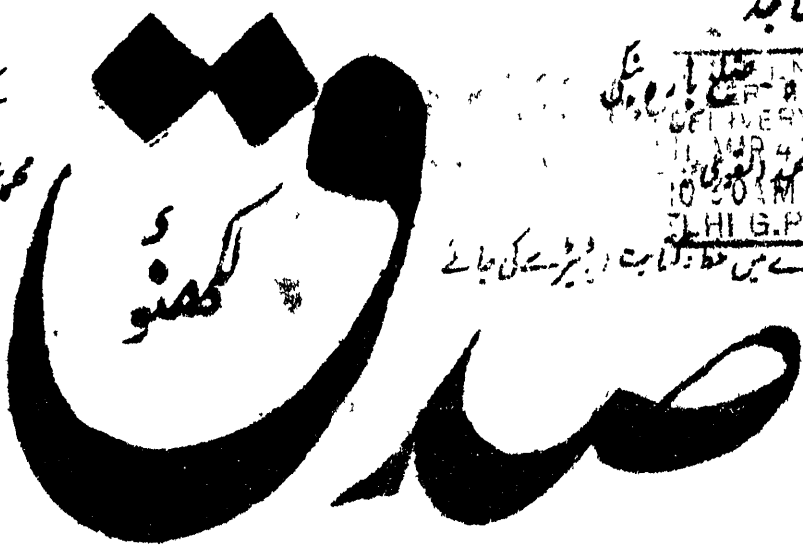
نمبر ۴۳ | دوشنبہ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۶۱ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

پندرہویں پارہ کی سورۂ بنی اسرائیل ہی ختم کے قریب آیت ۱۱۰ کے آخری حصہ میں رسول اللہ صلعم کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے،

ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذٰلک سبیلا	نماز (جہری) نہ تو چلا کر پڑھیے اور نہ بالکل چپکے سے بلکہ دونوں کے درمیان (متوسط) راہ اختیار کیجیے۔

رسول نماز بالکل چپکے نہ پڑھیں کہ بغیر زور سے پڑھے دوسروں کو تعلیم ہی کیونکر سکتی تھی۔ سو یہ حکم تو آسانی سے سمجھ میں آگیا۔ باقی یہ حکم آخر کہاں کہ رسول نماز زیادہ بلند آواز سے بھی نہ پڑھیں؟ یہ حکم تو آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں —— تشریح و توضیح کے لیے بیان ترجمان القرآن حضرت عباس رض کا سنیے۔ روایت امام بخاری کی ہے:—

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا قال نزلت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلّی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبّوا القرآن ومن انزلہ ومن جاء بہ	ابن عباس رض کہتے ہیں کہ آیت ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم (آغاز اسلام میں) مکہ میں روپوش تھے (یعنی علانیہ اپنے عبادت نہیں کرسکتے تھے) سو اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھتے میں آواز بلند کرتے، مشرکین جب یہ آواز سنتے تو قرآن کو برا کہنے لگتے اور اسکے نازل کرنے والے کو بھی اور اسکے لانے والے کو بھی۔

روایت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مشرکین نے نماز میں قرآن کی آواز سن جو خدا اور رسول اور خود قرآن کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ

فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجھر بصلاتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بھا عن اصحابک فلا تسمعھم وابتغ بین ذٰلک سبیلا	اللہ نے نبی صلعم کو حکم دیدیا کہ ولا تجھر بصلاتک یعنی نماز میں اپنی قرأت کو پکار کر نہ پڑھو کہ مشرک اسے سن کر قرآن کو برا کہنے لگینگے ولا تخافت بھا نہ اسکو اتنا آہستہ پڑھو کہ تمہارے صحابہ بھی نہ سن سکیں، بلکہ دونوں کے درمیان کا راستہ نکالو۔

روایت بخاری کے علاوہ مسلم، ترمذی، نسائی کی بھی ہے ——

تو گویا قرآن جیسی اہم چیز، جسکا جہری نمازوں میں صحابہ کی تعلیم کے لیے بلند آواز سے پڑھنا اور بھی زیادہ واجب تھا، اس تک کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت خود قرآن کے اندر رسول ؐ کو آگئی، کہ اس سے دوسرے مفاسد پیدا ہوتے تھے، اور جو چیزیں صرف تقدس و احترام کی حقدار تھیں، مشرکین کو انکی اہانت و تحقیر کا موقع ہاتھ لگ جاتا تھا۔

درح صحابہؓ، وہ بھی اپنی عام مطلق صورت میں نہیں، ایک مخصوص تاریخ پر، متعین صورت و ہیئت کے ساتھ، بڑے بڑے جھنڈوں اور نشانوں کو لہراتی ہوئی، بڑی بڑی لالٹینوں کے آراستہ پیالکوں کے نیچے سے گزرتی ہوئی، لحن و ترنم کے ساتھ ٹولیوں میں پڑھی جاتی ہوئی، عظیم الشان جلسہ و جلوس کے ساتھ، کیا قرأت جہری سے بڑھ کر اہم ہے؟ قرآن، اور بحالت نماز میں پڑھے جانے والے قرآن سے زیادہ ضروری ہے؟ جب اسے ایک مفسدہ کی خاطر روک دیا گیا، تو کیا اس سے کہیں زیادہ قوت و حکم اسکے لیے نہ عائد ہوگا؟ —— خصوصاً جبکہ کسی مخصوص مفسدہ کے بغیر یوں بھی درح صحابہؓ اس ہیئت کذائی کے ساتھ کیا واجب ہے؟ واجب نہ سہی مستحب

اور آئندہ انسان بھی اسے کھائیں گے اگر وہ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ پروفیسر موصوف تو ابھی گھاس کھانے کا تجربہ کر چکے ہیں"

پہلا طبقہ نکتہ پروفیسر صاحب کی زبان سے خوب معلوم ہو گیا، کہ عقل و شعور والا وہ ہے جو گھاس کھائے، اور بے عقل و بے شعور وہ ہے جو گھاس نہ کھائے! — نیا سائنٹفک انکشاف، اور وہ بھی عالم باعمل کی زبان سے۔ حسرت موہانی کے شاعرانہ الہام

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

کا عملی ظہور سائنس کی خشک دنیا میں!

سنگاپور کی تہذیبی اہمیت

سنگاپور کی شہرت و حیثیت سے چھوٹے بڑے سب واقف تھے۔ اس کا دشمن کے ہاتھ میں چلا جانا برطانیہ کے لیے کیسا سخت حادثہ ہوا، یہ آواز بھی سب کے کانوں میں پہنچ چکی ہے لیکن کم لوگ اس سے واقف ہونگے کہ اسے تجارتی اہمیت کے علاوہ کوئی اور بھی حیثیت حاصل تھی، اس کی تسخیر کی خبر آنے سے دو ہی ایک روز قبل اس کا تعارف ایک مفصل مضمون کے اندر ایک انگریزی اخبار میں حسب ذیل شائع ہوا تھا:—

"سنگاپور ایک بہت بڑا شہر جدید فیشن کے مطابق ہے۔ سونے کے مشرق کا یہ سب سے زیادہ زندہ دل شہر ہے [یورپ کی اصطلاح میں "زندہ دل" کے جو معنی ہیں محتاج تصریح نہیں۔ صدق] ہاں شاید شنگھائی کے بعد ہو تو ہو۔ ہر وہ سامان جو جدید ترین کسی شہر کو صاف، ستھرا، دلکش، پُر آسائش، آرام دہ بنا سکنے کے لیے دے سکتی ہے یہاں مہیا ہے۔ [آگے موٹروں وغیرہ کی کثرت کا ذکر ہے۔ صدق] کھلے میدان مستقل تفریح گاہ اور کارنیوال بنے ہوئے ہیں۔ رات کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں میں سال کے ہر موسم میں سامان لطف برابر موجود رہتا ہے۔ ان جدید تفریحوں کے پہلو بہ پہلو لامحالہ شہوانی رقص بھی جاری رہتا ہے جس کا جی چاہے کچھ دیر اسے دیکھے، اور پھر خود اس میں شریک ہو جائے"

شنگھائی کی "شہرت" اور "نیکنامی" جس قسم کی ہے، اہل نظر پر مخفی نہیں۔ مصر ہی کا، اور White Slave Traffic کے محققین کا بیان ہے کہ مشرق بھر کیا معنی بلکہ دنیا بھر میں اپنی نظیر بس آپ ہے! اب معلوم ہوا کہ ان خصوصیات میں کوئی حریف ہو سکتا تھا، تو وہ بھی سنگاپور تھا! — بحری، بری، اور ہوائی فوج کے علاوہ ایک اور فوج کا بھی مرکز! — برطانیہ کے مخلصوں سے سوال ہے کہ ایسے شہر کے ہاتھ سے نکل جانے پر موقع قلق و ماتم کا ہے یا مسرت و مبارکباد کا!

"صاحب" کی سفاکی

"اس زمانہ کے جہاز بھی گویا بدکاری اور درندگی کی متحرک پناہ گاہیں تھیں۔ اس عہد کے سمندری اخلاق پر پوری روشنی اس تاریخی واقعہ سے پڑتی ہے کہ جب ۱۳۷۹ء میں سر جان آرنڈیل کے بیڑہ کو طوفان نے آ لیا، تو جہازوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ۶۰ عورتیں جو جہاز پر سوار تھیں شکستہ جہاز سے سمندر میں پھینک دی گئیں! ان میں سے کچھ تو اپنی خوشی سے کودی تھیں اور کچھ زبردستی پھینکی گئی تھیں" (سوشل انگلینڈ - مرتبہ ڈاکٹر ٹیل جلد ۲ ص ۱۹۳)

ذکر چودھویں صدی عیسوی کے انگلستان کا ہے۔ جہاز پر ساٹھ خاتونیں کچھ سوار ہوئیں اور کچھ سوار کی گئیں، اور جب جہاز طوفان میں پھنسنے لگا، تو ارباب عیش کے وہ ساتھی کھلونے، بے زبان و بے قصور، سمندر میں جھونک دیے گئے! — ہماری ۱۳۰۰ سال کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال گزری ہے؟ بالکل ایسی نہ سہی، اس سے ملتی جلتی ہی؟ اس پر بھی بدنام ہم ہیں، نیکنام وہ! — فرنگستان میں خواتین آج اگر جوش آزادی میں بیاہ سے باہر ہوئی جا رہی ہیں تو یہ ان مظالم کا قدرتی ردعمل ہے۔ لیکن یہ آخر ہم نقالوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ خود ہم نے بھی یہی تماشہ شروع کر دیا، جو صاحب اور میم صاحب اپنے دیس میں بول رہے ہیں!

عجیب تجاہل

"اس معاملہ ایسی "تحریک" و "تجارت" پر صدق و معارف کی تنقید پر ہماری حیرت بالکل فطری ہے۔ ہر شخص کو اس صورت میں حیرت ہی ہوگی جبکہ اسکی بستی میں چند دیندار بزرگ ایک مدت سے حج کی تمنا ظاہر کر رہے ہوں اور بار بار کہتے ہیں کہ کاش کوئی قافلہ یہاں سے زیارت کعبہ کے لیے تیار ہوتا۔ مگر جب اللہ کے بندے اسی بستی سے اکٹھے ہو کر قافلہ تیار کرنے کو اٹھ کھڑے ہو جائیں تو وہی بزرگ سب سے پہلے خطرہ کا الارم بجا دیں اور بستی کے لوگوں سے کہنے لگیں، کہ ہوشیار، حج کے نام سے ایک بڑے فتنہ کا سامان ہو رہا ہے" (ترجمان القرآن۔ جلد ۱۹ - نمبر ۴-۵، ۶ ص ۲۰۲)

لیکن اس سے عجیب تر ماجرا یہ ہوا ہے، کہ امیر قافلہ نے خود ہی شد و مد سے یہ جو فرمانا شروع کر دیا، کہ نام و اصطلاح میں کیا رکھا ہے اسے تبدیلی اصل حقیقت میں نہ ہونا چاہیے، حج تو اب بڑا افسردہ نام ہو گیا ہے بیسویں صدی کے دل و دماغ میں اسکے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ میں امت اسلامیہ کو ورلڈ کانگریس کی طرف لیے چلتا ہوں، ہر ملک کے حاجی و زائر نہیں، اس ورلڈ کانگریس میں ہر ہر مملکت کے نمائندے شریک ہونگے، بغیر اس طرح کے اجتماع کے ہمیں منصب امامت مل نہیں سکتا، ہمیں تو تمام دوسری قوموں کو اس منصب سے بے دخل کرنا ہے، ہماری عبادتوں، ریاضتوں، کوششوں کا مرکز یہی منصب امامت ہے۔ اسی پر ہم قرآن کی رو سے مامور ہیں۔ ہمارے کان، ہماری آنکھ، ہمارے دل، ہم کو دیے ہی اسی لیے گئے ہیں کہ منصب امامت سے یورپ کو معزول کر کے اسے خود حاصل کر لیں۔

—— اب فرمائیے، کہ بستی کے مسلمان کیا اتنا کہنے سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ بھائیو! یہ خدمت اور یہ تعبیر بیسویں صدی کی ہو تو ہو لیکن یہ تفسیر اور یہ تعبیر اُس اسلام اور اُس قرآن کی تو ہے نہیں، جو ہمارے رسولؐ پہلی صدی ہجری میں لیکر آئے تھے!

نیا رجز "جو لوگ میرے ساتھ ہیں، محمد منظور صاحب، ابن حسن صاحب، ابو الحسن علی صاحب، سید صبغۃ اللہ صاحب، مسعود عالم صاحب، سید محمد جعفر صاحب ان میں سے کون ایسا ہے جسکے متعلق کوئی اللہ کا بندہ اللہ کو سمیع و بصیر سمجھتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ کبھی اہل زیغ و ضلال میں سے رہے ہیں؟"

"تحریک" کے محرک نے اپنے رسالہ کے تازہ نمبر (رمضان ترجمان) میں فرمایا۔ یہ عبارت اگر محض رجز کے طور پر ارشاد ہوئی ہے، جب تو کچھ کہنا عرض ہی نہیں، لیکن اگر بطور استدلال پیش ہوئی ہے، تو جناب سے استفسار ہے، کہ یہ استدلال کی کون سی قسم ہوئی؟ کوئی غلطی اگر خود آپ سے ہو جانا ممکن الوقوع ہے، تو اُس غلطی کی تائید یا اسکی جانب عدم التفات کیا چھ سات کی تعداد میں اہل علم سے پڑنا ممکن ہے؟

پھر اگر یہی دلیل حقانیت ہے، تو آج ہندوستان میں کون سی دینی یا سیاسی یا نیم سیاسی نیم دینی تحریک یا مجلس ایسی ہے جو اس معیار پر پوری نہیں اُترتی؟ یہاں تک کہ آپ سے بالکل مخالف بلکہ متضاد راہ پر چلنے والے ادارے بھی۔ کیا مسلم لیگ، اللہ کے نیک بندوں اور اہل حق سے خالی ہے؟ کیا مجلس احرار میں اہل زیغ و اہل ضلال ہی بھرے ہوئے ہیں؟ کیا جمعیۃ العلماء محض مجموعۂ اشرار ہے؟ کیا کانگریس کے رجسٹروں پر کسی مخلص مسلمان کے دستخط ثبت نہیں؟ —— اشخاص و افراد کے نام لے لے کر لوگوں کے جذبات کو اُبھارنا رجز کی جدید ترین اور [illegible] data قسم تو بیشک ہو سکتی ہے۔ لیکن خدارا ارشاد ہو کہ حقائق پر استدلال کے لحاظ سے اسکا کون سا درجہ ہوا؟

اور پھر اگر کسی گستاخ نے اسی حربہ کو اُلٹ دیا، تو کیسی دلگی رہیگی۔ تحریک کا ساتھ دینے والوں کے مقابلہ میں تو تحریک کا ساتھ نہ دینے والوں کی تعداد اسی وزن اور تناسب میں تو اب بھی کہیں زائد ہے —— کیا مقصود یہ ہے کہ ایک (اصطلاح قادیان) "مبائعین" اور "غیر مبائعین" کی فہرستیں الگ الگ تیار ہوں اور اسکے بعد دونوں کا ٹکرا جانا شروع ہو؟

کتبہ کا ایک شعر مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی ثم لکھنوی (متوفی ۱۹۲۵ء) بانی مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے ایک ممتاز عالم اور صاحب نسبت بزرگ ہوئے ہیں۔ پچھلے ہفتہ اتفاق سے انکے مزار پر جانا ہوا۔ ۴ بجے دن کا وقت تھا نیم پختہ سنگین ہونے کے باوجود مزار کے انوار کا کیا پوچھنا، قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کی آوازیں ہر طرف سے چلی آ رہی تھیں، مدرسہ فرقانیہ [illegible] لیکن پائیں میں ایک اور قبر بھی نظر آئی۔

مولانا کے معتقد خاص و مرید با اخلاص حاجی اصطفیٰ خاں صاحب (لکھنؤ کے مشہور و معروف کارخانۂ عطر کے مالک) کی زوجۂ حیات کی۔ اس پر ایک قطعۂ تاریخ نظر پڑا۔ عجب نہیں کہ خود خاں صاحب موصوف ہی کا کلام ہو۔ خوشگو و خوش فکر ہیں۔ پہلا شعر پڑھ کر طبیعت بے چین ہو گئی۔ بار بار اُسے پڑھا۔ یہاں تک کہ یاد ہو گیا۔ ناظرین صدق کی نذر ہے۔ عجب کیا، اگر پڑھنے والوں میں سے بھی کوئی کوئی اسی ذوق کے نکل آئیں۔ شعر خواہ چاہنے والے زندہ شوہر کی طرف سے سمجھا جائے تو، اور خواہ مرحوم محبوبہ کی طرف سے لیا جائے تو، کیف سے کسی صورت میں بھی خالی نہیں۔ بہرحال شعر حاضر ہے

روشن ز یاد تست شب انتظار ما
خورشید محشرست چراغ مزار ما

ایک کتاب سے متعلق

صدق ۹۳ کے ص... کے ... رامپور کے سلسلہ میں عربی کی ایک کتاب متعلق بہ قرآن، سہیلی کی التعریف والاعلام کا ذکر آ گیا تھا۔ اس سے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (جامعہ ڈابھیل سورت) کا مندرجہ ذیل ملاطفت نامہ بصد شکریہ درج ذیل کیا جاتا ہے:—

"کتاب مذکور قاہرہ میں نافع و مفید حواشی کے ساتھ چھپ گئی ہے، غالباً ۱۳۵۶ھ ہجری میں طبع ہوئی۔ میں خود قاہرہ میں (جب مجلس علمی کی طرف سے بہ سلسلۂ طباعت نصب الرایہ اور فیض الباری بہ معیت رفیق محترم مولانا سید احمد رضا صاحب مدیر مجلس علمی جانا ہوا تھا) اسکا نسخہ خرید چکا ہوں۔ لیکن افسوس اسوقت میرے سامنے نہیں کہ مطبع و سنہ طباعت کا صحیح حوالہ دے سکوں۔"

بزم خریداران صدق

صدق کی توسیع اشاعت پر صدق کے قدیم کرم فرما جناب مولوی عبد الرحیم صاحب (حیدرآباد) نے پھر پیشقدمی فرمائی۔ امید کہ دیگر ناظرین بھی اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

جناب مولوی عبد الرحیم صاحب حیدرآباد —— خریدار

مکتبۂ جامعہ کی دو نئی کتابیں

جگت بیتی ۔ (جلد اول) پنڈت جواہر لال نہرو کی کتاب Glimpses of World History کا سلیس ترجمہ۔ تمام دنیا کی تاریخ، سلاطین اور مشہور خاندانوں کے حالات سے قطع نظر کر کے مرتب کی گئی ہے۔ تاریخی ادب میں ایک جدت (۱۰ مارچ تک شایع ہو جائیگی)

سیر کائنات ۔ ہوا اور چاند ستاروں وغیرہ پر آٹھ تقریریں، جو انسٹیٹیوٹ لندن میں کی گئی تھیں، یہ اُنھیں کا مجموعہ ہے۔ ارضیات، فلکیات اور ریاضیات کے خشک مسائل پڑھیے اور افسانوں جیسا مزہ لیجیے (۱۰ مارچ تک شایع ہو جائیگی)۔

مکتبہ جامعہ ۔ دہلی ۔ نئی دہلی ۔ لکھنؤ ۔ بمبئی ۔

"کشفِ حقیقت"

(از عبدالماجد)

شبے بخواب دید کہ استخوانہائے پیغمبر علیہ السلام از لحد گرد می کرد و بعضی را از بعضے اختیار می کرد

ایک رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ پیغمبر صلعم کی تربت مبارک سے آپ کی ہڈیاں اکھاڑ رہے اور ان میں سے بعض کو چھانٹ چھانٹ بعض کو الگ کر رہے ہیں۔

یہ روایت آپ سمجھے کس کی بیان ہو رہی ہے؟ اسکی جنھیں ہم آپ سراج ولایت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جنکی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے والے آج کروڑوں کی تعداد میں حنفی موجود ہیں۔ جی ہاں، یہ خواب، جسے کوئی معمولی مسلمان بھی زبان پر لاتے ہوئے کانپ جائیگا، انھیں امام الائمہ کا ہے! اور روایت کے راوی صوفیہ کرام کے سرتاج شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ہیں! ملاحظہ ہو انکا تذکرۃ الاولیاء، جلد ۲، صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ یورپ —— خواب ختم ہوگیا، خواب کی تعبیر ابھی باقی ہے۔

از ہیبت آن بیدار شد فرط ہیبت سے آپ کی آنکھ کھل گئی۔

بیشک خواب تھا ہی ایسا موحش اور ایسا مدہش۔ وحشت اور دہشت جتنی بھی آپ پر طاری ہوتی، کم تھی —— خود اتنے بڑے عالم، فقیہ، متقی تھے۔ اپنے دیکھے ہوئے خواب کو نہ سمجھ سکے۔

یکے را از اصحاب ابن سیرین پرسید گفت تو در علم پیغمبر علیہ السلام و حفظ سنت او بدرجہ بزرگ رسی چنانکہ درآن متصرف شوی صحیح از سقیم جدا کنی۔

مشہور معبر ابن سیرینؒ کے ایک شاگرد سے تعبیر دریافت کی تو وہ بولے، کہ آپ پیغمبر صلعم کے علوم اور آپؐ کے آداب سنت میں درجہ کمال پر پہونچیں گے، اور اس باب میں صحیح کو غلط سے ممتاز کرینگے۔

دیکھا آپ نے، وہی خواب جو اول اول کتنا وحشتناک نظر آتا تھا، اور جسکا زبان پر لانا ہی انتہائی سوء ادب کے مرادف معلوم ہوتا تھا، نگاہِ حقیقت بیں کے سامنے کیسی مبارک فال ثابت ہوا! —— اب اگر کہیں بیسویں صدی عیسوی کا پروپیگنڈسٹ، امام صاحبؒ کا مخالف اسوقت موجود ہوتا، تو کیا یہ آسانی اسکے لیے یہ ممکن نہ تھا، کہ چوراہے پر کھڑے ہوکر ایک موثر خطبہ اس قسم کا شروع کردیتا کہ "دیکھتے ہو اس ظالم و بے ادب کو، کہ ہم سب کے آقا و ہادی حضور رسول اللہ صلعم سے متعلق کیسا گندہ اور بیہودہ خواب لوگوں کے سامنے بیان کر رہا ہے"! اور کتنے سنجیدہ اہل فہم اس دور میں بھی بچ سکتے جو اس پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر آج جنھیں ہم آپ سراج الامت کہتے ہیں، انکے لیے بدترین رائے نہ قائم کرلیتے؟

۲۔ روایت کا ہر جزو بجائے خود اس حد تک بھی ہر حال ہر انسانی روایت میں صدق و کذب کا احتمال رہتا ہی ہے۔ خود کلام مجید کے مقدس اوراق کی الٹ پلٹ کیجیے۔ حضرت یوسفؑ بچپن میں کیا خواب کس شکل میں دیکھتے ہیں، اور اسکی تعبیر کتنی مدت کے بعد اور کتنی مختلف صورت میں ظاہر ہوتی! اسی سورۂ سورۂ یوسف میں ذکر ایک دوسرے خواب کا بھی آتا ہے یعنی بادشاہ مصر دیکھتا ہے، اور اسکی تعبیر، خواب کی لفظی و ظاہری واقعیت سے کتنی مختلف کہیں برسوں میں جاکر نکلتی ہے! پھر اسی سورہ میں ذکر دو اور خوابوں کا آتا ہے۔ یہ شاہ مصر کے عملہ کے دو شخص دیکھتے ہیں۔ ان دونوں خوابوں کی تعبیر کا بھی ظہور عالم شہادت میں عالم رویا سے کتنی مختلف شکل میں ہوتا ہے! ——

ان براہ راست قرآنی خوابوں پر اضافہ کیجیے وہ نیم حدیثی اور نیم قرآنی خواب جنکا صرف مجمل ذکر قرآن مجید میں ہے، باقی تفصیل حدیثوں میں ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا خواب قربانی اسمعیلؑ کے باب میں، جسکا مفہوم سمجھنے میں خود اس نبی برحق کو وقت لگا، یا خود ہمارے رسول کریمؐ کا خواب صلح حدیبیہ والا، جسکا اصلی مفہوم اس سے خود مختلف ہی نکلا، جو آنحضرتؐ کے ذہن مبارک میں آیا تھا۔ تو جب حضرات انبیاء تک کے خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں، اور اپنے لفظی و ظاہری معنی سے الگ ہی ہوکر ظاہر ہونے ہیں، تو پھر غیر انبیاء، اور اس میں بھی ہمہ شما کا ذکر ہی کیا!

بہت سی نظیریں اور شہادتیں حدیث کے ذخیرے سے مل سکتی ہیں لیکن قرآن مجید سے استشہاد کے بعد انکی ضرورت ہی کیا! یہ ساری جگہ جینی تھی۔ اپنی آپ بیتی کو لیجیے ہم میں آپ میں کون ایسا شخص ہے، جس نے اپنی عمر کی مختلف منزلوں میں، کیسے کیسے عجیب و غریب، کیسے کیسے مستبعد و غیر متوقع، کیسے کیسے شرمناک، اور کیسے کیسے بے سروپا خواب نہیں دیکھے ہیں؟ بیداری کے واقعات سے ان منظروں کا کوئی ربط، کوئی تعلق ہی نہیں! پھر کیا خوابوں کی بنیاد پر کسی کی سیرت سے متعلق رائے قائم کی جاتی ہے؟ خواب کے اندر کے جرموں پر سزا کا نفاذ کسی عدالت نے بھی جائز رکھا ہے؟ خواب کے حج ورزکوٰۃ اور نماز اور روزہ کو بیداری کی تعمیل ارکان کا قائم مقام کسی درجہ میں بھی کسی فقیہ نے تسلیم کیا ہے؟ کوئی شخص ساری عمر اگر ہر رات کو برابر اپنے کو شراب پیتا ہوا دیکھتا رہے، تو کوئی ہلکی سی بھی حد شرعی اس پر جاری ہوگی؟ کوئی معصیت بھی اسکی لکھی جائیگی؟ عقل نے، نقل نے، تجربہ نے، شریعت نے، کسی نے بھی کوئی ذمہ داری خواب کی، خواب دیکھنے والے پر عائد کی ہے؟ —— سنہ ۱۹۲۰ء یا سنہ ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے، جب تحریک خلافت خوب زوروں پر تھی، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی مدظلہ اس سے الگ تھے، تو انکے کسی مخالف کا خواب اخبارات میں شائع ہوا تھا، تفصیل اتنے عرصہ کے بعد اب پوری طرح ذہن میں محفوظ نہیں، ہاں اسی زمانہ میں مولانا کے کسی معتقد نے اس خواب کی تعبیر بھی چھاپی تھی، جس نے ظاہری صورت واقعات کو بالکل الٹ کر رکھدیا تھا!

خواب ہی سے ملتی جلتی ایک کیفیت اور بھی ہے جسکا نام صوفیہ کی اصطلاح میں کشف ہے۔ کشف میں بھی انسان ... ہوتا ہے جیسے ... ہیں۔ شعور جلی اسوقت بھی معطل ... انسان ... ہوتا ہے ... دیکھتا ہے، سنتا ہے، اسکے ...

غیر مکلف اور ذمہ داری سے بری ہوتا ہے جیسے حالتِ خواب میں۔ اور
جس طرح خواب اچھے بھی ہو سکتے ہیں بُرے بھی، خوش آیند بھی اور ناگوار
بھی، گندے بھی پاکیزہ بھی۔ اسی طرح کشف صحیح بھی ہوتا ہے غلط بھی،
ملکوتی بھی نفسانی بھی، علوی بھی سفلی بھی۔ بحث شرعی کا کام جس طرح
خواب نہیں دے سکتے، اسی طرح کشف بھی برہانِ عقلی و شہادت
حسی کی قائم مقامی جس طرح خواب نہیں کر سکتا اسی طرح کشف بھی
ایک نہیں متعدد اولیاے امت کو اگر کشفیہ ہو کہ رویت ہلال ۲۹ کی ہو گئی
تو ان سب کے مجموعہ پر دو شاہدوں کا کیا ذکر ایک شہادت کا بھی اطلاق
نہ ہوگا۔ اگر پچیس [illegible] صاحبوں کو ایک ساتھ یہ منکشف ہو کہ فلاں شخص
سرقہ یا شراب نوشی یا جرم کا مجرم ہے، جب بھی کوئی شرعی عدالت اس سے
مواخذہ نہ کریگی۔ کشف نہ کوئی نئی بات ہے نہ بزرگی کی دلیل ہے نہ اسکا شمار
محققین صوفیہ نے کسی مرتبہ کے کمالات روحانی میں کیا ہے۔ بعض کے لیے
یہ ایک طبعی کیفیت ہوتی ہے جس میں توجہ کی یکسوئی زیادہ ہوتی ہے جنھیں
اس سے ایک مناسبت ہوتی ہے۔ اور جیسے بہت سے دیکھے ہیں جو مشق
و اکتساب سے اپنے لوح قلب پر ایک اشراقی کیفیت پیدا کر لیتے ہیں۔ ان
[illegible] کو علامت الٰہی سے اور اس لیے مقبولیت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔
غیر متقی مومن کیا معنی، سرے سے غیر مسلموں تک میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے
— تعبیر میں غلطی خواب کی طرح کشف میں بھی ہوتی ہے۔ بہت دفعہ انسان
خود اپنے ہی کشف کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ پاتا، جس طرح اپنے خواب کی
تعبیر غلط سمجھ جاتا ہے۔ ایسی غلطیاں اکابر تک سے منقول ہیں۔ اور چونکہ
یہ مادہ ہی سرے سے کوئی تعلق بزرگی سے نہیں رکھتا، اس لیے ان غلطیوں کا
اثر بھی انکی بزرگی پر نہیں پڑتا۔ کسی حاذق طبیب سے ریاضی کا سوال
حل کرنے میں اگر غلطی ہو جائے، تو اسکا اثر اسکی طبی حذاقت پر کیا پڑ سکتا
ہے؟ مولانا محمد یعقوب نانوتوی دیوبندی (اتفاق سے صاحبِ کشف بھی
تھے، جس طرح اور بعض ستودہ دنیوی علوم و کمالات کے حامل تھے) انکی بابت
مشہور ہے کہ جب مولانا محمد قاسم ۴۹ سال کی عمر میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے
تو انھوں نے اپنے کشف کی بنا پر یہ کہدیا تھا کہ ابھی انکی موت نہیں۔ حالانکہ
موت ہوئی اُسی مرض میں۔ بعد کو انھوں نے فرمایا کہ انھیں کشف میں
لفظ محمدی دکھایا گیا تھا۔ یہ اس سے مراد یہ سمجھے تھے کہ مولانا کی عمر اسم
محمدی کے ہم عدد ہوگی (۵۹ سال کی)۔ حالانکہ مراد یہ تھی کہ مولانا حضرت
محمدی کے ہم عمر ہونگے (یعنی اسی ۴۹ سال)

یہ باتیں کچھ بہت دقیق نہیں، اور نہ انکا شمار اسرارِ صوفیہ میں ہے۔ اہلِ
تحقیق کی صحبتوں میں بیٹھنے والا ان چیزوں سے واقف ہے۔ کشف
کی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد کسی کے لیے یہ ہنگامہ برپا کر دینا، یا
اسے اپنے اخبار یا رسالہ میں چھاپ دینا کہ اس نے فلاں ملک کے فلاں ممتاز
عالم اور صاحبِ طریق مقتدا کو حالتِ کشف میں کریہ ترین اور مکروہ ترین
ہیئت میں پایا، اور اس لیے اس مرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دین
کے نام پر کسی اٹھنے والی تحریک پر رائے زنی کرے، خود اپنی غیر ذمہ دارانہ
سیرت کو عریاں کر دینا ہے، اور اپنے تشویشی دماغ کی ہرگز کوئی اچھی شہادت
نہیں بہم پہنچاتا ہے۔ انسان خواب میں اور کشف میں ہو سکتا ہے کہ اس
سے بھی بدتر اور گندہ تر منظر دیکھے۔ اس انفعالی کیفیت کی ذمہ داری
آخر ملزم پر شریعت کے، طریقت کے، کس قانون سے عائد ہوتی ہے؟
——— قابلِ ملامت یہ امر نہیں کہ کسی کو ایسا ہولناک کشف ہوا، بلکہ یہ امر
ہے کہ اسکی اشاعت کسی نے زبان سے کی، اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ کسی کے
قلم نے کیا کلام مجید میں اشاعتِ فحش کو جو جرم قرار دیا ہے وہ اغرب ہے، تو نہیں، یا یہ اسکا
اعلان و اشتہار ہے کہ آئندہ جو اسلام کی نہیں، تجدیدی اسلام کی حکومت
قائم ہونے والی ہے، اُس میں احتساب نیم شعوری و لاشعوری کیفیات نفس
کا بھی ہوا کریگا، اور حد و تعزیر خواب و کشف پر بھی جاری ہوا کریگی؟
پروپیگنڈہ کے لحاظ سے یقیناً یہ حربہ کارگر ہوا۔ اور پارٹی پالیٹکس اور
رجحانات عوام کے لحاظ سے اسے کامیاب ہونا بھی چاہیے تھا ——
جامع دمشق میں جب حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتا، اور حضرت نائلہؓ کی
کٹی ہوئی انگلیاں، دکھا کر عام رعایا کے دلوں میں ہیجان برپا کر دیا گیا
تھا، تو اسکے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے ٹھنڈے دلائل اور معقول معذرت
پر کس نے توجہ کی تھی؟ —— بیسویں صدی کا یہ میگنیٹ اس تمادی
موقع سے کیسے فائدہ نہ اٹھاتا۔ لیکن سوال یہاں فن کاری سے یعنی
مقصد کی نبض شناسی سے نہیں، صرف حق اور دیانت اور ضمیر کی
آواز سے ہے۔

اگر واقعی کسی کو اس قسم کا گندہ منظر کشف ہوا ہے تو اسکی تعبیر بہت آسانی
سے یہ ہو سکتی ہے کہ موجودہ دین کو پہلے اُن بزرگ کی صورت میں متشکل کر کے
دکھایا گیا، اور پھر اُسکی حالت ایسی کریہ شکل میں دکھائی گئی جس سے ہر
صاحبِ ایمان کو گھن آنے لگے۔ یعنی اصل دین آج تاریخ ہو کر اس قدر گندہ
صورت میں ظاہر ہو رہا ہے! —— یہ تو ہر صاحبِ ایمان کے لیے ایک
انتہائی غیرت کا، اور اسکے دینی احساس کو بیدار کرنے کے لیے تازیانہ
ہوا۔ اسے کسی خاص شخصیت کی تحقیر و توہین سے مطلق تعلق ہی نہیں بلکہ اس
اس سے اگر کچھ ظاہر ہوتا ہے تو اُس شخص کی عین عظمت و احترام ہی کہ دینِ اسلام
کا تمثل اسکی ذات میں کر کے دکھایا گیا! واللہ اعلم و علمہ احکم۔

تصانیف جنابِ مدیرِ صدق

(۱) تصوفِ اسلام۔ خالص اسلامی تصوف کا بیان۔ قدماے صوفیہ
صوفیہ کے حالات و تعلیمات۔ طبع ثانی با اضافہ کثیر۔ ۲۲۲ صفحے قیمت عہ

(۲) فیہ ما فیہ (فارسی) ملفوظات مولانا روم۔ مع دیباچہ، مقدمہ
وغیرہ۔ ۲۴۰ صفحے۔ قیمت عا

(۳) سفرِ حجاز۔ عازمینِ حج کے لیے بہترین رہنما۔ فقہی، ادبی، تاریخی، ادبی
ہر حیثیت کا جامع۔ دیباچہ از مولانا سید سلیمان ندوی ۲۱۴ صفحے قیمت للعہ

(۴) فلسفۂ جذبات۔ مشہور و معروف کتاب۔ طبع ثالث۔ با اضافہ
حجم ۲۴۰ صفحے۔ قیمت لعہ

(۵) مبادیِ فلسفہ۔ حصہ اول۔ فلسفہ کی پہلی کتاب ۸۵ صفحے ۔مہ

(۶) مبادیِ فلسفہ حصہ دوم۔ فلسفہ کی دوسری کتاب ۱۸۱ صفحے عمہ

(۷) ترجمہ مکالمات برکلے مع دیباچہ، مقدمہ وغیرہ ۱۴۰ صفحے عہ

مسلمان اور ہندوستان کی سیاسی تحریک

[ماہنامہ کتاب (لاہور) کا مختصر تعارف صدق میں آچکا ہے، اسکا دوسرا نمبر پہلے سے کہیں بہتر نکلا۔ اس میں ایک طویل مضمون پروفیسر محمد سرور صاحب جامعی کے قلم سے "شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ملکی سیاسی تحریک" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اسکا ابتدائی حصہ حسب ذیل صدق میں درج ہونے کے قابل ہے۔]

آجکل ہندوستان کی تاریخ کی نئی نئی تعبیریں ہو رہی ہیں۔ زیادہ دن نہیں گزرے کہ ہم سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں صرف انگریز مصنفوں کی لکھی ہوئی ہندوستان کی تاریخیں پڑھتے تھے۔ یہ لوگ ظاہر ہے برطانوی عہد کو سراہتے اور ہندو مسلمان بادشاہوں کے زمانہ کو برا کہتے تھے۔ قومی تحریک شروع ہوئی تو بھارت میں انگریزی راج قابل نفرت قرار پایا۔ اور ہندوستان کی تاریخ نئے زاویہ سے لکھی جانے لگی۔

ہندوستان کی موجودہ تاریخ کے ہراول بیشتر ہندو ہیں۔ شروع شروع میں اس تحریک کا سارا تانا بانا بھی خالص ہندوانہ تھا۔ گو اصولاً یہ تحریک سارے ہندوستان کی تھی، لیکن عملاً بہت عرصہ تک یہ صرف ہندوؤں تک محدود رہی۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی، قومی تحریک سے صرف بے تعلق ہی نہیں بلکہ بڑی حد تک اسکی مخالفت ہی کرتے رہے۔ دوسری طرف ہندوؤں نے مسلمانوں کو پردیسی سمجھنا شروع کیا اور ہندوستانی تاریخ کا اسلامی عہد انکی نظروں میں تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا گیا۔ بنگال کی تقسیم کے خلاف ہندوؤں کی جد و جہد اور مہاراشٹر والوں کی تحریک آزادی اور بندے ماترم کے گیت کا کانگریس کے پلیٹ فارم سے گایا جانا، یہ سب اسی زمانہ کی یادگاریں ہیں۔

یہ بات ان ہندو قوم پرستوں کے نقطۂ نظر سے تھی بھی معقول۔ اگر انگریز کی حکومت جابرانہ ہے، اور اسکو ختم کرنا ہر ہندوستانی قوم پرور کا فرض ہے تو مسلمان بادشاہوں کی حکومت انکی نظر میں برطانوی حکومت سے کیا کم جابرانہ تھی۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ انگریز کو برا کہا جائے اور مسلمان فرمانرواؤں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ جن ہندو سرداروں نے مسلمان بادشاہوں کے خلاف بغاوتیں کیں، وہ بڑے وطن پرست قرار دیے گئے۔ سیواجی، گرو گوبند، آزادی کے سورما ہیں، اور اورنگ زیب غاصب اور مستبد۔ اب مسلمان کیا کرتے، وہ لاکھ قوم پرست ہوں لیکن وہ اسلامی عہد اور مسلمان بادشاہوں کو برا کہکر نہ اپنا وجود قائم رکھ سکتے تھے اور نہ اپنی قوم کا وقار۔ الغرض ہندوستان کی تاریخ کا یہ مسئلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی بہت بڑی خلیج ہے، جسکا پٹنا اتنا آسان نظر نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں ایک بات صاف ظاہر ہے کہ اورنگ زیب اور دوسرے مسلمان بادشاہ، بادشاہی نظام کے محافظ تھے۔ اور سامراج ہی اس عہد کا شعار تھا۔ سیواجی اور گرو گوبند سنگھ کچھ بھی ہوں۔ عام ہندو رعیت کے نمایندے تھے۔ انکی تحریک بلاشبہ ہندو عوام کی تحریک تھی جسکا مقابلہ ہندو عوام اور مسلمان بادشاہ کا تھا۔ اس زمانے میں جبکہ جمہوریت اور ڈیماکریسی ہر شخص کا مذہب بن رہا ہے اور شہنشاہیت اور استبداد کی برائی کے نعرے ہر جگہ گونج رہے ہیں، مرہٹوں، راجپوتوں، سکھوں اور جاٹوں کی تحریکوں کو اس لحاظ سے برا کہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن کسی مسلمان کی زبان، اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف بھی آخر کیسے کھلے؟ اب دقت یہ ہے کہ ہندو قوم پرست جس عہد کو اپنی آزادی کی تحریک کا سنگ بنیاد قرار دیتا ہے، اور اسکے لیڈروں کو اپنا پیشوا اور گرو، ہم اسکے برعکس اورنگ زیب کو بڑا خدا پرست بادشاہ مانتے ہیں، اور اسکے خلاف بغاوت کرنے والوں کو برا کہتے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنی قومی عزت کو برقرار رکھنے کے لیے استبداد اور مطلق العنان بادشاہت کی حمایت کریں۔ چنانچہ مسلمان وطن دوست اور آزادی ملک کے لیے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے والے عجب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

مولانا محمد علی مرحوم، شروع میں اس قومی تحریک سے بالکل الگ رہے۔ ریاست بڑودہ کی ملازمت کے زمانہ میں وہ اورنگ زیب کی حمایت اور سیواجی کی مخالفت کے سلسلہ میں اپنے افسر کے معتوب بھی ہو چکے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب مرحوم نے کانگریس میں شرکت کی تو اسوقت مسلمانوں کے کانگریس تحریک سے علیحدہ رہنے کیلیے وجہ جواز ڈھونڈھنے کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ مرحوم نے اپنے خطبہ میں جو انھوں نے کانگریس کے صدر کی حیثیت سے کوکناڈا میں پڑھا تھا، نہایت تفصیل سے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ انکا کہنا یہ تھا کہ مسلمانوں کا شروع میں سیاست کے شعبوں سے الگ رہنا بجا اور درست تھا، لیکن جب علیگڈھ کے قیام اور مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی عام اشاعت پر عرصہ گزر چکا اور ان میں سیاسی بیداری کے آثار نمایاں ہو چلے تو پھر مسلمانوں کے لیے کانگریس میں شرکت ہونا ضروری ہو گیا، یعنی مرحوم نے یہ مان لیا کہ آزادی کی تحریک میں مسلمان بعد میں آئے، اولیت کا سہرا ہندوؤں ہی کے سر رہا۔ گاندھی جی قائد بنے، اور محمد علی اور شوکت علی انکے رفیق اور پیرو۔ مولانا مرحوم کو طبعاً یہ ثانوی حیثیت گوارا نہ تھی۔ چنانچہ انکی ہندو کانگریسی زعماء سے کبھی نہ بنی۔ خود گاندھی جی نے بھی جنکے وہ کسی زمانہ میں بڑے عقیدت مند تھے، انھیں آخر لڑائی لڑنی ہی پڑی۔ یہ اختلاف عارضی اور وقتی اسباب کی وجہ سے نہ تھا، جیسا کہ بظاہر اسوقت لوگوں نے سمجھا کہ تصادم تھا دو مختلف ذہنیتوں کا، ہندو قوم پرست قومی تحریک کی قیادت کا دعویدار تھا، وہ مسلمان کو صرف اپنا مددگار سمجھتا تھا۔ لیکن یہ کہ دونوں اس تحریک میں برابر کے ساجھی ہوں، یہ خیال گاندھی جی کے احساس فکر میں کبھی ممکن نہیں۔ گاندھی ازم آزاد ہندوستان کا سیاسی اور دینی مسلک ہے۔ مسلمان کی اس میں گنجائش ضرور ہے لیکن بحیثیت مخلص پیرو کی۔ ہندوستان کی قومی تاریخ کی اس تعبیر کا اسکے سوا اور کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔ مجبوراً جو مسلمان بھی ان حالات میں کانگریس میں جائیگا، مسلمان اسے "خارجی" قرار دینگے۔ اسکے نزدیک سیواجی سے جو کام

نمبر ۴۳ | دوشنبہ ۲۸ - صفر المظفر سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۶ - مارچ سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

اسی فروری کی آخری تاریخ کو لکھنؤ میں مسلمانوں کے ایک بازار نظیر آباد میں دوپہر جو حادثہ خونیں پیش آیا اسکی یاد سے تو ابھی خون ٹپک رہا ہے - وہ مدھ سندر دھا سبھا کا عظیم الشان جلوس، وہ ان کا ہزارہا کی تعداد میں مجمع، وہ اس مجمع کی لاٹھیاں، تیغ، قرولیاں، وہ اس مجمع کے مسلسل اشتعال انگیز و صبر آزما نعرے - تصادم اسی صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہے، اسلیے نفس واقعات پر بحث کا موقع نہیں کون کس حد تک مجرم تھا، کس کا قصور کتنا تھا اسکا فیصلہ عدالت ہی سے ہوگا۔ یہاں غرض صرف اس حقیقت سے ہے، کہ نظیر آباد میں جو نوجوان اسلام کے نام پر، دین کی غیرت پر، کلمۂ توحید و رسالت کی حرمت پر، سب سے پہلے نثار ہوا وہ ایک شیعہ مسلمان تھا!! — واقعہ ماضی کا نہیں حال کا ہے۔ کل کا نہیں، آج کا ہے! ذکر کسی اور شہر کا نہیں، اُسی شہر کا جو مرکز ہے "مدح صحابہ" کا، اکھاڑہ ہے "مدح صحابہ" کا! ماجرا اُس شہر کا ہے، جہاں شیعوں کے جلوس مجسٹریٹوں کے زیر سایہ چلتے ہیں اور سنیوں کے جلوس پولیس کی سنگینوں کی حفاظت میں نکلتے ہیں!

کیا غیر مسلموں نے شہر کے مختلف محلوں میں جب مسلموں پر حملے کیے، لاٹھیاں برسائیں، چھریاں چلائیں، قرولیاں بھونکیں، تو یہ بھی سوال کرتے جاتے تھے کہ بتا تو مسلکوں کے کس فرقہ سے ہے؟ یہ بھی جرح کرتے جاتے تھے کہ بول تو تفضیل صحابہ کے باب میں کیا عقیدہ رکھتا ہے؟ مسئلہ بداء میں تیرا کیا خیال ہے؟ تو جنگ جمل و صفین میں حق پر کس کو سمجھتا ہے؟ تو قاتلان حسینؓ پر لعنت کا قائل ہے یا نہیں؟ — دشمنان اسلام کی نظر میں تو اسلام کی صرف ایک ہی تھرہے، ایک ہی نشان ہے، ایک ہی جو ہے، ایک ہی ٹھپہ ہے، ایک ہی پہچان ہے، اور وہ کلمۂ شہادت ہے، صرف توحید و رسالت کا اقرار! — اہل حدیث، سنی، شیعہ، مقلد غیر مقلد کی تفریقیں اور تقسیمیں سب اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست! اور اہم بھی۔ لیکن خدا کے لیے ہر اختلاف کا درجہ اور مرتبہ پہچانیے، ہر غلطی، ہر غلط روی، ہر نادانی، ہر کج فہمی کو اسکی حد پر رکھیے - جزو کو جزو کی حیثیت پر رہنے دیجیے، اُسے کل سے بڑھانے کی کوشش میں اپنے آپ کو مضحکہ انگیز نہ بنا دیجیے!

ابو محجن ثقفیؓ کا حال کیا تاریخ اسلام کا کوئی نامعلوم واقعہ ہے! شراب نوشی، متواتر شراب نوشی کے جرم میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حراست میں قید تھے - معرکۂ جہاد میں، ایران کے محاذ پر، مسلمانوں کو کٹتے اور گرتے دیکھ بیتاب ہوگئے، کسی نہ کسی حیلہ، بہانہ، تدبیر سے قید خانہ سے نکل میدان جنگ جا پہونچے، اور اپنی شخصیت کو چھپائے ہوئے اس بے جگری سے لڑے کہ سپہ سالار کے منہ سے بے ساختہ داد نکل گئی — عمل کا فسق ہو یا اعتقاد کا فسق، یہ سارا خس و خاشاک، غیرت دینی اور جوش اسلامی کے سیلاب میں یونہی بہہ جایا کرتا ہے - یہی کل بھی ہوا، یہی آج بھی ہو رہا ہے۔ ضرورت اسی کو گرمانے، اسی کو تڑپانے کی ہے — مبارک ہے وہ شہر جس سے خیر پیدا ہو، خوش نصیب ہے وہ قوم جو ہر حادثے سے بصیرت، غیرت، و عفت کا سبق لے - کاش نوجوان یوسف شہید کی یہ موت اور دھبے مجروحوں کا بہتا ہوا خون ایک نشان اتحاد

جن جائے، پیام موت بن جائے، اس فساد و تفرقہ والے شہر کے لیے، شرانگیز جلسوں اور فتنہ خیز جلوسوں والے شہر کے لیے! —

تکبیر ہی اچھی ہے، تقریر میں تھے جھگڑے
ترک اس کو کیا ہم نے جس شور میں شر دیکھا!

پنجاب کی نظیر

پنجاب کی صوبہ اسمبلی کا ایک منظر:-

"خان محمد یوسف خان نے تحریک پیش کی کہ امتناع رقص و سرود سے متعلق مسودۂ قانون پر سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا جائے۔ اس مسودۂ قانون کا مقصد یہ ہے کہ مسلم خانقاہوں پر عورتوں کے رقص و سرود کی ممانعت کی جائے۔

پیر اکبر علی نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بل بے معنی ہے اور اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اس سے مداخلت فی الدین ہوتی ہے، نیز آیۂ کریمہ لا اکراہ فی الدین کی خلاف ورزی اور دوسروں پر جبر ہوتا ہے....

حاجی رشید احمد لطیف نے اس بل پر اظہار مسرت کیا، اور محرک کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ شاید یہ اس ایوان نے کم از کم ایک اصلاحی بل تو پاس کر دیا۔

پیر اکبر علی نے تیسری خواندگی کے وقت بھی بل کی مخالفت کی تھی اور اسکو پھر مداخلت فی الدین قرار دیا"

زندہ باد پیر اکبر علی! ان کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پنجاب اسمبلی "تجدد" اور "روشن خیالی" کی نمائندگی سے یکسر خالی ہے؟ —— پنجاب کی تو خیر تھی، البتہ ہمارے صوبہ میں تو ناچ کا بہت بڑا اعلیٰ مرکز (کلچر سنٹر) اور گانے بجانے کی تو پوری اکاڈیمی قائم ہے۔ خلعت سے سرافراز ہونے کا تو اب زمانہ ہی نہ رہا لیکن بعید ہوگا اگر اپنی آنریری ڈگریوں سے یہ اکاڈمیاں اپنے آرٹ نواز کو نوازنے سے محروم رکھیں!

تجدد میں جمود

پونہ کی مشہور زنانہ یونیورسٹی (ڈاکٹر کاروے کی قائم کی ہوئی) روز بروز ترقی پر ہے — ٹھیک زمانہ کی ترقی کے مناسب —— اور ابھی پچھلے دنوں [illegible] یونیورسٹی کی طرح اس نے بھی اپنی سی سالہ سلور جوبلی دھوم دھام سے، تزک و احتشام سے منائی۔ ۱۵ لاکھ کی رقم تو ایک سر ونٹھل داس ٹھاکرسے نے دے ڈالی تھی، اور حکومت بمبئی کے گراں بہا و بیش قدر عطیے اسکے علاوہ۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسوقت وہ خوب زوروں پر ہے۔ دو کالج اسکے تحت میں ہیں، ایک استانیوں کا ٹریننگ کالج ہے، دو زنانے ہائی اسکول ہیں، اور انکے علاوہ جن درسگاہوں نے اپنا الحاق اس سے کرا لیا ہے انکی تعداد بھی کوئی ۲۰ سے کیا کم ہوگی —— تجدد کو یہ ساری ترقیاں مبارک اور بہت بہت مبارک۔ لیکن یہ لیجیے نادرہ خیال کہ اور دنیا کونسی قسم کی عورتیں اور لڑکیاں ہیں، کہ اتنی ترقیوں پر بھی انھیں خیال "مخلوط تعلیم" یعنی Co education کا نہیں آیا؟ اور زنانہ تعلیم کے الگ و مخصوص رکھنے پر انکا اصرار برابر جاری ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں، علم کا اور تعلیم کا، اور آزادی حقوق کا اتنا غلغلہ بلند کر کے بھی وہی فرسودہ تخیل "زنانہ" تعلیم کا قائم! تعلیم میں یہ تفریق زنانہ و مردانہ کی کیسی، اور لڑکیوں کو لڑکوں سے عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کے کیا معنی!

ہوئے انسان بندر سے ترقی اسکو کہتے ہیں
ترقی پر یہی بیٹھو، بدنصیبی اسکو کہتے ہیں!

جنگ کی مار

"ریل پر سفر کم کیجیے"۔ "ریل پر بلا ضرورت شدید سفر ہرگز نہ کیجیے" "ریل پر سفر کم کرنا جنگ میں ملک کی مدد کرنا ہے"۔ "اونٹوں سے، گھوڑوں سے، گھوڑا گاڑیوں سے، اونٹ گاڑیوں سے کام لیجیے"۔ اس قسم کے اشتہارات، پوسٹر، ہدایتیں تو شائع ہو ہی رہی تھیں، اب بڑے بڑے شہروں کی میونسپلٹیوں، اور دوسرے سرکاری اور نیم سرکاری محکموں نے اس طرح کے اعلانات بھی شائع کرنے شروع کر دیے ہیں:— "پانی کم خرچ کیجیے"۔ "نل کا پانی بہت احتیاط سے خرچ کیجیے"۔ "خزانہ آپ کی حالت پھر بے خیالیوں اور بے پروائیوں کو برداشت نہیں کر سکتی"۔ "منہ ہاتھ دھونے، غسل کرنے، برتن دھونے، سب میں پانی ہاتھ روک کر خرچ کیجیے، اور اسکا نفع اپنی ذات اور اپنے شہر کو پہنچائیے"۔ وغیرہا وغیرہا—

سنتے ہیں، ملک عرب میں پیدا ہونے والے ایک حکیم نے کسی زمانہ میں کہا تھا کہ پانی کم خرچ کیا کرو، وضو تک میں جو فرض یا جزو عبادت ہے، پانی اگر بلا ضرورت زیادہ بہاؤ گے، تو ان قطروں کا بھی حساب لیا جائیگا! —— عرب کا حکیم، کل دنیا کا حکیم تھا۔ آج قدر ہو رہی ہے اسکے ایک ایک ارشاد کی، اسکی تعلیمات و ہدایات کے ایک ایک جزئیہ کی! دنیا، روشن خیال دنیا، اپنے تہذیب و تمدن کی ترقیوں پر نازاں دنیا، اس امی کے نام سے بہت بھاگی، بدکی، بچکی، قدرت کا زبردست ہاتھ کن کن نامعلوم راستوں سے، کیسے کیسے مخفی طریقوں سے پھر اسی کی طرف ڈھکیل رہا ہے۔ اسی کے قدموں پر لا لا کر گرا رہا ہے!

"تجدید" کی منطق

"بالفرض میری یہ دعوت اگر شکستہ و بے ہمت ہو تو کیا اعلاء کلمۃ اللہ کی لگن اور تڑپ رکھنے والے لوگ ایسے ہی سن کے مقابلہ میں جبکہ اندر محض برسر باطل ہونے ہی کا نہیں بلکہ کچھ برسر حق ہونے کا بھی امکان ہو، بالفعل مخالفت شروع کرنے کا فیصلہ اتنی ہی عجلت کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟ ...... اگر ہٹ دھرمی سے کام نہ لیا جائے، تو زیادہ سے زیادہ ہمارے تمام کو مشتبہ ہی کہا جا سکتا ہے، مگر غلط نہیں کہا جا سکتا۔ پھر کیا خدا سے ڈرنے والے نفوس زکیہ کا یہی کام ہے کہ جس میں خیر و صلاح کا کچھ بھی امکان پایا جائے، اسکی مخالفت میں اتنی جلدبازی دکھائیں"۔ (ترجمان القرآن [illegible])

یا قل یا تفاؤلان

ہوتا ہے کہ نیچے آ گرتا ہے اللہ کی ہیبت سے
اور اللہ بے خبر
نہیں اس سے کہ جو تم کرتے ہو۔

قلوب کالحجارۃ قسوۃ وقلوب اشد قسوۃ منہا (رحمٰن)

(اور ان سے ایک عالم سیراب ہو جاتا ہے۔

اس قسم کی شال انسانی آبادی میں حضرات انبیاء و رسل ہیں کہ ان کے چشمۂ فیض سے ایک عالم اپنی پیاس بجھاتا اور تسلی پاتا ہے۔

(اور اس سے بھی اللہ کی مخلوق کسی نہ کسی درجہ میں سیراب ہوتی رہتی ہے)

اس نوعیت کے پتھروں کی مثالیں اولیاء امت اور زمرۂ متقین ہیں کہ ان سے بھی ایک بڑا طبقہ انسانوں کا آخر فیضیاب ہوتا ہی ہے۔

(اور اس طرح خود اپنے اثر کا ثبوت بہم پہونچا جاتا ہے)۔

اس طبقہ کے پتھروں کی مثال عام مومنین صالحین ہیں، کہ دوسروں کی اصلاح و ہدایت نہ کر سکیں جب بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبول حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔

ذکر پتھروں کا چلا آ رہا ہے۔ پتھروں کا جمود مسلّم، انکی قساوت مشاہدہ۔ پھر ان میں خشیت اللہ کا گزر کیسے، اور ان پر ہیبت الٰہی کا اثر کیونکر؟

یہاں اہل حق کے دو گروہ ہو گئے ہیں، اور دونوں ہی حق پر ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ خشیت الٰہی کا یہ اثر پتھروں پر اپنے لفظی و حقیقی معنوں میں ہوتا ہے۔ یعنی بعض پتھروں میں بھی گداز کا جزو ہوتا ہے، گو انکے مرتبۂ جمادی کے مطابق، اور ان میں فہم و ادراک کی قوتیں ہوتی ہیں، گو انکی سطح پتھر کے مناسب۔ جیسے طور، کہ آخر پہاڑ ہی تھا، لیکن تجلی الٰہی کے وقت جلالت ربانی سے چور چور ہو گیا۔

ذلک بان اللہ جل ذکرہ اعطی بعض الحجارۃ المعرفۃ والفہم (ابن جریر)

ذہب قوم وہو المروی عن مجاہد وغیرہ انہا ما حقیقۃ (روح) مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ان للہ تعالیٰ علما فی الجمادات وسائر الحیوانات سوی العقلاء لا یقف علیہ غیر اللہ فلہا صلاۃ وتسبیح وخشیۃ (معالم)

لیکن ایک دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ خشیت سے مراد یہاں خشیت مجازی یا انقیاد تکوینی ہے۔ عقل، فہم، شعور و ارادہ سے نہیں، لیکن بہر حال طبعی، اضطراری پر تو موجودات کا ہر ہر ذرہ قوانین الٰہی کے تابع ہی ہے۔ اسی کو یہاں مجازاً خشیت الٰہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے خود محاورۂ قرآنی ہی میں ایک دوسری جگہ ارادہ کو بے روح و بے جان دیوار کے ساتھ منسوب کر دیا گیا ہے۔ جدارا یرید ان ینقض (کہف) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ دیوار میں کوئی قوت نہ ارادہ کی ہوتی ہے نہ خواہش کی

وانما اُرید بذلک ان من عظم امر اللہ یری کانہ ہابط خاشع من ذل خشیۃ (ابن جریر) والخشیۃ مجاز عن الانقیاد (بیضاوی) قال قوم ان الخشیۃ مجاز عن الانقیاد لامر اللہ تعالیٰ (روح)

۔۔۔ خبر ۔۔۔ نہ بیانات نہ بے اختیار ہے۔ اور اسکے علم و اطلاع دونوں کا حال عنقریب منکشف اور مشاہدہ ہو کر رہیگا۔

(بقیہ صفحہ ۳)

لیکن یہاں فنی خامیوں اور ادبی خامیوں سے قطع نظر اصل سوال معنوی غلاظت اور مصنف کے دیوثانہ مذاق کی نمائش کا ہے۔ حکومت کا نظام اگر اسلامی کیا معنی، نیم اسلامی ہوتا، جب تو خیر اس بیہودہ نگاری کا خیال ہی نہیں کر سکتا تھا، لیکن فحش نویسی تو آخر موجودہ تعزیرات ہند میں بھی جرم ہے۔ کیا دہلی کی پولیس نے خاص دارالسلطنت میں اس درجہ سے لوگوں کو امن دے رکھا ہے، اور غلاظت پسند فحش نویسوں کو آزادی دے رکھی ہے، کہ جس جسارت ہی سے چاہیں، نوجوان لڑکوں کے اخلاق، حیا و غیرت پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالتے رہیں، اور کھلے خزانے انھیں شیطانی راستہ دکھاتے رہیں؟ کیا شرافت، غیرت، حیا داری خدانخواستہ دہلی کی فضا میں اس قدر عنقا ہو گئی ہے؟ ——— کم از کم یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ بڑا سا بڑا حاکم انتہائی بھی اس باب میں حکومت سے تعاون کر سکتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی اور سردار دیوان سنگھ ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء اور کانگریس دوش بدوش کام کر سکتے ہیں اور ہر پارٹی، ہر خیال کے شریف افراد اس نقطہ پر متفق ہو سکتے ہیں۔

متاعِ عزیز

(دکن کے رہبر مرحوم کی وفات پر ماہر القادری صاحب کے تاثرات)

.. مولوی سید احمد محی الدین مرحوم مدیر "رہبر دکن" کی وفات حسرت آیات نے ملک کے طول و عرض پر صف ماتم بچھا دی ہے اور اپنے پرائے سب اس غم میں شریک ہیں۔ دنیا "مردہ پرست" واقع ہوئی ہے، آدمی کے اوصاف دنیا والوں کو اسکے مرنے کے بعد صحیح طور پر نظر آتے ہیں۔ رہبر مرحوم کی وفات کے بعد نگاہوں سے یکایک پردے اٹھ گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ایک "متاع عزیز" ان سے چھین لی گئی۔

قدرت کا ہر قانون اٹل ہے، اور موت تو سب سے زیادہ اٹل اور یقینی اور ناگزیر ——— !

موت کا آئین محکم ہے بدل سکتا نہیں
زندگی کے دل سے یہ کانٹا نکل سکتا نہیں

موت کا فولادی پنجہ شہنشاہ کے نرم و نازک حلقوم اور فقیر کے سخت و شل گلے میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ آدمی مرنے کے لیے ہی پیدا ہوتا ہے، زندگی نقش مٹنے ہی کے لیے کھنچتا ہے، کاروان عدم کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ جو لوگ ہم سے آگے جا چکے ہیں، ہم انکے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ مدیر مرحوم کی طرح ہم کو بھی ایک دن مرنا ہے، لیکن غم اسکا ہے کہ سید مرحوم ایسے وقت ہم سے جدا ہو گئے جبکہ انکی زیادہ سے زیادہ ضرورت تھی۔

ہاں اے فلک پیر! جواں تھا ابھی سید
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

(غالب کی روح سے شعر میں خفیف تصرف کے لیے معافی خواہ ہوں)

سید مرحوم کی زندگی کا سب سے زیادہ نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ

گراں بہا ایثار

انجمن ترقی اردو اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب خواص و عوام میں ایک لحاظ سے مترادف لگتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ کوئی ایسی علمی ادبی یا سیاسی انجمن پیش نہیں کی جا سکتی جسکی زندگی اور ارتقا کا انتظام کسی ایک شخص کی توجہ، ہمت اور ایثار کے اتنا رہے اس طرح سے ہو جس طرح انجمن ترقی اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی بلند حوصلگیوں سے وابستہ رہی ہے۔ زمانے نے سیکڑوں رنگ بدلے۔ انجمن کے اوضاع میں کئی تغیرات پیدا ہوئے۔ لیکن ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے مولوی عبدالحق صاحب کا نام صرف انجمن ترقی اردو سے وابستہ دیکھتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اس بزرگ ہستی کے فکر و عمل کی ہر استعداد صرف اس انجمن کے لیے وقف ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین دماغ اور بہترین صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ وہ پبلک زندگی کے ہر دائرہ میں زیادہ سے زیادہ دنیا منصب حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن انکی توجہات اسے صرف ایک کام پر مرکوز رہیں جو کسی ایک قوم یا کسی ایک گروہ کا نہ تھا بلکہ سارے ملک کا ایک اہم کام تھا۔ اسی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے کر وہ کاوش سے سرگرم رہے۔ آج انکے سعی مشہود منظر کے سامنے دنیا کی گردن اعتراف خم ہو رہی ہے۔ اور انجمن ترقی اردو مولوی عبدالحق صاحب کی بدولت ملک کی بہترین اور مفید ترین علمی مجالس میں نمایاں حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب ممدوح نے ۱۹۱۲ء میں انجمن کا نظم و نسق سنبھالا تھا تو اسکا اندوختہ و سرمایہ ایک "ٹوٹے ہوئے صندوق" اور ایک "بھٹے پرانے رجسٹر" کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن آج کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے:۔

مد	سرمایہ
محفوظ سرمایہ	قریباً پچاس ہزار
مطبوعات	قریباً ساٹھ ہزار
سالانہ بجٹ	اسی ہزار
سرمایۂ عمارت	بیس ہزار
تعداد مطبوعات انجمن	۱۷۰
انجمن کی شاخیں	۲۳۲
انجمن کے ابتدائی اور شبینہ مدارس	۷۱

علاوہ بریں تین رسالے انجمن کی سرپرستی میں شائع ہو رہے ہیں۔ اول رسالہ اردو (سہ ماہی) دوم رسالہ سائنس (ماہانہ) سوم ہماری زبان (پندرہ روزہ) ہر سال کم از کم دو درجن کتابیں انجمن چھاپتی ہے۔ جنکے تقریباً بیس ہزار نسخے شائع ہوتے ہیں اور کیسی کتابیں؟ جو مضامین، مطالب اور زبان کے اعتبار سے معیاری حیثیت رکھتی ہیں۔ بیسیوں نادر و نایاب کتابیں چھپیں۔ اس دوران میں انجمن کا کتب خانہ نہایت بیش بہا کتابوں سے مزین ہوا۔ اگرچہ ہم انکی پوری فہرست سے آگاہ نہیں ہیں لیکن پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مولوی صاحب ممدوح نے اسے بہرا اعتبار سے ملکی زبان کی مرکز کار انجمن کے شایان شان بنا دیا ہے۔ اور یہ سارا گرانبہا کام صرف ایک شخص کی محنت، توجہ، ہمت اور ایثار کی برکات کا کرشمہ ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب ممدوح کو طول عمر عطا فرمائے۔ اور انکی برکات فکر و عمل سے اہل ملک کو زیادہ استفادہ اور محظوظیت کا موقع دے۔ آمین۔

انجمن ترقی اردو کے کام کا یہ سرسری ذکر بے اختیار زبان قلم پر آ گیا جبکہ ہم اردو زبان کے اس سب سے بڑے محسن کے ایک تازہ ایثار کے بارے میں چند سطریں لکھنا چاہتے تھے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب ممدوح کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نمائش سے متنفر ہیں۔ جن بزرگوں نے اپنی زندگی اردو زبان کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور اس سلسلہ میں بیش از بیش قربانیاں کیں لیکن انکے کسی عزیز سے عزیز دوست اور عقیدتمند کو بھی ان قربانیوں کا پورا علم نہ ہوگا۔ مولوی صاحب ممدوح کے پاس اگرچہ نشر و اشاعت کے کئی وسائل موجود تھے لیکن انکی اولوالعزمی کبھی ذاتی خدمات کے تذکرہ پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اب ایک خاص ضرورت کے سلسلہ میں انھیں اپنی ایک خدمت کو با دل ناخواستہ ظاہر کرنا پڑا۔ یعنی یہ کہ وہ مدت مدید سے اپنی ذاتی تنخواہ میں سے ایک خاص رقم انجمن کے نام سے جمع کرتے رہے تھے۔ اور انکا ارادہ تھا کہ زندگی میں اسکا اعلان نہ کریں۔ گزشتہ سال وہ انجمن کی عمارت کے لیے حیدرآباد میں چندہ جمع کر رہے تھے تو ایک دوست نے پوچھا کہ آپ نے کتنی رقم انجمن کو دی ہے؟ مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"میرا قاعدہ ہے کہ کسی کام کے لیے دوسروں سے اسوقت تک نہیں مانگتا جب تک کہ خود شریک نہ ہوں۔ اس فہرست میں میرا چندہ بھی تھا لیکن شاید پریشانی کی وجہ سے انکی (دوست کی) نظر نہ پڑی ....
اس واقعہ کے بعد میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ یہ رقم جو میں نے انجمن کے نام سے جمع کی ہے انجمن کے مستقل سرمایہ میں جمع کر دوں۔"

جانتے ہو اس رقم کی مقدار کیا ہے؟ چونسٹھ ہزار تین سو روپے جو آنے دو پائی سکۂ عثمانیہ جو انگریزی سکے کے حساب سے کچھ کم پچاس ہزار روپے بنتی ہے۔ مولوی صاحب ممدوح نے یہ رقم انجمن کی نذر کر دی ہے لیکن یہ شرط لگا دی ہے کہ اگر انجمن کی مجوزہ عمارت کے لیے خدانخواستہ کافی رقم جمع نہ ہو سکے تو اسکے عطیہ کو عمارت میں صرف کر لیا جائے۔

یہ ہے حقیقی اور مستقل قومی کام کرنے والوں کی شان عمل اور معیار کار۔ کیا اسکے بعد بھی خواص و عوام سے یہ اپیل کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ انھیں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے ایثار، ہمت اور اولوالعزمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترقی اردو کے کام میں زیادہ سے زیادہ اعانت کا انتظام کرنا چاہیے۔ کیا مولوی صاحب ممدوح کی شخصیت اپنی تمام دلکش ہمت پیدا کرنے کے ساتھ بجائے خود موثر ترین اپیل نہیں ہے؟ (انقلاب)

خط و کتابت وغیرہ

میں اپنا نمبر خریداری براہ کرم نہ بھولیے

خاندان کی اعتقاد و دلچسپی ہیجنے کا بڑا سبب ڈیوک (آف کناٹ) تھا جن کا پونا میں قیام تھا - انھیں کی وجہ سے ہندستان کی انگلو انڈین کو شاہی خاندان میں ایک خاص حیثیت حاصل ہوگئی اور ڈیوک نے ہی سب سے پہلے ہندستانی میں اتنی استعداد پیدا کی کہ سپاہیوں کو اس زبان میں مخاطب کر سکیں اور اسکا جو اثر ہوا وہ اندازے سے بھی زیادہ تھا - ہندستانی زبان میں ڈیوک کی ایسی مہارت دیکھ کر انکے صوبہ بمبئی کے دورہ کے زمانے میں لوگ بہت خوش ہوتے تھے - ایک موقع پر تو ایک ہندستانی افسر نے (احمد آباد میں) اپنے کرنل سے کہا "کیوں صاحب یہ (ڈیوک آف کناٹ) تو آپ سے بھی زیادہ "میٹھی بات" بولتے ہیں ——

۱۸۸۲ء میں بمقام بر... بمبئی انفنٹری کے تمغے تقسیم کرتے ہوئے جس نے سوڈان میں بڑی خدمات انجام دی تھیں ڈیوک نے حاضرین کو ہندستانی زبان میں مخاطب کیا - یہ پہلا موقع تھا کہ شاہی خاندان کے ایک شاہزادے نے ایک ہندوستانی زبان کے ذریعہ سرکاری تقریر کی -

یہاں پر یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈچز صاحبہ بھی اپنے خاوند کا تتبع فرماتی تھیں اور بقول "السٹرٹیڈ لندن نیوز" مورخہ ۵ مئی ۱۸۸۱ء "وہ روزانہ دو گھنٹے ایک منشی سے سبق پڑھتی تھیں - اور اس طرح وہ اکثر موقعوں پر خواتینِ ہندوستان سے گفتگو کر سکتی تھیں" (ہماری زبان)

عبرت

ابھی چند مہینے گزرے ہمارے صوبہ کے مشہور شاعر "حضرت سیماب اکبر آبادی" نے ایک نظم بہ عنوان "موحدِ اعظم" ارشاد فرمائی تھی، جس میں شیطان کو "موحدِ اعظم" قرار دیا گیا تھا - اور سجدۂ آدم سے اسکے انکار و استکبار کو اس کی خالص توحید پرستی اور شرک سے اس کی کامل بیزاری کا نتیجہ بتایا گیا ——

ہمارے مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری (مقیم ماڈیر ضلع سورت) کی جو "شامت" آئی، تو انھوں نے "حضرت سیماب" کی اس نظم پر شرعی حیثیت سے بھی تنقید کر ڈالی اور جیسا کہ نصوص شرعیہ کی روشنی میں انھوں نے سمجھا تھا سیماب صاحب کے اس تخیل کو انھوں نے منافی ایمان و اسلام قرار دیا —— مولانا کی اس "مفتیانہ جسارت" اور "مولویانہ گستاخی" کا انتقام سیماب صاحب کے اہل قلم حامیوں نے جس طرح سے لیا اور جیسی کھری کھری مفتی صاحب کو اس سلسلہ میں سننی پڑیں اسکا علم ان حضرات کو ہوگا جنھوں نے اردو کے بعض مشہور اخبارات و رسائل میں وہ جوابی مضامین دیکھے ہونگے -

گویا اب دنیا کی رسم یہ ہوگئی کہ شیطان کو "موحدِ اعظم" کہو، فرعون کو موسیٰ کا درجہ دے دو، نمرود کو ابراہیم سے بڑھا دو - اس پر بھی اگر کوئی بیچارہ مولوی مفتی حکم شرعی کا اظہار کر دے، تو اسکی پگڑی اچھال دو اور اس طرح پیچھے ہوا ڈکر اسکے پیچھے پڑ جاؤ کہ آئندہ کسی کفر کو کفر کہنے کی ہمت ہی نہ کر سکے تو یہ کہ سر پر اپنی پگڑی اچھالنے بلکہ ٹوپی اتروا لینے کے لیے بھی تیار رہو -

اس معاملہ میں سب سے زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک رویہ بعض اُن اخبار نویس حضرات کا رہا جو خود بھی دینی حمیت و غیرت رکھتے

اسکے باوجود دلّ آزاری کرنے "مخالث الجیز" اور "تاریخ بالغت" بلکہ نہایت "متانت و سنجیدگی" کے ساتھ مفتی صاحب ہی کو نصیحت فرمائی کہ جناب مفتی نے جو کچھ بھی کہا وہ محض "شاعری" تھی، اور شاعروں کی باتوں کو تو سنجیدگی سے دل میں نہیں لانا چاہیے —— سبحان اللہ ! گویا شاعروں کو علم اطلاق ہے کہ

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ ! (الفرقان)

(بقیہ صفحہ ۵)

وہ اخبار و افکار میں اسلامی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتے تھے اور اسلام کے کسی ادنیٰ شعار کی توہین بھی انکو گوارا نہ تھی - ذات رسالت مآب (روحی فداہ) سے انکو عشق تھا - مجھے یاد ہے کہ جب شاعر اتحاد المسلمین صوبۂ ورنگل کے سالانہ اجلاس میں "ظہور قدسی" پڑھ کر میں اسٹیج سے اترا تو مرحوم مجھ سے خاص تاثر کے ساتھ بغلگیر ہوئے - وہ اپنی ہر چیز اس دنیائے آب و گل میں چھوڑ گئے - انکے نیک اعمال اور اسلامی خدمات ہیں جو قبر، برزخ اور حشر و نشر میں ہر جگہ کام آئیں گے -

سید مرحوم نے اپنی یادگار "رہبر دکن" کو چھوڑا ہے - ہم سب کا فرض ہے کہ اس یادگار کو باقی رکھیں -

رحمت الٰہی کے پھولوں کی بارش ہو سید مرحوم کی قبر پر !

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری اسی مہینے میں ختم ہو رہی ہے مہربانی کرکے چندہ جلد بھیج دیجیے - اور اگر خدانخواستہ کسی صاحب کو آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو بذریعہ کارڈ اطلاع دیں تاکہ انھیں یکم اپریل کو وی۔پی نہ بھیجا جائے، ورنہ دفتر کو بلا وجہ مہر کا نقصان ہوگا -

نمبر ۱۸۷ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۶۱۰
و ۶۱۴ و ۶۴۸ و ۷۵۷ و ۷۵۸
و ۷۷۵ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۸
و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۲ و ۹۸۴
و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸
و ۹۹۳ و ۱۰۶۶ و ۸۹۴

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات و فرائض پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ - بیشتر اقتباسات اصل فارسی میں - ضخامت ۹۰ صفحے - اسٹاک ختم کرنے کے لیے قیمت میں غیر معمولی رعایت - یعنی صرف ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کر دی جائیگی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب:- ...

مضامین کے متعلق خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر کیجائے۔

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"، مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ۔

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ۲ ؍
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ ؍

صدق لکھنؤ

نمبر ۴۵ | دوشنبہ - ۱۳ - ربیع الاول سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۰ - مارچ سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

ولنا ان اہل الحرب غیر ملتزمین احکام الاسلام ... بخلاف اہل الذمۃ لانہم التزموا احکامنا فیما یرجع الی المعاملات کالربوٰ والزنا ... ولابی حنیفۃ ان اہل الذمۃ لا یلتزمون احکامنا فی الدیانات وفیما یعتقدونہ خلافہ فی المعاملات فانا امرنا بان نترکہم وما یدینون فصاروا کاہل الحرب بخلاف الزناء لانہ حرام فی الادیان کلہا والربوٰا مستثنیٰ عن عقودہم بقولہ علیہ السلام

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حربی کافر نے تو قانون اسلام کی پابندی کا کوئی وعدہ کیا نہیں (اسلیے اُن پر ان احکام کا اجراء نہ ہوگا) لیکن ذمی کافروں کی صورت دوسری ہے۔ وہ تو معاملات کی حد تک مثلاً سود خواری اور زنا میں ہمارے احکام کو ماننا اپنے اوپر لازم کر چکے ہیں ... اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمیوں نے بھی تو نہ عبادات میں ہمارے احکام ماننے کا وعدہ کیا ہے اور نہ ان معاملات میں جو اُنکے طور و طریق کے مخالف ہیں، .... اس لیے ہم کو تو حکم شرعی یہی ہے کہ ہم انکو انھیں کے دین پر چھوڑے رہیں (اور خود دخل نہ دیں) سو انکا حال بھی تو حربی کافر ہی کا سا ہے۔ البتہ زنا میں ایسا نہ ہوگا کہ وہ تو ہر مذہب میں حرام ہے، اور سود خواری یہ کہ وہ بھی ذمیوں کے عہد سے مستثنیٰ ہے بہ دلیل حدیث حضرت رسول اللہ صلعم کے۔

عبارت فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہدایہ کی ہے (کتاب النکاح، باب المہر، فصل آخر)۔ فقہ کی کتابوں میں ایک بحث یہ آئی ہے کہ اسلامی حکومت میں اگر کافر اپنے طریق پر شادی کرے تو اسکے کیا احکام ہیں۔ اسکے ایک خاص جزئیہ میں خود ائمہ حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ یہاں نہ بحث اُس نفس مسئلہ سے ہے، نہ اس اختلاف پر محاکمہ مقصود ہے۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ ایک جزئیہ پر دونوں فریق، یعنی کل ائمہ حنفیہ متفق ہیں، اور وہ یہ ہے کہ دار الاسلام میں، اسلامی حکومت میں، نہ کھلی ہوئی حرام کاری ہے کسی حال میں روادار کی جا سکیگی اور نہ کھلی ہوئی حرام خوری (سٹہ بازی و سود خواری) سے! ——— کسی حال میں بھی نہیں۔ ذمیوں کے ساتھ جو رعایتیں شریعت اسلام نے کی ہیں، اسکے قائل غیر مسلم بھی ہیں۔ جو حقوق انھیں قانون اسلام نے دیے ہیں، انکی نظیر سے دنیا کے قوانین خالی ہیں۔ ذمی اپنے طور طریق پر پوجا پاٹ کر سکتے ہیں، اپنی عبادتیں کر سکتے ہیں، شرابیں پی سکتے ہیں، ناپاک جانوروں کا گوشت، نجس غذائیں کھا سکتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ انھیں کفر بلکہ شرک تک کی آزادی حاصل ہے۔ لیکن نہیں اجازت ہے تو کھلے بندوں جوا کھیلنے کی! ——— نہیں اجازت ہے جس طرح لوگوں کو زہر کھلانے کی، مخلوق کو تہ تیغ کرنے کی، نہیں اجازت ہے اُسی طرح فضا کو مسموم کرنے کی، لوگوں کے اخلاقی قتل و غارت کی، انسان کی روح کو ہلاک کرنے کی!

اسلامی حکومت، کامل صورت میں نہ سہی، کسی قدر ناقص صورت میں بھی اگر آج قائم ہو جائے، تو آپ کو معلوم ہے کہ دنیا سے کسقدر فسق و فجور مٹ کر رہے، معصیت کیسی نابید ہو جائے! چکلے اور قحبہ خانے ایک نہ باقی رہیں۔ "چوک" اور "چاوڑی" اور "سفید گلی" کی قسم کے بالاخانے اسفل السافلین کو پہونچ جائیں۔ بڑے بڑے بنک، ساہوکارے، بینکنگ سب مٹ کر رہیں۔ بڑے بڑے مہاجنوں کا، کوآپریٹو سوسائٹیوں کا قلع قمع ہو جائے۔ گھوڑدوڑ کی بازیوں، فٹ بال کی بازیوں کی کوئی بات تک نہ پوچھے، کارنیوال کا، لاٹریوں کا نام ہندوستان تک سے نہ رہ جائے انشاء اللہ

سکے موجود - پیدا عصر - پھر تو حسب معمول عصرانہ! چاہے پارٹی' میز کرسیاں باقاعدہ آراستہ جیسا کہ پارٹیوں میں دستور ہے - یک بیک بعض لوگوں کو خیال گزرا کہ تکلف، تصنع، تنفر کے کم از کم اس بُت کو تو یہ آسانی توڑا جا سکتا ہے - "سید الطائفہ" ہمارے مولانا سید سلیمان ندوی نے پیشقدمی کی، اور بجائے میز کی طرف بڑھنے کے زمین ہی کے سبز فرش پر بے تکلف بیٹھ گئے! پیروی سب نے کی - دم کے دم میں میدان میز کرسیوں سے صاف ہو گیا - اور سب نے پورے لطف و راحت کے ساتھ سبزہ زار ہی پہ بیٹھ کر کھایا! ——— بات بظاہر معمولی سی ہے - لیکن درحقیقت ایسی ہلکی نہیں - معاشرت کی ہر چھوٹی بڑی شے میں "صاحب" کی تقلید کی جو بلا ساری قوم میں سرایت کئے ہوئے ہے، اُسکے علاج کا یہی طریقہ ہے کہ ہر صاحب اثر اپنے حلقۂ اثر میں رسمی فرنگیانہ نظام کو توڑ تاڑ شروع کر دے اور اُسکے بجائے اسلامی (ورنہ کم از کم اپنے دیسی ہی) طور طریقوں کے تئیں رائج کر دینے اور جاری کرنے میں ذرا نہ شرمائے - دلوں اور دماغوں سے مرعوبیت دور کرنے کی یہی ایک راہ ہے -

دیوتاؤں کے کارنامے

ہندی ادب میں مہابھارت (مذہبی الہامیہ) کو خاص درجہ حاصل ہے - ان کہانیوں میں چندر دیو اور تارا کی عجیب و غریب پریم کہانی خاص شہرت رکھتی ہے - تارا گرو برہسپت کی دھرم پتنی (بیوی) ہے اور چندر دیو برہسپت کا چیلا - چیلا اپنے گرو کی پتنی (بیوی) کے پریم بیار [عشق] میں دیوانہ ہو جاتا ہے - مگر وہ اس خیال کو بھی پاپ سمجھتا ہے - اُدھر برہسپت کو جب اسکی خبر ہوتی ہے تو وہ چندرماں [چاند] کو سراپ [بد دعا] دیتے ہیں - اور دوسری طرف تارا کو بھی شراپ [بد دعا] ملتا ہے - اسی پریم کتھا [افسانۂ محبت] کا سنگیت روپک [ناٹک] جیسے ..... جی نے لکھا اور سنگیت پریم منڈلی پیش کریگی، لکھنؤ ریڈیو سے ۱۲ مارچ [illegible] کو عورتوں کے پروگرام میں ہے" (آل انڈیا ریڈیو کا سرکاری رسالہ آواز، ۱۰ مارچ [illegible])

یہ وہی قصہ ہے، جو صدق میں تین چار مہینے ہوئے "عشق و فسق کا سانحہ" کے عنوان سے نکل چکا ہے - اب آب و تاب کے ساتھ بطور ایک مقدس کہانی کے ریڈیو سے سنایا جائیگا - اور ہزارہا سننے والے عقیدت و احترام کے کانوں سے سنینگے! ——— ادھر سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کے دل میں بھی حسرت پیدا ہوگی کہ ہمارے ہاں ایسی داستان گوئی کیوں نہ ہوئی! ایسے عجیب و غریب ہوشربا افسانے ہماری مقدس روایات کے جزو کیوں نہ ہوے! ——— عجائب القصص وغیرہ آخر اسی بڑی کمی کی تلافی کے لیے تو تصنیف ہو کر رہی ہیں!

ایک مفید ادارہ

پٹھان کوٹ (ضلع امرتسر) میں جمال پور فرنٹ فارم کے پاس ایک خوش فضا خطۂ زمین میں دار الاسلام کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی آباد ہے - ابتدائی تخئیل اقبال مرحوم کا تھا - انھیں کے مشورہ سے مولانا مودودی یہاں بلائے گئے تھے، اور ایک مخلص رئیس چودھری نیاز علی خاں نے اپنی وسیع جائداد وقف کر دی تھی - انتظام کے لیے ایک باضابطہ ٹرسٹ قائم ہے، اور ایک ماہانہ رسالہ بھی دار الاسلام کے نام سے نکل رہا ہے - لیکن مولانا کے چلے جانے کے بعد سے اب یہ جماعت ایک بے سردار کی فوج کی سی ہو کر رہ گئی ہے - چودھری صاحب کا اخلاص اپنی جگہ بدستور - لیکن محض مالی امداد، عمل کے قائم مقام تو نہیں ہو سکتی ہے - ضرورت وہاں کے لیے ایک مستقل شخصیت کی ہے - بڑے قلق اور حسرت کی بات ہو گی، اگر اتنا مفید ادارہ، مناسب دماغوں کا رکن نہ ملنے کے باعث معطل ہو کر رہ جائے -

چودھری صاحب کے ایک تازہ مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

"علامہ مرحوم کی موت اور مولانا مودودی کے چلے جانے سے یہ ادارہ علامہ مرحوم کا وہ خواب تخیل ایک خانقاہ کی صورت میں مرکز قرآن کا تو بار ہو کر رہ گیا - اب اُسوقت ایک کتب کی صورت ہو کر رہ گئی ہے - کچھ طالب علم ہو رہے مقررہ نصاب کی تعلیم پاتے ہیں - عربی صرف ترجمۂ قرآن مجید کے لیے پڑھائی جاتی ہے - باقی تعلیم اردو میں ہے - اور دستکاری کی بھی تعلیم ہے - میں برابر اسی تلاش میں ہوں کہ کوئی عالم، صاحب علم و فضل اور بصیرت قرآنی سے مالا مال اس خانقاہ کو اپنا مقصد زندگی سمجھ کر یہاں آ بیٹھیں اس تلاش میں بزرگان ملت خصوصاً حضرت ... وغیرہ ان حضرات سے اکثر رجوع کرتا رہتا ہوں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے - میری یہی خواہش ہے کہ یہ ادارہ میری زندگی میں علامہ مرحوم کی آرزو کے مقام پر پہونچ جائے - چالیس پچاس ہزار روپیہ کی جائداد ہے - ابتدائی سب انتظام موجود ہے - مسجد، مکانات، کتبخانہ، نہایت خوشگوار موقع"

صدق کے ذی علم ناظرین میں سے اگر کوئی صاحب اپنے کو اس خدمت کا اہل سمجھیں، اور اپنے اندر اسکا ولولہ بھی پائیں، یا اپنے کسی جاننے والے کو اس قابل سمجھیں، مراسلت فرما سکتے ہیں -

ایک مفید اقدام

"علامہ اقبال مرحوم کے کلام و پیام کی روشنی میں ادبی اصلاح و تعمیر کی کوشش کرنا -
اُردو ادب کے تخریبی رجحانات کی روک تھام کرنا -
اور اسکے دامن کو عریانی، فحاشی، لا مذہبیت اور مادیت کے بدنما داغوں سے پاک کرنا" (مقاصد بزم اقبال، مجیدیہ کالج، الہ آباد)

ضرورت اسکی ہے کہ صرف الہ آباد ہی نہیں، لکھنؤ، دہلی، لاہور، حیدرآباد، بمبئی، پٹنہ، کانپور، ہر بڑے اور مرکزی شہر میں اسی نمونہ پر بزمیں قائم ہوں، اور انھیں مقاصد کو پیش نظر رکھ کر، شعر و ادب کے راستوں سے بد اخلاقی اور لادینی، دونوں کا جو سیلاب آ رہا ہے، اُسکے لیے بند باندھے جائیں - اور اس نئے فتنہ کے لیے محاذ جنگ بھی نیا قائم کیا جائے! ——— ۳۰-۲۵

بقرعید

یا عملی اسلام کا پہلا دن

(از مولانا مناظر احسن گیلانی مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ کا نشریہ نشرگاہ حیدرآباد دکن سے)

(۲)

لکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام ——— (ہر امت کے لیے ہم نے منسک (قربانی) کا قانون مقرر کیا ہے تاکہ وہ یاد کریں اللہ کے نام کو اس صلہ میں کہ روزی پہونچائی انکو بہیمۃ الانعام سے۔ الانعام مویشیوں کو کہتے ہیں۔ ان مویشیوں میں بکرے، بھیڑ، گائے، اونٹ کا نام بہیمہ ہے جو تمام ان اقسام کو جامع ہے۔ قربانی کی آیت کے اس پہلے جزو کا یہی مطلب ہے کہ قربانی رزق کی نعمت کا ایک سالانہ شکریہ ہے جس میں احسان پیدا کرنے والے کو بیدار کرنے کے لیے بہیمۃ الانعام کو نمائندگی دی جاتی ہے

اسی ذیل میں ضمناً اس عجیب حال کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جسکے حل میں دنیا اب تک پریشان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے باشندوں ہی سے نہیں بلکہ زمین کے اس کرہ پر جو زندہ جراثیم سے بھری ہوئی ہوا میں سانس لیتے ہیں ان ہی جراثیم سے آباد پانی پیتے ہیں، تالابوں اور خزانوں کے آب کا پانی کھیتوں میں پہونچا کر مچھلیوں کی زندگی تالاب میں اور کیڑوں مکوڑوں کی زندگی کھیتوں کے سوراخوں اور انکے درازوں میں ختم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بوس درختوں کے متعلق قسم کھا کر کہتے تھے مختلف آلات کی مدد سے دیکھتے تھے دکھاتے تھے کہ وہ روتے بھی ہیں اور ہنستے بھی ہیں۔ انھیں خوشی بھی ہوتی ہے اور رنج بھی۔ ان ہی درختوں کو کاٹتے ہیں۔ شکم ہی کے لیے دکھ سے بھی بچنے کے لیے۔ کھٹملوں، پسووں، مچھروں کو مسلتے ہیں۔ الغرض جو اس دنیا میں رہتے ہیں جسکے ہر قدم کے نیچے ہزار جان اور جسکے رہنے والوں میں مشکل ہی سے کوئی ہوگا بلکہ بلا استثناء قطعاً نہیں ہے جسکا منہ مذبح اور پیٹ کسی جانور کی قبر نہ ہو۔ ان ہی قانونوں میں جکڑی ہوئی دنیا میں جانوروں کی ایذارسانی کا مسئلہ یقیناً پیچیدہ بنا ہوا ہے۔ پیچیدہ اور سخت پیچیدہ۔ اسلام بھی قطعاً جانوروں کی ایذارسانی کو حرام ٹھہراتا ہے لیکن جس [illegible] دنیا کا ہر قدم کسی نہ کسی جان کے لیے ٹھوکر بنا ہوا ہے وہاں اس پیچیدگی کا وہ حل جس پر موجودہ زمانہ کی خوردبینوں کو بیساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ اور اسی عمل پر مبنی مشوروں کے متعلق یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ کسی ایسی ہستی کی طرف سے نہیں ہیں جسکے علم سے نہ وہ چیزیں غائب ہیں کہ جو نظر آتی ہیں، اور نہ وہ جو نظر نہیں آتی ہیں اور انکو بھی جان والا ہی جانتا ہو کہ جو بظاہر ہمیں بے جان نظر آتی ہیں۔ بہرحال حس اور عقلی طریقے سے جو نہیں سمجھ سکتے کاش وہ اپنے اندر اس بصیرت کو پیدا کر لیتے تو انھیں بتا سکتی ہے کہ انسانوں کی طرح جانوروں میں ایسا [illegible] کوئی نہیں ہے جو [illegible] کی آواز سے نہیں بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر (نام ہے اللہ کا اور

عسہ [illegible] نہیں پایا گیا، ورنہ [illegible] کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اللہ جو سب سے بڑا ہے) اسی آواز میں ان وفا شعاروں کو جو لذت ملتی ہے اس کا اندازہ لگانا ہی سے ان میں ہر وہ تکلیف جسے تکلیف اندازہ سمجھا جا سکتا ہے کس طرح گم ہوتی ہے تو شاید انکو معلوم ہو جاتا کہ ایذارسانی کا جو مسئلہ لاینحل بنا ہوا ہے اور گھاس پارٹی ہو یا اس پارٹی دونوں ہی کو اس باب سے چارہ نہیں۔ لیکن اسلام نے اسکا حل پیدا کر لیا ہے۔ کچھ جانوروں ہی کے ساتھ نہیں آدمیوں کے متعلق بھی۔ حدیثوں میں ہے کہ اللہ کی راہ میں جو شہید ہوتے ہیں تلوار کی مار انکو کھٹمل یا پسو کے کاٹنے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔ قرآن نے نفیاً و اثباتاً دہرا دہرا کر اس حکم کی جس شدت سے تاکید کی ہے اور جو ایذارسانی کے اس عمل کے بغیر کسی جانور کے ساتھ نہایت درشت فعل کا ارتکاب کرتا ہے اسکا ذبح کیا ہوا ذبیحہ نہیں بلکہ مردار و قطعاً حرام کر دیا گیا ہے۔ اس سے لوگوں کو سمجھنا تھا کہ [illegible] کا کسی چیز کی حلت و حرمت پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ لیکن اسلام میں وہ موثر ہے اور قیمتی سے قیمتی چیز یا چیزیں اسکے عدم تاثیر ہی کا نتیجہ ہے کہ دریا کر پھینکوا دی جاتی ہیں۔ بہرحال لیذکروا اسم اللہ کے اندر میرے خیال میں ذکر شکری کے ساتھ ساتھ اس عمل کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو جانوروں ایذارسانی کے مسئلہ کے متعلق اسلام نے پیدا کیا ہے۔ یہ تو پہلی غرض تھی۔ یعنی قربانی نعمتوں کے شکر کا ایک سالانہ جشن ہے۔

(۲) اسی طرح ہی جیسے زندہ گوشت پوست والے جانور کو ملک کی مجازی صرف مجازی نسبت کی بنا پر آدمی جب اپنے آپ کو اسکا قدرتی حقدار سمجھتا ہے کہ اسکی جان تک کو کام میں لا سکتا ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، اس پارٹی والے ہوں یا گھاس والے، اس قدر تو حق کا حقدار سب ہی اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اور اسکی لیے سب ہی کو [illegible] اٹھانے یا ضرر سے بچنے کے لیے جان لینا ہی پڑتا ہے، سب لے رہے ہیں۔ گذشتہ بالا الفاظ کے بعد

فالٰہکم الٰہ واحد ٌ واحد. فلہ اسلموا	پس تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے پس سونپ دو اپنے تئیں اسی کو۔

۱ بخاری کی مشہور حدیثیں ہیں جن میں ایک شخص کی مغفرت صرف پیاسے کتے کو پانی پلانے، اور ایک عورت کو عذاب بلی کو بھوکا رکھنے کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ یوں بھی صراحۃً بلا وجہ کسی جاندار کو ایذا پہونچانے کی سخت ممانعت ہے اور انکے ساتھ حسن سلوک بڑے ثواب اور اجر کی بات ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں مستقل ابواب ملیں گے سیرت جلد ششم میں مولانا سلیمان ندوی نے بھی اسکا کافی ذخیرہ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ میرے پاس ایک پرانا مضمون قربانی پر ہے اس میں بھی ان حدیثوں کا ایک مجموعہ مل سکتا ہے۔

۲ میرا مطلب یہ ہے کہ ذبح سے اگر رگوں سے خون کا خارج کرنا ہی مقصود تھا تاکہ کھانے والے خون کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے بغیر صرف ذبح کر دینے ہی سے حاصل ہو جاتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عبارت دستور قرآن اس تنبیہ مسئلہ کو اتنی اہمیت دی گئی ہے۔ کبھی فرمایا جاتا ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ (کھاؤ اسکو جس پر اللہ کا نام لیا گیا) پھر اسی مقصد کو دوسرے پیرایہ میں وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ

دربارِ رسول میں مقدماتِ قتل

(از جناب ابوالقاسم دلاوری)

حضرت فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کو نہایت ارزاں کر دیا تھا۔ داد خواہی پر نہ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا تھا، نہ کوئی رنج اور مصیبت اٹھانی پڑتی تھی اور نہ عمرِ گرامی کے قیمتی اوقات برباد ہوتے تھے۔ یورپ کی نام نہاد مہذب حکومتوں نے انصاف اور داد رسی کو ایسے قیود میں جکڑ رکھا ہے کہ داد خواہوں کو اپنے دعوے سے دست بردار ہونا بدرجہا بہتر ہے کہ مہینوں اور برسوں تک عدالتوں میں مارے مارے پھریں اور ذلتیں اور خواریاں سہیں۔ لیکن دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی آئین اس قدر صاف اور سہل تھا کہ انصاف کے حاصل کرنے میں مطلقاً کوئی دشواری نہیں تھی۔ قضاۃ کو تاکید تھی کہ غیظ و غضب کی حالت میں کسی مقدمہ کی سماعت نہ کریں مبادا میزانِ عدل کا پلہ ایک طرف کو جھک جائے۔ اور کوئی غریب سے غریب آدمی بھی داد خواہی کے لیے آئے تو اُس سے نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اُس پر خوف و ہراس کا مطلق اثر نہ ہو۔

جس طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود عفو و درگزر کے خوگر تھے اسی طرح اپنے پیروؤں کو بھی اس صفت سے متصف دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ایک مشہور ارشاد ہے کہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔ (موطائے امام مالکؒ) ضرر تو کسی کو ناحق تکلیف دینے کو کہتے ہیں اور ضرار کسی کو انتقاماً ضرر پہنچانے کا نام ہے۔ آپ نے ضرار سے بھی منع فرمایا اور اپنے پیروؤں کو ہدایت کی کہ گو برائی کا بدلہ لینا شرعاً جائز ہے لیکن عفو و درگزر مومن کا سب سے اعلیٰ جوہر ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کے بدن کو صدمہ پہونچایا جائے اور وہ صدمہ پہونچانے والے کو معاف کر دے تو حق تعالیٰ اُس کا ایک درجہ بلند کریگا۔ (ترمذی و ابن ماجہ) اسی معنی میں حضرت احکم الحاکمین کا ارشاد ہے

وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی اللہ (۴۲ : ۴۰)	بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے لیکن جو کوئی (انتقام کے بجائے) معاف کر دے اور مصالحت (و محبت) کی طرف قدم بڑھائیگا تو اللہ اُس کو اجر (عظیم) عطا فرمائیگا۔

جب ہجرت کے بعد حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں مالکانہ اقتدار حاصل ہوا اور تمام معاملات آپ کی خدمت میں رجوع ہونے لگے تو آپ نے شہر کی چھوٹی چھوٹی نزاعات کا تصفیہ کرنے کے لیے حضرت فاروق اعظمؓ کو قاضی مقرر فرما دیا تھا البتہ مدینہ و مضافات [illegible] اور دور و نزدیک کے اسلامی قبائل کی تمام بڑی بڑی جنگوں، خصومتوں [illegible] کے مقدمے آپ خود فیصل فرماتے تھے۔ قتل کے معاملوں میں آپ نے یہ اصول مقرر فرمایا تھا کہ یا تو مقتول کے ورثاء قصاص میں قاتل کو قتل کر دیں یا خونبہا لیں یا معاف کر دیں۔ لیکن آپ موخرالذکر صورت کو پہلی دونوں صورتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اور اس خدشہ کے پیشِ نظر عفو و درگزر کی کوشش فرماتے تھے کہ قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عناد اور خونریزی نہ ہو، اور عفو و بخشش کی صورت میں قاتل کا خاندان مقتول کے ورثاء کا ہمیشہ ممنونِ احسان رہتا ہے، اور آیندہ کے لیے ان میں کسی آگ اور قضیے کا خدشہ نہیں رہتا۔

یہاں ضمناً ہمارے رائج الوقت انگریزی قانون کی خامی اور بیہودگی ملاحظہ ہو۔ فرض کرو ایک بیوہ کے دو بیٹے ہیں۔ ان میں کسی بات پر نزاع ہوئی اور بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہونچی کہ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اب انگریزی "انصاف" تو یہ ہے کہ بیوہ کا دوسرا بیٹا بھی قصاص میں مارا جائیگا۔ اور وہ کم نصیب اپنے دوسرے لڑکے سے بھی محروم کر دی جائیگی، جو ایک کے قتل ہو جانے کے بعد اُسکی زندگی کا آخری سہارا تھا۔ لیکن شریعت اسلامی نے چونکہ مقتول کے ورثاء کو معاف کرنے کا بھی اختیار دیا ہے، اس لیے وہ اسلامی قانون کے ماتحت اپنے دوسرے بیٹے کو بچا کر اپنے لیے ذریعۂ تسکین مہیا کر سکتی ہے۔ اسی ایک مثال سے ہمارے ناظرین دو مختلف قوانین کے حسن و قبح کا موازنہ کر لیجیے۔

قتل کی وارداتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطمحِ نظر یہ ہوتا تھا کہ آیندہ کے لیے قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں مصالحت اور محبت کی فضا پیدا کی جائے اور رنجش اور تلخی کا نشو و نما روک دیا جائے اسی بنا پر آپ قاتل کی جان بچانے کے سلسلہ میں کوشش فرماتے تھے تاکہ [illegible] کے جھگڑے سے بچا لیا جائے۔ چنانچہ چند نظائر ملاحظہ ہوں:۔

محلم بن جثامہ لیثی نے حالتِ اسلام میں قبیلۂ اشجع کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ مقدمہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا یہ قتل کا سب سے پہلا مقدمہ تھا جسکی سماعت دربارِ رسالت میں ہوئی۔ اس مقدمہ میں عُیینہ نے مقتول کی طرف سے گفتگو کی اور اقرع بن حابس نے قاتل کی وکالت کی۔ آپ نے مقتول کے وکیل سے فرمایا، عُیینہ! کیا تم دِیَت (خونبہا) قبول نہیں کرتے ہو؟ عیینہ نے التماس کی "یا رسول اللہ میں دیت ہرگز قبول نہیں کرونگا اور مجھے اُسوقت تک چین نہ آئیگا جب تک محلم (قاتل) کے خاندان کی عورتیں بھی وہی رنج و صدمہ نہ اٹھائیں جو ہمارے خاندان کی عورتوں کو برداشت کرنا پڑا۔" آپ نے مکرر فرمایا عیینہ! کیا تم واقعی خونبہا قبول نہیں کروگے؟ عیینہ نے کہا، "یا رسول اللہ ہمیں خونبہا نہیں چاہیے بلکہ خون کے بدلے خون چاہیے"۔

یہ سُن کر قاتل کے خاندان بنو لیث کا ایک شخص جسے مکیتل کہتے تھے کھڑا ہوا۔ یہ شخص ہتھیار باندھے تھا، اور ہاتھ میں ڈھال لے رکھی تھی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنے قبیلہ کے قبولِ اسلام کے آغاز میں اس قتل کی ایک ایسی مثال پاتا ہوں جیسے چند بکریاں کسی چشمہ پر پانی پینے آئیں۔ لیکن جو پہلے پہل آئیں انھی کو تیر مار دیا گیا تو پچھلی بھاگ گئیں۔ (اسکا یہ مطلب تھا کہ اگر آپ ابتدائے اسلام ہی میں قاتل کو قتل کر دینگے تو اُسکے خاندان کے دوسرے لوگ جو ہنوز دائرۂ اسلام

نمبر ۴۷ | دوشنبہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۴۳ء | نمبر ۷

سچی باتیں

… عرب جاہلیت کے لٹریچر سے آپ واقف نہیں؟ … شعر ہی تو ان
کے کمالوں کا کمال تھا۔ اور ساری دنیا کے علوم و فنون، منطق و فلسفہ،
ریاضی و جغرافیہ، چھوڑ چھاڑ، شاعری ہی کو انھوں نے اپنا پیشہ اور اپنا
حرفہ بنا رکھا تھا، اور اسی کو وجہ شرافت و تمغۂ امتیاز ٹھہرا لیا۔ جاہلی شعرا
کی شہرت آج تک مردہ نہیں ہوئی … ہو گئے، یہ بھی، یہی ہے۔ لیکن یہ
بھی کیا اُن کی شاعری اور … بڑا شعرا مانا جاتا
تھا، جو فحش ترین ہوتا۔ … سب سے بہتے قائل
تھے … جو کرتے، وہی کہتے۔ اور کہتے … ؟ ہر طرح کی اوباشیاں،
اور بدمعاشیاں۔ انھیں بے حیائیوں اور بے حیائیوں کو مزے لے لے کر
بیان کرتے … پردہ کی ایک ایک بات، کھول کھول کر بے پردہ بیان کرتے،
گمنامی اور بے نشانی کے ساتھ نہیں، نام لے لے کر، پتے دے دے کر شریف
زادیوں اور اونچے گھرانوں کی بیویوں کے، اپنی برادری کی، قبیلہ کی، خاندان
کی لڑکیوں اور عورتوں کے! … انگریز مستشرق جب ان شعر الجاہلی
کا ترجمہ کرنے بیٹھتا ہے، تو ایک مصنوعی شرم کے ساتھ ان مقامات کو حذف
کر جاتا ہے، یا ترجمہ کہیں کرتا بھی ہے تو بجائے عام فہم انگریزی کے، غام فہم
لاطینی میں!

یہ تو قرآن تھا جس نے آکر ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اور بابت …
ادبی حلقوں میں ہلچل مچا دی۔ اس نے ادب برائے ادب کے …
… کھینچ کر قانون ادب برائے زندگی کا چلایا۔ اور خود زندگی کو …
مصلحت و فلاح میں … مرادف بنا دیا صالحیت کا اور معیار قائم کر دیا ادب
برائے اصلاح و تقویٰ کا۔ اسلام نے تیس پاروں اور ۱۱۴ سورتوں
والی ضخیم کتاب کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے بتا دیا کہ مؤثر سے مؤثر
… رنگین سے رنگین، … شاعرانہ …
کی ہے نہ فحش آمیزی کی، بلکہ صرف حقائق کی! تیر کی طرح … جا رہ
ثابت حقیقتوں کی، صداقتوں کی، بصیرتوں کی! کلام … سچائی ہی بہترین
سچائی ہی بہترین انشا پردازی ہے، اور بلند ترین خطابت! ___
موقوف و منحصر اکیلے عرب جاہلیت پر نہیں یونان اور روم کا قابل فخر
کلاسیکل "لٹریچر" خواہ نظم کا ہو یا نثر کا، آخر اور تھا ہی کیا، بجز نفسانی قصص
و حکایات کے، شہوانی خرافات کے، ہیجان انگیز تشبیہات و تعریضات کے!
ڈراما، افسانہ، ناول، شاعری، نام چاہے جتنے ادل بدل کے رکھیے،
حاصل سب کا وہی ایک۔ "کام دیو" کی پوجا! وہی عشق، وہی فسق، وہی
جھوٹ کے پُل، وہی دروغ کا فروغ!

ہماری اُردو کی "روشن خیال" دنیا "ترقی پسند" دنیا میں اب "نئے ادب"
کے نام سے ادب جاہلی کی طرف لوٹ … روایات … ہوئی
ہے تہذیب کی اونچی اونچی … ریڈیو کے
واسطے سے، سینما کے … کہ ہم وہی لکھیں گے، وہی بولیں گے، وہی دکھائیں گے
وہی پڑھیں گے جو ہم کرتے رہتے ہیں، دیکھتے رہتے ہیں، سنتے رہتے ہیں۔
ہماری زندگیاں وقف ہیں فسق کے لیے۔ ہم اپنے دن گزارتے ہیں … میں
… خانوں میں، اور راتیں بسر کرتے ہیں … عوام کاری کے
… ہمارا ادب اور ہمارے افسانے، ہماری … اور ہماری نظم
… عکاسی کریں گے، اور … ہماری زندگی

اُس نے کہا، کہ جنت ایک عورت ہی (والدہ) کے قدموں کے نیچے ہے۔ اور یہ ثابت کر دکھا دیا، کہ اُسکی سب سے زیادہ عزیز ہستیاں چند مرد رفیقوں کے ... ساتھ ساتھ، خدیجہ اور عائشہ اور فاطمہ ہی تھیں —— اُسکی زندگی مختلف بہت ہی مختلف تھی اُس جھوٹے "لازوال سردار" لطیفہ خانم کے شوہر کی زندگی سے، جسکا نباہ "عورت کی عزت" کے اتنے ڈھول پیٹنے کے باوجود کل ایک بیوی سے بھی نہ ہوسکا، اور چند ہی روز کے سابقہ کے بعد شاید لاش سکون ہی کی خاطر طلاق دے دینا پڑی!

دو خط

ایک عزیز گمشتہ ڈپٹی انسپکٹر گرگان میں، ایک ایر فورس (ہوائی فوج) میں ایک جلیلے عہدہ پر ہوگئے ہیں۔ اُنکے ایک خط کا اقتباس:-

"نماز و تلاوت کا سلسلہ خدا کے فضل سے برابر قائم ہے۔ اسکا ذکر پہلے خط میں کرچکا ہوں۔ اب پروگرام یہ رہتا ہے کہ تلاوت کلام مجید ایک بار بعد نماز فجر اور ایک بار سوتے وقت ہو جاتی ہے۔ سوتا عموماً ۱۲ (بارہ) بجے ہوں اسکے علاوہ بھی جب کبھی طبیعت زیادہ گھبرائی، تلاوت شروع کر دیتا ہوں۔ برابر محسوس کیا کہ اس سے دل کو بڑا سکون ہو جاتا ہے۔ خدا کرے یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے۔ صدق کبھی یہاں خوب پڑھنے کو ملا کرے گا"

یہ آر، اے، ایف، کے کمانڈنگ آفیسر ہیں۔ ناواقف محض انگریزی علوم سے آشنا، اور علیگڑھ کے بی اے اور ایم اے ہیں۔ ماحول بھی جس حد تک قرآن سے مناسبت رکھتا ہوگا ظاہر ہی ہے۔ زبان کی اس اجنبیت اور ماحول کی اس ناموافقیت کے باوجود، شہادت دیتے ہیں کہ تسکین قلب اگر ہوتی ہے، تو قرآن سے۔ ہاں الفاظ قرآن سے۔ معانی و مطالب کا ذکر ہی کیا! —— زبان کے سمجھے ہوئے بغیر کسی اور کتاب سے خلوص بھی یہ شہادت کہیں ملیگی؟

ایک دوسرے عزیز، ان سے بھی کمسن، اور علیگڑھ کے تازہ گریجویٹ آفیسر ہوکر انڈین نیوی (بحری فوج) میں ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے مقام سے لکھتے ہیں:-

"نیوی اور آرمی (بحری اور بری فوج) کی بابت جو کچھ شراب اور دوسری منہیات سے متعلق سنا کرتا تھا، اب حقیقت حال کا مشاہدہ ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تک تو ہر برائی سے بچا رہا، اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہی امید ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں نہ عہدہ کا اتنا قصور ہے نہ صحبت کا، جتنا انسان کے خود اپنے خیالات و اعمال کا۔ اگر شروع ہی سے خیالات میں کمزوری اور عمل میں خامی ہے، تو وہ ضرور بہک جائیگا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہے تو کوئی اُسے سیدھے راستے سے زبردستی نہیں ہٹا سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تک روزانہ نمازیں برابر ادا ہو رہی ہیں اور تلاوت قرآن پاک بھی ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ آئندہ کوئی لغزش ہوگئی تو یہ اپنی ہی کمزوری کا نتیجہ ہوگا نہ کہ کسی خارجی اثر کا۔ صدق کے لیے دفتر کو آج ہی خط لکھ دیا ہے۔"

بیشک فہم سلیم اور ایمان راسخ اللہ کی وہ سب سے بڑی نعمتیں ہیں، اور بُرے سے بُرے ماحول میں بھی بڑی حد تک سپر کا کام دے جاتی ہیں۔ تاہم غیر صالح ماحول میں اپنی نگہداشت بہت زیادہ رکھنی پڑتی ہے، اور پوری محفوظیت تو اسکے بعد بھی نہایت ہی دشوار ہے —— بعینہ جس طرح آج وہ اخبارات قابل مبارکباد ہیں، جو اپنے صفحات کو سنیما، شراب، وغیرہ صریح ممنوعات کے اشتہارات سے بچائے ہوئے ہیں، وہ انگریزی خواں بھی بہت غنیمت معلوم ہوتے ہیں، جو ایک غیر اسلامی نظام کے اجزاء، اور ایک غیر اسلامی مشین کے پُرزے، بنے ہوئے، اپنے دینی فرائض بہرحال و بہرصورت ادا کیے جا رہے ہیں، اور اپنے دین کے باقی اجزاء میں قصوروار سمجھے جاتے ہیں! اور جہاں تک غیر اسلامی عنصروں میں آلودگی کا تعلق ہے قصوروار اسلئے وہ بھی بیچارے کیوں ہیں، ہم میں سے بچا ہی کون اس آلودگی سے ہے؟

ایک کتاب سے تبری

(از عبد الماجد)

اپنی پرانی تحریریں دیکھنے کا جب جب اتفاق ہوتا ہے، عموماً اُنھیں خامیوں اور لغزشوں ہی سے بھر پاتا ہوں۔ حال میں ادبی مضامین کے یکجا کرنے کا خیال آیا۔ ایک پُرانے مضمون پیام اکبر پر نظر ثانی کرنے بیٹھا، تو اسکا [illegible] فی صدی حصہ بالکل نیا کر دیا۔ زیادہ سے زیادہ ۲۰-۲۵ حصہ پر باقی رہنے پایا۔ حالانکہ وہ مضمون نسبتاً کم پُرانا ہے یعنی سنہ ۲۲ء و سنہ ۲۳ء کا ہے۔ پھر فلسفہ اجتماع تو اس سے بھی سات آٹھ سال قبل کی لکھی ہوئی ہے۔ اسکا انتساب اب اپنی جانب کیسے گوارا کرسکتا ہوں؟ اور اس میں تو علاوہ زبانی کمزوریوں اور انشائی غلطیوں کے عقائد پر بھی کُھلے ہوئے اور شدید حملے ہیں۔ اُس وقت کا نقطۂ نظر ہی تمامتر دوسرا، یعنی ملحدانہ تھا۔ مدت دراز ہوئی، یعنی کوئی ۲۲ سال ہوئے اسے اپنی فہرست تصانیف سے خارج کرچکا ہوں۔ لیکن اس خاص اور محدود حلقہ میں اسکی قدردانی برابر جاری ہے، اور مجھے اطلاع بھی محض اتفاق ہی سے مل جاتی ہے۔ کئی سال ہوئے معلوم ہوا تھا کہ پٹنہ یونیورسٹی کے ایک امتحان میں داخل ہے۔ اُسی وقت یونیورسٹی مذکور کے حکام کی خدمت میں ایک احتجاج نامہ لکھ بھیجا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی اسکی سرپرستی کر رہی ہے! انا للہ۔ یہ سب کچھ میرے علم کے بغیر اور میری مرضی کے خلاف ہو رہا ہے، اور میرے حق میں ظلم ہے۔

کتاب میری ملک نہیں، انجمن ترقی اُردو کی ملک ہے۔ کتب فروش اُسی سے حاصل کرلیتے ہوں گے۔ کاش وہ خدا سے ڈریں اور روپیے پیسے کے سودے سے اپنے ہاتھ روک لیں۔

یونیورسٹیوں کو میری عزت افزائی اگر کرنا ہی ہے تو میری ایک اور کتاب اصلاً اُسی دور کی لکھی ہوئی، لیکن بہت بعد کی نظر ثانی کی ہوئی، مبادی فلسفہ کے نام سے دو حصوں میں موجود ہے۔ اور وہ لکھی ہی اسی غرض سے گئی ہے، کہ ابتدائی درجہ کے اُردو خواں طلبہ کے کام آسکے —— حیرت ہے کہ حلال و پاکیزہ، طیب کھانوں کے ہوتے ہوئے، اُدھر کا ذہن بھی ایک مُردار ...

رکھ نہیں سکتے تھے۔ اسکی تائید حضرت عمرؓ کے ساتھ ام کلثوم بنت علیؓ کے نکاح سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے محض خاندانِ نبوی سے تعلق قائم کرنے کے لیے حضرت علیؓ سے ام کلثوم کے ساتھ نکاح کی خواہش کی۔ اُسوقت آپ ضعیف ہو چکے تھے اور ام کلثوم کمسن تھیں۔ اس لیے حضرت علیؓ کو ابتدا میں تامل ہوا تھا پھر حضرت عمرؓ کی خواہش کو دیکھ کر اس شرف سے انکو محروم رکھنا پسند نہ کیا، اور عمر کے اس تفاوتِ عظیم کے باوجود نکاح کر دیا۔ اس لیے یہ یقینی ہے کہ حضرت امام حسنؓ بھی اسی سبب کی بنا پر شادیاں کرنے پر مجبور ہوئے، ورنہ جنکی ساری زندگی زہد و ورع میں گذری، جس نے محض مسلمانوں کے مفاد کے لیے عظیم الشان سلطنت کو ٹھکرا دیا، اسکا حظِ نفس کے لیے شادیاں کرنا قیاس میں نہیں آتا۔ حالانکہ یورپین مصنفین اور انسائیکلوپیڈیا کے بیانات تو انکا مقصود نشانہ معلوم ہے وہ تو تلاش کرکے ایسے روایات لکھتے ہیں جن سے انکے بیانات میں کسی حیثیت سے بھی اسلام پر اعتراض کا پہلو نکلتا ہو۔ لیکن انکے بیشتر اس قسم کے بیانات اسی قسم کے غیر معتبر ماخذوں پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے قابلِ اعتبار نہیں۔ — والسلام

ایک تصحیح

بسلسلۂ [illegible]

[illegible] میں مجلۂ طیلسانین (حیدرآباد) پر جو ریویو نکلا ہے اس میں جو مضمون امام غزالیؒ پر نکلا ہے، اُسے ایڈیٹر کا بتایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ انکا نہیں انکے ہمنام ایک دوسرے مقالہ نگار کا ہے۔

بات یہ کہ مجلۂ طیلسانین کے صفحات میں جلوہ گر دو بالکل مختلف شخصیتیں ہیں ایک مجلہ کے مدیر ہیں — اسم شریف محمد غوث — ایم اے (دینیات) ال ال بی۔ یہی مقالہ جنایات پر جائداد کے مصنف بھی ہیں، جس پر ریویو ۲۸ ستمبر کے صدق میں نکل چکا ہے۔

دوسرے صاحب بھی محمد غوث ہی ہیں۔ غزالیؒ والے مقالہ نگار۔ اتفاق سے یہ بھی ایم اے، اور دینیات ہی کے ایم اے ہیں۔ البتہ حیدرآباد کے نہیں، ضلع محبوب نگر کے رہنے والے ہیں —— ہم شکل دو شاہ حضرات کے پہچاننے میں جب دھوکا ہو جاتا ہے، تو ہم نام اور ہم ڈگری اشخاص کے درمیان اگر التباس ہو جائے، تو کچھ ایسا بعید تو نہیں۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱)۔۔۔۔ (از نصیر آباد (خاندیش)) آپ کا سوال ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے۔ اسکے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑیگا گنجایش اور فرصت دونوں کا۔

وفد ترکی

مغربی طرز فکر نے جہاں مسلمانوں کی ملی و قومی روایات پر بعض اور تباہ کن اثرات ڈالے ہیں، ان میں غالباً سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن اثر یہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمان اپنے مسائل پر خالص ملکی اور وطنی نقطۂ نظر سے غور و فکر کرنے لگے ہیں۔ اور اُسوقت وہ اس حیثیت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ انکی بقا اور زندگی کا راز عرب، افغان، ایرانی اور ترک ہو کر زندہ رہنے میں نہیں ہے، بلکہ صرف اس حیات میں مضمر ہے کہ وہ ایک عالمگیر اسلامی برادری کا فرد ہے اور اسکی اجتماعی زندگی کے حدود کسی خاص ملک یا ولایت تک محدود نہیں ہے۔

چند روز سے ترکی کے اخبار نویسوں کا ایک وفد ہندوستان میں گھوم رہا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی دیرینہ روایات کے مطابق اس وفد کا ہر جگہ خاطر خواہ خیر مقدم اور تعظیم و تکریم کا معاملہ کیا لیکن بہت افسوس ہے کہ اخبارات کے ذریعہ وفد کی مختلف تقریروں کے جو اقتباسات ہماری نظر سے گزرے ہیں، وہ حد درجہ دلشکن اور افسوسناک ہیں۔ اس وفد نے کئی تقریروں میں اس بات کو دہرایا ہے کہ "عالمگیر اسلامی اخوت محض ایک خواب ہے اور ترکی نے بیش از بیش قربانیوں کے بعد جو چیز حاصل کی ہے وہ صرف اُسی وقت باقی رہ سکتی ہے جبکہ ترکی "نیشنلزم" پر [illegible] برقرار رہے اس نقطۂ نظر پر زور دیتے ہوئے صدر وفد سے جب پوچھا گیا کہ آپ پہلے مسلمان ہیں یا ترک"؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ "میں پہلے ترک ہوں"۔ بہت ممکن ہے بعض خوش عقیدہ مسلمانوں کے نئے ترکی کے ذمہ دار اخبار نویسوں کی زبان سے اس قسم کی باتیں تعجب اور حیرت کا باعث ہوں، لیکن جس شخص نے ۱۹۲۴ء میں الغائے خلافت کے بعد سے اب تک ترکی کے حالات کا جائزہ لیا ہے، اور نہ صرف ترکی کا بلکہ عربی ممالک اور ایران و افغانستان کے حالات کو بھی دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس وفد کی زبان سے یہ باتیں غیر متوقع نہیں، جو چیز بیس سال سے انکے رگ و ریشے میں سرایت کر چکی ہے، ہندوستان ہونچکر وہ کس طرح اسکا اخفا کر سکتے تھے اور اسکے خلاف کوئی بیان دے سکتے تھے۔

ہماری دعا ہے کہ ترکی نگاہِ بد سے محفوظ رہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کبھی کوئی ایسا وقت آیا کہ ترکی کو جنگ میں شریک ہونا پڑا، تو اُسوقت اُسے اپنی غلطی محسوس ہوگی اور وہ سمجھیگا کہ عالم اسلام سے تعلق منقطع کرکے اپنے عقیدۂ نیشنلزم پر جما رہنا مذہبی اعتبار سے نہیں بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی کس درجہ مہلک اور خطرناک تھا۔ (برہان، دلی)

"ناچتی ہوئی کلچر"

چند سال ہوئے، لاہور میں ایک ہندو رقاص اودے شنکر اپنی پارٹی کو لے کر آیا تھا۔ آج کل ایک اور طائفہ آیا ہوا ہے۔ جس کے سردار رام گوپال صاحب ہیں۔ یہ بھی اودے شنکر ہی کی طرح یورپ کے کئی شہروں پر ناچ دکھا کر داد حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۲ مارچ کو رام گوپال کے طائفہ نے ریگل تھیٹر (لاہور) میں بھارت ہیلش کے پراچین ناچ کے کرشمے دکھائے اور تماشائیوں کو اپنے غمزہ و کرشمہ اور ناز و انداز اور حرکات رقص سے مسحور کر دیا۔

اب آپ ذرا خیال فرمائیے۔ اچھے خاصے مرد آدمیوں کا کریم اور پاؤڈر لگا کر سولہ سنگار کر کے عورتوں کے زرق برق کپڑے زیب بر کر کے گھونگرو اور جھانجھن پہن کر سازوں کی گت پر ناچنا اور نیست بھاؤ سے مختلف انسانی جذبات و خواہشات کا مظاہرہ کرنا اسلامی کلچر یا مسلمانوں کے فنی رجحانات سے کوئی دور کا لگاؤ بھی رکھتا ہے؟ ...

مشکل یہ ہے کہ رام گوپال اور اودے شنکر ہندو تہذیب کی قدیم خوبیوں کو زندہ کرنیوالے سمجھے جاتے ہیں۔ اودے شنکر ایک ناچ گھر قائم کرتا ہے تو بڑے بڑے مہاراجے ہزاروں روپے سے اسکی امداد کرتے ہیں۔ رام گوپال لاہور میں ناچتا ہے تو "ٹریبون" اسکے کمالات پر وجد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ رام گوپال سری کرشن جی اور شو جی کا پارٹ ادا کرنے میں حسن و جمال، ... اور شوکت و عظمت کی انتہائی بلندیوں پر پہونچ گیا۔

پھر کیا آپ کو یاد نہیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر ٹیگور نے شانتی نکیتن کی نوجوان دوشیزاؤں کو ساتھ لیکر جن میں بھتیجیاں اور بھانجیاں اور پوتیاں نواسیاں بھی شامل تھیں۔ ایک طائفہ رقص و سرود مرتب کیا اور عام طائفوں کی طرح ملک کا دورہ کرنے لگے۔ تاکہ اپنے مدرسہ کے لیے روپیہ فراہم کریں۔ چنانچہ وہ لاہور میں بھی تشریف لائے اور اس ذریعے روپیہ فراہم کیا۔

لیکن ہندو بزرگ رقص و سرود کو اپنا مذہبی اور کلچرل سرمایہ سمجھنے کے باوجود اس قسم کے مظاہروں کو جو اخلاق کو تباہ کرنیوالے ہیں، دل میں اچھا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ گاندھی جی نے سیٹھ برلا سے مطلوبہ رقم ڈاکٹر ٹیگور کو دلا دی اور کہا کہ حضرت اب اس مجرے کو بند کر کے گھر واپس لے جائیے۔ ہمارے نزدیک گاندھی جی کا یہ تاثر اس اخلاقی تصور کا نتیجہ تھا جو ہندوستان میں مسلمانوں نے پیدا کیا ہے۔ ورنہ ہندوؤں کے نزدیک ناچ رنگ کوئی بری چیز نہیں۔ (انقلاب)

جنگ کے خوشگوار اثرات

گرانی کے اثرات انگلستان میں بہت زیادہ ہیں۔ وہاں ہر قسم کے کھیل تماشے اور سامان تفریح مفقود ہیں اور بڑوں چھوٹوں کو کھانے کو نہیں رہا ہے اور یہ چیز سننے ہی کے نہیں غور کرنے اور سمجھنے کی بھی ہے کہ ——— اسکے باوجود سب کی صحت بہتر ہو گئی ہے! اسلئے کہ تنوع چھ سات سے گھٹ کر ایک ہو چکی ہے۔ بہت آدمیوں کو اپنی طاقت سے کم غذا مل رہی ہے اور ہسپتالوں اور غریبوں کو صرف غذائیت اور عمدہ چیزوں پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے ...... طبی مسئلہ یہی ہے کہ غذاؤں کا تنوع اور انکی کثرت معدہ کو خراب کرتی، ہضم میں نقص پیدا کرتی اور صحت کو بگاڑتی ہے۔ اقسام اقسام کی غذاؤں کے بجائے اگر ایک وقت میں ایک ہی قسم کی غذا کھائی جائے — اور یہی سنت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی — تو وہ انسان کی صحت کے لیے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اسی طرح کھیل تماشوں اور سیر و تفریح کا بڑھا ہوا ذوق بھی برا ہوتا ہے اور ان سے پرہیز بھی انسان کی صحت کو قائم رکھنے کا ضامن ہے۔ کثرت، دولت، اور بے فکری نے یورپ کی معاشرت و تمدن میں معیار معیشت کی بلندی کے نام سے وہ تمام عناصر پیدا کر دیئے تھے جو مضر صحت تھے۔ جنگ نے ان حشو و زوائد کو معاشرہ سے دور کر کے اور زائد غذاؤں کو گھٹا کر صحتمند بنا دیا! جنگ کے شر میں سے یہ انگلستان کے لیے خیر پیدا ہو گئی! نیز وہاں بیکاری گھٹ گئی اور کام بڑھ گیا ہے۔ محنت مشقت کے کام نہ کرنیوالے اور تفریح غذاؤں کو خوب ہضم کر سکتے ہیں۔

(رہبر دکن)

"میری نئی کتابیں"

(از عبد الماجد)

صدق ۱۵ میں حیدرآباد کے ایک اشتہار کو دیکھ کر الہ آباد سے، لکھنؤ سے، اعظم گڑھ سے، بے تکلف دوستوں کے، خاص کرم فرماؤں کے تقاضے آچکے ہیں کہ "یہ نئی کتابیں کیسی؟ کب تصنیف ہوئیں؟ ہمیں تو کبھی اسکی قبل اطلاع بھی نہ دی، نہ ابتک انکی شکل دیکھنے میں آئی" وغیرہ۔ — جواب میں گزارش ہے کہ شکل آپ کیا دیکھتے، خود میرے دیکھنے میں بھی ابتک نہیں آئی! زیارت جس طرح آپ نے صرف اشتہار کی کی ہے، میں نے بھی صرف اُسی کی ہے!

کئی مہینے ہوئے حیدرآباد کے ایک نئے ادارہ اردو نے مجھے لکھا، دکن کی ایک نامور شخصیت کے سفارش نامہ کے ساتھ، کہ آپ کے بعض مضامین کا انتخاب شائع کرنا منظور ہے، اجازت دیجیے۔ اجازت دیدی گئی۔ میں تو مدتوں قائل اس خیال میں رہا، کہ بس ایک جلد نکلیگی، اور وہ بھی میری نظر ثانی (مع اصلاح دیباچہ) وغیرہ کے بعد۔ چنانچہ اجازت نامہ میں لکھ بھی دیا گیا تھا کہ مضامین انتخاب کے بعد میرے پاس نظر ثانی کے لیے آجائیں۔ ناشرین نے مستعدی و کارگزاری کی افراط میں، ایک تو تین جلدیں بھی میری بے خبری میں نکال دیں، دو مضامین کے انتخاب میں میرا مشورہ شریک رہا، نہ ترتیب میں اور نظر ثانی تک و اصلاح یا مقدمہ و دیباچہ کا تو ذکر ہی کیا؟ اخباری مضمون اور کتابی صورت کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں بڑھانا پڑتی ہیں بہت سی گھٹانا، اور بہت جگہ حاشیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

کتاب، مکمل و مرتب کتابی صورت میں تینوں میں سے ایک بھی نہیں!! مجھے تو اس حالت میں انھیں اپنی تصانیف میں شامل کرتے یقیناً شرم آتی ہے!

اردو کشی ایک مسلمان کے ہاتھ سے

[ذیل کا مضمون کسی غیر ذمہ دار قسم کے شورش پسند کے قلم سے نہیں، انجمن ترقی اردو کے ذمہ دار سکریٹری اور ملک کے مشہور صاحب قلم ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے سنجیدہ قلم سے ہے اور نگاہ توجہ و عبرت سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔ صدق]

ریاست جے پور دربار کی آداب اور نظم و نسق میں مغلیہ سلطنت کا نمونہ تھی۔ اسکے فرماں روا فارسی کے عالم اور علم و ہنر کے سرپرست تھے۔ انتزاع سلطنت دہلی اور ہنگامہ کے بعد جے پور اردو اہل قلم اور شعراء کا مرکز بن گیا۔ فارسی کے بعد اردو وہاں کی سرکاری اور درباری زبان ہو گئی تھی

اس سے پہلے کئی بار مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ کے عہد میں کوششیں کی گئیں کہ دفاتر سے اردو خارج کرکے ہندی جاری کی جائے لیکن مہاراجہ نے مطلق التفات نہ کیا۔ سر آر۔ گلانسی کے دور میں ایجنسی نے اس تحریک کو پھر زندہ کیا اور ایک عرضداشت پیش کی گئی لیکن سر آر گلانسی نے یہ درخواست اس بنا پر رد کردی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے رزولیوشن کی رو سے کونسل یا منتظم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ریاستی حکومت میں کوئی بنیادی تبدیلی کرسکے۔ بعد ازاں یہ مسئلہ بڑے زور شور سے رزیڈنٹ ریاست جے پور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ لیکن رزیڈنٹ بہادر نے بھی مرکزی حکومت کی پالیسی کو برقرار رکھا۔

لیکن ہندی کے حامی اپنی کوششوں میں لگے رہے اور جوڑ توڑ کرکے کونسل سے ہندی کے حق میں احکام جاری کرالیے لیکن اردو پر اسکی عام مقبولیت اور ذاتی اوصاف کی وجہ سے کچھ اثر نہ پڑا۔

اب سر مرزا اسمٰعیل کے آنے پر ایک نیا انقلاب رونما ہوا ایک صاحب پنڈت رام چندر شرما نے اس نیت سے مرن برت رکھا کہ جب تک کہ ریاست کی عدالتوں دفتروں اور مدرسوں میں اردو کی جگہ ہندی رائج نہ ہو جائیگی وہ برت نہ توڑیں گے۔ اور جان دیدینگے۔ پراونشل راجپوتانہ اور جے پور ہندو سبھا نے بڑی شدت سے اس کی حمایت کی اور شورش پھیلائی سر مرزا اسمٰعیل نے اس دھمکی میں آکر ۲۸ جنوری ۱۹۴۳ء کو اس مضمون کا حکم جاری کیا:-

"اگرچہ اس وقت بھی دیوناگری رسم خط کے استعمال پر کوئی بندش نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسم خط بہت سے سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں مروج ہے تاہم چونکہ رعایائے ریاست جے پور کی اکثریت اس رسم خط استعمال کرتی ہے۔ لہذا گورنمنٹ کا یہ منشا ہے کہ تمام دفتروں اور عدالتوں میں ہندی رسم خط استعمال کیا جائے تاکہ اشخاص متعلقہ کو کوئی زحمت نہ ہو لیکن اس حکم سے اُن لوگوں پر جو دیوناگری رسم خط سے واقف نہیں، اردو رسم خط کے استعمال کی ممانعت عائد نہ ہوگی۔"

یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن ہندی کے حامی یہ کب چاہتے تھے کہ اردو رسم خط بھی قائم رہے۔ انکی مخالفت اور شورش اور زور شور سے جاری ہوئی اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری حکم میں جو لفظ "منشا" آیا ہے اس سے یہ مطلب صاف نہیں ہوتا کہ سرکار کا فیصلہ یہی ہے۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۹۴۳ء کے سرکاری نوٹ میں اسکی تصریح یوں کی گئی کہ "سرکار کی یہی مرضی یا فیصلہ ہے" اور میمورنڈم میں جو یہ الفاظ لکھے گئے ہیں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو، ریاست کے تمام سرکاری دفتروں میں دیوناگری رسم خط کو عام رسم خط بنا دیا جائے"۔ یہ تو ہے انگریزی نوٹ کا ترجمہ لیکن ہندی اور اردو نوٹ میں آخری جملہ یوں لکھا گیا ہے

"سرکار کا منشاء یہ ہے کہ جلدی سے جلدی سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں دیوناگری کا عام استعمال ہونا چاہیے"

ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ درحقیقت صراحت نہیں۔ سرکاری احکام میں اور خصوصاً ایسے اہم معاملات احکام میں اس قسم کی دورنگی کچھ نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ رسم خط محض بہانہ ہے اصل میں اردو کو اکھاڑنا اور ہندی کو جمانا ہے۔

اس حکم سے ریاست جے پور اور برٹش انڈیا کے اردو داں طبقے میں بہت اضطراب اور ہیجان پیدا ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے انجمن کے ایک نمائندہ کو اصل حالات کی تحقیقات کے لیے جے پور بھیجا اور ایک خط سر مرزا اسمٰعیل کے نام لکھ کر دیا۔ ہمارے نمائندہ نے مرزا صاحب سے ملاقات کی اور میرا خط پیش کیا اور اس معاملہ پر ان سے گفتگو کی۔ چونکہ انجمن کے نمائندے نے اس امر سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ اسکے متعلق آل انڈیا ایجوکیشنل پیش ہونے والا ہے اس لیے مرزا صاحب نے اطمینان دلایا کہ وہ ۳ فروری تک میرے خط کا جواب بھیج دیں گے اور اپنے حکم کی صراحت بھی کر دیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ اُنھوں نے اب تک کوئی جواب عنایت نہیں فرمایا اور نہ اپنے سابقہ حکم کی کوئی اصلاح کی۔

یہ نہایت رنج اور افسوس کی بات ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل جیسے مدبر اور محب وطن کے قلم سے ایسا حکم جاری ہوا جو ہندو مسلمانوں کے اس تفرقہ میں جو پہلے ہی سے روز افزوں ہے اور شدت پیدا کردیگا۔ اردو زبان ہندو مسلم اتحاد اور یکجہتی کی عظیم الشان یادگار ہے اور کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں۔ اسکے متعلق ایسا غیر منصفانہ فیصلہ سراسر خلاف مصلحت و تدبر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل ملک کے موجودہ حالات پر نظر کرکے اسکی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اسکے نتائج ملک کے حق میں اچھے نہ ہونگے

مکرر

یہ بیان اخبارات میں جا رہا تھا کہ میرے مذکورہ بالا خط کے جواب [illegible]

دخل کرلی ہیں۔

"یہ جنگل میں منگل منانے والی ٹولیاں جہاں کہیں بھی پہنچ جاتی
تو جیں جوق در جوق ان کے گرد پروانہ وار جمع ہو جاتے .... جو اس
دانشمند نے اپنے دورہ سے واپس آکر بیان کیا کہ میرا یہ سفر کیا
تھا، جادو تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میں پھر جلد ہی واپس
جاؤنگی۔ شائقین نے میرے فن کی بڑی قدردانی کی، اور
مجھے ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا۔" (ایسوشی ایٹڈ پریس)

اب بھی آپ اپنے اسی خیال پر جمے رہیں گے، کہ فوجی زندگی نام ہے محنتوں اور سختیوں کا، اور سپاہ میں داخلہ ترک لذات دنیوی کے مترادف ہے؟ آپ کی قدامت پسندی کبھی اس تصویر کو بھی روا رکھ سکتی تھی، کہ میدان جنگ میں یوں جنگل میں منگل منائی جاتی، رنگیلی روشنیں، دشمن کے روبرو یہ سلسلۂ ناؤ و نوش جاری رہتا، چنگ و رباب کا، ساقی و شراب کا!

ایک اور اختراع

وحید خاں تحقیق انیق کا ایک نمونہ: —

"طغرل، سنجر کے زمانہ میں [یعنی پانچویں صدی ہجری کے
وسط میں] سلطان کی ترقی اپنے کمال پر پہنچ چکی تھی....
سب سے پہلے طغرل بیگ کا نام بغداد کی مسجد میں سلطان کی
حیثیت سے لیا گیا۔ اور اسی زمانہ میں السلطان ظل اللہ کا لفظ
خطبوں میں شامل کیا گیا۔ اس سے پہلے اسلام میں سلطان کا
کوئی تخیل اس قسم کا نہ تھا، اس لئے کبھی سلطان کو ظل اللہ
نہیں کہا گیا تھا۔" (ص ۱۳۱)

گویا حدیث نبوی میں سلطان کا لفظ اور لفظ بھی اسی بادشاہ و امیر و حکمران کے معنی میں جو ہے آیا ہی نہیں!! اور گویا جس حدیث میں صراحت کے ساتھ سلطان کو "ظل اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ کوئی پانچویں صدی کا گڑھا ہوا اور تصنیف کیا ہوا ہے!! — تاریخ اگر نام ہی ہے ہر بے سند، بے اصل، خلاف واقعہ، خلاف دلیل دعوے کو پورے وثوق کے ساتھ پیش کر دینے کا، اس تیقن کے ساتھ پیش کر دینے کا، کہ پڑھنے والا بیچارہ "مزید تحقیق و کاوش کی ضرورت ہی نہ محسوس کرے"، تو اس میں ذرا شبہ نہیں کہ تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی کے، یا صحیح طور پر یوں کہنا چاہیے کہ کتاب تجدید امت کے مصنف اپنے زمانہ کے سب سے بڑے مورخ ہیں!

ایک عبارت کی توضیح

مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک مکتوب گرامی کا جو اقتباس ۲۳ء میں "نئی خارجیت" کے زیر عنوان شائع ہو چکا ہے اُس کے سلسلہ میں مولانا اپنے ایک تازہ کارڈ میں لکھتے ہیں:—

"یہ ضروری کارڈ مولانا ... کے ایک خط کے بعد لکھ رہا ہوں۔ میرے
خط کی جو عبارت آپ نے صدق میں شائع فرمائی ہے، اُس کی ایک
صریح غلطی کی طرف انہوں نے توجہ دلائی ہے۔ میرے الفاظ سے
مغالطہ ہو سکتا ہے۔ امام کی طرف جو قول منسوب ہے، اس کا
ماحصل یہ ہے کہ کسی کے قول یا فعل میں اگر ۹۹ پہلو کفر کے
پیدا ہوتے ہوں، لیکن کسی تاویل کی رو سے اگر ایک پہلو بھی اس میں
ایسا نکلتا ہو جو اسے اسلام سے خارج نہ کرتا ہو، تو ترجیح اسلام
والے ہی پہلو کو دی جائیگی۔ عام علماء میں جو تعبیر مشہور ہے،
اور خاکسار نے مشہور تعبیر کے الفاظ ہی لکھ دیے گئے ہیں، اُس کا
بھی یہی مطلب ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جو بات بظاہر قابل رد ہوتی
ہے، اُس کی بنیاد پر تو شاید شیطان بھی کفر سے بچ جائے۔ ایک
ایک وجہ اسلام کی تو اکفر الکافرین میں بھی نکل ہی آئیگی،
مثلاً یہی کہ وہ خدا کو مانتا ہو، یا خدا کو بھی نہ مانتا ہو، لیکن لوگوں
کے ساتھ نیکی کرتا ہو، آخر نیکی بھی تو وجہ اسلام ہی کی ہے۔
غرض مولانا ... کا خیال صحیح ہے، اگرچہ اس پہلو کا بطلان
بدیہی ہے تاہم تعبیر کے جو الفاظ ہیں اُن سے مغالطہ ضرور
پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسی تعبیروں کو اختیار ہی کیوں کیا جائے"

مولانا کے ارشاد کی تعمیل کردی گئی۔ ورنہ بات تو پہلے بھی صاف تھی۔ امام ابوحنیفہ کے قول کا مطلب صرف اس قدر ہے، کہ جو قول یا فعل بظاہر بالکل اور کھلا ہوا کافرانہ نظر آرہا ہو، اُس کی اگر کوئی بعید اور ضعیف تاویل بھی اسلام کے تحت ہو سکتی ہے، تو اسی کمزور تاویل کو اختیار کر لیا جائیگا، اور اسکی بناء پر اسے دائرۂ اسلام سے خارج نہ کیا جائیگا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں، کہ ۹۹ موجبات کفر اس میں موجود ہیں، مثلاً وہ ایمان رسالت ضروری نہیں سمجھتا، قرآن کو کلام الٰہی نہیں مانتا، محض کلام محمدی مانتا ہے، روز جزا کے بجائے تناسخ کا قائل ہے، خدا کے ساتھ روح یا مادہ یا ان دونوں کے ازلی و ابدی ہونے کا معتقد ہے، یا فرشتوں پر مضحکہ کرتا رہتا ہے، وقس علیٰ ہذا، ان سب کفریات کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ میں تو خدا کا قائل ہوں۔ تو ایسے شخص کو بھی مومن سمجھ لیا جائے۔

عربی کی وسعت

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے ہیں، اور لندن کے پی ایچ ڈی۔ پنجاب گورنمنٹ سکالر کی حیثیت سے لندن یونیورسٹی میں کام کیا، اور اب گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر ہیں۔ علاوہ انگریزی کے، اور بھی متعدد یورپی زبانوں کے عالم ہیں، جرمنی، فرنچ، اسپینی وغیرہ۔ انگریزی میں متعدد علمی کتابوں کے مصنف اور کثرت علمی مقالات کے مقالہ نگار ہیں۔ حال میں انکا ایک انگریزی رسالہ عربی زبان سیکھنے کی ضرورت و اہمیت پر (Why we learn the Arabic Language) کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اسکے شروع ہی میں لکھتے ہیں:—

"جغرافی رقبہ کی وسعت کے اعتبار سے، انگریزی اور اسپینی
کے بعد تیسرے نمبر پر کرۂ ارض پر سب سے زیادہ بولی جانے والی
زبان یہی (عربی) ہے"۔ (ص ۹)

ترکی وفد کے صدر عربی زبان کو "مردہ" کہکر ترکی درسگاہوں سے عربی زبان کے اخراج کو جائز قرار دینے والا جاہل "علامہ"! اس نے سن رکھا ہے کہ خود اُسکی "زندہ" زبان ترکی، اس "مردہ" زبان سے کوئی مناسبت رکھتی ہے؟

لحاظ سے فن جنھیں آج انگریزی میں (Occult Sciences) کہتے ہیں۔ اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) بھی ہے، اور انگریزی میں آج تک لفظ "کالڈین" (کلدانی) مرادف ساحر کا چلا آرہا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر ملک کی عظمت کا بھی اور اسکی بد عملیوں، تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو کتاب دانی ایل ۲: ۴ و ۳۰۔ مکاشفہ ۱۰: ۵ و ۱۸: ۳ وغیرہ۔

لیکن دوسری بدکاریوں سے قطع نظر اصل جرم بابل کا اسکا سحر ہی تھا۔ صحیفہ مکاشفہ میں ہے:۔

"تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ اور تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہوگئیں اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اسی میں پایا گیا" (۱۸: ۲۳ و ۲۴)

بابل کے مذہب میں جزء اعظم وہی سحر و کہانت کا تھا۔ انگریزی کا مشہور ضخیم و مستند قاموس مذہب و اخلاق (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس) میں ہے:۔

"بابلی مذہب کا جزء اعظم سحر و کہانت کے انواع و اقسام تھا ..... بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیے تو ہر طرف سحر و منتر کہانت کے نظر آئیں گے" (جلد ۲۔ ص ۱۱۶)

ایک اور فاضل راجرس (Rogers) کی کتاب "مذہب بابل و اسیریا" میں ہے:۔

"مذہب بابل و نینوا کا جزء اعظم بھوت پریت کا اتارنا جھاڑنا ہے" (ص ۱۲۵)

یہ سحر پیشہ و کہانت سرشت قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدار ایران کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوئی تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنون سحر و کہانت کو بھی لیتی گئی۔ راگوزین (Ragozin) کی کتاب کالڈیا میں ہے:۔

"یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ انکی تعلیم دیتے رہے۔ اور ضعیف الاعتقاد خلقت انھیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی" (ص ۲۵۵)

یہود انکے شاگرد رشید ثابت ہوئے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔

"بابل کے میل جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ و شیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا" (جلد ۱۳۔ ص ۱۸۱ طبع یازدہم)

اور یہودی خود اپنی دائرۃ المعارف میں ہے:۔

"بابل ..... کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں برابر قائم رہا" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲ ص ۴۱۳)

ہمارے قدیم مفسروں کی تربت اللہ ٹھنڈی رکھے، بغیر اسکے کہ انکے کان میں بھنک بھی ان آوازوں کی پڑے، کہ سرہنری راولنسن کو انیسویں صدی کے آخر میں اور سر لیونارڈ وولی کو بیسویں صدی میں، اور دوسرے ماہرین اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے، محض اپنی قوت ایمانی کی بخشی ہوئی جلا اور فراست سے کام لیکر وما انزل علی الملکین کا عطف ما تتلوا الشیاطین پر کرکے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کرگئے۔ کہ یہود کی فرد جرم دونوں جرائم سے سیاہ ہے، اتباع سحر شیاطین سے بھی اور اتباع سحر بابل سے بھی!

۵۴۸ لفظ کی قرأت مشہور مَلَک (بہ فتح لام) کی ہے۔ والقراءۃ المشہورۃ بفتح اللام (کبیر)۔ لیکن ایک دوسری قرأۃ مَلِک (بہ کسر لام) کی بھی ابن عباسؓ و ضحاک و حسن بصری سے مروی ہے۔ قرأ الحسن الملکین بکسر اللام وہو مروی ایضا عن الضحاک وابن عباس (کبیر)

چنانچہ اسی دوسری قرأۃ کی بنا پر بعض مفسرین ادھر بھی گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلاً فرشتے نہ تھے، بشر تھے، اور بادشاہ۔ اور انھیں فرشتہ جو دوسری روایت میں کہا گیا ہے وہ محض صفاتی حیثیت سے، یعنی انکے صفات ملکوتی کی بنا پر۔ وقیل رجلان سمیا ملکین باعتبار صلاحہما (بیضاوی)

لیکن جمہور کا قول قرأۃ مشہور کی بنا پر ظاہری انکے فرشتہ ہونے کا ہے۔

اور فرشتوں کے اوپر تعلیم سحر کا نزول کسی نظام تکوینی میں انکے نزاہت ملکی کے ذرا بھی منافی نہیں، خصوصاً جبکہ ان پر اس فن کے الہام کیے جانے سے مقصود ہی تمامتر اصلاح خلق تھا۔ یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا، نہ کہ اس پر آمادہ کرنا ——— مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو، جرائم کے عملی طریقوں سے واقف ہوتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، البتہ اس لیے کہ اپنی اس واقفیت کو مجرموں کے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔

بابل کی سحر پرور و کہانت خیز سرزمین میں جب زور عملیات سفلیہ اور علوم نجومیہ کا حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں اولیاء حق، انبیاء کرام، اولیاء و صالحین کا غلط ملط و التباس کا جنوں، ساحروں، کاہنوں، شعبدہ بازوں کے ساتھ ہونے لگا، تو مشیت الٰہی نے حق و باطل کے ظہور امتیاز اور دونوں گروہوں کے درمیان فصل و امتیاز کرانے اور لوگوں کی اصلاح خیال کے لیے دو فرشتوں کو انسانی صورت میں بھیجا۔

۵۴۹ یہ نام ہیں ان دونوں فرشتوں کے۔ یہ دونوں اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لیے اس خاص غرض سے بھیجے گئے، تو ظاہر ہے کہ انکی شکل و صورت، رنگ روپ، جسم و قالب انسانوں ہی کا سا ہوگا، اور انکی عادتیں اور انکے جذبات بھی بالکل بشری ہی ہو سکے۔

بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک قصہ ملک عراق کی مشہور رقاصہ زہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو آیت کی تفسیر کا انحصار اس پر ذرا سا بھی نہیں۔ دوسرے خود محققین تفسیر نے اس قصہ کی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے، اور تصریح کر دی ہے کہ یہ قصہ بالکل گڑھا ہوا ہے، اور لغو و مردود ہے۔ اس گروہ میں قاضی عیاضؒ، امام رازیؒ، شہاب الدین عراقیؒ وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان ہذہ الروایۃ فاسدۃ مردودۃ غیر مقبولۃ (کبیر) وہذا کلہ لا یصح منہ شئ ومعظمہا راجع فی تفصیلہا الی اخبار بنی اسرائیل اذ لیس فیہا حدیث مرفوع صحیح (ابن کثیر)

لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص مصلحت و حکمت کے ماتحت، کسی فرشتہ کو پیکر انسانی و جذبات بشری دے دیے گئے۔ پھر اگر کسی وقت وہ فرشتہ جس سے اب کام انسان کا لیا جا رہا ہے، بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو گئے تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔

عربی کی تعلیم

۱۰ مارچ کو لجنۃ الادب العربیہ (علیگڈھ) کے زیر اہتمام ڈاکٹر داؤد پوتا ڈائرکٹر تعلیمات صوبۂ سندھ نے عربی سمینار میں تقریر کی۔ پروفیسر ـ بی۔ اے علیم پرو وائس چانسلر نے صدارت فرمائی ...

ڈاکٹر داؤد پوتا نے تقریر کرتے ہوئے عربی کی تعلیم کی اہمیت کو واضح کیا آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے لیے خواہ وہ کسی ملک کا باشندہ ہو عربی کی تعلیم مادری زبان کی تعلیم سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس لیے کہ عربی کی تعلیم کو اسکی مذہبی، ملی، سیاسی، اور اخلاقی زندگی کا دارومدار ہے۔ وسیع اسلامی دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان اتحاد کا بہترین ذریعہ واحد عربی زبان ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیمات کا براہ راست مطالعہ کرے۔ اور یہ صرف عربی زبان جاننے ہی سے ممکن ہے۔ عام طور پر مسلمان اپنے مذہب سے متعلق معلومات علماء کے واسطے سے حاصل کرتے ہیں اور انکی بتائی ہوئی تفسیروں اور تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ یہ صورت حال اسلام کی زندگی اور مسلمانوں کے ذہنی اور فکری ارتقاء کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ فاضل مقرر نے فرمایا کہ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ عربی بہت مشکل زبان ہے۔ عربی زبان مشکل نہیں، البتہ مکمل اور سائنٹفک ضرور ہے۔ عربی زبان کا مطالعہ انسان کے اندر جرأت اور مردانہ جوش عمل پیدا کرتا ہے اسکے برخلاف فارسی زبان جسکی طرف مسلمان طلبہ بالعموم بہت زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ ایک قسم کی لذت پرستی کا رجحان پیدا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہت خوش ہونگا اگر مسلمان طلبہ تمام دوسری مشرقی زبانیں چھوڑ کر تمامتر عربی کا مطالعہ کریں۔ علیگڈھ کے طلبہ بالخصوص خوش نصیب ہیں کہ انکے درمیان عربی ادب کے نامور ماہر علامہ عبدالعزیز المیمنی موجود ہیں جن سے استفادہ کا موقع یقیناً ایک نادر موقع ہے۔

پروفیسر میمنی، صدر شعبۂ عربی نے معزز مہمان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انکے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر داؤد پوتا کا ڈاکٹر بٹ پر عربی شاعری کے اثرات بیان کیے ہیں یقیناً اول درجہ کا کارنامہ ہے چچ نامہ اور تاریخ معصومی کو شائع کرکے آپ نے گرانبہا علمی خدمات انجام دی ہے۔ آپ عربی اسی روانی کے ساتھ بول سکتے ہیں جیسے انگریزی اور فارسی میں آپ کا طرز تحریر بے نظیر ہے۔ آپ کو علم کے ساتھ سچا شغف ہے اور اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ علمی کام کرتے رہتے ہیں۔ آخر میں پروفیسر علیم نے فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ طالبعلمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ میں علامہ اقبال سے ملاقات کرنے گیا۔ وہ وہ زمانہ تھا جبکہ مرحوم نے اردو شاعری بالکل ترک کر دی تھی اور صرف فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ اردو چھوڑ کر صرف فارسی میں شعر کہنے کی کیا وجہ ہے۔ اسکے جواب میں علامہ مرحوم نے فرمایا کہ میں نے فارسی میں شعر کہنا اس لیے اختیار کیا ہے کہ میں عربی زبان میں شعر کہنے پر قادر نہیں۔ پروفیسر علیم نے فرمایا کہ یہ وہی نکتہ ہے جس پر ڈاکٹر داؤد پوتا نے اپنی تقریر میں زور دیا ہے۔ عربی ہی واحد زبان ہے جسکے وسیلہ سے مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد

(بقیہ صفحہ ۴)

کو مخاطب بنایا جا سکتا ہے ... سلسلے اسلامی اخوت اور سیاسی اتحاد کے لیے عربی زبان کی تعلیم یقیناً نہایت ... (مسلم یونیورسٹی گزٹ)

"قانون اسلام کا مطالعہ"

جامعہ عثمانیہ کے ایک منتہی جو قانون اسلام کے مطالعہ خصوصی کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"جدید مغربی قانون کو اسلامی قانون کی روشنی میں دیکھا جائے تو نمایاں معاملات صاف واضح ہو سکیگا کہ مغرب نے ہمارے نظام قانون سے ہی بڑی حد تک خوشہ چینی کی ہے۔ مغرب کے کسی اور قانون کا میں نے مطالعہ نہیں کیا والبتہ قانون انگلستان کا جس حد تک ... اہمیت مطالعہ کیا ہے اس سے یہ نظر آتا ہے کہ بنیادی اصول اکثر ہمارے ہیں۔ اسی پر عظیم الشان عمارت کھڑی ہوئی۔ قانون انگلستان کا دعویٰ ہے کہ اس نے تجربہ اور روزمرہ ضروریات کے لحاظ سے ترقی کی اور یہ کہ وہ اہل انگلستان کے دماغوں کا نچوڑ ہے۔ بہرحال ایک نظام قانون کا دوسرے نظام قانون سے مقابلہ کیا جائے تو بعض مسائل میں مطابقت ہو سکتی ہے اور اگر بعد کے قانون میں پہلے قانون کے مماثل مسائل نظر آئیں تو بظاہر یہی گمان ہوگا کہ بعد کا قانون پہلے قانون سے ماخوذ ہے۔ لیکن غالباً دراصل ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مختلف قوانین میں بعض امور مشترک جو ہوتے ہیں وہ غالباً اس بنا پر کہ انسانی ذہن و دماغ ان مسائل کے متعلق ہر جگہ ایک ہی نقطہ پر پہونچا۔ چنانچہ اسی بنا پر عمومی اصول قانون (جنرل جورسپروڈنس) کا خیال پیدا ہوا۔ مختلف نظامہائے قوانین کے جزئیات میں تطابق تلاش کرنے کے ساتھ یہ کوشش بھی ہو رہی ہے کہ قوانین کے اصل الاصول میں تقابل کیا جائے۔ ایک فلسفۂ قانون کا دوسرے فلسفۂ قانون سے موازنہ کیا جائے۔ اس صورت میں ایک نظام قانون کا فرق دوسرے سے ممیز ہو سکیگا اور اصلی سود مندی کا پتہ مل سکیگا۔ لیکن ہمارے جامعات میں ان امور کی کسکو توفیق ہے۔ یہ سب آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہتی نظر آتی ہیں"

جامعہ عثمانیہ کی علمی تعلیمی حیثیت جو ہے وہ تو ہے ہی ہے، بڑی مسرت یہ دیکھ کر ہوتی ہے کہ بحمد اللہ اسکی اپنی خدمات بھی خاصی نمایاں ہیں۔ ترقی و امتیاز کی گنجائش تو خیر ہر صورت ہے، لیکن یہ کیا کم ہے کہ اسکے اساتذہ اور طلبہ دونوں اپنی حیثیت سے اب تک جو خدمات انجام دے سکے ہیں انکی نظیر ہندوستان کی کسی اور جامعہ میں تو کیا ملتی، افسوس ہے کہ علیگڈھ تک اس باب میں اس سے بہت پیچھے ہے۔ اساتذۂ عثمانیہ میں صدر شعبۂ دینیات کا شغف ظاہر ہی ہے، اور یقیناً اسکا اثر انکے شاگردوں اور طلبہ تک متعدی ہوا ہے، باقی شعبۂ فلسفہ کے بھی کم از کم ایک استاد نے تو اسوقت تک قابل رشک دینی خدمات کر ڈالی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فالذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب: (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق لکھنؤ

اشتہارات، چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

[illegible] پریس، گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ: [illegible]

ششماہی: [illegible]

بیرون ہند سالانہ [illegible]

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

نمبر ۴۹ | دوشنبہ - ۱۰ - ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۷ - اپریل ۱۹۴۲ء | جلد ۷

سچی باتیں

لکھنؤ شہر ہندوستان کے بڑے اور نامور شہروں میں سے ہے۔ اور اسی مناسبت سے لکھنؤ میونسپلٹی بھی اہم اور بڑی۔ پچھلے دنوں شور بلند ہوا کہ میونسپل بورڈ میں اندھیر مچا ہوا ہے۔ ہر طرح کی بد انتظامی ہے، بے نوائی ہے، خیانت ہے، لوٹ ہے۔ گورنمنٹ نے "تحقیقاتی" کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے رپورٹ کی، کہ شکایتیں صحیح ہیں، اور شکوہ بجا۔ فلاں ممبر صاحب نے اپنے مکان کا محصول خود ہی تشخیص کیا، اور بالکل من مانی کارروائی کی۔ سابق ممبروں پر محصول [illegible] کی، رقم مدت سے بقایا میں چلی آ رہی ہے۔ ایک ممبر صاحب دو برس سے اینٹوں کا بھٹہ قائم کیے ہوئے ہیں، اور ٹیکس ایک پیسہ نہیں دیتے۔ فلاں فلاں ممبر صاحبوں نے میونسپل بورڈ کی بلا اجازت اپنے اپنے ہاں عمارتیں تعمیر کر لیں۔ فلاں فلاں ممبروں کے عزیزوں کو نوکریاں انکی سفارش پر، دوسرے قابل تر امیدواروں کو چھوڑ کر مل گئیں۔ نالیاں اور موریاں بنیں، اور سڑکوں پر لالٹینیں لگیں، تو پبلک مفاد کا خیال کیے بغیر، ممبر صاحبان کی ذاتی آسائش و سہولت کی خاطر۔ — وغیرہ وغیرہ ایک دفتر کا دفتر شکوہ و شکایت کا انکوائری کمیٹی نے تیار کر کے رکھ دیا!

چیرمین صاحب کا جواب شائع ہوا، کہ اعتراضات غلط، شکایتیں بیجا ہیں۔ جو کوتاہیاں واقعی سرزد ہوئی ہیں، انکے فلاں فلاں معقول وجوہ و اسباب تھے — اس سوال جواب سے یہاں متعلق بحث نہیں ہو سکتی ہے کہ جوابات معقول ہی ہوں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ بلوتیں ملک بھر میں کہاں ہیں؟ سارے ہندوستان کی بڑی یا چھوٹی کون سی میونسپلٹی ہے، جہاں یہ اندھیر مچا ہوا نہیں ہے؟ دوسری میونسپلٹیوں کا پردہ تو بس جبھی تک ڈھکا ہوا ہے، جب تک کوئی تحقیقاتی کمیشن انکے لیے مقرر نہیں ہوتا۔ ورنہ تحقیق کے بعد کس کا دامن پاک نکلیگا؟ رشوتیں کہاں نہیں چل رہی ہیں؟ سفارشوں کا بازار کہاں گرم نہیں ہے؟ اہلیت، دیانت، قابلیت کو ذاتی اثر و رسوخ سے پامال کہاں نہیں کیا جا رہا ہے؟ ذاتی غرضمندیاں کہاں کارفرما نہیں ہیں؟ عزیز پروری، دوست پروری، خود پروری کونسی میونسپلٹی ہے، جہاں شعار نہیں ہے؟ دیانت، فرض شناسی، اصول، ضوابط کی حکومت کہیں بھی ہے؟ — اور ایک میونسپلٹی ہی کا نام کیوں بدنام کیجیے، بڑے بڑے شہروں کے کارپوریشن، ضلعوں کے ڈسٹرکٹ بورڈ، قصبوں کے ٹاؤن ایریا، اور انکو بھی چھوڑیے - پولیس اور عدالت اور ریلوے اور ڈاکخانے اور اسپتال جیسے شاندار سرکاری محکمے، ان میں سے کس کا نقشہ اس سے مختلف ہے؟ ہمارے ہندوستانی بھائی بند کا جہاں بھی گزر ہے، امانت، دیانت، صداقت، فرض شناسی، اصول پرستی کی مثالیں، بجز خال خال کے، کہاں ملینگی؟

برخلاف اسکے یورپ — وہاں بھی یہ فرض فراموشی کہیں جاری ملیگی! کسی انگریز کو بھی آپ نے سنا ہے کہ کسی مستحق کا گلا کاٹ کے نوکری اس نے اپنے بھائی بند کو، اپنے لڑکے بھتیجے داماد کو، اپنی برادری والے کو دلا دی ہے؟ دفتروں میں جوان مردوں کے پہلو بہ پہلو اکثر جوان عورتیں ۶ - ۶ گھنٹے کام کرتی رہتی ہیں؟ مجال ہے کوئی مرد، اتنے عرصہ میں، کسی عورت سے ہنسی مذاق کر سکے؟ بری نیت سے گھور سکے؟ ایک معمولی کانسٹبل جسوقت ڈیوٹی پر ہوتا ہے، ممکن ہے کوئی بڑے سے بڑا حاکم، بڑے سے بڑا لارڈ، وزیر سلطنت تک اسکے حکم سے سرتابی کر سکے؟ وہاں بھی [illegible] روپیہ پر ڈاکٹر بیماری کے جھوٹے سرٹیفکیٹ دیتے رہتے ہیں؟ انکے ہاں بھی آٹھ آٹھ آنہ پر گواہ عدالتوں پر جھوٹے حلف اٹھاتے رہتے ہیں؟ انکی پبلک کا بھی یہ حال ہے کہ اپنا یا کتاب کا بھی [illegible]

ملکا یا، اور وہیں کر دیا؟ اُنکے یہاں بھی اخبار نویسوں کا یہ دستور رہا کہ آج اس فریق کے ہاتھ بک گئے، تو کل اُس فریق کے ہاتھ؟ یہ وکیلیں اور یہ اخلاقیاں اُنکے تمدن کی دوسری مشینوں سے یقیناً بہت بڑھی ہوئی ہیں، لیکن یہاں ذکر صرف پبلک ڈیوٹی اور "پبلک سروس" کا ہے، اس حیثیت سے ہم میں اُن میں کون نسبت ہے؟ —— اور اسی فرق نے اگر ایک کو حاکم، ایک کو محکوم، ایک کو زندہ، ایک کو مردہ بنا رکھا ہے، تو اس پر حیرت کیوں کیجیے؟

یوم اقبال کا پیام

لکھنؤ میں یوم اقبال ۲۰ اپریل کی شام کو نواب بہادر یار جنگ کی زیر صدارت بڑی دھوم دھام سے بڑے اہتمام سے منایا گیا۔ مدیر صدق کا پیام ذیل پڑھ کر سنایا گیا:۔

جس کی زندگی خود ایک پیام تھی جیسا سارا کلام ہی ایک پیام تھا، اُسکی سالانہ یادگار کے موقع پر کوئی دوسرا کیا پیام دے!

یہ لکھنؤ شہر وہی ہے، جو پیش پیش تھا اقبال کی اُردو شاعری پر نکتہ چینی میں، حرف گیری میں، یہ بندش کمزور، وہ ترکیب سست، لفظ غلط، مصرعہ مہمل۔ آج یہی شہر ہے کہ آگے بڑھا رہا ہے داد دینے کو، خراج عقیدت پیش کرنے کو! —— ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب شاعر کا قال حال بن جاتا ہے اور نالہ علامت آب حیات میں تبدیل ہو چکتی ہے! شاعر اب تخیلات کا نقیب نہیں، اللہ کا مُرید بن جاتا ہے۔ اُسکا کلام اب ناسوتیوں کی راگ راگنی نہیں، لاہوتیوں کا نغمہ بن جاتا ہے۔ اعتراض اب تبدیل ہو جاتا ہے اعتراف میں، اور انتقاد، اعتقاد میں!

اقبال ہند کا تھا۔ پیام وہ دے گیا، جو صدیوں پیشتر ایک اور دے گیا تھا۔ شرح اُس پیام کی تھی، جو دونوں کے آقا و سردار عرب کے ایک اُمّی کا پیام تھا۔ پیام بندوں کا نہیں، بندوں کے مالک کا، پیام افضل البشر کا بھی نہیں، خود خالق بشر کا۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ جیو مسلمان، مرو مسلمان، اُٹھو مسلمان!

مسرت کا راز

"دنیا میں مسرت و راحت سے بسر کرنے کا راز یہ ہے، کہ اپنی دلچسپیوں کو وسیع زیادہ سے زیادہ کیجیے۔ اور پھر جتنی بھی اشیاء اور اشخاص سے آپ کو دلچسپی پیدا ہو جائے اُن سے جذبات منافرانہ نہیں، دوستانہ اپنے دل میں پیدا کیجیے۔" (Conquest of Happiness صفحہ ۱۵۴)

یہ برطانیہ کے مشہور موجودہ مفکر و فلسفی برٹرینڈ رسل کا بتایا ہوا مجرب نسخہ مسرت و راحت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی محبت کے دائرہ کو جتنا زیادہ بڑھاؤگے مخلوق کی جتنی بڑی سے بڑی تعداد کو اُسکے اندر لاتے جاؤگے، اُسی قدر خود بھی مسرور رہو گے۔ لیکن ایک کتاب ہمارے پاس بھی تو ہے! ایک کتاب نہیں، دنیا کی ایک ہی کتاب، الکتاب، کسی فلسفی کی لکھی ہوئی نہیں، ایک اُمّی کی لائی ہوئی۔ اُس میں باب عنوان یہ ہے کہ محبت کے دائرہ کو ایک ایک بشر پر، شجر پر، حجر پر، کہاں تک وسیع کرتے جاؤگے۔ ایک دم سے سب کے اصلی انداز وار معارج ہی تک کیوں نہ پہونچ جاؤ۔ اور محبوب اپنا بجائے مصنوعات کے صانع کو، بجائے مخلوقات کے خالق ہی کو نہ بنا لو! وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ ہمارے ایک شاعر نے بھی اسی کتاب سے لیکر یہ مضمون یوں ادا کیا ہے ؎

آلام روزگار کو آساں بنا لیا
جو غم ہوا اُسے غم جاناں بنا لیا

فرمائیے! دونوں راستوں میں سے قریب تر، آسان تر، پختہ تر کون سا ہے؟

تہذیب فلسفی کی نظر میں

برٹرینڈ رسل اسوقت برطانیہ کے ایک ممتاز فلسفی مفکر اور اہل ریاضیات ہیں۔ چند سال ہوئے، ایک کتاب Conquest of Happiness "تسخیر مسرت" کے نام سے لکھی ہے، جس میں اپنے تجربات کا نچوڑ رکھ کر بتایا ہے، کہ دنیا میں سکون، مسرت و راحت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے کیا کیا طریقے ہیں۔ موجودہ تہذیب و تمدن اور اُسکے چلائے ہوئے طریق معاشرت و نظام تربیت کا تذکرہ، اور ان پر تبصرہ ناگزیر تھا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"کچھ نہ کچھ خشک زندگی بسر کرنے کی عادت بھی بچپن ہی سے ڈالنا چاہیے۔ آجکل کے والدین اس باب میں بڑی ہی غلطی کرتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو ہر ایک نئے تماشے، نئے ذائقے سے لطف اندوز کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ بچے کی عام زندگی میں ہر دن پہلے ہی دن کی طرح رہنا چاہیے۔ تفریح و تنوع کے موقعے تو بس کبھی کبھی آنے چاہیے۔ ... ایسی لذتیں جن سے ہیجان تو پیدا ہوتا ہو لیکن اپنے کو سعی و تعب کچھ نہ پڑے، مثلاً تھیٹر، ان سے لطف اندوزی کا موقع شاذ و نادر ہی آنا چاہیے۔ اس ہیجان کی حالت نشہ کی سی ہوتی ہے۔ جتنا حاصل کیجیے، طلب اور بڑھتی ہی جائیگی۔" (صفحہ [illegible])

اور پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"اپنے بچوں کو لیکر آپ جب چڑیا گھر دیکھنے گئے ہونگے، تو آپنے بن مانس قسم کے بڑے بندروں کو دیکھا ہوگا، کہ جسوقت وہ نہ کھاتے ہوتے ہیں، نہ اُچھل کود کرتے، تو اُسوقت اُنکے چہروں پر کیسی اُداسی برستی ہوتی ہے! گویا زبان حال سے وہ کہتے ہوتے ہیں کہ ہم انسان کیوں نہ ہوئے! ہمارے ہی بھائی بند ارتقاء کرکے انسان بن گئے، اور ہم بندر کے بندر ہی رہے۔ [آگے پڑھنے سے قبل اکبر کا ایک شعر حسب حال سُن لیجیے ؎

[illegible] بندروں میں ارتقا پر بھی آدمی نہ ہوئے!

اب پھر رسل کا ترجمہ پڑھیے]

ایسی ہی [illegible]

کے تیر میں رچ گیا ہے" وہ اندر ہی اندر محسوس کرتا ہے کہ اُسے فلاں فلاں چیزیں ملنی چاہییں، مگر نہیں مل رہی ہیں۔ مایوس ہوکر وہ اپنے ہم جنسوں پر غصہ اُتارتا ہے۔" (ص۹۵)

جس فلسفۂ تعلیم کے گرویدہ ہمارے اِن کے بڑے بڑے ماہرینِ فن ہیں، جس نظامِ تمدن و تربیت کے مدح خواں ہمارے اِن کے بڑے بڑے "روشن خیال" بزرگ ہیں، یہی وہ ہیں کہ یہ سرٹیفکیٹ برٹرنڈ رسل کی زبان سے عطا ہو رہے ہیں!

کلامِ اقبال

شیخ نذیر احمد صاحب (مالک) سادات (الٰہ آباد) مرحوم کے ایڈیٹر اپنے ایک عنایت نامہ میں لکھتے ہیں :-

"آج کل اقبال کی کتاب 'پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق' دیکھ رہا ہوں۔ اقبال نے فقر وغیرہ کی نسبت کیسا عدیم النظیر کلام ارشاد فرمایا ہے، اور ... حضور رسالتمآب کیا کلام ہے! اس سے بڑھ کر کوئی کلام حالاتِ حاضرہ سے متعلق میری نظر سے نہیں گزرا۔ کیا خوب ہو کہ صدق میں بھی ایک شذرہ اقبال مرحوم کے کسی شعر کی بابت تحریر فرما دیا کریں تو ناظرین کا لطف دوبالا ہو جایا کرے۔"

ابتدائی حصہ کو چھوڑ کر وسطی اور آخری زمانہ کا کلامِ اقبال تو سراپا اتنا بلند اور پاکیزہ ہے، کہ قوتِ انتخاب خود حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔ درج کیا جائے تو کس حصہ کو، اور چھوڑا جائے تو کس حصہ کو؟ چھوڑنے کے قابل ہی کون حصہ ہے؟ جس نظم کا اوپر نام لیا گیا ہے، وہ کتاب کے سات آٹھ صفحوں میں آئی ہے۔ اسے نقل کرنا ممکن کیونکر ہے! ہر ہر شعر اپنی جگہ پر سوزِ قلب اور حسنِ بیان دونوں کی تصویر ہے — اور یہ مصرعہ تو ضرب المثل ہو کر چلیگا، دوسروں کے سارے سارے دیوان پر بھاری ہے

مصطفےٰ نایاب و ارزاں بولہب!

پورا شعر یوں ہے :-

در عجم گردیدم و ہم در عرب — مصطفےٰ نایاب و ارزاں بولہب!

سرکاری ملازمت

لاہور میں یونیورسٹی کے ایک طالب علم ہیں جنکی تعلیم عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ کئی ہفتے ہوئے انکا ایک خط اس مضمون کا آیا تھا :-

"گورنمنٹ سروس سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ سوال میرے لیے ایک عجیب بے چینی پیدا کیے ہوئے ہے۔ میرا دل اسے کسی طرح قبول نہیں کرتا۔ اس باب میں آپ میری رہنمائی فرمائیے۔"

جواب خط کے ذریعہ سے جو اسی وقت دے دیا گیا تھا، افسوس ہے کہ اس کی نقل محفوظ نہیں رہی۔ لیکن بہرحال خود مسئلہ ہر ایسے طالب علم کے لیے، جسے اپنا دین و ایمان عزیز ہے، اہم و قابلِ توجہ ہے۔ اس لیے چند سطریں پرچہ میں بھی بے محل نہ ہونگی۔

اصل قاعدہ کے اعتبار سے ہر غیر اسلامی حکومت سے تعلق رکھنا ناجائز ہے۔ اس اصل کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔ غیر اسلامی یعنی کافرانہ حکومت کے ساتھ ارادی و اختیاری معاونت و اشتراک کی تقریباً سب ہی صورتیں حرام ہیں۔ البتہ اضطرار و نیم اضطرار کی حالت میں ضعیفوں، کم ہمتوں کے لیے رعایت کی بھی صورتیں نکل آتی ہیں۔ شدید بھوک میں حرام و نجس غذا جائز ہو جاتی ہے۔ بیماری میں حرام دوا کی اجازت ہو جاتی ہے، وہی عام قانون رعایتِ ضرورت و احوال کا یہاں بھی عاید ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی خیال رہے کہ حرمت کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ بعض پیشے اور محکمے حرام در حرام ہیں۔ مثلاً فوج اور پولیس وغیرہ، ایسے محکمے جن میں مسلمان کی جان کافرانہ قانون کے ماتحت لی جاتی ہے۔ دیوانی و فوجداری عدالتوں کے کل عہدے جن سے کافرانہ قانون کو چلانا پڑتا ہے۔ محکمۂ آبکاری، افیون، رجسٹری وغیرہ۔ اس قسم کے سارے صیغوں کی اشدیت ظاہر ہے۔ بعض پیشے نسبتاً اخف ہیں۔ مثلاً سکرٹریٹ یا عدالتوں کی اہلکاری۔ جن میں بذاتِ خود کوئی حکم جاری کرنا، کوئی فیصلہ سنانا نہیں ہوتا، بلکہ محض نقلِ احکام، اور دفتری خط و کتابت کرنی ہوتی ہے۔ یا بعض محکمے مثلاً طبابت، حفظانِ صحت، ریلوے، انجنیری، بجلی وغیرہ — اور پھر آخری درجہ میں جس کسی کو ترکِ اشتراک کی بالکل ہی ہمت نہ ہو، وہ بھی کم از کم اپنی جگہ پر اپنے کو خطاکار تو سمجھتا رہے۔ عمل نہ سہی کم از کم اپنا عقیدہ تو درست ہی رکھے۔ امام مالکؒ کے الفاظ میں نشتغل و نستغفر۔ بدعملی کے ساتھ ندامت، توبہ و استغفار کا سلسلہ تو بہرحال جاری رکھے۔

قرآن مجید میں سورۂ یوسف کی ایک آیت سے کچھ ایسا مستنبط ہوتا ہے، کہ حکومت گو غیر اسلامی ہی ہو، لیکن قانون کا نفاذ اگر اسلامی طرز پر ہوتا رہے، تو عہدے قبول کرلینے، بلکہ انکے طلب کرنے تک میں بھی مضائقہ نہیں۔ یہ استنباط، علما و محققین کی رایوں سے قطع نظر، ڈرتے ڈرتے پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے کوئی قطعی فتوےٰ نہ سمجھا جائے۔

قدیم مسائل جدید روشنی میں

مولوی عبد الرؤف صاحب، جھنڈے نگر سے لکھتے ہیں :-

"آپ کی تقریر رامپور کو بہت عرصہ ہو گیا۔ صدق میں آپ اُسکے چھاپنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اب تک ہر ہفتہ انتظار ہوتا رہا۔ اب کب تک شایع ہوگی؟"

اور بھی تقاضے موصول ہو چکے ہیں۔ ان شاء اللہ تقریر آئندہ نمبر سے نکلنا شروع ہو جائیگی۔ عنوان ہے "قدیم مسائل جدید روشنی میں"۔ مسائل تمامتر قرآن مجید ہی سے متعلق ہیں۔ تعداد میں بھی ایک دو نہیں، اچھے خاصے ہیں۔ رضا اکاڈمی، جسکے سامنے مقالہ پڑھا گیا، کوئی مذہبی انجمن نہیں، محض علمی ادارہ ہے۔ اسلیے قدرۃً عنوانات پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ تاریخ بنی اسرائیل کے مباحث، تحقیق "نصاریٰ" و "صابئین"، نزولِ من و سلویٰ، تفسیر آیۂ ولکن شبہ لہم، تفسیر آیۂ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب بہت سے مسائل آگئے ہیں۔ جتنا مقالہ وہاں پڑھا گیا، نسبتۃً مختصر تھا۔ اچھا خاصا اضافہ بعد کو کیا گیا۔ وہ سب ان شاء اللہ ناظرین صدق

سورة البقرہ، ع ۹

از عبد الماجد

بسلسلہ صدق ۲۲ اپریل

۷۵- افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منهم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وهم یعلمون

تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں گے تمہارے کہنے سے درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہو چکے ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں بعد اسکے کہ اسے سمجھ چکے ہیں۔ اور وہ اسے خوب جانتے بھی ہیں۔

۷۶- واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلا بعضهم الی بعض قالوا اتحدثونهم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم افلا تعقلون۔

اور جب وہ ملتے ہیں ان سے جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں کہ کیا تم بتلا دیتے ہو انھیں وہ جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے کہ وہ اس سے حجت قائم کریں تم پر تمہارے پروردگار کے حضور میں۔ سو کیا تم نہیں سمجھتے؟

۲۲۰ یعنی اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی روداد سن لینے کے بعد بھی۔

الاستفهام للاستبعاد او للانکار التوبیخی (روح) فیہ ضرب من التکیر علی الرغبة فی ایمان من شواهد الاحوال قائمہ مستبعد ایمانهم (بحر) الهمزة لانکار الواقع واستبعادہ کما فی قولک أتضرب اباک (ابو سعود)

۲۲۱ (اے مسلمانو!)

خطاب اس آیت میں بنی اسرائیل سے نہیں، مسلمانوں سے ہے۔ حسن بصری تابعی کا قول ہے کہ اس کے مخاطب رسول اور مومنین ہیں۔ ہو قول الحسن، او خطاب مع الرسول والمومنین (کبیر) قال القاضی وہذا الیق بالظاهر (کبیر) ایہا المومنون (ابن کثیر) یا محمد او اصحابہ (معالم)

طمع کے عام معنی لالچ رکھنے، حرص کرنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں، اور وہی یہاں مراد ہیں۔ طمع فیہ وبہ ... حرص علیہ ورجاہ (لسان) افترجو یا محمد (ابن عباس) شاہ ولی اللہ دہلوی نے فارسی میں امید ہے اور مفسر تھانوی مدظلہ نے اردو میں توقع سے ترجمہ کیا ہے۔

۲۲۲ یعنی محمد رسول اللہ کے یہود۔ جنکی قساوت قلب کی اتنی مفصل و مسلسل سرگزشت ابھی بیان ہو چکی ہے۔

المراد بقولہ ان یومنوا لکم هم الیہود الذین کانوا فی زمن الرسول علیہ السلام (کبیر)

۲۲۳ یعنی تمہاری خاطر سے تمہاری بات مان لینگے؟ لکم بمعنی لاجلکم ہے۔

ای ان یحدثوا لکم و یومنوا لاجل دعوتکم (بیضاوی) اجل دعوتکم (کشاف)

واللام للسبب ای یومنوا لاجل دعوتکم لهم (بحر)

۲۲۴ وقد کان فریق منهم کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان، گویا ذکر ماضی کا، اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرا ترجمہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا فریق رہا ہے انکے درمیان یعنی ذکر حال کا، اور ہمعصر یہود کا ہو رہا ہے۔ قاعدۂ نحوی سے دونوں معنی نکل سکتے ہیں۔ ائمہ تفسیر سے بھی دونوں قسم کے اقوال نقل ہوئے ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے جبکہ معاصرین ہی پر قائم کی جا رہی ہے، اور اسی لئے لازم انھیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

ومنهم من قال المراد بالفریق من کان فی زمن محمد علیہ السلام وہذا اقرب (کبیر)

کلام اللہ سے مراد ظاہر ہے کہ یہود کے صحف آسمانی ہی ہو سکتے ہیں اور یہ حقیقت یعنی تحریف کتب و صحف خود یہود کو بھی مسلم ہے۔ یرمیاہ نبی کی کتاب میں اسرائیل کو مخاطب کرکے ہے:-

"تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے" (یرمیاہ ۲۳: ۳۶)

علمی رنگ میں قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے یہ حقیقت بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں۔ اور انکے علماء و اکابر صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین و مطالب کا القاء ہمارے انبیاء و اصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرات انھیں الہامات کی بنا پر نوشتے تیار کر جاتے تھے۔

۲۲۵ یعنی اور زندگی میں نہیں، دیدہ و دانستہ سب کچھ جان لینے سمجھ لینے کے بعد

۲۲۶ (کہ کیسی سخت جسارت کر رہے ہیں) انهم مبطلون کاذبون (روح) انهم قد حرفوہ (بحر)

۲۲۷ اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود مدینہ میں کچھ تو علانیہ دشمن اسلام تھے ہی، اور کچھ انکے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انھیں منافقین کا ہے۔ یعنی المنافقین من الیہود (ابن جریر عن ابن عباس)

۲۲۸ یعنی یہ دیکھ لیتے ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔

۲۲۹ یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارت اور علامتیں۔

یہود جب آپس میں ملتے، تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کرکے خواہ مخواہ انکے ہاتھ میں ہمارے خلاف ہتھیار دیدیتے ہو؟ یہ دلائل وہ ہمارے ہی خلاف استعمال کرینگے ____ گویا یہ احمق یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ رسول اسلام اور پیروان اسلام کو جو کچھ بھی علم ہوگا، محض انھیں کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس انکے سوا انپر علم و معلومات کے سارے دروازے بند ہیں! ____ یہ جہل بعینہ اسی طرح کا تھا جس میں سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن پر تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہے وہ توریت و انجیل اور دوسرے انسانی ہی ذرائع سے اخذ و منقول ہوا

لفظ اللہ اب تو ایک اسلامی اصطلاح بن گیا ہے، اور پہلے بھی اسکا رواج صرف اہل عرب کی زبان پر تھا۔ یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہو رہا ہے جو نہ عرب تھے اور نہ مسلم، اس لئے اسکا ترجمہ خدا سے کر دیا گیا ہے۔

تنقید مضمون "حقوق الزوجین"

(نمبر ۱)

(از جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

(ترجمان القرآن میں کئی مہینے کا عرصہ ہوا ایک مضمون حقوق الزوجین پر مولانا مودودی کے قلم سے نکلا تھا، فقہی حیثیت سے سخت قابلِ تنقید۔ اب اس پر یہ مفصل تنقید، مدرسۂ سفینیہ سفینہ (ضلع بارہ بنکی) کے صدر مدرس صاحب نے لکھ کر بھیجی ہے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتی رہیگی۔ تنقید کی جزئیات نیز اپنے لب و لہجہ کے ذمہ دار تنقید نگار صاحب خود ہی ہیں۔ یہ تصریح ضروری تھی کہ کہیں شاہ "نذیر احمد کے مراسلوں کی طرح" اس تنقید کی بھی ذمہ داری مدیر صدق ہی کے سر نہ ڈال دی جائے۔ — صدق)

اب ہم حقوق الزوجین پر تبصرہ شروع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس پر تبصرہ کے دو طریق ہیں۔ ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔ اس لیے ہم اس پر اولاً اجمالی تبصرہ کرتے ہیں اور اسکے بعد تفصیلی تبصرہ کرینگے۔

تبصرۂ اجمالی

ہر قانون میں اجتہاد کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک قانونی مہارت کی اور دوسرے نیک نیتی کی۔ پس جو اجتہاد بلا قانونی مہارت کے ہوگا۔ اُسکو اجتہاد کہنا صحیح نہیں۔ بلکہ اسکو قانون کی تغییر اور تحریف کہا جاویگا۔ اسی طرح جو اجتہاد نیک نیتی پر مبنی نہ ہوگا، بلکہ اسکے اندر کوئی غرضِ فاسد شامل ہوگی۔ وہ بھی اجتہاد کہلانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ اُسکو بھی تغییرِ قانون اور تحریف ہی کہا جائے۔ قانونی مہارت کا مطلب تو ظاہر ہے۔ اب رہی نیک نیتی، سو اسکا مطلب یہ ہے کہ قانون میں اجتہاد کرنے والے کا مقصد صرف صحیح قانون معلوم کرنا ہو، اور اس سے زائد اسکا کچھ مقصد نہ ہو۔ اب جبکہ ہم مودودی صاحب کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان میں قانونی مہارت ہے نہ نیک نیتی۔ اس لیے اُنکے وہ تمام اجتہادات جو اُنھوں نے حقوق الزوجین میں کیے ہیں سراسر تغییر اور تحریفِ قانون ہیں اور اُنکو اجتہاد کہنا بالکل ہی غلط ہے۔ ہمارے اس بیان میں دو باتیں محتاجِ تشریح ہیں۔ ایک یہ کہ مودودی صاحب قانونی مہارت سے محروم ہیں۔ اور دوسری یہ کہ اُنکے اندر نیک نیتی نہیں ہے۔ سو امرِ اول کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے قانونِ اسلام کو کسی ماہرِ قانون سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ انکو اسلام کے متعلق جو کچھ ادھوری اور ناقص معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ خود اُنکے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ اور اس لیے انکی مثال بالکل اُس یورپین کی ہے جو فرنگی ذہنیت کے ساتھ اسلامی لٹریچر کا ذاتی طور پر مطالعہ کرکے اصولی طور پر اسلام کو حق اور صحیح مذہب تسلیم کرتا اور مسلمان ہو جاتا ہے، اور اپنے کو محقق اور مجتہد سمجھ کر اسلام کے اصول و فروع کے متعلق کچھ غلط اور کچھ صحیح نظریہ قائم کر لیتا ہے۔ ہمارے اس بیان کا ثبوت یہ ہے کہ ترجمان القرآن میں جماعتِ اسلامی کے پہلے اجتماع کی جو روداد شایع ہوئی ہے اُس میں قمر الدین خاں

صاحب ناظم شعبۂ تعلیم فرماتے ہیں

"آپ (یعنی مودودی صاحب) نے بتایا کہ ایک وقت تھا کہ میں خود روایتی اور نسلی مذہبیت کا قائل اور اس پر عمل پیرا تھا۔ جب ہوش آیا تو محسوس ہوا کہ اس طرح محض ما الفینا علیہ آباءنا کی پیروی ایک بے معنی چیز ہے۔ آخر کار آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور اسلام کو از سرِ نو سمجھا، اور اس پر ایمان لائے۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے مجموعی اور تفصیلی احکام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی"

مودودی صاحب کا یہ بیان ہمارے مذکورۂ بالا بیان کا ناقابلِ رد ثبوت ہے۔ اور اس سے ایک خاص بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجتہدِ اسلام بن چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں جو پہلا اجتہاد فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ ما الفینا علیہ آباءنا سے ثابت ہوتا ہے کہ روایتی اور نسلی مذہبیت سراسر بے معنی چیز ہے اور جن لوگوں نے براہِ راست کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اسلام کو نہیں سمجھا اُنکا اسلام اسلام نہیں۔ خواہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ اور جن لوگوں نے براہِ راست کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اسلام کو حاصل کیا ہے۔ وہ صحیح معنی میں مسلمان ہیں۔ اگرچہ سمجھنے والے نے اپنی ناقابلیت کی بنا پر اسکے سمجھنے میں غلطی ہی کیوں نہ کی ہو۔ آپ کے اس اجتہاد سے آپ کی قانونی مہارت اور فقیہانہ بصیرت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے آپ کو اُنکے ان اجتہادات کی قدر و قیمت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ جو اُنھوں نے اس مجتہدانہ قابلیت کے ماتحت کیے ہیں۔ مودودی صاحب کی قانونی مہارت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ وہ اب تک اجتہاد کے معنی بھی نہیں جانتے۔ چنانچہ جسکو شرعاً تغییر و تحریفِ قانون بلکہ قانون سازی کہنا صحیح ہے۔ اسکو وہ اجتہاد سمجھے ہوئے ہیں۔ پھر قانونی مہارت کے لیے جس طرح اسکی ضرورت ہے کہ قانون پر اسکی نظر ہو، یونہی اسکی بھی ضرورت ہے کہ اجتہاد کرنے والا صائب الرائے ہو۔ کیونکہ قانونی غلطی کا ایک سبب جس طرح قصورِ نظر ہے۔ یونہی غلط فہمی بھی اسکا ایک سبب ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے اندر یہ دونوں باتیں بھی نہیں ہیں۔ مثلاً اُنھوں نے احادیثِ لعان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شوہر خواہ اپنی بیوی پر بالفاظِ صریح زنا کا الزام لگائے یا اولاد کے متعلق کہے کہ وہ اُسکی نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں لعان واجب آتا ہے۔ اس میں آپ نے قانونِ شہادت کو نظر انداز کرکے عام حکم لگایا ہے۔ حالانکہ یہ حکم عام نہیں ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ لعان بحکم فشہادۃ احدہم اربع شہادات باللہ ایک شہادت ہے۔ اور اس لیے اُسکے لیے لعان کرنے والوں کا اہلِ شہادت ہونا ضروری ہے۔ اور باوجودیکہ فقہ میں یہ چیز منصوص اور مصرح ہے۔ مگر آپ نے اسکی طرف کوئی التفات نہیں کیا۔ پس اسکے بعد اسکے اندر قصورِ نظر اور قصورِ فہم دونوں باتیں آپ کی اس فاش غلطی کا سبب بنی ہیں

یہاں تک تو گفتگو مودودی صاحب کی مہارتِ قانونی کے متعلق تھی۔ اب نیک نیتی کو لیجیے۔ آپ کی تمام کتاب پر نظر ڈالنے سے کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ قانون ازدواج کے متعلق شریعت کے احکام معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ اسکے ہر ہر لفظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ یورپ کے اصول زن پرستی پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اور مغرب کے قانون کو اپنے اس خیال پر منطبق کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ اس پر منطبق ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ اور بعض بعض مقامات پر تو آپ کا رویہ تحریف قرآن سے متجاوز کرکے قانون سازی کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ چنانچہ آپ عورت کو اس کا حق دینا چاہتے ہیں کہ وہ اُس مرد پر جس نے اُسکو تین طلاقیں دفعتہً دیدی ہیں ہرجانہ کا دعویٰ کرکے اُس سے ایک ایسی رقم وصول کرے جسکی مقدار نصف مہر تک ہو۔ اور لعان سے انکار پر وہ عورت کو حق دیتے ہیں کہ مرد پر یورپ کے قانون کے موافق ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرکے ایک معقول رقم اینٹھ لے۔ اور عورت کے انکار پر وہ اُسکو مہر سے محروم کر دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حالانکہ شریعت میں ان چیزوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ حالت آپ کی نیک نیتی کی ہے۔ بس جبکہ آپ کے اندر نہ مہارت قانونی ہے نہ نیک نیتی، تو انکے لیے کسی طرح اسلام میں اجتہاد کا حق نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور اسی حالت میں اُنکا حقوق الزوجین تصنیف فرمانا بالکل تکلمت فی الفقہ من لا یعرف الفقہ کا مصداق ہے۔ اور اس بنا پر آپ کی یہ کتاب اس قابل ہی نہیں ہے کہ کوئی اہل علم اسکو نظر اٹھا کر دیکھے۔ چہ جائیکہ اُس پر تنقید یا تبصرہ کرے۔ مگر مسلمانوں کی موجودہ حالت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اسکی گمراہیوں کو منظر عام پر لائیں، تاکہ عام مسلمان اسکے مہلک اور تباہ کن اثرات سے محفوظ رہیں۔

مودودی صاحب نے اپنی کتاب حقوق الزوجین میں جسٹس گارتھ کے ایک فیصلہ کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔ "قانون اسلام جسکی طرف ہمیں توجہ دلائی گئی ہے اور جو قدیم کتابوں میں مندرج ہے۔ اب سے صدیوں پہلے بغداد اور دوسرے ممالک میں جاری ہوا تھا۔ جنکے قانونی اور تمدنی حالات ہندوستان کے حالات سے بالکل مختلف تھے...... اس لیے امکانی حد تک ہمیں اس صحیح اصول کو دریافت کرنا چاہیے۔ جس پر کوئی حکم مبنی ہو۔ اور پھر قواعد انصاف، نیک نیتی، اور دوسرے ملکی قوانین اور تمدنی حالات کو پیش نظر رکھ کر اسے نافذ کرنا چاہیے۔" جسٹس گارتھ کے اس خیال میں اور مودودی صاحب کے خیال میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مودودی صاحب کا طریق اجتہاد بھی اسلامی نہیں ہے بلکہ وہ سراسر یورپین ہے۔ جسٹس گارتھ میں اور مودودی صاحب میں اگر کوئی فرق ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے مجتہدین اسلام پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی بلکہ اُنکے مرتب کیے ہوئے قانون کو صرف موجودہ زمانہ کے مطابق نہیں بتایا۔ برخلاف مودودی صاحب کے [illegible] اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ مجتہدین اسلام [illegible]

ہیں۔ اور انکے قوانین کو خلاف اسلام قرار دینے کی جرأت کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہو سکتا ہے کہ جسٹس موصوف نصوص میں تحریف کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ صرف اپنی عقل کو انصاف کا معیار قرار دیتے ہیں۔ بخلاف مودودی صاحب کے کہ وہ اپنی عقل کو انصاف کا معیار قرار دینے کے بعد نصوص کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو یہ فرق کوئی ایسا فرق نہیں ہے۔ جسکی بنا پر مودودی صاحب کے اجتہاد اور جسٹس موصوف کے اجتہادوں کی نوعیت بدل جائے بلکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جو مودودی صاحب کے اجتہاد کو جسٹس موصوف کے اجتہاد سے بدتر بناتی ہیں نہ کہ بہتر۔ مودودی صاحب نے جسٹس موصوف پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ پہلا اعتراض اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایک حاکم عدالت جو اسلامی قوانین سے اپنی ناواقفیت کا معترف ہے۔ اور اختلافات ائمہ میں توفیق دینے کا اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ وہ اسلامی قوانین میں اس ناقص علم کے ساتھ اجتہاد سے کام لینے کو بلا تامل جائز ٹھہراتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں کہ یہ دونوں باتیں یعنی اسلامی قوانین سے ناواقف ہونا اور ائمہ کے اختلافات میں تطبیق دینے کا اہل نہ ہونا، جس طرح جسٹس گارتھ میں موجود ہیں۔ اُسی طرح خود مودودی صاحب میں بھی موجود ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جسٹس موصوف کو اپنے جہل کا اعتراف ہے۔ اور مودودی صاحب کو اسکا اقرار نہیں ہے۔ لیکن جب ہم خود مودودی صاحب کے اس اعتراف پر نظر کرتے ہیں کہ نہ جاننا اتنا عیب نہیں جتنا کہ نہ جاننے کی حالت میں اپنے کو جاننے والا سمجھنا۔ تو پھر یہ فرق کوئی ایسا فرق نہیں رہتا جو مودودی صاحب کے لیے مفید ہو۔ بلکہ وہ اُنکے لیے سراسر مضر ہے۔ دوسرا اعتراض ان کا یہ ہے کہ اُسکے ایک اور الحاقی فیصلہ میں یہ بات ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا گیا کہ وہ عدالتوں پر اسلامی قانون کو نافذ کرنے میں صرف اسلامی قانون ہی کی حد تک کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ اسکے ساتھ دوسرے قوانین ملکی اور تمدنی حالات اور قواعد انصاف کے متعلق خود اپنے نظریات کا لحاظ کرنا بھی اسکے لیے ضروری ہے۔ لیکن اُنکا یہ اعتراض بھی سراسر بے انصافی پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ تمام باتیں خود مودودی صاحب میں بھی پوری طور پر موجود ہیں۔ چنانچہ وہ اُس قانون کو جسکو جسٹس گارتھ زمانہ حال کے مطابق نہیں کہتے سرے سے اسلامی ہی نہیں مانتے۔ پھر وہ اپنی عقل سے قوانین انصاف بھی بناتے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے قوانین میں ملکی قوانین کا بھی لحاظ کرتے ہیں علیٰ ہذا وہ اُن میں تمدنی حالات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ پھر ہم نہیں سمجھتے کہ جسٹس موصوف نے وہ کونسی قابل اعتراض بات کی ہے جس پر مودودی صاحب انکو قابل اعتراض ٹھہراتے ہیں۔ الغرض مودودی صاحب کے یہ دونوں اعتراضات بے انصافی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ جسٹس موصوف نے کوئی ایسا قابل اعتراض کام نہیں کیا جو خود مودودی صاحب نہ کر رہے ہوں۔ اب اگر اُنکے لیے ایسا کرنا جائز ہے تو جسٹس موصوف کے لیے کیوں ناجائز ہے [illegible] اُنکے لیے بھی جائز نہیں [illegible] جسٹس موصوف پر اعتراض کا کیا [illegible]

یادگار سیزدہ صد سالہ واقعۂ کربلا

(۳)

(خطبۂ صدارت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر)

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ الا اللہ کی بنیاد لا الہ پر قائم ہے۔ اسلام باطل کی نفی سے شروع ہوتا ہے اور حق کے اثبات پر مکمل ہوتا ہے۔ مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک ان سب قوتوں کی نفی نہ کرے جو خدا کے سوا ہیں۔ اُنکے پیچھے بیٹھے ہوئے معبود [illegible] کے خلاف اپنے اقتدار رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمان الا اللہ کے راستہ میں مٹ سکتا ہے لیکن لا الہ سے روکا نہیں جا سکتا۔ کربلا کے اس یادگار واقعہ میں فی الحقیقت اسلام کی اسی بنیادی اور اساسی تعلیم کی تلقین پوشیدہ ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر کسی کی حقیقت شناس نگاہوں نے دیکھا، اور حق پاش نگاہ چلا اٹھی ؎

حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

اسلئے آغاز ہی سے قانون فطرت یہی رہا ہے کہ خدا کی ربوبیت نے جب کبھی انسان کی تربیت روحانی کا قصد فرمایا اور اسکو صراط مستقیم دکھانا چاہی تو انھیں میں سے اپنے ایسے بندوں کو منتخب کر دیا جو انکو اپنے پیام و عمل کے ذریعہ خدا سے قریب تر کر سکیں۔ ان مردان حق کا سب سے پہلا کام یہ [illegible] الا اللہ کا درس دینے سے پہلے انھوں نے لا الہ کی تلقین کی [illegible] صرف تیشۂ لا الہ سے سیم و زر اور سنگ و آہن کے بتان محسوس ہی نہیں بلکہ قلوب کی دنیا سے ان بتان [illegible] کی بیخ کنی کی جو خدا اگریزی [illegible] کی صورت میں جاگزیں ہو چکے تھے۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے بتان آذری مسمار کرنا آسان تھا لیکن قلب [illegible] عصائے موسیٰ ساحران مصر کے دہشت انگیز جادو کو [illegible] تھا لیکن فرعون سے دعوے انا ربکم الاعلیٰ [illegible] ابن مریم کے لمس و نظر نے ابرص و اعمیٰ کو تو اچھا کر دیا [illegible] بحکم خدا جلا دیا، لیکن احبار یہود اور اکابر روم کی [illegible] ناشناسی کو دور کرنا آسان نہ تھا۔ خدا گریزی و حق فراموشی کے [illegible] کا راستہ آگ کی چتا، قلزم موّاج اور صلیب کی سیج سے ہو کر گزرتا تھا۔ یہ اور اسکے متبع کبھی کامیاب ہوئے اور کبھی نہ ہو سکے لیکن [illegible] ہوئے انھوں نے اس راستہ میں اپنے آپ کو فنا کر کے اپنے بعد آنے والے رہ نوردان راہ لا الہ کے لیے نقش قدم چھوڑے۔ آج بھی ہم کبھی حج و قربانی کے ذریعہ اور کبھی آیات قرآنی کی تلاوت کر کے انکی تگ و تاز جادۂ حق کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنی زندگی میں اگر ایسے ہی مواقع پیدا ہوں تو انکے طرز عمل کو اپنا وظیفۂ حیات بناتے رہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ انکے اسوۂ حسنہ کی اتباع ہم پر واجب کی گئی۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت نے سلسلۂ نبوت کو تو ختم کر دیا لیکن نور نبوت سے منور ہو کر دنیا کی تاریکیوں کو متجلی کرنے والوں کا سلسلہ دشت کربلا سے شروع ہوا اور میدان قیامت تک جاری رہیگا۔ ہمارا سب سے بڑا فرض یہی ہے کہ شپرہ چشم کی طرح نور آفتاب سے بے بہرہ رہنے کی بجائے اپنی بصارت و بصیرت کو اس نور سے منور کریں اور اپنی دنیا کو ان جادۂ حق کی مقصود و محمود دنیا بنانے کی کوشش کریں۔

لا الہ الا اللہ کہنے والو! اور اس پر اپنی حیات دنیوی کی بنیاد رکھنے والو! اور اسی کے ذریعہ حیات اُخروی کی فلاح چاہنے والو! حسینؑ کے لیے رونے والو! اور حسینؑ کی غلامی پر فخر کرنے والو! اگر حسینؑ کی طرح تم ہولناک حکومت اسلامی کی تباہی دیکھ کر تڑپ نہیں سکتے۔ اگر حسینؑ کی طرح تم بھی سر دینے لیکن باطل کی طاقت کے سامنے دست و دہن بڑھانے سے انکار رکھنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اگر لا الہ کی منزل تم کو دعوت ایثار و قربانی نہیں دے رہی ہے۔ اگر دنیوی زندگی کا عیش و آرام اپنے آراستہ و مکلل مکان، اپنی دولت کے ڈھیر، اپنے بیوی بچے اور عزیز و اقارب اپنے مناسب و جاہ و مراتب تم کو لا الہ سے زیادہ محبوب ہیں تو اپنے جھوٹے دعوائے محبت حسین علیہ السلام سے قلب حسین پر خنجر شمر سے تیز تر خنجر نہ چلاؤ۔ اگر تمھاری پیشانی زیر خنجر بھی صرف خدائے واحد و قہار کے لیے سجدہ ریز نہیں ہو سکتی، اگر تم راہ حق میں سب کچھ لٹا کر بھی مسکرا نہیں سکتے، اگر تم ظالم کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندے جا کر بھی سبحان ربی الاعلیٰ نہیں پکار سکتے، اگر تم محمد رسول اللہ صلعم کی امانت یعنی تعلیمات قرآنی کو دنیا سے فنا ہوتا دیکھ کر بھی برداشت کر سکتے ہو، تو خدا کا واسطہ محمد رسول اللہ صلعم اور خون شہید کربلا کا واسطہ اپنی نسبتوں کو دامن حسینؑ سے وابستہ کر کے اسکو آلودہ نہ کرو۔ محرم کا چاند ہر سال افق مغرب پر طلوع ہوتا ہے اور اپنی پتلی پتلی نازک انگلیوں سے کربلا کے میدان کی طرف اشارہ کرتا اور مسلمان کو یاد دلاتا ہے کہ اسکی زندگی کی منزل راہ حق میں فدویت ہے۔ یزید دنیا سے مٹ نہیں گئے اور کربلا کے دامن نے حسینؑ کو چھپا نہیں لیا۔ ہمیشہ یزید پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ دنیا کو ہمیشہ حسین کی ضرورت رہی ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ یزید کو دیکھنے کے لیے حسین علیہ السلام کی نگاہ اور یزید سے نمٹنے کے لیے حسینؑ کا دل چاہیے۔ ہر وہ طاقت جو باطل کی علمبردار ہے اور قوانین الٰہی سے گریز کرنا چاہتی ہے یزیدیت کی اور ہر وہ مرد حق پرست جو قوانین الٰہیہ کا نفاذ چاہتا ہے اور حکومت الٰہیہ کا متمنی ہے راہ حسینؑ پر گامزن ہے۔ اگر سیزدہ صد سالہ یادگار کربلا رہروان راہ حسینؑ کے لیے کوئی رہبری نہ بنی تو اس پر جو محنت، جو روپیہ، اور جو وقت صرف ہوا میں اُسے ضائع شدہ سمجھتا ہوں۔

حیات جاوید کے طلبگارو! فرعون اور اُسکے ساتھیوں کی نسبت کہا گیا فما بکت علیہم السماء والارض، لیکن حسینؑ کی مظلومیت کا ماتم آج دنیا کے ہر گوشہ میں ہو رہا ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو زندۂ جاوید بناؤ تو اسکا ایک اور صرف ایک راستہ ہے۔ اور وہ راہ حسینؑ ہے۔ ہم ہر روز کئی کئی دفعہ خشوع و خضوع سے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر صراط مستقیم کی دعائیں مانگتے ہیں، اور پھر اسی کے بتلائے ہوئے الفاظ میں صراط مستقیم کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ انکی راہ ہے جن پر خدا نے انعام کیا